

مَرَاتِنٌ عَلَيَّكَ يَا بَيِّنَةً

آسَاكُ بَيَانُ الْفَرْشِ

جلد چہارم

از سورہ نمل تا ختم سور الجاثیہ

تصنیف لطیف

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تسہیل نگار

حضرت مولانا عقیدۃ اللہ قاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

نظر ثانی

حضرت مولانا مفتی شعیب محمد صاحب پالن پوری دہلی

شیخ الحدیث و صدر المدینہ دارالعلوم دیوبند

اعتناء و پیشکش

مفتی عبدالرؤف غزنوی

فاضل و سابق استاذ و طبیب دارالعلوم دیوبند (انڈیا)
استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ غزنوی کراچی

0333-2114000



اَمْرَانِ عَلَيْنَا بَيَانُهُ

آسان بیان القرآن

جلد چہارم

از سورہ نمل تا ختم سورۃ الجاثیہ

تصنیف لطیف

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تسطیل منظر

حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

نظر ثانی

حضرت مولانا مفتی شعیب احمد صاحب پالن پوری دکن کاتھم

شیخ الحدیث صدر الدین دارالعلوم دیوبند

اہتمام و پیش کش

مفتی عبدالرؤف غزنوی

فاضل و سابق استاذ و خطیب دارالعلوم دیوبند (انڈیا)
استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ بنوری کراچی

0333-2114000

طاہر جنت کے علوم کا پارسا

دینی و ملی کتابوں کا عظیم مرکز نیٹکرام چینل

حقی کتب خانہ محمد معاذ خان

درس نکاحی کیلئے ایک مفید ترین

نیٹکرام چینل

جملہ حقوق طباعت محفوظ ہیں

مکتبہ حجاز (دیوبند) کی خصوصی اجازت کے تحت پاکستان میں ”آسان بیان القرآن“ کی اشاعت کے جملہ حقوق قانونی طور پر بحق مکتبہ غزنوی کراچی محفوظ ہیں

نام کتاب

۔۔۔۔۔ آسان بیان القرآن جلد چہارم

مؤلف

۔۔۔۔۔ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تسہیل نگار

۔۔۔۔۔ حضرت مولانا عقیدۃ اللہ قاسمی (ماہل وعلوم دہلوی)

نظر ثانی

۔۔۔۔۔ حضرت مولانا مفتی سید محمد صاحب پالن پوری دہلوی

شیخ الحدیث محمد الدین دارالعلوم دیوبند

اہتمام و پیشکش

۔۔۔۔۔ مفتی عبدالرؤف غزنوی

ماہل و سائنس استاد و طبیب دارالعلوم دیوبند (انڈیا)
استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قانونی مشیر

۔۔۔۔۔ خواجہ سیف الاسلام ایڈووکیٹ ہائی کورٹ سندھ

اشاعت اول پاکستان میں ۔۔۔۔۔ ۱۴۴۰ھ - 2019ء

ناشر

۔۔۔۔۔ مکتبہ غزنوی، سلام کتب مارکیٹ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون

۔۔۔۔۔ 0333-2114000



✉: hafizsaeedalam@gmail.com ☎: +92-321-4283 199
Karachi, Pakistan.

پریس

== ناشر ==

مکتبہ غزنوی کراچی

دوکان نمبر 13، سلام کتب مارکیٹ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی 0333-2114000

فہرست مضامین

سورہ نمل

- ۱۷ وحی اور رسالت کا اثبات:
- ۱۹ پہلا قصہ: موسیٰ علیہ السلام کا:
- ۲۲ دوسرا قصہ: داؤد علیہ السلام کا مختصر اور سلیمان علیہ السلام کا مفصل:
- ۲۳ قصہ کا تہہ:
- ۲۷ قصہ کا تہہ یعنی باقی حصہ:
- ۲۹ قصہ کا تہہ:
- ۳۱ قصہ کا تہہ:
- ۳۳ تیسرا قصہ: صالح علیہ السلام کی قوم کا:
- ۳۵ چوتھا قصہ: لوط علیہ السلام کا:
- ۳۵ توحید کا خطبہ:
- ۳۶ توحید کی دلیلوں میں سے پہلی قسم:
- ۳۶ دوسری قسم:
- ۳۷ تیسری قسم:
- ۳۷ چوتھی قسم:
- ۳۸ پانچویں قسم:
- ۳۹ آخرت اور اس سے متعلق امور کی بحث:
- ۴۱ قرآن کے حق ہونے کی اور برکتوں کا اثبات:
- ۴۳ رسول اللہ ﷺ کو تسلی:
- ۴۵ قیامت اور اس کی علامتوں اور واقعات کے ذکر کی طرف واپسی:
- ۴۸ توحید رسالت اور آخرت کی بحثوں کی تلخیص:

سورۃ القصص

- ۵۰ قرآن کے برحق ہونے سے ابتداء:
- ۵۱ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ (بالاختصار)
- ۵۱ بالاختصار واقعہ:
- ۵۳ قصہ کی تفصیل:
- ۵۶ قصہ کا باقی حصہ:
- ۵۹ باقی قصہ:
- ۶۲ باقی قصہ:
- ۶۳ باقی قصہ:
- ۶۶ محمد ﷺ کی رسالت کا اثبات مع بعض شبہات کے جواب کے:
- ۷۱ بشارتوں والے علماء کے ایمان لانے سے رسالت پر استدلال کی طرف اشارہ:
- ۷۲ حقیقی ہدایت پر قدرت کی نفی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی تسلی:
- ۷۳ بہانوں کا دور کرنا اور ایمان کے راستہ کی رکاوٹیں:
- ۷۶ ہولنا کیوں کے دن میں گمراہی اور ایمان کے نتیجوں کا ظہور:
- ۷۸ توحید اور بعض انعاموں کا اثبات:
- ۸۰ قیامت کے دن مشرکوں کی توقع یعنی ڈرانے و دھمکانے کی حکایت:
- ۸۲ قارون کا قصہ:
- ۸۵ آخرت کی جزا و سزا کے لئے طاعت و معصیت کا مدعا ہونا:
- ۸۷ رسالت توحید اور بعثت کے بیان پر خاتمہ:

سورۃ العنکبوت

کافروں کی طرف سے دی جانے والی تکلیفوں پر صبر کرنے پر مومنوں کو ابھارنا اور دونوں فریق کے لئے جزا

- ۹۲ دین کے خلاف کرنے میں والدین کی اطاعت سے روکنا مع ترہیب و ترغیب:
- ۹۳ دین میں کمزور لوگوں کو طاعت:
- ۹۴ کافروں کا جھوٹا اور معذب ہونا گناہوں کی ذمہ داری اپنے سر لینے کی شکل میں:
- ۹۵ پہلا واقعہ: نوح علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:
- ۹۶ دوسرا قصہ: ابراہیم علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:
- ۹۷ بعث اور جزا و سزا کا بیان:
- ۹۹ ابراہیم علیہ السلام کا باقی قصہ:
- ۱۰۱ تیسرا قصہ: لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا:
- ۱۰۲ چوتھا قصہ: شعیب علیہ السلام کا:
- ۱۰۳ پانچواں، چھٹا، ساتواں، آٹھواں اور نوواں قصہ: عاد، ثمود، قارون، فرعون اور ہامان کا (بالاختصار)
- ۱۰۴ شرک کا یودا پن اور توحید کا اثبات:
- ۱۰۵ رسالت سے متعلق کلام:
- ۱۰۷ رسالت کے سلسلہ کا باقی کلام:
- ۱۰۸ رسالت کے سلسلہ میں باقی کلام:
- ۱۱۰ رسالت کے سلسلہ میں باقی کلام:
- ۱۱۱ ہجرت کی ترغیب اور اس کی تقویت رکاوٹوں کو دور کرنے اور اسباب کے ذکر کے ذریعہ:
- ۱۱۳ شرک کی تردید اور توحید کے اثبات کی طرف واپسی:
- ۱۱۶ خاتمہ: دین کے لئے مشقت برداشت کرنے والوں کے لئے خوش خبری:

سورة الروم

- ۱۱۷ اہل اسلام کی خوشی کا سبب بننے والی پیشین گوئی:
- ۱۱۹ دنیا کی محبت اور کفر و انکار پر ڈانٹ:
- ۱۲۱ آخرت کے واقع ہونے کی خبر اور اس میں جزا و سزا کا بیان:
- ۱۲۱ پاکی بیان کرنے اور تعریف کرنے کا حکم:

- ۱۲۳ بعث کے صحیح ہونے پر قدرت کی دلیلوں سے استدلال:
- ۱۲۶ توحید کا اثبات:
- ۱۳۰ شرک و گمراہی اور برے اعمال کے وبال کا ذکر:
- ۱۳۳ توحید کے مضمون کی طرف واپسی اور تسلی اور آخرت کا مختصر انداز میں اثبات:
- ۱۳۶ بعث کے امکان اور واقع ہونے کا اثبات:
- ۱۳۸ قرآن کے مضامین کی بلاغت، سرکشی و نافرمانی کرنے والوں کا عناد اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

سورۃ لقمان

- قرآن کی اور اس کی تصدیق کرنے والوں کی مدح و تعریف اور اس سے منہ پھیرنے والوں، گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کی مذمت اور دونوں فریقوں کا انجام:
- ۱۴۰ توحید:
- ۱۴۲ لقمان کی حکایت اور توحید وغیرہ سے متعلق ان کی وصیتیں:
- ۱۴۳ توحید کے مضمون کی تاکید:
- ۱۴۸ وعید کے دن سے ڈرانا:
- ۱۵۲ علم غیب کے حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے پر سورت کا خاتمہ:
- ۱۵۳ گمراہوں کی مذمت اور رسولوں کی تسلی اور تسلی کے مضمونوں سے متعلق کافروں کے بعض شبہات کا جواب:

سورۃ السجدة

- رسالت کا اور قرآن کے برحق ہونے کا اثبات:
- ۱۵۵ توحید کا اثبات:
- ۱۵۶ بعث و جزا کا اثبات:
- ۱۵۹ رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کی تسلی اور تسلی کے مضمونوں سے متعلق کافروں کے بعض شبہات کا جواب:
- ۱۶۲ کافروں کی طرف سے قولی اذیت کی پہلی قسم اسلام کی دعوت سے روکنے پر نبی ﷺ کی تسلی:

سورۃ الاحزاب

- کافروں کی طرف سے قولی اذیت کی پہلی قسم اسلام کی دعوت سے روکنے پر نبی ﷺ کی تسلی:
- ۱۶۳ کافروں کی طرف سے قولی اذیت کی دوسری قسم کی بنیاد کو ختم کرنا اور بعض نظیروں سے اس کی تقویت:
- ۱۶۶ کافروں کی طرف سے قولی اذیت کی دوسری قسم کی بنیاد کو ختم کرنا اور بعض نظیروں سے اس کی تقویت:

- ۱۶۹ پہلی قسم: رسول کی شان کا عظیم ہونا اقریبیت کی دلیل سے اور وراثت کے بعض احکام:
- ۱۷۱ انبیاء سے عہد اور دشمنوں کو عذاب:
- اللہ کی نعمتوں کے جلو میں غزوہ احزاب وغزوہ بنو قریظہ کی حکایت: اور اللہ کے مدد فرمانے کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی جلالت شان کی طرف اشارہ: اور کفار کی طرف سے قتال کے ذریعہ ایذا رسانی کی برائی اور منافقوں کا باتوں سے تکلیف پہنچانے کا تذکرہ
- ۱۷۴ نئی قسم: رسول ﷺ کی اذیت کی پانچویں قسم جو سب سے ہلکی ہے، اس سے منع کرنے کے ضمن میں ازواج مطہرات سے خطاب:
- ۱۸۱ اسلامی احکام و تعلیمات پر عمل کرنے پر تمام مسلمانوں کو عام خوش خبری:
- ۱۹ رسول اللہ ﷺ کی شان کی بڑائی کا بیان آپ کی اطاعت کے واجب ہونے سے اور حضرت زینبؓ کے نکاح پر طعن کا تفصیلی جواب:
- ۱۹۳ رسول ﷺ کی تسلی اور بزرگی و عظمت کے ذکر کے ساتھ بعض فضیلتیں اور بعض احسانوں کے ذکر کے ساتھ مومنوں سے خطاب:
- ۱۹۸ بیوی کو چھوٹنے سے پہلے طلاق کے بعض احکام امت سے متعلق اور نکاح سے متعلق بعض اخاص احکام میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب:
- ۲۰۲ رسول اللہ ﷺ کو ایذا اور رنج و غم پہنچانے کا سبب بننے والے امور کی ممانعت اور آپ ﷺ کی عظمت، احترام اور بزرگی کی طرف اشارہ کرنے والے امور کی تشریع یعنی کھانے کے آداب، دیکھنے اور کلام کرنے کے مسائل اور اہل اسلام کی ماؤں یعنی رسول اللہ کی بیویوں سے نکاح کی حرمت کا بیان
- ۲۱۱ نئی قسم: رسول ﷺ کی شان کی عظمت و بڑائی کا صلوة و سلام کی خبر اور حکم کے ذریعہ بیان:
- ۲۱۳ رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو ایذا پہنچانے پر وعید:
- ۲۱۶ رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو ایذا پہنچانا، عورتوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے اور افواہیں اڑا کر:
- ۲۱۷ قیامت اور سزا کے واقع ہونے کی بنیاد پر مخالفوں کو ڈرانا دھمکانا:
- ۲۲۰ معصیت سے ڈرانا اور اطاعت کی ترغیب دینا:
- ۲۲۲ احکام کا مکلف ہونا اور طاعتوں اور گناہوں کے نتائج:
- ۲۲۳

سورۃ سبا

- توحید: ۲۲۷
- بعث کا اثبات: ۲۲۸
- داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ: ۲۳۲
- سبا کے کافروں کا قصہ: ۲۳۶
- ابلیس کی اتباع کرنے والوں اور اتباع نہ کرنے والوں کے اس دنیا میں اور آخرت میں حال کا بیان اور اس کو مسلط کرنے کی حکمت: ۲۳۸
- توحید کا اثبات اور شرک کا باطل کرنا: ۲۴۰
- محمد ﷺ کی رسالت اور اس کے عام ہونے کا اثبات: ۲۴۲
- بعث اور اس کے بعض واقعات کا ذکر: ۲۴۳
- رسول ﷺ کی تسلی اور شریر لوگوں کے قول کا کھوٹ ظاہر کرنا: ۲۴۴
- رزق کے مقسوم ہونے پر زہد کی تفریع: ۲۴۶
- حشر اور اس کی ہولناکیوں کا دوبارہ تذکرہ: ۲۴۶
- رسالت کا دوبارہ اثبات: ۲۴۹
- آخر میں حق کا انکار کرنے والوں کے برے انجام کا بیان: ۲۵۳

سورۃ فاطر

- توحید کا اثبات: ۲۵۵
- رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی، سرکشی کرنے والوں کو ڈرانا اور اہل ایمان کے لئے خوش خبری: ۲۵۷
- توحید کے مضمون کا دوبارہ ذکر اور موقع محل کے مناسب بعض دوسرے مضامین: ۲۶۰
- انکار کرنے والوں کو ڈرانا اور سید المرسلین ﷺ کی تسلی: ۲۶۴
- وحدت و خشیت، اور علمت کے ذریعہ اس کی تقویت: ۲۶۷
- ثواب و عذاب کا بیان اور اعمال اور عمل کرنے والوں میں فرق: ۲۶۹

- ۲۷۲ توحید اور ڈرانا:
- ۲۷۴ کفر پر لعنت و ملامت:

سورۃ یٰسّٰ

- رسالت کا اثبات اور عمل کرنے والوں کی استعداد کے فرق کے ذریعہ تسلی اور حشر میں اس پر جزا کا
- ۲۷۷ مرتب ہونا:
- ۲۸۰ بستی والوں کا قصہ اور رسولوں کو جھٹلانے والوں کی برائی:
- ۲۸۵ توحید کا اثبات:
- ۲۸۹ کافروں کا ترہیب و ترغیب سے متاثر نہ ہونا:
- ۲۹۲ آخرت کے احوال اور دنیاوی عذاب کے احتمال کے ذریعہ ڈرانا و دھمکانا:
- ۲۹۵ رسالت اور قرآن کی تحقیق:
- ۲۹۶ ایک بار پھر توحید کا ذکر:
- ۲۹۷ رسول اللہ ﷺ کی تسلی:
- ۲۹۸ بعثت کو محال سمجھنے کا جواب:

سورۃ الصافات

- ۳۰۰ دلیل کے ذریعہ توحید کا اثبات اور قسم کے ذریعہ اس کی تاکید:
- ۳۰۵ بعثت کی بحث اور اس کے واقعات:
- ۳۱۱ پہلا قصہ: نوح علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:
- ۳۱۴ دوسرا قصہ: ابراہیم علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:
- ۳۱۸ تیسرا قصہ: موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا:
- ۳۱۹ چوتھا قصہ: الیاس علیہ السلام کا:
- ۳۲۰ پانچواں قصہ: لوط علیہ السلام کا:
- ۳۲۱ چھٹا قصہ: یونس علیہ السلام کا:

- ۳۳۳ شرک کا باطل کرنا:
- ۳۳۶ عہد توڑنے کی برائی اور کافروں کو معبود عذاب کے ذریعہ کھڑکھڑانا اور رسول ﷺ کی تسلی:
- ۳۳۸ خاتمہ: تمام عالموں کے رب کی پاکی اور تعریف اور رسولوں کی شان کی بلندی:

سورہ ص

- رسول اللہ ﷺ کی رسالت، رب العالمین کی توحید اور قیامت کے دن کے واقع ہونے کا انکار کرنے اور جھٹلانے والے کافروں کو طاعت اور ان کی برائی:
- ۳۳۱ تسلی اور داد علیہ السلام کا پہلا قصہ:
- ۳۳۵ توحید، بعث اور رسالت پر مختصر انداز میں استدلال:
- ۳۳۹ دوسرا قصہ: سلیمان علیہ السلام کا، جس میں دو قصے شامل ہیں:
- ۳۴۱ تیسرا قصہ: ایوب علیہ السلام کا:
- ۳۴۳ چوتھا، پانچواں، چھٹا، ساتواں، آٹھواں اور نواں قصہ: ابراہیم، اسحاق، یعقوب، اسماعیل، الیسع اور زوالکفل کا مختصر انداز میں:
- ۳۴۵ مجازات کی تفصیل:
- ۳۴۷ توحید اور رسالت کی تحقیق:
- ۳۴۹ دسواں قصہ: آدم علیہ السلام کا:
- ۳۵۱ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے سلسلہ میں نصیحت سے بھرے ہوئے کلام پر خاتمہ:
- ۳۵۲

سورہ الزمر

- ۳۵۳ تمہید: توحید کا حق ہونا اور شریک قرار دینے کا باطل ہونا اور قرآن کا برحق ہونا:
- ۳۵۷ مشرکوں کی مذمت و وعید اور مومنوں کی تعریف و وعدہ:
- ۳۶۰ ایمان کا حکم اور معصیت و نافرمانی سے روکنا اور ان کے ثمرات: جہنم و جنت:
- ۳۶۱ دنیا کا جلدی فنا ہونا:
- ۳۶۲ اللہ کی کتاب سے بعض کا متاثر ہونا اور بعض کا متاثر نہ ہونا:

- ۳۶۴ گمراہ کے لئے عذاب اور ہدایت پانے کے لئے ثواب:
- ۳۶۵ قرآن کا فضل و کمال:
- ۳۶۵ توحید کو ماننے والے اور مشرک کی نظیر:
- ۳۶۶ قیامت کے دن خاصہ اور محاکمہ:
- ۳۶۶ قیامت کے دن اختصام کے انجام کا ظاہر ہونا:
- ۳۶۸ مشرکوں کی باتوں اور برتاؤ کے تعلق سے رسول ﷺ کو تسلی:
- ۳۷۱ پھر سے توحید کا ذکر:
- ۳۷۲ رسول اللہ ﷺ کو دعا کی تعلیم کے ضمن میں تسلی اور کافروں کی جزا کے بیان سے مضمون کا پورا ہونا:
- ۳۷۴ مشرکوں کی جہالت اور عبرتناک سزا:
- ۳۷۶ اسلام پر مطلق نجات اور معافی کا وعدہ اور اس کی ضد پر عذاب سزا کی وعید:
- ۳۷۸ توحید کے امر کی تائید اور وعدہ و وعید کا واقع ہونا اور شرک کی مذمت کی تاکید:
- ۳۸۱ خاتمہ میں جزا و سزا کی تفصیل:

سورة المؤمن

تمہید میں قرآن مجید کے برحق ہونے کا اور اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا بیان پھر ضدی جھگڑا لوگوں کو دھمکانا

- ۳۸۵ اور توحید والوں کے مدائح:
- ۳۸۷ جہنم میں داخل ہونے کے بعد کافروں کے بعض حالات:
- ۳۸۹ توحید اور دھمکانا:
- ۳۹۳ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور دونوں کا اجتماع کرنے والوں کا قصہ:
- ۴۰۰ جہنم میں داخل ہونے کے بعد کافروں کے بعض حالات:
- ۴۰۲ رسول کی تسلی، گمراہ لوگوں کی ملامت اور بعض بحثوں اور جھگڑوں کا رد:
- ۴۰۵ توحید:
- ۴۰۷ بحث و جھگڑا کرنے والوں کو ملامت اور ڈرانا دھمکانا اور رسول ﷺ کو تسلی:
- ۴۱۰ عالموں کے رب کی توحید اور منکروں مشرکوں کی علامت اور ان کے ڈرانے دھمکانے پر سورت کا خاتمہ:

سورة حم السجدة

- توحید کی تمہید میں قرآن مبین کا اور رسالت کا برحق ہونا اور مکرین پر ڈانٹ اور تمہ میں مکرین کی سخت سزا اور مومنین موحیدین کے ثواب کا بیان: ۴۱۳
- توحید: ۴۱۵
- توحید و رسالت کا انکار کرنے والوں کو دھمکانا و ڈرانا: ۴۱۹
- قرآن اور رسالت کا انکار کرنے والوں کی مذمت اور عذاب: ۴۲۲
- مومنوں کا اچھا حال و انجام اور ان کے اخلاق و اعمال کی تعریف: ۴۲۳
- دوبارہ توحید کا ذکر تاکید کے ساتھ اور نئے سرے سے پیدا کرنے کا اثبات سخت وعید کی تمہید کے ساتھ: ۴۲۵
- توحید اور رسالت کے انکار پر ملامت اور وعید: ۴۲۶
- قرآن کی حقانیت کا بیان، اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور نافرمانوں کا رد اور ان کی مذمت: ۴۲۷
- قیامت، توحید اور رسالت کا اثبات اور جہالت والوں کی گمراہی: ۴۳۰

سورة الشوری

- توحید، رسالت بعثت اور جزاء: ۴۳۵
- توحید کی تاکید: ۴۳۷
- توحید کی دلیل کی تاکید اور رسالت کی تاکید: ۴۳۹
- قیامت اور جزاء کے واقع ہونے کی تحقیق: ۴۴۱
- دنیا کی نعمتوں میں مشغول ہونے پر انکار اور آخرت کی نعمتوں کی ترغیب: ۴۴۳
- دین میں باتیں گھڑنے کو باطل کرنا اور انکار کرنے والوں کے عذاب کی تکمیل اور مومنوں کے ثواب کا بیان: ۴۴۵
- رسالت کو مدلل کرنے کا پھر سے تذکرہ: ۴۴۶
- توبہ کرنے والوں کے لئے خوش خبری اور اصرار کرنے والوں کو ڈرانا: ۴۴۸
- توحید پر دلالت کرنے والی بعض صفتوں اور افعال کا بیان: ۴۴۹

- ۴۵۳ دنیا کا حقیر اور آخرت کا نفیس ہونا اور اچھے اعمال کے ذریعہ اس کو حاصل کرنے کا طریقہ:
- ۴۵۵ قیامت میں کافروں کی بد حالی:
- ۴۵۶ کافروں پر ایمان کا واجب ہونا اور رسول ﷺ کی تسلی کا سامان:
- ۴۵۷ توحید:
- ۴۵۹ رسالت کی تحقیق اور توحید اور جزا و سزا:

سورة الزخرف

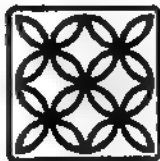
- ۴۶۲ قرآن اور رسالت کا برحق ہونا اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور جاہل کافروں کے انکار کا بودا ہونا:
- ۴۶۵ توحید کا اثبات اور شرک کا باطل کرنا:
- توحید کے عقیدہ کا ابراہیم علیہ السلام سے وراثت میں چلے آنا اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے متعلق
- ۴۷۰ ایک شبہ کا جواب:
- ۴۷۳ رسول اللہ ﷺ کی تسلی کا اہتمام:
- ۴۷۷ سابقہ مضمونوں کی تائید میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ:
- ۴۸۰ توحید کے معاملہ میں مشرکوں کی بحث کی تردید اور تائید کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا بیان:
- ۴۸۵ کافروں کو قیامت کی دھمکی اور خوش نصیبوں اور بد نصیبوں کی جزا و سزا:
- ۴۸۷ کافروں کے جرائم کی تفصیل جہنم کے عذاب کی علت کے طور پر:

سورة الدخان

- ۴۹۱ نازل شدہ قرآن کا جس پر اتارا گیا اس رسول کا اور نازل کرنے والے پروردگار کا عظیم الشان ہونا:
- ۴۹۳ کھلے حق کا انکار کرنے والوں کے لئے وعید:
- ۴۹۶ شامت زدہ فرعون کا واقعہ وعید مذکورہ کی تاکید کے لئے:
- ۵۰۰ بعث اور اس سے متعلق امور کی تحقیق:
- ۵۰۲ بھاری دن کے واقعات کی کچھ تفصیل:
- ۵۰۴ کتاب نصیحت کی آسانی کی جزا اور خوش خبری دینے اور ڈرانے والے کو دلا سزا:

سورۃ الجاثیہ

- سورت کے مضامین کی تاکید کے لئے تمہید: ۵۰۵
- توحید: ۵۰۵
- نبوت: ۵۰۶
- ضدی لوگوں کا آخرت میں انجام: ۵۰۷
- مشرکوں کی اذیت برداشت کرنے کا حکم اور ترغیب اور مومنوں کی تسلی کے لئے ان کے مذاہب کی طرف
- اشارہ: ۵۰۸
- نبوت اور اس سے متعلق امور کا پھر سے تذکرہ: ۵۰۹
- آخرت کی حکمت: ۵۱۱
- آخرت کا امکان اور صحت اور ایک دوسری حکمت: ۵۱۲
- آخرت کا انکار کرنے والوں کی برائی: ۵۱۳
- آخرت کا انکار کرنے والوں کی باتوں کا جواب: ۵۱۴
- مذکورہ جواب کی تائید اور قیامت کے بعض واقعات: ۵۱۶
- اللہ تعالیٰ کی صفتوں کے کمال کا بیان: ۵۱۸



بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک کرم فرما کا ذکر خیر، رحمۃ اللہ رحمۃً واسعة

آسان بیان القرآن کی جلد چہارم تیار ہو کر پریس جاری ہے، شروع میں دو صفحات کی گنجائش تھی، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہاں الحاج ابن فاروق صاحب آمبور کا ذکر خیر کروں، موصوف ۵/شوال سنہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۹ جون ۲۰۱۹ء بروز اتوار آمبور ضلع ویلور (تمل ناڈو) میں اچانک رحلت فرما گئے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھریں اور درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

رمضان المبارک سے پہلے میرا بنگلور جانا ہوا، وہاں سے حاجی صاحب مجھے آمبور لے گئے، جب بھی اس طرف کا سفر ہوتا ہے تو آمبور ضرور جانا ہوتا ہے، اس سفر میں میں نے حاجی صاحب سے ذکر کیا کہ ایک مولانا صاحب نے حضرت تھانویؒ کی بیان القرآن کی تسہیل کی ہے، میں اس کو اصل سے ملا کر اطمینان کر رہا ہوں، تقریباً چار پانچ جلدوں میں آئے گی، اور تقریباً دس لاکھ کا خرچ آئے گا، حاجی صاحب نے فوراً برجستہ فرمایا: اس کو میں شائع کروں گا، میں نے عرض کیا کہ اس کی پہلی جلد تیار ہے، آپ ایک ساتھ تعاون نہ کریں قسط وار کریں، یہ بات ختم ہو گئی اور میں چلا آیا، پیچھے سے انھوں نے جلد اول کے لئے تعاون بھیجا، مگر رمضان کے بعد ۵/شوال ہی کو وہ اللہ کو پیارے ہو گئے، چوں کہ ان کے وعدے کی وجہ سے ہمت بندھ گئی تھی، اس لئے میں ادھر ادھر سے کر کے دھڑا دھڑ جلدیں شائع کرتا رہا، اب یہ چوتھی جلد پریس جاری ہے اور پانچویں آخری جلد ان شاء اللہ اسی ماہ ذی الحجہ میں آجائے گی۔

حاجی فاروق صاحب عجیب صفات سے آراستہ تھے، جس نے ان کو نہیں دیکھا وہ ان کی خوبیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا، حاجی صاحب کو اللہ نے دینی فہم اور علم و علماء کی محبت عطا فرمائی تھی۔ جس سے ان کے کاموں میں انفرادیت کی شان پیدا ہو گئی تھی، ان کی زندگی دینی کاموں سے معمور تھی، اور ان کا شوق دینی کتب کی اشاعت تھا، انھوں نے بہت سی کتابوں کی اشاعت میں تعاون کیا، تفسیر ہدایت القرآن کی جب بھی کوئی جلد چھپتی تو اس کے سونے

منگواتے، اس کا بل ادا کرتے، اور حتی الامکان اس کو پھیلاتے، ملک اور بیرون ملک علماء کو ہدیہ بھیجتے، اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائیں۔

علم و علماء سے ان کا تعلق محض رسمی نہیں تھا، قلبی تھا۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی قدس سرہ کے تو وہ دلدادہ تھے، اس کے علاوہ ایک طویل فہرست ان نادار اور مستحق غرباء کی تھی جن کی وہ باقاعدہ ہر ماہ مدد کیا کرتے تھے، رشتے داروں کے حقوق کا بھی خیال رکھتے تھے، خاص طور پر والدہ رحمہا اللہ کا، وہ ان کے تمام کاموں کے ذمے دار تھے، والدین کی وفات کے بعد ایک مسجد اپنے والد کے نام پر مسجد ہاشم بنائی، دوسری اپنی والدہ کے نام پر مسجد شمس بنائی، یہ دونوں عالیشان مسجدیں آمبور میں ہیں، ایک عجیب بات جو مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری زید مجدہ (مدیر رسالہ دارعلوم) نے لکھی ہے کہ وفات کے بعد معلوم ہوا کہ وہ حافظ قرآن بھی تھے، ان کی اولاد میں ایک صاحب زادہ جناب ابن فضیل صاحب اور دو بیٹیاں ہیں، ان کی وفات تقریباً ۶۶ سال کی عمر میں بالکل اچانک ہوئی، وہ اس وقت اپنے تمام معمولات تلاوت قرآن وغیرہ سے فارغ ہو چکے تھے کہ اچانک بلاوا آگیا اور وہ چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں درجات عالیہ سے نوازیں اور ان کے بیٹے کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یا رب العالمین۔

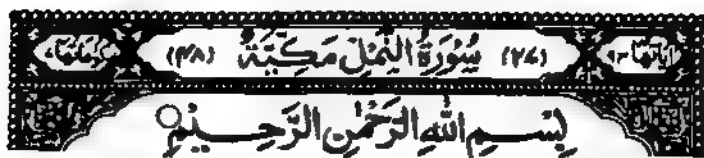
حاجی صاحب قدس سرہ کی سوانح لکھی جانی چاہئے، مولانا صلاح الدین صاحب لکھیں یا مسجد ہاشم کے امام صاحب سے لکھوائیں یا کسی اور سے، میرے پاس مواد بھی زیادہ نہیں ہے اور صفحات میں بھی زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ حاجی صاحب کے دست راست اور بطلانہ خیر حسن بھائی تھے، جن کا مدراس میں کاروبار ہے، حاجی صاحب کی بھی وہاں آفس تھی، وہ ہر نیک کام کی طرف حاجی صاحب کو توجہ دلاتے تھے، ان سے بھی گزارش ہے کہ حاجی صاحب کی سوانح مرتب کرائیں، تاکہ ان کا ذکر خیر باقی رہے۔ واللہ یہدی السبیل۔

سعید احمد پالن پوری عفا اللہ عنہ

۵ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

۷ اگست ۲۰۱۹ء





شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿طس﴾ تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ ۝ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ الَّذِينَ يُعْتَمُونَ الصَّلَاةَ وَيُوْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ رَبَّنَا لَهُمْ أَعْمَالُهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْآخَسِرُونَ ۝ وَأَنتَ كُنْتَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝

ترجمہ: ﴿طس﴾ یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی، یہ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور مژدہ سنانے والی ہیں جو ایسے ہیں کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم نے اُن کے اعمال اُن کی نظر میں مرغوب کر رکھے ہیں۔ سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور وہ لوگ آخرت میں سخت خسارہ میں ہیں، اور آپ کو بالیقین ایک بڑے حکمت والے علم والے کی جانب سے قرآن دیا جا رہا ہے۔

رابط: اس سورت کا خلاصہ: اصل تین مضمون ہیں: اول: وحی اور رسالت کا اثبات، جس سے سورت شروع ہوئی ہے۔ اور اسی پر گزشتہ سورت ختم ہوئی ہے اور اس کی مناسبت سے بعض نبیوں علیہم السلام کے قصے بیان ہوئے ہیں۔ دوسرے توحید جو آیت ﴿قُلِ الْحَمْدُ﴾ الخ سے شروع ہے۔ اور تیسرے قیامت کا اثبات اور جزا و سزا کا بیان ہے جو آیت ﴿قُلِ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ﴾ الخ سے سورت کے ختم تک چلا گیا۔ اور درمیان میں بعض مضامین اس کی مناسبت سے آئے ہیں۔ اور خاتمہ پر ﴿إِنَّمَا أُخْرِتُ﴾ سے آخر تک انہی تفصیلی مضامین کے خلاصہ اور نتیجہ کے طور پر مختصر انداز میں بیان کے بعد سورت ختم ہو گئی ہے۔ واللہ اعلم

وحی اور رسالت کا اثبات:

﴿طس﴾ (اس کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ (آیتیں جو آپ پر نازل کی جاتی ہیں) قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی آیتیں ہیں (یعنی اس میں دو صفتیں ہیں: ایک قرآن ہونا اور دوسرے کتاب مبین ہونا) یہ (آیتیں) ایمان والوں کے لئے ہدایت (کا سبب) اور (اس ہدایت پر نیک و بہتر جزا کی) خوش خبری سنانے والی ہیں جو (مسلمان عملی طور پر

ہدایت پائے ہوئے ہیں۔ اور (نماز کی پابندی کرتے ہیں) جو بدنی عبادتوں میں سب سے اعظم ہے) اور زکوٰۃ دیتے ہیں (جو مالی عبادتوں میں سب سے اعظم ہے) اور (عقیدہ کے اعتبار سے بھی ہدایت پائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ) وہ آخرت پر (پورا) یقین رکھتے ہیں (یہ تو ایمان والوں کی صفت ہے۔ اور) جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ہم نے ان کے (برے) اعمال ان کی نظر میں پسندیدہ کر رکھے ہیں، تو وہ (اپنے اس جہل مرکب یعنی ناسمجھی و نادانی کی وجہ سے حق سے دور) بھٹکتے پھرتے ہیں (چنانچہ نہ ان کے عقائد درست ہیں اور نہ اعمال، اس لئے وہ قرآن کو بھی نہیں مانتے تو جیسے قرآن، ایمان والوں کو خوش خبری سناتا ہے، اسی طرح انہیں وعید سناتا ہے کہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے (دنیا میں مرنے کے وقت بھی) سخت عذاب (ہونے والا) ہے اور وہ لوگ آخرت میں (بھی) سخت گھائلے میں ہیں (کہ کبھی نجات ہی نہ ہوگی) اور (چاہے یہ انکار کرنے والے یعنی منکر لوگ قرآن کو نہ مانیں مگر) آپ کو یقیناً ایک بڑے حکمت والے، علم والے کی جانب سے قرآن دیا جا رہا ہے (آپ اس نعمت کی خوشی میں ان کے انکار سے رنجیدہ نہ ہوں)

فائدہ: اگرچہ ال کتاب بھی آخرت کے قائل تھے، مگر اس میں بہت سی غلط باتیں ملا دینے کی وجہ سے وہ اقرار بھروسہ کے قابل نہیں رہا تھا جس کی طرف ترجمہ میں لفظ ”پورا“ بڑھا کر اشارہ کر دیا ہے۔

هٰذَا قَالَ مُوسٰى لَآ هٰلِكَ لِيْٓ اِنِّىْ اَنْتَ نَارًا سَاَتَّبِعُكَ مِنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اَرْتِيْكُمْ بِشِهَابٍ
قَبِيْسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۤءَهَا نُوْدٰى اَنْ يُوْرِكَ مَنْ فِى النَّارِ وَمَنْ خُوْلَهَا ۚ وَ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمُوسٰى اِنَّهٗ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تُهٰثِرُ
كَانَهَا جَانٌّ وَّلٰى مُدْبِرًا وَلَمَّا رَءٰهُ يَمُوْسٰى لَا تَخَفْ سَآتِىْ لَا يَخَافُ لَدَآئِ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا
مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلْ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَلَمَّۤى غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاَدْخَلَ يَدَكَ فِى جَبِيْنِكَ فَخَرَجَ بِیَضَآءٍ
مِّنْ خُبْرِ سُوْرَةٍ فِىٓ اٰیٰتِ اِلٰہِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْۤا قَوْمًا فَٰسِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۤءَهُمْ اٰیٰتُنَا
مُبْصِرَةً قَالُوْۤا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَبَحَدُوْۤا بِهَا وَاسْتَفْتَنَهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلُمًا وَّعُلُوًّا فَاَنْظُرْ كَيْفَ
كَانَ حَاقِقَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ﴿١٩﴾

ترجمہ: جبکہ موسیٰ نے اپنے گھروالوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے، میں ابھی وہاں سے کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے پاس آگ کا شعلہ کسی لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں تاکہ تم سینک لو۔ سو جب اس کے پاس پہنچے تو اُن کو آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہیں اُن پر بھی برکت ہو اور جو اس کے پاس ہے اس پر بھی اور اللہ رب العالمین پاک ہے۔ اے موسیٰ! بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا اور تم اپنا عصا ڈال دو۔ سو جب انہوں نے اُس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی تو نہ دیکھا۔ اے موسیٰ! ڈرو نہیں اور ہمارے حضور

میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔ ہاں مگر جس سے کوئی قصور ہو جاوے پھر برائی کے بعد بجائے اُس کے نیک کام کر لے تو میں مغفرت والا رحمت والا ہوں۔ اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ۔ وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا۔ نو معجزوں میں فرعون اور اُن کی قوم کی طرف۔ وہ بڑے حد سے نکل جانے والے لوگ ہیں۔ غرض جب اُن لوگوں کے پاس ہمارے معجزے پہنچے نہایت واضح تو وہ لوگ بولے یہ صریح جادو ہے اور ظلم اور تکبر کی راہ سے اُن کے منکر ہو گئے، حالانکہ اُن کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔ سو دیکھئے کیسا انجام ہوا اُن مفسدوں کا۔

رابطہ: اور پر وحی اور رسالت کا اثبات تھا۔ اب اس کی تائید کے لئے بعض قصے بیان کئے جا رہے ہیں جو دو طریقہ سے اس کی تائید کرتے ہیں: اول یہ کہ حضور ﷺ امی تھے، نہ کچھ پڑھا تھا نہ کسی پڑھے لکھے کی صحبت میں بیٹھے تھے، پھر گزشتہ کتابوں اور قوموں کے قصوں کو صحیح صحیح بیان فرمانا آپ کے صاحبِ وحی ہونے کی تائید کرتا ہے۔ دوسرے کافر لوگ نبوت کو محال سمجھتے تھے، ایسی صورت میں نبیوں کے ذکر سے وہ محال دور ہو گیا کہ نبوت کوئی انوکھی یا نئی چیز نہیں۔ اور رسالت کے مضمون سے متعلق دو باتیں اور ہیں: اول آپ کی تسلی ہے کہ دوسرے نبیوں کے بھی تصدیق کرنے والے اور جھٹلانے والے ہوتے آئے ہیں، آپ اس سے غم نہ کیجئے۔ دوسرے انکار کرن والوں کے لئے وعید ہے کہ نبیوں کے انکار کا انجام نقصان و گھانا ہے، تمہیں بھی یہ یاد دل دیکھنا ہے۔

پہلا قصہ: موسیٰ علیہ السلام کا:

(اس وقت کے قصہ کا ذکر کیجئے) جب کہ موسیٰ (علیہ السلام) مدین سے آتے ہوئے رات کو سردی کے وقت طور پہاڑ کے قریب پہنچے، جب کہ مصر کا راستہ بھی بھول گئے تھے) نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے (طور کی طرف) آگ دیکھی ہے، میں ابھی (جا کر) وہاں سے (یا تو راستہ کی) کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے پاس (وہاں سے) کسی لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا انگار لاتا ہوں، تاکہ تم سینک لو، تو جب اس (آگ) کے پاس پہنچے تو انہیں (اللہ کی جانب سے) آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہیں (یعنی فرشتے) ان پر بھی برکت ہو اور جو اس (آگ) کے پاس ہے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اس پر بھی (برکت ہو، یہ دعا مبارک باد اور سلام کے طور پر ہے جیسا کہ آنے والا یا جس کے پاس آتے ہیں وہ آنے کے وقت سلام کیا کرتا ہے، چونکہ موسیٰ علیہ السلام یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ نور اللہ تعالیٰ کے انوار یعنی نوروں میں سے ہے، اس لئے خود سلام نہیں کر سکے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں مانوس کرنے کے لئے سلام ارشاد ہوا، اور فرشتوں کو شاید اس لئے ملایا گیا ہو کہ شاید ایسا ہی سلام خاص قرب پیدا کرنے والا ہو جیسا کہ فرشتوں کو ہوا کرتا ہے) اور (اس امر کو بتانے کے لئے یہ نور جو آگ کی شکل میں ہے خود ذات واجبہ یعنی اللہ تعالیٰ نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا کہ) اللہ رب العالمین (جہتوں، حدوں اور مقدار و رنگوں وغیرہ سے) پاک ہے (اور یہ نور ان حدوں میں محدود ہے، لہذا یہ اللہ کی ذات نہیں ہے۔ اور اگر موسیٰ کا ذہن اس

مسئلہ سے خالی ہو تو اس کی تعلیم ہے اور اگر عقلی دلیلوں اور صحیح فطرت کے ذریعہ پہلے سے معلوم ہو تو زیادہ سمجھانا مقصود ہے، اس کے بعد ارشاد ہوا کہ (اے موسیٰ! بات یہ ہے کہ بغیر حال چال پوچھے کلام کر رہا ہوں) اللہ ہوں، زبردست حکمت والا اور (اے موسیٰ! تم اپنا عصا (زمین پر) ڈال دو) چنانچہ انھوں نے ڈال دیا تو وہ از دہا بن کر لہرانے لگا (تو جب انھوں نے اس کو اس طرح حرکت کرتے ہوئے دیکھا جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا (ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰ! ڈرو نہیں (کیونکہ ہم نے تمہیں پیغمبری دی ہے) اور ہمارے حضور میں (یعنی پیغمبری کی خلعت عطا ہونے کے وقت) رسول (ایسی چیزوں سے جو کہ خود ان کی پیغمبری کی دلیل یعنی معجزے ہوں) ڈرا نہیں کرتے (خبر کی اس صورت سے انشاء کا معنی مراد ہے، یعنی ڈرنا نہیں چاہئے) سوائے اس کے جس سے کوئی قصور (لغزش) ہو جائے (اور وہ اس لغزش کو یاد کر کے ڈرے تو حرج نہیں، لیکن اس کے بارے میں بھی یہ قاعدہ ہے کہ اگر قصور ہو جائے اور) پھر برائی (ہو جانے) کے بعد اس کی بجائے نیک کام کرے (یعنی توبہ کر لے) تو میں (اس کو بھی معاف کر دیتا ہوں، کیونکہ میں) مغفرت والا، رحمت والا ہوں (یہ اس لئے فرمایا کہ عصا کی اس تبدیلی سے مطمئن ہو جانے کے بعد کبھی اپنا قبلی کے قتل کا قصہ یاد کر کے پریشان ہوں، اس لئے اس سے بھی مطمئن فرما دیا تا کہ وحشت جاتی رہے) اور (اے موسیٰ! عصا کے اس معجزہ کے سوا ایک معجزہ اور بھی عطا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ) تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ (اور پھر نکالو تو) وہ بغیر کسی عیب (یعنی کسی مرض برص وغیرہ کے بغیر نہایت) روشن ہو کر نکلے گا (اور یہ دونوں معجزے ان) نو معجزوں میں (سے ہیں جن کے ساتھ تمہیں) فرعون اور اس کی قوم کی طرف (بھیجا جاتا ہے، کیونکہ) وہ بڑے حد سے نکل جانے والے لوگ ہیں۔ غرض جب ان لوگوں کے پاس ہمارے (دیئے ہوئے) معجزے پہنچے (جو) نہایت واضح (دلالت والے تھے یعنی دعوت کے شروع میں دو معجزے دکھائے گئے تھے، پھر الگ الگ وقت میں باقی دکھائے جاتے رہے) تو وہ لوگ (ان سب کو دیکھ کر بھی) بولے یہ کھلا جادو ہے، اور (غضب تو یہ تھا کہ ظلم) اور تکبر کے طور پر ان (معجزوں) کے (بالکل) منکر ہو گئے، حالانکہ (اندر سے) ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔ تو دیکھئے ان فساد پھیلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا (کہ دنیا میں غرق ہونے کی اور آخرت میں جہنم میں جلانے جانے کی سزا پائی)

فائدہ: لفظ اہل کا مصداق اور جملہ ﴿فَاْمَنْكُمُوْا﴾ کا حاصل سورہ طہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ اور اس عصا کو شکل بدلنے کے بعد کہیں ﴿ثُعْبَانٌ﴾ اور کہیں ﴿جَانٌّ﴾ کہنے کی توجیہ اور نو نشانوں کی فہرست بھی سورہ اعراف کی تفسیر میں لکھی گئی ہے اور اس سانپ سے ڈر جانے کا سبب بھی سورہ طہ کی تفسیر میں لکھا گیا ہے، یعنی یہ سبب یا تو طبعی ہے یا پھر عقلی، اس وجہ سے کہ اس تبدیلی میں کسی مخلوق کا واسطہ نہیں تھا، اور یہ دونوں خوف نبوت کی شان کے خلاف نہیں، پھر ﴿لَا تَخْضَعُ﴾ الخ کے ذریعہ جو خوف دور کیا گیا ہے، اس کی توجیہ طبعی ڈر کی بنیاد پر یہ ہوگی کہ جب ایک طبعی کیفیت پر دوسری طبعی کیفیت غالب آجاتی ہے تو پہلی کیفیت دور اور کمزور ہو جاتی ہے۔ لہذا تم یہ سمجھو کہ ہم نے تمہیں نبوت دی ہے۔ اس نئی عنایت کا

سرور طبعی طور پر ایسا غالب ہوگا کہ اس خوف کا اثر نہ رہے گا، اور عقلی ڈر کی بنیاد پر توجیہ یہ ہوگی کہ اس کے باوجود کہ حوادث نبیوں پر بھی آتے ہیں، مگر ہماری عادت ہے کہ ہم اطلاع دیدیتے ہیں کہ خود معجزوں کے ذریعہ اور خاص طور سے نبوت عطا کرتے وقت آزمائش اور تکلیف نہیں ہوا کرتی، لہذا اب عقلی خوف نہیں رہے گا، اور چونکہ نبیوں کو حق کے خبر دینے سے ہی نبوت کا علم ہوتا ہے، اس لئے نبوت عطا کرنے کے علم سے پہلے اس قسم کے ڈر و خوف کے ہونے پر کوئی اشکال نہیں ہے، اور چونکہ قتل ہونے والا قطعی حربی تھا، اور اپنے آپ میں اس کا قتل کرنا مباح تھا، اس لئے اس کا قتل حق العبد یعنی بندہ کا حق نہیں۔ البتہ صورت کے لحاظ سے امان کا توڑنا اللہ کا حق ہے، اس لئے معاف کر دیا گیا، خاص طور سے جب کہ وہ قصد نہیں غلطی سے تھا اور دل میں یقین کے باوجود فرعون وغیرہ کا ایمان نہ ہونا، سورۃ البقرہ آیت ۱۳۶ ﴿الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَغْرِفُونَ﴾ الخ کے فائدہ کے مضمون سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اور سورۃ طہ میں موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: ﴿لَعَلِّي آتِيكُمْ﴾ اور یہاں پختہ یقین کے طور پر ہے۔ مگر مراد یہاں بھی امید اور گمان کی بنیاد پر ہے۔ لہذا دونوں میں کوئی ضد نہیں اور ﴿ظُلُمًا وَعَلَا﴾ میں یہ فرق ہے کہ ظلم میں نشانوں کو ان کے درجہ سے گھٹانا ہے جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسٰى بِآيٰتِنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلٰٓئِكِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا﴾ اور ﴿عَلَا﴾ سے مراد خود کو اپنے درجہ میں بڑھانا ہے۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَضَّلْنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَوَسَّيْنَا دَاوُدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنَظِقَ الطَّيْرِ وَاَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۚ اِنَّ هٰذَا لَهٗوَالْفَضْلُ الْبٰسِطُ ۝ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِبِّ وَالْجَانِّسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُوْنَ ۝ حَتّٰى اِذَا اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يٰٓاَيُّهَا الْمَلِكُ اَدْخُلُوْا مَسْكِنَكُمْ ۙ لَا يَخُوْطُنْكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَّبِعَتْهُمْ مُّطَاعًا ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَاٰلِئِىَّ ۙ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ ۙ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِىْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے داؤد و سلیمان کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور داؤد کے قائم مقام سلیمان ہوئے اور انھوں نے کہا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی کی تعلیم کی گئی ہے اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں دی گئی ہیں۔ واقعی یہ صاف فضل ہے اور سلیمان کے لئے اُن کا لشکر جمع کیا گیا جن میں انسان بھی اور پرندے بھی اور اُن کو روکا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔ کہیں تم کو سلیمان اور اُن کا لشکر

بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔ سو سلیمان اُس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے میرے رب! مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل رکھئے۔

دوسرا قصہ: داؤد علیہ السلام کا مختصر اور سلیمان علیہ السلام کا مفصل:

اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) کو (شریعت اور ملک و سلطنت چلانے کے نظام کا) علم عطا فرمایا۔ اور ان دونوں نے (شکرا ادا کرنے کے لئے) کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لائق ہیں، جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور داؤد (علیہ السلام) کی وفات کے بعد ان کے وارث سلیمان (علیہ السلام) ہوئے (یعنی انہیں سلطنت وغیرہ ملی) اور انھوں نے (شکر کے اظہار اور نعمت کے ذکر کے لئے) کہا کہ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے (یہ نعمت دوسرے سلطانوں کو میسر نہیں) اور ہمیں (سلطنت و حکومت کے سامان سے متعلق) ہر قسم کی (ضروری) چیزیں دی گئی ہیں (جیسے فوج و لشکر، مال اور جنگ و لڑائی کے سامان ہتھیار وغیرہ) واقعی یہ (اللہ تعالیٰ کا) کھلا ہوا فضل ہے اور سلیمان (علیہ السلام) کے پاس سلطنت کا سامان بھی عجیب و غریب تھا، چنانچہ ان کے لئے ان کا (جو) لشکر جمع کیا گیا (تھا ان میں) جن بھی (تھے) اور انسان بھی اور پرندے بھی (جو کسی بادشاہ کے تابع نہیں ہوئے) اور (پھر تھے بھی اس کثرت سے کہ) انہیں (چلنے کے وقت) روکا جا (یا کر) تا تھا (تاکہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں، پیچھے والے بھی پہنچ جائیں، یہ طریقہ عام طور سے بہت زیادہ ہونے کی صورت میں ہوتا ہے، کیونکہ تھوڑے مجمع میں تو اگلا آدمی ایسے وقت میں خود ہی رک جاتا ہے اور بڑے مجمع میں آگے والوں کو پیچھے والوں کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کا انتظام کرنا پڑتا ہے، ایک بار اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے) یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے (دوسری چیونٹیوں سے) کہا کہ اے چیونٹیاں! اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو، کہیں تمہیں سلیمان (علیہ السلام) اور ان کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔ تو سلیمان (علیہ السلام) نے اس کی بات سنی اور اس کی بات پر تعجب کرتے ہوئے کہ اتنا چھوٹا سا جسم ہوتے ہوئے بھی یہ ہوشیاری اور احتیاط) مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور (یہ دیکھ کر کہ میں اس کی بولی سمجھ گیا، جو کہ معجزہ ہونے کی وجہ سے ایک عظیم نعمت ہے، دوسری نعمتیں بھی یاد آ گئیں اور) کہنے لگے کہ اے میرے رب! مجھے اس پر قائم رکھئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں، جو آپ نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں (ایمان اور علم سب کو اور نبوت خود آپ کو اور والد کو) اور (اس پر بھی قائم رکھئے کہ) میں نیک کام کیا کروں، جس سے آپ خوش ہوں (یعنی مقبول عمل عنایت ہو، کیونکہ اگر اپنے آپ میں صالح ہو اور آداب و شرطوں میں خلل کی وجہ سے مقبول نہ ہو تو وہ مطلوب نہیں ہے) اور مجھے اپنی (خاص) رحمت سے اپنے (اعلیٰ درجہ کے) نیک بندوں (یعنی

نبیوں) میں داخل رکھے (یعنی نزو کی کو کبھی دوری سے نہ بدلے)

فائدہ: ﴿فَضَّلْنَا عَلٰی كَثِيْرٍ﴾ اس لئے فرمایا کہ بعض نبیوں علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان پر فضیلت دی ہے جیسا کہ فرمایا ﴿فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيْنَ عَلٰی بَعْضٍ﴾ اور ﴿وَسِرَاتٍ﴾ سے مراد اصطلاحی میراث نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں صراحت ہے کہ وہ میراث نبیوں کے مال میں نہیں ہوتی، بلکہ صرف احکام کی اشاعت اور مخلوق کی اصلاح اور ملکی انتظام میں جانشینی ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مال نہیں ہیں۔

اور روح المعانی میں کلینی کے حوالہ سے ابو عبد اللہ یعنی حضرت جعفر صادق کا قول نقل کیا ہے: ان سلیمان وراثت داؤد محمداً صلی اللہ علیہ وسلم وراثت سلیمان: یعنی سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور محمد ﷺ سلیمان کے وارث ہوئے اور ظاہر ہے کہ دوسرے جملہ میں اصطلاحی وراثت کا احتمال ہی نہیں، لہذا یہ پہلے جملہ کی تفسیر کا قرینہ ہے۔

اور ﴿عَلَّمْنَا﴾ میں جمع کا صیغہ داؤد علیہ السلام کو شامل کرنے کے لئے نہیں کہ پرندوں کی بولی کا ان کا سمجھنا ثابت نہیں، بلکہ یہ شاہانہ محاورہ ہے جس سے اپنی بلندی ظاہر کرنا نہیں، بلکہ رعایا پر رعب بٹھانا مقصود ہے تاکہ وہ شریعت میں مقرر اطاعت کی حدوں سے خارج نہ ہوں۔

اور نمل یعنی چیونٹی کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کی بولی سمجھنے میں صرف پرندوں کی تخصیص نہیں تھی، بلکہ پرندوں کے علاوہ کی بولی بھی سمجھتے تھے۔ البتہ اس کی تصریح نہیں ہے کہ حیوانوں کی کوئی قسم اس سے مستثنیٰ تھی یا نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ جانور آدمیوں کی بولی نہیں بولتے تھے بلکہ وہی آواز جن کو جنس حیوان اپنے اغراض و مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں، سلیمان علیہ السلام سمجھ جاتے تھے، اور ضرورت کے وقت وہ پرندے ان کے کلام کو سمجھ لیتے تھے جیسا کہ ہد ہد کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض باتیں عقلی اور اکوں میں سے حیوان بھی سمجھتے ہیں، اس کی نفی پر کوئی دلیل نہیں ہے اور ممکن ہے کہ ان میں کچھ کمزور عقل ہو لیکن وہ مکلف ہونے کے لئے کافی نہ ہو، جیسے بچے اور بے عقل دیوانے کو مکلف نہیں کہا گیا۔

اور نملہ یعنی چیونٹی کے اس کلام کے وقت آپ کا لشکر یا تو زمین پر چل رہا ہوگا اور اگر ہوا پر سفر تھا تو وہاں اترنے کا ارادہ ہوگا۔ اور چیونٹی کو اللہ کی طرف سے الہام کے ذریعہ سلیمان علیہ السلام کے اور ان کے لشکر کے اور اس ارادہ کے بارے میں پتہ چل گیا ہوگا اور قدرت کے لئے سب کچھ ممکن و آسان ہے۔

اور لفظ ﴿صَلَحَ حُكْمًا﴾ سے نبیوں علیہم السلام کے ہنسنے کا ثبوت ہوتا ہے اور حضور ﷺ سے جو اس کی نفی آئی ہے تو اس سے عادت کی نفی مراد ہے نہ کہ کلی طور پر نفی۔ لہذا بعض روایتوں میں جو ہنسنے کی بات آئی ہے اس پر کوئی اعتراض یا اشکال لازم نہیں آتا۔

اور اگر سلیمان علیہ السلام کو دنیا بھر کا بادشاہ مان لیا جائے تو آہستہ آہستہ کا قاتل ہونا چاہئے تاکہ بلقیس کے ملک کا اس

وقت تک آپ کے قبضہ میں نہ آنا اشکال کا سبب نہ ہو۔

﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهَدْيَ ۚ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۚ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ أُولَٰئِكَ أَزَبَحُكُمْ ۖ أُولَٰئِكَ يَتْلَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۖ فَكَذَّبْتَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۖ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبِيلٍ مَبْنًى يَقِينٍ ۖ إِنِّي وَجَدْتُ أَمْرًا تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيْتُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۖ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۚ أَلَا يَسْجُدُونَ لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۚ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۚ قَالَ سَنُنْظِرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۚ إِذْ هَبْ بِكُنُوزِي هَذَا فَأَلْقُهَا إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَأَنْظَرُ مَاذَا يَرْجِعُونَ ۚ﴾

ترجمہ: اور سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی تو فرمانے لگے کہ کیا بات ہے کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھتا، کیا کہیں غائب ہو گیا ہے۔ میں اُس کو سخت سزا دوں گا یا اُس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ کوئی صاف حجت میرے سامنے پیش کرے۔ سو تھوڑی ہی دیر میں وہ آگیا اور کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی اور میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ اُن لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اُس کو ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اُس کے پاس ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اُس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں، اور شیطان نے اُن کے اعمال کو اُن کی نظر میں مرغوب کر رکھا ہے اور اُن کو راہ سے روک رکھا ہے۔ سو وہ راہ پر نہیں چلتے کہ اُس خدا کو سجدہ نہیں کرتے، جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو باہر لاتا ہے اور تم لوگ جو پوشیدہ رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ سلیمان نے فرمایا کہ ہم ابھی دیکھے لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ میرا یہ خط لے جا اور اُن کے پاس ڈال دینا، پھر مٹ جانا، پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں۔

قصہ کا تتمہ:

اور (ایک باریہ قصہ ہوا کہ) سلیمان (علیہ السلام) نے پرندوں کی حاضری لی تو (ہد ہد کو نہ دیکھا) تو فرمانے لگے کہ کیا بات ہے میں ہد ہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ کیا کہیں غائب ہو گیا ہے؟ (اور جب تحقیق ہو گئی کہ وہ واقعی غائب ہے تو فرمانے لگے کہ) میں اس کو (غیر حاضری پر) سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ کوئی مضبوط وجہ (اور غیر حاضری کا عذر) میرے سامنے پیش کرے (تو خیر چھوڑ دوں گا) تو تھوڑی ہی دیر میں وہ آگیا اور سلیمان علیہ السلام سے کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں، جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی اور (اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ) میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک

تحقیقی خبر لایا ہوں، جس کا تفصیلی بیان یہ ہے کہ) میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو (سلطنت کے لئے لازم امور میں سے) ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا (لمبائی چوڑائی وغیرہ میں بھی اور قیمت میں بھی) تخت ہے (اور ان کی مذہبی حالت یہ ہے کہ) میں نے اس (عورت) کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ (کی عبادت) کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کی نظر میں ان کے (ان کفر والے) اعمال کو پسندیدہ بنا رکھا ہے اور (اس پسندیدہ بنانے کی وجہ سے) انہیں (حق کے) راستے سے روک رکھا ہے تو وہ (حق کے) راستہ پر نہیں چلتے کہ اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو (ایسا قدرت والا ہے کہ) آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو (جن میں بارش اور پیڑ پودے بھی شامل ہیں) باہر لاتا ہے اور (ایسا عالم ہے کہ) وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم لوگ (یعنی تمام مخلوق) جو کچھ (دل میں) چھپا کر رکھتے ہو اور جو کچھ (زبان اور جسم کے دوسرے اعضاء کے ذریعہ) ظاہر کرتے ہو (لہذا) اللہ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے، سلیمان (علیہ السلام) نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ہم ابھی پتہ لگا لیتے ہیں کہ تو سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے (اچھا) میرا یہ خط لے جا اور اس کو ان کے پاس ڈال دینا پھر (وہاں سے ذرا) ہٹ جانا، پھر دیکھنا کہ وہ آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں (پھر تو یہاں چلا آنا، وہ لوگ جو کچھ کارروائی کریں گے اس سے تیرا سچ جھوٹ معلوم ہو جائے گا)

فائدہ: پرندوں کو یا تو کچھ خدمتیں سپرد کر رکھی ہوں گی، اس لئے حاضری لی یا یہ کہ صرف نظم و ضبط کے لئے ایسا کیا جیسا کہ لشکروں کے سردار کیا کرتے تھے، اور ﴿لَا تُخَافُ بَعْدَ﴾ سے معلوم ہوا کہ حیوانوں کو تربیت کے لئے پھینکا جائز ہے اور اذیت کو دور کرنے کے لئے قتل بھی جائز ہے، جہاں تربیت اور اذیت دور کرنے کی ضرورت ہو اور اس کا فائدہ واثر ہو ورنہ جائز نہیں، جیسے ہد ہد اب نہ تربیت کے لائق ہیں اور نہ ہی اس سے کوئی اذیت پہنچتی ہے، اس حالت کے برخلاف کہ غیر حاضری پر پٹائی کا فائدہ ہوتا۔ اور نافرمانی ایک اذیت ہے اور چونکہ ہد ہد کا علم ایک جزئی حسی واقعہ سے متعلق ہوا اس سے نبی کے علم پر اس کی فضیلت لازم نہیں آتی، اور ہد ہد کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میری غیر حاضری نافرمانی کے طور پر نہیں تھی بلکہ ایک لحاظ سے آپ ہی کے کام پر لگا ہوا تھا۔

اور سب ایک شخص کا نام تھا، پھر اس کی اولاد کو کہنے لگے، یہ لوگ یمن میں آباد تھے، پھر ان کے شہر کو بھی جس کا نام مارب تھا، سب کہنے لگے جو صنعا سے تین دن کے فاصلہ پر ہے، یہ ملکہ جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے، اور جس کا نام بلقیس ہے، اسی خاندان سے ہے۔ اور یعر ب بن قحطان کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے ان کی زبان عربی تھی اور سلیمان علیہ السلام کا خط یا تو عربی میں ہوگا، اگرچہ وہ خود عربی نہیں ہیں، لیکن جو شخص پرندوں کی بولی کا علم رکھتا ہے اس کے لئے انسانوں کی بولی کا علم کیا مشکل ہے۔ یا یہ خط ان کی اپنی زبان میں ہوگا اور وہاں ترجمہ کرا لیا گیا ہوگا۔

اور ہد ہد نے ان لوگوں کا مذہب شاید اس لئے بیان کیا ہو کہ دعوت اور جہاد کی ترغیب مقصود ہو۔ اور ہد ہد کو وہاں سے

ہٹ جانے کا جو حکم دیا اس میں بادشاہوں کی مجلسوں کے آداب اور تہذیب کی تعلیم ہے، اور ہد ہدی کی معرفت خط بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ اس کے سچ اور جھوٹ کا امتحان لینا تھا۔

اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے، لہذا بلقیس کے قصہ کی وجہ سے کوئی شبہ نہ کرے۔ اول تو یہ مشرکوں کا فعل تھا، دوسرے اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت نے اس کو برقرار بھی رکھا ہو تو محمد ﷺ کی شریعت کے اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔

اور ظاہر یہ ہے کہ اللہ کی ذات و صفات سے متعلق یہ تمام کلام ہد ہکا قول ہے، اوپر کی آیتوں کے ذیل میں گذر چکا ہے کہ تھوڑی سی عقلی قوت کا حیوانوں میں احتمال ہے اور بلقیس کے تخت کا خاص طور سے ذکر اس کے عجیب ہونے اور اس وقت کے بادشاہوں کے اعتبار سے نایاب ہونے کی وجہ سے ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے استطاعت کے باوجود ایسا تخت بنوانے کا اہتمام نہ کیا ہو، اور ﴿فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہد ہ، سلیمان علیہ السلام کے علاوہ دوسروں کا کلام بھی سمجھتا تھا، تو یہ بھی سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہوگا۔

﴿قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا۟ اِیۡ اِلَیَّ اِلَیَّ کِتٰبُ کَرِیۡمٍ ؕ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیۡمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ اَلَا تَعْلَمُوۡا عَلٰی وَاَتُوۡنِیۡ مُسْلِمِیۡنَ ؕ﴾ قَالَتْ یَاۤاَیُّهَا الْمَلٰٓئِکَۃُ اَفَتُوۡنِیۡ فِیۡ اَمْرِیۡ ؕ مَا کُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰی تَشْهَدُوۡنَ ؕ قَالُوۡا نَحْنُ اَوَّلُوۡا قُوَّةً وَّاَوَّلُوۡا بِاَیۡسَ شَیۡءٍ ؕ وَاَلَا مَرۡءُ الْیَکِ فَاَنْظِرِیۡ مَاذَا اَنۡاَمُرِیۡنَ ؕ قَالَتْ اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرْیَةً اَفْسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡا اَعۡزَّةَ اَهْلِهَا اِذۡلَہٗ ؕ وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوۡنَ ؕ وَاِنِّیۡ مُرْسِلَةٌ اِلَیۡہِمۡ بِہِدٰیۃٍ فَنَظَرُوۡۤہُ یَمۡ یَرۡجِعُ الْمُرْسَلُوۡنَ ؕ فَلَمَّا جَاۤءَ سُلَیۡمٰنَ قَالَ اَشَہَدُ وَنِّیۡنَ بِمَالِ اللّٰہِ اَنْتُمۡ خَیۡرٌ مِّنَّا اَنْتُمْ ؕ بَلۡ اَنْتُمْ بِہِدٰیۃِیۡکُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ ؕ اَرۡجِعۡ اِلَیۡہِمۡ فَلَمَّا رَیٰہُمۡ یَجۡنُوۡنَ لَا یَقۡبَلُ لَہُمۡ بِہَا وَلَکُمۡ جَنَّتُہُمۡ مِنْہَا اِذۡلَہٗ ؕ وَہُمۡ صٰغِرُوۡنَ ؕ﴾

ترجمہ: بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار! میرے پاس ایک خط با وقعت ڈالا گیا ہے، وہ سلیمان کی طرف سے ہے، اور اس میں یہ ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ۔ بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار! تم مجھ کو میرے اس معاملہ میں رائے دو، میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود نہ ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں۔ اور اختیار تم کو ہے سو تم ہی دیکھ لو جو کچھ حکم دینا ہو۔ بلقیس کہنے لگی کہ والیان! ملک جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہہ وبالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں اُن کو ذلیل کیا کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور میں اُن لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ وہ فرستادے کیا لے کر آتے ہیں۔ سو جب وہ فرستادہ سلیمان کے پاس پہنچا، فرمایا: کیا

تم لوگ مال سے میری امداد کرتے ہو؟ سو اللہ نے جو کچھ مجھ کو دے رکھا ہے وہ اُس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے۔
ہاں تم ہی اپنے اس ہدیہ پر اترتے ہو گے۔ تم اُن لوگوں کے پاس لوٹ جاؤ، سو ہم اُن پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ اُن لوگوں
سے اُن کا مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ ماتحت ہو جاویں گے۔

قصہ کا تتمہ یعنی باقی حصہ:

(سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد سے یہ گفتگو کرنے کے بعد بلیقہس کے نام ایک خط لکھا، جس کا مضمون آگے آرہا ہے اور
ہد ہد کے حوالہ کیا اور وہ اس کو اپنی چونچ میں لے کر چلا اور بلیقہس کے پاس تنہائی میں یا مجلس میں ڈال دیا) بادشاہ عورت نے
(پڑھ کر اپنے سرداروں کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور) کہا کہ اے دربار والو! میرے پاس ایک بڑی قدر قیمت والا خط ڈالا
گیا ہے ﴿رِکْتَبٌ کَرِیْمٌ﴾ یعنی بڑی قدر قیمت والا خط اس لئے کہا کہ مضمون حاکمانہ ہے، جس میں نہایت اختصار کے
باوجود اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے، اور وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ (مضمون) ہے (اول)۔ بسم اللہ الرحمن
الرحیم (اور اس کے بعد یہ کہ) تم لوگ (یعنی بلیقہس اور سلطنت کے درباری و ذمہ دار جن کے ساتھ عوام بھی وابستہ ہیں)
میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو، اور میرے پاس اطاعت کرنے والے بن کر چلے آؤ (اس طرح تمام اہل سبا کو دعوت دینا
مقصود ہے، اور یہ لوگ یا تو سلیمان علیہ السلام کا حال پہلے سن چکے ہوں گے، چاہے سلیمان علیہ السلام ان لوگوں کو نہ جانتے
ہوں، کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑے آدمی چھوٹوں کو نہیں جانتے۔ اور چھوٹے بڑوں کو جانتے ہیں، یا پھر خط آنے کے بعد
تحقیق کر لی ہوگی اور خط کے مضمون کے بارے میں بتانے کے بعد) بادشاہ عورت نے کہا کہ اے دربار والو! تم مجھے میرے
معاملہ میں رائے دو (کہ مجھے سلیمان علیہ السلام کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟) کیونکہ میں (کبھی) کسی بات کا اس وقت
تک قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم لوگ میرے پاس نہ ہو (اور اس فیصلہ میں شریک نہ ہو) اور وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم
(اپنی ذات سے ہر طرح حاضر ہیں اگر مقابلہ اور جنگ میں مصلحت سمجھی جائے تو ہم) بڑے طاقت ور اور بڑے لڑنے
والے ہیں اور (آگے) تمہیں اختیار ہے، اس لئے (مصلحت) تم ہی دیکھ لو، جو کچھ (تجویز کر کے) حکم دینا ہو، اس عورت
نے کہا کہ (میرے نزدیک لڑنا تو مصلحت نہیں، کیونکہ سلیمان بڑے بادشاہ ہیں اور عملاً ہوتا یہی ہے کہ) بادشاہ لوگ جب
کسی بستی میں (مخالفاً طور پر) داخل ہوتے ہیں تو اس کو الٹ پلٹ کر دیتے ہیں، اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار
ہوتے ہیں انہیں (ان کا زور گھٹانے کے لئے) ذلیل (و خوار) کر دیا کرتے ہیں، اور (ان سے جنگ کی جائے تو ممکن ہے
کہ انہی کو غلبہ حاصل ہو تو پھر) یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے (تو بلا ضرورت پریشانی میں پڑنا مصلحت ہے۔ خلاف ہے، اس
لئے جنگ کو تو ابھی ملتوی کیا جائے) اور (اس وقت یہ مناسب ہے کہ) میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ (کسی آدمی کے
ہاتھ بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ وہ بھیجے ہوئے لوگ (وہاں سے) کیا (جواب) نے کر آتے ہیں؟) اس وقت پھر غور کیا

جائے گا۔ چنانچہ ہدیوں اور تحفوں کا سامان درست ہوا اور قاصد اس کو لے کر روانہ ہوا) تو جب وہ پہنچا ہوا ہدیہ سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا (اور ہدیے پیش کئے) تو سلیمان (علیہ السلام نے) فرمایا: کیا تم لوگ (یعنی بلقیس اور بلقیس کی حکومت کے سردار) عوام و خواص) مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو (جو یہ ہدیے لائے ہو؟) تو (سمجھ لو کہ) اللہ نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے، جو تمہیں دے رکھا ہے (کیونکہ تمہارے پاس صرف دنیا ہے اور میرے پاس دین بھی ہے اور دنیا بھی تم سے زیادہ ہے تو مجھے ان چیزوں کی حرص نہیں ہے) ہاں! تم ہی اپنے اس ہدیے پر اترا تے ہو گے (تو ہم یہ ہدیے نہ لیں گے) تم (ان کو لے کر) ان لوگوں کے پاس لوٹ جاؤ (اگر وہ اب بھی ایمان لے آئیں تو ٹھیک ہے، ورنہ) ہم ان پر ایسی فوجیں بھیجیں گے کہ ان لوگوں سے ان (فوجوں) کا بالکل مقابلہ نہ ہو سکے گا۔ اور ہم) انہیں وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ (ذلت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے) ماتحت (اور رعایا) ہو جائیں گے (یہ نہیں کہ آزاد چھوڑ دیئے جائیں گے کہ جہاں چاہیں چلے جائیں، بلکہ ہمیشہ کی ذلت ان کے لئے لازم ہو جائے گی) فائدہ: سلیمان علیہ السلام نے انہیں اسلام کی دعوت دی تھی اور آنے سے مراد جسمانی حاضری نہیں ہے بلکہ اطاعت میں آنا ہے اور ہدیہ کا لوٹانا، اگر ان کی شریعت میں جزیہ کا حکم نہ ہو تو ظاہر ہے اور اگر اس کا حکم ہو تو یہ ہدیہ جزیہ نہ تھا، جو اطاعت کی علامت ہے، بلکہ بغیر اطاعت و سستی کا ذریعہ نہ ہو تا تو بغیر ضرورت شریعت میں اس کی اجازت نہیں، اور یہ امر کہ سلیمان علیہ السلام نے اپنے نبی ہونے پر دلیل قائم کرنے کے لئے دئی معجزہ کیوں پیش نہیں کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معجزہ جب طلب کیا جائے تب اس کی ضرورت ہے، کیونکہ بعض لوگوں کو نبیوں کے معنوی کمالات سے ہی نبوت کا یقین ہو جاتا ہے، اور جس کو یقین نہ ہو وہ خود طلب کر سکتا ہے اور چونکہ خط کا مضمون ممکن ہے کہ قرآن میں معنی کے ذریعہ روایت کے طور پر بیان ہوا ہو، اس لئے ضروری نہیں کہ بسم اللہ اسی طرح ہو۔

﴿قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَكُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ قَالَ عِفْرَئِيلُ مَنِ الَّذِي أَنَا أَيْتُكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ ۝ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ۝ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۝ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِي رَبِّي تَزَيَّنَ لَوْفِي ۝ أَشْكُرُكُمْ أَكْفَرُكُمْ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۝ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ۝ قَالَ كَلِمَاتٍ لَهَا عَرْشُهَا تَنْظُرُ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ۝﴾

ترجمہ: سلیمان نے فرمایا کہ اے ابلیس! دربار اتم میں کوئی ایسا ہے جو اس کا تخت قبل اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس مطیع ہو کر آویں حاضر کر دے۔ ایک قوی ہیکل جن نے جواب میں عرض کیا میں اُس کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں اور میں اس پر طاقت رکھتا ہوں امانت دار ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا،

اُس نے کہا کہ میں اُس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکھڑا کر سکتا ہوں، پس جب سلیمان نے اُس کو اپنے روبرو رکھا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے میرا رب غنی ہے کریم ہے۔ سلیمان نے حکم دیا: اُس کے لئے اُس کے تخت کی صورت بدل دو، ہم دیکھیں اُس کو اس کا پتہ لگتا ہے یا اُس کا، انہیں میں شمار ہے جن کو پتہ نہیں لگتا۔

قصہ کا تتمہ:

(غرض وہ قاصد وہ ہدیئے لے کر واپس گیا اور سارا قصہ بلیقیس سے بیان کیا، مجموعی حالات سے اسے سلیمان علیہ السلام کے کمالات علم اور نبوت کا یقین ہو گیا اور وہ حاضری کے ارادہ سے اپنے ملک سے چلی) سلیمان علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ یا کسی اور ذریعہ سے اس کا چلنا معلوم ہو گیا، انھوں نے (اپنے دربار والوں سے) فرمایا کہ اے دربار والو! تم میں سے میرے پاس اس (بلیقیس) کے تخت کو کون لائے گا اس سے پہلے کہ وہ لوگ میرے پاس اطاعت کرنے والے بن کر آئیں؟ ﴿مُسْلِمِينَ﴾ قید واقعی ہے، کیونکہ وہ لوگ اس ارادہ سے آرہے تھے؟ تخت کا منگنا غالباً اس غرض سے تھا کہ وہ لوگ ایک معجزہ بھی دیکھ لیں، کیونکہ اتنا بڑا تخت اور اتنے سخت پہرے میں رکھا ہوا اور پھر اس طرح اچانک آ جانا کہ خبر بھی نہ ہو، انسانی عادت و معمول کے خلاف ہے اگر جنات کے قابو میں ہونے کی وجہ سے ہے تب بھی ان کا خود بخود مسخر یعنی تابع ہو جانا عادت کے خلاف ہے اور اگر امت کے کسی ولی کی کرامت سے ہو تو ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہے اور اگر بغیر واسطہ کے ہے تو سیدھا معجزہ ہے۔ بہر حال ہر طرح سے یہ نبوت کی دلیل اور معجزہ ہے، لہذا یہ مقصود ہوگا کہ باطنی کمالات کے ساتھ معجزہ کے کمالات بھی دیکھ لیں کہ ایمان و اطمینان اور زیادہ ہو جائے) ایک بھاری بھر کم جن نے (جواب میں) عرض کیا کہ اس کو میں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، اس سے پہلے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں اور (اگرچہ وہ بہت بھاری ہے، مگر) میں اس (کو لانے) کی طاقت رکھتا ہوں (اور اگرچہ بہت قیمتی جواہرات سے سجا ہوا ہے مگر میں) امانت دار (بھی) ہوں (اس میں کوئی خیانت نہ کروں گا) جس کے پاس (اللہ کی) کتاب کا علم تھا (یعنی توریت کا یا وحی کے ذریعہ آئی ہوئی کسی اور کتاب کا جس میں اللہ کے ناموں کی تاثیر ہو۔ زیادہ غالب یہ ہے کہ خود سلیمان علیہ السلام مراد ہیں۔ غرض) اس (علم والے) نے (اس جن سے کہا کہ بس تجھ میں تو اتنی ہی طاقت ہے اور) میں اس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکر رکھ سکتا ہوں (کیونکہ میں معجزہ کی قوت سے لاؤں گا، چنانچہ آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی، ویسے ہی یا کسی اسم الہی کے ذریعہ سے اور تخت فوراً سامنے آ موجود ہوا) چنانچہ جب سلیمان (علیہ السلام) نے اس کو اپنے سامنے دیکھا تو (خوش ہو کر شکر کے طور پر) کہنے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے (کہ میرے ہاتھ سے یہ معجزہ ظاہر

کیا) تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا (خدا نخواستہ) ناشکری کرتا ہوں اور (ظاہر ہے کہ) جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے شکر کرتا ہے (اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں) اور (اسی طرح) جو ناشکری کرتا ہے (وہ بھی اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) میرا رب بے نیاز ہے، کرم کرنے والا ہے (اس کے بعد) سلیمان (علیہ السلام) نے (بلقیس کی عقل آزمانے کے لئے) حکم دیا کہ اس (کی عقل آزمانے) کے لئے اس تخت کی صورت بدل دو (جس کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں، جیسے جواہرات کو ان کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ لگا دیا اور کسی طرح) ہم دیکھیں گے کہ اس کو اس کا پتہ چلتا ہے یا وہ انہی لوگوں میں سے ہے جن کو (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں چلتا (لہذا پہلی صورت میں معلوم ہوگا کہ وہ سمجھ دار عقلمند ہے اور عقلمند سے حق کو سمجھنے کی زیادہ امید ہے، اور اس کی حق پرستی کا اثر دوسروں تک بھی پہنچتا ہے، اور دوسری صورت میں حق کو سمجھنے کی امید اور اثر کا دوسروں تک پہنچنا دونوں کم ہیں)

فائدہ: بعض کتابوں میں اس عالم کا سلیمان علیہ السلام کے صحابہ میں سے ہونا آیا ہے، اس صورت میں ﴿وَإِنَّا آتَيْنَاكَ﴾ میں خطاب سلیمان علیہ السلام کو ہوگا اور یہ اس صحابی کی کرامت تھی چونکہ امتی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتا ہے، اس لئے آپ نے شکر یہ ادا کیا، لیکن بعض مفسرین نے سلیمان علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے۔ اور کئی وجہوں سے جن کا ذکر تفسیر کبیر میں ہے یہی قول رائج معلوم ہوتا ہے۔ لہذا اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھا گیا ہے اور اس صورت میں سلیمان علیہ السلام کا سوال جنات کی عاجزی ظاہر کرنے اور امتحان کے طور پر ہوگا۔ اور ^(۱) یہ پہلی صورت میں بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کو یہ معلوم ہو کہ اس صحابی سے یہ کرامت ظاہر ہوگی اور سوال کرنا جنات کو سنانے اور دکھانے کے لئے ہو کہ جو قوت مجھ سے فائدہ اٹھانے والوں میں ہے وہ تم میں بھی نہیں اور ہر حال میں اگر کتاب کی تفسیر توریت سے کی جائے تو اس صفت کو حصر کرنے میں کوئی دخل نہ ہوگا، صرف تعریف مقصود ہے۔

﴿فَلَمَّا جَاءَتْ قَيْلٌ أَهْلَكَ أَنْ عَرَّشَكَ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأَوْتَيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ۝
وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۝
فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا قَالَتْ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ ۝ قَالَتْ
رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

ترجمہ: سوجب بلقیس آئی تو اس سے کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے، وہ کہنے لگی کہ ہاں ہے تو ویسا ہی اور ہم لوگوں کو اس موقع سے پہلے ہی تحقیق ہو چکی ہے اور ہم مطیع ہو چکے ہیں اور اس کو غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا وہ کافر قوم میں کی تھی، بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو تو جب اس کا صحن دیکھا تو اس کو پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیاں (۱) یعنی اس فائدہ میں جس کا پہلے ذکر ہوا ہے اور وہ یہ کہ اللہ علیہ علم الكتاب کا مصداق کوئی صحابی ہوں۔

کھول دیں۔ سلیمان نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو شیثوں سے بنایا گیا ہے۔ بلقیس کہنے لگی کہ اے میرے پروردگار! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور سلیمان کے ساتھ ہو کر رب العالمین پر ایمان لائی۔

قصہ کا تتمہ:

(ادھر سلیمان علیہ السلام نے یہ سب سامان کر کے رکھا، پھر بلقیس پہنچی) تو جب وہ عورت (بلقیس) آئی تو اس سے (تخت دکھا کر) کہا گیا (چاہے سلیمان علیہ السلام نے خود کہا ہو یا کسی سے کہلوایا ہو) کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ کہنے لگی کہ ہاں! ہے تو ایسا ہی (بلقیس سے اس طرح سوال اس لئے کیا گیا کہ اس کی ہیئت تو بدل دی گئی تھی البتہ مادہ کے طور پر وہی تخت تھا لیکن اپنی صورت میں وہ نہیں تھا، اس لئے کاف تشبیہ کا بڑھا دیا گیا اور بلقیس اس کو پہچان گئی اور اس کے بدل دینے کو بھی سمجھ گئی، اس لئے سوال بھی جواب کے مطابق دیا) اور (یہ بھی کہا کہ) ہم لوگوں کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی (آپ کی نبوت کی) تحقیق ہو چکی ہے اور ہم (اس وقت دل سے) اطاعت قبول کر چکے ہیں (جب سے کہ قاصد کے ذریعہ آپ کے کمالات معلوم ہوئے تھے، اس معجزہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی) اور (چونکہ اس معجزہ سے پہلے ہی تصدیق اور اعتقاد کر لینا کمال عقل کی دلیل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس کے عقلمند ہونے کا بیان فرماتے ہیں کہ واقعی وہ سمجھ دار تھی، مگر کچھ دن تک جو ایمان نہیں لائی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) اس کو (ایمان لانے سے) اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت نے روک رکھا تھا (جس کی اس کو عادت تھی، اور وہ عادت اس لئے بڑ گئی تھی کہ) وہ کافر قوم میں کی تھی (اس لئے جیسا سب کو کرتے دیکھا ویسے ہی آپ کرنے لگی، اور عادت اکثر حقیقت کو سمجھنے میں پردہ بن جاتی ہے۔ مگر چونکہ عقل مند تھی اس لئے جب تنبیہ کی گئی تو حقیقت کو سمجھ گئی، اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ معجزہ اور نبوت کی شان دکھانے کے علاوہ اس کو سلطنت کی ظاہری شان بھی دکھادی جائے تاکہ اپنے آپ کو دنیا کے اعتبار سے بھی عظیم نہ سمجھے، اس لئے ایک شیش محل بنا کر اس کے صحن میں حوض بنوایا اور اس میں پانی اور مچھلیاں بھر کر اس کو شیشہ سے پاٹ دیا اور شیشہ ایسا صاف شفاف تھا کہ پہلی نظر میں دکھائی نہ دیتا تھا، اور وہ حوض ایسی جگہ تھا کہ اس محل میں جانے والے کو لازمی طور پر اس پر سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ چنانچہ اس تمام سامان کے بعد) بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو، ممکن ہے کہ وہی محل قیام کے لئے تجویز کیا ہو تو اس میں جانا اور ٹھہرنا ضروری ہوا۔ غرض وہ چلیں تو راستہ میں حوض آیا) تو جب اس کا صحن دیکھا تو اس کو پانی (سے بھرا ہوا) سمجھا اور (چونکہ قرینہ سے گمان کیا کہ پانی تھوڑا پاؤں ڈباؤ ہی ہے، لہذا اس کے اندر گھسنے کے لئے دامن اٹھائے، اور) اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں (اس وقت) سلیمان (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو پورے کا پورا صحن (شیثوں سے بنایا گیا ہے) اور یہ حوض بھی شیشہ سے پٹا ہوا ہے، دامن اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ اس وقت انہیں معلوم ہو گیا کہ یہاں دنیاوی کاری گری اور دوسری خوبیاں بھی ایسی ہیں جو میں نے آج تک نہیں دیکھیں تو ان کے دل میں ہر طرح سے سلیمان

علیہ السلام کی عظمت بیٹھ گئی اور بے ساختہ کہنے لگی کہ اے پروردگار! میں نے (اب تک) اپنے نفس پر ظلم کیا تھا (کہ شرک میں مبتلا تھی) اور (اب) میں سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ (یعنی ان کے طریقے پر) ہو کر رب العالمین پر ایمان لے آئی۔
 فائدہ: ﴿كُنَّا مُسْلِمِينَ﴾ میں بھی ایمان کا اقرار ہے، مگر اس سے خبر دینا مقصود ہے اور ایمان مطلوب یعنی انشاء وہ اسی صیغہ سے حاصل ہوا ہے۔ آگے قصہ کے باقی حصہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ مگر اس سے کوئی ضروری اور ذکر کے قابل غرض متعلق نہ ہونے کی وجہ سے ان سے کوئی بحث نہیں کی گئی، اور اس قصہ سے بھی کسی سے پڑھے یا سنے بغیر ماضی کی خبر دینے کے علاوہ جو کہ نبوت کی دلیل ہے خود نبیوں کی موافقت کی ترغیب معلوم ہوئی کہ بلیقہس پر جب اس شان و شوکت کے باوجود حق واضح ہو گیا تو ایمان لے آئی، اور نبیوں کی مخالفت سے ڈرایا گیا ہے کہ اگر ایمان نہ لاتی تو وہی ہوتا جو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا ﴿فَلَنَّا تَدِينَهُمْ﴾ بخنود اور یہ سب باتیں ان قصوں کے بعض مقاصد میں سے ہیں، اور اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی بھی ہے کہ اگر یہ کافر لوگ ایمان نہ لاتے تو سلیمان کے لشکر کی طرح ہم آپ کے لشکر کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ چنانچہ بعد میں جہاد کی اجازت دیدی گئی۔

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ۝ قَالَ يَتَقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ قَالُوا أَطِيعُوا بَيْنَكَ وَبَيْنَ مَعَكَ قَالَ طَٰئِرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ۝ وَكَانَ فِي السَّيِّئَةِ نَسْعَةٌ رَهْطٌ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝ قَالُوا نَقَاسُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝ وَمَكْرُؤًا مَكْرًا وَمَكْرُؤًا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مُكْرِهِمْ ۝ إِنَّا دَمَرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةٌ بِمَا ظَلَمُوا ۝ إِن فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ وَانجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کے پاس اُن کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو، سوا چانک اُن میں دو فریق ہو گئے جو باہم جھگڑنے لگے۔ صالح نے فرمایا کہ ارے بھائیو! تم نیک کام سے پہلے عذاب کو کیوں جلدی مانگتے ہو۔ تم لوگ اللہ کے سامنے معافی کیوں نہیں چاہتے جس سے توقع ہو کہ تم پر رحم کیا جاوے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ صالح نے فرمایا کہ تمہاری نحوست اللہ کے علم میں ہے بلکہ تم وہ لوگ ہو کہ عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اور اُس بستی میں نو شخص تھے جو سرزمین میں فساد کیا کرتے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ آپس میں سب اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم شب کے وقت صالح اور اُن کے متعلقین کو جا ماریں گے، پھر ہم اُن کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم اُن

کے متعلقین کے مارے جانے میں موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں اور انھوں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور اُن کو خبر بھی نہ ہوئی۔ سو دیکھئے اُن کی شرارت کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے اُن کو اور ان کی قوم کو سب کو غارت کر دیا۔ سو یہ اُن کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں اُن کے کفر کے سبب سے، بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے دانشمندوں کے لئے اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو نجات دی۔

تیسرا قصہ: صالح علیہ السلام کی قوم کا:

اور ہم نے ثمود (قوم) کے پاس ان کے (برادری کے) بھائی صالح کو (نبی بنا کر) بھیجا۔ یہ (پیغام دے کر) کہ تم (شرک کو چھوڑ کر) اللہ کی عبادت کرو تو (چاہئے تو یہ تھا کہ سب ایمان لے آتے) اچانک ان میں دو فریق ہو گئے جو (دین کے بارے میں) آپس میں جھگڑنے لگے (یعنی ایک فریق تو ایمان لے آیا اور ایک نہ لایا اور ان میں جو جھگڑا اور کلام ہوا، اس کا کچھ حصہ سورہ اعراف آیت ۷۳ سے ۷۹ تک میں بیان ہوا ہے۔ اور کچھ حصہ آگے بیان ہوا ہے۔ ﴿قَالُوا أَظَلُّوا بِلٰكٍ﴾ الخ اور جب ان لوگوں نے کفر پر اصرار کیا تو صالح علیہ السلام نے نبیوں علیہم السلام کی عادت کے مطابق انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا جیسا کہ سورہ اعراف میں ہے ﴿فَيَاْخُذْكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ تو انھوں نے کہا کہ لاؤ وہ عذاب کہاں ہے؟ چنانچہ سورہ اعراف ہی میں آگے ہے ﴿قَالُوا يٰصٰلِحُ اِنَّا نَعْبُدُكَ اِنَّا كُنَّا مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اس پر (صالح علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے بھائیو! تم نیک کام (یعنی توبہ اور ایمان) سے پہلے عذاب کو کیوں جلدی مانتے ہو؟ (یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ عذاب کی وعید سن کر ایمان لے آتے نہ یہ کہ ایمان تولاتے نہیں اور اس کے برخلاف عذاب ہی کی درخواست کرنے لگے، یہ بڑی بے باکی کی بات ہے، عذاب کی اس طرح جلدی مچانے کے بجائے) تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر سے) معافی کیوں نہیں چاہتے؟ جس سے امید ہو کہ تم پر رحم کیا جائے (یعنی عذاب سے محفوظ رہو) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں (کہ جب سے تم نے یہ مذہب نکالا ہے اور تمہاری یہ جماعت پیدا ہوئی ہے، قوم میں نا اتفاقی پیدا ہو گئی اور نا اتفاقی کے جو نقصان اور خرابیاں ہوتے ہیں وہ سب سامنے آنے لگے، لہذا ان باتوں برائیوں کا سبب تم ہو) صالح (علیہ السلام) نے (جواب میں) فرمایا کہ تمہاری (اس) نحوست (کا سبب) اللہ کے علم میں ہے (یعنی تمہارے کفر والے اعمال اللہ کو معلوم ہیں، یہ برائیاں انہی اعمال کا نتیجہ ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ نا اتفاقی مذمت کے قابل رہی ہے جو حق کی خلاف ورزی کرنے سے ہو، تو اس کا الزام ایمان والوں پر نہیں ہو سکتا بلکہ کفر والوں پر ہی ہوگا، اور بعض تفسیروں میں ہے کہ ان پر قحط پڑا تھا، اور تمہارے کفر کا نقصان ان برائیوں تک ہی محدود نہیں ہے) بلکہ تم وہ لوگ ہو کہ (اس کفر کی بدولت) عذاب میں مبتلا ہو گے، اور (یوں تو اس قوم میں کافر بہت تھے، لیکن اس بستی (یعنی حجر) میں (سرغنہ) تو شخص تھے جو زمین میں (یعنی بستی سے باہر تک بھی فساد مچایا کرتے تھے، اور (ذرا

اصلاح نہ کرتے تھے (یعنی بعض فسادی ایسے ہوتے ہیں کہ کچھ فساد کیا، کچھ اصلاح کر لی، مگر وہ ایسے نہ تھے بلکہ خالص مفسد و فسادی تھے۔ چنانچہ ایک باریہ فساد کیا کہ) انھوں نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ سب آپس میں (اس پر) اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کے وقت صالح اور ان سے متعلق لوگوں (یعنی ایمان والوں) کو مار ڈالیں۔ پھر (اگر تحقیق کی نوبت آئے تو) ہم ان کے وارث سے (جو خون کا دعویٰ کرے گا) کہہ دیں گے کہ ہم ان سے متعلق لوگوں (اور خود ان کے) مارے جانے کے وقت موجود (ہی) نہ تھے (مارنا تو دور کی بات) اور (تاکید کے لئے یہ بھی کہہ دیں گے کہ) ہم بالکل سچے ہیں (اور گواہ کوئی موقع پر دیکھنے کا ہوگا نہیں، تو بات دب دیا جائے گی) اور (یہ مشورہ کر کے) انھوں نے ایک خفیہ تدبیر کی (کہ رات کے وقت اس کارروائی کے لئے چلے) اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور (اس تدبیر کی) انہیں خبر بھی نہ ہوئی (وہ یہ کہ ایک پہاڑ پر سے ایک پتھر ان پر لڑھک آیا اور وہ سب وہاں ہی کچل کر رہ گئے، یعنی ہلاک ہو گئے جیسا کہ الدر المنثور میں ہے) تو دیکھئے کہ ان کی شرارت کا انجام کیا ہوا؟ کہ ہم نے انہیں (مذکورہ طریقہ سے) اور (پھر) ان کی (باقی) قوم کو (آسمانی عذاب کے ذریعہ) سب کو غارت کر دیا (جس کا قصہ دوسری آیتوں میں ﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ﴾ سے ﴿فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ تک اور ﴿وَ أَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الضَّيْقَةَ﴾ تو یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے کفر کی وجہ سے ویران پڑے ہیں (جو کہ مکہ والوں کو شام کے سفر میں ملتے ہیں) بلاشبہ اس (واقعہ) میں سمجھنے والوں کے لئے بڑی عبرت ہے اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو (اس قتل سے بھی) جس کا مشورہ ہوا تھا اور قبر کے عذاب سے بھی) نجات دی۔

فائدہ: ﴿لَوْلَيْتُمْ﴾ میں جس وارث کا ذکر ہے وہ یا تو ایمان والا ہوگا، اور کسی وجہ سے اس کے قتل کی رائے نہ ہوئی ہوگی، جیسے وہ بھی عزت و دربدہ اور شان و شوکت والا ہو۔ یا اگر مؤمن نہ ہوگا تو قریبی عزیز ہونے کی حمیت کے قصاص کے مطالبہ کا سبب ہونے کا احتمال ہوگا۔

﴿وَلَوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَكُنْتُمْ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْهَرُونَ ۝ أَيْنَكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً ۝ مَنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ بُجْهَلُونَ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ ۚ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ۝ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۚ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ وَامْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۚ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے لوط کو بھیجا تھا جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم یہ بے حیائی کا کام کرتے ہو، حالانکہ سمجھ دار ہو۔ کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم جہالت کر رہے ہو۔ سو ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا، بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ لوط کے لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوط کو اور ان کے متعلقین کو بچا لیا بجز ان کی بیوی کے اُس کو ہم نے اُن ہی لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا جو

عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے اُن پر ایک نئی طرح کا عذاب برسا دیا۔ سو اُن لوگوں کا کیا برا مینہ تھا جو ڈرائے گئے تھے۔

چوتھا قصہ: لوط علیہ السلام کا:

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر ان کی قوم کے پاس) بھیجا تھا جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ حالانکہ سمجھ دار ہو (کیا اس کی برائی کو نہیں سمجھتے؟ آگے اس بے حیائی کا بیان ہے، یعنی) کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت کا کام کرتے ہو؟ (اور اس کے ارتکاب کے لئے کوئی شبہ پیدا کرنے والا نہیں ہو سکتا) بلکہ (اس بارے میں) تم (محض) جہالت کر رہے ہو، تو (ان باتوں کا) ان کی قوم سے کوئی (معقول) جواب نہ بن پڑا، سوائے اس کے کہ (آخر میں بے ہودگی کے طور پر) آپس میں کہنے لگے کہ لوط (علیہ السلام) کی پیروی کرنے والوں (یعنی مومنوں کو مع لوط علیہ السلام کے) تم اپنی (اس) بستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں تو (جب یہاں تک نوبت پہنچی تو) ہم نے (اس قوم پر عذاب نازل کیا اور) لوط (علیہ السلام) کو اور ان سے متعلق لوگوں کو (اس عذاب سے) بچا لیا سوائے ان کی بیوی کے کہ اس کو (اس کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے) ہم نے انہی لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا، جو عذاب میں رہ گئے تھے اور (وہ عذاب جو ان پر نازل ہوا، یہ تھا کہ) ہم نے ان پر ایک نئی قسم کی بارش برسائی (کہ وہ پتھروں کی بارش تھی) تو ان لوگوں کی کیسی بری بارش تھی جو (پہلے اللہ کے عذاب سے) ڈرائے گئے تھے (جس پر انہوں نے دھیان نہ دیا)

فائدہ: سورہ اعراف میں اس قصہ سے متعلق بعض ضروری مضامین بیان ہو چکے ہیں، انہیں وہاں ملاحظہ فرمایا جائے اور ﴿تَنْبِھُزُنْ﴾ اور ﴿تَجْہَلُوْنَ﴾ کے ترجمہ کے بیان سے ان میں ٹکراؤ کا شبہ دور ہو گیا کہ ﴿تَنْبِھُزُنْ﴾ کا حکم دوسرے امور میں ہے اور ﴿تَجْہَلُوْنَ﴾ کا اس امر میں اور ﴿تَنْبِھُزُنْ﴾ کا حکم علم کے لحاظ سے ہے اور ﴿تَجْہَلُوْنَ﴾ کا عمل کے لحاظ سے۔

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۝ اللّٰہُ خَبِیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: آپ کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا ہے کہ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو شریک ٹھہراتے ہیں؟
رابط: سورت کے شروع سے یہاں تک رسالت کی بحث تھی۔ اب توحید کی بحث ہے جس کو ایک مبلغ اور مختصر خطبہ سے شروع فرمایا ہے۔

توحید کا خطبہ:

آپ (توحید کے بیان کے لئے خطبہ کے طور پر) کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں، اور اس کے ان بندوں پر

سلام (نازل) ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے (یعنی انبیاء و صلحا یعنی نیک و صالح لوگ، آگے ہماری طرف سے توحید کا مضمون بیان کیجئے۔ وہ یہ کہ لوگو! یہ بتاؤ کہ) کیا (کمالات اور احسانات میں) اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں (بہتر ہیں) جن کو (معبود ہونے میں) شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی ظاہر اور مسلم ہے کہ اللہ ہی بہتر ہے، لہذا عبادت کا مستحق بھی وہی ہوگا، اس میں خیر و بہتر ہونا تو عقلی ہونے کے سبب کافروں کے نزدیک بھی مسلم تھا اور اس خیر کے لئے معبود کے واحد ہونے کا لازم ہونا عقلی قضیہ ہے، یہ تو مختصر انداز کا بیان تھا جو ان باتوں کے واضح ہونے کی وجہ سے مختصر انداز کے باوجود کافی ہے، مگر وضاحت اور تنبیہ کی زیادتی کے لئے آگے تفصیل ہے)

﴿ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً ۚ فَاَنْبَتْنَا بِهٖ حَدٰیْقَ ۙ ذٰتِ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا ۚ اِلَّا عِلٰلٌ ۚ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّغٰی لُوْنَ ۝۱۰﴾

ترجمہ: یا وہ ذات جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور اس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ ہم نے رونق دار باغ اُگائے تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگاسکو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ خدا کی برابر ٹھہراتے ہیں۔

توحید کی دلیلوں میں سے پہلی قسم:

(اچھا اللہ تعالیٰ کے کمالات میں غور کر کے بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات (بہتر ہے) جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا؟ اور اس نے آسمان سے پانی برسایا؟ پھر اس (پانی) کے ذریعہ سے ہم نے رونق والے باغ اُگائے (ورنہ) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغوں) کے درختوں کو اگاسکو (یہ سن کر اب بتاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے؟ (مگر مشرک لوگ پھر بھی نہیں مانتے) بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ (دوسروں کو عبادت میں) اللہ کی برابر ٹھہراتے ہیں۔

﴿ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا ۙ وَجَعَلَ خِلَالَهَا اَنْهٰرًا ۙ وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ ۙ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرِیْنِ حَآجِرًا ۚ اِلَّا مَعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۱﴾

ترجمہ: یا وہ ذات جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان حد فاصل بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے بلکہ ان میں زیادہ تو سمجھتے بھی نہیں۔

دوسری قسم:

(اچھا پھر اور کمالات سن کر بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو (مخلوق کے لئے) قرار کی جگہ بنایا اور

اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس (زمین) کے (ٹھہرانے کے) لئے پہاڑ بنائے، اور دو دریاؤں کے درمیان فاصلہ کی ایک حد بنائی؟ (جیسا کہ سورہ فرقان میں ﴿مَوْجٍ الْبَحْرَيْنِ﴾ آچکا ہے، یہ سن کر اب بتاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے؟ (مگر مشرک لوگ نہیں مانتے) بلکہ ان میں زیادہ تر (تو اچھی طرح) سمجھتے بھی نہیں۔

﴿ اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُ لَكُمۡ خُلَفَاءَ اِلَیۡہِ الْاَرْضِ مَعَ اللّٰہِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو؟
تیسری قسم:

(اچھا پھر اور کمالات سن کر بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے، جب وہ اس کو پکارتا ہے اور (اس کی) مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تمہیں زمین میں خلیفہ (تصرف کے اختیار والا) بناتا ہے؟ (یہ سن کر اب بتاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے؟ (مگر) تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو۔

﴿ اَمَّنْ يَهْدِيْكُمْ فِی ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلِ الرِّیۡحَ بُشْرًا بَیۡنَ يَدَیۡہِ رَحْمَۃً مِّنۡ رَّبِّہٖ ۝ مَّا تَدَّخِرُ اللّٰہُ تَعَالٰی لَہٗۤ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یا وہ ذات جو تم کو خشکی اور دریا کی تاریکیوں میں راستہ سوجھاتا ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے جو خوش کر دیتی ہیں۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے۔
چوتھی قسم:

(اچھا پھر اور کمالات سن کر بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو تمہیں خشکی اور دریا کی تاریکیوں میں راستہ بھجاتا ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے جو بارش کی امید دلا کر دلوں کو خوش کر دیتی ہیں (یہ سن کر اب بتاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے۔

﴿ اَمَّنْ یَّبْدُؤُا الْحَیۡۃَ ثُمَّ یُعِیۡدُہَا وَمَنْ یُّزۡنِ قُلُوبُہُمۡ فَمِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ مَعَ اللّٰہِ قُلُوبًا یَّزۡنُوۡنَ ۝ اِنۡ کُنۡتُمْ صٰدِقِیۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یا وہ ذات جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے، پھر اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور جو کہ آسمان اور زمین میں سے تم کو رزق دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ آپ کہتے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

پانچویں قسم:

(اچھا پھر اور کمالات سن کر بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرتا ہے (جو کہ مسلم ہے) پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا (جس پر قطعی دلیل قائم ہے) اور جو کہ آسمان اور زمین سے (پانی برسا کر اور بیڑ پودے نکال کر) تمہیں رزق دیتا ہے (یہ سن کر اب بتاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے؟ (اور اگر وہ یہ سن کر بھی کہیں کہ ہاں اور معبود بھی مستحق ہیں تو آپ کہتے کہ (اچھا) تم (ان کے عبادت کے مستحق ہونے پر) اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو (اس طرح کہ ان میں عبادت کے تقاضوں کو ثابت کرو)

فائدہ: ﴿رَوَاسِي﴾ کی تحقیق سورہ حجر میں گذر چکی۔ اور ﴿يُجِيبُ﴾ میں ہمیشہ کا حکم نہیں۔ لہذا کچھ اشکال نہیں، اور چونکہ بتوں سے مطلقاً جواب دینا منافی ہے، لہذا استدلال مکمل رہا۔

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ ۱ ﴿بَلْ أَدْرَكَ عَلَيْهِمْ فِي الْآخِرَةِ سَبِيلُهُمْ فِي شَيْءٍ مِّنْهَا يَبْلُغُهُمْ مِّنْهَا عَمُونَ﴾ ۲ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا أَيُّنَا لَنُخْرِجُوْنَ﴾ ۳ ﴿لَقَدْ وَعَدْنَا هَٰذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ ۴ ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ﴾ ۵ ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَلِيلٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ﴾ ۶ ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ۷ ﴿قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ رَدْفٌ لَّكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ﴾ ۸ ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُونَ﴾ ۹ ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ ۱۰ ﴿وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ ۱۱

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور اُن کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جاویں گے، بلکہ آخرت کے بارے میں اُن کا علم نیست ہو گیا بلکہ یہ لوگ اس سے شک میں ہیں بلکہ یہ اُس سے اندھے بنے ہوئے ہیں اور یہ کافریوں کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب خاک ہو گئے اور ہمارے بڑے بھی تو کیا ہم نکالے جاویں گے اس کا تو ہم سے اور ہمارے بڑوں سے پہلے سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا۔ اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہو جئے اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچارہے ہو اُس میں سے کچھ تمہارے پاس

ہی آگاہ ہو اور آپ کا رب لوگوں پر بڑا فضل رکھتا ہے لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے اور آپ کے رب کو سب خبر ہے جو کچھ ان کے دلوں میں مخفی ہے اور جس کو وہ علانیہ کرتے ہیں اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی مخفی چیز نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔

رابطہ: اوپر نبوت کے بعد توحید کا ذکر ہو چکا۔ اب آخرت کا ذکر ہے جس کی طرف توحید کی دلیلوں میں ﴿ثُمَّ يُعِيدُكَ﴾ سے مختصر انداز میں اشارہ بھی ہوا ہے اور چونکہ کافر لوگ اس کو جھٹلانے کی ایک وجہ یہ بھی قرار دیتے تھے کہ قیامت کا وقت پوچھنے پر بھی نہیں بتایا جاتا، وہ تعین نہ ہونے کو واقع نہ ہونے کی دلیل ٹھہراتے تھے، اس لئے اس مضمون کو علم غیب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کے بیان سے شروع کیا ہے۔ ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ﴾ جس میں ان کے اشتباہ کے منشا کا بھی ایک لحاظ سے جواب ہو گیا، پھر ان کے شک اور انکار پر ملامت ہے ﴿بَلِ اِذْ رَاكَ﴾ پھر ان کے انکار والے قول کی نقل ہے۔ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پھر اس انکار پر ڈرایا گیا ہے ﴿قُلْ سَيُؤْتٰی﴾ پھر اس انکار پر آپ کو تسلی ہے ﴿وَلَا تَخْزَنَ﴾ پھر اس ڈرانے سے متعلق ان کے ایک شبہ کا جواب ہے۔ ﴿وَيَقُولُوْنَ﴾ الخ پھر ڈرانے کی تاکید ہے ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ﴾ الخ جیسا کہ ترجمہ کے بیان سے ظاہر ہوگا۔

آخرت اور اس سے متعلق امور کی بحث:

(یہ لوگ جو قیامت کا وقت نہ بتانے سے اس کے واقع نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں، اس کے جواب میں) آپ کہہ دیجئے کہ (یہ استدلال غلط ہے، کیونکہ اس بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ لازم آیا کہ مجھ سے اور تم سے اس تعین کا علم غائب رہا، تو اس میں اسی کی کیا تخصیص ہے؟ غیب کے بارے میں کلی قاعدہ ہے کہ) اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا۔ اور اسی وجہ سے ان (مخلوقات) کو یہ خبر (بھی) نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ (یعنی اللہ تعالیٰ کو تو کسی کے بتائے بغیر سب کچھ خود معلوم ہے اور اس کے سوا کسی کو بھی بتائے بغیر کچھ بھی معلوم نہیں، مگر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے امور جن کا پہلے سے علم نہیں ہوتا واقع ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ علم کا نہ ہونا واقع نہ ہونے کے لئے لازم نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بعض امور کا غیب رکھنا منظور ہے، تو قیامت کی تعین بھی انہی امور میں سے ہے اس لئے مخلوق کو اس کا علم نہیں دیا گیا، مگر اس سے واقع نہ ہونا لازم نہیں آتا، اور یہ تعین کے ساتھ علم کا نہ ہونا تو سب میں امر مشترک ہے، لیکن ان انکار کرنے والے کافروں میں صرف تعین کے ساتھ علم کا نہ ہونا ہی نہیں) بلکہ (اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ) آخرت کے بارے میں (خود) ان کا علم نیست ہو گیا ہے (یعنی انہیں تو قیامت کے واقع ہونے کا بھی علم نہیں، جو اس کے وقت کی تعین سے بڑھ کر ہے اور مذمت کے قابل بھی ہے کیونکہ آخرت کا علم واجب ہے اور واجب کو چھوڑ دینا مذمت کے قابل ہے) بلکہ (اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ) یہ لوگ اس (کے واقع ہونے سے) شک میں ہیں (کہ) یہ علم نہ ہونے سے بدتر ہے، کیونکہ علم کا نہ ہونا اپنے آپ میں ذہن کے خالی ہونے کو بھی عام ہے، اور شک میں ذہن کے

اس طرف متوجہ ہونے کے باوجود تصدیق کا نہ ہونا ہے) بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ یہ اس سے اندھے ہیں (یعنی جس طرح اندھے کو راستہ نظر نہیں آتا اس لئے اس کو مقصود تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح آخرت کی تصدیق کا جو طریقہ ہے یعنی صحیح دلیلیں یہ لوگ انتہائی عناد کی وجہ سے اس میں غور و فکر نہیں کرتے۔ اس لئے انہیں وہ دلیلیں نظر نہیں آتیں جس سے مطلوب تک پہنچ جانے کی امید ہوتی، اس لئے یہ امر شک سے بھی بڑھ کر ہے، کیونکہ شک والا تو بعض اوقات دلیلوں میں غور کر کے شک کو دور کر لیتا ہے اور یہ غور بھی نہیں کرتے، لہذا ﴿اَيُّ اَن يٰۤبَيِّنُوْنَ﴾ یعنی ”دو بارہ کب زندہ کئے جائیں گے؟“ سے بڑھ کر علم کا تذکرہ ہوا اور اس سے بڑھ کر شک اور اس سے بھی بڑھ کر اندھا ہونا۔ اس طرح یہ انتقالات ترقی کے واسطے ہیں اور بعد والے کی طرف ترقی سے، پہلے والے کی نفی نہیں ہوتی کہ ٹکراؤ کا شبہ ہو، بلکہ ایک اور زیادتی کا اثبات ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ساری صفتیں ثابت ہیں یعنی تعین کا نہ ہونا بھی، اس تک پہنچنا بھی اور شک بھی اور اندھا ہونا بھی اور چونکہ ہر پہلے والا اپنے بعد والے سے سمجھ کے لحاظ سے عام ہے، لہذا اجتماع میں کوئی اشکال نہیں ہے جیسا کہ ترجمہ کی وضاحت سے یہ عام و خاص ظاہر ہے اور انکار پر اس برائی کے بعد آگے ان کا ایک قول نقل فرماتے ہیں جس میں ان کا انکار ہے کہ) یہ کافریوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم لوگ اور ہمارے بڑے بھی (مرکر) خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم (پھر زندہ کر کے قبروں سے) نکالے جائیں گے؟ اس کا تو ہم سے اور ہمارے بڑوں (محمد ﷺ) سے پہلے سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے (کیونکہ تمام نبیوں کا یہ قول مشہور ہے لیکن نہ آج تک ایسا ہوا اور نہ ہی کسی نے یہ بتایا کہ کب ہوگا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ) یہ بے سند باتیں ہیں جو پہلے والوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ (جب اس کے امکان پر عقلی دلیلیں اور واقع ہونے پر نقلی دلیلیں جگہ جگہ بار بار تمہیں سنادی گئی ہیں تو تمہیں جھٹلانے سے باز آ جانا چاہئے ورنہ جو حال دوسرے جھٹلانے والوں کا ہوا ہے کہ ان پر قہر نازل ہوا وہی تمہارا حال ہوگا اگر ان کی حالت میں شبہ ہو تو تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا (چنانچہ عذاب کے ذریعہ ہلاکت کے آثار باقی اور نمایاں تھے) اور (اگر ان بلیغ نصیحتوں کے باوجود مخالفت پراڑے رہیں تو) آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں، آپ اس سے تنگ نہ ہوں (کہ دوسرے نبیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے) اور ﴿وَقُلْ سَيُؤْتِيْكُمْ﴾ الخ میں اور اس جیسی دوسری آیتوں میں انہیں جو عذاب کی وعید سنائی جاتی ہے تو چونکہ ان کے دلوں میں تصدیق نہیں ہے اس لئے) یہ لوگ (بے باکی کے ساتھ) یوں کہتے ہیں کہ (عذاب و قہر کا) یہ وعدہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو، اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہی آ لگا ہوا اور (اب تک جو دیر ہو رہی ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ کا رب لوگوں پر (اپنا) بڑا فضل رکھتا ہے (اس عام رحمت کی وجہ سے کچھ مہلت دے رکھی ہے) لیکن اکثر آدمی (اس بات پر) شکر نہیں کرتے (کہ تاخیر کو غنیمت سمجھیں۔ اور اس مہلت میں حق طلب کرنے کی کوشش کریں اور اس کو قبول کر لیں کہ عذاب سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل ہو، بلکہ اس کے برعکس اس کا انکار کرتے ہیں اور مذاق اڑانے کی غرض سے جلدی

مچاتے ہیں) اور (چونکہ یہ تاخیر مصلحت کی وجہ سے کی جارہی ہے، اس لئے یہ نہ سمجھیں کہ ان افعال پر کبھی سزا ہی نہ ہوگی۔ کیونکہ) آپ کے رب کو سب خبر ہے جو کچھ ان کے دلوں میں چھپا ہوا ہے، اور جس کا وہ اعلان کرتے ہیں، اور (حق تعالیٰ کو خبر ہونے کے علاوہ سب چیزیں ظاہری طور پر بھی اللہ کے دفتر میں درج ہیں، جس میں صرف انہی کے اعمال کی تخصیص نہیں، بلکہ) آسمان اور زمین میں ایسی کوئی پوشیدہ چیز نہیں جو واضح کتاب (لوح محفوظ) میں نہ ہو (اور دفتر یہی ہے اور جب اس میں پوشیدہ چیزیں موجود ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا تو غیر پوشیدہ ظاہری چیزیں تو بدرجہ اولیٰ موجود ہیں۔ غرض ان کے اعمال کی اللہ تعالیٰ کو بھی خبر ہے۔ وہ دفتر میں بھی محفوظ ہیں اور خود ان اعمال کا تقاضہ بھی سزا کا۔ اور سزا کے واقع ہونے پر سچی خبریں بھی متفق۔ پھر یہ سمجھنے کی کیا گنجائش ہے کہ سزا نہ ہوگی؟ البتہ دیر کا ہونا ممکن ہے، چنانچہ ان منکروں کو بعض سزائیں دنیا میں ہونیں، جیسے قتل اور قتل۔ اور بعض برزخ میں ہوں گی کہ یہ سب قریب ہیں اور کچھ آخرت میں ہوں گی۔ اس لئے ردف کے ساتھ لفظ بعض فرمایا)

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَفُصِّلُ عَلَىٰ بُنَىٰ إِسْرَآئِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۖ وَإِنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

ترجمہ: بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں کو ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور بالیقین وہ ایمانداروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

رابطہ: چونکہ قیامت کا امکان عقل سے سمجھ میں آنے والا ہے اور اس کے واقع ہونے کی خبریں نقلی و سمعی ہیں یعنی کتابوں میں لکھی ہوئی شکل میں بھی خبر دی گئی ہے اور نبیوں نے بھی بیان کیا ہے اور اوپر اس کے واقع ہونے کی خبر دی گئی ہے اور خبر کے اثبات کے لئے خبر دینے والے کا سچا ہونا ضروری ہے، اس لئے آگے قرآن کا کہ وہ خبر دینے والا ہے سچ ہونا اس کے معجزہ ہونے کے علاوہ اس کی برکتوں سمیت ثابت فرماتے ہیں۔

قرآن کے حق ہونے کی اور برکتوں کا اثبات:

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں (کی حقیقت) کو ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں (اور پھر ظاہر بھی اس طرح کرتا ہے جس میں بنی اسرائیل کے علماء کو بھی جو ان میں کسی قدر انصاف پسند ہیں، کلام نہیں رہتا، اور علماء کے اختلاف کا فیصلہ کرنے والا ان علماء سے اعلم یعنی زیادہ علم رکھنے والا ہونا چاہئے اور اعلم ہونے کے دو طریقے ہیں یا تو خالق سے علوم کا استفادہ کیا ہو یا مخلوق سے۔ اور رسول اللہ ﷺ میں دوسری بات کی تو یقیناً نفی ہے چنانچہ اس احتمال کا اظہار کسی مخالف نے بھی نہیں کیا تھا، لہذا لازمی طور پر پہلی بات متعین ہوگئی۔ لہذا آپ کا صاحب وحی ہونا اور قرآن کا وحی ہونا ثابت ہو گیا۔ اور وحی کا سچ ہونا یقینی ہے لہذا قرآن کا سچ ہونا ثابت ہو گیا جو قیامت کی خبر دینے والا ہے اور اس سے

قیامت کا واقع ہونا ثابت ہو گیا جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ اور یہی مطلوب ہے۔ اور قرآن کے معجزہ ہونے کی دلیل اس کے علاوہ ہے، لہذا مذکورہ اختلاف کا دور ہونا معنی کی طرف راجع ہے اور معجزہ ہونا اس کے نظم کی طرف راجع ہے، اور معجزہ ہونے سے بلا واسطہ استدلال کرنا علم بلاغت جاننے والوں کے ساتھ خاص ہے اگرچہ علم بلاغت کے ماہرین کے عاجز ہونے کو دیکھ کر وہ استدلال عام ہو جاتا ہے اور اختلاف دور ہونے سے استدلال اپنے آپ میں علم بلاغت کے ماہرین اور اس کو نہ جاننے والوں کے لئے عام ہے۔ اور شاید اسی عام ہونے کے سبب اس جگہ اس استدلال کو اختیار کرنے کو ترجیح دی گئی ہو) اور (اس کے ظاہری برکت ہونے کی دلیل ہونا تو موافق و مخالف سب کے لئے عام ہے لیکن اگر کسی کو اس کی معنوی برکتیں دیکھنی ہوں تو ایمان لا کر دیکھ لے کہ) یقیناً وہ ایمان والوں کے لئے (خاص) ہدایت اور (خاص) رحمت ہے (ہدایت طاعتوں کے اعتبار سے اور رحمت ثمرات و نیجوں کے اعتبار سے)

فائدہ: اگرچہ اس آیت سے رسالت کا اثبات بھی صاف ہے لیکن کلام کا موقع محل قرآن کے صحیح و صحیح ہونے کے اثبات کے لئے اس کے قیامت کے بارے میں خبر دینے کی حیثیت سے ہے۔ لہذا مذکورہ حیثیت میں یہ عبارت الہی ہے اور رسالت میں مطلق اثبات اشارت الہی ہے، اور اس مقام پر تفسیر حقانی میں بنی اسرائیل کے اختلافات دور کرنے کی کئی مثالیں نقل کی ہیں۔ اس میں ملاحظہ کر لی جائیں۔ احقر ماضی میں آنے والی آسمانی کتابوں سے واقفیت نہیں رکھتا۔ اور قرآن میں جتنے اختلافی امور کا فیصلہ ہے، اگر بنی اسرائیل میں اختلافی امور اس سے کم تھے تو لفظ اکثر اپنے اصل معنی پر ہے۔ ورنہ لفظ اکثر کثیر کے معنی میں ہے۔

﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۖ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ۚ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۖ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَنْ صُلْبِهِمْ ۚ إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝﴾

ترجمہ: بالیقین آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا اور وہ زبردست اور علم والا ہے۔ سو آپ اللہ پر توکل رکھئے، یقیناً آپ صریح حق پر ہیں۔ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیویں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے رستہ دکھلانے والے ہیں۔ آپ تو صرف انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں، پھر وہ مانتے ہیں۔

رابطہ: اوپر آخرت کی دلیل یعنی قرآن کا صحیح اور ثابت کرنے والا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ جس کا تقاضا تھا کہ کافرانکار سے باز آجائیں اور وہ پھر بھی باز نہ آئیں تو اس تقاضا حضور ﷺ کا رنجیدہ ہونا تھا، اس لئے آگے آپ کو تسلی ہے جیسا کہ اوپر آیت ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ میں بھی یہ مضمون بیان ہوا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو تسلی:

(آپ ان لوگوں کی حالت پر نہ افسوس کیجئے اور نہ ان کی مخالفت کی فکر کیجئے کیونکہ ان کا کام سمجھانے کی حد سے آگے بڑھ گیا ہے۔ اب یہ عقلی اور شرعی فیصلہ کونہ مانیں گے بلکہ عملی فیصلہ کی ضرورت ہے، جو اللہ کا کام ہے اور) یقینی طور پر آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے (وہ عملی) فیصلہ (قیامت کے دن) کرے گا (اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ دین حق کیا تھا اور باطل کیا تھا، تو ایسے لوگوں پر کیا افسوس کیا جائے) اور (اس طرح مخالفت کی فکر بھی نہ کیجئے، کیونکہ) وہ زبردست اور علم والا ہے (لہذا اس کی مشیت کے بغیر کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اس سے کسی کی نقصان پہنچانے کی تدبیر پوشیدہ نہیں، وہ سب کو جانتا ہے اور اپنی قدرت سے سب کو دور کر سکتا ہے) تو (جب وہ ایسا ہے تو) آپ اللہ پر بھروسہ رکھئے (کہ مدد پر قدرت تو اوپر ثابت ہوئی اور مدد واقع ہونے کی ترجیح اس امر پر ہے کہ) یقیناً آپ کھلے واضح حق (طریقہ) پر ہیں (اور باطل والوں کے مقابلہ میں حق والوں کی مدد کی جاتی ہے، لہذا خوف و فکر نہ کیجئے اور چونکہ خوف و فکر کے مقابلہ میں آپ کو رنج زیادہ ہوتا تھا، اس لئے اس کے بارے میں پھر دوسرے عنوان سے فرماتے ہیں کہ) آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں، خاص طور سے جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (بچا کر) راستہ دکھانے والے ہیں آپ تو صرف انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں (اور) پھر وہ مانتے (بھی) ہیں (مطلب یہ کہ یہ لوگ تو مردوں، بہروں اور اندھوں کے مشابہ ہیں، پھر ان سے ہدایت پانے اور سمجھنے کی امید رکھنا بے کار ہے، جب امید نہ ہوگی تو رنج بھی نہ ہوگا)

فائدہ: اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں، اس کے باوجود کہ یہاں مردوں سے کفار مراد ہیں، مگر تشبیہ اسی صورت میں صحیح ہو سکے گی جب مردے نہ سنتے ہوں، لیکن چونکہ بعض حدیثوں میں مردوں کا دور سے تو نہیں البتہ قریب سے سنا آیا ہے، اس لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت سے سننے کی نفی سے نفع دینے والا سنا مراد ہے، اور اس کا قرینہ حدیث سے ٹکراؤ دور کرنے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ کافروں سے سننے کی مطلق نفی کا ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے، البتہ نفع دینے والے سننے کی ضرورت نفی تھی، لہذا مردوں سے بھی اس کی نفی ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی مردوں کو نصیحت کرے تو بے کار ہے، کیونکہ وہ جہاں ہیں وہ دارالعمل یعنی عمل کا میدان نہیں ہے، اور ثواب سے نفع ہونا یا قرآن کی تلاوت سے انس ہونا یہ دوسری بات ہے۔ مقصود نصیحتوں کا نفع نہ ہونا ہے اور بعض نے جواب دیا ہے کہ مردے میں اصل مردہ جسم ہے وہ نہیں سن سکتا، مگر اس سے روح کے سننے کی نفی لازم نہیں آتی اور سننے کا انکار کرنے والوں نے حدیثوں میں کچھ مناسب تاویلیں کر کے ٹکراؤ کو دور کیا ہے۔ واللہ اعلم

﴿وَلَا إِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ مِمَّا دَانَتْهُمُ الْأَرْضُ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ﴾
 وَيَوْمَ نُخَشِّرُهُمْ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ وَقَالَ أَكْذَبْتُمْ
 بِآيَاتِنَا وَلَمْ تُحِطُوا بِهَا عَلِمْنَا أَنَّمَا أَكْثَمْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا
 يَنْطِقُونَ ﴿الْمُرِيرُوا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّا فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ
 يُؤْمِنُونَ ﴿وَيَوْمَ يُنْفَعُ فِي الصُّورِ فَفَرَّجَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۚ
 وَكُلُّ أَتَوَةٍ ذُخْرَيْنِ ۚ وَنُزِّلَ مِنَ الْجِبَالِ تَحْسِبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ ثَمَرٌ مِّمَّا السَّابِغُ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتَقَنَ
 كُلَّ شَيْءٍ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ ءَامِنُونَ ﴿
 وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿﴾

ترجمہ: اور جب وعدہ اُن پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم اُن کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے کہ وہ ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہ لاتے تھے اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک گروہ اُن لوگوں کا جمع کریں گے جو میری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے پھر اُن کو روکا جاوے گا یہاں تک کہ جب حاضر ہو جاویں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماوے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم اُن کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہیں لائے اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے اور اُن پر وعدہ پورا ہو گیا بوجہ اس کے کہ انھوں نے زیادتیاں کی تھیں۔ سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے۔ کیا انھوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی تاکہ لوگ اس میں آرام کریں اور دن بنایا جس میں دیکھیں بھالیں۔ بلاشبہ اس میں بڑی دلیلیں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں اور جس دن صور میں پھونک ماری جاوے گی۔ سو جتنے آسمان اور زمین میں ہیں، سب گھبرا جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے اور سب کے سب اُسی کے سامنے دبے جھکے حاضر رہیں گے اور تو پہاڑوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہے جس میں تجھ کو خیال ہوتا ہے کہ یہ جنبش نہ کریں گے، حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے یہ خدا کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب افعال کی پوری خبر ہے جو شخص نیکی لاوے گا سو شخص کو اس سے بہتر ملے گا اور وہ لوگ بڑی گھبراہٹ سے اُس روز امن میں رہیں گے اور جو شخص بدی لاوے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جاویں گے۔ تم کو تو انہی عملوں کی سزا دی جا رہی ہے جو تم کیا کرتے تھے۔

رابطہ: اوپر ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ﴾ الخ میں قیامت کا ذکر تھا، اب پھر اسی کی طرف واپسی ہے اور درمیان میں اس کے تابع کے طور پر دوسرے مضامین آگئے تھے جن کی مناسبت رابطہ کے بیان میں بیان ہو چکی ہے۔ چنانچہ پہلے قیامت کی بعض شرطوں کا ذکر ہے ﴿وَلَا إِذَا وَقَعَ﴾۔ پھر حشر کے واقع ہونے کا ذکر ہے ﴿وَيَوْمَ نُخَشِّرُ﴾۔ پھر بعثت یعنی زندہ

کر کے اٹھائے جانے کے امکان کی ایک دلیل ہے۔ پھر خود قیامت کے بعض واقعات کا ذکر ہے ﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ﴾۔
پھر جزا و سزا کے طریقہ کا ذکر ہے۔ ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ الخ

قیامت اور اس کی علامتوں اور واقعات کے ذکر کی طرف واپسی:

اور جب ان (لوگوں) پر (قیامت کا) وعدہ پورا ہونے کو ہوگا (یعنی قیامت کا زمانہ قریب آ پہنچے گا) تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک (عجیب) جانور نکالیں گے کہ وہ ان سے باتیں کرے گا، کہ (کافر) لوگ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) آیتوں پر (خاص طور سے جو آیتیں قیامت سے متعلق ہیں، ان پر) یقین نہیں کرتے تھے (تو اب قیامت قریب آ پہنچی ہے۔ چنانچہ اس کی ایک علامت میرا ظاہر ہونا ہے، اس سے مقصود کافروں کو ملامت اور حجت لازم کرنا ہے اور چونکہ یہ عادت اور معمول کے خلاف بہت بڑا واقعہ ہوگا اس لئے بے بسی کے ساتھ اس کی تصدیق کریں گے تو اس میں کافروں کے لئے زیادہ برائی ہے کہ نبیوں کو جھٹلاتے رہے اور اب ایک جانور کی تصدیق کر دی، اور چونکہ یہ سورج کے مغرب سے نکلنے کے زمانہ میں ہوگا چاہے اس سے ذرا پہلے یا ذرا بعد، جیسا کہ تفسیر خازن میں مسلم سے نقل کیا ہے، اس لئے وہ تصدیق قبول نہیں کی جائے گی، یہ واقعہ تو قیامت کے قریب کے زمانہ میں ہوگا) اور (پھر قیامت ہی آجائے گی جس کے واقعات کا ذکر آگے فرماتے ہیں کہ اس دن کو یاد دلایئے) جس دن (قبروں سے زندہ کرنے کے بعد) ہم ہر امت میں سے (یعنی گزشتہ امتوں میں سے بھی اور اس امت میں سے بھی) ایک ایک گروہ ان لوگوں کا (حساب کے لئے) جمع کریں گے جو میری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے، پھر (انہیں حساب کتاب کے مقام کی طرف حساب کے لئے روانہ کیا جائے گا، اور چونکہ بہت بڑی تعداد میں ہوں گے اس لئے) انہیں (چلتے ہوئے پیچھے والوں کے آکر مل جانے کے لئے) روکا جائے گا (یعنی تاکہ آگے پیچھے نہ رہیں، سب ساتھ مل کر مقررہ مقام کے لئے چلیں۔ یہ کثرت کی طرف اشارہ ہے کہ زیادہ بڑی تعداد ساتھ ہونے میں ایسا ہوتا ہے چاہے روک ٹوک ہو یا نہ ہو) یہاں تک کہ جب چلتے چلتے مقررہ مقام پر جمع ہو جائیں گے تو (حساب شروع ہوگا اور) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ حالانکہ تم ان کو اپنے علمی دائرے میں بھی نہیں لائے (جس کے بعد غور کرنے کا موقع ملتا اور غور کر کے اس پر رائے قائم کرتے۔ مطلب یہ کہ سنتے ہی بغیر غور و فکر کے انہیں جھٹلایا اور صرف جھٹلایا ہی نہیں) بلکہ (یا تو کرو، اس کے علاوہ) اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے (جیسے نبیوں کو اور ایمان والوں کو تکلیفیں پہنچائیں جو جھٹلانے سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسی طرح دوسرے کفر والے عقیدے اور فسق والے اعمال میں مبتلا رہے) اور (اب وہ وقت ہے کہ) ان پر (جرم قائم ہونے کی وجہ سے عذاب کا) وعدہ پورا ہو گیا یعنی سزا کا مستحق ہونا ثابت ہو گیا) اس وجہ سے کہ انہوں نے (دنیا میں) بڑی بڑی (زیادتیاں کی تھیں) جن کا ظہور آج ثابت ہو گیا (تو) (چونکہ ثبوت قوی ہے، اس لئے) وہ لوگ (عذر وغیرہ سے متعلق) بات بھی نہ کر سکیں گے (اور بعض آیتوں میں جو ان کے

عذر کا ذکر ہے وہ شروع میں ہوگا، پھر حجت قائم ہو جانے کے بعد وہ بول بھی نہ سکیں گے اور یہ لوگ جو قیامت کے امکان کے منکر ہیں تو یہ محض حماقت ہے، کیونکہ ان نقلی دلیلوں کے علاوہ جن کا سچ ہونا ثابت ہو چکا، اس پر عقلی دلیل بھی تو قائم ہے، جیسے) کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے رات بنائی تاکہ لوگ اس میں آرام کریں (اور یہ آرام موت کی طرح ہے) اور دن بنایا جس میں دیکھیں بھالیں (جو کہ بیداری پر موقوف ہے اور وہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی طرح ہے چنانچہ) بلاشبہ اس (روزانہ کے سونے اور جاگنے) میں (مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے امکان پر اور ان آیتوں کے حق ہونے پر جو اس پر دلالت کرتی ہیں) بڑی دلیلیں ہیں (کیونکہ موت کی حقیقت ہے جسم سے روح کا تعلق ختم ہونا اور دوسری زندگی کی حقیقت ہے اس تعلق کا پھر سے قائم ہونا اور نیند بھی ایک لحاظ سے اس تعلق کا ختم ہونا ہے، کیونکہ کمزوری بھی اس چیز کے وجود کے درجوں میں سے کسی درجہ کا زوال ہوتا ہے، اور بیداری اس زائل تعلق کا پھر سے لوٹ آنا ہے، لہذا دونوں میں مکمل مشابہت ہوئی اور ایک نظیر کے ساتھ قدرت کا تعلق صاف طور سے دیکھا جاتا ہے۔ اور یہ تعلق کسی علت سے وابستہ نہیں ہے، بلکہ یہ صرف ذات واجب یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا تقاضا ہے، اور قدرت کے محل کا امتناع کسی دلیل سے ثابت نہیں، جبکہ امکان اول تو ظاہر ہے پھر اس کی نظیر کا امکان اس ظاہر ہونے کو اور زیادہ قوی و مضبوط کرتا ہے، پھر اس کے ساتھ قدرت کے تعلق میں کیا کلام ہے اور چونکہ یہ دلیل عقلی ہے اس لئے ہر شخص کے لئے عام ہے مگر یہ عام ہونا نفع اٹھانے کے اعتبار سے) ان (ہی) لوگوں کے لئے (ہے) جو ایمان رکھتے ہیں (کیونکہ وہ غور کرتے ہیں اور دوسرے لوگ غور نہیں کرتے، اور نتیجہ نکالنے کے لئے غور و فکر ضروری ہے، اس لئے اس سے دوسرے لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے) اور (ایک ہولناک واقعہ اس مذکورہ حشر سے پہلے ہوگا جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ یعنی اس دن کی ہیبت بھی یاد دلائیے) جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی (یہ نغمہ یعنی پھونک پہلی ہے اور جس حشر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ دوسرے نغمہ یعنی پھونک کے بعد ہوگا) تو جتنے آسمانوں اور زمین میں (فرشتے اور آدمی وغیرہ) ہیں۔ سب گھبرا جائیں گے (اور پھر مرجائیں گے اور جو مر چکے ہیں، ان کی رو میں بے ہوش ہو جائیں گی) سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔ (وہ اس گھبراہٹ اور موت سے محفوظ رہے گا، ان سے حدیث مرفوع کے مطابق جبریل و میکائیل و اسرافیل اور ملک الموت یعنی موت کا فرشتہ اور وہ فرشتے مراد ہیں جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، پھر ان سب کی بھی نغمہ کے اثر کے بغیر وفات ہو جائے گی جیسا کہ سورۃ الزمر میں اور الدرالمکثور میں ہے) اور (جیسا کہ دنیا میں عادت ہے کہ جس سے گھبراہٹ اور ڈر ہوتا ہے، اس سے دور بھاگ جاتے ہیں، وہاں کوئی اللہ تعالیٰ سے نہ بھاگ سکے گا، بلکہ) سب کے سب اسی کے سامنے دبے جھکے حاضر ہیں گے (یہاں تک کہ زندے مردے اور مردے بے ہوش ہو جائیں گے) اور (نغمہ سے یہ تبدیلی اور تاثیر جانداروں میں ہوگی اور آگے اس تاثیر کا بیان ہے جو بے جان چیزوں میں ہوگی، وہ یہ کہ اے مخاطب!) تم (اس وقت) پہاڑوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہے ہو جس سے (ان کے ظاہری استحکام کے سبب پہلی نظر میں) تمہیں خیال ہوتا ہے کہ یہ (ہمیشہ یوں ہی رہیں گے اور کبھی اپنی جگہ سے)

حرکت نہ کریں گے۔ حالانکہ (اس وقت ان کی حالت یہ ہوگی کہ) وہ بادلوں کی طرح ہلکے پھلکے ہو کر اور گھلے ہوئے اجزاء کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان قضا میں) اڑتے پھریں گے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَبُشَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا﴾ اَفْكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًا ﴿اور اس بارے میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ ایسی بھاری اور سخت چیز کا یہ حال کیسے ہو جائے گا۔ کیونکہ) یہ اللہ کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مضبوط بنا رکھا ہے (اور ابتدا میں کسی چیز میں کوئی مضبوطی نہ تھی، کیونکہ خود وہ چیز ہی نہ تھی لہذا اس کی صفت تو بدرجہ اولیٰ نہ تھی تو جس طرح اس نے اس کو جس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا وجود بخشا اور کمزور کو طاقتور بنایا۔ اسی طرح اس کا الٹا بھی کر سکتا ہے، کیونکہ ذاتی قدرت کا تعلق تمام اشیا کے ساتھ ایک ہی جیسا ہے خاص طور سے نظر آنے والی چیزوں کی مثال تو اور بھی زیادہ واضح ہے۔ اس طرح دوسری قوتوں والی مخلوقات آسمان و زمین میں زبردست تبدیلی ہونے کا ذکر دوسری آیتوں میں ہے ﴿وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً ۚ وَاحِدَةً ۖ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۖ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ ۚ﴾ الخ پھر اس کے بعد دوسرا نغمہ ہوگا، جس سے روحمیں ہوش میں آ کر اپنے بدنوں سے متعلق ہو جائیں گی۔ اور ساری دنیا پھر سے نئے سرے سے پیدا ہو کر درست ہو جائے گی۔ اور اوپر جو حشر کا ذکر تھا وہ اسی دوسرے نغمہ کے بعد ہوگا، آگے قیامت کے اصل مقصود یعنی جزا و سزا کا بیان ہے۔ چنانچہ اس کی تمہید کے طور پر ارشاد ہے کہ) یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے افعال کی پوری خبر ہے (جو جزا و سزا کے لئے سب سے عظیم شرط ہے اور دوسری شرطیں قدرت وغیرہ بھی مستقل (دلیلوں سے) ثابت ہیں۔ لہذا جزا و سزا کا ممکن ہونا تو اس سے ظاہر ہے اور پھر حکمت کا تقاضہ ہے اس کا واقع ہونا، لہذا جزا و سزا کا واقع ہونا ثابت ہو گیا۔ چنانچہ تمہید کے بعد آگے اس کا واقع ہونا اس کے قانون اور طریقہ سمیت بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص نیکی (یعنی ایمان) لائے گا تو (وہ ایمان لانے پر جس اجر کا مستحق ہوگا) اس شخص کو اس (نیکی کے مذکورہ اجر) سے بہتر (اجر) ملے گا اور وہ لوگ اس دن بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہیں گے (جیسا کہ سورہ انبیاء میں ہے ﴿لَا يَخْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ﴾ الخ) اور جو شخص بدی (یعنی کفر و شرک) لائے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا کہ) تمہیں تو انہی اعمال کی سزا دی جا رہی ہے جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے (یہ عذاب بلا وجہ نہیں ہو رہا ہے)

فائدہ: ﴿كَآيَةً مِّنَ الْآٰتِ﴾ یعنی زمین سے نکلنے والے جانور سے متعلق درمنثور اور روح المعانی میں مرفوع اور موقوف روایتیں کثرت سے نقل کی گئی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی عجیب قسم کا پیدا کیا ہوا جانور ہوگا۔ جو مکہ مکرمہ میں قیامت کے قریب نکلے گا، اور انسانوں کی طرح باتیں کرے گا۔ اور لفظ ﴿مِّنَ الْآٰتِ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تولد یعنی پیدا ہونے کے طریقہ پر ظاہر ہوگا، تو والد یعنی کسی دوسرے جانور سے نسل کے طور پر نہیں۔ کیونکہ ظاہر میں ﴿مِّنَ الْآٰتِ﴾، اَخْرَجْنَا ﴿ سے متعلق ہے اور رات و دن کی تبدیلی سے جو بعث یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے امکان پر استدلال کے بعد لفظ لآیات جمع فرمایا ہے۔ حالانکہ بظاہر دلیل واحد ہے تو ایسا یا تو اس وجہ سے ہے کہ جن پر دلالت کی جا رہی ہے وہ

کئی ہیں، جیسے بعث کا امکان بعد سے متعلق آیتوں کا سچا ہونا۔ جیسا کہ ترجمہ میں اس طرف اشارہ بھی ہے تو گویا ہر مدلول یعنی جن پر دلالت کی جارہی ہے ان کے اعتبار سے ایک ایک دلیل ہے یا پھر دلیل کے عظیم ہونے کی وجہ سے اپنے آپ میں کئی دلیلوں کے برابر ہے۔

اور صور پھونکنے جانے کی گنتی میں مختلف اقوال ہیں: لیکن آیتوں میں ایک سے زیادہ کئی نچھ صور ہونے کی تو نص ہے لیکن گنتی کی صراحت نہیں ہے اس لئے کم سے کم دو تو یقینی ہیں اور نچھوں سے متعلق جو واقعات آئے ہیں وہ سب دو نچھوں میں صادق آسکتے ہیں، اس لئے تین چار ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے نہ نقلی اور نہ عقلی۔ واللہ اعلم

اور ان آیتوں میں ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ پہلے فزع الخ یعنی گھبرانے میں سب کے لئے گھبراہٹ ثابت کی گئی، پھر ﴿وَمَنْ فُزِعْ﴾ الخ میں ایمان والوں سے اس کی نفی کی گئی ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اثبات کرنے والا فزع اور ہے اور نفی کرنے والا فزع اور ہے، پہلا فزع پہلے فزع کے وقت ہے اور اس کی حقیقت طبعی ہے اور اس کا اثر موت ہے اور دوسرا فزع دوسرے فزع کے بعد ہے اور اس کی حقیقت ہمیشہ کے عذاب سے گھبراہٹ ہے جس کی ہر مومن سے نفی ہے۔ چاہے مطلق گھبراہٹ پائی جائے اور آیت میں ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ کی طرح ہی ایک اور آیت سورۃ الانعام نمبر ۶۰ آئی ہے، وہاں اس کی تفسیر کے ذیل میں بعض ضروری مضامین ملاحظہ کئے جائیں۔

﴿إِنَّمَا أُمِِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي هَرَمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۚ وَأُفِيَّتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۚ وَإِنْ أَتَلُّوا الْقُرْآنَ فَتَسْمَعُوا أُنْشَاءً يَنْتَدِي فَأَنْتُمْ يُهْتَدَىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝﴾

ترجمہ: مجھ کو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے مالک کی عبادت کیا کروں جس نے اس کو محترم بنایا ہے اور سب چیزیں اسی کی ہیں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں اور یہ کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ سو جو شخص راہ پر آوے گا سو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے راہ پر آوے گا اور جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ میں صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں اور آپ کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں خالص اللہ ہی کے لئے ثابت ہیں۔ وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھلا دے گا، سو تم ان کو پہچانو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں ہے جو تم سب لوگ کر رہے ہو۔

توحید رسالت اور آخرت کی بحثوں کی تلخیص:

(اے محمد ﷺ! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب (حقیقی مالک) کی عبادت کیا کروں جس نے اس (شہر) کو محترم بنایا ہے (کہ حرم ہونا اسی احترام کا نتیجہ ہے، مطلب یہ کہ عبادت میں شرک

سے دور رہوں جیسا کہ اب تک دور ہوں) اور (اس کی عبادت کیوں نہ کی جائے جب کہ وہ ایسا ہے کہ) سب چیزیں اسی کی (ملکیت) ہیں اور مجھے یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ میں (عقائد و اعمال سب میں) فرماں بردار رہوں (یہ تو وحید ہوئی) اور (مجھے) یہ (بھی حکم ملا ہے) کہ میں (تمہیں) قرآن پڑھ کر سناؤں (یعنی احکام کی تبلیغ کروں جو نبوت کے لئے لازم ہے) تو (میری تبلیغ کے بعد) جو شخص ہدایت اختیار کرے گا، وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے ہدایت اختیار کرے گا (یعنی اسے اجر، ثواب اور نجات حاصل ہوگی میں اس سے کسی مال یا عزت و مرتبہ کا نفع نہیں چاہتا) اور جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ (میرا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) میں تو صرف ڈرانے والے (یعنی حکم سنانے والے) رسولوں میں سے ہوں (یعنی میرا کام صرف حکم پہنچانا ہے تو پہنچا کر ذمہ داری سے آزاد ہو جاؤں گا، پھر نہ ماننے کا وبال تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ مطلب یہ کہ میں رسول ہوں اور تم سے کوئی غرض نہیں رکھتا۔ یہ رسالت کا مسئلہ ہو گیا) اور آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (تم جو قیامت کا اس بنیاد پر انکار کرتے ہو کہ وہ اب تک واقع نہیں ہوئی۔ اگر قیامت ہے تو اسے واقع کرو جیسا کہ جگہ جگہ کافروں کے جلدی چانے کا ذکر ہے۔ تو یہ تمہاری غلطی ہے، کیونکہ واقع نہ ہونا مطلق واقع نہ ہونے کے لئے لازم نہیں ہے اور مجھ سے واقع کرنے کی درخواست کرنا بالکل بے کار ہے، کیونکہ میں نے تو کبھی بھی اس کی قدرت کا وعدہ نہیں کیا، بلکہ) سب خوبیاں صرف اللہ ہی کے لئے ثابت ہیں (قدرت بھی، علم بھی، حکمت بھی تو اپنے علم کے مطابق اپنی قدرت سے جب حکمت کا تقاضا ہوگا۔ وہ قیامت واقع کر دے گا۔ البتہ مختصر انداز میں اس قدر معلوم ہے کہ قیامت قریب ہے، اس کے آنے میں بہت زیادہ مدت نہیں ہے، بلکہ) وہ تمہیں جلدی ہی اپنی نشانیاں (یعنی قیامت کے واقعات) دکھا دے گا، تو تم (واقع ہونے کے وقت) انہیں پہچانو گے (اور اب انکار کر رہے ہو) اور (صرف دکھانے پر ہی کفایت نہ کی جائے گی بلکہ تمہیں اپنے اعمال کے مطابق بھگتنا بھی پڑے گا، کیونکہ) آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں ہے جو تم سب لوگ کر رہے ہو (لہذا رسولوں اور مومنوں کو جزا اور کافروں کو سزا دے گا، یہ قیامت کا بیان ہو گیا)

فائدہ: چنانچہ خاتمہ میں سورت کے تمام مضامین مختصر انداز میں آگئے۔ سچ ہے: احسن الکلام و ابلغ النظام کلام اللہ الملک العزیز العلام: یعنی سب سے بہتر کلام اور سب سے بلیغ نظام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور حرم کے ضروری احکام سورۃ آل عمران آیت ۹۷ ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ کے تحت اور بعض سورۃ مائدہ آیت ۲ اور بعض آیت ۹۵ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اور واقعات کو آیات یا تو اس اعتبار سے فرمایا کہ وہ قدرت کی علامتیں ہیں یا اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کی تصدیق کرنے والی ہیں تو ان کا مشاہدہ آیتوں کے سچ ہونے کا مشاہدہ ہے۔

﴿اللہ کا شکر ہے اس نے سورۃ النمل کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، ہجری سال ۱۳۴۳ کے ختم پر﴾

اللہم وفقنا لكل خیر، وجنبنا من کل ضیر (آمین)



شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ طسّم ۝ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ ﴾

ترجمہ: ﴿ طسّم ﴾ یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔

رابط: قرآن کے برحق ہونے سے شروع کر کے جو کہ تمہید کے طور پر ہے۔ سورت کے آدھے تک پر موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ اور سورت کے ختم کے قریب قارون کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس سے گذشتہ سورت کے خاتمہ کے جملہ ﴿ وَمَنْ صَنَعَ ﴾ الخ کے مدلول پر یعنی جس پر دلالت کی گئی ہے، ایک لحاظ سے استدلال بھی ہے جو دونوں کے درمیان ربط کا ذریعہ بھی ہو سکتا ہے اور دونوں قصوں کے درمیان میں ﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ ﴾ کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے مضمون کی مناسبت سے محمد ﷺ کی رسالت کا اثبات ہے اور اس کے بعد رسالت کی تصدیق کرنے والوں کی مدح و تعریف اور رسالت کو جھٹلانے والوں کی مذمت و برائی ہے۔ اس کے بعد آخرت کا مضمون اور اس کے ساتھ شرک کی مذمت اور توحید کی دلیلیں ہیں۔ اور پھر آخرت کے ذکر کے ساتھ شرک کی مذمت کا بیان ہے اور پھر قارون کے قصہ میں جو جملہ ﴿ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ ﴾ ہے ﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ ﴾ سے اس کی وضاحت و تائید ہے اور پھر خاتمہ میں یعنی ﴿ إِنَّ الدِّينَ فَرَضَ ﴾ سے آخر تک انتہائی بلاغت و اختصار کے ساتھ رسالت اور توحید اور بعث یعنی قیامت کے دن اٹھائے جانے کو خلاصہ کے طور پر دہرایا ہے۔ اور رسالت کے مضمون کے ساتھ آپ کو تسلی اور توحید کے مضمون کے ساتھ تمام ممکن اشیاء کے وجود کی کمزوری اور بعث کے مضمون کے ساتھ جزا و سزا کا بیان ہے۔ واللہ اعلم بأسرار کلامہ۔

قرآن کے برحق ہونے سے ابتداء:

﴿ طسّم ﴾ (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ (مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں) واضح کتاب (یعنی جس کے معنی واضح ہیں، یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں۔

﴿ نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاٍ مُّوْمِنٍ وَفِرْعَوْنٍ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں، اُن لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ (بالاختصار)

(جن میں سے اس مقام پر) ہم آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر (یعنی نازل کر کے) سناتے ہیں، ان لوگوں کے (نفع کے) لئے جو ایمان رکھتے ہیں (کیونکہ قصوں کے مقاصد یعنی عبرت اور نبوت پر استدلال وغیرہ مومنوں ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ چاہے وہ حقیقت میں مومن ہوں یا اس اعتبار سے کہ بعد میں ایمان لانے کی امید ہو کہ وہ^(۱) ایمان کا ارادہ رکھتے ہوں۔

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضَعِفُ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَيُرِيدُ أَنْ يَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضَعَفُوا فِي الْأَرْضِ وَيَجْعَلَهُمْ أَوْيَاتًا وَيَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَلَمَّا كُنْ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَبُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودُهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝﴾

ترجمہ: فرعون سرزمین مصر میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اُس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کسان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا، اُن کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور اُن کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا، واقعی وہ بڑا مفسد تھا اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین میں زور گھٹایا جا رہا تھا ہم اُن پر احسان کریں اور اُن کو پیشوا بنادیں اور اُن کو مالک بنائیں اور اُن کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اُن کے تابعین کو اُن کی جانب سے وہ واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔

بالاختصار واقعہ:

(اور یہ قصہ مختصر طور پر تو یہ ہے کہ) فرعون (کا دماغ مصر کی) زمین میں بہت چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا (اس طرح کہ قبطیوں کو معزز بنا کر رکھا تھا اور سبطیوں یعنی بنی اسرائیل کو ذلیل اور پس ماندہ بنا رکھا تھا، جس کا آگے بیان ہے) کہ ان (باشندوں) میں سے ایک جماعت (یعنی بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا (اس طرح کہ) ان کے بیٹوں کو (جو نئے پیدا ہوتے تھے، جلا دوں کے ہاتھوں) ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا (تاکہ ان سے خدمت لی جائے، اور اس لئے بھی کہ ان سے کوئی اندیشہ بھی نہیں تھا) (۱) یعنی حقیقت میں ارادہ رکھتے ہوں یا حکمی طور پر۔ حقیقتاً ارادہ کے معنی تو ظاہر ہیں اور حکمی طور پر ارادہ سے مراد یہ ہے کہ ان کا کفر، حق واضح نہ ہونے کی بنا پر ہونہ کہ خدا اور ہٹ دھرمی کے طور پر اور اس کے ساتھ وہ حق کے طالب بھی ہوں اور چونکہ ایسے لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر ان پر حق واضح ہو جائے تو وہ ایمان لے آئیں، اس لئے انہیں حکمی طور پر ایمان کا ارادہ رکھنے والا کہہ دیا گیا کیونکہ حق واضح ہونے کے بعد طلب یقینی ہے۔

واقعی وہ بڑا مفسد (فساد پھیلانے والا) تھا (غرض فرعون اس خیال میں تھا) اور ہمیں یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا (مصر کی) زمین میں زور گھٹایا جا رہا تھا، ہم ان پر (دنیاوی) اور (دینی) احسان کریں اور (وہ احسان یہ کہ) انہیں (دنیا میں) پیشوا بنادیں اور (دنیا میں) انہیں (ملک کا) مالک بنائیں اور (مالک ہونے کے ساتھ) انہیں (بادشاہ بھی بنائیں یعنی انہیں) زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کی اتباع کرنے والوں کو ان (بنی اسرائیل) کی جانب سے وہ (ناگوار) واقعات دکھائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے (اس سے سلطنت کا زوال اور ہلاکت مراد ہے کہ اس سے بچاؤ کرنے کے لئے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ایک خواب کی تعبیر کی بنیاد پر جو فرعون نے دیکھا تھا، اور نجومیوں نے تعبیر دی تھی قتل کر رہا تھا۔ جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ چنانچہ ہمارے قضا و قدر کے سامنے ان لوگوں کی تدبیر کچھ کام نہ آئی (یہ قصہ کا مختصر انداز میں بیان ہوا)

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَمَاذَا حَفَظْتَ عَلَيْهِ ۚ قَالَ قِيَّتْ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۚ إِنَّا رَأَوْنَاهُ إِلَيْنَا ۖ وَجَاءَ عَلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ قَالَ تَقْطَعُ ۚ أَلْ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۚ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِبِينَ ۝ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنِي لِي وَلَكَ ۚ لَا تَقْتُلُوهُ ۚ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فِرْعَانًا ۚ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ ۚ لَوْلَا أَنْ رَبَّنَا عَلَّ قَلْبَهَا لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقَالَتِ لَأُخْتِمَ قَضِيَّتُهُ ۚ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَحَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ ۚ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ۝ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَلَنَعْلَمَنَّ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو ان کی نسبت اندیشہ ہو تو ان کو دریا میں ڈال دینا اور نہ تو اندیشہ کرنا اور نہ غم کرنا۔ ہم ضرور ان کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے اور ان کو بغیر بنادیں گے تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اٹھالیا تا کہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں، بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین بہت چوڑے اور فرعون کی بی بی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل مت کرو جب نہیں کہ ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اس کو بیٹا ہی بنا لیں اور ان لوگوں کو خبر نہ تھی اور موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں کہ یہ یقین کئے رہیں۔ انھوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ ذرا موسیٰ کا سراغ تولگا۔ سو انھوں نے موسیٰ کو دُور سے دیکھا اور ان لوگوں کو خبر نہ تھی اور ہم نے پہلے ہی موسیٰ پر دودھ پلائیوں کی بندش کر رکھی تھی سو وہ کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ

کی پرورش کریں اور وہ اُن کی خیر خواہی کریں۔ غرض ہم نے موسیٰ کو اُن کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تاکہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تاکہ غم میں نہ رہیں اور تاکہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں رکھتے۔

قصہ کی تفصیل:

(اور اس قصہ کی تفصیل شروع سے یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اسی فتنوں بھرے زمانہ میں پیدا ہوئے) تو ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کو الہام کیا کہ (جب تک انہیں چھپا کر رکھنا ممکن ہو، تم انہیں دودھ پلاؤ، پھر جب تمہیں ان کے بارے میں (جاسوسوں کو معلوم ہو جانے کا) اندیشہ ہو تو (بے خوف و خطر) انہیں (ایک صندوق میں رکھ کر) دریا (یعنی نیل) میں ڈال دینا، اور نہ تو (ان کے ڈوب جانے کا) کوئی اندیشہ کرنا اور نہ (ان کے جدا ہو جانے پر) غم کرنا (کیونکہ) ہم ضرور انہیں پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر اپنے وقت پر) انہیں رسول بنادیں گے (غرض وہ اسی طرح دودھ پلاتی رہیں۔ پھر جب راز کے کھل جانے کا خوف ہوا تو ایک صندوق میں بند کر کے اللہ کا نام لے کر دریائے نیل میں چھوڑ دیا۔ اس کی کوئی شاخ فرعون کے محل میں جاتی تھی یا تفریح کے طور پر فرعون سے متعلق لوگ دریا کی سیر کو نکلے تھے، غرض وہ صندوق دریا کے کنارہ پر آگیا) تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (یعنی صندوق سمیت) اٹھا لیا۔ تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمنی اور غم کا سبب بنیں، بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کی اتباع کرنے والے لوگ بہت چوکے (کہ اپنے دشمن کو اپنی بغل میں لے کر پالا) اور (جب وہ صندوق سے نکال کر فرعون کے سامنے لائے گئے تو) فرعون کی بیوی (حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا) نے (فرعون سے) کہا کہ یہ (بچہ) میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (یعنی اس کو دیکھ کر ہمارا دل خوش ہوا کرے گا، اس لئے) اس کو قتل مت کرو، عجب نہیں کہ (بڑا ہو کر) ہمیں کچھ فائدہ پہنچائے یا ہم اسے (اپنا) بیٹا ہی بنا لیں۔ اور ان لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی (کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے ہاتھوں سے فرعون کی سلطنت تباہ و برباد ہوگی) اور (ادھر یہ قصہ ہوا کہ) موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل (طرح طرح کے خیالات کے ہجوم کی وجہ سے) بے قرار ہو گیا (اور بے قراری بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ ایسی سخت بے قراری کہ) قریب تھا کہ (انتہائی بے قراری کی وجہ سے) وہ موسیٰ (علیہ السلام) کا حال (سب پر) ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہتے کہ یہ ہمارے وعدہ پر یقین کئے (بیٹھی) رہیں (غرض بڑی مشکل سے انھوں نے دل کو سنبھالا اور تدبیر شروع کی۔ وہ یہ کہ) انھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کی بہن (یعنی اپنی بیٹی سے) کہا کہ ذرا موسیٰ کا پیہ تو لگاؤ تو (وہ چلیں اور یہ معلوم کر کے کہ صندوق شاہی محل میں لے جا کر کھول لیا گیا ہے، فرعون کے محل میں پہنچ گئیں یا تو کسی وجہ سے ان کا وہاں پہلے سے آنا جانا ہو گا یا کسی حیلہ سے پہنچ گئیں اور انھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو دور سے دیکھا اور ان لوگوں کو یہ خبر نہ تھی) کہ یہ ان کی بہن ہیں اور اس کی تلاش اور فکر میں آئی ہیں) اور ہم نے پہلے ہی سے (یعنی جب سے صندوق سے نکلے تھے) موسیٰ (علیہ

السلام) پر دودھ پلانے والیوں کی پابندی لگا رکھی تھی (یعنی کسی کا دودھ نہیں پیتے تھے) تو وہ (اس حال کو سن کر موقع پا کر) کہنے لگیں: کیا میں تمہیں ایسے گھرانہ کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں، اور وہ (اپنی فطرت و عادت کے مطابق دل سے) اس کی خیر خواہی کریں (ان لوگوں نے ایسے وقت میں کہ دودھ پلانا مشکل ہو رہا تھا، اس مشورہ کو غنیمت سمجھا اور ایسے گھرانہ کا پتہ پوچھا، انھوں نے اپنی والدہ کا پتہ بتا دیا۔ چنانچہ وہ بلائی گئیں اور موسیٰ علیہ السلام نے ان کی گود میں جاتے ہی دودھ پینا شروع کر دیا، اور آپ کی والدہ ان لوگوں کی اجازت سے اطمینان کے ساتھ آپ کو اپنے گھر لے آئیں کہ کبھی کبھی لے جا کر انہیں دکھالائیں) غرض ہم نے موسیٰ (علیہ السلام کو اس طرح اپنے وعدے کے مطابق) ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا، تا کہ (اپنی اولاد کو دیکھ کر) ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تا کہ وہ (جدائی کے) غم میں نہ رہیں اور تا کہ (معائنہ کے مرتبہ میں یعنی خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر) اس بات کو (اور زیادہ یقین کے ساتھ) جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا (ہوتا) ہے، لیکن (افسوس کی بات ہے کہ) اکثر لوگ (اس کا) یقین نہیں رکھتے (یہ کافروں پر ایک طنز ہے)

فائدہ: بیٹوں کو قتل کرنے کے قانون کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کرنے کی وجہ سورہ طہ میں گزر چکی ہے۔ وَالْقَوِیُّتُ عَلَیْكَ مَحَبَّتُهُ قَرِیْبٌ کہ انہیں جو شخص بھی دیکھتا تھا اسے بے اختیار پیار آتا تھا، اور جس اندیشہ سے یہ قانون بنایا تھا اس کے بارے میں اول تو بچہ کا بنی اسرائیل سے ہونا ان کے نزدیک یقینی نہیں بلکہ صرف ایک خیال تھا، جن کی طرف سے اندیشہ تھا۔ دوسرے اپنے دل کو سمجھالیا ہوگا کہ جب ہمارا پالا ہوا ہوگا تو ہمارا مخالف اور دشمن کیوں ہوگا؟ یہ خبر نہ تھی کہ خود تو ہمارا مخالف نہ ہوگا، مگر اس ذات جل شانہ کا موافق و فرماں بردار ہوگا جو تمام مسنونوں کا جامع ہے جس کے ہم ناحق مخالف ہیں۔ وہ فرماں برداری و موافقت ہمارے ساتھ مخالفت کا سبب ہوئی، اور حق ہوگی۔

اور درمنثور میں ابن جریج سے روایت ہے کہ ہم لہ فاصحون سے فرحون کے لوگوں کو شبہ ہوا کہ یہ لڑکی اس بچہ کو پہچانتی ہے تو انھوں نے مجبور کیا کہ بتاؤ یہ کس کا بچہ ہے ورنہ تمہیں اس کا علم کیسے ہوا کہ وہ اس کی خیر خواہی کریں گے تو انھوں نے فوراً ذہانت کے ساتھ جواب دیدیا کہ ”لہ“ کی ضمیر سے اشارہ بادشاہ کی طرف ہے، یعنی دہلوگ سرکار کے خیر خواہ ہیں۔ اس کو علم بدیع میں موجب کہتے ہیں، دوسرا جواب وہ ہو سکتا ہے جس کی طرف احقر نے ترجمہ میں اس فقرہ سے اشارہ کیا ہے کہ ”اپنی فطرت اور عادت کے مطابق“

اور درمنثور میں مرفوع و موقوف روایتوں میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دودھ پلانے پر اجرت لینا بھی نقل کیا گیا ہے جس پر شبہ ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کو دودھ پلانا اور پالنا تو واجب ہے پھر واجب پر اجرت لینا کہاں جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید اس شریعت کا یہ حکم نہ ہو، دوسرا جواب یہ ہے کہ حربی کا مال اس کی رضامندی سے لینا جائز ہے، چاہے کسی بھی طریقہ سے ہو۔ تیسرا جواب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ اس وقت کسی شریعت کا وجود تحقیقی طور پر نہیں پایا جاتا تھا، اس لئے اپنی رائے سے ایسا کیا ہو جو شریعت سے پہلے ملامت کا سبب نہیں۔ یہ مذکورہ شبہ کے جواب تھے، باقی اس میں مصلحت یہ

معلوم ہوتی ہے کہ اجرت نہ لینے میں یہ شبہ ہوتا کہ ماں کی شفقت کی وجہ سے ایسا کر رہی ہیں، لہذا انہی کا بیٹا ہے۔

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۚ فَاسْتَنَافَتْهُ الْآدَمِيُّ مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَوَكَّزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ قَالَ رَبِّ إِنَّمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَن أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ۝ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۚ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِهُ ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ۝ فَلَمَّا أَنِ ارَادَ أَن يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۖ قَالَ يُمُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَن تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَن تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَن تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ۝ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ ۚ قَالَ يُمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ ۖ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۚ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝﴾

ج

ترجمہ: اور جب اپنی بھری جوانی کو پہنچے اور درست ہو گئے ہم نے اُن کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیکوکاروں کو یوں ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ اور موسیٰ شہر میں ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے باشندے بے خبر تھے تو انھوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا تو ایک ان کی برادری کا تھا اور دوسرا ان کے مخالفین میں سے تھا سو وہ جوان کی برادری کا تھا اُس نے موسیٰ سے اس کے مقابلہ میں جو کہ اُن کے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی تو موسیٰ نے اُس کو گھونسا مارا سو اُس کا کام ہی تمام کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہو گئی۔ بیشک شیطان کھلا دشمن ہے غلطی میں ڈال دیتا ہے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھ سے قصور ہو گیا آپ معاف کر دیجئے، سو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، بلاشبہ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! چونکہ آپ نے مجھ پر انعامات فرمائے ہیں سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا۔ پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں کہ اچانک وہی شخص جس نے کل گزشتہ میں ان سے امداد چاہی وہ پھر ان کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ اُس سے فرمانے لگے: بیشک تو صریح بدراہ ہے۔ سو جب موسیٰ نے اُس پر ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا مخالف تھا وہ (اسرائیلی) کہنے لگا کہ اے موسیٰ! کیا مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو۔ بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے۔ اور ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑے ہوئے آئے۔ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں۔ سو آپ چل دیجئے میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں۔ پس موسیٰ وہاں سے نکل گئے، خوف اور وحشت کی حالت میں کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو ان ظالموں سے بچا لیجئے۔

قصہ کا باقی حصہ:

اور جب (پرورش پا کر) اپنی بھری جوانی (کی عمر) کو پہنچے اور (جسمانی و عقلی قوت سے) درست ہو گئے، ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا (یعنی نبوت سے پہلے ہی صحیح سمجھ اور عقلمندی عطا فرمائی جس سے اچھائی اور برائی میں فرق کر سکیں) اور ہم نیک لوگوں کو یوں ہی بدلہ دیا کرتے ہیں (یعنی نیک عمل سے علمی فیضان میں ترقی ہوتی ہے۔ اس میں ایک بات کا اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مشرب کو کبھی بھی اختیار نہیں کیا تھا، بلکہ اس سے بیزار ہی رہے) اور اس زمانہ میں ایک واقعہ یہ ہوا کہ ایک دن (موسیٰ علیہ السلام) شہر (یعنی مصر میں جیسا کہ الروح میں ابن اسحاق سے روایت ہے، کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے (اکثر) باشندے بے خبر (پڑے سو رہے تھے، اکثر روایتوں سے یہ دوپہر کا وقت معلوم ہوتا ہے اور بعض روایتوں سے کچھ رات گئے کا وقت معلوم ہوتا ہے جیسا کہ الدر المنثور میں ہے) تو انھوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا۔ ایک تو ان کی برادری (یعنی بنی اسرائیل) کا تھا اور دوسرا ان کے مخالفوں (یعنی فرعون سے متعلق ملازموں) میں سے تھا (دونوں کسی بات پر الجھ رہے تھے اور زیادتی اس فرعون کی تھی) تو جو شخص ان کی برادری کا تھا اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سے (اس کے مقابلہ میں جو ان کے مخالفوں میں سے تھا مدد چاہا) (موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اس کو سمجھایا جب وہ اس پر بھی باز نہ آیا) تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے ظلم سے باز رکھنے کی فرمائش کی (اسے) ایک گھونسا مارا، تو اس کا کام ہی تمام کر دیا (یعنی اتفاق سے وہ مر ہی گیا) موسیٰ علیہ السلام امید کے خلاف اس نتیجہ سے بہت پچھتائے اور) کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہو گئی، بے شک شیطان (آدمی کا) کھلا دشمن ہے، غلطی میں ڈال دیتا ہے (اور نادام ہو کر حق تعالیٰ سے) عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھ سے قصور ہو گیا، آپ معاف کر دیجئے تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔ بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے (اگرچہ اس معافی کا ظہور، اگر قطعاً قطعی طور پر نبوت عطا ہونے کے وقت ہوا، جیسا کہ سورۃ النمل میں ہے ﴿لَا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَلَا تَنفَعُ عَفْوَؤُ رَحْمَتُہٗ﴾ اور اس وقت چاہے الہام سے معلوم ہو گیا ہو یا بالکل نہ معلوم ہوا ہو) موسیٰ علیہ السلام نے ماضی سے توبہ کے ساتھ مستقبل سے متعلق یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! چونکہ آپ نے مجھ پر (بڑے بڑے) انعام فرمائے ہیں (جن کا ذکر سورۃ طہ میں ہے ﴿وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰی﴾ سے ﴿وَلَا تَحْزَنْ﴾ تک) تو میں کبھی مجرموں کی مدد نہ کروں گا (یہاں مجرموں سے وہ لوگ مراد ہیں جو دوسروں سے گناہ کا کام کرانا چاہیں، کیونکہ کسی سے گناہ کرانا بھی جرم ہے، لہذا اس میں شیطان بھی داخل ہو گیا کہ وہ گناہ کرانا ہے اور گناہ کرنے والا اس کی مدد کرتا ہے، چاہے جان بوجھ کر یا غلطی سے جیسے اس آیت میں ہے ﴿وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَیْبٍ مِّنْ ظَلَمٍ﴾ یعنی شیطان کے لئے۔ مطلب یہ ہوا کہ شیطان کا کہنا کبھی نہ مانوں گا یعنی جن موقعوں میں خطا کا احتمال ہوگا، ان میں احتیاط سے اور سوچ سمجھ کر کام کروں گا۔

اور اصل مقصود اتنا ہی ہے مگر حکم کو شامل کرنے کے لئے لفظ مجرمین جمع لایا گیا، کہ اوروں کو بھی عام ہو جائے، غرض اس دوران اس قتل کا چرچا ہو گیا مگر اسرائیلی کے سوا کوئی اور اس راز سے واقف نہیں تھا، اور چونکہ اس کی حمایت کی وجہ سے یہ واقعہ ہوا تھا، اس لئے اس نے اظہار نہیں کیا، اس وجہ سے قتل کرنے والے کے بارے میں کسی کو پتہ نہیں چلا مگر موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ رہا یہاں تک کہ رات گزر گئی (پھر موسیٰ علیہ السلام) کو شہر میں صبح ہوئی، خوف اور وحشت کی حالت میں، کہ اچانک (کیا دیکھتے ہیں کہ) وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی پھر ان کو (مدد کے لئے) پکار رہا ہے (کہ کسی اور سے الجھ پڑا تھا) موسیٰ علیہ السلام نے (یہ دیکھ کر اور کل کا واقعہ یاد کر کے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا اور) اس سے فرمانے لگے: بے شک تو کھلا بہکا ہوا (آدمی) ہے (کہ روز لوگوں سے لڑتا رہتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو قرآن سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس کی طرف سے بھی کوئی بات ہوئی ہے، لیکن فرعون کی زیادتی دیکھ کر اس کو روکنے کا ارادہ کیا) تو جب موسیٰ علیہ السلام نے اس پر ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا مخالف تھا (اس سے فرعون مراد ہے کہ وہ اسرائیلی کا بھی مخالف تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی۔ کیونکہ خود موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے ہیں، اور وہ لوگ سب بنی اسرائیل کے مخالف تھے، چاہے متعین طور پر موسیٰ علیہ السلام کو اسرائیلی نہ سمجھا ہو اور یا موسیٰ علیہ السلام چونکہ فرعون کے طریقہ سے بیزار تھے اور یہ بات مشہور ہو گئی ہو اس لئے فرعون والے ان کے مخالف ہو گئے ہوں۔ بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام نے اس فرعون کی طرف ہاتھ بڑھایا تو چونکہ اس سے پہلے اسرائیلی پر خفا ہو چکے تھے اس لئے اسرائیلی کو شبہ ہوا کہ شاید آج میری پکڑ کریں گے، تو گھبرا کر) وہ کہنے لگا کہ اے موسیٰ! کیا (آج) مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو (معلوم ہوتا ہے کہ) تم دنیا میں اپنا زور بٹھانا چاہتے ہو اور صلح (دلاپ) کرانا نہیں چاہتے (یہ بات اس فرعون نے سنی تو جہاں قاتل کی تلاش ہو رہی تھی، اتنا سراغ لگ جانا بہت تھا، فوراً فرعون کو خبر پہنچادی۔ فرعون کو اپنے آدمی کے مارے جانے پر پہلے ہی غصہ تھا، یہ سن کر پریشان ہو گیا اور شاید اس کا وہ خواب کا اندیشہ قوی ہو گیا ہو کہ کہیں وہ شخص یہی نہ ہو، خاص طور سے اگر اسے یہ بھی معلوم ہو کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کی طریقہ پسند نہیں کرتے تو کچھ عداوت اس وجہ سے ہوگی، اس پر مزید یہ واقعہ ہو گیا، بہر حال اس نے اپنے درباریوں کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور آخر میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ ہو گیا) اور (اس مجمع میں) ایک شخص (موسیٰ علیہ السلام سے محبت کرنے والا اور خیر خواہ تھا، وہ) شہر کے (اس) کنارہ سے (جہاں یہ مشورہ ہو رہا تھا، نزدیک کی گلیوں سے موسیٰ علیہ السلام کے پاس) دوڑے ہوئے آئے (اور) کہنے لگے کہ اے موسیٰ! دربار والے آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں تو آپ (یہاں سے) نکل جائیے، میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں، پس (یہ سن کر) موسیٰ علیہ السلام وہاں سے خوف و وحشت کی حالت میں (کسی طرف کو) نکل گئے، (اور چونکہ راستہ معلوم نہ تھا، دعا کے طور پر) کہنے لگے: اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالموں سے بچا لیجئے (اور اس کی جگہ پہنچا دیجئے)

فائدہ: اس فرعون کا قتل اس کے حربی ہونے کی وجہ سے مباح تھا اور یہ بندہ کا حق نہیں تھا، جیسا کہ سورۃ النمل آیت ۱۴

کے بعد تفسیر میں بیان ہوا اور قتل عمد نہیں قتل خطایعنی غلطی سے ہو جانے والا قتل تھا۔ اور مقصود اس کو ظلم سے روکنا تھا، لیکن اولیٰ کے خلاف عمل کو کمال خوف سے گناہ سمجھا۔ بہتر یہ تھا کہ زیادہ زور سے گھونسانہ مارا جاتا۔ اور نبیوں پر شیطان کا تصرف ہونے نہ ہونے کے بارے میں سورۃ کہف آیت ۶۳ حضرت علیہ السلام کے قصہ میں ﴿وَمَا أَكْذِبُ بِهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ﴾ کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر غیر معصیت کا کام اس کے تصرف سے ہو جائے تو کوئی عذر لازم نہیں آتا، اور یہ امر غیر معصیت کا تھا۔

﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ إِنِّي أَتِيهِدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ۖ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۚ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصَدِّقَ الزَّوْعَاءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۚ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لَمَّا أَتَيْتُكَ لَمْ تَكُنْ بِمَدْيَنَ ۖ فَجَاءَ نَهْلُ أَحَدَهُمَا تَشْهِي عَلَىٰ أُخْرَىٰ ۚ قَالَتَا إِنَّا إِنِّي يَدْعُوكَ لِنَجْزِيكَ أَجْرًا مَّا سَقَيْتَ لَنَا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۖ قَالَتَا إِحْدَاهُمَا يَأْبَتِ اسْتِجَارَةُ إِدْرَاقٍ خَيْرٌ مِّنْ اسْتِجَارَةِ الْقَوِيِّ الْأَمِينِ ۖ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنْكَحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيْ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَنِي حَبْجٌ ۚ فَإِنْ أَتَيْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۖ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۖ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّادِقِينَ ۖ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۖ أَيُّبَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝﴾

ترجمہ: اور جب موسیٰ مدین کی طرف ہوئے کہنے لگے کہ امید ہے میرا رب مجھ کو سیدھا راستہ چلا دے گا اور جب مدین کے پانی پر پہنچے تو اُس پر آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے اور اُن لوگوں سے ایک طرف کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے پوچھا: تمہارا کیا مطلب ہے؟ وہ دونوں بولیں کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک کہ یہ چرواہے پانی پلا کر ہٹا کر نہ لے جاویں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔ پس موسیٰ نے اُن کے لئے پانی پلایا پھر ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے پھر دعا کی کہ اے میرے پروردگار! جو نعمت بھی آپ مجھ کو بھیج دیں، میں اُس کا حاجت مند ہوں۔ سو موسیٰ کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی۔ کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اُس کا صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر پانی پلا دیا تھا۔ سو جب اُن کے پاس پہنچے اور اُن سے تمام حال بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے۔ ایک لڑکی نے کہا کہ اباجان! آپ اُن کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط امانت دار ہو۔ وہ کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو۔ پھر اگر تم دس سال پورے کرو تو یہ تمہاری طرف سے ہے اور میں تم پر کوئی مشقت ڈالنا

نہیں چاہتا۔ تم مجھ کو ان شاء اللہ خوش معاملہ پاؤ گے۔ موسیٰ کہنے لگے کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہو چکی ان دونوں مدتوں میں سے جس کو بھی پورا کر دوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور ہم جو بات چیت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا گواہ ہے۔

باقی قصہ:

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) یہ دعا کرنے کے بعد ایک سمت کو اللہ پر بھروسہ کر کے چلے اور غیبی اشارہ سے (مدین کی طرف ہوئے) چونکہ راستہ معلوم نہیں تھا، اس لئے دل کی تسلی، تقویت اور بھروسہ کے لئے آپ ہی آپ (کہنے لگے کہ امید ہے میرا رب مجھے (کسی امن کی جگہ کے) سیدھے راستہ پر چلائے گا) چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور مدین جا پہنچے) اور جب مدین کے پانی (یعنی کنویں) پر پہنچے تو اس پر (مختلف) آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا (جو اس کنویں سے کھینچ کھینچ کر اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہے تھے اور ان لوگوں سے ایک طرف (کچھ فاصلہ پر) دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں، موسیٰ (علیہ السلام) نے (ان سے) پوچھا تمہارا کیا معاملہ ہے؟ وہ دونوں بولیں کہ (ہمارا معمول یہ ہے کہ) ہم (اپنے جانوروں کو) اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک کہ یہ چرواہے (جو کنویں پر پانی پلا رہے ہیں پانی پلانے کے بعد) ہٹا کر نہ لے جائیں (ایک تو شرم و حیا کی وجہ سے دوسرے مردوں سے صنف نازک کہاں ٹکرا سکتی ہے) اور (اس حالت میں تو ہم آتے بھی نہیں مگر) ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں (اور گھر پر اور کوئی کام کرنے والا نہیں ہے اور کام کرنا ضروری ہے، اس مجبوری کی وجہ سے ہمیں آنا پڑتا ہے) تو (یہ سن کر) موسیٰ (علیہ السلام کو ان پر رحم آیا اور انھوں نے) ان کے لئے پانی (کھینچ کر ان کے جانوروں کو) پلا دیا (اور انہیں انتظار اور پانی کھینچنے کی تکلیف سے بچا دیا) پھر (وہاں سے) ہٹ کر (ایک) سایہ (کی جگہ) میں جا بیٹھے (چاہے کسی پہاڑ کی چٹان وغیرہ کا سایہ ہو یا کسی درخت کا) پھر (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) دعا کی کہ اے میرے پروردگار! (اس وقت) جو نعمت بھی (کم یا زیادہ) آپ میرے لئے بھیج دیں، مجھے اس کی (سخت) ضرورت ہے (کیونکہ اس سفر میں کچھ کھانے پینے کو نہیں ملا تھا۔ حق تعالیٰ نے اس کا یہ سامان کیا کہ وہ دونوں عورتیں اپنے گھر لوٹ کر گئیں تو باپ نے معمول سے جلدی آنے کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کا سارا قصہ بیان کیا۔ انھوں نے ایک لڑکی کو بھیج دیا کہ انہیں بلا کر لے آؤ) موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس ایک لڑکی آئی جو شرماتی ہوئی چلتی تھی (جو کہ شریف اور معزز لوگوں کی فطرت ہے۔ وہ آکر) کہنے لگی کہ میرے والد تمہیں بلا رہے ہیں، تاکہ تمہیں اس کا بدلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلا دیا تھا (یہ بات انہیں اپنے والد کی عادت سے معلوم ہوئی ہوگی کہ احسان کا بدلہ چکائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ چل دیئے اگرچہ ان کا مقصد یقینی طور پر بدلہ حاصل کرنا نہیں تھا۔ لیکن امن و پناہ کی جگہ اور وقت کے تقاضے کے مطابق کسی شفقت کرنے والے ساتھی کی تلاش ضرور تھی۔ اور اگر بھوک کی شدت بھی اس کی ایک علت ہو تو کوئی بعید نہیں اور اس کا اجر اس سے کوئی تعلق نہیں، اور میزبانی کی تو درخواست

بھی خاص طور سے ضرورت کے وقت اور خصوصیت کے ساتھ شریف و کریم شخص سے کوئی ذلت کی بات نہیں، کہاں یہ کہ دوسرے کی درخواست پر اس کا قبول کر لینا، راستہ میں موسیٰ علیہ السلام نے ان بی بی سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ، میرا تعلق ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہے، اس لئے کسی اجنبی عورت کو بلا وجہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ غرض اس طرح ان بزرگ کے پاس پہنچے) تو جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے سارا حال بیان کیا تو انہوں نے (تسل دی اور) کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے (کیونکہ اس مقام پر فرعون کی حکومت نہیں چلتی تھی، جیسا کہ الروح میں ہے، پھر) ایک لڑکی نے کہا کہ ابا جان! (آپ کو آدمی کی ضرورت ہے اور ہم بڑی ہو گئی ہیں، اب ہمارا باہر نکلنا ٹھیک نہیں، گھر میں ہی رہنا مناسب ہے، تو) آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے، کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط (ہو اور) امانت دار (بھی) ہو (اور ان میں دونوں صفتیں ہیں۔ چنانچہ قوت ان کے پانی کھینچنے سے اور امانت ان کے برتاؤ سے خاص طور سے راستہ میں عورت کو پیچھے کر دینے سے ظاہر ہو گئی تھی، اور اپنے والد سے بھی بیان کیا تھا، اس پر) وہ (بزرگ موسیٰ علیہ السلام سے) کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا تمہارے ساتھ نکاح کر دوں۔ اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو (اور اس نوکری کا بدل وہی نکاح ہے، حاصل یہ کہ آٹھ سال کی خدمت اس نکاح کا مہر ہے) پھر اگر تم (دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے (یعنی میری طرف سے جبر نہیں) اور میں (اس معاملہ میں) تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا (یعنی کام لینے اور وقت کی پابندی وغیرہ معاملہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں نرمی و آسانی برتوں گا اور) تم مجھے ان شاء اللہ تعالیٰ نیک آدمی پاؤ گے۔ موسیٰ (علیہ السلام) رضامند ہو گئے اور) کہنے لگے کہ (بس تو) یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو چکی، میں ان دونوں میں سے جس (مدت) کو بھی پورا کر دوں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور ہم جو (معاملہ کی) بات کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے (اس کو حاضر و ناظر سمجھ کر عہد پورا کرنا چاہئے)

فائدہ: جو مضامین ترجمہ کے درمیان میں روایت کی قسم کے لکھے ہیں، سب درمنثور سے نقل کئے ہیں اور یہ بزرگ شعیب علیہ السلام تھے جیسا کہ الدر میں ابن ماجہ سے مرفوع روایت کے طور پر ہے، اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہونا معلوم ہو گیا تھا، اس لئے یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ شعیب علیہ السلام نے کفو کی تحقیق کیوں نہیں کی؟ اور اس معاہدہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسی وقت نکاح ہو گیا ہو، اور نہ ہی ﴿وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُولُ وَكِيلٌ﴾ کہنے سے یہ لازم آتا ہے کہ اس نکاح میں کوئی گواہ نہیں تھا، بلکہ اس قول سے جو مقصود تھا، وہ ترجمہ کے بیان سے ظاہر ہے۔

اور معینہ مدت تک مویشیوں کا چرانا، مہر مقرر کیا جانا ہماری شریعت میں بھی جائز ہے جیسا کہ رد المختار میں ہے اور اگر یہ بکریاں ان صاحبزادی کی ملکیت تھیں تب تو مہر کا ان کو ادا کیا جانا ظاہر ہے اور اگر باپ کی ملکیت تھیں تو بالغ لڑکی کی رضامندی سے ایسا معاملہ کرنا اس شریعت میں بھی جائز ہے۔

اور درمنثور میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس ہی پورے کئے تھے اور اس قصہ سے بے پردگی کا شبہ نہ کیا

جائے، کیونکہ ضرورت کے لئے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے جبکہ وہ اعضا ڈھکے ہوئے ہوں جن کا پردہ ضروری ہے۔

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا أَلَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبْرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُمُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تُهَنِّئُ كَانَتْهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يُمُوسَى أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ۝ أَسْلَكَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْوِجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذُنُوبُكَ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ لَا أَنْهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۝ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِآيَاتِنَا ۚ أَنْتُمْ وَمَنِ اتَّبَعُكُمَا الْعَالَمُونَ ۝﴾

ترجمہ: غرض جب موسیٰ اُس مدت کو پورا کر چکے اور اپنی بی بی کو لے کر روانہ ہوئے تو اُن کو کوہ طور کی طرف سے ایک آگ دکھائی دی۔ انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھہرے رہو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید میں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا انکار اُلے آؤں تاکہ تم سینک لو۔ سو وہ جب اُس آگ کے پاس پہنچے تو اُن کو اس میدان کے داہنی جانب سے اُس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں اللہ رب العالمین ہوں اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈال دو۔ سو انھوں نے جب اُس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ ہوتا ہے تو پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو مت۔ تم امن میں ہو۔ تم اپنا ہاتھ گریبان کے اندر ڈالو۔ وہ بلا کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور خوف کے واسطے اپنا ہاتھ اپنے سے ملا لینا۔ سو یہ دو سندیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے۔ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں نے اُن میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو ان کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدیجئے کہ وہ میری تصدیق کریں، مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں۔ ارشاد ہوا کہ ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں اور ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کرتے ہیں جس سے اُن لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی۔ ہمارے معجزے لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارا پیرو ہوگا، غالب رہو گے۔

باقی قصہ:

غرض جب موسیٰ (علیہ السلام) اس مدت کو پورا کر چکے اور (شعیب علیہ السلام کی اجازت سے) اپنی بیوی کو لے کر (مصر یا شام کے لئے) روانہ ہوئے تو (ایک رات میں ایسا اتفاق ہوا کہ سردی بھی تھی اور راستہ بھی بھول گئے، اس وقت) انہیں طور پہاڑ کی طرف سے ایک (روشنی کی شکل میں) آگ دکھائی دی۔ انھوں نے اپنے گھروالوں سے کہا کہ تم (یہاں ہی ٹھہرے رہو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے) (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں تمہارے پاس وہاں سے (راستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا (دکھتا ہوا) انگارے آؤں، تاکہ تم سینک لو۔ تو وہ جب اس آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس میدان کے داہنی جانب سے (جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی داہنی جانب تھی) اس مبارک مقام میں ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں اللہ رب العالمین ہوں اور یہ (بھی آواز آئی) کہ تم اپنا عصا ڈال دو (چنانچہ انہوں نے ڈال دیا اور وہ سانپ بن کر چلنے لگا) تو انھوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسے پتلا سانپ (تیز) ہوتا ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیٹھ پھیر کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو مت تم (ہر طرح) امن میں ہو (اور یہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں، بلکہ تمہارا معجزہ ہے اور دوسرا معجزہ اور عنایت ہوتا ہے کہ) تم اپنا ہاتھ گریبان کے اندر ڈالو (اور پھر نکالو) وہ بغیر کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور (اگر عصا کی تبدیلی کی طرح طبعی طور پر اس معجزہ سے بھی خوف اور حیرت پیدا ہو تو) خوف (دور کرنے) کے واسطے اپنا (وہ) ہاتھ (پھر) اپنے (گریبان اور بغل) سے (پہلے کی طرح) ملا لیتا (تاکہ وہ پھر اصلی حالت پر ہو جائے اور پھر طبعی خوف بھی نہ ہوا کرے) تو یہ (تمہاری نبوت کی) دو نشانیاں (اور دلیلیں) ہیں، تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے (جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! (میں جانے کے لئے تیار ہوں، مگر آپ کی خاص امداد کی ضرورت ہے، کیونکہ) میں نے ان میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا، تو مجھے اندیشہ ہے کہ (کہیں پہلے ہی مرحلہ میں) وہ لوگ مجھے قتل کر دیں (کہ تبلیغ بھی نہ ہونے پائے) اور میرے پھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو انہیں بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدیتے کہ وہ (میری بات کی تائید اور) تصدیق (مفصل و مکمل طور سے) کریں (کیونکہ) مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ (فرعون اور اس کے درباری) مجھے جھٹلائیں (تو اس وقت مناظرہ کی ضرورت ہوگی اور زبانی مناظرہ کے لئے عام حالات میں رواں زبان کا زیادہ فائدہ ہوتا ہے) ارشاد ہوا کہ (بہتر ہے) ہم ابھی تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو مضبوط کئے دیتے ہیں (ایک درخواست تو یہ منظور ہوئی) اور (دوسری درخواست اس طرح منظور ہوئی کہ) ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت (وہیت) عطا کرتے ہیں جس سے ان لوگوں کو تم پر غلبہ نہ ہوگا تو تم ہمارے معجزے لے کر جاؤ، تم دونوں اور جو تمہاری اتباع کرے گا (ان لوگوں پر) غالب رہو گے۔

فائدہ: اس قصہ کے بعض ضروری مضامین سورۃ اعراف اور سورۃ طہ اور سورۃ نمل میں گزر چکے ہیں اور بظاہر ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ لمبا زمانہ ہونے کی وجہ سے مصر میں چھپ جانے کی امید تھی، لیکن فرعون کے پاس جا کر چھپ رہے جانے کی امید نہیں تھی، اس لئے عذر کیا، اور اگر شام کی طرف جا رہے ہوں تو کچھ اشکال ہی نہیں۔

﴿ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرٍ وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَهُ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِي ۝ فَأَوْقِدْ لِي يَهْيَا مِنْ عَلَى الطَّيْنِ فَأَجْعَلَ لِي صَرَخًا لَعَلِّي أَطْلِعُ إِلَىٰ إِلَهِ مُوسَىٰ ۚ وَإِنِّي لَأَكْظُمُهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُوا أَنَّهُم إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ۝ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝ وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُدْعَوْنَ إِلَىٰ السَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامِ لَا يُنْصَرُونَ ۝ وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ۝ ﴾

ترجمہ: غرض جب اُن لوگوں کے پاس موسیٰ ہماری صریح دلیلیں لے کر آئے تو اُن لوگوں نے کہا یہ تو محض ایک جادو ہے کہ افترا کیا جاتا ہے اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے وقت میں بھی ہوئی ہو اور موسیٰ نے فرمایا کہ میرا پروردگار اُس شخص کو خوب جانتا ہے جو صحیح دین اُس کے پاس لے کر آیا ہے اور جس کا انجام اس عالم دنیا سے اچھا ہونے والا ہے۔ بالیقین ظالم لوگ کبھی فلاح نہ پاویں گے اور فرعون کہنے لگا کہ اے اہل دربار! مجھ کو تو تمہارا اپنے سوا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا۔ تو اے ہامان! تم ہمارے لئے مٹی کو آگ میں پکواؤ۔ پھر میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ، تاکہ موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں، اور میں موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں، اور فرعون اور اُس کے تابعین نے ناحق دنیا میں سر اٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ اُن کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے تو ہم نے اُس کو اور اس کے تابعین کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا، سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا۔ اور ہم نے اُن لوگوں کو ایسا رکس بنایا تھا جو دوزخ کی طرف بلاتے رہے اور قیامت کے روز کوئی اُن کا ساتھ نہ دے گا اور دنیا میں بھی ہم نے اُن کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی وہ بد حال لوگوں میں سے ہوں گے۔

باقی قصہ:

غرض جب ان لوگوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری کھلی دلیلیں لے کر آئے تو ان لوگوں نے (معجزے دیکھ کر) کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے کہ (خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ پر) گھڑا جاتا ہے (کہ یہ اس کی طرف سے معجزے اور رسالت کی دلیلیں

ہیں) اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی کہ ہمارے باپ دادا کے زمانہ میں بھی ہوئی ہو، اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (اس کے جواب میں) فرمایا کہ (جب صحیح دلیلوں کے قائم ہونے اور اس میں کوئی اور معقول شبہ نہ نکال پانے کے باوجود بھی نہیں مانتے تو یہ ہٹ دھرمی ہے اور آخر کار اس کا جواب یہی ہے کہ) میرا پروردگار (اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے صحیح دین لے کر آیا ہے اور جس کا انجام (یعنی خاتمہ) اس عالم (دنیا) سے اچھا ہونے والا ہے (اور) یقینی طور پر ظالم لوگ (جو کہ ہدایت اور صحیح دین پر نہ ہوں) کبھی فلاح نہ پائیں گے (کیونکہ ان کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم میں اور تم میں کون ہدایت پر ہے اور کون ظالم ہے۔ اور کس کا انجام محمود یعنی تعریف کے لائق ہوگا اور کون فلاح سے محروم ہوگا، لہذا ہر ایک کی حالت اور نتیجہ مرنے کے بعد جلدی ظاہر ہو جائے گا، اگر تم اب نہیں مانتے تو تم جانو) اور (موسیٰ علیہ السلام کی دلیلیں دیکھ کر اور سن کر) فرعون (کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ہم پر عقیدہ رکھنے والے ان کی طرف نہ جھک جائیں تو لوگوں کو جمع کر کے) کہنے لگا کہ اے دربار والو! مجھے تو اپنے سوا تہارا کوئی معبود معلوم نہیں ہوتا، (اور اس کے بعد بات کو گھمانے کے لئے اپنے وزیر سے کہا کہ اگر ان لوگوں کو اس سے اطمینان نہ ہو تو) اے ہامان! تم ہمارے لئے مٹی (کی اینٹیں بنوا کر ان) کو آگ میں (پڑاؤ لگا کر) پکواؤ پھر (ان پختہ اینٹوں سے) میرے لئے ایک بلند عمارت بنواؤ تاکہ (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے معبود کو دیکھوں بھالوں اور میں تو (اس دعویٰ میں کہ کوئی اور معبود ہے) موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور فرعون اور اس کی اتباع کرنے والوں نے دنیا میں ناحق سراٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ انہیں ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے تو ہم نے (اس تکبر کی سزا میں) اس کو اور اس کی اتباع کرنے والوں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) تو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا؟ (اور موسیٰ علیہ السلام کا قول ظاہر وغالب ہو گیا۔ ﴿وَمَنْ يَشْكُرْ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ فَإِنَّهُ لَا يَغْلِبُهُ الظَّالِمُونَ﴾) اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا رکس بنایا تھا جو (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلا تے رہے اور (اسی واسطے) قیامت کے دن (ایسے بے بس و بے کس رہ جائیں گے کہ) کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور (یہ لوگ دونوں عالم میں گھائے میں مبتلا رہیں گے۔ چنانچہ) دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی، اور قیامت کے دن بھی وہ بد حال لوگوں میں سے ہوں گے۔

فائدہ: لعنت پیچھے لگانے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی ظالموں اور کافروں وغیرہ پر لعنت کرتا ہے چونکہ وہ لوگ بھی ظالم اور کافر تھے، اس لئے وہ لعنت ان لوگوں پر بھی پڑتی ہے۔ فرعون کا محل بنوانے سے مقصد لوگوں کو یہ دھوکا دینا تھا کہ اگر معبود اعظم ہوتا تو اس کا جسم ہوتا۔ اور اعظم ہونے کے سبب اس کا مکان و مقام بھی بہت بلند ہوتا تو میں تحقیق کر کے آؤں گا۔ اس طرح اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس کو بڑا محقق سمجھیں اور اس کے محل بننے یا نہ بننے کا ذکر کسی صحیح روایت میں نہیں ہے۔ شاید بات کو نالنا مقصود ہو اور بنوایا نہ ہو۔

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَلَكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًّا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَتْهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَلَوْ لَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمْت أَيْدِيَهُمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْ لَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنُتَّبِعِ آيَاتِكَ وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْ لَا أَوْتَيْنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرُنَ تَظَاهَرْنَا ۚ وَاللَّهُ أَتَىٰ بِكُلِّ كَافِرٍ مِنْ قَبْلِكَ يَكْتُمُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعُهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو اگلی امتوں کے ہلاک ہونے کے پیچھے کتاب دی تھی جو لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور آپ مغربی جانب میں موجود نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ کو احکام دیئے تھے اور آپ اُن لوگوں میں سے نہ تھے جو موجود تھے۔ لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں، پھر اُن پر زمانہ دراز گزر گیا اور آپ اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ ہماری آیتیں اُن لوگوں کو پڑھ کر سنارہے ہوں لیکن ہم ہی رسول بنانے والے ہیں اور آپ طور کی جانب میں اُس وقت بھی موجود نہ تھے جب ہم نے پکارا تھا لیکن آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کر لیں۔ اور ہم رسول نہ بھیجئے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم آپ کے احکام کا اتباع کرتے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے۔ سو جب ہماری طرف سے اُن لوگوں کے پاس امر حق پہنچا تو کہنے لگے کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی تھی؟ کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی اس سے قبل یہ لوگ اُس کے منکر نہیں ہوئے؟ یہ لوگ تو یوں کہتے ہیں کہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم تو دونوں میں سے کسی کو نہیں مانتے آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم کوئی اور کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو میں اُس کی پیروی کرنے لگوں گا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ کر سکیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی

خواہشوں پر چلتے ہیں اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو۔ بدوں اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ اور ہم نے اس کلام کو ان لوگوں کے لئے وقف کیا ہے بعد دیگرے بھی جاتا کہ یہ لوگ نصیحت مانیں۔

رابط: فرعون کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ختم ہوا۔ اب اس قصہ کے عظیم مقاصد یعنی محمد ﷺ کی رسالت کے اثبات کا مضمون ہے، جس کے ساتھ کافروں کے بعض شبہات کے جواب بھی ہیں۔ اور تمہید کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی تصریح ہے، لہذا اس کا آگے پیچھے دونوں طرف سے ربط ہے۔

محمد ﷺ کی رسالت کا اثبات مع بعض شبہات کے جواب کے:

اور (چونکہ مخلوق اصلاح کی محتاج ہے اس لئے رسالت کا سلسلہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ چنانچہ) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (جن کا قصہ ابھی پڑھ چکے ہو) اگلی امتوں (یعنی قوم نوح و عاد و ثمود) کی ہلاکت کے بعد (جب زمانوں کے نبیوں کی تعلیمات لوگوں کے سامنے نہیں رہیں اور لوگوں کو ہدایت کی سخت ضرورت تھی) کتاب (یعنی توریت) دی تھی، جو لوگوں کے (یعنی بنی اسرائیل کے) لئے دانش مندوں کا سبب اور ہدایت و رحمت تھی تاکہ وہ (اس سے) نصیحت حاصل کریں (حق کے طلب گار کی پہلے سمجھ درست ہوتی ہے، یہ بصیرت ہے پھر وہ احکام قبول کرتا ہے، یہ ہدایت ہے، پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قربت اور قبولیت عنایت ہوتے ہیں، یہ رحمت ہے) اور (اسی طرح جب یہ دور بھی ختم ہو چکا اور لوگوں کو پھرنے سرے سے ہدایت کی ضرورت ہوئی تو سنت کے مطابق جو ہمیشہ سے جاری ہے ہم نے آپ کو رسول بنایا جس کی دلیلوں میں سے ایک یہی یعنی موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی یقینی خبر دینا ہے، کیونکہ یقینی خبر دینے کے لئے علم کا کوئی طریقہ ضروری ہے اور وہ طریقہ چار صورتوں میں منحصر ہے: (۱) عقلی امور میں عقل: تو یہ واقعہ عقلی امور میں سے تو نہیں ہے کہ خود بخود عقل میں آجائے (۲) نقلی امور میں یا تو علم والوں سے سنا، تو یہ بھی خبر دینے والوں سے ملنا جلنا اور تعلقات نہ ہونے کی وجہ سے نہیں پایا جاتا اور یا (۳) مشاہدہ یعنی خود اپنا دیکھنا تو اس کی نفی بالکل ہی ظاہر ہے کہ) آپ (طور کے) مغربی جانب میں موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیئے تھے (یعنی توریت دی تھی) اور (خاص طور سے وہاں تو کیا موجود ہوتے) آپ (تو) ان لوگوں میں سے (بھی) نہیں تھے جو (اس زمانہ میں) موجود تھے (لہذا مشاہدہ یعنی خود دیکھنے کا بھی احتمال نہ رہا) لیکن (بات یہ ہے کہ) ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) بہت سی نسلیں پیدا کیں، پھر ان پر بسا زمانہ گذر گیا (جس سے پھر صحیح علوم لوگوں کے سامنے سے غائب ہو گئے اور پھر لوگ ہدایت کے محتاج ہو گئے، اور اگرچہ بیچ بیچ میں انبیاء علیہم السلام آتے رہے مگر ان کے علوم بھی اسی طرح غائب ہو گئے، اس لئے ہماری رحمت کا تقاضا ہوا کہ ہم نے آپ کو وحی اور رسالت سے مشرف فرمایا، جو کہ یقینی خبر کا چوتھا طریقہ ہے اور دوسرے طریقے علم ظنی کے ہیں یعنی ان میں

صرف گمان ہے یقین نہیں ہے، جو بحث ہی سے خارج ہیں۔ کیونکہ آپ کی یہ خبریں بالکل یقینی اور قطعی ہیں، حاصل یہ کہ یقینی علم کے چار طریقے ہیں ان میں سے تین نہیں پائے جاتے تو چوتھا متعین ہو گیا اور یہی مطلوب ہے) اور (جس طرح آپ نے توریت عطا ہوتے ہوئے نہیں دیکھی، اور پھر بھی صحیح و یقینی خبر دے رہے ہیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا مدین میں رہنا بھی نہیں دیکھا۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ) آپ مدین والوں میں بھی موجود نہیں تھے کہ آپ (وہاں کے حالات دیکھ کر ان حالات کے بارے میں) ہماری آیتیں (اپنے زمانہ کے) ان لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوں، لیکن ہم ہی (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں (کہ رسول بنا کر یہ واقعات وحی کے ذریعہ بتا دیئے) اور (اسی طرح) آپ اس وقت بھی طور کی (مذکورہ مغربی) جانب موجود نہیں تھے جب ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) پکارا تھا (کہ ﴿يُؤْمِنُ بِلِقَائِي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ وَ أَنْ لِّقَ عَصَاكَ ﴿ جو کہ انہیں نبوت عطا ہونے کا وقت تھا) لیکن (اس کا علم بھی اسی طرح حاصل ہوا کہ) آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا۔ کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کر لیں (کیونکہ حضور ﷺ کے زمانہ کے لوگوں بلکہ ان کے قریب کے باپ دادا نے بھی کسی نبی کو نہیں دیکھا تھا، اگرچہ دوسروں کے واسطے سے بعض شریعتیں خاص طور سے توحید ان تک پہنچی تھی۔ لہذا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا ﴿ سے ٹکراؤ نہیں رہا) اور (اگر یہ لوگ ذرا غور و فکر کریں تو سمجھ سکتے ہیں کہ رسول بھیجنے سے ہمارا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ انہی لوگوں کا فائدہ ہے کہ یہ لوگ اچھائی برائی کو سمجھ کر عذاب سے بچ سکتے ہیں۔ ورنہ جن امور کی برائی عقل سے معلوم ہو سکتی ہے اس پر رسولوں کو بھیجے بغیر بھی عذاب کا ہونا ممکن تھا۔ لیکن اس وقت انہیں ایک طرح کی حسرت ہوتی کہ ہائے! اگر ہمارے پاس کوئی رسول آجاتا تو ہم زیادہ اچھی طرح سمجھ لیتے اور اس مصیبت میں نہ پڑتے۔ اس لئے رسول بھی بھیج دیا تاکہ انہیں اس حسرت سے بچنا آسان ہو، ورنہ احتمال تھا کہ) ہم رسول نہ بھیجیتے، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب (جو کہ عقل کے اعتبار سے برے ہیں) (دنیا یا آخرت میں) کوئی مصیبت نازل ہوتی (جس کے بارے میں انہیں عقل کے یا فرشتے کے ذریعہ سے یقین ہو جاتا کہ یہ اعمال کی سزا ہے) تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم آپ کے احکام کی اتباع کرتے، اور (ان احکام پر اور رسول پر) ایمان لانے والوں میں سے ہوتے تو (اس امر کا تقاضا تو یہ تھا کہ رسول کے آنے کو غنیمت سمجھتے اور اس کے سچے دین کو قبول کرتے، لیکن ان کی یہ حالت ہوئی کہ) جب ہماری طرف سے ان لوگوں کے پاس حق (یعنی سچا رسول اور سچا دین) پہنچا تو (اس میں شبہ پیدا کرنے کے لئے یوں) کہنے لگے کہ انہیں ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ (علیہ السلام) کو ملی تھی؟ (یعنی قرآن ایک ہی بار میں توریت کی طرح کیوں نازل نہیں ہوا؟ آگے جواب ہے کہ) تو اس سے پہلے جو کتاب موسیٰ (علیہ السلام) کو ملی تھی، کیا یہ لوگ اس کے منکر نہیں ہوئے؟ (چنانچہ ظاہر ہے کہ مشرک لوگ، موسیٰ علیہ السلام اور توریت کو بھی نہیں مانتے تھے، کیونکہ وہ مرے سے اصل نبوت ہی کے منکر تھے) یہ لوگ تو (قرآن اور توریت

دونوں کے بارے میں) یوں کہتے ہیں کہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مطابق ہیں (یہ اس لئے کہا کہ شریعتوں کے اصول میں دونوں متفق ہیں) اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم تم دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں مانتے (چاہے یہی الفاظ ان کے کہے ہوئے ہوں اور چاہے ان کے اقوال سے یہ بات لازم آتی ہو۔ اور چاہے دونوں کا ایک ساتھ ہی انکار کیا ہو یا مختلف قول جمع کئے گئے ہوں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہ کا منشا توریت کی طرح قرآن پر ایمان لانا نہیں بلکہ یہ بھی ایک حیلہ اور شرارت ہے۔ آگے اس کا جواب ہے کہ اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے تو اچھا تم (توریت اور قرآن کے علاوہ) اللہ کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو۔ میں اسی کی اتباع کرنے لگوں گا اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو کہ دونوں جادو ہیں جس سے مقصود ان دونوں کتابوں کو نعوذ باللہ گھڑا ہوا اور غلط قرار دینا ہے، یعنی مقصود تو حق کا اتباع ہے لہذا اگر اللہ کی کتابوں کو حق مانتے ہو تو ان کی اتباع کرو، قرآن کی اتباع تو پوری طرح مطلق طور پر اور توریت کی توحید میں اور محمد ﷺ کی دی ہوئی بشارتوں میں، اگر ان کو حق نہیں مانتے تو پھر تم کوئی حق پیش کرو اور اس کا حق ہونا ثابت کر دو جس کو ﴿اَهْدَى﴾ یعنی ”ہدایت کرنے میں زیادہ بہتر“ ہونے سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ حق سے مقصود اس کا ہدایت کا وسیلہ ہونا ہے۔ اگر فرض کر دو تم ثابت کر دو گے تو میں اس کی اتباع کر لوں گا۔ غرض یہ کہ میں حق ثابت کر دوں تو تم اس کی اتباع کرو اور اگر تم حق ثابت کر دو تو میں اتباع کے لئے تیار ہوں۔ اور چونکہ قضیہ شریطہ میں حکم صرف اتصال کا ہوتا ہے، اس لئے اللہ کی کتابوں کے علاوہ کی اتباع کا اشکال لازم نہیں آتا) پھر (اس حجت کے بعد) اگر یہ لوگ آپ کا (یہ) مطالبہ ﴿فَاَنْتَا بِكَيْبٍ﴾ (الخ) پورا نہ کر سکیں (اور ظاہر ہے کہ نہ کر سکیں گے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ اور پھر بھی آپ کی اتباع نہ کریں تو آپ سمجھ لیجئے کہ (ان سوالات کا منشاء کوئی شبہ اور حق کی تلاش نہیں ہے بلکہ) یہ لوگ صرف اپنے نفس کی خواہشوں پر چلتے ہیں) ان کا نفس کہتا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو، انکار ہی کرنا چاہئے، لہذا یہ ایسا ہی کر رہے ہیں، چاہے حق بھی واضح ہو جائے (اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنے نفس کی خواہش پر چلتا ہو۔ بغیر اس کے کہ اللہ کی جانب سے کوئی دلیل (اس کے پاس) ہو) (اور) اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو (جو کہ حق واضح ہونے کے بعد بغیر کسی صحیح دلیل کے بھی اپنی گمراہی سے باز نہ آئے) ہدایت نہیں کیا کرتا (جس کا سبب خود اس شخص کا گمراہ رہنے کا قصد ہے اور قصد کے بعد فعل کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی عادت ہے، اس لئے ایسا شخص ہمیشہ گمراہ رہتا ہے۔ یہاں تک تو ان کے اس قول ﴿كُوْكَأُوْا وَاَوْتٰى مِّثْلَ مَا اُوْتِيَ مُوْسٰى﴾ کا الزامی جواب تھا) اور (آگے تحقیقی جواب ہے جس میں قرآن کے ایک ہی بار میں نازل نہ ہونے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ) ہم نے اس کلام (یعنی قرآن) کو ان لوگوں کے لئے وقتاً فوقتاً ایک کے بعد ایک کر کے بھیجا تا کہ یہ لوگ (بار بار تازہ بہ تازہ سننے سے) نصیحت حاصل کریں (یعنی ہم تو ایک ہی بار میں بھیجے پر بھی قادر ہیں، مگر انہی کی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرتے ہیں، پھر کیسی اندھیر گردی ہے کہ اپنی ہی مصلحت کی مخالفت کرتے ہیں)

فائدہ: آیت ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوہ طور کے جس کنارہ پر کلام ہوا تھا، وہ مغربی کنارہ تھا۔ بعض مفسرین نے مستقل طور پر بھی اس کی تصریح کی ہے جیسا کہ ارشاد حق تعالیٰ ﴿فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَىٰ الْأَجَلَ﴾ کے تحت الروح میں البحر سے روایت ہے۔ اور ان آیتوں میں مشاہدہ یعنی خود دیکھنے کی نفی کرنا مبالغہ ہے جس کی نفی دوسرے احتمالات کے مقابلہ میں خود اچھی طرح ظاہر ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ جیسے دوسرے احتمال ایسے بعید ہیں کہ جس امر کی نفی کی جا رہی ہے، اس سے بہت ہی زیادہ دور ہیں کہ اس کی نفی سے خود اس کی نفی ہو جائے گی یا کم سے کم سب برابر ہیں اور ان کا احتمال ایسا ہے جیسے مشاہدہ کا احتمال اور جس طرح یہ منفی ہے، اسی طرح وہ بھی منفی ہیں۔ اور دوسرے مقامات پر خود ان کی نفی مستقل طور پر بھی فرمائی گئی ہے، جیسا کہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ الروح میں ہے۔

اور ان آیتوں میں پہلے تو توریت کے دیئے جانے کے وقت موجود ہونے کی نفی کی گئی جب کہ یہ واقعہ سب سے بعد میں ہوا اور پھر مدین میں رہنے کے وقت موجود ہونے کی نفی کی گئی اور یہ واقعہ سب سے پہلے ہوا۔ پھر پکارے جانے کے وقت موجود ہونے کی نفی کی گئی، یہ واقعہ درمیان میں ہوا، اس ترتیب کے بدلنے میں یہ نکتہ ہے کہ ہر موقع پر آپ کا موجود نہ ہونا، صاحب وحی ہونے کی مستقل دلیل ہو۔ ورنہ اگر واقعات کے واقع ہونے کی ترتیب کے مطابق بیان کیا جاتا تو سارا مجموعہ ایک ہی دلیل سمجھا جاتا، اور اگرچہ دوسرے اور تیسرے منفی میں واقعات کی ترتیب کے مطابق ترتیب ذکر کی گئی ہے مگر پہلے اور دوسرے منفی میں ترتیب بدلنے سے کئی دلیلوں کے قصہ کی طرف اشارہ ہو گیا، لہذا اس سے دوسرے اور تیسرے منفی میں بھی کئی ہونے کا قصد ظاہر ہو گیا۔ جیسا کہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ الروح میں ہے۔

اور مذکورہ آیتوں میں تینوں موقعوں پر پہلی بات کی تلافی کے لئے استعمال ہونے والا لفظ ﴿لٰكِنْ﴾ آیا ہے، لیکن پہلے موقع پر ﴿اَوْحَيْنَا﴾، ﴿اَرْسَلْنَا﴾ محذوف ہے اور اس کا دور کا سبب یعنی نسلوں کا پیدا کرنا اور زمانہ کا لمبا کرنا اس کا قائم مقام کیا گیا ہے جو اس پر دلالت بھی کرتا ہے۔ اور دوسرے موقع پر ﴿كُنَّا مِنْ سِلْسِلَةٍ﴾ یعنی ہم ہی رسول بنانے والے ہیں، بیان کیا گیا ہے۔ اور تیسرے موقع میں بھی پہلے کی طرح اصل لفظ مقدر ہے لیکن اس کا قریبی سبب یعنی رحمت بیان ہوا ہے جو مکمل علت یعنی رسول بھیجے جانے کا آخری حصہ ہے۔ اس طرح اس طریقہ کے ذریعہ مقصود کا پہلا اور آخری سبب بھی بتا دیا اور پہلے کو پہلے لائے اور آخر والے کو آخر میں۔ اور درمیان میں مقصود کی تصریح فرمادی، جو پہلے اور آخری دونوں کے ساتھ ملا ہوا ہونے کی وجہ سے دونوں جگہ محذوف کی تعیین پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ الروح میں ہے۔

اور آیت ﴿لَوْ لَا اَنْ تُصِيبَهُمْ﴾ میں جواب لما ارسلنا یا لا حمل انا لم نرسل رسلاً محذوف ہے۔ اور کلام میں اس جواب کی بجائے اس کے سبب یعنی ﴿اَنْ تُصِيبَهُمْ﴾ سے ﴿فَيَقُولُوا﴾ تک کا ذکر ہے۔ پھر اس میں بھی اصل سبب ﴿يَقُولُوا﴾ ہے جیسا کہ ظاہر ہے، لیکن چونکہ اس قول کا سبب خود ”مصیبت کا پہنچنا“ ہے کیونکہ اگر عقوبت، سزا نہ ہو تو اس قول کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی، اس لئے ”اصابت“ کو لفظ ”لولا“ کے بعد لائے اور ﴿يَقُولُوا﴾ کا اس پر

عطف کیا، لہذا ارسال یعنی رسول بھیجنے کی جگہ اس کے سبب یعنی قول کا ذکر کیا گیا۔ پھر اس کی جگہ اس کے سبب یعنی مصیبت کا ذکر کیا جیسا کہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ الروح میں ہے۔

اور اس جگہ انجیل وغیرہ کا واضح ذکر نہیں ہے لیکن حکم کے طور پر وہ بھی موجود ہے، کیونکہ نہ ماننے کی علت مشترک ہے اور شاید توریت کی تخصیص اس کی شہرت کی وجہ سے ہو اور قرآن کے بارے میں تو کلام ہو ہی رہا تھا اور قرآن کو سحر کہنے کا ذکر خود قرآن ہی میں موجود ہے جیسا کہ توریت کو یا تو واضح الفاظ میں کہا ہوگا اور یا اسی سے لازم آگیا۔ کیونکہ جہاں دو آپس میں ایک دوسرے کے موافق ہوں ان میں جو ایک کی صفت ہوگی، وہی دوسرے کی ہوگی۔

اور آیت ﴿مَّا أَتَاهُمْ مِنْ نَّذِيرٍ﴾ سے متعلق کچھ ضروری مضمون سورۃ النحل آیت ۳۶ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا﴾ کی تفسیر کے ذیل میں لکھا گیا ہے، دیکھ لیا جائے۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ قَبْلِهِمْ يَوْمُنُونَ ۝ وَإِذَا يُنذَرُ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ۝ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَنْدَرُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ ۝ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ زَسَلُّ عَلَيْكُمْ لَا تَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ۝﴾

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتابیں دی ہیں، وہ اُس پر ایمان لاتے ہیں اور جب قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم تو اس سے پہلے بھی مانتے تھے۔ ان لوگوں کو ان کی پختگی کی وجہ سے دو ہر اثواب ملے گا۔ اور وہ لوگ نیکی سے بدی کا دفعیہ کر دیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب کوئی لغوات سنتے ہیں تو اُس کو ٹال جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا کیا ہمارے سامنے آوے گا اور تمہارا کیا تمہارے سامنے آوے گا۔ ہم تم کو سلام کرتے ہیں، ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

رابطہ: اوپر موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے ذریعہ محمد ﷺ کی رسالت پر استدلال تھا جس میں منکروں اور مشرکوں کی مذمت بھی شامل تھی۔ اب گزشتہ آسمانی کتابوں کی بشارتوں کی بنیاد پر انصاف پسند اہل کتاب کے ایمان لانے سے رسالت پر استدلال ہے، ساتھ ہی تصدیق کرنے والوں اور مؤمنوں کی مدح و تعریف بھی ہے۔ یہ آیتیں اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی شان میں نازل ہوئی ہیں جن میں سے بعض کے نام کی تصریح بھی آئی ہے، ابورفاعہ اور ان کے ساتھ نو افراد، سلمان فارسی، عبداللہ بن سلام، امین بن یامین اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے ساتھی۔ ان میں سے بعض پہلے یہودی تھے اور بعض نصرانی، عیسائی اور انہیں مخالفوں کی طرف سے اذیت بھی پہنچتی تھی جیسا کہ مختلف سندوں سے الدر المنثور میں ہے۔

بشارتوں والے علماء کے ایمان لانے سے رسالت پر استدلال کی طرف اشارہ:

(اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت گذشتہ کتابوں کی بشارتوں والے علماء کی تصدیق سے بھی ظاہر ہے، چنانچہ) جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے (آسانی) کتابیں دی ہیں (ان میں جو انصاف پسند ہیں) وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب یہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے (نازل ہوا ہے اور) ہم تو اس (کے آنے) سے پہلے بھی (اپنی کتابوں میں آنے والی بشارتوں کی بنا پر) مانتے تھے (اب اس کے نازل ہونے کے بعد نئے سرے سے عہد کرتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کی طرح نہیں ہیں جو اس کے نازل ہونے سے پہلے تو تصدیق کرتے تھے، اس کو پانے کا شوق رکھتے اور انتظار کرتے تھے، ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ﴾ پھر جب یہ آگیا تو اس کو پہچانا نہیں، اس سے انکار کر کے کافر ہو گئے، اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ بشارت کے آپ ہی مصداق ہیں، لہذا یہ بھی نبوت کی ایک دلیل ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَؤُا بَنِي إِسْرَآءِيلَ﴾۔

پھر آگے ان ایمان لانے والوں کی فضیلت ہے کہ (ان لوگوں کو ان کی پختگی کی وجہ سے) کہ پہلی کتاب پر ایمان رکھنے کے ضمن میں بھی قرآن پر ایمان رکھتے تھے اور قرآن کے نازل ہونے کے بعد بھی اس ایمان پر قائم رہے، اور نئے سرے سے ایمان لے آئے) دہرا ثواب ملے گا (یہ تو اعتقاد اور جزا کا بیان تھا) اور (آگے ان اعمال و اخلاق کا بیان ہے کہ) وہ لوگ نیکی (اور تحمل) سے برائی (اور ایذا) کو دور کر دیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور (جس طرح فعل کے ذریعہ دی ہوئی ایذا پر تحمل کرتے ہیں، اسی طرح) جب (کسی سے اپنے بارے میں) کوئی لغو بات سنتے ہیں (جو کہ قول کے ذریعہ دی ہوئی ایذا ہے) تو اس کو (بھی) ٹال جاتے ہیں اور (سلامت روی کے طور پر کہہ دیتے ہیں کہ) ہم کچھ جواب نہیں دیتے) ہمارا کیا ہوا ہمارے سامنے آئے گا اور تمہارا کیا ہوا تمہارے سامنے آئے گا (بس) ہم تمہیں سلام کرتے ہیں (ہمیں لڑنے جھگڑنے سے معاف رکھو) ہم نا سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

فائدہ: حدیث میں بھی آیا ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں، انہیں دہرا ثواب ملتا ہے اور اس کے علاوہ دو اور لوگوں کے لئے بھی دہرے اجر کا وعدہ ہے: ایک وہ جس کی ملکیت میں شرعی باندی ہو اور وہ اس کو تعلیم دے کر ادب و تمیز سکھا کر اس کی رضامندی سے اس سے نکاح کر لے اور ایک وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کی بھی اچھی طرح عبادت و اطاعت کرے اور اپنے آقا کی بھی خدمت گزاری و خیر خواہی کرے جیسا کہ شیخین یعنی بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی مشہور وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے دودو عمل کئے۔ اس لئے دہرا ثواب ہوا اور بعض نے یہ سمجھ کر کہ پھر ان کی کیا

تخصیص ہے جو بھی شخص دو عمل کرے گا اسے دو ثواب ملیں گے، یہ کہا ہے کہ ان لوگوں کو تمام اعمال میں یا ان ہی دو عملوں میں سے ہر ایک عمل پر دوسرے عمل کرنے والوں کے مقابلہ میں دو گنا ثواب ملے گا۔ مثال کے طور پر دوسروں کو ہر عمل پر کم سے کم دس گنا ثواب ہوتا ہے تو انہیں ہر عمل پر کم سے کم بیس گنا ثواب ہوگا، جیسا کہ قرض کے بارے میں اٹھارہ گنا ثواب آیا ہے اور پہلی توجیہ بیان کرنے والے کہہ سکتے ہیں کہ ان اعمال کی تخصیص مقصود نہیں، مگر بظاہر تخصیص مقصود معلوم ہوتی ہے، لیکن ازواج مطہرات کو ملانے کے ساتھ جن کے لئے ﴿فَوَيْلٌ لَّهَا أَجْرَهَا مَرْتَيْنِ﴾ آیا ہے، اس لئے دوسری توجیہ میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اور احقر کے نزدیک ﴿يَذَرُونَ﴾ میں حب جاہ سے اور ﴿وَمِنَّا رَزَقْنَاهُمْ﴾ میں مال کی محبت سے ان کے خالی ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اکثر ایمان کے لئے یہی دو امر رکاوٹ بنتے ہیں۔ اور سورۃ بقرہ آیت ۴۳ ﴿وَاقْبَلُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ میں ان اعمال کی تخصیص کا یہی نکتہ بیان کیا گیا ہے، لہذا ایمان کے بعد ایمان کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کے دور کرنے کی طرف اشارہ ہو گیا۔

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾

ترجمہ: آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے۔

رابطہ: اوپر کی آیتوں میں اہل کتاب کے ایمان و اطاعت کا اور اس سے پہلے ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ﴾ الخ میں قریش کے مشرکوں کے کفر اور عناد کا ذکر تھا اور قریش آپ کے قریبی خاندانی رشتہ دار تھے اور اہل کتاب خاندانی رشتہ دار نہیں تھے، چنانچہ جو لوگ قریبی نہ ہوں؛ انہیں ایمان لاتا دیکھ کر قریبی لوگوں کے ایمان نہ لانے پر طبعی طور پر زیادہ رنج ہوتا ہے اور ان میں سے بعض کے ایمان لانے سے متعلق آپ کو خاص اہتمام اور شوق غالب تھا، اور اس میں کامیابی نہ ہونے پر اور زیادہ رنج ہوتا تھا، اس لئے آگے تسلی کا مضمون بیان ہوا ہے کہ کسی کو ایمان کو توفیق ہونا نہ ہونا یہ اللہ کی قدرت کے قبضہ میں ہے نہ کہ آپ کے اختیار میں۔ پھر رنج کیوں کیا جائے۔

حقیقی ہدایت پر قدرت کی نفی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور (ہدایت دینے کی قدرت تو اللہ کے سوا کسی اور کو کیا ہوتی کسی کو اس کا بھی علم نہیں کہ کون کون ہدایت پانے والا ہے، بلکہ) ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اسی کو ہے۔

فائدہ: اور سورۃ شوریٰ آیت ۵۲ میں جو ارشاد ہے ﴿إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ وہ راستہ دکھانے اور عملی

ہدایت کے لحاظ سے ہے اور یہاں نفی مطلوب تک پہنچا دینے اور حقیقی ہدایت کے معنی میں ہے۔ صحیح مسلم میں اس آیت کا شان نزول ابوطالب کے بارے میں روایت کیا گیا ہے، لیکن الفاظ کے عموم کے لحاظ سے دوسرے بھی اس میں شامل ہیں۔ صاحب روح نے کہا ہے کہ بلا ضرورت اس مسئلہ میں کلام کرنا یا ان کو برا کہنا علویوں کو ایذا پہنچنے کا یقینی سبب ہے اور خود حضور کو ایذا کے سبب کا احتمال ہے، لہذا احتیاط بہتر ہے۔

﴿وَقَالُوا إِن تَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ تَخْطِفُ مِنْ أََرْضِنَا أَوْ لَمْ تُنْكِنْ لَنَا حَرَمًا أَرْمَنَّا يُجَبِّبُ إِلَيْنَا ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلنے لگیں تو فی الفور اپنے مقام سے مار کر نکال دیئے جاویں۔ کیا ہم نے اُن کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

رابطہ: اوپر دور سے کافروں کے ایمان نہ لانے کا ذکر چلا آ رہا ہے اور ان کے ایمان لانے میں چند روکاؤں میں تھیں، ایک رکاوٹ ان کا شبہ ﴿لَوْ لَا أُؤْتَوْنَ مِثْلَ مَا أُؤْتَىٰ مُوسَىٰ﴾ تھا جو مع جواب اور بیان ہو چکا۔ دوسری رکاوٹ انہیں ایک خوف کا وہم تھا یعنی زمین چھین لئے جانے سے نقصان کا ہونا اور نفع و فائدہ کا جاتا رہنا۔ تیسری رکاوٹ سامان عیش، چوتھی رکاوٹ کفر کے باوجود ہلاک نہ ہونے کا شبہ۔ پانچواں دنیا سے تعلق اور آخرت سے بے تعلق۔ آگے ان رکاوٹوں کا ذکر اور ہر ایک کے ساتھ اس کا رد کرنا اور اس کا جواب ہے۔

بہانوں کا دور کرنا اور ایمان کے راستہ کی رکاوٹیں:

پہلی رکاوٹ: ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْ لَا أُؤْتَوْنَ﴾ اور پر گزر چکی۔

دوسری رکاوٹ کا دور کرنا: اور (ان لوگوں کے ایمان لانے میں ایک رکاوٹ یہ ہے کہ) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر (اس دین کی) ہدایت پر چلنے لگیں تو فوراً اپنی جگہ سے مار کر نکال دیئے جائیں (کہ وطن سے بے وطن ہونے کا بھی نقصان ہو اور روزگار کی پریشانی الگ ہو۔ لیکن اس عذر کا باطل ہونا بھی بالکل ظاہر ہے) کیا ہم نے انہیں امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس (یعنی ہماری قدرت اور رزقی) سے کھانے کو ملتے ہیں؟ (لہذا حرم ہونے کی وجہ سے جس کا سبب احترام کرتے ہیں، نقصان لاحق ہونے کا بھی اندیشہ نہیں اور اس نقصان کی نفی ہونے کی وجہ سے رزق کے فائدوں کے فوت ہونے کا احتمال بھی نہیں، لہذا ان کو چاہئے تھا کہ اس حالت کو غنیمت سمجھتے اور اس کو نعمت سمجھ کر قدر کرتے اور ایمان لے آتے) لیکن ان میں اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے (یعنی اس کا خیال نہیں کرتے)

﴿ وَكُنَّا أَهْلُكُمْ مِنْ قَرِيبٍ يَطُرَتْ مَعِيشَتَهَا، فَتِلْكَ مَسْكِنُهُمْ لَمَّا تَسْكُنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا
وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھے سو یہ اُن کے گھر ہیں کہ اُن کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے اور آخر کار ہم ہی مالک رہے۔

تیسری رکاوٹ کا دور کرنا: (اور ان کے ایمان نہ لانے کا ایک سبب یہ ہے کہ یہ اپنے عیش و آرام پر اتراتے ہیں، لیکن یہ بھی حماقت ہے کیونکہ) ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو (جن کے رہنے والے) اپنے عیش کے سامان پر اتراتے تھے تو (دیکھ لو) یہ ان کے گھر (تمہاری آنکھوں کے سامنے پڑے) ہیں، کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے (کہ کسی آنے جانے والے مسافر کا ادھر سے اتفاق سے گزر ہو جائے اور وہ تھوڑی دیر سستانے یا تماشا دیکھنے کے لئے بیٹھ جائے یا رات کو رہ جائے) اور آخر کار (ان کے ان سب سامانوں کے) ہم ہی مالک رہے (کوئی ظاہری وارث بھی ان کا نہ ہوا)

﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمٍ رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ اُن کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے۔ اور ہم اُن بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے بہت ہی شرارت کرنے لگیں۔
چوتھی رکاوٹ کا دور کرنا: اور (انہیں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ان لوگوں کی ہلاکت کفر کے سبب سے ہے تو ہم تو مدت سے کفر کرتے آ رہے ہیں، ہمیں کیوں نہیں ہلاک کیا جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے ﴿ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ ﴾ الخ اور اس شبہ کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ) آپ کا رب بستیوں کو (پہلی ہی بار میں) ہلاک نہیں کیا کرتا۔ جب تک کہ ان (بستیوں) کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج لیں۔ اور (پھر رسول کو بھیجنے کے بعد بھی فوراً) ہم ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے، سوائے اس حالت کے کہ وہاں کے باشندے بہت زیادہ شرارت کرنے لگیں (یعنی ذکر کے قابل ایک طویل مدت تک کی یاد دہانی اور نصیحت کرنے سے بھی نصیحت حاصل نہ کریں، اس وقت ہلاک کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جن بستیوں کی ہلاکت کا اوپر ذکر تھا، وہ بھی اسی قانون کے مطابق ہلاک ہوئیں، تو اسی قانون کے مطابق تمہارے ساتھ معاملہ ہو رہا ہے، اس لئے نہ رسول سے پہلے ہلاک کیا اور نہ رسول کے آنے کے بعد ابھی تک ہلاک کیا۔ مگر چند دن گزرنے دو، اگر تمہارا یہی عناد رہا تو سزا ہوگی ہی، چنانچہ بدروغیرہ میں ہوئی)

﴿وَمَا أُوتِيتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعٌ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَأَبْقٰى ۖ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور جو کچھ تم کو دیا دلا یا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے اور یہیں کی زینت ہے اور جو اللہ کے یہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے، سو کیا تم لوگ نہیں سمجھتے۔

پانچویں رکاوٹ کا دور کرنا: (اور ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ دنیا نقد ہے۔ اس لئے پسندیدہ ہے اور آخرت کا معاملہ بعد کا ادھار ہے، اس لئے اس کی طرف رغبت نہیں، لہذا دنیا کی رغبت سے دل خالی نہیں ہوتا کہ اس میں آخرت کی رغبت سمائے پھر اس کو حاصل کرنے کا طریقہ تلاش کیا جائے جو کہ ایمان ہے، تو اس کے بارے میں سن رکھو کہ) جو کچھ تمہیں یاد دلا یا گیا ہے، وہ صرف (چند دن کی) دنیاوی زندگی میں برتنے کے لئے ہے۔ اور اس کی (زیب و زینت ہے) کہ عمر کے خاتمہ کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا) اور جو (اجر و ثواب) اللہ کے ہاں ہے، وہ اس سے کیفیت کے لحاظ سے بھی) بہت زیادہ بہتر ہے اور (مقدار میں بھی) زیادہ (یعنی ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے، تو کیا تم لوگ (اس فرق کی حقیقت کو یا اس کے تقاضہ کو) نہیں سمجھتے؟ (غرض تمہارے عذر اور کفر پر اصرار کے مناسبت بالکل بے بنیاد اور لغو ہیں، سمجھو اور مانو)

فائدہ: مرکز سے عام طور پر اس پاس کے متعلقہ مقامات میں خبر پہنچ جاتی ہے۔ دوسرے: مرکز کے رہنے والے لوگ علاقوں والوں کے مقابلہ میں زیادہ سمجھ دار اور ہوشیار و خبردار بھی ہوتے ہیں۔ پہلے ایسے ہی لوگوں کو خطاب کرنا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ اور ﴿فَتِلْكَ مَسْکُوْنُهُمْ﴾ سے شروع وغیرہ کی بستیوں کی طرف اشارہ ہے کہ شام کو آتے جاتے راستہ میں نظر آتی تھیں۔ اور نو مسلموں کو اذیت و تکلیف پہنچانا ﴿اَوَلَمْ نُمْكِنْ لَهُمْ﴾ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اول تو وہ غخطف یعنی مار کر نکال دیا جاتا نہیں ہے۔ دوسرے تعداد کی کمی اس ذلت کا باعث تھی، اگر کثرت کے ساتھ حق کو قبول کر لیتے تو یہ نوبت نہ آتی اور یہاں مضمون سبھی کے ایمان کے سلسلہ میں ہے۔ تیسرے وہ تکلیف باہر والوں نے نہیں پہنچائی اور غخطف یعنی مار کر نکال دیا جاتا یہی ہے۔ خود مکہ والوں نے حرم کے احترام و تعظیم کو فوت کر کے تکلیف پہنچائی، حرم سے باہر والوں نے حرم والوں کو نہیں ستایا۔

﴿اٰمَنَ وَعَدْنٰهُ وَعَدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيُوْهُ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآئِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُزْعِمُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ اٰغْوَيْنَاۤ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا اَغْوَيْنَاۤ تَبَرَّأْنَا اِلَيْكَ مَا كَانُوْا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝ وَقَبِيْلٌ اَدْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوْا لَهُمْ وَّرَاوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ

اَنَّهُمْ كَانُوا يَھْتَدُونَ ۝ وَیَوْمَ یُنَادِیْہُمْ فِیْ قَوْلٍ مَا ذَا اَجَبْتُمْ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ فَعِیَّتْ عَلَیْہُمْ الْاَنْبَا ۝ یَوْمَئِذٍ فَہُمْ لَا یَتَسَاءَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ ﴿

ترجمہ: بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اُس کو پانے والا ہے کیا اُس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے پھر وہ قیامت کے روز اُن لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جاویں گے اور جس دن خدا تعالیٰ اُن کافروں کو پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم سمجھ رہے تھے؟ جن پر خدا کافر مودہ ثابت ہو چکا ہوگا۔ وہ (معبود) بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! بے شک یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم نے اُن کو ویسا ہی بہکایا جیسا ہم خود بہکے تھے اور ہم آپ کی پیشی میں ان سے دست برداری کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہم کو نہ پوجتے تھے۔ اور کہا جاوے گا کہ اپنے ان شرکاء کو بلاؤ۔ چنانچہ وہ اُن کو پکاریں گے سو وہ جواب ہی نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اے کاش یہ لوگ راہ راست پر ہوتے اور جس دن اُن کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔ سو اُس روز اُن سے سارے مضامین گم ہو جاویں گے تو وہ آپس میں پوچھ پاچھ ہی نہ کر سکیں گے۔ البتہ جو شخص توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ امید ہے کہ فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔

رابطہ: اوپر بہت ساری آیتوں میں کفر اور گمراہی پر ڈرانا دھمکانا اور ﴿لَعَلَّہُمْ یَنْتَذِرُوْنَ﴾ اور ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ﴾ اور ﴿الَّذِیْنَ اٰتٰیْنٰہُمُ الْکِتٰبَ﴾ الخ اور ﴿مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی﴾ میں ہدایت اور ایمان کی ترغیب کا ذکر تھا۔ آگے کفر و ایمان کے جو نتیجے قیامت کے دن ظاہر ہوں گے، ان کا ذکر ہے۔ پہلے ﴿اَفَمَنْ وَّعَدْنَا﴾ میں مختصر انداز میں دونوں کے فرق کا بیان ہے، پھر ﴿یَوْمَ یُنَادِیْہُمْ﴾ سے ﴿فَاَمَّا مَنْ تَابَ﴾ تک اس فرق کی تفصیل ہے۔

ہولنا کیوں کے دن میں گمراہی اور ایمان کے نتیجوں کا ظہور:

بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے اور وہ شخص اس (وعدہ کی چیز) کو پانے والا ہے، کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیاوی زندگی کا چند دن کا فائدہ دے رکھا ہے؟ پھر وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جائیں گے (پہلے شخص سے مؤمن مراد ہے جس سے جنت کا وعدہ ہے اور دوسرے سے کافر مراد ہے جو مجرم کی حیثیت سے آئے گا، اور چونکہ ایسے لوگ دنیاوی سامان ہی کی وجہ سے بھول رہے ہیں، جیسا کہ اوپر آیت ﴿وَمَا اَوْتِیْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَمَتَّاعٌ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا﴾ میں بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے اس کی بھی تصریح فرمادی ورنہ برابر نہ ہوتا صرف موجودہ مفت کے اعتبار سے ہے، مگر یہ موجودہ حالت سے فائدہ پہنچانے میں رکاوٹ تھی، اس لئے اس کو چھوڑ

دیا گیا) اور (آگے اس موجودہ فرق اور کیفیت کی تفصیل ہے کہ وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن اللہ تعالیٰ ان کافروں کو (ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے) کہے گا کہ میرے وہ شریک کہاں کہاں ہیں جنہیں تم (میرا شریک) سمجھ رہے تھے؟ (اس سے شیطان مراد ہیں، کہ انہی کی مطلق اطاعت کی وجہ سے شرک کرتے تھے، اس لئے انہیں ”شریک“ کیا اس بات کو سن کر شیطان کہ) جن پر (گمراہ کرنے کی وجہ سے) اللہ کا فرمان (یعنی عذاب کا مستحق ہونا، اس قول سے ﴿لَا مَلْفَئَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾) ثابت ہو چکا ہوگا (یہ سمجھ کر کہ یہ اب ہمیں بتادیں گے کہ شریک یہ ہیں اور خود بری ہونے کی کوشش کریں گے، پھر ہم سے گمراہ کرنے پر پکڑ اور پوچھنا شروع ہوگی) وہ (عذر کے طور پر) بول انہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! بے شک یہ وہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے بہکایا (یہ جواب کی تمہید ہے۔ اس حکایت کی تصریح اس لئے فرمائی گئی کہ جن کی شفاعت کی انہیں امید ہے، اس کے برعکس وہ ان کے خلاف شہادت دیں گے۔ اور آگے جواب ہے کہ یقیناً ہم نے انہیں بہکایا ضرور، لیکن) ہم نے انہیں ویسے ہی (جبر و بردستی کے بغیر) بہکایا جیسے ہم خود (بغیر جبر و بردستی کے) بہکتے تھے (یعنی جس طرح ہم پر کوئی گمراہ کرنے والا مسلط نہیں کیا گیا، اسی طرح ہمیں ان پر جبر و بردستی کا غلبہ و تسلط نہیں تھا، ہمارا کام صرف بہکانا تھا، اور اس کو انہوں نے خود اپنے قصد اور رائے سے قبول کیا، جیسا کہ سورۃ ابراہیم آیت ۲۲ ﴿وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ﴾ میں ہے۔ مطلب یہ کہ ہم بھی مجرم ہیں، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ خود کو معصوم و بے گناہ قرار دیں اپنے اوپر کوئی الزام نہ آنے دیں) اور ہم آپ کے سامنے ان سے لا تعلق ہونے کا اظہار کرتے ہیں (اور) یہ لوگ (حقیقت میں خاص طور سے صرف) ہمیں (ہی) نہیں پوجتے تھے (یعنی جب یہ اپنے اختیار سے بہکے ہیں نہ کہ صرف ہمارے بہکانے سے تو اس اعتبار سے یہ اپنی خواہشوں کے پجاری تھے نہ کہ صرف شیطان کے پجاری۔ مطلب یہ کہ خود اپنی خواہش سے بگڑے، اس درجہ میں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں، البتہ جس قدر ہماری غلطی ہے کہ ہم نے انہیں بہکایا تو اس کا ہم اقرار کرتے ہیں، اس ساری حکایت سے مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ جن معبودوں کے بھروسہ پر بیٹھے ہیں وہ ان سے لا تعلق ہونے کا اظہار کر دیں گے) اور (جب وہ شریک اس طرح ان سے بیزاری اور بے رخی کا اظہار کریں گے تو اس وقت ان مشرکوں سے حقارت کے ساتھ طنز و مذاق اڑانے کے انداز میں) کہا جائے گا کہ (اب) اپنے ان شریکوں کو بلاؤ چنانچہ وہ (حیرت کی زیادتی سے پریشان ہو کر) انہیں پکاریں گے تو وہ جواب بھی نہ دیں گے اور (اس وقت) یہ لوگ (اپنی آنکھوں سے) عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اے کاش! یہ لوگ دنیا میں سیدھے راستہ پر ہوتے (تو انہیں اس مصیبت کا سامنا کرنا نہ پڑتا) اور جس دن ان کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ (چونکہ اس ڈراوے اور دھمکی کے جواب میں یہ احتمال تھا کہ وہ کہہ دیتے کہ ہمارے پاس رسول نہیں آئے، اس لئے اس سوال کے ذریعہ یہ بھی جتا دیا جائے گا کہ رسول تو آئے تھے اور انہوں نے سمجھایا بھی تھا، تو یہ کہنے کی تو گنجائش نہیں کہ کوئی نہیں آیا، مگر یہ بتاؤ کہ تم نے کیا جواب دیا؟) تو اس دن ان (کے ذہنوں) سے سارے مضمون

گم ہو جائیں گے، تو وہ (خود بھی نہ سمجھ سکیں گے اور) آپس میں پوچھ گچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ البتہ جو شخص (دنیا میں کفر و شرک سے) توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو امید ہے کہ ایسے لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے (اور ان آفتوں سے محفوظ رہیں گے)

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَنَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحُكْمُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْبَيْلَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَآءٍ أَوْ فَلَا تَسْمَعُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَوْ فَلَا تَبْصُرُونَ ۝ وَمَنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمْ الْبَيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے ان لوگوں کو جو یز کا کوئی حق نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔ اور آپ کا رب سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں اور اللہ وہی ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حمد کے لائق دنیا و آخرت میں وہی ہے اور حکومت بھی اُسی کی ہوگی اور تم اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ اور آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کو لے آوے تو کیا تم سنتے نہیں؟ آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آوے جس میں تم آرام پاؤ؟ کیا تم نہیں دیکھتے؟ اور اُس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تا کہ تم رات میں آرام کرو اور تا کہ تم اُس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔

رابطہ: اوپر شرک کرنے پر ڈرانے اور دھمکانے کی حکایت میں شرک کی مذمت کا ذکر ہوا ہے، آگے تو حید کا اور اس کے ضمن میں انعاموں اور احسانوں کا اثبات ہے۔

توحید اور بعض انعاموں کا اثبات:

اور آپ کا رب (انفرادی طور پر کمال کی صفتوں کا مالک ہے، چنانچہ وہ) جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (تو پیدا کرنے اور وجود بخشنے کے اختیار بھی اسی کو حاصل ہیں) اور (وہ جس حکم کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے (اور نبیوں کے ذریعہ سے نازل فرماتا ہے لہذا شریعت و قانون بنانے کے اختیار بھی اسی کو حاصل ہیں) ان لوگوں کو (احکام) تجویز (کرنے) کا کوئی

حق (حاصل) نہیں (کہ جو حکم چاہیں تجویز کر لیں جیسے یہ مشرک اپنی طرف سے شرک کو جائز تجویز کر رہے ہیں اور اس کے منفرد ہونے سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے (کیونکہ جب وجود بخشے و پیدا کرنے اور شریعت و قانون بنانے اور مختار ہونے میں وہ منفرد یعنی تنہا ہے تو معبود ہونے کے حق میں بھی کہ پیدا کرنے اور شریعت بنانے کا مالک ہونے پر موقوف ہے، وہی منفرد ہے) اور آپ کا رب (ایسا کامل علم رکھتا ہے کہ وہ) سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (اور کسی کا ^(۱) ایسا علم بھی نہیں۔ اس سے بھی منفرد ہونا ثابت ہوا) اور (آگے اس کی تصریح ہے کہ) اللہ وہی (کامل صفتوں والا) ہے، اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں حمد (و ثنا) کے لائق دنیا و آخرت میں وہی ہے (کیونکہ اس کے تصرفات دلوں عالم میں ایسے ہیں جو صفتوں کے کمال پر دلالت کرتے ہیں کہ حمد کی اہلیت کی بنیاد ہیں) اور (اس کے سلطنت کے اختیار ایسے ہیں کہ) حکومت بھی (قیامت میں) اس کی ہوگی اور (اس کی سلطنت کی قوت و وسعت ایسی ہے کہ تم) سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (یہ نہیں ہو سکتا کہ اس سے بچ جاؤ اور کہیں جا کر پناہ لے لو، لہذا یہ بھی معبود کے ایک ہونے کا تقاضا ہوا اور اس کی قدرت کے اظہار کے لئے) آپ (ان لوگوں سے) کہئے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لئے رات ہی رہنے دے تو اللہ کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کو لے آئے؟ (لہذا قدرت میں بھی وہی منفرد و تنہا ہے) تو کیا تم (توحید کی ایسی صاف دلیلوں کو سنتے نہیں؟) اور قدرت کے اسی اظہار کے لئے) آپ (ان سے اس کے برعکس کے بارے میں بھی) کہئے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لئے دن ہی رہنے دے تو اللہ کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے؟ جس میں تم آرام پاؤ۔ کیا تم (قدرت کے اس ثبوت کو) دیکھتے نہیں؟ (چنانچہ قدرت میں منفرد ہونے کا تقاضہ بھی معبود ہونے میں منفرد ہونے کا ہے) اور (وہ ایسا انعام دینے والا ہے کہ) اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تا کہ تم رات میں آرام کرو اور تا کہ (دن میں) اس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ (ان دونوں نعمتوں پر) تم (اللہ کا) شکر کرو (اس طرح انعام میں منفرد ہو جانے کا تقاضا بھی معبود ہونے میں خاص ہونے کا ہے، لہذا کمال کی تمام صفتیں جن کا اس مقام پر استدلال کے لئے ذکر کیا گیا، یہ ہوئیں: (۱) خالق ہونا (۲) شریعت و قانون بنانے میں مختار ہونا (۳) علم (۴) حکومت (۵) سلطنت کی وسعت و قوت (۶) قدرت (۷) نعمت عطا کرنا۔

فائدہ: ہمیشہ کے لئے رات ہونا اس طرح کہ سورج کو افق سے نکلنے نہ دے یا اس کی روشنی چھین لے اور ختم کر دے۔ اور ہمیشہ کے لئے دن کا ہونا اس طرح کہ سورج کو غروب نہ ہونے دے یا بغیر سورج کے ایسا نور پیدا کر دے۔

﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۖ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝﴾

(۱) یعنی جیسے کوئی اور خالق نہیں اور جیسے کسی اور کو کوئی و شرعی اختیار نہیں جس کا اوپر ذکر تھا۔

ترجمہ: اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر فرمائے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے اور ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو، سو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ سچی بات خدا ہی کی تھی اور جو کچھ باتیں گھڑا کرتے تھے کسی کا پتہ نہ رہے گا۔

رابطہ: اوپر توحید کی دلیلوں سے پہلے بھی شرک پر ڈرانے دھمکانے کی حکایت میں شرک کی مذمت کا ذکر تھا۔ اب توحید کی دلیلوں کے بعد پھر اسی انداز سے شرک کی مذمت کا ذکر ہے اور دونوں میں یہ فرق ہو سکتا ہے کہ پہلی جگہ دعویٰ کے بیان کے طور پر ہے اور توحید کی دلیلوں سے اس پر استدلال ہے کہ شرک کا مذمت کے قابل ہونا ان دلیلوں سے ثابت ہے۔ اور اس جگہ نتیجہ اور فرع کے طور پر ہے کہ ان دلیلوں سے شرک کا مذمت کے قابل ہونا ثابت ہوا جیسے یوں کہا جائے کہ: العالم حادث لانه متغیر وکل متغیر حادث، فالعالم حادث^(۱): یا اس کو اہتمام اور مبالغہ کی غرض سے تکرار کہا جائے۔

قیامت کے دن مشرکوں کی توبیخ یعنی ڈرانے دھمکانے کی حکایت:

اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکار کر فرمائے گا (تاکہ دوسرے لوگ بھی ان کی رسوائی سن لیں) کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے؟ اور (اگرچہ خود ان کے قول سے بھی ان پر حجت قائم ہو جائے گی، لیکن اقرار کے ساتھ شہادت بھی جمع کر دی جائے گی، اس طرح سے کہ) ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ (بھی) نکال کر لائیں گے (اس سے نبی مراد ہیں کہ وہ ان کے کفر کی گواہی دیں گے) پھر ہم (ان مشرکوں سے) کہیں گے کہ (اب شرک کے دعویٰ کی صحت پر) اپنی (کوئی) دلیل پیش کرو تو (اس وقت) انہیں (پورے یقین کے ساتھ) معلوم ہو جائے کہ سچی بات اللہ ہی کی تھی (جونہیوں کے ذریعہ بتائی گئی تھی اور شرک کا دعویٰ جھوٹا تھا) اور (دنیا میں) جو کچھ باتیں گھڑا کرتے تھے (آج) کسی کا پتہ نہ رہے گا (کیونکہ حق کے انکشاف کے لئے باطل کا غائب ہو جانا لازم ہے)

فائدہ: اوپر ﴿مَا ذَا اَجَبْتُمْ﴾ میں کافروں سے نبیوں کو دیئے ہوئے جواب کے بارے میں سوال کا ذکر تھا، اور یہاں خود نبیوں سے شہادت دلانے کا ذکر ہے، اس فرق سے بھی مجموعہ بدل گیا اور تکرار نہ رہی۔

﴿اِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مِصْرَ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا اِنْ مَفَاتِحُهَا كَسُنُوءٌ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغَ فِیْمَا اٰتٰكَ اللّٰهُ الدّٰارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۚ وَاحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِی الْاَرْضِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِیْنَ ۝﴾ قَالَ اِنَّمَا أُوتِیْتُہُ عَلٰی عِلْمِی

(۱) ترجمہ: جہاں نوپید ہے، اس لئے کہ وہ ایک حالت پر برقرار نہیں اور جو چیز ادنیٰ بدلتی رہتی ہو وہ نوپید ہوتی ہے، پس دنیا جہاں

عِنْدِي ۖ أُولَٰئِكَ يَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَن هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً
وَ أَكْثَرُ جَمْعًا ۖ وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ۝ فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ
الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يَلِيتَ كُنَّا مِثْلَ مَا أَوتِيَ قَارُونُ ۖ إِنَّهُ لَكَدُوٌّ حَظِيظٌ ۝ وَقَالَ
الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيَدَّكُم ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَن آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۖ وَلَا يُلْقَاهَا إِلَّا
الضَّالُّونَ ۝ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ ۖ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوهُنَّ ۖ مِنْ
دُونِ اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ۝ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ
وَيْكَانَ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْ لَا أَن مِّنَ اللَّهِ عَلَيْنَا كَخَفَ
بِنَاءٍ وَيَكَانَهُ لَا يُغْلِبُ الْكَافِرُونَ ۝

۝

ترجمہ: قارون، موسیٰ کی برادری میں سے تھا۔ سو وہ اُن لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور ہم نے اُس کو اس قدر
خزانے دیے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور مخصوص کو گرا بنا کر دیتی تھیں جبکہ اُس کو اُس کی برادری نے کہا کہ تو اتر امت
واقعی اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اُس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے
اپنا حصہ فراموش مت کر اور جس طرح خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا
خواہاں مت ہو، بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔ قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا
ہے۔ کیا اُس نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گزشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت میں اس سے
کہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع اُن کا زیادہ تھا اور اہل جرم سے اُن کے گناہوں کا سوال نہ کرنا پڑے گا۔ پھر وہ اپنی آرائش
سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا
قارون کو ملا ہے واقعی بڑا صاحب نصیب ہے۔ اور جن لوگوں کو فہم عطا ہوئی تھی، وہ کہنے لگے کہ ارے تمہارا ناس ہو! اللہ تعالیٰ
کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور اُن ہی کو دیا جاتا ہے جو صبر
کرنے والے ہیں۔ پھر ہم نے اُس قارون کو اور اُس کے محل سرائے کو زمین میں دھنسا دیا سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو
اُس کو اللہ سے بچالیتی اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا۔ اور کل جو لوگ اُس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے، وہ کہنے لگے: بس
جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دیدیتا ہے اور تنگی سے دینے لگتا ہے۔ اگر ہم پر
اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا، بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔

رابطہ: اوپر ﴿وَقَالُوا إِنَّا تَبِيعَ الْهُدٰی﴾ سے ﴿وَصَلَّٰ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ تک مختلف عنوانوں سے
کفر کا اللہ کے نزدیک غضب اور گھائٹے کا سبب ہونا اور روزگار و رزق پر اترانا اور دنیا کی زندگی کے سامان کا ہلاکت و عذاب

سے نہ بچا سکتا معلوم ہوا ہے۔ اب قارون کے قصہ کے ذریعہ ان سب باتوں کی تائید فرمائی جا رہی ہے۔

قارون کا قصہ:

قارون (کا حال دیکھ لو کفر اور نافرمانی کرنے کی وجہ سے اسے کیسا اور کتنا نقصان پہنچا، اور اس کا مال و متاع ساز و سامان کچھ کام نہ آیا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ مال و متاع بھی برباد ہو گیا۔ اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ وہ) موسیٰ (علیہ السلام) کی برادری (یعنی بنی اسرائیل) میں سے تھا (بلکہ ان کا چچا زاد بھائی تھا جیسا کہ الدر میں ہے) تو وہ (مال کی کثرت کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور (اس کے پاس مال کی اتنی کثرت تھی کہ) ہم نے اسے اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی طاقت ور لوگوں کے لئے بھاری ہوتی تھیں (یعنی ان سے مشکل سے اٹھتی تھیں، تو جب کنجیاں اس کثرت سے تھیں تو ظاہر ہے کہ خزانے بہت ہی زیادہ ہوں گے اور تکبر اس وقت کیا تھا) جب اس سے اس کی برادری کے لوگوں نے (سمجھانے کی غرض سے) کہا کہ تو (اس مال و بدبہ پر) اتراوے مت۔ اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور (یہ بھی کہا کہ) تجھے اللہ نے جتنا دے رکھا ہے، اس میں آخرت کی بھی فکر کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت کے لئے لے جانا) فراموش مت کر اور (ابتغ اور لافتنس کا مطلب یہ ہے کہ) جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور (اللہ کی نافرمانی کر کے اور واجب حقوق ضائع کر کے) دنیا میں فساد پھیلانے کی کوشش مت کر (یعنی گناہ کرنے سے دنیا میں فساد ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ خاص طور سے وہ گناہ جن کے اثرات دوسروں تک پہنچتے ہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا (یہ سب نصیحتیں مسلمانوں کی طرف سے ہوئیں۔ شاید یہ مضامین پہلے موسیٰ علیہ السلام نے فرمائے ہوں گے اور پھر مسلمانوں نے انہیں دہرایا ہوگا۔ یہ سن کر) قارون کہنے لگا کہ مجھے تو یہ سب کچھ میرے اپنے ہنر سے ملا ہے (یعنی میں روزگار کی تدبیریں اور ذہنی و صورتیں خوب جانتا ہوں۔ اسی سے میں نے یہ سب جمع کیا ہے، پھر میرا فخر کرنا بیجا نہیں ہے اور نہ ہی اس کو فیہی احسان کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس میں کسی کا کچھ حق ہو سکتا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اس کے اس قول کو رد فرماتے ہیں کہ) کیا اس (قارون) کو متواتر خبروں کے ذریعہ یہ نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے پچھلی امتوں میں ایسے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو (مالی) قوت میں (بھی) اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور ان کا مجمع (بھی اس سے) زیادہ تھا اور (صرف یہی نہیں کہ بس ہلاک ہو کر چھوٹ گئے ہوں بلکہ ان کے جرم، کفر کے ارتکاب اور اللہ تعالیٰ کو یہ جرم معلوم ہونے کی وجہ سے انہیں قیامت میں بھی عذاب ہوگا۔ جیسا کہ وہاں کا قاعدہ یہ ہے کہ) مجرم لوگوں سے ان کے گناہوں کے بارے میں (تحقیق کرنے کی غرض سے) سوال کرنا نہیں پڑے گا (کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے۔ اگرچہ ڈرانے و دھمکانے اور جتانے کے لئے سوال ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ یعنی ”ہم ان سے سب سے ضرور سوال کریں گے“ مطلب یہ کہ اگر قارون اس مضمون پر نظر کرتا تو ایسی

جہالت کی بات نہ کہتا کیونکہ دنیاوی ہلاکت سے حقیقی قدرت کے تحت اور آخرت کی گرفت و مواخذہ سے حقیقی حکومت کے تحت داخل ہونا ظاہر ہے۔ پھر ایسے شخص کی کیا قدرت ہے کہ اپنی کمائی کو حقیقی علت قرار دے اور ایسے شخص کی رائے کی کیا حیثیت ہے کہ واجب حقوق کی نفی کرے؟ پھر (ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ) وہ اپنی برادری کے سامنے اپنی شان و شوکت کے ساتھ نکلا تو جو لوگ (اس کی برادری میں) دنیا کے طالب تھے، چاہے وہ مؤمن ہوں، جیسا کہ ان کے اگلے قول ﴿وَنِيكَأَنَّ اللَّهَ يَبْطِشُ الْخَلْقَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ (کہنے لگے کیا اچھا ہوتا کہ ہمیں بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا۔ جیسا کہ قارون کو ملا ہے۔ واقعی وہ بڑی قسمت والا ہے) یہ تمنا حرص کی تھی، اس سے ان کا کافر ہونا لازم نہیں آتا، جیسا کہ اب بھی بعض لوگ مسلمان ہونے کے باوجود رات دن دوسری قوموں کی ترقیاں دیکھ کر لپچاتے ہیں اور اس کی فکر میں لگے رہتے ہیں) اور جن لوگوں کو (دین کی) سمجھ عطا ہوئی تھی وہ (ان حرص کرنے والوں سے) کہنے لگے، ارے تمہارا ناس ہوا! (تم اس دنیا پر کیا لپچاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب (اس دنیا کی شان و شوکت سے) ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور (پھر ایمان و نیک عمل والوں میں سے بھی) وہ (ثواب پوری طرح) انہی لوگوں کو دیا جاتا ہے جو (نیا کی حرص و لالچ سے) صبر کرنے والے ہیں (لہذا تم لوگ ایمان کی تکمیل اور نیک عمل حاصل کرنے کی فکر و کوشش میں لگو اور شرعی حد کے اندر دنیا حاصل کر کے اس کی حرص و لالچ سے صبر کرو) پھر ہم نے اس (قارون) کو اور اس کے محل کو (اس کی شرارت بڑھ جانے پر) زمین میں دھنسا دیا تو کوئی جماعت ایسی نہیں ہوئی جو اس کو اللہ (کے عذاب) سے بچالیتی (اگرچہ وہ بڑی جماعت والا تھا) اور نہ خود ہی اپنے آپ کو بچا سکا اور کل (یعنی گزشتہ دنوں میں) جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (آج اس کے زمین میں دھنسائے جانے کو دیکھ کر) کہنے لگے بے شک معلوم ہو گیا کہ (رزق کی وسعت اور تنگی کا وار و مدار خوش نصیبی یا بد نصیبی پر نہیں ہے بلکہ یہ تو جو بد بخشے اور پیدا کرنے کی حکمت سے اللہ ہی کے قبضہ میں ہے، بس) اللہ جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیدیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) تنگی سے دینے لگتا ہے (یہ ہماری غلطی تھی کہ اس کو خوش نصیبی سمجھتے تھے، ہماری توبہ ہے اور واقعی) اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہمیں بھی دھنسا دیتا (کیونکہ حرص کی معصیت اور دنیا کی محبت کے مرتکب ہم بھی ہوئے تھے) بے شک معلوم ہو گیا کہ کافر لوگ فلاح نہیں پاتے (چاہے چند دن مزے لوٹ لیں مگر آخر انجام خسارہ ہی ہے، چنانچہ وہ فلاح و کامیابی جو ذکر کے قابل ہے، ایمان والوں ہی کے ساتھ مخصوص ہے)

فائدہ: بعض نا سمجھ افراد کو کنجیوں کے مضمون کو سمجھنے میں دشواری محسوس ہوئی ہے، لیکن اگر تھوڑا غور کیا جائے تو کوئی پریشانی نہیں ہے، مثال کے طور پر آیت میں لفظ عصبۃ استعمال ہوا ہے جو دس آدمیوں تک کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اہل لغت کا قول ہے اور ایک کے لئے پانچ سیر کا وزن فرض کیا جائے کہ کنجیوں کو لے کر چلنے کا جو طریقہ ہے کہ ہاتھ میں یا جیب میں یا کمر بند وغیرہ میں رکھی جاتی ہیں اور اگرچہ خزانہ کی دھات کا وزن کم ہوتا ہے مگر ٹھوس چیزوں کے

مقابلہ میں ان کو اٹھانے میں تکلف ہوتا ہے، چاہے دونوں کا وزن برابر ہی کیوں نہ ہو اور تکلف کے معنی کا دائرہ بھی وسیع کیا جائے اور کنجی ایک تولہ کی قرار دی جائے تو بھی ہر شخص کے حصہ میں چار سو کنجیاں آتی ہیں، اس طرح دس آدمیوں کے حصہ میں چار ہزار کنجیاں ہوتی ہیں، اگر ہر کنجی ایک صندوق کی مانی جائے تو چار ہزار صندوق ہوئے تو ایک بڑے مالدار کے پاس چار ہزار صندوقوں کا نقد رقم سے بھرا ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے، یقیناً اتنے اتنے روپیوں کے مالک اب بھی ہوں گے۔

اور ﴿وَبَلَدُكُمْ﴾ کا جو ترجمہ کیا گیا ہے، اس سے مقصود بددعا نہیں ہے، بلکہ پیار و محبت، رحم اور غلطی جتانے کے لئے ایسے الفاظ ہماری زبان کے محاوروں میں بولے جاتے ہیں، اسی طرح یہ عربی کا محاورہ ہے۔ اور ﴿كَأُكْفُتُمْ﴾ الصَّيْدُونَ میں جو کامل کی قید لگائی اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مطلق مؤمن کے لئے نفس ثواب حاصل ہے۔

اور قارون کو جس شرارت کی وجہ سے دھنسلایا گیا، اس کے بارے میں درمنثور میں کئی محدثین نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اسے موسیٰ علیہ السلام سے شرعی احکام خاص طور سے زکوٰۃ کے حکم کی وجہ سے دشمنی و عداوت تھی، اس نے کسی فاجر عورت سے کچھ روپے دینے کا وعدہ کر کے پھسلایا کہ تو مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام پر برے کام کی تہمت لگا دینا، لیکن جب اس کا موقع آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو ہدایت دی اور اس نے سچائی بیان کر دی۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا، آپ نے بددعا فرمائی جس سے وہ اپنے گھریاں سمیت زمین میں دھنس گیا۔

اور قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے: ﴿فَكَلَّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ﴾ آگے اس کی تفصیل میں فرمایا ہے ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ حَسَفْنَا لَهُ الْكَرْخَ﴾ اور ذنب عام ہے، ممکن ہے کہ اسی ذنب کا ذکر ہو یا اس کے علاوہ اور بھی ہو۔ اور سب سے بڑا ذنب کفر کرنا اور ایمان نہ لانا ہے، شاید یہ پہلے ہی ایمان نہ لایا ہو، جیسا کہ سورہ مؤمن آیت ۲۳ و ۲۴ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ؕ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَحَرٌ كَذَلُّهُ﴾ الخ سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۚ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا ۚ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾

ترجمہ: یہ عالم آخرت ہم ان ہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔ جو شخص نیکی لے کر آوے گا، اُس کو اُس سے بہتر ملے گا اور جو شخص بدی لے کر آوے گا سو ایسے لوگوں کو جو کہ بدی کے کام کرتے ہیں، اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے۔

رابطہ: اوپر قارون کے قصہ میں ﴿قَبْنِي عَلَيْهِمْ﴾ اور ﴿لَا تَبْغِ الْفَسَادَ﴾ سے تکبر، معصیت اور فخر کرنا و اترانا اور اس کا مذموم اور مردود ہونا اور ﴿ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ﴾ سے آخرت کا ثواب اور ایمان و نیک عمل کا خیر اور مقصود ہونا بیان ہوا ہے، اور اس سے پہلے بھی عیش کے سامان پر اترانا اور دنیا کی متاع کا باطل و فانی ہونا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس کا خیر اور باقی ہونا ارشاد ہوا تھا۔ اب اس کی تقویت و توضیح کے لئے آخرت کے ثواب کا حاصل ہونا گھمنڈ اور فساد کا نہ ہونا اور تقویٰ کی شرطوں کا ہونا اور آخرت میں اعمال کا مدار ہونا بیان فرماتے ہیں۔

آخرت کی جزا و سزا کے لئے طاعت و معصیت کا مدار ہونا:

یہ آخرت کا عالم (جس کے ثواب کا مقصود ہونا اور ﴿ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ﴾ الخ میں بیان ہوا ہے) ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا (یعنی نہ تکبر کرتے ہیں کہ نفسانی معصیت و نافرمانی ہے اور نہ کوئی ظاہری گناہ کرتے ہیں خاص طور سے ایسا گناہ جس کا اثر دوسروں تک پہنچے۔ جیسا کہ فرعون اور قارون بڑا بننے یعنی تکبر اور فساد کے مرتکب ہوئے جیسا کہ ارشاد ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا﴾ سے ﴿كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾ تک اور ﴿قَبْنِي عَلَيْهِمْ﴾ اور ﴿لَا تَبْغِ الْفَسَادَ﴾ میں ہے۔ اور (صرف جن باتوں و کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے رک جانا ہی کافی نہیں، بلکہ) نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے (جو کہ جن باتوں اور کاموں سے منع کیا گیا ہے، ان سے رکنے کے ساتھ ساتھ جن کاموں اور باتوں کا حکم دیا گیا ہے انہیں انجام بھی دیتے ہوں، اور جن کاموں اور باتوں کو کرنے سے منع کیا گیا اور جن کا حکم دیا گیا۔ انہیں انجام دینے اور انجام نہ دینے پر آخرت میں نتائج سامنے آنے کی کیفیت یہ ہوگی کہ) جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آئے گا، اس کو اس (کے تقاضے) سے بہتر (بدلہ) ملے گا (کیونکہ تقاضا تو صرف اس قدر ہے کہ عمل کی حیثیت کے مطابق بدلہ ملے، مگر وہاں زیادہ ملے گا، جس کا کم سے کم درجہ دس گنا ہے) اور جو شخص بدی لے کر آئے گا تو ایسے لوگوں کو جو بدی کے کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے (یعنی اس کے تقاضہ سے زیادہ نہ ملے گا)

فائدہ: یہ تکبر اور گھمنڈ و فساد اگر کفر کی حد تک ہے تب تو مطلق آخرت کا ثواب حاصل کرنے میں رکاوٹ ہے اور اگر کفر کی حد تک نہیں ہے تو آخرت کے ثواب کے کمال کے حاصل کرنے میں رکاوٹ ہے۔ اور ﴿يُرِيدُونَ﴾ میں اشارہ ہے کہ معصیت کا ارادہ بھی معصیت ہے چاہے، معصیت پر اختیار نہ ہو۔ اور اس موقع سے متعلق کچھ مضامین سورۃ الانعام آیت ۱۶۰ میں ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ کی تفسیر میں گذر چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَضُوا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدِكَ إِلَيْنَا مَعَادٍ ۖ قُلْ رَبِّيَ أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ ۖ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۖ وَمَا كُنْتُ تَرْجُوَ أَنَّ يُبْلَغَ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ۚ وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ

إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا
آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ ﴿

۱۷

ترجمہ: جس خدا نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے، وہ آپ کو اصلی وطن میں پھر پہنچا دے گا۔ آپ فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے۔ اور آپ کو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جاوے گی مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا۔ سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے۔ اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکے تو ایسا نہ ہونے پاوے کہ یہ لوگ آپ کو ان احکام سے روک دیں اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے اور ان مشرکوں میں شامل نہ ہو جائے۔ اور اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکارنا، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اُس کی ذات کے۔ اُسی کی حکومت ہے اور اُسی کے پاس تم سب کو جانا ہے۔

رابطہ: اوپر رسالت اور توحید اور بعث کے مضمون دور سے چلے آ رہے ہیں۔ بلکہ اگر موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے محمد ﷺ کی رسالت پر استدلال کے اعتبار سے اس قصہ کو بھی رسالت کے مضمون سے متعلق کہا جائے تو گویا سورت کے شروع ہی سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ آگے خاتمہ میں انتہائی بلاغت اور اختصار کے ساتھ انہی رسالت و توحید اور بعث کے مضمونوں کو خلاصہ کے طور پر دہرایا جا رہا ہے۔ اور رسالت کے مضمون کے ساتھ آپ کی تسلی اور توحید کے مضمون کے ساتھ ساری ممکن چیزوں کے وجود کی کمزوری اور بعث کے مضمون کے ساتھ جزا و سزا کا بیان ہے۔ اس طرح گویا خاتمہ سورت کے مضمونوں کا اختصار و خلاصہ ہے۔ ان آیتوں کی تفسیر میں بعض روایتوں کو بھی دخل ہے۔

پہلی روایت: جب حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ کے لئے چلے تو جھگڑا ہو کر آپ کو مکہ کا اشتیاق ہوا جو کہ آپ کا وطن تھا وہاں وعدہ کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ﴾ الخ جس میں آپ کو مکہ میں دوبارہ جانے کی خبر دی گئی جو فتح مکہ کے دن نہایت خوبی اور کامیابی کے ساتھ پوری ہوئی۔ جیسا کہ الدر المنثور میں کئی روایتیں نقل کی گئی ہیں جن میں بخاری کی روایت بھی ہے۔

دوسری روایت: مکہ کے کافر آپ سے کہا کرتے تھے ﴿إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ﴾ ”بیشک آپ گمراہ ہیں“ اس کا جواب دیا گیا ﴿قُلْ رَبِّيَ أَعْلَمُ﴾ الخ

تیسری روایت: مکہ کے کافر آپ سے کہا کرتے تھے کہ آپ اپنے باپ دادا کا دین اختیار کر لیجئے اس کے جواب میں فرمایا گیا ﴿فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ﴾ یعنی ”آپ کافروں کی تائید نہ کیجئے“ یہ آخر کی دو روایتیں محی السنہ نے محال میں نقل کی ہیں اور اگرچہ سند ذکر نہیں کی ہے، لیکن قرآن کے الفاظ کے مطابق ہونے سے اس روایت کے صحیح ہونے کا گمان ہوتا ہے، اور ایسی باتوں کا کافروں کا کہنا یقینی ہے، چاہے عنوان اور الفاظ کچھ بھی ہوں واللہ اعلم۔

اور اس تحریر کے بعد لباب میں مع سند کے اس قسم کی روایت نظر سے گذری جو سورۃ احزاب کی تفسیر کے شروع میں تلخیص کے طور پر اور اس کے عربی حاشیہ میں مکمل بیان کی گئی ہے اور اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے مگر اس سے تائید میں کوئی نقصان نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور یہاں یہ عبارت مذکورہ تفسیر کی عبارت لکھتے وقت بڑھائی گئی ہے۔

رسالت، توحید اور بعث کے بیان پر خاتمہ:

(اور آپ کے ان مخالفوں نے آپ کو پریشان کر کے جو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا ہے جس سے زبردستی کی جدائی کی وجہ سے آپ کو بہت صدمہ ہے تو آپ تسلی رکھیں) جس اللہ نے آپ پر قرآن (کے احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے (جو مجموعی طور پر آپ کی نبوت کی دلیل ہے) وہ آپ کو (آپ کے) اصلی وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچا دے گا (اور اس وقت آپ آزاد اور غالب اور سلطنت کے مالک ہوں گے اور اگر ایسی حالت میں قیام کے لئے دوسری جگہ تجویز کی جاتی ہے تو مصلحت کے تحت اور اختیار سے ہوتی جس سے رنج نہیں ہوتا، اور مبتدا ﴿الَّذِي﴾ نے فَوْضَہ سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس میں اس پیشین گوئی کے سچ ہونے پر تشبیہ ہے، کیونکہ کلام کا حاصل یہ ہے کہ جس نے آپ کو نبی اور صاحب وحی بنایا ہے اور نبی سے جو وعدہ کیا جاتا ہے وہ وحی کے قطعی ہونے کی وجہ سے یقیناً سچ ہوتا ہے۔ وہ آپ سے یہ وعدہ کرتا ہے، لہذا یقیناً واقع ہوگا اور اس میں ﴿فَوْضَہ عَلَیْكَ الْقُرْآنَ﴾ سے نقل کے طور پر اور پیشین گوئی کے واقع ہونے سے عقلی طور پر آپ کی نبوت کی دلیل ہو گئی اور آپ کی نبوت کی تحقیق ہونے کے باوجود یہ لوگ جو آپ کو غلطی پر اور اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں تو آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون (اللہ کی جانب سے) سچا دین لے کر آیا ہے اور کون کھلی گمراہی میں (بتلا) ہے (یعنی میرے حق ہونے پر اور تمہارے باطل ہونے پر قطعی دلائل موجود ہیں، مگر جب تم ان دلیلوں سے کام نہیں لیتے تو آخر میں جواب یہی ہے کہ خیر اللہ کو معلوم ہے وہ بتا دے گا) اور (آپ کی یہ دولت صرف اللہ کی دی ہوئی ہے، یہاں تک کہ خود) آپ کو (نبی ہونے سے پہلے) یہ امید نہیں تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی۔ مگر صرف آپ کے رب کی مہربانی سے یہ نازل ہوئی تو آپ (ان لوگوں کی خرافات یعنی بے کار باتوں کی طرف توجہ نہ کیجئے اور جس طرح اب تک ان سے الگ تھلک رہے آئندہ بھی اسی طرح) ان کافروں کی بالکل تائید نہ کیجئے اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکے تو ایسا نہ ہونے پائے (جیسا کہ اب تک نہیں ہونے پائا) کہ یہ لوگ آپ کو ان احکام سے روک دیں (اور آپ (اس طرح) اپنے رب (کے دین) کی طرف (لوگوں کو) بلاتے رہئے اور (جس طرح اب تک مشرکوں سے کوئی تعلق نہیں رہا، اسی طرح آئندہ بھی کبھی) ان مشرکوں میں شامل نہ ہوں اور جس طرح اب تک شرک سے معصوم و محفوظ ہیں، اسی طرح آئندہ بھی) اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکارنا (ان آیتوں میں کافروں اور مشرکوں کو ان کی درخواستوں سے ناامید کرنا ہے اور گفتگو کا رخ انہی کی طرف ہے۔ تم جو حضور ﷺ سے دین میں موافق ہونے کی درخواست کرتے ہو، اس میں

کامیابی کا کبھی بھی کوئی احتمال نہیں، مگر عادت ہے کہ جس شخص پر زیادہ غصہ ہوتا ہے، اس سے بات نہیں کیا کرتے اور اپنے محبوب سے باتیں کر کے اسے سنایا کرتے ہیں۔ اور ﴿مَا كُنْتُمْ تَرْجُوْنَ﴾ الخ اس سے کلام شروع کیا تاکہ منع کی ہوئی چیزوں کے منفي ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے کہ جو شخص محض فضل و کرم سے اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی نبوت سے نوازا گیا ہو، بھلا وہ کافروں کی موافقت کیسے کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام پر عمل سے کیسے رکے گا؟ اور جب وہ دوسروں کو حق کی طرف بلاتا ہے تو خود مشرک کیسے بن جائے گا اور ایسے معبود کو چھوڑ کر جو فضل و کرم کرنے والا ہے دوسرے باطل معبود کو کیسے اختیار کر لے گا؟ اور اس توجیہ کی تائید ابن عباسؓ کے اس قول سے ہوتی ہے جو معاملہ میں ہے کہ یہ صرف ظاہر میں آپ کو خطاب ہے، مقصود آپ نہیں ہیں۔

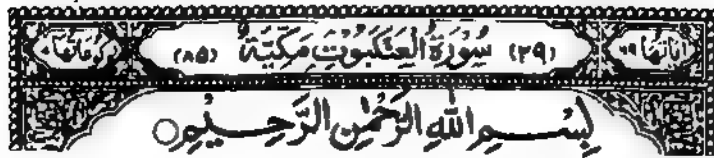
یہاں تک رسالت سے متعلق مضمون قصداً تھا اگرچہ ضمناً توحید کا مضمون بھی آگیا۔ آگے توحید کا مضمون قصداً ہے کہ (اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں (اس لئے کہ) سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں، سوائے اس کی ذات کے) لہذا کسی چیز کا نہ ہونا اس کے قدیم نہ ہونے کی دلیل ہے اور قدیم نہ ہونا واجب نہ ہونے کی دلیل ہے اور عبادت کا مستحق ہونے کے لئے واجب ہونا شرط ہے اور شرط کے فوت ہونے کے لئے مشروط کا فوت ہونا لازم ہے، لہذا اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہ ٹھیرا۔ یہ توحید کا مضمون ہو گیا۔

آگے بعثت یعنی آخرت کا مضمون ہے کہ (اسی کی حکومت ہے) جو پوری طرح قیامت میں ظاہر ہوگی (اور اسی کے پاس تم سب کو جانا ہے) لہذا وہ سب کو ان کے کئے کا بدلہ دے گا، یہ آخرت کا مضمون بھی ختم ہو گیا۔

اور شاید رسالت کا مضمون ذرا زیادہ اس لئے ہوا کہ اس کے ماننے سے باقی دونوں مسئلے آسانی کے ساتھ مان لئے جاتے، اس لئے اس کا زیادہ اہتمام ہوا ہو۔ واللہ اعلم

فائدہ: جن روایتوں میں جہنم اور عرش و کرسی کا فناء ہونا آیا ہے جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ اگر وہ صحیح سند سے ثابت ہو جائیں تو بھی دلیل کے صحیح ہونے اور استدلال کے صحیح ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ ہالک یعنی ہلاک ہونے والا ہالک الذات اور ہالک الصفات یعنی ذات اور صفات کے ہلاک ہونے کے لئے عام ہو جائے گا اور صفات سب کی بدلتی ہیں، خاص طور سے زمانہ کی قید کے ساتھ کہ اس سے پاکیزہ مطلق یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں، لہذا سب ہالک یعنی ہلاک ہونے والے ثابت ہوئے اور چونکہ حوادث کا محل و موقع خود حادث ہوتا ہے، اس لئے سب حادث ہوئے اور حدوث واجب نہ ہونے کی دلیل ہے، لہذا استدلال بھی عام رہا۔

بجملہ اللہ! سورۃ القصص کی تفسیر ۱۲ محرم الحرام سنہ ۱۳۲۵ھ کو پوری ہوئی۔ واللہ الموفق لإتمام الباقي ﴿



شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿الْقَوْمَ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يَتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۖ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۖ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۖ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنْ أَجَلَ اللَّهُ لَاحِقًا لَهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۖ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ﴾

ترجمہ: ﴿الْقَوْمَ﴾ کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جاوے گا اور ہم تو ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔ ہاں کیا جو لوگ برے برے کام کر رہے ہیں، وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے؟ ان کی یہ تجویز نہایت ہی بیہودہ ہے۔ جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو سو اللہ کا وہ معین وقت ضرور ہی آنے والا ہے اور وہ سب کچھ متناسب کچھ جانتا ہے۔ اور جو شخص محنت کرتا ہے، وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے خدا تعالیٰ کو تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں۔ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے اور ان کو ان کے اعمال کا زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔

رابطہ: اس سورت میں زیادہ تر دین پر قائم رہنے میں رکاوٹوں سے متعلق احکام ہیں۔ ایک رکاوٹ کافروں کا مسلمانوں کو عملاً اذیت پہنچانا تھا جس سے سورت شروع کی گئی ہے یا قول کے لحاظ سے جیسے حد سے گزر جانے والے بعض اہل کتاب ایسی باتیں کہتے تھے۔ ﴿يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ﴾ ﴿إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ﴾ یا نبوت کا انکار کرتے تھے جس کے سلسلہ میں آیت چھپا لیس ﴿لَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ الخ میں ارشاد ہوا ہے۔ دوسری رکاوٹ بعض کافروں کا مسلمانوں پر قوی یا زبان سے جبر و زیادتی کرنا تھا جس کا بیان آیت چھپا لیس ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ﴾ میں ہے۔ تیسری رکاوٹ تھی کافروں کا مسلمانوں کو بہکانا۔ جس کا بیان آیت ۱۲ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ الخ میں ہے۔ اور مذکورہ امور میں سے اکثر کا مقصود کافروں کو ان کے دین سے ہٹا دینا تھا اور یہی مضمون گذشتہ سورت کے خاتمہ کی آیت ﴿وَلَا يَصُدُّكَ﴾ الخ میں خاص عنوان سے بیان ہوا تھا۔ اس سے اس سورت کے شروع اور گذشتہ سورت کے

خاتمہ سے ربط بھی ظاہر ہو گیا۔ اور ان رکاوٹوں کے درمیان دوسرے مناسب مضمون بھی آگئے ہیں، پھر تسلی کے لئے بعض گذشتہ امتوں کے قصے بیان ہوئے ہیں، جن میں سے ایک اس امر کے معلوم ہونے سے تسلی ہو سکتی ہے کہ اہل باطل ہمیشہ اہل حق کی مخالفت کرتے رہے ہیں جس کا ذکر مختصر انداز میں آیت ۲ ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ﴾ الخ میں بھی ہوا تھا۔ دوسری تسلی اس سے ہوئی کہ آخر میں اہل باطل ہی ناکام نقصان اٹھانے والے اور ہلاک ہوئے، یہ بھی مختصر انداز میں آیت ۴ ﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ﴾ میں بیان ہوا ہے۔ تیسری تسلی اس سے ہوئی کہ اہل حق کو ان کے صبر و استقلال کا ثمرہ دنیا اور آخرت میں ملتا ہے جس کی آیت ۵۲ ﴿وَأَتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا﴾ الخ میں ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں تصریح ہے۔ اور سورت کے شروع میں آیت ۷۹ میں بھی عام عنوان سے ذکر ہے جو ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے شروع ہوئی ہیں۔ چوتھی رکاوٹ ہجرت سے رزق کی فکر تھی جس کی طرف آیت ۵۶ سے ۶۰ تک یعنی ﴿يُجَادِلُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے ﴿اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِنَّا كُنْ﴾ تک اشارہ ہے اور ان سب آیتوں کے درمیان میں توحید اور نبوت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ جو کافروں کی اس تمام تر مخالفت اور اذیت کا بڑا سبب تھا، آیت ۴۱ ﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا﴾ الخ میں اور آیت ۶۳ ﴿وَكَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ﴾ سے آیت ۶۵ ﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ﴾ تک توحید اور آیت ۴۸ ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا﴾ سے مناظرہ کے طور پر اور آیت ۴۵ ﴿أَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ﴾ سے آیت ۵۲ ﴿يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ﴾ الخ تک نبوت اور ان اصولی مسئلوں کے ساتھ بعض فروعی احکام تھے جو بہت اعظم اور بڑی شان والے تھے۔ آیت ۴۵ ﴿أَتْلُ مَا أُوحِيَ﴾ الخ میں (وہ احکام) ذکر فرمادیئے گئے ہیں جو نبوت پر بھی دلالت کرتے ہیں اور ان اصولوں کے انکار پر بعض آیتوں میں کافروں کو لعنت و ملامت فرمائی گئی ہے اور آخر میں آیت ۶۹ ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا﴾ میں کافروں کی ان دشواریوں، پریشانیوں اور مصیبتوں پر صبر کرنے والوں اور دین پر قائم رہنے والوں کو عظیم خوش خبری دے کر سورت ختم کر دی گئی اور چونکہ اس محنت و شفقت کا شروع کی آیت ۶ ﴿وَمَنْ جَاهَدَ﴾ الخ میں بھی ذکر تھا، اس لئے سورت کے شروع اور آخر میں بھی مناسبت ہو گئی اور اگر شروع میں آیت ۶ میں ﴿فَانْمَا يَجَاهِدُ لِنَفْسِهِ﴾ اور ﴿إِنَّ اللَّهَ لَغَفِيْرٌ﴾ کے اثر میں جو حجت اور آخر میں آیت ۶۹ ﴿لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ اور ﴿لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ کے اثر میں جو انسیت ہے، ان پر نظر کی جائے تو اس ترتیب سے جو ترتیب کا لطف معلوم ہوتا ہے، اس سے ایک وجد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

کافروں کی طرف سے دی جانے والی تکلیفوں پر صبر کرنے پر

مؤمنوں کو ابھارنا اور دونوں فریق کے لئے جزا و سزا کا بیان

﴿الْقَمَرِ﴾ (اس کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں، بعض مسلمان جو کافروں کی اذیتوں سے گھبرا جاتے ہیں تو) کیا ان

لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں (طرح طرح کی معصیتوں سے) آزمایا نہ جائے گا (یعنی ایسا نہیں ہوگا بلکہ اس قسم کے امتحان بھی پیش آئیں گے) اور ہم تو (ایسے ہی واقعات سے) ان لوگوں کو بھی آزمائے چکے ہیں جو ان سے پہلے (مسلمان) گذر چکے ہیں (یعنی دوسری امتوں کے مسلمانوں پر بھی اسی طرح کے معاملے گذرے ہیں) تو (اسی طرح ان کی بھی آزمائش کی جائے گی، اور اس آزمائش میں) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (ظاہری علم سے) جان کر رہے گا جو (ایمان کے دعوے میں) سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا (چنانچہ جو سچائی اور یکے پر عقیدہ کے ساتھ مسلمان ہوتے ہیں، وہ امتحانوں میں ثابت قدم رہتے ہیں، بلکہ اور زیادہ پختہ ہو جاتے ہیں، اور جو وقت کوٹا لے اور گزارنے کے لئے مسلمان ہو جاتے ہیں، وہ ایسے وقت میں اسلام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں یعنی امتحان کی ایک یہی حکمت ہے، کیونکہ خلط ملط ہونے میں بہت سے نقصان ہوتے ہیں۔ خاص طور سے ابتدائی حالت میں۔

یہ مضمون تو مسلمانوں سے متعلق ہوا۔ آگے ان اذیت و تکلیف دینے والے کافروں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ) تو کیا جو لوگ برے کام کر رہے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے۔ ان کی یہ تجویز نہایت ہی بے ہودہ ہے (یہ جملہ معترضہ کے طور پر تھا، جس میں کافروں کا برا انجام سنا کر مسلمانوں کی ایک حد تک تسلی کر دی کہ ان اذیتوں کا ان کافروں اور مشرکوں سے بدلہ لیا جائے گا۔

آگے پھر کلام کا رخ مسلمانوں کی طرف ہے کہ) جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو (اس کو تو ایسی ایسی باتوں اور حادثوں سے پریشان ہونا ہی نہیں چاہئے کیونکہ) اللہ تعالیٰ (کے ملنے) کا وہ معین وقت ضرور ہی آنے والا ہے (جس سے سارے دکھ درد غم دور ہو جائیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اٰذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ﴾) اور وہ سب کچھ سنتا، سب کچھ جانتا ہے) نہ کوئی قول اس سے پوشیدہ، ڈھکا چھپا ہے اور نہ ہی کوئی فعل۔ لہذا آخرت میں ملاقات کے وقت ساری قولی و فعلی طاعتوں کا صلہ دے کر سب غم دور کر دے گا) اور (یاد رکھو کہ ہم جو تمہیں مشقتوں کے برداشت کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں تو اس میں ظاہر ہے کہ ہمارا کوئی فائدہ و نفع نہیں، بلکہ) جو شخص محنت کرتا ہے، وہ اپنے ہی (نفع کے) لئے محنت کرتا ہے (ورنہ) اللہ تعالیٰ کو (تو) تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں (اس میں بھی تکلیفوں اور پریشانیوں پر صبر و تحمل کی ترغیب ہے، کیونکہ اپنے نفع کی خبر ہونے سے وہ فعل زیادہ آسان ہو جاتا ہے) اور (جو نفع طاعت سے ہوتا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں، ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے (جن میں بعض گناہ جیسے کفر و شرک تو ایمان سے دور ہو جاتے ہیں اور بعض گناہ توبہ سے جو کہ نیک اعمال میں داخل ہیں اور بعض گناہ صرف نیک کام کرنے سے اور بعض صرف اللہ کے فضل سے معاف ہو جائیں گے۔ اور کوئی گناہ تھوڑی سزا کے بعد، اور تکفیر (معاف کرنا) سب کے لئے عام ہے) اور انہیں ان کے (ان) اعمال (ایمان اور نیک اعمال) کا (مستحق ہونے سے) زیادہ اچھا بدلہ دیں گے (لہذا اتنی ترغیہوں پر طاعت اور مجاہدہ پر قائم رہنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے)

فائدہ: ﴿النَّاسُ﴾ میں الف لام عہد کا ہے جس کا مصداق خاص خاص مؤمنین ہیں، جو اس وقت مصیبتوں میں مبتلا تھے یا یہ الف لام جنس کا ہے جس کے سچا ہونے کے لئے بعض افراد کا پایا جانا کافی ہے، لہذا دونوں تقدیروں پر یہ شبہ نہ رہا کہ بعض مؤمنوں کو کوئی بھی تکلیف پیش نہیں آئی۔ اور ﴿كَيْعَلَمَنَ﴾ کے ترجمہ میں ظاہری کی قید کی شرح سورۃ بقرہ آیت ۱۲۳ ﴿لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ﴾ الخ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَنبِئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو شریک ٹھیرائے جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں ہے تو تو ان کا کہانہ ماننا تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے سو میں تم کو تمہارے سب کام جتنا دوں گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہو گئے اور نیک عمل کئے ہو گئے ان کو نیک بندوں میں داخل کر دیں گے۔

ربط: کافر لوگ مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کے لئے طرح طرح کی فکر و کوشش میں لگے رہتے تھے، بعض اذیتیں پہنچاتے تھے جن کا اوپر بیان ہوا۔ اور بعض دوسرے طریقوں سے مجبور کرتے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ نے ان سے کہا کہ اللہ کا والدین کی اطاعت کا حکم ہے تو میں قسم کھاتی ہوں کہ جب تک تو اسلام کو نہ چھوڑے گا میں کھانا پینا نہیں چکھوں گی، چاہے میری جان نکل جائے۔ اس پر اگلی آیت نازل ہوئی، جیسا کہ المہاب میں مسلم اور ترمذی سے روایت ہے، جس میں ارشاد ہے کہ ایسی بات میں والدین کی اطاعت نہیں کی جائے گی اور اس کے آخر میں اس سے متعلق ترغیب و ترہیب مختصر انداز میں اور دوسری آیت میں اللہ کی طاعت پر ترغیب صراحت کے ساتھ ارشاد ہے۔

دین کے خلاف کرنے میں والدین کی اطاعت سے روکنا مع ترہیب و ترغیب:

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور (اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ) اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ ایسی چیز کو میرا شریک ٹھیرائے جس (کے معبود ہونے) کی کوئی (صحیح) دلیل تیرے پاس نہیں ہے (اور ہر چیز ایسی ہی ہے بلکہ تمام اشیاء کے معبود نہ ہونے پر دلیل قائم ہیں) تو (اس بارے میں) تو ان کا کہانہ ماننا، تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، تو میں تمہارے سب کام (نیک ہوں یا بد) جتا دوں گا اور (تم میں) جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انھوں نے نیک عمل کئے ہوں گے، ہم انہیں نیک بندوں (کے درجہ یعنی جنت) میں داخل کریں گے (اور اسی طرح) برے اعمال پر ان کے لئے مناسب سزا دیں گے، لہذا اسی بنا پر جس نے والدین کی اطاعت کو

ہماری اطاعت پر مقدم رکھا ہوگا، وہ سزا پائے گا اور جس نے اس کے برعکس کیا ہوگا، وہ نیک جزا پائے گا، حاصل یہ ہوا کہ جس واقعہ کا اوپر ذکر ہوا اس میں ماں کی نافرمانی سے گناہ کا دوسرہ نہ کیا جائے

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةً النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَٰكِن جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۖ أَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب ان کو راہِ خدا میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کو ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے خدا کا عذاب اور اگر کوئی مدد آپ کے رب کی طرف سے آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا۔

رابطہ: اوپر امتحان کے بارے میں خبر دینے کے ساتھ مختصر انداز میں ارشاد ہوا تھا ﴿لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جو جھوٹے تھے اور بعد میں اس کی تفصیل میں سچ بولنے والوں کا ذکر فرمایا تھا۔ اب جھوٹوں کا بیان ہے جو ذرا سی پریشانی سے گھبرا کر دین پر قائم نہیں رہ پاتے، اور خلاصہ کے طور پر اس مختصر انداز کے بیان کو اس کے مضمون کے ختم پر لایا گیا ہے اور یہ مضمون بعض لوگوں کے بارے میں نازل ہوا ہے جو مکہ سے ایمان لا کر ہجرت کر کے چلے آئے تھے، مکہ کے بعض سردار انہیں ہٹالے گئے اور انہیں تکلیفیں پہنچائیں تو وہ دین پر ثابت قدم نہ رہ پائے جیسا کہ الدر میں اسدی کے حوالہ سے ابن ابی حاتم سے روایت ہے اور الطبری نے اسے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

دین میں کمزور لوگوں کو ملامت:

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے، پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کے تکلیف پہنچانے کو اللہ کے عذاب کی طرح (بہت عظیم اور زیادہ) سمجھ لیتے ہیں (کہ جس سے آدمی بالکل ہی مجبور ہو جائے، اسی طرح اس تکلیف سے گھبرا کر دین کو چھوڑ بیٹھتا ہے، اب تو یہ حال ہے) اور اگر (کبھی مسلمانوں کو) کوئی مدد (آپ کے رب کی طرف پہنچ جاتی ہے) جیسے جہاد ہوا اور اس میں ایسے لوگ بھی ہاتھ آجائیں (تو (اس وقت) کہتے ہیں کہ ہم (دین و عقیدہ میں) تمہارے ساتھ تھے (یعنی مسلمان ہی تھے، اگرچہ جبر و زیادتی کی وجہ سے ظاہر میں کافروں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رد فرماتے ہیں کہ) کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں؟ (یعنی ان کے دل ہی میں ایمان نہیں تھا) اور (یہ واقعات اس لئے ہوتے رہتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ

ایمان والوں کو اور منافقوں کو معلوم کر کے رہے گا۔

فائدہ: رد سے یہ مقصود نہیں ہے کہ ان کا اسلام قبول نہیں ہوگا بلکہ ماضی میں اسلام پر قائم رہنے کے دعویٰ میں انہیں جھوٹا قرار دیا گیا ہے اور اس کے باوجود کہ جبر و زیادتی میں زبان سے کفر کا کلمہ کہنے کی اجازت ہے، مگر یہاں اس پر ملامت ہے کہ دل سے کیوں کفر اختیار کیا تھا، جیسا کہ لفظ ﴿صُدُّوْهُمْ﴾ سے معلوم ہے، اور کمزور طبیعت کے لوگ دل ہی سے یہ سوچ کر پھر جاتے ہیں کہ روزِ روز کے جھگڑے کون برداشت کرے، لاؤ انہی میں شامل رہو، اور آیت میں انہیں اسی اعتبار سے منافق فرمایا کہ گذشتہ زمانہ میں واقع میں تو مؤمن نہیں تھے لیکن مؤمن ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ واللہ اعلم اور احقر کے نزدیک اللہ کے عذاب سے تشبیہ دینے کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ عذاب دینے کے وقت جو زبان سے کہے گا وہی دل میں ہوگا، لہذا اشارہ اس طرف ہے کہ لوگوں کے فتنہ کی وجہ سے جو کفر کا کلمہ کہتا ہے، اس میں دل کو بھی بغیر ضرورت کے اس کے مطابق کر لیتا ہے، اور بغیر ضرورت اس لئے کہا کہ دل کی خبر تو جبر و زیادتی کرنے والے کو نہیں ہوتی پھر دل سے کفر اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا هُمْ بِمُعْمِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مَنْ شِئْ مِنْهُمْ لَكِذِبُونَ ۖ وَلَيَصْلَيْنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيَسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَنَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۖ﴾

۱۰۰

ترجمہ: اور کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم ہماری راہ چلو اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لا دے ہونگے اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ گناہ اور، اور یہ لوگ جیسی جیسی جھوٹی باتیں بناتے تھے قیامت میں ان سے باز پرس ضرور ہوگی۔

رابطہ: اوپر کافروں کے مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور ان دوسرے طریقوں کا ذکر تھا جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں کو دین سے ہٹانے کی کوشش کرتے تھے، ان میں سے ایک طریقہ کا بیان اب ہے، وہ یہ کہ قریش کے کافر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ اس دین میں وہ تمام چیزیں جن کے تم عادی ہو، حرام ہیں۔ تم اس دین سے ہٹ جاؤ، اگر قیامت واقع ہوئی تو تمہارے گناہ ہم اپنے ذمہ لے لیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جیسا کہ الدر میں مجاہد اور ابن الحنفیہ سے روایت ہے۔

کافروں کا جھوٹا اور معذب ہونا گناہوں کی ذمہ داری اپنے سر لینے کی شکل میں:

اور کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم (دین میں) ہمارے راستہ پر چلو اور (قیامت میں) تمہارے گناہ (جو کفر اور دوسری نافرمانیوں سے ہوں گے) ہمارے ذمہ ہیں (اور تم ان سے بری ہو) حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے

ذرا بھی (اس طرح کہ وہ بری ہو جائیں) نہیں لے سکتے، یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں، اور (البتہ یہ تو ہوگا کہ) یہ لوگ اپنے گناہ (پورے پورے) اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے، اور اپنے (ان) گناہوں کے ساتھ ہی (کچھ گناہ اور) بھی لادے ہوئے ہوں گے اور یہ دوسرے گناہ وہ ہوں گے جن کے سبب یہ اترتے تھے، مگر اصل گناہ پھر بھی بری نہ ہوں گے۔ غرض دوسروں کا بوجھ تو ہلکا نہ ہوا، البتہ اس بہکانے اور گمراہ کرنے کے نتیجہ میں خود ان پر اور زیادہ بوجھ ہو گیا۔ چاہے بہکانے کا اثر نہ ہو، مگر ان کی طرف سے تو سبب کا عزم پایا گیا) اور یہ لوگ جیسی جھوٹی جھوٹی باتیں بناتے تھے (اس بارے میں) قیامت میں ان سے پوچھا جائے گا (اور پھر سزا) ضرور ہوگی۔

فائدہ: ﴿وَمَا هُمْ بِمُحْمِلِينَ﴾ اور ﴿لَيَحْمِلُنَّ﴾ کے ترجمہ کی وضاحت سے ٹکراؤ کا دوسوہ دور ہو گیا۔

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ۝ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے، پھر اُن کو طوفان نے آدبایا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے۔ پھر ہم نے اُن کو اور کشتی والوں کو بچالیا اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کے لئے موجب عبرت بنایا۔

رابطہ: اوپر کفار کی ایذاؤں اور مخالفتوں کا بیان تھا جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا تھا، اب تسلی کے لئے گزشتہ امتوں کے بعض واقعات ذکر فرماتے ہیں، اور یہ واقعات کس طرح تسلی ہیں اس کا تذکرہ سورت کی تمہید میں کیا گیا ہے۔

پہلا واقعہ: نوح علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا تو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے (اور قوم کو سمجھاتے رہے) پھر (جب اس پر بھی وہ لوگ ایمان نہ لائے تو) انہیں طوفان نے آدبایا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے (کہ اتنی لمبی مدت تک سمجھانے پر بھی متاثر نہ ہوئے) پھر (اس طوفان کے آنے کے بعد) ہم نے انہیں اور کشتی والوں کو (جوان کے ساتھ سوار تھے، اس طوفان سے) بچالیا اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کے لئے (جن کو قطعی و یقینی طور پر خبر پہنچی) عبرت کا سامان بنا دیا (کہ غور کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ حق کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے)

فائدہ: روح المعانی میں ابن ابی شیبہ و عبد بن حمید و ابن المذہب و ابن ابی حاتم و ابن مردودہ و حاکم کی روایت سے حاکم کے صحیح قرار دینے کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی۔ اور انھوں نے ساڑھے نو سو برس نصیحت فرمائی، پھر طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے، اس حساب سے ان کی عمر ایک ہزار

پچاس سال ہوئی۔ واللہ اعلم

﴿وَابْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ أَفْكَارًا ۝ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ وَإِنْ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَّبْتُمْ عَنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور اگر تم لوگ مجھ کو جھوٹا سمجھو تو تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں جھوٹا سمجھ چکی ہیں۔ اور پیغمبر کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

دوسرا قصہ ابراہیم علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:

اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو (رسول بنا کر) بھیجا، جب انھوں نے اپنی قوم سے (جو کہ بت پرست تھے) فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو (اور ڈر کر شرک چھوڑ دو) یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو (برخلاف شرک کے طریقہ کے کہ وہ محض بدتر ہے، کیونکہ) تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر صرف بتوں کو (جو بالکل عاجز و مجبور اور ناکارہ ہیں) پوج رہے ہو وہ تمہیں کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے تو تم لوگ رزق اللہ کے پاس سے تلاش کرو (یعنی اسی سے مانگو کہ رزق کا مالک وہی ہے) اور (جب رزق کا مالک وہی ہے تو) اسی کی عبادت کرو اور (چونکہ پچھلا رزق بھی اسی کا دیا ہوا ہے تو) اس کا شکر کرو (ایک تو عبادت کے واجب ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ نفع کا مالک ہے) اور (دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ نقصان کا بھی مالک ہے۔ چنانچہ) تم سب کو اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے (اس وقت وہ تمہیں کفر پر سزا دے گا) اور اگر تم لوگ (عبادت اور شکر کے واجب ہونے میں اور بعثت کی خبر دینے میں) مجھے جھوٹا سمجھو تو (یاد رکھو کہ میرا کوئی نقصان نہیں، چنانچہ) تم میں سے پہلے بھی بہت سی ایسی امتیں (اپنے رسولوں کو) جھوٹا سمجھ چکی ہیں (مگر ان لوگوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کے ذمہ تو صرف (بات کا) صاف طور پر پہنچا دینا ہے (منوانا اس کا کام نہیں، چنانچہ سارے نبی تبلیغ یعنی بات پہنچا دینے کے بعد اپنی ذمہ داری سے بری ہو گئے، اسی طرح میں بھی بری ہوں، لہذا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا، البتہ ماننا تمہارے ذمہ واجب تھا، اس کو چھوڑ دینے سے تمہارا نقصان ضرور ہوا)

فائدہ: یہاں تک ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کا بیان ہوا۔ آگے کئی آیتوں کے بعد قوم کا مقولہ اور ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ﴾

قَوْمٍ ﴿۱﴾ سے باقی قصہ اور دعوت کا مضمون آئے گا اور درمیان میں ﴿۲﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا ﴿۱﴾ سے ﴿۳﴾ عَذَابُ الْيَمِّ ﴿۱﴾ تک جملہ معترضہ کے طور پر بحث و جزا سے متعلق جس کا ذکر اوپر ﴿۱﴾ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱﴾ میں بھی تھا، گفتگو کا رخ عرب کے کافروں کی طرف اس مناسبت سے ہے کہ یہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخالفت کرنے میں ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے مشابہ تھے، اس لئے انہیں خبردار کر دیا گیا کہ دیکھو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعوت تھی، جس میں ﴿۱﴾ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱﴾ بھی شامل ہے، جو بحث پر دلالت کرتا ہے اور اگر اب بھی اس میں شبہ ہو تو اگلا مضمون سن لیں۔

﴿۱﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ مَرَاتٍ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۱﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱﴾ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ ۚ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿۱﴾ وَمَا أَنتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِن رَّحْمَتِي ۖ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱﴾

ترجمہ: کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان بات ہے۔ آپ کہئے کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو کس طور پر اول بار پیدا کیا ہے پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا رحمت فرماوے گا اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ اور تم نہ زمین میں ہر اسکتے ہو اور نہ آسمان میں اور خدا کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار اور جو لوگ خدا تعالیٰ کی آیتوں کے اور اس کے سامنے جانے کے منکر ہیں وہ لوگ میری رحمت سے نا اُمید ہو گئے اور یہی ہیں جن کو عذاب دردناک ہوگا۔

رابطہ: اوپر والی آیتوں کے فائدہ کے ذیل میں بیان ہو چکا۔

بحث اور جزا و سزا کا بیان:

کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے (کہ جو چیز پہلے کہیں موجود نہیں ہوتی اس کو جو دہ میں لاتا ہے) پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان بات ہے (بلکہ دیکھا جائے تو دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے کے مقابلہ میں بہت زیادہ آسان ہے اگرچہ ذاتی قدرت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں اور یہ لوگ پہلے امر کا تو اعتراف کرتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿۱﴾ وَلَٰكِن بَسَّالَتْهُمْ مِّنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ ﴿۱﴾ الخ اور دوسرا معاملہ اسی کی طرح ہے لہذا اس کی قدرت ہونا بھی اس دلیل سے معلوم ہو گیا اس لئے ﴿۱﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا ﴿۱﴾ اس سے بھی

متعلق ہو سکتا ہے اور زیادہ اہتمام کے لئے اب پھر یہی مضمون عنوان کے تھوڑے فرق کے ساتھ سنانے کے لئے حضور ﷺ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ (آپ (ان لوگوں سے) کہئے کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) پہلے عنوان ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ میں پہلی بار پیدا کرنے سے عقلی علم سے دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے جیسا کہ اس پر ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ دلالت کرتا ہے اور دوسرے عنوان ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَانظُرُوا﴾ میں پہلی بار پیدا کرنے کے حسی علم سے دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال ہے جیسا کہ ﴿فَانظُرُوا﴾ اس پر دلالت کرتا ہے جس میں پہلے کے مقابلہ میں ترقی ہے کہ جس سے استدلال کیا جا رہا ہے وہ صرف عقلی امر نہیں بلکہ حسی امر ہے۔ یہ تو بحث کا اثبات تھا۔

آگے جزا کا بیان ہے کہ بعث کے بعد (جس کو چاہے گا عذاب دے گا) (یعنی جو اس کا مستحق ہوگا) اور جس پر چاہے گا رحمت فرمائے گا (یعنی جو اس کا اہل ہوگا) اور (اس عذاب دینے اور رحمت میں کسی اور کا دخل نہ ہوگا، کیونکہ) تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (نہ کہ کسی اور کے پاس) اور (اس کے عذاب دینے سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے، چنانچہ) تم نہ زمین میں چھپ کر اللہ کو ہر اسکتے ہو (کہ اس کے ہاتھ نہ آئے) اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی سرپرست ہے اور نہ کوئی مددگار (چنانچہ نہ اپنی تدبیر سے بچ سکتے ہو اور نہ ہی دوسرے کی حمایت سے) اور (ہم نے جو ادھر کہا تھا ﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ﴾ اب ایک کلی قاعدہ سے اس کا مصداق بتاتے ہیں کہ) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے اور (خاص طور سے) اس کے سامنے جانے کے منکر ہیں وہ میری رحمت سے ناامید ہوں گے (یعنی وہ اس وقت دیکھ لیں گے کہ ہم امید کے مستحق نہیں ہیں) اور یہی ہیں جنہیں دردناک عذاب ہوگا۔

فائدہ: ﴿اَلَيْسَ تَرْجِعُوْنَ﴾ سے مقصود اگر اللہ تعالیٰ کا نقصان کا مالک ہونا کہا جائے اور ﴿اَلَيْسَ ثَقُلُ بَوْنٌ﴾ سے دوسرے کا مالک نہ ہونا لیا جائے تو مضمون کی تکرار نہ رہے گی۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ تاکید مقصود ہے، اور عنوان کا مختلف ہونا تو ظاہر ہے اور چونکہ فکر کو روشن کرنے کے لئے ایک چیز کا مشاہدہ کافی ہے اور نظر کو روشن کرنے کے لئے بہت ساری چیزوں کے مشاہدہ کی ضرورت ہے، اس لئے ﴿فَانظُرُوا﴾ کے ساتھ ﴿سِيرُوا فِي الْاَرْضِ﴾ آیا ہے اور چونکہ نظر کے اس امر سے زیادہ اہتمام مقصود ہے، اس لئے قل کی تصریح بھی فرمائی۔ اور اس میں بھی کوئی تعجب نہیں کہ متصل عنوان ”آخری بار بھی پیدا فرمائے گا“ اس لئے اختیار فرمایا ہو کہ ﴿يُبْدِئُ﴾ کی تفسیر اور وضاحت ہو جائے، جو اہتمام کا تقاضہ ہے اور عقل سے مستقبل کا علم بھی ہوتا ہے اور نظر سے صرف اس کا علم ہوتا ہے جو پہلے بن کر اب تک موجود ہے۔ اس لئے ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ کے ساتھ ﴿يُبْدِئُ﴾ مضارع اور ﴿فَانظُرُوا﴾ کے ساتھ ﴿بَدَا﴾ ماضی نہایت مناسب ہوا۔ اور یہ سب کچھ اللہ کے فضل سے ذہن میں آیا۔

﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ نُصِيرِينَ ۝ فَأَمَّنَ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَاتَّبَعْتَهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝﴾

ترجمہ: سوان کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ کہنے لگے کہ ان کو یا تو قتل کر ڈالو یا ان کو جلا دو، سو اللہ نے ان کو اُس آگ سے بچالیا، بے شک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں اور ابراہیم نے فرمایا کہ تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے پس یہ تمہارے باہمی دنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے پھر قیامت میں تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہو جاوے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔ سو صرف لوط نے ان کی تصدیق فرمائی اور ابراہیم نے فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ترک وطن کر کے چلا جاؤنگا بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عنایت فرمایا اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا اور ہم نے اُن کا صلہ اُن کو دنیا میں بھی دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک بندوں میں ہو گئے۔

رابطہ: ﴿وَإِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ﴾ الخ کے فائدہ کے ذیل میں ملاحظہ کر لیا جائے۔

ابراہیم علیہ السلام کا باقی قصہ:

تو (ابراہیم علیہ السلام کی دل پرائز کرنے والی اس تقریر کے بعد) ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہ تھا کہ (وہ آپس میں) کہنے لگے کہ ان کو یا تو قتل کر ڈالو یا ان کو جلا دو (چنانچہ جلانے کا سامان کیا) تو اللہ نے ان کو اُس آگ سے بچالیا (جس کا قصہ سورہ انبیاء میں گزر چکا ہے) بے شک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں، کئی نشانیاں ہیں (یعنی اس واقعہ سے کئی امور پر دلالت ہوتی ہے: (۱) اللہ کا قادر ہونا (۲) ابراہیم علیہ السلام کا نبی ہونا (۳) کفر و شرک کا باطل ہونا۔ اس طرح ایک دلیل کئی امور کے اعتبار سے اعتبار کے مختلف ہونے سے کئی دلیلوں کی جگہ ہو گئی) اور ابراہیم (علیہ السلام) نے (وعظ و نصیحت میں یہ بھی) فرمایا (چاہے آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بعد یا اس سے پہلے بھی) کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو (معبود) تجویز کر رکھا ہے تو یہ تمہارے دنیاوی آپسی تعلقات کی وجہ سے ہے (چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اکثر آدمی اپنے علاقہ اور دوستی اور رشتہ داروں کے طریقہ، رسم و رواج پر یا تو اس وجہ سے چلتا ہے کہ وہ حق کے سلسلہ میں غور ہی نہیں کرتا اور یا سمجھ کر بھی ڈرتا ہے کہ اگر اس طریقہ اور رسم و رواج کو چھوڑے گا تو یہ سب چھوٹ جائیں گے) پھر

قیامت میں (تمہارا یہ حال ہوگا کہ) تم ایک دوسرے کے مخالف ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے (جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہے ﴿لَعَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ اور سورۃ سبا میں ﴿يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ لَیْ بَعْضٍ الْقَوْلُ﴾ اور سورۃ بقرہ میں ہے ﴿اِذْ تَبَرَّأَ الَّذِیْنَ اٰتٰیْعُوا﴾ الخ) اور (اگر تم اس بت پرستی سے باز نہ آئے تو) تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا تو (اتنے وعظ و نصیحت پر بھی ان کی قوم نے نہ مانا) صرف لوط (علیہ السلام) نے ان کی تصدیق فرمائی۔ اور (ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا کہ میں (تم لوگوں کے درمیان نہیں رہتا، بلکہ) وطن چھوڑ کر اپنے پروردگار کی بتائی ہوئی جگہ کی (طرف چلا جاؤں گا، بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے) وہ میری حفاظت کرے گا اور مجھے اس کا صلہ دے گا) اور ہم نے (ہجرت کے بعد) انہیں اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت فرمائے اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب (کے سلسلہ) کو قائم رکھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی اونچے درجہ کے (نیک بندوں میں ہوں گے) اس صلہ سے مراد قرب اور قبولیت ہے جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے ﴿لَقَدْ اِصْطَفٰیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا﴾ الخ

﴿وَلَوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اِنِّکُمْ لَتَآئِبُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقْکُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَیْنِکُمْ لَتَآئِبُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِیْلَ ۝ وَتَآئِبُونَ فِی نَادِیْکُمُ الْمُنْکَرِ ۚ فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَسْتِیْنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اَنْصُرْنِیْ عَلٰی الْقَوْمِ الْمَفْسِدِیْنَ ۝ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهٖمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا اِنَّا مُهْلِکُوْا اَهْلَ هٰذِہِ الْقَرْیَۃِ ۚ اِنَّ اَهْلَہَا کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ۝ قَالَ اِنْ فِیْہَا لَوْطًا ۙ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْہَا ۙ لَنَنْجِیْکَ وَاَهْلَکَ ۙ اِلَّا اَمْرًا تَہ ۚ کَانَ مِنَ الْغٰیْبِیْنَ ۝ وَلَمَّا اَنَّ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِیْءَ مَّرِیْہُمْ وَضَاقْ بِہُمْ ذَرْعًا ۙ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۙ اِنَّا مُنْجُوْکَ ۙ وَاهْلَکَ اِلَّا اَمْرًا تَہ ۚ کَانَ مِنَ الْغٰیْبِیْنَ ۝ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰی اَهْلِ هٰذِہِ الْقَرْیَۃِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ ۙ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۝ وَلَقَدْ تَرٰکُنَا مِنْہَا اٰیۃً ۙ بَیِّنَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے لوط کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں سے فعل کرتے ہو اور تم ڈاکہ ڈالتے ہو اور اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو، سو ان کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ لوط نے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھ کو ان مفسد لوگوں پر غالب کر دے۔ اور ہمارے پیچھے ہوئے فرشتے جب ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو ان فرشتوں نے کہا کہ ہم اس ہستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں۔ ابراہیم

نے فرمایا کہ وہاں تو لوط ہیں، فرشتوں نے کہا کہ جو جو وہاں ہیں ہم کو سب معلوم ہیں ہم اُن کو اور اُن کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز ان کی بی بی کے وہ عذاب میں رہ جانے والوں سے ہوگی۔ اور جب ہمارے وہ فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو لوط ان کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے سبب متکدل ہوئے اور فرشتے کہنے لگے کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز آپ کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی۔ ہم اس بستی کے باشندوں پر ایک آسمانی عذاب اُن کی بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہر نشان رہنے دیئے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

تیسرا قصہ: لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا:

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو رسول بنا کر بھیجا، جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا، کیا تم مردوں سے فعل کرتے ہو (وہ بے حیائی کا کام یہی ہے) اور (اس کے علاوہ دوسری نامعقول حرکتیں بھی کرتے ہو، جیسے یہ کہ) تم ڈاکہ ڈالتے ہو (جیسا کہ الدر میں ابن زید سے روایت ہے) اور (غضب یہ ہے کہ) اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو (اور (المعصیت و نافرمانی کا اعلان و اظہار یہ خود ایک معصیت اور عقلی برائی ہے) تو ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہ تھا کہ ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ، اگر تم (اس بات میں) سچے ہو (کہ یہ افعال عذاب کا سبب ہیں) لوط (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے ان مفسد لوگوں پر غالب (اور انہیں عذاب سے ہلاک) کر دے اور (ان کی دعا قبول ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبر دینے کے لئے فرشتے مقرر فرمائے اور ان فرشتوں کو دوسرا کام یہ بتایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوش خبری دیں۔ چنانچہ) ہمارے (وہ) بھیجے ہوئے فرشتے جب ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس (ان کے فرزند اسحاق کے پیدا ہونے کی خوش خبری لے کر آئے تو) گفتگو کے دوران جس کا تفصیلی بیان دوسرے موقع پر ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ﴾ ہے) ان فرشتوں نے (ابراہیم علیہ السلام سے) کہا کہ ہم اس بستی والوں کو (جس میں لوط علیہ السلام کی قوم آباد ہے) ہلاک کرنے والے ہیں (کیونکہ) وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ وہاں تو لوط (علیہ السلام) بھی موجود ہیں (وہاں عذاب نہ بھیجا جائے کہ انہیں تکلیف ہوگی) فرشتوں نے کہا کہ ہمیں سب معلوم ہے کہ وہاں کون کون ہے، ہم انہیں اور ان کے خاص متعلقین کو (یعنی ان کے خاندان والوں کو) اور جو دوسرے مؤمن ہیں، اس عذاب سے) بچالیں گے (اس طرح کہ عذاب کے نازل ہونے سے پہلے انہیں بستی سے باہر نکال لے جائیں گے) سوائے ان کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی (جس کا ذکر سورۃ ہود

(۱) اس سے وہی اتیان رجال مراد ہے کہ سرعام کرتے تھے۔

اور سورۃ حجر میں گذر چکا۔ یہ گفتگو تو ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی (اور) پھر وہاں سے فارغ ہو کر (جب ہمارے وہ بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو لوط (علیہ السلام) ان (کے آنے) کی وجہ سے (اس لئے) سخت پریشان ہوئے (کہ وہ بہت حسین جوانوں کی شکل میں آئے تھے اور لوط علیہ السلام نے انہیں آدمی سمجھا اور اپنی قوم کی نا معقول حرکت کا خیال آیا) ان (کے آنے کے سبب ان) کا دل تنگ ہوا اور (فرشتوں نے یہ حال دیکھا تو وہ) فرشتے کہنے لگے کہ آپ (کسی بات کا) اندیشہ نہ کریں اور نہ رنج کریں (ہم آدمی نہیں ہیں، عذاب کے فرشتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ﴾ اور اس عذاب سے) ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے، سوائے آپ کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہنے والوں میں ہوگی (اور آپ کو متعلقین سمیت اس سے بچا کر) ہم اس بستی کے (باقی) باشندوں پر ایک آسمانی عذاب (یعنی غیر طبعی اور غیر زمینی اسباب سے) ان کی بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں (چنانچہ وہ بستی الٹ دی گئی اور غیبی قسم کے پتھر برسائے گئے) اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہری نشان (اب تک) چھوڑ رکھے ہیں، ان لوگوں (کی عبرت) کے لئے جو عقل رکھتے ہیں (چنانچہ مکہ والے لوگ شام کے سفر میں ان ویران مقامات کو دیکھتے تھے اور جو عقل والے تھے، وہ اس سے عبرت بھی حاصل کرتے اور ان کو دیکھ کر فائدہ اٹھاتے تھے کہ ڈر کر ایمان لے آتے تھے۔ فائدہ: سورۃ اعراف، سورۃ ہود اور سورۃ حجر میں یہ قصہ گذر چکا ہے، اس سے متعلق ضروری فائدے وہاں لکھے گئے ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ مُّجْتَمِعِينَ فِي جَنَّاتٍ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ لَّهُمْ أَفْئُونُ ۚ﴾

ترجمہ: اور ہم نے مَدین والوں کے پاس ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، سوائے انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور روز قیامت سے ڈرو اور سرزمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ سوائے لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا پس زلزلہ نے ان کو آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے۔

چوتھا قصہ: شعیب علیہ السلام کا:

اور ہم نے مَدین والوں کے پاس ان (کی برادری) کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو نبی بنا کر بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو (اور شرک چھوڑ دو) اور قیامت کے دن سے ڈرو (اور بعث کا انکار چھوڑ دو) اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ (یعنی اللہ کے اور بندوں کے حقوق کو ضائع مت کرو، جیسا کہ وہ کفر اور شرک کے ساتھ کم ناپنے تو لے کے بھی عادی تھے اور عدل و انصاف قائم کرنے کو چھوڑنے کا فساد ہونا ظاہر ہے) تو ان لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا چنانچہ زلزلہ نے آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے۔

فائدہ: یہ قصہ سورۃ اعراف اور سورۃ ہود میں ضروری فوائد سمیت گذر چکا ہے۔

﴿وَعَادًا وَثَمُودًا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنْ مَسْكَنِهِمْ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ
فَصَدَّاهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ۝ وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَدْ
جَاءَهُمْ مُوسَى بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ۝ فَكَلَّا أَخَذْنَا
بِذُنُوبِهِمْ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الطَّيْفَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا
بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَفْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ
يُظْلِمُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کیا اور یہ ہلاک ہونا تم کو ان کے رہنے کے مقامات سے نظر آ رہا ہے اور
شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں مستحسن کر رکھا تھا اور ان کو راہ سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ ہوشیار تھے۔ اور ہم نے
قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کیا اور ان کے پاس موسیٰ کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے، پھر ان لوگوں نے زمین میں
سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا سو ان میں بعضوں پر ہم نے عذاب ہوا بھیجی اور ان
میں بعضوں کو ہولناک آواز نے آدبا یا اور ان میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں بعض کو ہم نے ڈبو دیا اور اللہ
ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن یہی لوگ اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔

پانچواں، چھٹا، ساتواں، آٹھواں اور نوواں قصہ: عاد، ثمود، قارون، فرعون اور ہامان کا (بالاختصار)
اور ہم نے عاد و ثمود کو بھی (ان کے عناد اور مخالفت کی وجہ سے) ہلاک کیا اور یہ ہلاک ہونا تمہیں ان کے رہنے کے
مقامات سے نظر آ رہا ہے (کہ ان کی دیرانی و بربادی کے آثار ان سے ظاہر ہیں۔ اور یہ مقامات شام کو جاتے ہوئے ملتے
تھے) اور (ان کی یہ حالت تھی کہ) شیطان نے ان کے (برے) اعمال کو ان کی نظر میں اچھا بنا کر رکھا تھا، اور اس (ذریعہ
سے) انہیں (حق کے) راستہ سے روک رکھا تھا اور (ویسے) وہ لوگ ہوشیار تھے (مجنون و دیوانے نہیں تھے، مگر انہوں نے
اس معاملہ میں اپنی عقل سے کام نہ لیا) اور ہم نے قارون، فرعون اور ہامان کو بھی (ان کے کفر کے سبب) ہلاک کیا اور ان
(تینوں) کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کھلی (حق کی) دلیلیں لے کر آئے تھے، پھر ان لوگوں نے زمین میں اپنی بڑائی کا زعم
کیا، اور (ہمارے عذاب سے) بھاگ نہ سکے تو ہم نے (ان پانچوں میں سے) ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا تو
ان میں سے بعض پر تو ہم نے سخت ہوا بھیجی (اس سے قوم عاد مراد ہے) اور ان میں سے بعض کو ہولناک آواز نے آدبا یا
(اس سے ثمود مراد ہے جیسا کہ سورۃ ہود میں ارشاد ہے: ﴿وَ أَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ﴾) اور ان میں سے بعض کو
زمین میں دھنسا دیا (اس سے قارون مراد ہے) اور ان میں سے بعض کو ہم نے (پانی میں) ڈبو دیا (اس سے فرعون و ہامان
مراد ہیں) اور (ان لوگوں پر جو عذاب نازل ہوئے تو) اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا (کہ بغیر وجہ کے سزا دیتا، جو ظاہر میں شبہ

کے مشابہ ہے اگرچہ واقع میں اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کی وجہ سے یہ بھی ظلم نہ ہوتا) لیکن یہی لوگ (شرارتیں کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے (کہ خود کو عذاب کا مستحق بنایا اور تباہ و برباد ہوئے تو خود اپنا نقصان کیا) فائدہ: عاد و ثمود کا قصہ سورۃ اعراف اور ہود میں گزر چکا ہے۔ اور باقی تین کا سورۃ قصص میں۔

﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ إِذَا تَخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَكُلِّ كَاثِرٍ يَغْكُمُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۚ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِمُؤْمِنِينَ ۚ﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں ان لوگوں کی مکڑی کی سی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہوتا ہے اگر وہ جانتے تو ایسا نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جس کو وہ لوگ خدا کے سوا پوج رہے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی لوگ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے اور ایمان والوں کے لئے اس میں بڑی دلیل ہے۔

رابطہ: سورت کے شروع سے کافروں کے مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے مضمون کا سلسلہ یہاں تک چلا آیا ہے۔ اب توحید اور نبوت کی تحقیق ہے جو ایذا و تکلیف پہنچانے کی بنیاد تھی اور اس سے اس تکلیف پہنچانے کا ناحق ہونا بھی واضح ہو جائے گا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَمَا تَقْنَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ﴾ الخ

شرک کا بودا پن اور توحید کا اثبات:

جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کام بنانے والے تجویز کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں کمزور مکڑی کا گھر ہوتا ہے (تو جس طرح اس مکڑی نے اپنے زعم میں ایک پناہ گاہ بنائی ہے مگر واقع میں وہ پناہ گاہ انتہائی کمزور ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہے، اسی طرح یہ مشرک اپنے باطل معبودوں کو اپنے زعم میں اپنی پناہ گاہ سمجھتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ پناہ گاہ بالکل نہ ہونے کے برابر ہے) اگر وہ (حقیقت کو) جانتے تو ایسا نہ کرتے (یعنی شرک نہ کرتے، لیکن وہ نہیں جانتے تو کیا ہوا؟) اللہ تعالیٰ (تو) ان سب چیزوں (کی حقیقت اور کمزوری) کو جانتے ہیں جن کو وہ لوگ اللہ کے سوا پوج رہے ہیں (لہذا وہ چیزیں تو نہایت کمزور ہیں) اور وہ (یعنی خود اللہ تعالیٰ) زبردست حکمت والا ہے (جس کا حاصل علمی و عملی قوت میں کامل ہونا ہے) اور (چونکہ ہم ان چیزوں کی حقیقت کو جانتے ہیں، اس لئے) ہم ان (قرآن کی مثالیں) جن میں سے ایک مثال اس مقام پر بیان کی گئی ہے (لوگوں کے) سمجھانے کے

لئے بیان کرتے ہیں اور (ان مثالوں سے چاہئے تھا کہ ان لوگوں کا علم نہ ہونا جو ﴿كُذِّبُوا﴾ سے معلوم ہوتا ہے، علم سے بدل جاتا مگر) ان مثالوں کو بس علم والے لوگ ہی سمجھتے ہیں (چاہے اس وقت علم رکھتے ہوں یا بعد میں علم حاصل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں یعنی علم اور حق کے طالب ہوں اور یہ لوگ طالب بھی نہیں، اس لئے جہالت میں مبتلا رہتے ہیں، لیکن ان کی جہالت کے باوجود حق ہی حق رہے گا جس کو اللہ جانتا ہے اور اپنے بیان کے ذریعہ ظاہر فرماتا ہے لہذا اللہ کے سوا کسی بھی دوسرے کا عبادت کا مستحق نہ ہونا تو ثابت ہوا آگے اللہ تعالیٰ کے عبادت کے مستحق ہونے کی دلیل ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے (چنانچہ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں) ایمان والوں کے لئے اس میں (اس کے عبادت کے مستحق ہونے کی) بڑی دلیل ہے۔

﴿ اٰتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۱۰۵ ﴾

ترجمہ: جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے، بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔
 ربط: اوپر توحید کا ذکر تھا جس کے ربط کی وجہ اس سے پہلے تمہید میں بیان ہو چکی ہے۔ اب نبوت کا ذکر ہے، اس ترتیب سے کہ پہلے ﴿ اٰتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ ﴾ سے حضور ﷺ کو قوی تبلیغ اور ﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ﴾ سے فعلی تبلیغ کا حکم دیا گیا اور اس کے بعد اعمال کی فضیلت اور علم الہی کے بیان سے شریعتوں کی ترغیب و ترہیب ہے، جس کا متعین مقصود تبلیغ ہے اور ﴿ لَا تُجَادِلُوْا ﴾ الخ سے ﴿ قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ ﴾ تک رسالت کا انکار کرنے والوں سے خطاب ہے پہلے اہل کتاب سے پھر غیر اہل کتاب سے اور آگے ﴿ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ ﴾ الخ سے بعض رسالت کا انکار کرنے والوں کے ایک شبہ کا جواب ہے۔

رسالت سے متعلق کلام:

(اے محمد ﷺ! چونکہ آپ رسول ہیں اس لئے) جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے، آپ (تبلیغ کے واسطے لوگوں کے سامنے) اس کو پڑھا کیجئے (اور قوی طور پر شریعت کے نفاذ کی کوشش کے ساتھ فعلی طور پر شریعت کے نفاذ کی کوشش بھی کیجئے کہ انہیں دین کے کام کر کے دکھائیے۔ خاص طور پر) نماز کی (جو کہ سب سے اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے) پابندی رکھئے (تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کی اتباع کریں، اور اس اتباع کے لئے اس کی فضیلت سنائی جاتی ہے کہ) بے شک نماز (اپنی شکل و صورت کے اعتبار سے) بے حیائی اور غیر مناسب کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے (یعنی اپنے حال کی زبان سے کہتی ہے کہ جس معبود کی تم اتنی تعظیم کرتے ہو فحش و منکر کاموں کا مرتکب ہو کر اس کی بے تعظیمی کرنا نہایت نامناسب

ہے) اور (اسی طرح نماز کے سوا جتنے بھی نیک اعمال ہیں، سب پابندی کے قابل ہیں کیونکہ وہ سب قول کے اعتبار سے یا فعل کے اعتبار سے اللہ کی یاد ہیں، اور) اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے (یعنی اس میں بڑی فضیلت ہے، اس لئے پابندی کے قابل ہے) اور (ترغیب کے یعنی شوق و رغبت کے ساتھ ترہیب یعنی ڈرانے کا مضمون بھی عام عنوان سے سن لو کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے (اور جیسا کام کرو گے ویسا بدلہ ملے گا۔ بھلائی کا بھلا اور برائی کا برا)

فائدہ: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى﴾ کی جو وضاحت ترجمہ میں کی گئی ہے، اس سے مشہور شبہ جاتا رہا کہ اکثر لوگ نماز کے پابند ہونے کے باوجود برے کام بھی کرتے ہیں۔ شبہ کا منشاء یہ ہے کہ نبی کے لئے انتہا یعنی روکنے کو لازم سمجھ لیا گیا۔ مذکورہ وضاحت کی بنیاد یہ ہے کہ روک دینا نبی کے لئے لازم نہیں، چنانچہ یہ نبی ایسی ہے جیسے حدیث میں قرآن مجید کی آیت ﴿جَاءَكُمْ التَّنْذِيرُ﴾ کی تفسیر شیب یعنی بڑھاپے کے ساتھ آئی ہے جس سے بڑھاپے کا روکنے والا ہونا معلوم ہوا مگر بعض بوڑھے بھی نہیں ڈرتے، البتہ اگر حال کی زبان سے اس روکنے پر بار بار نظر پڑتی رہے تو اکثر اس کی وجہ سے معصیوں سے رک جاتے ہیں۔ اور اس حدیث کے یہی معنی ہیں جو روح العالی میں احمد، ابن حبان اور بیہقی کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے کسی شخص کا حال بیان کیا گیا کہ وہ رات کو نماز پڑھتا رہتا ہے اور صبح ہوتے ہی چوری کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: مَسِينَهَا مَا يَقُولُ: یعنی وہ جو کہہ رہے ہیں وہ اس کو چوری سے روک دے گا، تو آپ کو وحی کے ذریعہ خاص اس شخص کا حال معلوم ہو گیا ہو گا کہ خالی نبی ہی اس کے لئے مؤثر ہو جائے گی۔ اس سے عموم لازم نہیں آتا جس کی وجہ سے اشکال واقع ہو۔

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْنَا وَالْهِنَا وَالْهِنَا وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَوَعْدُ اللَّهِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ مت کرو، ہاں! جو ان میں زیادتی کریں، اور یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں اور ہمارا تمہارا معبود ایک ہے اور ہم تو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں، اور ان لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ اُس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں سے بجز کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا۔

رابطہ: ابھی اوپر بیان ہوا ہے۔

رسالت کے سلسلہ کا باقی کلام:

اور (جب رسول ﷺ کی رسالت ثابت ہے تو اے مسلمانو! رسالت کا انکار کرنے والوں میں سے جو اہل کتاب ہیں، ہم تمہیں ان سے گفتگو کا طریقہ بتاتے ہیں اور یہ تخصیص اس لئے ہے کہ اول تو وہ اہل علم ہونے کی وجہ سے بات کو سننے ہیں اور مشرک تو بات کو سننے سے پہلے ہی اذیت پہنچانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ دوسرے اہل علم کے ایمان لے آنے سے عوام کے ایمان کی زیادہ توقع ہو جاتی ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ تم کتاب والوں کے ساتھ اچھے طریقہ کے سوا بحث مت کرو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں زیادتی کریں (تو انہیں ہاتھ کے ہاتھ اور پورا پورا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ افضل پھر بھی اچھا طریقہ ہی ہے) اور (وہ اچھا و مہذب طریقہ یہ ہے کہ جیسے ان سے) یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) جو تم پر نازل ہوئیں (کیونکہ ایمان کا مدار اللہ کی طرف سے نازل ہونا ہے لہذا جب ہماری کتاب کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا تمہاری کتابوں سے بھی ثابت ہے تو پھر تمہیں قرآن پر بھی ایمان لانا چاہئے) اور (یہ تم بھی مانتے ہو کہ) ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ﴾ الخ جب توحید پر اتفاق ہے اور احبار و رہبان یعنی پادریوں و راجوں وغیرہ کی اطاعت کی وجہ سے اپنے وقت کے نبی پر ایمان نہ لانا توحید کے خلاف: تو تمہیں ہمارے نبی پر ایمان لانا چاہئے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَا يَجِدْ بَعْضُنَا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ الخ) اور (اس گفتگو کے ساتھ اپنا مسلمان ہونا تمہیہ کے لئے سناؤ کہ) ہم تو اس کی اطاعت کرتے ہیں (اس میں عقائد و اعمال سب آگئے یعنی تمہیں بھی یہی کرنا چاہئے جب کہ تقاضا موجود ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾) اور (جس طرح ہم نے پہلے نبیوں پر کتابیں نازل کیں) اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے (جس کی بنیاد پر احسن طریقہ سے بحث کرنے کی تعلیم دی گئی) تو جن لوگوں کو ہم نے کتاب کی (نافع سمجھ) دی ہے وہ اس (آپ والی) کتاب پر ایمان لے آتے ہیں (اور ان سے بحث کی نوبت بھی کبھی کبھار ہی آتی ہے، اور ان (جاہل عربوں) میں سے بعض ایسے (منصف) ہیں کہ وہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں (خواہ خود سمجھ کر یا اہل علم کے ایمان سے استدلال کر کے، اور (دلائل واضح ہونے کے بعد) ہماری اس (کتاب کی) آیتوں سے علاوہ (ضدی) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا۔

فائدہ: مشرکوں کے ساتھ بھی احسن طریقہ سے بحث کا حکم سورہ نحل آیت ۱۲۵ میں آیا ہے، یہاں اہل کتاب کی تخصیص کی وجہ خود ترجمہ کی وضاحت میں لکھ دی گئی۔

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّ بِمِثْنِكَ إِذَا أَلَزَمْتَ الْمُبْطِلُونَ ۝ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ

عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْإِنشَاءُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُثَلِّثُ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرًا لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيِّنًا وَنَذِيرًا ۚ شَهِيدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ ﴿١٠٨﴾

ع

ترجمہ: اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے ہیں کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے بلکہ یہ کتاب خود بہت ہی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ انکار کئے جاتے ہیں۔ اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کے پاس سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں؟ آپ یوں کہہ دیجئے کہ وہ نشانیاں تو خدا کے قبضہ میں ہیں اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے بلاشبہ اس کتاب میں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے۔ آپ یہ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بس ہے اس کو سب چیز کی خبر ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کے منکر ہیں تو وہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں۔

رسالت کے سلسلہ میں باقی کلام:

اوپر بحث کی وضاحت کی دلیل نقلی تھی جس سے خاص اہل نقل کو خطاب تھا، اب دلیل عقلی ہے جس میں عام خطاب ہے (یعنی) اور جو لوگ آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، ان کے پاس شبہ کا کوئی مقصد بھی تو نہیں، کیونکہ (آپ اس کتاب (یعنی قرآن) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں باطل کو ماننے والے لوگ کچھ شبہ کرتے) کہ یہ پڑھے لکھے آدمی ہیں، آسمانی کتابیں دیکھ کر پڑھ کر ان کی مدد سے مضامین سوچ کر فرصت میں بیٹھ کر لکھ لیتے ہیں اور یاد کر کے ہمیں سنا دیتے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو شبہ کا کوئی منشا تو ہوتا، اگرچہ اس وقت بھی یہ شبہ کرنے والے باطل ہوتے، کیونکہ قرآنی اعجاز پھر بھی نبوت پر دلالت کے لئے کافی تھا، لیکن اب تو شبہ کا اتنا منشا بھی نہیں اس لئے اس کتاب میں شک کی کوئی گنجائش نہیں) بلکہ یہ کتاب (ایک کتاب ہونے کے باوجود چونکہ اس کا ہر حصہ معجز یعنی دوسروں کو عاجز و بے بس اور مجبور کرنے والا ہے اور اس کے حصے بہت سارے ہیں، اس لئے وہ تنہا گویا) خود بہت سی دلیلیں ہیں۔ ان لوگوں کے ذہن میں جنہیں علم عطا ہوا ہے اور (اعجاز کے ظاہر ہو جانے کے باوجود) ہماری ان آیتوں سے بس ضدی لوگ ہی انکار کئے جاتے ہیں (ورنہ انصاف پسند کو تو ذرا بھی شبہ نہیں رہنا چاہئے) اور یہ لوگ (قرآن کا معجزہ عطا کئے جانے کے باوجود محض عناد کی غرض سے) یوں کہتے ہیں کہ ان (رسول) پر ان کے رب کے پاس

سے (ہماری فرمائش والی) نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں؟ آپ یوں کہہ دیجئے کہ وہ نشانیاں تو اللہ کے قبضہ (قدرت) میں ہیں اور (میرے اختیار کی چیزیں نہیں) میں تو صرف ایک صاف صاف (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا (یعنی رسول) ہوں (اور رسول ہونے پر صحیح دلائل رکھتا ہوں، جن میں سب سے عظیم قرآن ہے، پھر خاص دلیل کی کیا ضرورت ہے؟ خاص طور سے جب کہ اس (نشانی) کے واقع نہ ہونے میں حکمت بھی ہو۔ آگے قرآن کا دلالت میں سب سے عظیم ہونا بیان فرماتے ہیں) کیا (نبوت پر دلالت میں) ان لوگوں کے لئے یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم ہے آپ پر یہ (معجز) کتاب نازل فرمائی ہے جو انہیں (ہمیشہ) سنائی جاتی رہتی ہے (کہ اگر ایک بار سننے سے اعجاز ظاہر نہ ہو تو دوسری بار میں ہو جائے یا اس کے بعد ہو جائے اور دوسرے معجزوں میں تو یہ بات بھی نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا عام عادت کے خلاف ہونا بار بار ظاہر نہیں ہوتا، جیسا کہ ظاہر ہے اور اس معجزہ میں ترجیح کی ایک بات یہ ہے کہ) بلاشبہ اس کتاب میں (معجزہ ہونے کے ساتھ) ایمان لانے والوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے (رحمت یہ کہ احکام کی تعلیم ہے جو نفع ہی نفع ہے اور نصیحت ترغیب و ترہیب کے ذریعہ ہے۔ بھلا یہ بات دوسرے معجزہ میں کہاں ہوتی؟ لہذا ان ترجیحوں کی بنیاد پر تو اس کو غنیمت سمجھتے اور ایمان لے آتے، اور اگر ان واضح دلیلوں کے بعد بھی ایمان نہ لائیں تو آخری جواب کے طور پر) آپ یہ کہہ دیجئے کہ (ٹھیک ہے مت مانو!) اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان (میری رسالت کی گواہی کے لئے کافی ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسے سب کی خبر ہے۔ اور) جب میری رسالت اور اللہ کے علم کا سب کا احاطہ کرنے والا ہونا ثابت ہو گیا تو) جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی باتوں کے منکر ہیں (جن میں رسالت بھی داخل ہے) تو وہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں (یعنی جب اللہ کے ارشاد سے میری رسالت ثابت ہے تو اس کا انکار اللہ کا انکار ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم سب کا احاطہ کرنے والا ہے، تو اس کو اس انکار و کفر کی بھی خبر ہے، اور اللہ تعالیٰ کفر پر گھائٹے کی سزا دیتے ہیں، لہذا لازمی بات ہے کہ ایسے لوگ گھائٹے میں ہوں گے)۔

فائدہ: ﴿مُضِلُّونَ﴾ کی جو وضاحت کی گئی ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ انہیں مضلل یعنی باطل کے ماننے والے کہا صرف نہ پڑھنے اور نہ لکھنے کے زمانہ کے اعتبار سے ہی نہیں ہے بلکہ پڑھنے اور لکھنے پر بھی شک کرنے سے باطل کے ماننے والے ہی ہوئے۔

اور ﴿فِي صُذُورِ الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ﴾ کا ترجمہ اور مختصر انداز میں کیا گیا ہے، اس کا تفصیلی مقصود یہ ہے کہ اہل علم سے مراد مومن ہیں، یہ حضرت حسن نے کہا ہے جیسا کہ الدرر میں ہے اور یہ صفت قرآن کی تعریف کے لئے بڑھائی ہے کہ یہ حافظہ کی قوت میں محفوظ ہے اور لکھ کر محفوظ کرنے کی ضرورت نہیں، جس سے اس کے اپنے آپ میں عجیب ہونے اور گذشتہ کتابوں کی اس پیشین گوئی کے مصداق ہونے کے علاوہ کہ انا جہلہم فی صدورہم ”ان کی دینی کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہوگی“ خود اس کتاب کے لئے تحریف اور تبدیلی سے حفاظت کا سبب بھی ہے اور اس صفت کا تعریف

کرنے والا ہونا ظاہر ہے۔

اور درمنثور میں قتادہ سے روایت ہے کہ اہل علم سے اہل کتاب مراد ہیں، اور ہو کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ ﴿مَا كُنْتُمْ تَشْكُرُونَ﴾ الخ کی صفتوں کے اعتبار سے، جس کا حاصل امی ہونا ہے، اہل کتاب کے دلوں میں جو کہ علم کی جگہ ہیں، گویا خود اپنے سچے اور نبی ہونے کی دلیل ہیں۔ اور اس وضاحت کی بنیاد پر ہو کی ضمیر قرآن کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور دونوں احتمالات میں اس کا حاصل یہ ہوگا ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ﴾ الخ اور ﴿قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا﴾ ان کا دلیل نہ ماننے والا ہونے کے باوجود ان کے مقابلہ میں جواب ہے، مگر پھر بھی اس میں دلیل کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اللہ کی شہادت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سچے اور نبی ہونے پر دلیل قائم کیں اور باطل عموم میں تمام خواہشیں اور باطل معبود داخل ہو گئے۔

﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَلَوْ لَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۖ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۚ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَهِيَ خُطَّةٌ بِمَا لَكَفِرُوا ۖ يَوْمَ يُغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُو قُوَّةٍ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آچکا ہوتا اور وہ عذاب ان پر دفعہ آچنچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو گھیر لے گا جس دن کہ ان پر عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے گھیر لے گا اور حق تعالیٰ فرمادے گا کہ جو کچھ کرتے رہے ہو چکھو۔

رسالت کے سلسلہ میں باقی کلام:

اور یہ (کافر) لوگ آپ سے عذاب (کے واقع ہونے) کا تقاضا کرتے ہیں (اور عذاب نہ آنے کی وجہ سے آپ کی رسالت کا انکار اور شبہ کا اظہار کرتے ہیں) اور اگر (اللہ کے علم میں عذاب آنے کے لئے) میعاد متعین نہ ہوتی تو (ان کی درخواست کے ساتھ ہی) ان پر عذاب آچکا ہوتا (تو عذاب نہ آنے کی وجہ یہ ہے نہ کہ نبوت کی تحقیق نہ ہونا جیسا کہ ان کا فاسد زعم ہے) اور (جب وہ میعاد آجائے گی تو) وہ عذاب ان پر اچانک آجائے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی (آگے ان کی جہالت اور عقل کے گھٹیا ہونے کے اظہار کے لئے ان کی جلد بازی کی دوبارہ حکایت کے ساتھ اس میعاد کی تعیین اور اس عذاب کی تعیین فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور (عذاب کی صورت یہ ہے کہ) اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو (ہر طرف سے) گھیر لے گا، جس دن کہ ان پر (اس جہنم کا) عذاب ان کے اوپر سے اور

ان کے نیچے سے گھیر لے گا اور (اس وقت ان سے حق تعالیٰ فرمائے گا کہ جو کچھ (دنیا میں) کرتے رہے ہو) اب اس کا مزہ (چکھو) تو وہ عذاب جہنم کا عذاب اور وہ میعاد قیامت کا دن ہے)

فائدہ: اور قیامت کا عذاب اچانک اس طرح ہو سکتا ہے کہ اگرچہ برزخ میں عذاب کا مشاہدہ ہو چکا ہوگا لیکن وہاں کا عذاب اور بھی زیادہ سخت ہوگا، اس کا پہلے مشاہدہ نہیں ہوا ہوگا، اگرچہ علم کے انداز میں علم ہو مگر عین یقین کے مرتبہ کا انکشاف تو اچانک ہی ہوگا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ واللہ اعلم

﴿يُعَادِيَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ رَضِيَ وَاسِعَةٌ فَيَاتِيَنَّ فَاغْبُودِينَ ۖ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۚ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعَمَ أَجْرٍ الْعَالِينَ ۚ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۚ وَكَآيِنٌ مِّنْ دَآئِبِهِ لَا تَحِلُّ رِزْقُهَا ۚ اللَّهُ يُزِقُّهَا وَيَاكُمُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۚ﴾

ترجمہ: اے میرے ایماندار بندو! میری زمین فراخ ہے سو خالص میری ہی عبادت کرو۔ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوگی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کام کرنے والوں کا کیا اچھا اجر ہے جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل کیا کرتے تھے۔ اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی ان کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی۔ اور وہ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

رابطہ: اوپر سورت کے شروع میں مسلمانوں کے ساتھ کافروں کی عداوت و دشمنی اور اوپر کی قریب کی آیتوں میں توحید اور رسالت کے انکار کے ضمن میں حق اور اہل حق کے ساتھ ان کی دشمنی اور عداوت کا ذکر ہے۔ اور یہ عداوت و عدا شرعی و اجبات کے قیام میں رکاوٹ ہونے کی وجہ سے اکثر وطن سے بے وطن ہونے یعنی ہجرت کا تقاضہ کرتی ہے اس لئے اب ہجرت کا امر فرماتے ہیں، اور چونکہ اس میں کبھی وطن اور خاندان اور رشتہ داروں کے چھوٹنے کا خیال اور کبھی فقر و فاقہ کا اندیشہ رکاوٹ بن جاتا ہے، اس لئے ہجرت کے حکم کے ساتھ ان رکاوٹوں کا باطل ہونا اور ساتھ ہی پریشانیوں اور نیکیوں میں صبر اور رزق میں توکل یعنی بھروسہ اور ہجرت میں شرعی امور کے قیام کا اجر ہجرت کی ترغیب کے لئے بیان فرماتے ہیں۔

ہجرت کی ترغیب اور اس کی تقویت رکاوٹوں کو دور کرنے اور اسباب کے ذکر کے ذریعہ:

اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو (جب یہ لوگ انتہائی عداوت و عدا کی وجہ سے تمہیں شرعی امور کے قیام اور دین کو

اختیار کرنے پر اذیتیں پہنچاتے ہیں تو یہاں رہنا کیا ضروری ہے؟) میری زمین بہت وسیع ہے تو (اگر یہاں رہ کر عبادت نہیں کر سکتے تو اور کہیں چلے جاؤ اور وہاں جا کر) صرف میری ہی عبادت کرو (کیونکہ اہل شرک کا زور ہے تو ایسی عبادت جو خالص توحید پر مبنی ہو اور شرک سے بالکل پاک ہو یہاں مشکل ہے البتہ اگر اللہ کے ساتھ غیروں کی بھی عبادت ہو تو یہ ممکن ہے، مگر وہ عبادت ہی نہیں ہوتی، اور اگر تمہیں ہجرت میں اپنے متعلقین، دوستوں اور وطن کی جدائی مشکل معلوم ہو تو یہ سمجھ لو کہ ایک نہ ایک دن تو یہ ہونا ہی ہے، کیونکہ) ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ضروری ہے (آخر اس وقت سب چھوٹیں گے اور) پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے (اور نافرمان ہو کر آنے میں سزا کا خوف ہے) اور (اگر یہ جدائی ہماری رضا کے واسطے ہو تو ہمارے پاس پہنچنے کے بعد اس وعدہ کے مستحق ہو جاؤ گے کہ) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے (جس کے لئے کبھی کبھی ہجرت ضروری ہو جاتی ہے تو ایسے وقت ہجرت بھی کی تو) ہم انہیں جنت کے اونچے محلوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور ان نیک) عمل کرنے والوں کے لئے کتنا اچھا اجر ہے جنھوں نے واقع ہونے والی سختیوں پر جن میں ہجرت کی سختی بھی شامل ہو گئی) صبر کیا اور (جن تکلیفوں کے واقع ہونے کا احتمال ہے ان کے اندیشہ کے وقت جن میں دوسری سختیوں کے احتمال کے ساتھ رزق کا اندیشہ بھی آگیا جس کا ذکر آگے ہوگا) وہ اپنے رب پر بھروسہ کیا کرتے تھے۔ اور (ہجرت میں) تمہیں یہ دوسرہ ہو کہ پردیس میں کھانے کو کہاں سے ملے گا تو یہ سمجھ لو کہ) کتنے ہی جانور ایسے ہیں جو اپنا رزق اٹھا کر نہیں پھرتے (یعنی جمع نہیں کرتے، اگرچہ بعض جمع بھی کرتے ہیں، مگر کتنے ہی ہیں جو جمع بھی نہیں کرتے) اللہ ہی انہیں (مقدر میں لکھا ہوا) رزق پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی (مقدر میں لکھا ہوا) رزق پہنچاتا ہے۔ چاہے تم کہیں بھی ہو، اس لئے دل میں ایسا دوسرہ، خیال مت لاؤ بلکہ دل کو مضبوط کر کے اللہ پر بھروسہ رکھو) اور (وہ بھروسہ کے لائق ہے، کیونکہ) وہ سب کچھ سنتا، سب کچھ جانتا ہے (اسی طرح وہ دوسری صفتوں میں کامل ہے، اور جو صفتوں میں اس طرح کامل ہو وہ ضرور بھروسہ کے قابل ہے)

﴿وَلِئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَاعْلَمُوْا
 يُّوْفٰكُوْنَ ۝ اللّٰهُ يَنْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
 عَلِيْمٌ ۝ وَلِئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ
 قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا هٰذِهِ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَوَلَعِبٌ ۚ وَارِثُ الدَّارِ
 الْاٰخِرَةِ لِهٰى الْحَيٰوٰتِ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلِكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
 الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لَيَكْفُرْنَ بِمَا اتَيْنَهُمْ ۚ وَلَيَلْمُنَّ عُتٰوَةً ۚ فَيَسُوْفُ
 يَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اِمْنًا وَيَنْتَحِطُّ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ اَفَبَاِلْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

يَكْفُرُونَ ۝ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ۝ ﴿

ترجمہ: اور اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے، پھر کدھرا لٹے چلے جا رہے ہیں، اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے بیشک اللہ ہی سب چیز کے حال سے واقف ہے اور اگر ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسا یا پھر اس سے زمین کو بعد اس کے کہ خشک پڑی تھی تر و تازہ کر دیا تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ بھی اللہ ہی ہے آپ کہتے کہ الحمد للہ! بلکہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں۔ اور یہ دنیوی زندگی بجز لہو و لعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے، اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے، پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو نعمت ان کو دی ہے اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور یہ لوگ چندے اور حظ حاصل کر لیں پھر قریب ہی ان کو سب خبر ہوئی جاتی ہے کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کیا کہ ہم نے امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش سے لوگوں کو نکالا جا رہا ہے، پھر کیا یہ لوگ جھوٹے معبود پر تو ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔ اور اس شخص سے زیادہ کون نا انصاف ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے اور جب سچی بات اس کے پاس پہنچی وہ اس کو جھٹلا دے کیا ایسے کافروں کو جہنم میں ٹھکانا نہ ہوگا؟

رابطہ: اوپر ۛ مَثَلُ الْفٰرِسِ اتَّخَذُوْا ۛ الخ میں شرک کے رد اور توحید کے اثبات کا مضمون تھا اور پھر رسالت و ہجرت کا بیان آگیا تھا چونکہ توحید کا امر انتہائی اہتمام والا ہے اس لئے اب پھر سورت کے ختم تک توحید کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

شرک کی تردید اور توحید کے اثبات کی طرف واپسی:

اور (معبود کی توحید کی جو بنیاد ہے یعنی کائنات دنیا جہاں کو پیدا کرنے اور اس کا نظام چلانے والے کا اکیلا ہونا وہ تو ان لوگوں کو بھی تسلیم ہے، چنانچہ) اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ (بھلا) وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے؟ تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے، پھر جب تکوین میں توحید یعنی کائنات، دنیا جہاں کو پیدا کرنے اور اس کا نظام چلانے والے کا اکیلا ہونا مانتے ہیں تو الوہیت میں توحید یعنی معبود کے اکیلا ہونے کے بارے میں) کدھرا لٹے جا رہے ہیں؟ (اور جس طرح خالق یعنی پیدا کرنے والا اکیلا اللہ ہی ہے، اسی طرح رازق یعنی رزق دینے والا بھی اکیلا) اللہ ہی (ہے چنانچہ وہ) اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی وسیع کر دیتا

ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک اللہ ہی ہر چیز کے حال سے واقف ہے (جیسی مصلحت دیکھتا ہے
 ویسی ہی روزی دیتا ہے۔ غرض روزی دینے والا وہی ٹھہرا تو رزق کے لئے بھی شرک کرنا بے ہودہ امر ٹھہرا۔ جیسا کہ ارشاد
 ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ﴾ (جس طرح
 انہیں تلوین میں توحید تسلیم ہے، اسی طرح باقی رکھنے اور تدبیر میں بھی توحید انہیں تسلیم ہے۔ چنانچہ) اگر آپ ان سے
 دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے خشک پڑی ہوئی زمین کو (جو پیڑ پودے اگانے
 کے قابل نہیں تھی) تروتازہ (پیڑ پودے اگانے کے قابل) کر دیا؟ تو (جواب میں) وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ بھی اللہ ہی
 ہے۔ آپ کہئے کہ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ (اللہ کا شکر ہے اتنا تو اقرار کیا جس سے معبود کی توحید بدیہی طور پر ثابت ہوئی، مگر یہ
 لوگ مانتے نہیں) بلکہ (اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ) ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں (اس وجہ سے نہیں کہ ان کے پاس عقل نہیں
 ہے بلکہ عقل تو ہے مگر اس عقل سے کام نہیں لیتے اور غور نہیں کرتے، اس لئے ظاہر بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتا) اور (ان کے
 غور نہ کرنے کی وجہ ان کا دنیا کے کاموں میں مشغول رہنا ہے، حالانکہ) یہ دنیاوی زندگی (جس کی یہ ساری مشغولیتیں ہیں
 اپنے آپ میں) ایک کھیل اور دل کے بہلاوے کے سوا کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے (اور اسی کی
 زندگی اصل زندگی ہے، چنانچہ دنیا کے فانی اور آخرت کے باقی ہونے کی وجہ سے یہ دونوں مضمون ظاہر ہیں، لہذا فانی میں
 اس قدر مشغولیت اختیار کرنا کہ باقی رہنے والی زندگی سے غفلت اور محرومی ہو جائے یہ خود بے عقلی کی بات ہے) اگر انہیں
 اس کا (کافی) علم ہوتا تو (وہ) ایسا نہ کرتے (کہ فنا ہونے والے میں مشغول ہو کر باقی رہنے والے کو بھلا دیتے اور اس کے
 لئے سامان و انتظام نہ کرتے بلکہ یہ لوگ دلیلوں میں غور کرتے اور ایمان لے آتے جیسا کہ ان کے تلوین اور باقی رکھنے میں
 توحید کے اقرار کا تقاضا ہے) پھر (جس طرح ان کے تلوین میں توحید کے اقرار کا تقاضا معبود کی توحید ہے کبھی کبھی اس کا
 بھی اظہار اور اقرار ہوتا ہے چنانچہ) جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں (اور وہ کشتی دریا یا سمندر میں الٹ پلٹ
 ہونے لگتی ہے) تو (اس وقت) اپنے دین کو خالص کرتے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (کہ) ﴿لَيْسَ لَنَا إِلَهٌ سِوَاكَ هَذَا
 لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾ یعنی اے پروردگار! اگر آپ ہمیں اس آفت اور پریشانی سے نجات دیدیں تو ہم توحید کی
 بنیاد پر صرف آپ ہی کی عبادت کرنے والے ہو جائیں جس سے معبود کی توحید میں اور بھی حجت لازم ہو جاتی ہے، مگر یہ
 حالت دنیاوی مشغولیتوں کی وجہ سے زیادہ دیر تک نہیں رہ پاتی۔ چنانچہ اس وقت تو سب توحید کے قائل ہو جاتے ہیں مگر
 جب انہیں (اس آفت سے) نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں جس کا حاصل یہ
 ہے کہ ہم نے جو نعمت (نجات وغیرہ) ان کو دی ہے، اس کی ناقدری کرتے ہیں، اور یہ لوگ (شرک کے عقیدوں اور فسق
 کے اعمال میں نفسانی خواہشوں کی اتباع کر کے) تھوڑے دن اور مزے کر لیں پھر جلدی ہی انہیں معلوم ہو جائے گا (اور
 اب دنیا میں اس مشغولیت کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تو ان کے لئے توحید سے ایک رکاوٹ تو یہ مشغولیت ہے اور رکاوٹ کا

دوسرا ایک نامعقول حیلہ نکالا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ ﴿إِنْ نُنَبِّئُكَ الْهُدَىٰ مَعَكَ تَخْطِفُ مِنْ أَرْضِنَا﴾ حالانکہ ذرا سا غور کرنے سے اس کا لغو ہونا خود ہی معلوم ہو سکتا ہے، کیونکہ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے (ان کے شہر مکہ کو) امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے آس پاس (کے مقامات) میں جو حرم سے باہر ہیں (لوگوں کو) ان کے برخلاف وارد ہاڑ کر کے ان کے گھروں سے) نکالا جا رہا ہے (جب کہ یہ امن سے بیٹھے ہیں اور یہ بات خود محسوس کی جانے والی چیزوں میں سے ہے تو ظاہر اور واضح چیزوں سے گزر کر محسوس کی جانے والی چیزوں میں بھی مخالفت کرتے اور مار پیٹ کر نکال دیئے جانے کے خوف کو ایمان لانے میں رکاوٹ کے لئے عذر بتاتے ہیں، اور) پھر (حق کے واضح ہو جانے کے بعد اس حماقت اور ضد کا) کیا (ٹھکانا ہے کہ) یہ لوگ جھوٹے معبودوں پر ایمان لاتے ہیں؟ (جس پر ایمان لانے کا کوئی تقاضا نہیں اور رکاوٹیں بہت سی ہیں) اور اللہ (جس پر ایمان لانے کے بہت سے تقاضے ہیں اور صحیح معنی میں رکاوٹ ایک بھی نہیں ہے، اس) کی نعمتوں کی ناشکری (یعنی اللہ کے ساتھ شریک) کرتے ہیں (کیونکہ شرک سے بڑھ کر کوئی بھی ناشکری نہیں ہے کہ پیدا کرنے، رزق دینے، باقی رکھنے اور تدبیر کرنے وغیرہ کی نعمت تو وہ عطا فرمائے اور عبادت جو ان نعمتوں کا شکر ہے دوسرے کے لئے تجویز کی جائے) اور (واقعہ یہ ہے کہ) اس شخص سے زیادہ نا انصافی کرنے والا کون ہوگا جو (بغیر دلیل کے اللہ پر جھوٹ گھڑے) (کہ اس کا کوئی شریک ہے) اور جب اس کے پاس سچی بات (دلیل کے ساتھ) پہنچے تو وہ اس کو جھٹلا دے (نا انصافی ظاہر ہے کہ بغیر دلیل بات کی تو تصدیق کرے اور دلیل والی بات کو جھٹلا دے) کیا ایسے کافروں کا (جو اس قدر نا انصافی کریں) ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا (یعنی ضروری ہے، کیونکہ سزا، جرم کے مطابق ہوتی ہے چنانچہ جیسا جرم عظیم، ایسی ہی سزا بھی عظیم)

فائدہ: لہو و لعب یعنی کھیل اور دل بہلاوے کی چیز کے ساتھ فی نفسہ یعنی ”اپنے آپ میں“ کی قید اس لئے لگائی کہ اگر دنیا کی زندگی دین حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے تو پھر وہ لہو و لعب نہیں بلکہ نتیجہ کے اعتبار سے وہ بھی باقی رہنے والی ہے۔ اور آیت ﴿إِنْ نُنَبِّئُكَ الْهُدَىٰ﴾ الخ جس کا ذکر ﴿يَتَخَفَتِ النَّاسُ﴾ کے ترجمہ میں آیا ہے، سورۃ القصص آیت ۵ میں گزری ہے، وہاں اس کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔

رابط: اس سورت میں سارے وہ مضامین ہیں جن سے مسلمانوں پر مشقتوں کا واقع ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ شروع میں تو قصوں کے ساتھ فتنوں کی کھلی حکایت ہے اور آخر کے قریب ہجرت کا مضمون ہے اور اس میں مشقت ظاہر ہے اور

توحید و رسالت کے جو مضامین ہیں، ان میں گفتگو کرنے سے اکثر اہل دین کو مشقت پیش آتی ہے اس طرح تمام مضامین مشقت پر مشتمل ہیں، اس لئے خاتمہ میں دین کے لئے مشقت برداشت کرنے والوں کو عظیم خوش خبری دے کر سورت کو ختم فرماتے ہیں جیسا کہ شروع میں آیت ۶ ﴿وَمَنْ جَاهِدْ﴾ الخ میں دوسرے عنوان سے یہ مضمون تھا جس کے متعلق سورت کی تمہید میں بھی کچھ بیان ہوا ہے۔

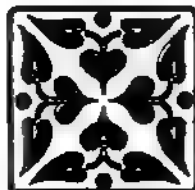
خاتمہ: دین کے لئے مشقت برداشت کرنے والوں کے لئے خوش خبری:

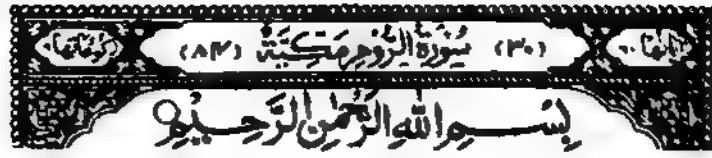
(یعنی اوپر تو ان کا حال تھا جو اہل کفر اور نفس کے پیچاری ہوں) اور (اب ان کی ضد کا بیان ہے کہ) جو لوگ ہمارے راستہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے (قرب اور ثواب یعنی جنت) کے راستے ضرور دکھائیں گے (جس سے وہ جنت میں جا پہنچیں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا﴾) اور بے شک اللہ تعالیٰ (کی رضا و رحمت) ایسے نیک کام کرنے والوں کے ساتھ ہے (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) فائدہ: ”راستے“ اس لئے کہا گیا کہ جنت میں جانے والے بہت سارے لوگ ہوں گے تو ایک راستے کے بہت سے حصے ہوں گے۔ واللہ اعلم

الحمد للہ! آج انیسویں محرم الحرام روز چہار شنبہ وقت صبحی ۱۳۲۵ھ مقام تھانہ بھون میں سورۃ عنکبوت کی تفسیر ختم ہوئی، جس کے ختم سے بفضلہ تعالیٰ مجموعہ تفسیر ہذا کے دو ٹکٹ اختتام کو پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ ان دو ٹکٹ مکمل کو مقبول اور ٹکٹ باقی کو مقبولیت کے ساتھ مکمل فرماویں، آمین یا رب

العالمین ﴿

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و سید الخلاق محمد و علیٰ اخوانہ من النبیین و علیٰ آلہ و اصحابہ و ذریئہ اجمعین۔





شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿الْقَمَرِ ۝ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِيْ اَذْنِ الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْۢ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيَّغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بَضْعِ سِنِيْنَ ۝ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۝ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ يَنْصُرُ اللّٰهُ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ لَا يَخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: ﴿الْقَمَرِ﴾ اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر غالب آ جاویں گے پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور پیچھے بھی اور اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہو گئے۔ وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو خلاف نہیں فرماتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

رابطہ: اس سورت میں یہ مضامین ہیں: اول اہل اسلام کی خوشی کا سبب بننے والے بعض واقعات کی پیشین گوئی جس میں نبوت پر دلالت کے ساتھ اوپر کی سورت کے مضامین کے مطابق کافروں کے تکلیف پہنچانے سے مسلمانوں کو جو رنج ہوتا تھا، جس پر اس کے خاتمہ میں مجاہدہ، صبر و تحمل اور مشقتوں کی فضیلت کا ذکر ہوا تھا، اس رنج کو دور بھی کیا گیا ہے اور اس سے دونوں میں رابطہ بھی ظاہر ہو گیا۔ دوسرے کافروں کی دشمنی و حناد اور انہیں کفر اور جھٹلانے پر ملامت اور اس کی تقویت کے لئے مختصر انداز میں گزشتہ زمانہ کے کچھ جھٹلانے والوں کا برا انجام۔ تیسرے آخرت کا اثبات اور اس کے احوال و ہولناکیاں جس سے دوسرے مضمون کی بھی تقویت ہوتی ہے۔ چوتھے توحید کا اثبات اور اس کی دلیلیں۔ پانچوے بعض اہم فروغی اعمال جو توحید کے عقیدہ کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں، پھر خاتمہ میں ان بلیغ مضمونوں سے کافروں کے متاثر نہ ہونے پر حضور ﷺ کی تسلی۔ واللہ اعلم

اہل اسلام کی خوشی کا سبب بننے والی پیشین گوئی:

جس قصہ سے متعلق یہ پیشین گوئی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار روم اور فارس میں اذرعات اور بصری کے درمیان (جیسا کہ الروح میں مختلف طریقوں سے ہے، جبکہ ابن حجر نے اس کو ترجیح دی ہے) لڑائی ہوئی اور رومی مغلوب ہو گئے۔ مکہ کے مشرک مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم اور رومی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارس والے غیر اہل کتاب ہیں۔

چنانچہ فارس کا روم پر غالب آنا اس امر کی فال ہے کہ ہم بھی تم پر غالب رہیں گے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جس میں پیشین گوئی ہے کہ نو سال کے اندر رومی فارسیوں پر غالب آجائیں گے۔ چنانچہ اس سے ساتویں برس پھر دونوں کا مقابلہ ہوا اور رومی غالب آگئے، جس سے وہ پیشین گوئی پوری ہوگئی، اور اتفاق سے جس زمانہ میں روم کا یہ غلبہ ہوا یہاں مسلمان جنگ بدر میں مشرکوں پر غالب آئے تھے، بعض نے ﴿يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ﴾ کی یہی تفسیر کی ہے اور اس کو دوسری پیشین گوئی قرار دیا ہے، یہ سب روایتیں درمنثور میں مختلف سندوں سے بیان ہوئی ہیں۔

آیتیں اور تفسیر: ﴿الْقَرْ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) روم والے پاس ہی واقع ایک جگہ میں (یعنی ملک روم کی ایسی جگہ میں جو فارس کے مقابلہ میں عرب سے زیادہ قریب ہے، اس سے اذرعات اور بصری مراد ہے جو ملک شام میں دو شہر ہیں، جیسا کہ القاموس میں ہے اور روم کی حکومت کے تحت ہونے کی وجہ سے روم میں داخل ہیں، ایسے موقع میں روم والے، فارس والوں کے مقابلہ میں) مغلوب ہو گئے (جس سے مشرک خوش ہوئے) اور وہ (رومی) اپنے (اس) مغلوب ہونے کے بعد جلد ہی یعنی چند سال (تین سے نو سال) کے اندر اندر پھر غالب آجائیں گے (اور یہ مغلوب اور غالب ہونا سب اللہ کی طرف سے ہے، کیونکہ مغلوب ہونے سے) پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا (جس نے مغلوب کر دیا تھا) اور (مغلوب ہونے کے) بعد بھی (اللہ ہی کو اختیار ہے، جو غالب کر دے گا) اور اس دن (یعنی جب روم والے غالب آئیں گے) مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے (اس امداد سے یا تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بات میں غالب فرمادے گا، کیونکہ اس پیشین گوئی کو مسلمانوں نے کافروں پر ظاہر کیا اور انھوں نے اس کو جھٹلادیا تو اس کے واقع ہونے سے مسلمانوں کی جیت ہو جائے گی اور یا یہ مراد ہے کہ مسلمانوں کو جنگ میں بھی غالب کر دے گا۔ چنانچہ وہ جنگ بدر میں اللہ کی مدد ملنے کا وقت تھا اور ہر حال میں مدد اہل اسلام ہی کی ہوئی، اور مسلمانوں کی ظاہری مغلوبیت کی حالت دیکھ کر مقابلہ میں اس امداد کو مشکل نہ سمجھا جائے یا دو آدمیوں کی ظاہری مغلوبیت کی حالت دیکھ کر مسلمانوں کی امداد کو مشکل نہ سمجھا جائے کیونکہ نصرت، امداد (اللہ کے قبضہ میں ہے) وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے (کافروں کو جب چاہے قول کے اعتبار سے یا فعل کے اعتبار سے مغلوب کر دے اور) رحم کرنے والا (بھی) ہے (مسلمانوں کو جب چاہے غالب کر دے) اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے (اور) اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا (اس لئے یہ پیشین گوئی ضرور پوری ہوگی چاہے ایک مراد ہو یا دو) لیکن اکثر لوگ (اللہ تعالیٰ کے تصرفات کو) نہیں جانتے (بلکہ صرف ظاہری اسباب کو دیکھ کر ان اسباب پر حکم لگا دیتے ہیں اس لئے اس پیشین گوئی کو مشکل سمجھتے ہیں، حالانکہ اسباب کو پیدا کرنے والا اور ان کا مالک حق تعالیٰ ہے۔ اس کے لئے اسباب کو بدلنا بھی آسان ہے جن امور کے لئے اسباب بنائے جاتے ہیں اسباب کے خلاف ان امور کا واقع کرنا بھی آسان ہے اور جس طرح واقع ہونے سے پہلے اسباب کو دیکھ کر اللہ کے وعدہ کے سچا ہونے کا یقین نہیں کرتے، اسی طرح واقع ہونے کے بعد اس کو اللہ کے وعدہ کا ظہور نہیں جانتے جس سے

اس وعدہ کی پیشگی خبر دینے والے کی نبوت پر استدلال کرنا لازم تھا، اس طرح ﴿لَا يَعْلَمُونَ﴾ میں دونوں امر آگئے (فائدہ: مسلمانوں کا کافروں سے اس پیشین گوئی کا دعویٰ سے اظہار کرنا ترمذی میں موجود ہے۔

﴿لَا يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ ۝ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ وَاجَلٍ مُّسَمًّى ۚ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَسْـَٔرُوْا فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَا اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا السُّوْاۤءَ اَنْ كُنَّا بُوْا بِآیٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝﴾

پنج

ترجمہ: یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔ کیا انھوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں کسی حکمت ہی سے اور ایک معاد میں کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور بہت سے آدمی اپنے رب کے ملنے کے منکر ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور انھوں نے زمین کو بھی بویا جو تھا اور جتنا انھوں نے اس کو آباد کر رکھا ہے اس سے زیادہ انھوں نے اس کو آباد کیا تھا اور ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے سو خدا تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ پھر ایسے لوگوں کا انجام جنھوں نے برا کام کیا تھا برا ہی ہوا اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان کی ہمتی اڑاتے تھے۔

رابطہ: اوپر غیب کی خبر دینے کے ساتھ جو کہ نبوت کی دلیل بھی ہے ﴿لَا يَعْلَمُونَ﴾ سے کافروں کا جہل یعنی علم نہ ہونا بیان فرمایا تھا جس سے ان لوگوں کو نبوت کا علم نہ ہونا ظاہر ہوا تھا۔ اب انہیں آخرت کا علم نہ ہونا بیان فرماتے ہیں جو کہ نبوت کا علم نہ ہونے کی فرع ہے، اس کے ساتھ ہی اس کا عظیم سبب یعنی دنیا میں مشغولیت ڈانٹ کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

دنیا کی محبت اور کفر و انکار پر ڈانٹ:

ان لوگوں کو (اللہ اور نبوت کا علم نہ ہونے کا سبب جو کہ اوپر معلوم ہوا یہ ہے کہ) یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کی ظاہری (حالت) جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے (بالکل) بے خبر ہیں (کہ وہاں کیا ہوگا، اس لئے نہ انہیں عذاب و سزا کے اسباب یعنی کفر و انکار سے اندیشہ ہے نہ نجات کے اسباب یعنی تصدیق و ایمان کی فکر ہے) کیا (آخرت کے واقع ہونے کی دلیلیں سن کر بھی ان کی نظر دنیا ہی تک محدود رہی؟ اور) انھوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں

اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں کسی حکمت ہی سے اور ایک میعاد معین (تک) کے لئے پیدا کیا ہے (جیسا کہ اس نے آیتوں میں خبر دی ہے کہ ان حکمتوں میں سے ایک جزا و سزا ہے اور میعاد معین قیامت ہے، اگر وہ اپنے دلوں میں غور کرتے تو ان واقعات کا ممکن ہونا عقل سے، ان کا واقع ہونا نقل سے اور اس نقل کا سچا ہونا اعجاز کی صفت سے سامنے آ جاتا اور آخرت کے منکر نہ ہونے مگر غور نہ کرنے کی وجہ سے منکر ہو رہے ہیں) اور (یہی کیا اور) بہت سے لوگ اپنے رب کے ملنے سے انکار کرتے ہیں، کیا یہ لوگ (کبھی گھر سے نہیں نکلے اور) زمین میں چلے پھرے نہیں، جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو (انکار کرنے والے) لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں، ان کا (آخری) انجام کیا ہوا؟ (ان کی کیفیت یہ تھی کہ) وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور انھوں نے زمین کو بھی (ان سے زیادہ) بویا جاتا تھا اور جتنا انھوں نے (سامان اور مکان سے) اس کو آباد کر رکھا ہے، اس سے زیادہ انھوں نے اس کو آباد کیا تھا اور ان کے پاس بھی ان کے رسول معجزے لے کر آئے تھے (جن کو انھوں نے نہیں مانا اور عذاب سے ہلاک ہوئے، جن کی ہلاکت کے آثار ان کی کھنڈر بستیوں سے جو شام کے راستہ میں ملتی ہیں، ظاہر ہیں) تو (اس ہلاکت میں) اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے (کہ رسولوں کا انکار کر کے ہلاکت کے مستحق ہوئے۔ یہ تو ان کی حالت (دنیا میں ہوئی اور) پھر (آخرت میں) ایسے لوگوں کا انجام برابری ہوا، جنھوں نے (ایسا) برا کام (یعنی رسولوں کا انکار) کیا تھا (محض) اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو (یعنی احکام کو اور خبروں کو) جھٹلایا تھا اور (جھٹلانے سے بڑھ کر یہ کہ) ان کی ہنسی اڑاتے تھے (وہ انجام جہنم کا عذاب ہے)

﴿اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كُفِرِينَ ۝ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِضُونَ ۝ فَامَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَائِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُخَضَّرُونَ ۝﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ خلق کو اول بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی اس کو پیدا کرے گا پھر اس کے پاس لائے جاؤ گے۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم لوگ حیرت زدہ رہ جاویں گے۔ اور ان کے شریکوں میں سے ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا۔ اور یہ لوگ اپنے شریکوں سے منکر ہو جاویں گے۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز سب آدمی جدا جدا ہو جاویں گے۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے اچھے کام کئے تھے تو وہ باغ میں سرور ہونگے اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تھا تو وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہونگے۔

رابطہ: اوپر آخرت کے انکار کے جہل پر ملامت تھی۔ اب آخرت کا واقع ہونا اور انکار اور جھٹلانے کے انجام اور ایمان

وتقدیق کا ذکر ہے۔

آخرت کے واقع ہونے کی خبر اور اس میں جزا و سزا کا بیان:

اللہ تعالیٰ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ بھی پیدا کرے گا، پھر (پیدا ہونے کے بعد) اس کے پاس (حساب کتاب کے لئے) لائے جاؤ گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی (جس میں مذکورہ واپسی ہونے والی ہے) اس دن مجرم (یعنی کافر) لوگ (پوچھنا چھ کے وقت) حیرت میں رہ جائیں گے (یعنی ان سے کوئی بات بن نہیں پائے گی) اور ان کے (گمراہ ہوئے) شریکوں میں سے (جن کو عبادت میں شریک کرتے تھے) ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور (اس وقت خود) یہ لوگ (بھی) اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے (کہ ﴿وَاللّٰهُ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾) اور جس دن قیامت قائم ہوگی، اس دن (مذکورہ واقعہ کے علاوہ ایک واقعہ یہ بھی ہوگا کہ مختلف طریقوں کے) سب آدمی الگ الگ ہو جائیں گے، یعنی جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو (جنت کے) باغ میں خوش ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تھا، وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ (الگ الگ ہونے کے یہ معنی ہیں)

﴿فَسَبِّحْ لِلّٰهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ۝﴾

ترجمہ: سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور تمام آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے اور بعد زوال اور ظہر کے وقت۔

رابطہ: اوپر ایمان اور نیک عمل یعنی اس پر جنت ملنے کا ذکر تھا۔ اب ایک خاص جامع عنوان کے ذریعہ ایمان اور نیک عمل کی ترغیب ہے، کیونکہ تسبیح اور حمد کا جو آگے ذکر آ رہا ہے اور جس کا حکم دیا گیا ہے ایک (المصراحت کے ساتھ اور دوسری اشارہ سے۔ وہ عبادت کی تمام قسموں کے لئے جامع ہے جس کی سب سے عظیم فرد نماز ہے، جس سے اوقات کے ذکر کو خاص مناسبت اور تعلق ہے۔

پاک بیان کرنے اور تعریف کرنے کا حکم:

(جب ایمان اور نیک عمل کی فضیلت تمہیں معلوم ہوگئی) تو تم (اللہ کی تسبیح یعنی پاک بیان کیا کرو) عقیدہ کے لحاظ سے بھی اور دل کے اقرار کے ساتھ بھی، جس میں ایمان آگیا اور قول کے طور پر بھی اور زبان سے بھی جس میں اقرار اور (۱) یہ پہلے والے امر یعنی مامور بہ سے متعلق ہے نہ کہ بعد والے یعنی جامع سے، مطلب یہ ہے کہ تسبیح کا تو مصراحت کے ساتھ حکم ہے اور تمہید کی مصراحت سے تو خبر دی گئی ہے، لیکن اس کا اشارہ کے طور پر حکم دیا گیا ہے، کیونکہ خبر سے مقصود امر و ترغیب ہے۔

دوسرے ذکر آگئے اور عمل کے اعتبار سے بھی اور رکن کے طور پر بھی جس میں تمام عبادتیں عام طور پر اور نماز خاص طور سے آگئیں۔ غرض تم ہر وقت اللہ کی تسبیح کیا کرو اور خاص طور سے شام کے وقت اور صبح کے وقت اور (اللہ کی تسبیح کرنے کا جو حکم ہوا ہے تو وہ واقعی اس کا مستحق بھی ہے، کیونکہ تمام آسمانوں اور زمین میں اس کی حمد ہوتی ہے) یعنی آسمان میں فرشتے اور زمین میں بعض اختیاری طور پر اور بعض مجبوری کی صورت میں اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ﴾ یعنی زمین میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان نہ کرتی ہو، لہذا جب وہ ایسی تعریف کے قابل صفتوں والا کامل ذات والا ہے تو تمہیں بھی ضرور اس کی تسبیح کرنی چاہئے) اور سورج ڈھلنے کے بعد (بھی تسبیح کیا کرو) اور ظہر کے وقت (بھی تسبیح کیا کرو کہ یہ اوقات نئی نعمت حاصل ہونے اور قدرت کے آثار کے ظہور کی زیادتی کے ہیں، ان میں تسبیح کی تجدید یعنی نیا ہونا مناسب ہے، خاص طور سے نماز کے لئے بھی یہی اوقات مقرر ہیں۔ چنانچہ مساء یعنی شام میں مغرب اور عشا آگئیں اور عشی میں ظہر اور عصر دونوں داخل تھے، لیکن چونکہ آگے ظہر کا الگ سے اور صراحت کے ساتھ ذکر ہے اس لئے عشی سے مراد صرف عصر رہ گئی اور صبح کا بھی صراحت کے ساتھ ذکر ہے۔

﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ تَخْرُجُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَالْوَارِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُسَعِّونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرْسِلُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ۝ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَّهُ قُنُوتٌ ۝ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

ترجمہ: وہ جاندار کو بیجان سے باہر لاتا ہے اور بیجان کو جاندار سے باہر لاتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ اور اسی طرح تم لوگ نکالے جاؤ گے۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تھوڑے ہی روزوں بعد تم آدمی بن کر پھیلے ہوئے پھرتے ہو۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے۔ اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس

میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب و لہجہ اور رنگوں کا الگ الگ ہونا ہے۔ اس میں دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں اور اُس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بکلی دکھلاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور اُمید بھی ہوتی ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے۔ پھر اُس سے زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اُس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب تم کو پکار کر زمین میں سے بلاوے گا تو تم یکبارگی نکل پڑو گے۔ اور جتنے آسمان اور زمین میں موجود ہیں سب اُسی کے ہیں سب اُسی کے تابع ہیں۔ اور وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور یہ اُس کے نزدیک زیادہ آسان ہے اور آسمان اور زمین میں اُسی کی شان اعلیٰ ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

رابطہ: اوپر والی سرخی سے پہلے آخرت کے واقع ہونے کا ذکر تھا جو کافر اور مشرک لوگ اس کے ممکن ہونے ہی کا انکار کرتے تھے۔ اس لئے اب اس کے امکان اور صحت کو ثابت کرنے کے لئے قدرت کی دلیلیں بیان فرماتے ہیں اور درمیان میں تسبیح اور حمد بیان کرنے کا ذکر آگیا تھا۔

اس استدلال کی توجیہ یہ ہے کہ قیامت کا واقع ہونا اپنے آپ میں ممکن ہے، کیونکہ اس کے منع ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور اگر محال ہونے کا شبہ ہو تو جو امور قدرت سے واقع ہوئے ہیں یہ قیامت ان سے زیادہ محال نہیں ہے، لہذا وجود کے قبول کرنے میں سب برابر ہیں، پھر قدرت ذاتی ہے جس کی نسبت تمام مقدرات سے برابر ہے اور امکان کا ثبوت اور محال کے استبعاد کی نفی صحیح خبر سے ثابت ہے لہذا اس کا واقع ہونا ضروری ہے۔ آگے کی آٹھ آیتیں اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

بعث کے صحیح ہونے پر قدرت کی دلیلوں سے استدلال:

(اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے کیونکہ اس کی ایسی قدرت ہے کہ وہ جاندار کو بے جان سے باہر لاتا ہے) (مثال کے طور پر نطفہ اور بیضہ یا انڈے سے انسان اور بچہ) اور بے جان کو جاندار سے باہر لاتا ہے (مثال کے طور پر انسان اور پرندہ سے نطفہ اور انڈا) اور زمین کو اس کے مردہ (یعنی خشک) ہو جانے کے بعد زندہ (یعنی تر و تازہ) کرتا ہے اور اسی طرح تم لوگ (قیامت کے دن قبروں سے) نکالے جاؤ گے اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ایک (امر) یہ ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا (یا اس طرح کہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے جو تمام ذریت پر مشتمل تھے۔ اور یا اس طرح کہ نطفہ کی اصل غذا ہے اور اس کی اصل عناصر ہیں جن میں غالب جز مٹی ہے) پھر تمھوڑے ہی دنوں کے بعد (کیا ہوا کہ) تم آدمی بن کر (زمین پر) پھیلے ہوئے چلتے پھرتے (نظر آتے) ہو۔ اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ (امر) کہ اس نے تمہارے

(فائدہ کے واسطے تم ہی (تمہاری جنس) میں سے تمہاری بیویاں بنائیں (اور وہ فائدہ یہ ہے کہ) تاکہ تمہیں ان کے پاس (جا کر بیٹھ کر) آرام ملے اور تم میں آپس میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس (مذکورہ امر) میں (بھی) ان لوگوں کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں جو سوچ سمجھ سے کام لیتے ہیں (کیونکہ استدلال کے لئے فکر کرنے، سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہے اور آیات یعنی نشانیاں جمع کا لفظ اس لئے فرمایا کہ ”مذکور“ امور کئی امور پر مشتمل ہے) اور اسی کی (قدرت کی) نشانوں میں سے آسمانوں اور زمین کا بنانا ہے اور تمہاری زبانوں اور دنگھلیوں کا الگ الگ ہونا ہے (زبانوں میں لغات، آواز اور گفتگو کا انداز وغیرہ سب آگئے) اس (مذکورہ امر) میں (بھی) دانش مندوں کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں (یہاں بھی لفظ آیات کے جمع کی وہی توجیہ ہو سکتی ہے) اور اسی کی (قدرت کی) نشانوں میں سے تمہارا رات میں اور دن میں سونا لیٹنا ہے (چاہے رات کو زیادہ اور دن میں کم ہو) اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے (دن کو زیادہ اور رات کو کم، اسی لئے دوسری آیتوں میں اس کے لئے خاص طور سے دن کہا گیا ہے) اس (مذکورہ امر) میں (بھی) ان لوگوں کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں جو (نفع دینے والی) عقل رکھتے ہیں اسی کی (قدرت کی) نشانوں میں سے یہ (امر) ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم (یعنی ارادہ) سے قائم ہیں (اس میں ان کے باقی رکھنے کا بیان ہے اور اوپر ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ میں ان کے حادث یعنی پیدا ہونے کا ذکر تھا اور دنیا کا یہ نظام جس کا ذکر ہوا یعنی تمہارا پیدا ہونا نسل چلنا اور آپس میں نکاح اور میاں بیوی کے تعلقات کا ہونا اور آسمان اور زمین کا اس ہیئت کے ساتھ موجود اور قائم ہونا اور زبانوں اور رتکوں کا فرق اور اختلاف اور رات اور دن کی تبدیلیوں میں خاص مصلحتوں کا ہونا اور بارش کا ہونا اور اس کے ابتدائی مرحلوں، بنیادی امور و آثار کا ظاہر ہونا یہ سب اسی پہلی زندگی کے باقی رہنے تک کا سلسلہ ہے اور ایک دن یہ سب ختم ہو جائے گا) پھر (اس وقت یہ ہوگا کہ) جتنے (فرشتے اور انسان وغیرہ) آسمان اور زمین میں موجود ہیں، سب اسی کی (ملکیت) ہیں (اور) سب اسی کے تابع (یعنی قدرت کے تحت کام کرنے والے) ہیں اور (اس ثبوت اور پوری قدرت اسی کے لئے خاص ہونے سے یہ ثابت ہو گیا کہ) وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے (چنانچہ یہ مخاطب لوگوں کو بھی تسلیم تھا) پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا (جیسا کہ مذکورہ دلیلوں کے ساتھ نئی خبر کے ملانے سے معلوم ہوا) اور یہ (دوبارہ پیدا کرنا اس کے نزدیک) مخاطب لوگوں کے اعتبار سے پہلی بار پیدا کرنے کے مقابلہ میں، پہلی بار سے (زیادہ) آسان ہے (جیسا کہ انسانی قدرت کے اعتبار سے عام و غالب عادت یہی ہے کہ کسی چیز کو پہلی بار بنانے کے مقابلہ میں دوسری بار بنانا زیادہ آسان ہوتا ہے) اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان (سب سے) اعلیٰ ہے (یعنی نہ کوئی آسمانوں میں اتنا بڑا ہے اور نہ ہی زمین میں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَهُ الْکِبَرِیَّاءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾) اور وہ بڑا زبردست (یعنی قادر مطلق پوری و مکمل قدرت والا اور) حکمت والا ہے (چنانچہ اوپر جن تعريفات کا ذکر ہوا ہے ان سے قدرت اور حکمت دونوں ظاہر ہیں لہذا قدرت سے دوبارہ پیدا کرے گا اور جتنی دیر ہو رہی ہے، اس میں حکمت اور مصلحت ہے۔ لہذا قدرت اور حکمت کے ثبوت سامنے آنے کے بعد اس وقت واقع نہ ہونے کی وجہ سے انکار کرنا جاہل ہے)

فائدہ: ﴿يُخْرِجُ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ یہاں دوبارہ شاید اس لئے لائے ہوں کہ یہاں بحث کا ذکر ہے اور یہ اس کا خاص نمونہ ہے اور آیتوں کے ختم پر مختلف الفاظ ﴿يَتَفَكَّرُونَ﴾، ﴿لِلْعَالَمِينَ﴾، ﴿يَسْمَعُونَ﴾ اور ﴿يَعْقِلُونَ﴾ کا لانا عبارت میں نیا پن پیدا کرنے کے لئے جو بلاغت کی وجوہوں میں سے ہے اور اس کی دوسری توجیہات کرنا تکلف سے خالی نہیں۔ وللناس فیما یعشقون مذہب: یعنی ہر ذہن کے لوگوں کے اپنے اپنے سوچنے کے طریقے ہیں۔ اور ﴿اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ﴾ جو اس سے پہلے کی آیت میں آیا ہے، وہ دعویٰ پیش کرنے کے طور پر ہے اور یہاں مطلوب تفریع کے طور پر ہے، اور درمیان میں ﴿تَخْرُجُونَ﴾ اس لئے آیا ہے کہ یہ مقصود تاکید کے زیادہ مناسب ہے۔

﴿ ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۖ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْتَكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ مَّن يَهْدِي مَن أَضَلَّ اللَّهُ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ ۝ فَآلَمَ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فطَرَتُ اللَّهُ النَّاسَ فطْرًا ۖ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ وَلَٰكِن أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شُعَبًا ۚ كُلَّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۝ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَسَّوْهُ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ أَمْ أُنزِلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ۝ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۚ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيْئَةٌ سَيَأْتُوكُم بِآيَاتٍ ۚ قَالُوا أَلَمْ يَأْتِ اللَّهُ بِالْحَبْلِ يُنْزِلْ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ قَالُوا الْقُرْبَىٰ حَقٌّ وَالْمُسْكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبًّا لِّتَرْبُوا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْطَرُونَ ۝ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُعِيذُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۚ هَلْ مِن شُرَكَائِكُمْ مَّنْ يَفْعَلُ مِثْلَ ذَٰلِكُمْ مِّن شَيْءٍ ۚ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم سے ایک مضمون عجیب تمہارے ہی حالات میں سے بیان فرماتے ہیں۔ کیا تمہارے غلاموں میں کوئی شخص تمہارا اُس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے شریک ہے کہ تم اور وہ اُس میں برابر ہوں جن کا تم ایسا خیال کرتے ہو جیسا اپنے آپس کا خیال کیا کرتے ہو۔ ہم اسی طرح سمجھ داروں کے لئے دلائل صاف صاف بیان کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ ان ظالموں نے بلا دلیل اپنے خیالات کا اتباع کر رکھا ہے سو جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کون راہ پر لاوے۔ اور ان کا کوئی

حمایتی نہ ہوگا، تو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو۔ اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہئے۔ پس سیدھا دین یہی ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، تم خدا کی طرف رجوع ہو کر فطرت الہیہ کا اتباع کرو۔ اور اُس سے ڈرو۔ اور نماز کی پابندی کرو۔ اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو جن لوگوں نے اپنے کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور بہت سے گروہ ہو گئے ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر نازاں ہے جو اُن کے پاس ہے اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو اُسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مہرہ چکھا دیتا ہے تو پس اُن میں سے بعضے لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو اُن کو دیا ہے اُس کی ناشکری کرتے ہیں۔ سو چند روز اور حفظ حاصل کر لو۔ پھر جلدی تم معلوم کر لو گے۔ کیا ہم نے اُن پر کوئی سند نازل کی ہے کہ وہ ان کو خدا کے ساتھ شریک کرنے کو کہہ رہی ہے۔ اور جب ہم لوگوں کو کچھ عنایت کا مہرہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اُس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر اُن کے اعمال کے بدلے میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں اُن پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو بس وہ لوگ نا اُمید ہو جاتے ہیں۔ کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم دیتا ہے۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ پھر قرابت دار کو اُس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی۔ یہ اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں۔ اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جاوے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔ اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو جلانے گا۔ کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے، وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

رابطہ: اوپر بحث یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا مضمون تھا، جس پر استدلال کرنے کے لئے حق تعالیٰ کے کمال کی صفتوں اور افعال کو بیان کیا گیا تھا۔ اب توحید کا مضمون مستقل مقصود کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اور چونکہ بحث اور توحید کے مسئلے خود بھی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی صفتیں اور توحید ایک دوسرے سے زیادہ چٹے ہوئے ہیں، اس لئے آگے پیچھے دونوں سے ربط ہو گیا اور یہ مضمون آیت ۴۰ تک یعنی ۱۳ آیتوں پر پھیلا ہوا ہے، صرف درمیان میں توحید کی دلیلوں میں سے رزاق ہونے کی مناسبت سے اضافہ اور تفصیل اور فرع کے طور پر مال خرچ کرنے سے متعلق فروعی امور اور اس کے اغراض کا بیان آ گیا ہے۔ باقی اصل مقصود توحید کا مضمون ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

توحید کا اثبات:

(اللہ تعالیٰ شرک کی مذمت اور اس کو باطل ثابت کرنے کے لئے) تم سے ایک عجیب مضمون تمہارے ہی حالات میں

سے بیان فرماتے ہیں (وہ یہ کہ غور کرو) کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی شخص تمہارے اس مال میں شریک ہے جو ہم نے تمہیں دیا ہے کہ تم اور وہ (اختیارات کے اعتبار سے) اس میں برابر ہو، جس کا تم (تصرفات کے وقت) ایسا خیال کرتے ہو جیسا اپنے آپس (کے آزاد و خود مختار ساجھی لوگوں اور حصہ داروں) کا خیال کرتے ہو؟ (اور ان سے اجازت لے کر تصرف کیا کرتے ہو یا کم سے کم ان سے مخالفت ہی کا اندیشہ رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ غلام اس طرح شریک نہیں ہوتا لہذا جب تمہارا غلام جو مختلف پہلوؤں سے تمہارا ساتھی اور ساجھی ہے، صرف ایک امر کا مالک اور غلام ہونا تمہارے اور اس کے درمیان امتیاز کا سبب ہے، تمہارے خاص تصرف کے حق میں تمہارا شریک نہیں ہو سکتا تو تمہارے قرار دیئے ہوئے باطل معبود جو کہ حق تعالیٰ کی ملکیت اور مخلوق ہیں اور ذات یا صفت کے کمال میں اللہ تعالیٰ کی طرح نہیں بلکہ بعض تو ان میں خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بنائے ہوئے ہیں، پھر یہ معبود حق تعالیٰ کے معبود ہونے کے خاص حق میں کس طرح اس کے شریک ہو سکتے ہیں؟ اور ہم نے جس طرح شرک کے باطل ہونے کی کافی و ثانی دلیل بیان فرمائی، ہم اسی طرح سمجھ داروں کے لئے صاف صاف دلیلیں بیان کرتے رہتے ہیں، اور بیان اور تفصیل کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگ حق کا اتباع اختیار کر لیتے اور شرک چھوڑ دیتے مگر وہ حق کا اتباع اختیار نہیں کرتے) بلکہ ان خالموں نے بغیر (کسی صحیح) دلیل کے (محض) اپنے (فاسد) خیالات کا اتباع کر رکھا ہے، تو جس کو (اس کے اپنے عناد و دشمنی اور باطل پر اصرار کی وجہ سے) اللہ (ہی) گمراہ کرے اس کو کون ہدایت دے؟ (اس میں ان کے عذر کا بیان نہیں، بلکہ ہدایت و رہنمائی کرنے والے رسول ﷺ کی تسلی ہے) اور (جب ان گمراہوں کو عذاب ہونے لگے گا تو) ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا (اور جب اوپر کے مضمون سے توحید کی حقیقت واضح ہوگئی) تو (مخاطب لوگوں میں ہر شخص سے کہا جاتا ہے کہ) تم (باطل دینوں سے) پوری طرح الگ ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو (جو حق ہے، اور سب) اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو، جس (قابلیت) پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (آیت میں لفظ فطرت استعمال کیا گیا ہے اور فطرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قدرتی اور پیداؤنی طور پر ہر شخص میں یہ قابلیت اور صلاحیت رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سننا اور سمجھنا چاہے تو اس کی سمجھ میں آ جاتا ہے، اور اس کی اتباع کا مطلب یہ ہے کہ اس استعداد یعنی قابلیت سے کام لے اور اس کے تقاضے یعنی حق کو سمجھنے پر عمل کرے۔ غرض اس فطرت کا اتباع کرنا چاہئے اور (اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہیں چاہئے، سیدھا دین (کا راستہ) یہی ہے لیکن اکثر لوگ (سوچنے سمجھنے کی کوشش نہ کرنے کی وجہ سے اس کو) نہیں جانتے (اس لئے اس کا اتباع نہیں کرتے۔ غرض) تم اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس کی فطرت کا اتباع کرو اور اس (کی مخالفت اور اس مخالفت کے عذاب) سے ڈرو اور (اسلام قبول کر کے) نماز کی پابندی کرو (کہ توحید پر زیادہ دلالت کرنے والی ہے) اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو، جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا (یعنی حق تو یہ ایک تھا اور باطل بہت ہیں، انھوں نے حق کو چھوڑ دیا اور باطل کی مختلف راہیں اختیار کر لیں۔ یہ ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے کہ ایک نے ایک لے لیا

دوسرے نے دوسرا) اور بہت سے (مختلف) گروہ ہو گئے (اور اگر حق پر رہتے تو ایک گروہ ہوتے اور اس کے باوجود کہ حق کو چھوڑنے والے ان سب لوگوں کے طریقے باطل ہیں مگر پھر بھی انتہائی جہالت کی وجہ سے (ان میں) ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر خوش ہے جو ان کے پاس ہے اور (جس توحید کی طرف ہم بلا تے ہیں، عام طور پر لوگوں کے حال کو دیکھنے اور ان کے کہنے پر مجبور ہونے کے وقت اس اختلاف اور انکار کے باوجود اس کا اظہار اور اقرار بھی ہونے لگتا ہے جس سے اس کے فطری ہونے کی بھی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ) جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے (اس وقت بے قرار ہو کر) اپنے (حقیقی) رب کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتے ہیں (اور سارے معبودوں کو چھوڑ دیتے ہیں، مگر) پھر (قریب ہی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ) جب اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتا ہے تو ان میں سے بعض لوگ (پھر) اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم نے جو انہیں (عیش و آرام) دیا ہے، اس کی ناشکری کرتے ہیں (جو عقل کے لحاظ سے بھی برا ہے) تو (خیر) چند دن اور مزے کر لو پھر جلد تمہیں (حقیقت) معلوم ہو جائے گی (اور یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں خاص طور سے توحید کے بعد ان سے کوئی پوچھے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟) کیا ہم نے ان پر کوئی سند (یعنی کوئی کتاب) نازل کی ہے کہ وہ ان کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے کے لئے کہہ رہی ہے؟ (یعنی ان کے پاس کوئی نقلی دلیل نہیں ہے اور پریشانی کی حالت میں واضح طور سے عقل کے تقاضہ کے خلاف ہونا خود ان کے تسلیم کرنے سے ظاہر ہے، لہذا اسر اسر باطل ٹھہرا) اور آگے اوپر والے مضمون ﴿إِذَا مَسَّ النَّاسَ﴾ کو پورا کیا گیا ہے اور ﴿أَمْ أَنْزَلْنَاهُ﴾ الخ درمیان میں عقلی دلیل کی نفی کی مناسبت سے نقلی دلیل کے لئے آگیا تھا۔ وہ باقی حصہ یہ ہے کہ) جب ہم (ان) لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے (اس طرح) خوش ہوتے ہیں (غفلت و مشغولیت میں پڑ کر شرک کرنے لگتے ہیں جیسا کہ اوپر ذکر آیا) اور اگر ان کے ان (برے) اعمال کے بدلہ میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو بس وہ لوگ ناامید ہو جاتے ہیں (غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ میں اصل مقصود پہلا جملہ ﴿إِذَا مَسَّ النَّاسَ﴾ ہے کہ اس میں شرک کے سبب یعنی خوشی اور غفلت کا ذکر ہے، اور اس مقصود کی مناسبت سے دوسرا جملہ بیان کر دیا کہ دونوں میں مقابلہ ہے اور اس میں دونوں کی شرکت بھی ہے کہ یہ دونوں اللہ کے ساتھ ایسے لوگوں کے تعلق کی کمزوری پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ اصل مضمون توحید کے اثبات اور شرک کو باطل قرار دینے ہی کا ہے۔ آگے اس کی دوسری دلیل ہے کہ یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں تو) کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم دیتا ہے (اور یہ مشرکوں کو تسلیم بھی تھا کہ روزی کا گھٹانا بڑھانا اصل میں اللہ ہی کا کام ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَا بِهٖ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾) اس (امر) میں (بھی توحید کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں (یعنی وہ سمجھتے ہیں اور دوسرے بھی سمجھ سکتے ہیں جو بھی ایسا قادر ہوگا عبادت کا مستحق وہی ہوگا) پھر (جب توحید کی دلیلوں میں

معلوم ہو گیا کہ رزق کی وسعت اور بزرگی اللہ ہی کی طرف سے ہے تو اس سے ایک بات اور بھی ثابت ہوئی کہ کنجوسی مذمت کے قابل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے تقدیر سے زیادہ نہیں مل سکتا، پھر روک کر رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، تو اے مسلمانو! بھلائی اور خیر کے کاموں میں خرچ کرنے میں کنجوسی مت کیا کرو بلکہ (قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دیا کرو اور (اسی طرح) مسکین اور مسافر کو بھی) (ان کے حقوق دیا کرو جن کی تفصیل شرعی دلیل سے معلوم ہے) یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا طلب کرنے والے ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور (ہم نے جو خیر ہونے کے لئے ﴿يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ﴾ کی قید لگائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مطلق خیر کے لئے خرچ کرنا فلاح کا میابی کا سبب نہیں ہے بلکہ اس کا قانون یہ ہے کہ) جو سود تم (دنیا کی غرض سے دو گے، مثال کے طور پر کوئی چیز) اس غرض سے (کسی کو) دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں (شامل ہو کر یعنی ان کی ملکیت و قبضہ میں) پہنچ کر (تمہارے لئے) زیادہ ہو (کرا) جائے (جیسا کہ دنیاوی رسموں میں نیوٹہ وغیرہ اکثر اسی غرض سے دیا جاتا ہے کہ ہماری رسم کے موقع پر یہ شخص کچھ اور شامل کر کے دے گا) تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا (کیونکہ اللہ کے نزدیک پہنچنا اور بڑھنا اس مال کے ساتھ خاص ہے جو اللہ کی خوش نودی کے لئے دیا جائے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ ایک مقبول تر یعنی کھجور احد پہاڑ سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے اور چونکہ اس میں یہ نیت نہیں تھی، لہذا نہ مقبول ہوا اور نہ زیادہ ہوا) اور جو زکوٰۃ (وغیرہ) دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ (اپنے دیئے ہوئے کو) اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے (جیسا کہ ابھی حدیث کا مضمون گذرا۔ اور دینے یا خرچ کرنے کا یہ مضمون توحید پر دلالت کرنے والے رزق دینے والے مضمون کے ساتھ تابع ہو کر آگیا جیسے اوپر توحید کے ذکر کے ساتھ صلوٰۃ یعنی نما کا امر آگیا تھا جس سے بدنی اور مالی دونوں عبادتوں کا ذکر ہو گیا باقی اصل مقصود (توحید کا مضمون ہے، اس لئے آگے پھر اس کا ذکر ہے) اللہ ہی وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا، پھر تمہیں موت دیتا ہے، پھر (قیامت میں) تمہیں جلائے گا (جس میں کچھ مخاطب لوگوں کے اقرار سے ثابت ہے اور کچھ دلیلوں سے۔ غرض وہ تو ایسا قدرت والا ہے، اب یہ بتاؤ کہ) کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ (اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں، لہذا ثابت ہوا کہ) وہ ان کے شرک سے پاک اور اعلیٰ و برتر ہے (یعنی اس کا کوئی شریک نہیں، لہذا توحید کا ثبوت ہو گیا اور شرک باطل ہو گیا)

فائدہ: ﴿فَطَرَدَ النَّاسَ عَلَيْهِ﴾ پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جس لڑکے کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا، اس کے سلسلہ میں حدیث میں ہے کہ وہ پیدا نشی کافر تھا، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی قسمت میں یہ تھا کہ وہ بڑا ہو کر کافر ہو گا نہ یہ کہ اس میں حق کے قبول کی استعداد کے معنی والی فطرت نہ تھی، حدیث میں طبع کا لفظ کا یہی مطلب ہے۔ اور ﴿فَرَحُوا بِهَا﴾ میں اسی خوشی کا امر ہے جو شکر کے طور پر ہو۔ لہذا ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں اور آیت ﴿وَمَآ اَآذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً﴾ الخ کے مضمون سے متعلق ایک ضروری مضمون سورہ یونس آیت ۱۲ ﴿وَمَآ اَآذَا مَشَّ الْاِنْسَانَ الضُّمُّ﴾ الخ کے ذیل میں لکھا گیا

ہے جو ملاحظہ کے قابل ہے۔ اور آیت ﴿مَا اتَّخَذُ مِنْ زَكَاةٍ﴾ اگر کی ہو تو زکوٰۃ مطلق صدقہ کے معنی میں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی۔

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُونَ﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ
مُشْرِكِينَ ﴿فَاقْتُمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ
يُصَدِّقُونَ ﴿مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلَا نَفْسَ لَهُمْ يَهْدِيهِمْ اللَّهُ يَوْمَئِذٍ ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾

ترجمہ: خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے بعض اعمال کا مزہ اُن کو چکھادے تاکہ وہ باز آجاویں۔ آپ فرمادیجئے کہ ملک میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا اخیر کیا ہوا۔ اُن میں اکثر مشرک ہی تھے۔ سو تم اپنا رخ اس دین راست کی طرف رکھو قبل اس کے کہ ایسا دن آجاوے جس کے واسطے پھر خدا کی طرف سے ہٹانا ہوگا۔ اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جاویں گے۔ جو شخص کفر کر رہا ہے اُس پر تو اُس کا کفر پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے۔ واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

رابطہ: اوپر تو حید کا اثبات اور شرک کا ابطال تھا، اب معاصی یعنی گناہوں اور نافرمانیوں کا ذکر ہے جن میں شرک اور کفر دنیا میں وبال اور اعمال کی برائی کے لحاظ سے سب سے عظیم اور سب سے زیادہ قبیح یعنی برے ہیں۔ اور مضمون کو پورا کرنے اور ان گناہوں کے مقابلہ کے لئے توحید اور طاعتوں کا نیک انجام بیان کیا گیا ہے۔

شرک و گمراہی اور برے اعمال کے وبال کا ذکر:

(شرک و معصیت ایسی بری چیز ہے کہ) خشکی اور تری (یعنی ساری دنیا) میں لوگوں کے (برے) اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں (مثال کے طور پر قحط، طوفان اور وبا) تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال (کی سزا) کا انہیں مزہ چکھادے تاکہ وہ (اپنے ان اعمال سے) باز آجائیں (جیسا کہ دوسری آیت میں ہے) ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ﴾ اور ﴿بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اگر سب کو یہ عقوبتیں دیدی جائیں تو کوئی بھی زندہ نہ رہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ﴾ اس معنی کی وجہ سے اوپر والی آیت میں ﴿وَالْيَعْلَمُونَ﴾ کثیر فرمایا ہے۔ غرض جب برے اعمال مطلق وبال کا سبب ہیں تو شرک و کفر تو سب سے بڑھ کر عذاب کا سبب ہوں گے، اور اگر ان مشرکوں کو اس کے ماننے میں کچھ

ہچکچاہٹ ہو تو) آپ (ان سے) فرمادیتے تھے کہ ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ جو (کافر و مشرک) لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا؟ ان میں اکثر مشرک ہی تھے (تو دیکھ لو وہ آسمانی عذاب سے کس طرح ہلاک ہوئے جس سے صاف واضح ہوا کہ شرک کا بڑا وبال ہے۔ اور ان میں سے بعض کفر کی دوسری قسموں میں بھی مبتلا تھے جیسے لوط علیہ السلام کی قوم اور قارون اور جن کی شکلیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنادیئے گئے تھے کہ آیتوں کو جھٹلا کر اور احکام کی مخالفت کر کے کفر اور لعنت میں مبتلا ہوئے اور شاید خاص طور سے شرک کا ذکر اس لئے ہو کہ مکہ کے کافروں کی خصوصی اور مشہور حالت یہی تھی اور جب شرک کے وبال کا سبب ہونے کی تحقیق ہو گئی) تو (اے مخاطب!) تم اپنا رخ اس سچے دین (یعنی اسلامی توحید) کی طرف رکھو، اس سے پہلے کہ ایسا دن آجائے جس کے واسطے پھر اللہ کی طرف سے ہٹانا ہوگا (یعنی جس طرح دنیا میں خاص عذاب کے وقت کو اللہ تعالیٰ قیامت کے وعدہ پر ہٹاتا جاتا ہے۔ جب وہ دن آجائے گا جس کا وعدہ کیا گیا ہے تو پھر اس کو ہٹایا نہ جائے گا اور نہ وہ روکا جائے گا نہ مہلت دی جائے گی۔ اس جملہ میں شرک کے آخرت کے وبال کا ذکر ہو گیا جیسا کہ اوپر ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ﴾ اور ﴿كَيفَ كَانَ عَاقِبَةُ﴾ الخ میں و نیا دی وبال کا ذکر تھا اور اس دن (یہ ہوگا کہ) سب (عمل کرنے والے) لوگ (جزا کے اعتبار سے) الگ الگ ہو جائیں گے (اس طرح کہ) جو شخص کفر کر رہا ہے اس پر تو اس کے کفر کا (وبال) پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے تو یہ لوگ (اپنے نفع کے) لئے سامان کر رہے ہیں، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل سے (نیک) جزا دے گا جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے (اور اس سے کافر محروم رہیں گے جیسا کہ اوپر ﴿فَعَلَيْكُمْ كُفْرُكُمْ﴾ سے معلوم ہوا جس کی وجہ یہ ہے کہ) واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا (بلکہ ان کے کفر پر ان سے ناخوش ہے اور کفر ہے بھی ناراضی کی بنیاد اس لئے اس دولت سے محروم ہیں)

فائدہ: بعض مفسرین نے بروجر یعنی خشکی و تری دونوں سے آبادی مراد لی ہے اول سے وہ جو دریایا سمندر سے دور ہوں اور دوسرے سے وہ جو دریایا سمندر سے قریب ہوں، اور اگر بلاؤں کے معاصی یعنی گناہوں اور نافرمانیوں کا نتیجہ ہونے پر شبہ ہو کہ اکثر معاصی نہ کرنے والوں پر بھی حادثات واقع ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مطلق حادثات کی علت صرف معاصی میں منحصر ہونا مقصود نہیں بلکہ جو حادثات سزا کے طور پر ہوں۔ ان کی علت صرف معاصی ہیں۔ اور جن حادثات میں دوسری مصلحتیں ہوں جیسے درجوں کا بڑھایا جانا یا اخلاق کا سنوارنا اور اچھا کرنا ان کی یہ علت نہیں اور معاصی کا پہلے ہونا اور پہلے نہ ہونا دونوں کے فرق کا قرینہ علامت ہے یعنی جس حادثہ سے پہلے معصیت ہوئی ہو اس کو معصیت کا سبب کہیں گے اور جس سے پہلے معصیت نہ ہو جیسے نبیوں میں، اس کو معصیت کا سبب نہیں کہیں گے۔ اور آیت ﴿مَنْ كَفَرَ﴾ الخ میں جو دو حکم ہیں، دوسری آیت میں سے یعنی ﴿فَعَلَيْكُمْ كُفْرُكُمْ﴾ کی علت ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ﴾ الخ میان فرمانا اور دوسرے حکم یعنی ﴿فَلَا تَقْسِمْ بِهِمْ يَمْهَدُونَ﴾ کو حاصل کے عنوان سے (دوبارہ تاکید کے لئے ذکر فرمانا جس پر عاقبت کے لام سے دلالت ہوتی ہے اور علت کی بجائے ﴿مَنْ فَضَّلَهُ﴾ بڑھا دینا اس امر کا اشارہ ہے کہ

سزا تو بغیر علت کے نہیں ہوتی، لیکن رحمت بغیر علت کے محض فضل سے ہوتی ہے اور رحمت کے اہتمام کی طرف بھی اشارہ ہے جو تکرار اور تاکید سے ظاہر ہے اور چونکہ موقع کفر کے وبال کے ذکر کا ہے، اس لئے پہلی آیت کو اسی سے شروع کرنا اور دوسری آیت کو اسی پر ختم کرنا مناسب ہوا اور درمیان میں ایمان اور اس کی جزا کو اسے پورا کرتے ہوئے بیان فرما دیا۔ واللہ اعلم

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ صَبَاحًا فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۚ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادَةٍ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنَ قَبْلِهِ لَكُمُوسِينَ ۚ فَانْظُرْ إِلَى اثْرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُغِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ ذَلِكَ لَنُجَى الْمَوْتِ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيحًا فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَظَلُّوا مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ ۚ فَإِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمَعُ الضُّمَمَ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۚ وَمَا أَنْتَ بِهَادٍ الْعَنِيِّ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۚ إِنْ تَسْمَعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش خبری دیتی ہیں اور تاکہ تم کو اپنی رحمت کا مزہ چکھا دے اور تاکہ کشتیاں اُس کے حکم سے چلیں اور تاکہ تم اُس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر اُن کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ اُن کے پاس دلائل لے کر آئے سو ہم نے اُن لوگوں سے انتقام لیا جو مرتکب جرائم ہوئے تھے۔ اور اہل ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا۔ اللہ ایسا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اُس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر تم مینہ کو دیکھتے ہو کہ اُن کے اندر سے نکلتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے تو بس وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔ اور وہ لوگ قبل اس کے کہ ان کے خوش ہونے سے پہلے ان پر بر سے نا اُمید تھے۔ سو رحمت الہی کے آثار دیکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اُس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اور اگر ہم ان پر اور ہوا چلا دیں پھر یہ لوگ کھیتی کو زرو ہوا دیکھیں تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔ سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور بہروں کو آواز نہیں سنا سکتے جبکہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ اور آپ انہوں کو اُن کی بے ادبی سے مدد نہیں لاسکتے آپ تو بس اُن کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں پھر وہ مانتے ہیں۔ ربط: اور تو حید کا مضمون تھا۔ اب عنوان کے اختلاف کے ساتھ پھر اسی کی طرف واپسی ہے اور وہ عنوان کا اختلاف

یہ ہے کہ پہلے اثبات دلیلوں کے ذکر کے پیرایہ میں تھا اور یہاں بارش سے متعلق پہلے کے حالات اور آثار کے بعض خاص انعاموں کے ذکر کے پیرایہ میں تقاضا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ اور ﴿فَاَنْظُرْ إِلَىٰ اَثَرِ دَحْمَتِي﴾ اللہ کی شکر کی ترغیب اور نعمتوں کا ذکر فرمانا اور ﴿لَظَلُّوا مِنْ بَعْدِهَا يَكْفُرُونَ﴾ میں طبیعت کے خلاف حالت میں ناشکری پر شکایت فرمانا اس کا قرینہ ہے۔ ان تمام باتوں کا حاصل یا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تصرفات کی دلیل ہونے کے اعتبار سے بھی توحید کو ثابت کرنے والی ہیں، اور نعمت ہونے کے اعتبار سے بھی اس لئے توحید کا تقاضا ہیں کہ نعمت کا تقاضا شکر ہوتا ہے اور شرک اعلیٰ درجہ کی ناشکری ہے، اور چونکہ مشرک ان دلیلوں میں غور و فکر اور ان نعمتوں پر شکر سے منہ پھیرے ہوئے اور شرک و اختلاف پر اصرار کئے ہوئے تھے اور اس پر نبی اکرم ﷺ کو دکھ، رنج و ملال ہوتا تھا۔ اس لئے آیت ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاكَ اِلٰحَ الْاَلْحِ الْاَلْحِ﴾ کے علاوہ اوپر والے مضمون میں اور اس مضمون کے ختم پر آیت ﴿فَاِنَّكَ لَا تَسْمِعُ﴾ اِلْحِ میں آپ کی تسلی فرمائی گئی جس کا حاصل یہ ہے کہ غور و فکر نہ ہونا تو اس لئے ہے کہ یہ موتی یعنی مردہ سم یعنی بہرے اور اعلیٰ یعنی اندھے کی طرح ہیں، لہذا ان سے امید نہ کی جائے کہ ان سے جلدی انتقام لیا جائے گا اور چونکہ توحید سے متعلق پورے مضمون میں ﴿صَهَبَ لَكُمْ مَثَلًا﴾ سے پہلے استدلال کی حیثیت سے غور و فکر نہ کرنے کے مضمون پر اس لئے اثبات کیا گیا تھا کہ استدلال سے متعلق ہے۔ کلام کا اختتام بھی مناسب ہوا کہ کسی چیز کا شروع اور ختم ایک ہی ہونا مناسب ہونے کا سب سے بلخ طریقہ ہے۔ اس لئے ﴿فَاِنَّكَ لَا تَسْمِعُ﴾ کو آخر میں لائے اور ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاكَ﴾ کو جس میں شکر نہ کرنے سے متعلق تسلی شامل ہے، ہواؤں کے احوال کے درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر لے آئے۔ اس طرح پہلے مضمون کی تسلی بعد میں اور بعد کے مضمون کی تسلی پہلے ہو گئی اور چونکہ اوپر قیامت کا ذکر شرک کی آخرت میں ملنے والی سزا کے بیان کے ضمن میں آیا تھا اور کافروں کو اس میں بھی کلام تھا، اس لئے نعمتوں کے مضمون میں زمین کو زندہ یعنی تروتازہ کرنے کے مضمون کے حوالہ سے جملہ ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَمُبْحٰی الْمَوْتٰی﴾ میں مختصر انداز میں قیامت کا اثبات بھی فرما دیا، جو بعد میں یعنی ﴿اللّٰهُ الَّذِیْ﴾ اِلْحِ کی آیت کے لئے تمہید کے طور پر بھی ہو گیا جس میں آخرت کی تفصیل ہے۔ واللہ اعلم باسرار کتابہ۔

توحید کے مضمون کی طرف واپسی اور تسلی اور آخرت کا مختصر انداز میں اثبات:

اور اللہ تعالیٰ کی (قدرت وحدت اور نعمت کی) نشانیوں میں سے ایک یہ (بھی) ہے کہ وہ (بارش سے پہلے) ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ (بارش کی) خوش خبری دیتی ہیں (لہذا ان کا بھیجنا ایک تو دل خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے) اور (اس واسطے بھی) تاکہ اس کے بعد بارش ہو اور تمہیں اپنی (رحمت و بارش) کا مزہ چکھا دے (یعنی بارش کے فائدے عنایت فرما دے) اور (ہوا اس واسطے بھی بھیجتا ہے) تاکہ اس کے ذریعہ سے ہوا سے چلنے والی (کشتیاں) اس کے حکم سے چلیں اور تاکہ (اس ہوا کے ذریعہ سے کشتیوں کو چلا کر سفر کر کے) تم اس کی روزی تلاش کرو (یعنی کشتیوں کا چلنا اور فضل تلاش کرنا دونوں ہوائیں بھیجنے کے مسبب ہیں، اول (کشتی کا چلنا سبب قریب یعنی بلا واسطہ ہے اور دوسرا یعنی روزی تلاش کرنا سبب

بعید بالواسطہ ہے) اور تاکہ (روزی حاصل کر کے اس پر جو کہ مسبب بواسطہ ثانی) یعنی کشتیاں چلنے کے واسطہ سے ہے یا سبب امور پر یعنی دونوں واسطوں پر) ^(۱) تم شکر کرو اور (ان پوری پوری دلیلوں اور پوری پوری نعمتوں پر بھی، یہ مشرک لوگ حق تعالیٰ کی جو ناشکریاں کرتے ہیں کہ وہ مشرک اور رسول کی مخالفت اور مومنوں کو ایذا پہنچانا ہے تو آپ اس پر غم نہ کریں کیونکہ ہم جلدی ہی ان سے انتقام لینے والے اور اس میں ان کو مغلوب اور اہل حق کو غالب کرنے والے ہیں، جیسا کہ پہلے بھی ہوا ہے۔ چنانچہ) ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول ان کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس (حق کی) دلیلیں لے کر آئے (جن پر بعض ایمان لائے اور بعض نہ لائے) تو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو جرائم کے مرتکب ہوئے تھے اور وہ جرائم حق کو جھٹلانا اور اہل حق کی مخالفت ہیں، اور اس انتقام میں ہم نے انہیں مغلوب اور اہل ایمان کو غالب کیا) اور اہل ایمان کا غالب کرنا (وعدہ اور عادت کے مطابق) ہمارے ذمہ تھا (وہ انتقام، اللہ کا عذاب تھا، اور اس میں کافروں کو ہلاک ہونا ان کا مغلوب ہونا ہے اور مسلمانوں کا عذاب سے بچ جانا ان کا غالب آنا ہے۔ غرض ان کافروں سے اسی طرح انتقام لیا جائے گا، چاہے دنیا میں چاہے موت کے بعد۔ اور دوسری صورت میں جس میں کہ سب کچھ مشترک ہے انتقام کے مقام سے قطع نظر مطلق انتقام مراد ہے اور تسلی کا یہ مضمون جملہ معترضہ کے طور پر تھا۔

آگے ہواؤں کو بھیجنے کے بعد آثار کی تفصیل ہے جن کا اوپر مختصر انداز میں ذکر کیا گیا۔ کہ (اللہ ایسا قدرت والا، حکمت والا اور نعمت دینے والا) ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے، پھر وہ (ہوائیں) بادلوں کو (جو کہ کبھی ان ہواؤں سے پہلے بھاپ اٹھ کر بادل بن چکے ہیں اور کبھی وہ بھاپ ان ہواؤں سے بلند ہو کر بادل بن جاتے ہیں۔ پہلی صورت میں پہلے سے موجود بادلوں کو اور دوسری صورت میں بعد میں اٹھنے والے بالوں کو وہ ہوائیں ان کی جگہ سے جو کہ پہلی صورت میں زمین سے قریب اور دوسری صورت میں خود زمین سے) اٹھاتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اس (بادل) کو (کبھی تو) جس طرح چاہتا ہے آسمان (کی جہت یعنی فضا کی بلندی) میں پھیلا دیتا ہے اور (کبھی) اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ لفظ ﴿يَبْسُطُ﴾ کی اصل بسط ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جمع کر کے دور تک پھیلا دیتا ہے اور ﴿كَيْفَ﴾ کا مطلب یہ کہ کبھی تھوڑی دور تک، کبھی بہت دور تک اور ﴿كَسَفًا﴾ کا مطلب یہ کہ جمع نہیں ہوتا متفرق یعنی الگ الگ نکھر رہتا ہے) پھر (دونوں حالتوں میں) تم بارش کو دیکھتے ہو کہ اس (بادل) کے اندر سے نکلتی ہے (جمع کئے ہوئے بادل سے برسا تو اکثر ہوتا ہے اور بعض موسموں میں اکثر متفرق چھوٹی چھوٹی بدلیوں سے بھی بارش ہو جاتی ہے) پھر (بادل سے نکلنے کے بعد) جب وہ (بارش) اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے تو وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں اور وہ لوگ اس سے پہلے یعنی اس کے

(۱) یعنی رزق حاصل کرنے پر کہ ہواؤں کے بھیجنے سے دوسرے واسطہ یعنی روزی کمانے اور کوشش سے مسبب ہے۔ اس طرح اس مقام پر ہواؤں کے بھیجنے کے تین مسبب ہوئے: اول کشتیوں کا چلانا دوسرے اسی کے واسطہ سے روزی کمانے کی کوشش کرنا اور تیسرے اس کے واسطہ سے رزق حاصل ہونا۔

برسنے سے پہلے (بالکل ہی) ناامید (ہو رہے) تھے (یعنی ابھی ابھی ناامید تھے اور ابھی خوش ہو گئے۔ جس طرح لفظ ﴿تَبْتَئِسْتُمْ﴾ یعنی ناامید ہونے کی اصل ابلاس: نیزل کی اصل تنزیل یعنی نازل کرنے یا بارش برسنے سے قریب ہے، اسی طرح تنزیل، ﴿يَسْتَبْشِرُونَ﴾ کی اصل استبشار یعنی خوش ہونا، استبشار کے قریب کے کابل اس کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور ایسا ہی دیکھا بھی جاتا ہے کہ انسان کی کیفیت ایسی حالت میں بہت ہی جلد بدل جاتی ہے (تو ذرا) اللہ کی رحمت (یعنی بارش) کے آثار (تو) دیکھو کہ اللہ تعالیٰ (اسی کے ذریعہ سے) زمین کو اس کے مردہ (یعنی خشک) ہونے کے بعد کس طرح زندہ (یعنی تروتازہ) کرتا ہے (اور یہ بات نعمت اور وحدت کی دلیل ہونے کے علاوہ بحث پر قدرت کی دلیل بھی ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس اللہ نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا) کچھ شک نہیں کہ وہی (اللہ) مردوں کو زندہ کرنے والا ہے (لہذا عقل کے اعتبار سے ممکن ہونے میں دونوں برابر اور قدرت کا ذاتی ہونا دونوں کے ساتھ نسبت و برابر ہونے میں لازم اور دونوں امر کا حسی طور پر مشابہ ہونا محال کو دور کرنے والا ہے، لہذا جب ایک پر قدرت ثابت ہے تو دوسرے پر بھی ثابت ہے) اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (مردوں کو زندہ کرنے کا یہ مضمون زمین کو زندہ کرنے کی مناسبت سے جملہ معترضہ تھا)

اور (آگے پھر بارشوں اور ہواؤں سے متعلق مضمون ہے جس میں اہل غفلت کی ناشکری کا بیان ہے جس کے نتیجے میں برے ہونے پر نعمتوں والی آیتیں دلالت کر رہی ہیں یعنی اہل غفلت ایسے حق کو نہ پہچاننے والے اور ناشکرے ہیں کہ اتنی بڑی بڑی نعمتوں کے بعد) اگر ہم ان پر دوسری (قسم کی) ہوا چلا دیں پھر (اس ہوا سے) یہ لوگ کھیتی کو (خشک اور) پیلی پڑتی ہوئی دیکھیں (کہ اس کی ہریالی اور شادابی جاتی رہی ہے) تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں (اور پچھلی تمام نعمتوں کو بھلا دیں) تو (جب ان کی غفلت اور ناشکری پر اقدام اس درجہ پر ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بالکل ہی بے حس ہیں، تو ان کے ایمان نہ لانے اور آیتوں میں غور و فکر نہ کرنے پر غم کرنا بھی بے کار ہے، کیونکہ) آپ مردوں کو (تو) نہیں سنا سکتے۔ اور بہروں کو (بھی) آواز نہیں سنا سکتے (خاص طور سے جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں) (کہ اشارہ کو بھی نہ دیکھیں) اور (اسی طرح) آپ (ایسے) اندھوں کو (جو کہ دیکھنے والے کا اتباع نہ کریں) ان کی گراہی سے سیدھی راہ پر نہیں لاسکتے (یعنی یہ تو ان کی طرح ہیں جن کے حواس اور زندگی سب ماؤف ہو چکے ہیں) آپ تو بس ان کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں (اور) پھر وہ مانتے (بھی) ہیں (اور جب یہ لوگ مردوں، بہروں اور اندھوں کی طرح ہیں تو پھر ان سے ایمان کی امید مت رکھئے اور غم نہ کیجئے)

فائدہ: سورہ نمل کی آیت ۸۰ و ۸۱ میں بھی ایسا ہی مضمون آیا ہے۔ وہاں سماع موتی یعنی مردوں کے سننے کی تحقیق گزر چکی ہے، دیکھ لی جائے۔

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ۝ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ

الْمُجْرِمُونَ ۚ مَا لَكُمْ لَيْسُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ ﴿

ترجمہ: اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی پھر توانائی کے بعد ضعف اور بوڑھا کیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ قسم کھا بیٹھیں گے کہ وہ لوگ ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے۔ اسی طرح یہ لوگ اُلٹے چلا کرتے تھے۔ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا ہے وہ کہیں گے کہ تم تو نوحۃ خداوندی کے موافق قیامت کے دن تک رہے ہو۔ سو قیامت کا دن یہی ہے لیکن تم یقین نہ کرتے تھے۔ غرض اس روز ظالموں کو اُن کا عذر کرنا نفع نہ دے گا اور نہ ان سے خدا کی عذابی کا تذکرہ چاہا جاوے گا۔ ربط: اوپر توحید کا مضمون تھا، اب بعث سے متعلق مضمون ہے جو اوپر توحید کے مضمون کے شروع میں آیت ﴿يَبْدَأُ الْخَلْقَ﴾ میں اور اس کے درمیان میں ﴿يَوْمَئِذٍ يُصَدِّقُ عُنُوْنَ﴾ میں بھی اور اس کے ختم پر اضافہ اور تفصیل کے طور پر ﴿إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُنِجَى الْمَوْتَى﴾ میں بھی آچکا ہے۔

بعث کے امکان اور واقع ہونے کا اثبات:

اللہ ایسا ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں بنایا (اس سے بچپن کی ابتدائی حالت مراد ہے) پھر (اس) کمزوری کے بعد توانائی (یعنی جوانی) عطا کی؛ پھر (اس) توانائی کے بعد کمزور اور بوڑھا کیا (اور) وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور وہ (ہر تصرف کو) جاننے والا (اور اس تصرف کے نافذ کرنے پر) قدرت رکھنے والا ہے (لہذا جو ایسا قادر یعنی قدرت والا ہو اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ یہ تو بعث کے امکان کا بیان تھا) اور (آگے اس کے واقع ہونے کا بیان ہے، یعنی) جس دن قیامت قائم ہوگی (مجرم (یعنی کافر) لوگ (وہاں کی ہولناکی، مصیبت اور پریشانی کو دیکھ کر قیامت کے آنے کو انتہائی ناگوار سمجھ کر) قسم کھا بیٹھیں گے کہ (قیامت بہت جلدی آگئی اور) وہ لوگ (یعنی ہم لوگ برزخ کے عالم میں) ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے (یعنی قیامت کے آنے کی جو میعاد مقرر تھی، وہ بھی پوری نہیں ہونے پائی کہ قیامت آگئی، جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر پھانسی والے کی میعاد ایک مہینہ مقرر کی جائے تو جب مہینہ گزر جائے گا تو اسے ایسا معلوم ہوگا جیسے مہینہ نہیں گزرا اور مصیبت جلدی آگئی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) اسی طرح یہ لوگ (دنیا میں) اُلٹے چلا کرتے تھے (یعنی) جس طرح یہاں آخرت میں قیامت کی ایک واقعی حالت کا کہ وہ اپنے معین وقت پر واقع ہو رہی ہے، غلط انکار کر دیا اور انکار بھی قسم کے ساتھ تاکید کے طور پر، اسی طرح دنیا میں قیامت کی ایک واقعی حالت کا کہ اس کا نفس واقع ہوتا ہے، غلط انکار کیا کرتے تھے، اور انکار بھی تاکید کے طور پر جیسے ﴿وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ﴾ وغیرہ) اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا

ہے (ان سے ایمان والے لوگ مراد ہیں کہ انہیں شرعی خبروں کا علم حاصل ہے) وہ (ان مجرموں کے جواب میں) کہیں گے کہ (تم برزخ میں میعاد سے کم تو نہیں رہے، جیسا کہ تمہارا غلط دعویٰ ہے بلکہ) تم تو اللہ کے لکھے ہوئے (مقررہ) وقت کے مطابق قیامت کے دن تک رہے ہو، تو قیامت کا دن یہی ہے (جو برزخ میں رہنے کی میعاد تھی) لیکن (اس بات کی وجہ کہ اس کو مقررہ وقت سے پہلے آیا ہوا سمجھتے ہو یہ ہے کہ) تم (دنیا میں قیامت کے واقع ہونے کا) یقین (اور اعتقاد) نہ کرتے تھے (بلکہ جھٹلایا اور انکار کیا کرتے تھے، اس انکار کے وبال میں آج پریشانی کا سامنا ہوا۔ اس وجہ سے گھبرا کر خیال ہوا کہ ابھی تو میعاد بھی پوری نہیں ہوئی۔ اور اگر تصدیق کرتے اور ایمان لے آتے تو اس کے واقع ہونے کو جلدی نہ سمجھتے، بلکہ یوں چاہتے کہ اس سے بھی جلدی آجائے کہ طبعی عادت ہے کہ راحت کے وقت کا وعدہ جلدی آنا چاہتا ہے اور انتظار مشکل ہوتا ہے اور اس کی مدت لمبی معلوم ہوا کرتی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی ہے کہ کافر قبر میں کہتا ہے: رب لا تنقم الساعة: یعنی اے پروردگار! قیامت قائم نہ فرما جب کہ مومن کہتا ہے: رب اقم الساعة: اے میرے پروردگار! قیامت قائم فرما، اور مومنوں کے اس جواب سے بھی جو یہاں بیان ہوا ہے کہ کم کہاں رہے بہت رہے (اس سے) ظاہر ہوتا ہے کہ مشتاق تھے اور جلدی آنے کا مطالبہ کر رہے تھے) غرض اس دن ظالموں (یعنی کافروں کی پریشانی اور مصیبتوں کی یہ کیفیت ہوگی کہ ان) کو ان کا (کسی قسم کا جھوٹا سچا) عذر کرنا نفع نہ دے گا، اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لئے کہا جائے گا (یعنی اس کا موقع نہ دیا جائے گا کہ توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لیں)

فائدہ: مجرموں میں اس قسم یعنی ﴿مَا لَيْتُوا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ کہنے والے ایسے ہی جھوٹے ہوں گے جیسے سورۃ انعام آیت ۲۲ میں ان کا یہ قول ہے ﴿وَاللّٰهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ جس پر ارشاد ہوا ہے ﴿اَنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ﴾ الخ اور سورۃ طہ آیت ۱۰۳ ﴿يَتَخَفَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّيْسَتْهُمْ اِلَّا عَشْرَةٌ﴾ میں جو ان کے اس قول کو جھٹلایا نہیں گیا تو وہاں ان کے اس قول سے اور مقصود ہے جو وہاں بیان ہوا ہے دیکھ لیا جائے اور یہاں مقصود اور ہے، اس لئے وہاں جھٹلایا نہیں گیا اور یہاں جھٹلایا گیا۔

﴿وَلَقَدْ صَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلٰكِنْ جُنَّتْهُمْ بَايَةٌ لِّیَقُوْلُوْا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ یُطْبِعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَعْجِلُكَ الَّذِیْنَ لَا یُوقِنُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے لوگوں کے واسطے قرآن میں ہر طرح کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں اور اگر آپ اُن کے پاس کوئی نشانی لے آویں تب بھی یہ لوگ جو کافر ہیں، یہی کہیں گے کہ تم سب بڑے ال باطل ہو جو لوگ یقین نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر یونہی مہر کر دیا کرتا ہے سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور یہ بدیقین لوگ آپ کو بے

برداشت نہ کرنے پاویں۔

رابطہ: اب اس سورت کے خاتمہ میں دو مضمون بیان کئے گئے ہیں جو سورت کے نتیجہ کے طور پر ہیں، یعنی سورت کے تفصیلی مضمونوں کے مجموعہ کی مدح و تعریف اور بلاغت کا مختصر انداز میں بیان ہے جس کا حاصل ان مضمونوں کی فاعلی قوت اور تاثیر کا کمال ہے اور اس موثر ہونے کی شدت کے باوجود کافروں کے نہ ماننے پر حضور پر نور ﷺ کی تسلی کے لئے کافروں کی جہالت اور عناد کا ذکر ہے جس کا حاصل ان کی انفعالی قوت کا فقدان اور تاثر کا نہ ہونا ہے۔

قرآن کے مضامین کی بلاغت، سرکشی و نافرمانی کرنے والوں کا عناد اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

اور ہم نے لوگوں (کی ہدایت) کے واسطے اس قرآن (کے مجموعہ یا اس کے خاص حصہ یعنی اس سورت) میں ہر طرح کے عمدہ (اور عجیب و ضروری) مضمون بیان کئے ہیں (جو اپنی بلاغت اور کمال کی وجہ سے اس امر کا تقاضہ کرتے ہیں کہ ان کافروں کو ہدایت ہو جاتی، مگر ان لوگوں نے انتہائی عناد کی وجہ سے اس کو قبول نہ کیا اور اس سے فائدہ نہیں اٹھایا) اور (قرآن کی کیا تخصیص ہے ان لوگوں کا عناد اس قدر بڑھ گیا ہے کہ) اگر (قرآن کے علاوہ عادت کے خلاف ان امور یعنی معجزوں میں سے جن کی یہ خود فرمائش کیا کرتے ہیں) آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آئیں تب بھی یہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم سب (یعنی رسول ﷺ اور مومن جو شریعت کے قوانین والی اور نکوئی یعنی پیدائش والی آیتوں کی تصدیق کرنے والے ہیں) کہ تم تو بالکل باطل کے ماننے والے ہو (رسول کو جادو کی تہمت لگا کر صاحب باطل کہیں گے اور مسلمانوں کو جادو کی تصدیق کرنے والے اہل باطل کہیں گے اور ان لوگوں کے اس عناد کے بارے میں اصل بات یہ ہے کہ) جو لوگ (آیتوں اور دلیلوں کی نگرار کے باوجود حق کا) یقین نہیں کرتے (اور نہ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر یوں ہی مہر لگا دیا کرتا ہے (جیسا کہ ان کے دلوں پر لگ رہی ہے یعنی حق کو قبول کرنے کی قبولیت والی استعداد روزانہ کمزور ہوتی جا رہی ہے، اس لئے اطاعت میں کمزوری اور عناد میں قوت بڑھتی جا رہی ہے) تو (جب یہ ایسے عناد رکھنے والے ہیں تو ان کی مخالفت اور اذیت پہنچانے اور بدکلامی وغیرہ پر) آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ (کہ آخر میں یہ ناکام اور اہل حق کامیاب ہوں گے) سچا ہے (وہ وعدہ ضرور پورا ہوگا، لہذا صبر و تحمل تھوڑے ہی دن کرنا پڑتا ہے) اور جو لوگ یقین نہیں لاتے آپ کو ہرگز ہلکا نہ کر پائیں (یعنی ان کی طرف سے چاہے کیسی ہی بات پیش آئے، مگر ایسا نہ ہو کہ آپ برداشت نہ کریں) فائدہ: مطلب یہ کہ نفسانی انتقام اگر چہ اپنے آپ میں جائز ہے مگر صاحب تبلیغ کے لئے اور خاص طور سے بات چیت و خطاب کے وقت جب کہ اسلام کی ابتدائی حالت تھی، مصلحت کے خلاف ہے، اور جہاد نفسانی انتقام نہیں ہے، اس لئے دونوں میں ٹکراؤ نہیں کہ نسخ اور ناسخ و منسوخ کا قائل ہونا پڑے۔

﴿الحمد للہ! سورۃ الروم کی تفسیر ۲۷ محرم الحرام سنہ ۱۳۲۵ھ کو تمام ہوئی﴾



شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابطہ: اس سورت میں یہ مضمون ہیں: شروع میں قرآن کی مدح و تعریف جو گذشتہ سورت کے ختم پر بھی بیان کی گئی ہے اور قرآن کی مدح کے ساتھ سورہ بقرہ کے شروع کی طرح اس کی تصدیق کرنے والوں کی مدح اور جھٹلانے والوں اور منہ پھرنے والوں کی مذمت، پھر جھٹلانے والوں کی سزا ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ اور ﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ پھر تصدیق کرنے والوں کی جزا ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ الخ میں پھر ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ﴾ سے ﴿حَتَّىٰ كَفُورٍ﴾ تک توحید اور درمیان میں لقمان کے قصہ کے باقی حصہ کے لئے ﴿يُنَبِّئُ أَقْرَبَ الصَّلَاةِ﴾ سے بعض فروعی احکام اور ﴿وَأَذَا رِقِيلٌ لَهُمْ﴾ سے مشرکوں کی دلیل کی کمزوری اور توحید کے ماننے والوں کی دلیل کی قوت اور ﴿مَنْ كَفَرَ﴾ سے مشرکوں کے لئے وعید کے بیان کے ساتھ حضور ﷺ کی تسلی اور ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ سے وعظ و نصیحت کے پیرایے میں جو آیت ﴿مُتَّعُهُمْ قَلِيلًا﴾ الخ کا مدلول ہے اور قیامت کے واقع ہونے کے وقت کی وضاحت اور ختم پر غیب کے علم کے حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کا بیان ہے۔ واللہ اعلم

﴿الْقَوْمَ ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ هُدًى وَرَحْمَةً لِلْمُسْلِمِينَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُشَارِكُ فِيهِ الْغَدِيثَ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَهُ مُسْتَكْبِرًا كَانَ لَمْ يَسْمَعْهَا كَأَن فِي أذُنِهِ قِرَاءً ۚ فَنَبِّئْهُ بِعَذَابِ الْبَلِيمِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

ترجمہ: ﴿الْقَدْ﴾ یہ آیتیں ہیں ایک پر حکمت کتاب کی۔ جو کہ ہدایت اور رحمت ہے نیکو کاروں کے لئے جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کے سیدھے رستے پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور بعض آدمی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تاکہ

اللہ کی راہ سے بے سمجھے ہوئے گمراہ کرے۔ اور اس کی ہنسی اڑا دے ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص تکبر کرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ٹفل ہے۔ سو اس کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے عیش کی جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

قرآن کی اور اس کی تصدیق کرنے والوں کی مدح و تعریف اور اس سے منہ پھیرنے

والوں، گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کی مذمت اور دونوں فریقوں کا انجام:

﴿الْقَدْ﴾ (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ ایک حکمت والی کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں (جو اس سورت یا قرآن میں بیان کی گئی ہیں) جو نیک کام کرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت (کا سبب) ہے جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں (تو) یہ لوگ (اس قرآن کے اعتقاد اور عمل کی بدولت) اپنے رب کے سیدھے راستے پر ہیں اور یہی لوگ (اس ہدایت کی بدولت) فلاح پانے والے ہیں (اس طرح قرآن ان کے لئے ہدایت اور رحمت کا سبب ہو گیا جس کا اثر فلاح ہے۔ چنانچہ بعض لوگ تو ایسے ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا) اور (ان کے برخلاف) لوگوں میں کوئی ایسا (بھی) ہے جو (قرآن سے منہ پھیر کر) ان باتوں کا خریدار بنتا ہے (یعنی ایسی باتیں اختیار کرتا ہے) جو (اللہ سے) غافل کرنے والی ہیں (تو اول تو لہو و لعب کی بے کار باتوں کا اختیار کرنا جب کہ اللہ کی آیتوں سے منہ پھیرنا بھی اس میں شامل ہو خود ہی کفر اور گمراہی ہے۔ پھر خاص طور سے جب کہ اس کو اس غرض سے اختیار کیا جائے کہ اس (حق کی راہ) کی ہنسی اڑائے تاکہ دوسروں کے دل سے اس کی وقعت اور تاثیر بالکل نکل جائے، تب تو کفر سے بڑھ کر کفر اور گمراہ ہونے کے ساتھ گمراہ کرنا بھی ہے اور) ایسے لوگوں کے لئے (آخرت میں) ذلت کا عذاب (ہونے والا) ہے (جیسا کہ ان کی ضد والے عمل کرنے والوں کے لئے فلاح کا ہونا معلوم ہوا) اور (اس مذکورہ شخص کے منہ پھیرنے کی یہ حالت ہے کہ) جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص تکبر کرتا ہوا (ایسی بے توجہی سے) منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں، جیسے اس کے کان بہرے ہیں۔ تو اس (شخص) کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے (یہ تو منہ پھیرنے والے کی سزا کا بیان ہوا۔ آگے اہل ہدایت کی جزا کا ذکر ہے جو کہ اس فلاح کی تفصیل ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے، یعنی) البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے (لہذا قدرت کے کمال سے وعدہ اور وعید کو پورا کر سکتا ہے اور حکمت سے اس کو وعدہ کے مطابق پورا کرے گا)

فائدہ: اگرچہ آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِ﴾ الخ کا شان نزول خاص ہے کہ نضر بن حارث ایک کافر رئیس تھا، وہ تجارت کے لئے فارس جاتا تو وہاں عجم کے بادشاہوں کے قصے اور تاریخ کی باتیں انہیں رقم دیدے کر لکھا کر اور سن کر لے آتا۔ اور قریش سے کہتا کہ محمد ﷺ تمہیں عدا اور ثمود کے قصے سناتے ہیں، میں تمہیں رستم اور اسفندیار اور کسراؤں یعنی فارس کے بادشاہوں کے قصے سناتا ہوں، لوگ اس کے قصوں میں دلچسپی لیتے اور قرآن کو نہ سنتے۔ اس کو الروح میں واحدی کی اسباب النزول کے حوالہ سے کلی اور مقاتل سے روایت کیا ہے اور اسی طرح الدرر میں بیہقی کے حوالہ سے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور اس نے ایک گانے والی باندی خریدی تھی، جب کسی کو اسلام کی طرف راغب دیکھتا تو اس کو اس باندی کے پاس لے جاتا اور باندی سے کہتا کہ اسے کھلا پلا اور گانا سنا اور اس شخص سے کہتا کہ یہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف محمد ﷺ بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو اور اپنی جان دو، اس کو الدرر میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ مگر الفاظ کے عموم کی وجہ سے اس آیت کا حکم عام ہے۔ چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حدیث مرفوع ہے کہ گانے والی باندیوں کی تجارت مت کرو اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ اسی طرح کے معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِ﴾ الخ اور بخاری نے ادب مفرد میں ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے: لہو الحديث هو الغناء واشباهه: جیسا کہ الروح میں ہے۔ چنانچہ لفظ مثل اور اشباہ سے عموم ظاہر ہے۔ اس بنا پر جو مشغولیت دین اسلام سے گمراہ ہونے یا گمراہ کرنے کا سبب بن جائے وہ حرام بلکہ کفر ہے اور آیت میں یہی مقصود ہے۔ چنانچہ ﴿مَن يَشْتَرِ﴾ کا مقابلہ مومنوں کے ذکر کے ساتھ اور خود ﴿يَشْتَرِ﴾ کہ باطل کو حق سے بدلنے پر دلالت کرتا ہے اور ﴿وَلِي﴾ سے اس کے گمراہ ہونے پر دلالت اور ﴿لِيُضِلَّ﴾ سے اس کے گمراہ کرنے پر اور اس کی وعید میں ﴿عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ اور ﴿يَعَذِّبُ الْبَاسِ﴾ کا آنا جو کافروں کے لئے مخصوص ہے، سب اسی مقصود کے قرینے ہیں اور دوسری شرعی دلیلوں سے مستقل طور پر ثابت ہے کہ جو لوہو شرعی فروغی اعمال سے روکے یا کسی معصیت کا سبب ہو جائے، وہ صرف معصیت ہے اور جو لوہو کسی واجب امر کو فوت کرنے والا نہ ہو اور اس میں کوئی شرعی فرض اور مصلحت بھی نہ ہو، وہ مباح ہے، لیکن بے کار و بے مقصد ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے، اور چونکہ گھوڑے کی سواری اور تیر اندازی یا جسمانی و دماغی ورزش کے مقابلہ میں کوئی ذکر کے قابل غرض تھی، اس لئے حدیث میں اس کو باطل لہو سے مستثنیٰ فرمایا اور غنا اور سماع کے مسئلہ پر اس آیت کی دلالت ہونا ضروری نہیں، اس کا حکم تفصیل کے ساتھ مستقل طور پر لہو کی دوسری قسموں کی طرح حدیث اور فقہ کی دوسری دلیلوں سے اپنی جگہ پر ثابت ہے اور اس تفصیل سے تمام مشغلوں اور تفریعوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا جس میں اخبار اور ناول وغیرہ بھی آگئے۔ واللہ اعلم

اور زکوٰۃ اگرچہ مدینہ میں فرض ہوئی مگر مکہ میں مشروع ہو سکتی ہے، اس لئے مکی سورتوں میں جیسے اس سورت میں یا سورہ مومنون یا سورہ روم میں اس کے ذکر کے پائے جانے پر اشکال کی گنجائش نہیں، جس کو احقر نے ان دو مذکورہ سورتوں کی تفسیر میں صدقہ سے تعبیر کیا ہے۔

﴿ خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَآلَتْ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝ هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الْذَوِينَ مِنْ دُونِهِ ۚ يَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلاستون کے بنایا تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈالنا ڈول نہ ہونے لگیں اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں۔ اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اکائے۔ یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں اب تم مجھ کو دکھاؤ کہ اس کے سوا جو ہیں انھوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں، بلکہ یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

رابطہ: اوپر قرآن اور اس کی تصدیق کرنے والوں کی مدح و تعریف اور منہ پھیرنے والوں کی مذمت تھی۔ اب دور تک توحید کا مضمون ہے جو قرآن کی اہم تعلیم ہے۔

توحید:

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بنایا (چنانچہ) تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین میں (بھاری بھاری) پہاڑ جما رکھے ہیں کہ وہ تمہیں لے کر ہلنے نہ لگے اور اس (زمین) میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح (کے بیڑ پودوں) کی عمدہ قسمیں اُگائیں (اور ان لوگوں سے جو شرک کرتے ہیں کہتے کہ) یہ تو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں (تو اگر تم دوسروں کو معبود ہونے میں شریک قرار دیتے ہو تو) اب تم لوگ مجھے دکھاؤ کہ اس کے سوا جو (معبود بنا رکھے) ہیں، انھوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں (تاکہ ان کا معبود ہونے کا حق ثابت ہو اور اس دلیل کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگ ہدایت پر آجاتے، مگر انھوں نے ہدایت قبول نہیں کی) بلکہ یہ ظالم لوگ (پہلے کی طرح ہی) کھلی گمراہی میں (جلا) ہیں۔

فائدہ: اس استدلال سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ معبود ہونے کے حق کے لئے ممکن چیزوں کا ایجاد کرنا لازم ہے کیونکہ معبود ہونے کا حق تو قدیم یعنی ہمیشہ سے ہے، اگر ایجاد اس کے لئے لازم امور میں سے ہوگا تو خود ایجاد اور عالم بھی قدیم ہو جائے گا تو اس سے عالم کا قدیم ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ باطل ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ممکن چیزوں کو وجود سے جوڑنا یعنی جب وہ موجود ہوں تو لازم ہے کہ ان کو ایجاد کرنے والا وہی ہو جو معبود ہونے کا مستحق ہو، اب مذکورہ اندیشہ دور ہو گیا، خوب سمجھ لو۔ اور ﴿ تَرَوْنَهَا ﴾ کی تحقیق سورہ رد آیت ۲ میں اور ﴿ آلَتْ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ ﴾ کی تحقیق سورہ حجر آیت ۱۹ میں گزر چکی ہے۔

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ ۚ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَبِيدٌ ۝ وَلَإِذَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَبْنِيْكَ لَا تَشْرِكْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّ

الشِّرْكَ لَظْمٌ عَظِيمٌ ۝ وَصَيَّنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْمِلْنِي امْنَةً وَهِنًا عَلَيَّ وَهِنًا عَلَيَّ وَفَضْلُهُ فِي
عَامِينَ إِنِ اشْكُرْنِي وَلَوْ أَلَدَيْكَ لَرَأَيْتُ الْمَصِيدُ ۝ وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ
بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَلِحْنِي فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَأَتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۝ ثُمَّ إِنِّي مَرْجِعُكُمْ
فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ يُبْنَىٰ لَهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ
فِي السَّمَاءِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ مَرَاتٍ ۝ اللَّهُ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝ يُبْنَىٰ أَقِيمِ الصَّلَاةَ وَامْرُ
بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ وَلَا تُصِرْ
خَدَكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَتَّبِعْ فِي الْأَرْحَامِ مَرْحَاءً إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَاقْصِدْ
فِي مَشْيِكَ وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ لِمَنْ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝

ترجمہ: اور ہم نے لقمان کو دانشمندی عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو۔ اور جو شخص شکر کرے گا، وہ اپنے نفع ذاتی کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے گا تو اللہ تعالیٰ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔ اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرنے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھیرانا، بیشک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔ اور ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے۔ اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اُس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اُس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھیرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو اُن کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں اُن کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا۔ اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو، پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے، پھر میں تم کو جتلاؤں گا جو جو کچھ تم کرتے تھے۔ بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمانوں کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو تب بھی اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین باخبر ہے۔ بیٹا! نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر۔ اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اُس پر صبر کیا کر۔ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل، بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر، بیشک آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

رابطہ: اب بھی اوپر کی طرح توحید کا مضمون ہے اور اس کی وضاحت کے لئے لقمان علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے جن کی وصیت میں توحید کی تعلیم بھی ہے جو اعتقادی تکمیل کی فردا عظم ہے پھر عملی تکمیل کی تعلیم ہے جس کا ذکر علم اور عمل کی مناسبت سے کر دیا گیا۔ اور سب سے عظیم مقصود توحید کا ذکر معلوم ہوتا ہے، اور توحید کی تاکید کے لئے قصہ کے درمیان میں

ضمیمہ کے طور پر آیت ﴿وَصَيَّنَّا الْإِنْسَانَ﴾ آگئی ہے۔

لقمان کی حکایت اور توحید وغیرہ سے متعلق ان کی وصیتیں:

اور ہم نے لقمان کو سمجھ داری عطا فرمائی (جس کی حقیقت علم کے ساتھ عمل ہے، اور ساتھ ہی یہ حکم دیا) کہ عموماً ساری نعمتوں پر اور خاص طور سے حکمت کی اس نعمت پر جو کہ تمام نعمتوں میں سب سے افضل ہے (اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو۔ اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ذاتی نفع کے لئے ہی شکر کرتا ہے یعنی اس میں اس کا اپنا نفع ہے کہ اس سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ دنیاوی نعمت میں تو کبھی خود نعمت کے اعتبار سے اور ثواب کے اعتبار سے ہمیشہ اور دینی نعمت میں جیسے علم وغیرہ کہ دونوں طرح پر یعنی علم بھی بڑھتا ہے اور ثواب بھی ملتا ہے) اور جو ناشکری کرتا ہے تو (وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ (تو) بے نیاز (اور سب) خوبیوں والا ہے (یعنی چونکہ وہ اپنی ذات میں کامل ہے جس پر لفظ حمید دلالت کرتا ہے۔ اس لئے وہ غنی یعنی بے نیاز یا سب سے بے پروا ہے کہ اس کو کسی شکر و ثنا کی حاجت نہیں، کہ اس میں دوسرے سے کامل ہونا لازم آتا ہے اور چونکہ لقمان میں حکمت یعنی علم و عمل کی صفت پائی جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے شکر کی تعلیم پر بھی عمل کیا ہوگا، لہذا وہ شاکر یعنی شکر کرنے والے بھی تھے اور شاکر ہونے سے ان کی حکمت میں ترقی بھی ہوئی ہوگی، لہذا وہ اعلیٰ درجہ کے حکیم ہوئے) اور (ایسے حکیم کی تعلیم لازمی طور پر عمل کے قابل ہونی چاہئے، تو ان کی تعلیمات کا ان لوگوں کے سامنے ذکر کیجئے) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا، بے شک شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے (جس کی حقیقت: وضع الشیء فی غیر محلہ: ہے یعنی کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا، اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا شرک میں بہت ہی زیادہ بھاری ہے) اور (قصہ کے درمیان میں توحید کے امر کی تاکید کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے (کہ ان کی اطاعت اور خدمت کرے کیونکہ انھوں نے اس کے لئے بڑی مشقتیں برداشت کی ہیں، خاص طور سے ماں نے۔ چنانچہ) اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا کیونکہ جوں جوں حمل بڑھتا جاتا ہے حاملہ کی کمزوری بڑھتی جاتی ہے) اور (پھر) دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے (ان دنوں میں بھی وہ ہر طرح کی خدمت کرتی ہے، اسی طرح اپنی حالت کے مطابق باپ بھی مشقت اٹھاتا ہے، اس لئے ہم نے اپنے حقوق کے ساتھ ماں باپ کے حقوق ادا کرنے کا بھی حکم فرمایا۔ چنانچہ یہ ارشاد کیا) کہ تم میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کرو (حق تعالیٰ کی شکر گزاری تو حقیقی عبادت و اطاعت کے ساتھ اور ماں باپ کی شکر گزاری ان کی خدمت اور شرعی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ، کیونکہ سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے (اس وقت میں اعمال کی جزا و سزا دوں گا۔ اس لئے احکام کی بجا آوری ضروری ہے) اور (اس کے باوجود کہ ماں باپ کا اتنا بڑا حق

ہے، جیسا کہ ابھی معلوم ہوا، لیکن توحید کا امر ایسا عظیم الشان ہے کہ اگر تجھ پر وہ دونوں (بھی) اس بات کے لئے زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس (کے معبود ہونے میں شریک ہونے) کی تیرے پاس کوئی دلیل (اور سند) نہیں (اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں کہ جس کے شریک ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو بلکہ مستحق نہ ہونے پر دلیلیں قائم ہیں۔ لہذا مراد یہ ہوئی کہ اگر وہ کسی چیز کو بھی معبود ہونے میں شریک ٹھہرانے کا تجھ پر زور ڈالیں) تو ان کا کہنا نہ ماننا اور (ہاں یہ ضروری ہے کہ) دنیا (کی جائتوں اور معاملوں جیسے مال خرچ کرنا اور خدمت وغیرہ) میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا اور (دین کے بارے میں صرف) اس شخص کی راہ پر (ہی) چلنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہے (یعنی جو میرے احکام پر یقین و عقیدہ رکھنے والا اور عمل کرنے والا ہو) پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر (آنے کے وقت) میں تمہیں جتنا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو (اس لئے کسی امر میں میرے حکم کے خلاف مت کرو، آگے پھر لقمان کی وصیتوں کے قصہ کی تکمیل ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو اور نصیحتیں بھی کیں۔ چنانچہ توحید اور عقیدوں کے بارے میں بھی یہ نصیحت کی کہ) اے میرے بیٹے! (حق تعالیٰ کا علم اور قدرت اس (درجہ کی ہے کہ) اگر (کسی کا) کوئی عمل (کیسا ہی پوشیدہ ہو جیسے فرض کرو کہ وہ) رائی کے دانہ کے برابر (مقدار میں) ہو (اور) پھر (فرض کرو کہ) وہ کسی پتھر کے اندر (چھپا ہوا رکھا) ہو (جو کہ ایسا حجاب ہے کہ اس کا دور ہونا دشوار ہے اور بغیر دور کئے کسی کو اس کے اندر کا علم نہیں ہوتا) یا وہ آسمانوں کے اندر ہو (جو کہ عام مخلوق سے مقام کے لحاظ سے بہت دور ہے) یا وہ زمین کے اندر ہو (جہاں خوب اندھیرا رہتا ہے، اور مخلوق کے علم سے کسی چیز کے پوشیدہ رہنے کے یہی اسباب ہیں، کیونکہ کبھی انتہائی چھوٹی ہونے کی وجہ سے کوئی چیز پوشیدہ ہو جاتی ہے، کبھی حجاب کے سخت ہونے کی وجہ سے، کبھی جگہ کے دور ہونے کی وجہ سے اور کبھی اندھیرے کی وجہ سے۔ لیکن حق تعالیٰ کی ایسی شان ہے کہ اگر پوشیدہ ہونے کے اتنے اسباب بھی جمع ہوں تب بھی (قیامت کے دن حساب کے وقت) اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کر دے گا (جس سے علم اور قدرت دونوں ثابت ہوئے) بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہار یکی سے دیکھنے والا (اور) باخبر ہے (اور اعمال کے سلسلہ میں یہ نصیحت کی کہ) بیٹا نماز پڑھا کرو (کہ عقیدوں کو صحیح کرنے کے بعد سب سے اعلیٰ درجہ کا عمل ہے) اور (جس طرح عقیدوں اور اعمال کو صحیح کر کے اپنی تکمیل کی ہے۔ اسی طرح (دوسروں کی تکمیل کی بھی کوشش کرنی چاہئے، لہذا لوگوں کو) اچھے اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو، اور برے کاموں سے منع کیا کرو، اور (اس نیکی و بھلائی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے میں خاص طور سے اور ہر حالت میں عام طور پر) تم پر جو مصیبت واقع ہو، اس پر صبر کیا کرو۔ یہ (صبر کرنا) ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور (اخلاق و عادتوں کے سلسلہ میں یہ نصیحت کی کہ) اے میرے بیٹے! (لوگوں سے اپنا رخ مت پھیرا اور زمین پر اترا کر مت چلو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ اور اپنی چال میں درمیانی راستہ اختیار کرو) نہ بلا ضرورت بہت دوڑ کر چلو کہ وقار کے خلاف ہے اور گر جانے کا بھی اندیشہ ہے اور نہ ہی بہت گن گن کر قدم رکھو کہ گھمنڈ کرنے والوں کا طریقہ ہے۔ بلکہ

أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۖ وَمَنْ يَسْلَمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ
 مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ
 كُفْرُهُ ۖ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۖ ثُمَّ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ
 إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۖ وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ مَقِيلُ الْحَمْدُ لِلَّهِ
 بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۖ اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۖ وَلَوْ أَنَّ مَا
 فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ
 عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۖ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةً إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۖ أَلَمْ تَرَ أَنَّ
 اللَّهَ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتَخْرُ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ كُلٌّ يَجْعَلُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى
 وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۖ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ ۖ وَ
 أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۖ أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۖ وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظَّلِيلِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ
 لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ۖ

۱۳۷

ترجمہ: کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ
 آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، اور اُس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری و باطنی پوری کر رکھی ہیں۔ اور بعض آدمی ایسے
 ہیں کہ اللہ کے بارے میں بدوں واقفیت اور بدوں دلیل اور بدوں کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔ اور جب اُن
 سے کہا جاتا ہے کہ اُس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں! ہم اُس کا اتباع کریں گے جس
 پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے۔ کیا اگر شیطان ان کے بڑوں کو عذاب و دوزخ کی طرف بلاتا رہا ہو تب بھی۔ اور جو شخص اپنا
 رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تمام لیا۔ اور اخیر سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف پہنچے
 گا۔ اور جو شخص کفر کرے، سو آپ کے لئے اس کا کفر باعث غم نہ ہونا چاہئے۔ ان سب کو ہمارے پاس لوٹنا ہے سو ہم اُن کو
 جلا دیں گے جو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں، ہم ان کو چند روزہ عیش دیئے ہوئے
 ہیں۔ پھر ان کو کشاں کشاں ایک سخت عذاب کی طرف لے آویں گے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس
 نے پیدا کیا؟ تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ کہئے کہ الحمد للہ! بلکہ ان میں اکثر نہیں جانتے۔ جو کچھ آسمان اور
 زمین میں موجود ہے، سب اللہ ہی کا ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ بے نیاز سب خوبیوں والا ہے۔ اور جتنے درخت زمین بھر میں
 ہیں، اگر وہ سب قلم بن جائیں اور یہ جو سمندر ہے، اس کے علاوہ سات سمندر اس میں شامل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی باتیں

ختم نہ ہوں۔ بیشک خدا تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے، تم سب کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ متناسب کچھ دیکھتا ہے۔ اے مخاطب! کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں، بالکل ہی لچر ہیں۔ اور اللہ ہی عالی شان اور بڑا ہے۔ اے مخاطب! کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے تاکہ تم کو اپنی نشانیاں دکھلا دے۔ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایسے شخص کے لئے جو صابر شاکر ہو۔ اور جب ان لوگوں کو موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں۔ پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو بعضے اُن میں اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کے بس وہی منکر ہوتے ہیں جو بد عہد اور ناشکر ہیں۔

رابطہ: اوپر سے توحید کا مضمون چلا آ رہا تھا اور اسی کی مناسبت سے لقمان کی وصیتوں کا ذکر آ گیا تھا۔ اب پھر توحید کا مضمون ہے۔

توحید کے مضمون کی تاکید:

کیا تم لوگوں کو (مشاہدے یعنی دیکھنے سے اور دلیلوں سے) یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں (موجود) ہیں اور جو کچھ زمین میں (موجود) ہیں (واسطہ سے یا بغیر واسطہ کے) تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں (ظاہری وہ کہ ان کا حواس سے پتہ چل جائے اور باطنی وہ کہ ان کا عقل سے پتہ چلنے اور نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں جو آسمانوں اور زمین کو کام میں لگانے سے حاصل ہوتی ہیں، لہذا اس سے بھی سارے مخاطبوں کا مشرف بہ اسلام ہونا لازم نہیں آتا) اور اس کے باوجود کہ اس دلیل سے توحید ثابت ہوتی ہے، مگر بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے (یعنی اس کی توحید کے) بارے میں بغیر واقفیت (یعنی ضروری علم) اور بغیر دلیل (یعنی استدلالی عقلی علم) اور بغیر کسی واضح کتاب (یعنی استدلالی نقلی علم) کے جھگڑا کرتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے (یعنی حق کو ثابت کرنے والی دلیل میں غور کر کے اس کا اتباع کرو) تو (وہ جواب میں) کہتے ہیں کہ (ہم اس کا اتباع نہیں کرتے) ہم (تو) اسی کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے (آگے ان پر رد ہے کہ) کیا اگر شیطان ان کے بڑوں کو جہنم کے عذاب کی طرف (یعنی گمراہی کی طرف جو کہ جہنم کے عذاب کا سبب ہے) بلاتا رہا ہو تب بھی (انہی کا اتباع کریں گے؟ مطلب یہ کہ ایسے عناد رکھنے والے ہیں کہ اس کے باوجود کہ انہیں دلیل کی طرف بلایا جاتا ہے مگر پھر بھی بغیر دلیل کے بلکہ) دلیل کے خلاف محض گمراہ باپ داداؤں کی راہ پر چلتے ہیں، یہ حالت تو گمراہ لوگوں کی ہوئی) اور جس شخص نے (حق کا اتباع کر کے) اپنا رخ اللہ کی طرف

کر دیا (یعنی عقائد میں بھی اور اعمال میں بھی فرماں برداری اختیار کر لی، اس سے اسلام اور توحید مراد ہے) اور (اس کے ساتھ) وہ مخلص بھی ہو (یعنی محض ظاہری اسلام نہ ہو) تو اس نے بڑا مضبوط سہارا تمام لیا (یعنی وہ اس شخص کی طرح ہو گیا جو کسی مضبوط رستی کے حلقے کا سہارا لے کر گرنے سے محفوظ رہتا ہے، اسی طرح یہ شخص ہلاکت اور گھٹانے سے محفوظ ہو گیا) اور سب کاموں کا آخری فیصلہ اللہ ہی کی طرف پہنچے گا (لہذا یہ اعمال یعنی باطل کا اتباع اور حق کا اتباع بھی اسی کے حضور میں پیش ہوں گے۔ لہذا وہ ہر ایک کو مناسب جزا و سزا دے گا) اور جو شخص (حق کو ثابت کرنے والی ان دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود) کفر کرے تو آپ کے لئے اس کا کفر غم کا سبب نہیں ہونا چاہئے (یعنی آپ غم نہ کریں) ان سب کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے تو ہم انہیں سب جتادیں گے جو کچھ وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ کو (تو) دلوں کی باتیں (تک) خوب معلوم ہیں (ظاہر کی تو کیا حیثیت ہے۔ لہذا ہم سے کوئی امر ڈھکا چھپا نہیں، سب جتادیں گے اور مناسب سزادیں گے، اس لئے آپ کچھ غم نہ کریں اور اگر یہ لوگ محض کچھ دن کے مزے پر پھول رہے ہیں تو ان کی بڑی غلطی ہے کیونکہ بیش و مزہ ہمیشہ رہنے والا نہیں۔ بلکہ) ہم نے انہیں چند دن مزے کرنے کا موقع دے رکھا ہے پھر انہیں ایک سخت عذاب کی طرف بھیج لے آئیں گے (لہذا اس پر ناز کرنا محض جہل ہے) اور (ہم جس توحید کی طرف انہیں بلا رہے ہیں، اس سے متعلق باتوں کو خود یہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں، مگر اس سے نتیجہ نکالنے کا کام نہیں لیتے، چنانچہ) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے (اس پر) آپ کہئے: الحمد للہ (جو معاملہ سب سے زیادہ اہمیت اور شان والا تھا وہ تو تمہارے اعتراف سے ثابت ہو گیا اور دوسرا معاملہ بہت ہی زیادہ ظاہر ہے کہ جو خود مخلوق ہے پیدا کیا ہوا اور بنایا ہوا ہودہ معبود ہونے کا مستحق نہیں ہے، لہذا مقصود ثابت ہو گیا۔ مگر یہ لوگ مقصود کو نہیں مانتے) بلکہ ان میں اکثر (تو معاملات کے مجموعہ کو بھی) نہیں جانتے (چنانچہ دوسرے واضح معاملہ کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ معبود ہونے کا حق خالق کی خصوصیتوں میں سے ہے اور اللہ کی وہ شان ہے کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے، سب اللہ ہی کا (مملوک یا ملکیت) ہے (لہذا سلطنت تو ان کی ایسی ہے) اور بے شک اللہ تعالیٰ (خود اپنی ذات میں بھی) بے پروا (اور) سب خوبیوں والا ہے (لہذا معبود ہونے کے لائق وہی ہے) اور (اس کی خوبیاں اس کثرت سے ہیں کہ) ساری زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں (یعنی جیسا عام طور سے قلم پایا جاتا ہے اس کے برابر ان کے ٹکڑوں کے قلم بنائے جائیں اور ظاہر ہے کہ اس طرح ایک ایک درخت میں ہزاروں قلم تیار ہوں) اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ (روشنائی کی جگہ) اس میں سات سمندر اور شامل ہو جائیں (اور پھر ان قلموں اور اس روشنائی سے حق تعالیٰ کے کمالات لکھنے شروع کریں) تو (سارے قلم اور روشنائی ختم ہو جائیں، اور) اللہ کی باتیں (یعنی وہ کلمات جن سے اللہ تعالیٰ کے کمالات کی حکایت ہو) ختم نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست، حکمت والا ہے (کہ وہ قدرت میں بھی کامل ہے اور علم میں بھی اور چونکہ یہ دونوں صفتیں تمام صفات و افعال سے تعلق رکھتی ہیں، شاید اس لئے عموم کے بعد ان کو

خاص طور سے بیان فرمایا، اور قدرت کی صفت کے کمال کی ایک فرع بحث بھی ہے جس کو نا سمجھ لوگ دشوار سمجھ رہے ہیں، حالانکہ وہ ایسا قدرت والا ہے کہ تم سب کا (پہلی بار) پیدا کرنا اور (دوسری بار) زندہ کرنا (اس کے نزدیک) ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا (پیدا کرنا اور زندہ کرنا، اگرچہ یہاں موقع کے قرینہ سے مقصود بحث کا ذکر فرمانا ہے، لیکن خلق یعنی پیدائش کے ذکر سے استدلال اور زیادہ قوی ہو گیا) بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔ (لہذا جو لوگ ان دلیلوں کے باوجود بحث کا انکار کر رہے ہیں اور اس جرات پر فتق و فجور کرتے ہیں، ان سب کو سن رہا ہے، دیکھ رہا ہے، انہیں سزا دے گا۔ آگے پھر تو حید ہے کہ) اے مخاطب! کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات (کے اجزاء) کو دن میں اور دن (کے اجزاء) کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت (یعنی قیامت) تک چلتا رہے گا۔ اور (کیا تمہیں) یہ (معلوم نہیں) کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی پوری خبر رکھتا ہے (لہذا فعل میں اس کمال درجہ کی مضبوطی اور عمل پر اس اطلاع کا تقاضا یہ ہے کہ شرک کو چھوڑ دیا جائے اور اوپر جو ان مضبوط افعال کا بیان کیا گیا ہے جن پر ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اور ﴿يُؤْتِي الْحَيَاةَ﴾ اور ﴿سَخَّرَ﴾ کا حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا بیان کیا گیا ہے) یہ (خاص ہونا) اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی ہستی میں کامل (اور واجب الوجود) ہے۔ اور یہ لوگ اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کر رہے ہیں، یہ سب بالکل ہی بے کار ہیں۔ اور اللہ ہی اعلیٰ شان والا اور (سب سے) بڑا ہے (اس لئے یہ سب تصرفات اس کے ساتھ خاص ہیں۔ اگر دوسرے باطل، ہلاک ہونے والے اور ممکن چیزیں نہ ہوتیں، بلکہ نعوذ باللہ اگر کوئی دوسرا بھی واجب الوجود ہوتا تو پھر یہ تصرفات حق تعالیٰ کے ساتھ خاص نہ ہوتے۔ چنانچہ ظاہر ہے، لہذا حق تعالیٰ کا وجوب، وجود اور علو اور کبریائی کے ساتھ خاص ہونا تصرفات کے خاص ہونے کی لمبی دلیل ہے، اس لئے اس پر حرف ”ب“ لایا گیا۔ اور تصرفات کا خاص ہونا کمالات کے خاص ہونے کی اتنی دلیل ہے جیسا کہ اوپر سے اسی استدلال کے موقع محل کا مقصود ہونا ظاہر ہے، لہذا یہ شبہ نہ رہا کہ اوپر تو افعال کے ذریعہ تو حید کا اثبات ہے اور اس آیت میں تو حید کے ذریعہ افعال کا اثبات ہے، اصل یہ ہے کہ پہلا اثبات ذہن میں ہے اور دوسرا خارج میں، پہلا یعنی ذہنی اثبات دلیل انی کہلاتا ہے اور دوسرا اثبات دلیل لئی۔ اور) اے مخاطب! کیا تمہیں (توحید کی) یہ (دلیل) معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے تاکہ تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھا دے (چنانچہ ہر ممکن یعنی جس کا امکان ہو اور ہر محدث یعنی جو پہلے سے موجود نہ ہو اور پھر وجود میں آئے وجود واجب اور محدث کے وجود کی دلیل ہے۔ اسی طرح) اس میں (بھی) ہر ایسے شخص کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں جو صبر کرنے والا شکر کرنے والا ہو (اس سے مؤمن مراد ہے کہ صبر و شکر میں کامل ہونا اس کی صفت ہے اور صبر و شکر، عالم کی تدبیر کرنے والے کی یاد کے لئے محرک ہے۔ اور استدلال کے لئے یاد اور غور و فکر ضروری ہے، اس لئے یہاں یہ دونوں صفتیں خاص طور سے کشتی کی حالت کے اعتبار سے مناسب ہوئیں کہ موجوں کا اٹھنا صبر کا موقع محل ہے اور سلامتی کے ساتھ کنارہ پر پہنچ جانا شکر کا موقع محل ہے، لہذا جو لوگ ان سب

واقعات میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں استدلال کی توفیق انہی کو ہوتی ہے) اور (جس طرح اوپر آیت ﴿وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ﴾ میں ان کافروں کی طرف سے دلیل سے متعلق امور کا اعتراف ثابت ہے بعض اوقات وہ لوگ خود دلیل کے نتیجہ یعنی توحید کا بھی اعتراف کرتے ہیں، جس سے توحید اچھی طرح واضح ہوگئی۔ چنانچہ جب ان لوگوں کو موجیں، سائبانوں (یعنی بادلوں) کی طرح (احاطہ کر کے) گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو ان میں بعض درمیانی راہ پر رہتے ہیں (یعنی شرک کے ٹیڑھے پن کو چھوڑ کر توحید کو جو کہ سب سے زیادہ اعتدال کا طریقہ ہے، اختیار کر لیتے ہیں) اور (بعض پھر ہماری آیتوں اور نشانیوں کا انکار کرنے لگتے ہیں۔ اور) ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہوتے ہیں جو بد عہد اور ناشکرے ہیں (کہ کشتی میں جو توحید کا عہد کیا تھا، اس کو توڑ دیا اور خشکی میں آنے کا جو تقاضا تھا، شکر کرنا، اس کو چھوڑ دیا)

فائدہ: سات سمندر مثال کے طور پر فرض کئے گئے ہیں، اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ سمندر تو ایک ہی ہے۔ اور یہاں ﴿خَتَارِ كَقَوْرِ﴾ کے مقابلہ میں ﴿مُقْتَصِدٌ﴾ کا آنا مؤمن کے مطلق ارادہ کا قرینہ ہے اور سورہ فاطر میں ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ﴾ اور ﴿سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ﴾ کے مقابلہ میں ﴿مُقْتَصِدٌ﴾ کا آنا خاص قسم کے مؤمن کے ارادہ کا قرینہ ہے جو نہ طاعتوں میں بڑھا ہوا ہونہ معاصی میں۔ لہذا اس مقام پر تقسیم کا حصر پیدا کرنے والا نہ ہونے کا شبہ نہ کیا جائے۔ اور ﴿كُلٌّ يَجْعَلِي آلَ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ میں دلالت صرف ﴿إِلَّا أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ تک چلنا ہے، اگر ﴿أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ سے پہلے یہ چلنا کسی دن عادت کے خلاف ہو جائے یا ﴿أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ کے بعد بھی جب تک اللہ چاہے چلنے کا عمل جاری رہے تو اس سے ان دونوں کی نفی لازم نہیں آتی۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَاحْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدٍ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَانٌّ عَنْ وَالِدٍ شَيْئًا وَإِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ اللَّهُ الْغُرُورُ﴾

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ ادا کر دے۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو تم کو دنیوی زندگی کا دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ تم کو وہ دھوکہ باز اللہ سے دھوکہ میں ڈالے۔

رابط: اوپر شرک کا باطل ہونا اور ﴿تُنتَبِهُمُ قَلِيلًا﴾ میں اس پر مختصر انداز میں وعید تھی۔ اب عام وعظ و نصیحت کے انداز میں اس پر قیامت کے ذکر سے تفصیل کے ساتھ ڈرایا گیا ہے جس کی طرف مختصر انداز میں ﴿مَّا خَلَقْنَاكُمْ﴾ میں اشارہ بھی ہو چکا ہے۔

وعید کے دن سے ڈرانا:

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو (اور کفر و شرک چھوڑ دو) اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ ہی کوئی بیٹا ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ ادا کر دے (اور یہ دن ضرور آنے والا ہے، کیونکہ اس کے بارے میں اللہ کا وعدہ ہے۔ اور) یقیناً اللہ کا وعدہ سچا (ہوتا) ہے تو تمہیں دنیاوی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے (کہ اس میں مشغول ہو کر اس دن سے غافل رہو) اور نہ تمہیں وہ دھوکہ باز (یعنی شیطان) اللہ سے دھوکہ میں ڈالے (کہ تم اس کے اس بہکانے میں آ جاؤ کہ اللہ تمہیں عذاب نہیں دے گا جیسا کہ کہا کرتے تھے) وَلَٰكِنْ يُجْعَلُ لِيَ يَوْمٍ (اِنَّ لِيْ عِنْدَهُ لَلْعُسْفٰى) ﴿۱﴾

فائدہ: یجزی کی تحقیق سورہ بقرہ آیت ۲۸ ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِيْهِ اِلْحُ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں گزر چکی ہے اور اسی سے جز اور شفاعت میں فرق بھی معلوم ہو جائے گا، لہذا شفاعت کی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ وہاں شفاعت کی جس اعتبار سے نفی ہے، اس کا بھی وہاں ہی بیان ہوا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّا ذَاتَ كَسْبٍ عَدَّاهُ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ اَرْضٍ تَمُوتُ مَرَاتٍ اللّٰهُ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ ﴿۱﴾

ترجمہ: بیشک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے۔ اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب باتوں کا جاننے والا باخبر ہے۔

رابطہ: اوپر قیامت کے دن کی وعید تھی اور انکار کرنے والے، انکار کے طور پر اس کا وقت پوچھا کرتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مَوْسِمًا﴾ اس لئے اگلی آیت میں کہ درمنثور میں اس کے شان نزول میں بھی بعض لوگوں کا حضور ﷺ سے اس سلسلہ میں سوال کرنے کا ذکر ہے، جواب کے طور پر علم غیب کا اپنے ساتھ خاص ہونا ارشاد فرمایا۔ جن میں سے بعض وجہوں سے بعض کو خاص طور سے ذکر بھی فرمایا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ نبی ﷺ کے قیامت کے وقت کونہ جاننے سے اس کا واقع نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اور اس آیت میں دوسری مخلوقات سے جن میں باطل معبود بھی آگئے علم غیب کی نفی فرمانے سے توحید کی تاکید ہو گئی کہ ایسا ناقص علم والا معبود نہیں ہو سکتا، لہذا اس آیت کا گذشتہ آیت سے دو طرح سے ربط ہو گیا اور پوری سورت کا خلاصہ یہی دو امر تھے ایک توحید اور دوسرے جزا و سزا۔ جس کا اصل وقت قیامت ہے، لہذا اس طرح یہ آیت، سورت کے تمام مضامین کی جامع ہو گئی، اس لئے اس پر سورت کا خاتمہ عین بلاغت ہوا۔

علم غیب کے حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے پر سورت کا خاتمہ:

بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی (اپنے علم کے مطابق) بارش برساتا ہے (لہذا اس کا علم اور قدرت بھی اسی کے ساتھ خاص ہے) اور وہی جانتا ہے جو کچھ (حاملہ کے) رحم میں ہے (یعنی لڑکا یا لڑکی) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا (اس کی خبر بھی اسی کو ہے) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا (اس کی خبر بھی اسی کو ہے، جتنے بھی غیب کے امور ہیں اور ان سب چیزوں کی کیا خصوصیت ہے) بے شک اللہ ہی (ان) سب باتوں کا جاننے والا (اور ان سے) باخبر ہے (کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں)

فائدہ: یہاں چند امور ذکر کے قابل ہیں:

اول: جب غیب کا علم یعنی ہر چیز کا بغیر واسطہ علم اور تمام چیزوں کا احاطہ کرنے والا علم حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے پھر خاص طور سے ان پانچ چیزوں کے ذکر کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں: ایک تو یہ کہ سوال انہی چیزوں کے بارے میں کیا گیا تھا جیسا کہ الدر میں مجاہد اور عکرمہ سے روایت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگوں کو ان چیزوں کے علم کی خواہش زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ الروح میں ہے۔

دوسرا امر: بعض اوقات علامتوں سے جنین یعنی ماں کے پیٹ میں پلنے والے بچہ کا حال اور بارش کا وقت دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر خاص ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مطلق علم کا خاص ہونا مراد نہیں، بلکہ غیب کے علم کا خاص ہونا مراد ہے خواہ دوسری دلیل سے مطلق کی بھی نفی ہو، جیسے قیامت کا علم کہ اس کی مطلق نفی ہے یا مطلق علم ثابت ہو، جیسے مسئول عنہ محل میں علم واسطہ سے ہے جو کہ غیب کا علم نہیں۔

تیسرا امر: ﴿يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ میں صرف بارش برسانے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہوئی ہے نہ کہ اس کے علم کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موقع محل کے قرینہ سے اس علم کی نسبت کا مقصود ہونا معلوم ہو گیا۔ اور اس تعبیر میں یہ نکتہ ہے کہ بارش برسانے کے ساتھ بہت سے منافع و فوائد متعلق ہیں۔ ﴿يُنَزِّلُ﴾ کی نسبت صریح طور پر اس کی اہمیت اور شان والی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اگر بعلم تنزیل الغیث فرمایا جاتا تو یہ اشارہ حاصل نہ ہوتا۔

چوتھا امر: بارش یا رحم میں کیا ہے؟ اس کے علم سے علم کے خاص ہونے پر کیسے دلالت ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ موقع محل کے قرینہ سے ہوئی۔

پانچواں امر: ﴿عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ کو جملہ اسمیہ سے اور ﴿يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ کو جملہ فعلیہ سے تعبیر کرنے میں کیا نکتہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ساعت یعنی قیامت تو ایک امر متعین ہے اور بارش کا برسا اور بچہ کا رحم میں رہنا بار بار پیش آنے والے امور ہیں کہ وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں، یہ وجہ اس تعبیر کے فرق کی ہوئی۔

چھٹا امر: اللہ تعالیٰ کے علم کے اثبات میں علم کا مادہ لایا گیا اور مخلوق کے علم کی نفی میں مادہ درایت لایا گیا ہے، اس میں کیا نکتہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ درایت اس علم کو کہتے ہیں جو کوشش اور کسی حیلہ و ذریعہ سے حاصل ہو۔ لہذا اس میں اشارہ ہو گیا کہ علم غیب حیلہ اور کوشش سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

ساتواں امر: ﴿مَا ذَا تُكْسِبُ﴾ میں اپنے کمائے ہوئے کو خاص کرنے میں کیا نکتہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ تاکہ کسی دوسرے کے کمائے ہوئے کی نفی زیادہ بہتر طور پر ہو جائے۔

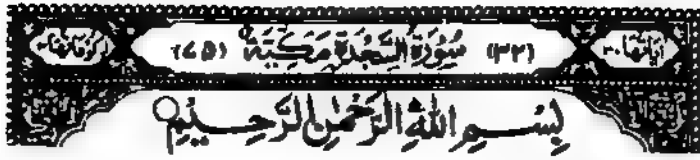
آٹھواں امر: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُوبِ﴾ میں جگہ کے علم کی نفی کی گئی، حالانکہ زمانہ اور وقت کا بھی علم نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جگہ بعض اوقات دیکھی ہوئی بھی ہوتی ہے۔ اور جس جگہ اس وقت موجود ہیں، وہ تو یقینی طور پر دیکھی ہوئی ہے۔ برخلاف زیادہ وقت کے، لہذا اس کی نفی اور بھی زیادہ بہتر طور پر ہو گئی۔

نواں امر: پہلے جملوں میں خاص ہونے کو اللہ کے علم کے اثبات سے تعبیر کیا اور بعد کے جملوں میں خاص ہونے کو مخلوق کے علم کے نفی سے تعبیر کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کمانا اور موت اپنا حال ہونے کی وجہ سے علم سے قریب ہے اور دوسری معلومات دوسری اشیا کا حال ہونے کی وجہ سے دور ہیں۔ اور قریب والے میں علم کا احتمال تھا، اس لئے واضح انداز میں نفی کی گئی اور دور والے میں نفی خود ہی ظاہر ہے، وہاں اپنے علم کی نفی سے اللہ کے علم سے دور ہونے کا شبہ ہو سکتا تھا، اس لئے واضح طور پر اثبات کیا گیا۔

دسواں امر: حدیث میں: مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ: یعنی غیب کی پانچ کنجیاں آیا ہے۔ اس سے مثال دینا مراد ہے، لہذا پہلے امر میں جو تحقیق بیان کی گئی ہے وہ حدیث سے نہیں مکرار ہی ہے۔

﴿سورۃ لقمان کی تفسیر یکم صفر سنہ ۱۳۲۵ھ کو پوری ہوئی اور آج ہی آئندہ سورت کی تفسیر شروع کر دی﴾





شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابطہ: گذشتہ سورت میں توحید اور آخرت کے مضامین تھے، اس سورت کے شروع میں قرآن کے حق ہونے کا اور رسالت کا اثبات ہے جس کی مناسبت توحید اور آخرت سے ظاہر ہے۔ پھر ﴿اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ سے توحید کا بیان ہے اور ﴿قَالُوْا اَعْمٰدًا ضَلٰکُنَا﴾ سے آخرت کا ذکر اور پہلا مضمون ایک لحاظ سے دوسرے پر بھی مشتمل ہے پھر ﴿وَلَقَدْ اَتٰیْنَا مُوْسٰی﴾ سے رسالت کے مسئلہ کی تائید اور جھٹلانے والوں کے معاملہ میں صاحب رسالت کی تسلیم ہے اور ﴿اَوَلَمْ یٰھٰذَا﴾ سے آخر تک جھٹلانے والوں کی ملامت اور ان کے بعض اقوال کا جواب ہے۔

﴿الْقَمَرِ ۚ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمْرِیْ قَوْلُوْنَ اِفْتَرٰیۤہٗۤ ہٗۤ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّکَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَنْتُمْ مِنْ نَّذِیْرِہُمْ مِنْ قَبْلِکَ لَعَلَّہُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: ﴿الْقَمَرِ﴾ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ اپنے دل سے بنالیا ہے بلکہ یہ کتاب سچی ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ راہ پر آجائیں۔

رسالت کا اور قرآن کے برحق ہونے کا اثبات:

﴿الْقَمَرِ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) اس کتاب کا نازل ہونا بلاشبہ عالموں کے رب کی طرف سے ہے (جیسا کہ اس کا اعجاز یعنی معجزہ ہونا خود اس کی دلیل ہے) کیا یہ (منکر) لوگ یوں کہتے ہیں کہ اسے رسول (ﷺ) نے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے (یعنی یہ کہنا بالکل بکواس اور جھوٹ ہے، یہ رسول کا بنایا ہوا یا گھڑا ہوا نہیں ہے) بلکہ یہ سچی کتاب ہے آپ کے رب کی طرف سے (آئی ہے) تاکہ آپ (اس کے ذریعہ سے) ایسے لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ تاکہ وہ لوگ سیدھے راستہ پر آجائیں۔

فائدہ: سورہ نحل کی آیت ۳۶ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا﴾ میں مضمون ﴿لِیُنْذِرَ قَوْمًا﴾ الخ سے کچھ لکھا گیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں۔

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ مَا لَكُمْ مِّنْ دُونِهِ مَن وَّعْدَةٍ وَلَا شَفِيعٍ إِلَّا تَشْكُرُونَ ۚ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۚ ذَٰلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۚ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۚ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝﴾

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو اور اُس مخلوق کو جو ان دونوں کے درمیان میں ہے چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ بدوں اُس کے نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ سفارش کرنے والا۔ سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے پھر ہر امر اُسی کے حضور میں پہنچ جاوے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے موافق ایک ہزار برس کی ہوگی۔ وہی ہے جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا زبردست رحمت والا جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اُس کی نسل کو خلاصہ اخلاط یعنی ایک بے قدر پانی سے بنایا، پھر اُس کے اعضاء درست کئے اور اُس میں اپنی روح پھونکی۔ اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو۔
رابطہ: اوپر رسالت کا اثبات تھا۔ اب توحید کا اثبات اور غنمی طور پر آخرت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

توحید کا اثبات:

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اس مخلوق کو جو ان دونوں کے درمیان میں (موجود) ہے، چھ دن (کی مقدار) میں پیدا کیا پھر عرش پر (جو سلطنت کے تخت کی طرح ہے اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (جو کہ اس کی شان کے لائق ہے، وہ ایسا عظیم ہے) کہ اس (کی رضا و اجازت) کے بغیر نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ سفارش کرنے والا (البتہ اجازت سے شفاعت ہو جائے گی اور مدد نصرت^(۱) کے ساتھ اجازت ہی متعلق نہ ہوگی) تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو (کہ ایسی ذات کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا اور) وہ (ایسا ہے کہ) آسمانوں سے لے کر زمین تک (جتنے امور ہیں) ہر امر کی (وہی) تدبیر (اور انتظام) کرتا ہے، پھر ہر امر اسی کے حضور میں پہنچ جائے گا۔ ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار برس کی ہوگی (یعنی قیامت میں^(۲) تمام امور اپنے تمام فائدوں اور نقصانوں سمیت اسی کے حضور میں (۱) اس طرف اشارہ ہے کہ ﴿لَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ اپنے اطلاق پر باقی ہے۔

(۲) قیامت کے دن کی مقدار کی تحقیق سورہ حج میں بیان ہوئی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔

پیش ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ يُزَجَّعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ﴾ (وہی پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا زبردست، رحمت والا ہے جس نے ہر چیز بہت اچھی بنائی) (یعنی جس مصلحت کے لئے اسے بنایا اس کے مناسب بنایا) اور انسان (یعنی آدم علیہ السلام) کی پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر اس (انسان یعنی آدم) کی نسل کو خلطوں کے خلاصہ یعنی ایک بے قدر پانی (یعنی نطفہ) سے بنایا (جو غذا کے چوتھے ہضم کا فضلہ ہے جو استحالہ کے بعد خلط میں بدل جاتا ہے) پھر (ماں کے رحم میں) اس کے اعضاء درست کئے اور اس میں اپنی (طرف سے) روح پھونکی اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل (یعنی ظاہری اور باطنی ادراک کی قوتیں) دیں (اور ان سب کا جو کہ قدرت اور انعام پر دلالت کرنے والی ہیں، تقاضا یہ تھا کہ اللہ کا شکر کرتے جس کی سب سے عظیم فرد تو حید ہے، مگر تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو) (یعنی نہیں کرتے)

فائدہ: سورہ مومنون آیت ۱۲ میں چونکہ ﴿سُلَّكُوْهُ﴾ کے ساتھ ﴿مِنْ طِينٍ﴾ بھی ہے جس میں لفظ مِنْ ابتدا کے لئے ہے، اس لئے وہاں احقر نے غذا کے ساتھ تفسیر کی اور یہاں ﴿مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ ہے جس میں مِنْ بیان کے لئے ہے اسی لئے خلطوں کے خلاصہ سے تفسیر کی اور چونکہ ﴿سُلَّكُوْهُ﴾ دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے کچھ ٹکراؤ نہیں اور روح اگر مادی ہو تب توفیہ کے معنی ظاہر ہیں اور اگر مجرد یعنی مادہ سے خالی ہو تو بدن کے ساتھ تعلق کے لئے مجاز قرار دیا جائے گا اور ﴿رُؤُوسِهِمْ﴾ میں اضافت تشریفی یعنی عزت و شرافت کے لئے ہے جیسے بیت اللہ میں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں اللہ میں کوئی روح ہے۔ اس کا کوئی جز انسان میں پیدا کر دیا، بعوذ باللہ منہ اور اس دن کو ایک جگہ ﴿خَسِرْتُمْ﴾ اَلْفَ سَنَةٍ یعنی پچاس ہزار سال کے برابر کہنا بعض کے لحاظ سے ہے یعنی بعض کو زیادہ شدت کی وجہ سے زیادہ لمبا محسوس ہوگا۔

﴿وَقَالُوا آمَاذَا صَلَّكُنَا فِي الْأَرْضِ إِنَّا لَنِفِي خَلْقٍ جَدِيدَةٍ بَلْ هُمْ بِلِقَائِي رَبِّهِمْ كَفِرُونَ ۝ قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۝ وَلَوْ تَرَاءَىٰ فِي السُّجُودِ النَّاسَ وَنُفُوسَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ فَذُوقُوا بَأْسَ رَبِّكُمْ إِذْ تُسَوَّاهُ فِي النَّارِ ۝ إِنَّا نَسِينَكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ تَتَجَافَىٰ فِي جُحُوبِهِمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيَمْنَارُفَتْهُمْ يَنْفَقُونَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ۝ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوٰی رِزْقًا یَّمَنًا ۖ كَانُوا یَعْمَلُونَ ۝۱۰ وَآمَنَ الَّذِیْنَ فَتَقَوَّا فَمَا وَهُمْ
النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ یَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِیدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهِ
تُكَذِّبُونَ ۝۱۱ وَلَنَذِیْقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَذْنٰی دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُونَ ۝۱۲ وَمَنْ
أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآیٰتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنتَقِمُونَ ۝۱۳ ﴿

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب زمین میں نیست و نابود ہو گئے تو کیا ہم پھر نئے جنم میں آویں گے بلکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعین ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ اور اگر آپ دیکھیں تو عجب حال دیکھیں گے جبکہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے۔ اے ہمارے پروردگار! بس ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے سو ہم کو پھر بھیج دیجئے ہم نیک کام کیا کریں گے ہم کو پورا یقین آ گیا۔ اور اگر ہم کو منظور ہوتا تو ہم ہر شخص کو اس کا راستہ عطا فرماتے لیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو جنات اور انسان دونوں سے ضرور بھروں گا۔ تو اب اُس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے رہے ہو تم نے تم کو بھلا دیا اور اپنے اعمال کی بدولت ابدی عذاب کا مزہ چکھو۔ بس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب اُن کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے، ان کے پہلو خوابگا ہوں سے علاحدہ ہوتے ہیں، اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں، سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے۔ یہ اُن کو اُن کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔ تو جو شخص مومن ہو گیا، وہ اُس شخص جیسا ہو جاوے گا جو بے حکم ہو؟ وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے! جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے سو اُن کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو اُن کے اعمال کے بدلہ میں بطور اُن کی مہمانی کے ہیں۔ اور جو لوگ بے حکم تھے سو اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے وہ لوگ جب اُس سے باہر نکلتا چاہیں گے تو پھر اُسی میں دھکیل دیئے جاویں گے اور اُن کو کہا جاوے گا کہ دوزخ کا وہ عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اور ہم ان کو قریب کا عذاب بھی اُس بڑے عذاب سے پہلے چکھا دیں گے تاکہ یہ لوگ باز آویں۔ اور اُس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس کو اُس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جاویں پھر وہ اُس سے اعراض کرے ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

رابطہ: اوپر تو حید کا مضمون تھا۔ اب بعث و جزا کا بیان ہے اور منکروں کو زیادہ ڈرانے کے لئے قیامت کی سزا سے پہلے ایک جزا کا بیان فرمادیا۔ جس کو عذاب ادنیٰ یعنی کم درجہ کا کہا ہے اور اس کے ساتھ سزا کے مستحق ہونے کی علت کی وضاحت کر دی کہ وہ زیادہ ظالم اور زیادہ مجرم ہوتا ہے۔

بعث و جزا کا اثبات:

اور یہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ ہم جب زمین (یعنی مٹی) میں (مل کر) بے نام و نشان ہو گئے تو کیا ہم پھر (قیامت میں) نئے جنم میں آئیں گے (اور یہ لوگ اس بعث و نثر یعنی زندہ کر کے اٹھا کر پھیلا دیئے جانے پر صرف تعجب ہی نہیں کرتے ہیں جیسا کہ بظاہر ان کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے) بلکہ (حقیقت میں) وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہیں (اور ان کا یہ استفہام یعنی سوال کرنا اصل میں انکار ہے) آپ (جواب میں) فرمادیتے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر (اللہ کی طرف سے) متعین ہے، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے (جواب میں اصل مقصود تو یہی ﴿ثُمَّ جَعَلْنَا﴾ ہے اور ﴿يَتَوَفَّكُم﴾ بیچ میں بڑھا دینا ڈرانے کے لئے ہے کہ موت بھی فرشتہ کے ذریعہ آئے گی جو تمہاری جان نکالنے کے وقت مار دھاڑ بھی کرے گا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَذْ بَأْسَهُمْ﴾ الخ اس لئے مرجانے کا انجام صرف خاک ہی میں مل جانا نہ ہوگا۔ جیسا کہ تمہارے قول ﴿عَرَاذًا ضَلَكْنَا﴾ الخ سے ظاہر ہوتا ہے (اس رجوع کے وقت جس پر ﴿ثُمَّ جَعَلْنَا﴾ دلالت کرتا ہے) اگر آپ (ان لوگوں کا حال) دیکھیں گے تو عجیب حال دیکھیں گے۔ جب کہ یہ مجرم لوگ (انہائی شرمندگی کی وجہ سے) اپنے رب کے سامنے سر جھکائے (کھڑے) ہوں گے (اور کہتے ہوں گے) کہ اے ہمارے پروردگار! بس (اب) ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے (اور معلوم ہو گیا کہ رسولوں نے جو کچھ کہا سب حق تھا) تو ہمیں (دنیا میں) پھر بھیج دیجئے، ہم (اب کی بار جا کر خوب) نیک کام کیا کریں گے (اب) ہمیں پورا یقین آ گیا اور (ان کا یہ کہنا بالکل بے کار ہوگا، کیونکہ دنیا میں تو انہیں جب بھیجے کہ خواہ مخواہ ان کا کونی طور پر راستہ پر آنا ضرور مطلوب ہوتا اور دوبارہ بھیجنے میں ان کا راستہ پر آنا ضرور واقع ہوتا۔ حالانکہ دونوں باتوں کی اصلا نفی ہے: اول کی نفی تو اس لئے کہ) اگر ہمیں (یہ) منظور ہوتا (کہ یہ ضرور ہی راہ پر آئیں) تو ہم ہر شخص کو اس (کی نجات) کا راستہ (مطلوب تک پہنچانے کے درجہ میں ضرور) عطا فرماتے (جیسا کہ انہیں مطلوب کو دکھا دینے کے معنی میں ہدایت عطا فرمائی ہے) لیکن میری (تو) یہ (ازل میں لکھی ہوئی تقدیر کی) بات (بہت سی حکمتوں سے) متحقق ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں دونوں (میں جو کافر ہوں گے ان) سے ضرور بھروں گا۔ (اور بعض حکمتوں کا بیان سورہ ہود آیت ۱۱۹ کی تفسیر میں گذرا ہے۔ غرض پہلے امر کی نفی تو اس لئے ہے، دوسرے امر کی نفی سورہ انعام آیت ۲۸ ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا﴾ الخ میں بیان کی گئی ہے تو جب دونوں امروں کی جن پر دنیا کی طرف رجوع موقوف ہے، نفی ہے تو رجوع کی بھی نفی ہے اور جب رجوع کی نفی ہے) تو (ان سے کہا جائے گا کہ) اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے رہے، ہم نے تمہیں بھلا دیا (یعنی رحمت سے

محروم کر دیا جس کو بھلانا مجاز کے طور پر کہہ دیا) اور (ہم جو کہتے ہیں کہ مزہ چکھو تو ایک دودن کا نہیں، بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اپنے (برے) اعمال کی بدولت ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو (یہ تو کافروں کا حال اور انجام ہوا۔ آگے مومنوں کے حال اور انجام کا ذکر ہے۔ یعنی) بس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب انہیں وہ آیتیں یاد دلانی جاتی ہیں، تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں (جس کی تحقیق سورۃ مریم آیت ۵۸ میں گزر چکی ہے) اور اپنے رب کی حمد و تسبیح کرنے لگتے ہیں۔ اور وہ لوگ (ایمان سے) تکبر نہیں کرتے (جیسا کہ کافر کا حال آیا ہے ﴿وَلَمْ يَسْتَعِزَّ بِرَبِّ﴾۔ یہ تو ان کی تصدیق، اقرار اور اخلاق کا حال تھا۔ اور اعمال کا یہ حال ہے کہ رات کو) ان کے پہلو سونے کی جگہوں سے علاحدہ ہوتے ہیں (خواہ فرض عشا کے لئے یا تہجد کے لئے بھی، اور اس سے سب روایتیں جمع ہو گئیں اور خالی علاحدہ ہی نہیں ہوتے بلکہ) اس طرح (علاحدہ ہوتے ہیں) کہ وہ لوگ اپنے رب کو (ثواب کی) امید سے اور (عذاب کے) خوف سے پکارتے ہیں (اس میں نماز اور دعاؤں کو سب آگیا) اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے والوں کی یہ صفتیں ہیں جن میں بعض تو وہ ہیں جن پر نفس ایمان موقوف ہے اور بعض پر ایمان کا کمال) تو کسی شخص کو خبر نہیں کہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو جو سامان ایسے لوگوں کے لئے غیب کے خزانہ میں موجود ہے۔ یہ ان لوگوں کو ان کے (نیک) اعمال کا صلہ بدلہ ملا ہے) اور جب دونوں فریقوں کا حال اور انجام معلوم ہو گیا) تو (اب بتاؤ) جو شخص مومن ہو گیا وہ اس شخص جیسا ہو جائے گا جو نافرمان (یعنی کافر) ہو؟ (نہیں) وہ آپس میں نہ موجودہ زمانہ کے لحاظ سے اور نہ ہی انجام کے لحاظ سے برابر نہیں ہو سکتے (چنانچہ معلوم بھی ہوا ہے اور خاص انجام کے برابر نہ ہونے کی تفصیل کے لئے تاکید پھر بھی سن لو کہ) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو ان کے (نیک) اعمال کے بدلے میں ان کی مہمانی کے طور پر ہیں (یعنی مہمان کی طرح انہیں یہ چیزیں عزت کے ساتھ ملیں گی، نہ کہ محتاج بھکاری کی طرح بے قدری اور بے وقعتی کے ساتھ) اور جو لوگ نافرمان تھے تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے وہ لوگ جب اس سے باہر نکلنا چاہیں گے (اور کنارہ کی طرف بڑھیں گے اگرچہ اس کی گہرائی اور دروازوں کے بند ہونے کی وجہ سے نکل نہ سکیں گے۔ مگر ایسے وقت میں یہ حرکت طبعی و فطری ہوتی ہے) تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جہنم کا وہ عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اور یہ عذاب تو جس کا وعدہ کیا گیا ہے، آخرت میں ہوگا) اور انہیں قریب کا (یعنی دنیا میں آنے والا عذاب بھی اس سے بڑے عذاب) (جس کا آخرت کے لئے وعدہ کیا گیا ہے) سے پہلے چکھا دیں گے (جیسے مختلف قسم کے امراض اور مصیبتیں جیسا کہ الدر میں مرفوع اور موقوف روایتیں ہیں جو کہ آیت ﴿وَمَّا أَصَابَكُمْ﴾ الخ کے مطابق معاصی کے سبب آتی ہیں) تاکہ یہ لوگ (متاثر ہو کر کفر سے) باز آجائیں (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ظَلَمَدَ الْفَسَادِ﴾ سے ﴿يَزِجُجُونَ﴾ تک۔ پھر جو باز نہ آئے اس کے لئے عذاب اکبر ہے ہی) اور (ایسے لوگوں پر عذاب واقع

ہونے پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے (کیونکہ) اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں، پھر وہ ان سے نہ پھرے (تو اس کے عذاب کے مستحق ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اس لئے) ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَّهْدُونَ بِأَمْرِنَا إِنَّا صَبْرَوَاتٌ ۚ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ۖ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُم يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۖ أُولَئِكَ يَهْدِي لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْكِنِهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً أَفَلَا يَسْعَوْنَ ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ السَّاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ الْأَنْعَامُ ۖ وَأَنفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ۖ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۖ قُلْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرِ إِنَّهُمْ مُنْتَظَرُونَ ۖ﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، سو آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے موجب ہدایت بنایا تھا۔ اور ہم نے اُن میں بہت سے پیشوا بنادئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے جبکہ وہ لوگ صبر کئے رہے اور ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے۔ آپ کا رب قیامت کے روز ان سب کے آپس میں فیصلے اُن امور میں کر دے گا جن میں یہ باہم اختلاف کرتے تھے۔ کیا ان کو یہ امر موجب رہنمائی نہیں ہوا کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے ہیں۔ اس میں صاف نشانیاں ہیں کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں۔ کیا انھوں نے اس بات پر نظر نہیں کیا کہ ہم خشک زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں پھر اُس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس سے اُن کے مواشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں تو کیا دیکھتے نہیں ہیں؟ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہوگا۔ آپ فرمادیجئے کہ اُس فیصلہ کے دن کافروں کو اُن کا ایمان لانا نفع نہ دے گا۔ اور اُن کو مہلت بھی نہ ملے گی۔ سو ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے اور آپ منتظر رہئے یہ بھی منتظر ہیں۔

رابطہ: اور ﴿فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ﴾ اور ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ اور ﴿كَمَن كَانَ فَاسِقًا﴾ اور ﴿فَسَقُوا﴾ اور ﴿تُكَذِّبُونَ﴾ اور ﴿أَعْرَضَ﴾ اور ﴿الْجُحْرِ مَدِينَ﴾ میں کافروں کے جھٹلانے و مخالفت کا ذکر آیا ہے، کیونکہ جھٹلانے وغیرہ سے جناب رسول اللہ ﷺ کو رنج و ملال ہوتا تھا اور مخالفت کے بعض آثار جیسے ایذا وغیرہ مومنوں کے لئے بھی اذیت کا سبب ہوتے تھے، اس لئے اب آپ کے اور مومنوں کے لئے تسلی کا بیان ہے اور تسلی کے مضمون کے لئے کافروں کے بعض شبہات و سوالات تھے ان کا جواب ہے اور اسی پر سورت ختم ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کی تسلی اور تسلی کے مضمونوں

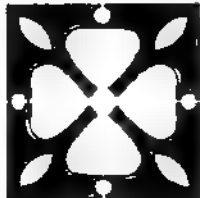
سے متعلق کافروں کے بعض شبہات کا جواب:

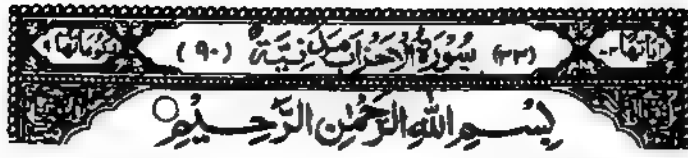
اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (آپ ہی کی طرح) کتاب دی تھی (جس کی اشاعت میں انہیں تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں، اسی طرح آپ کو برداشت کرنا چاہئے۔ ایک تسلی تو یہ ہوئی پھر اس طرح آپ کو بھی کتاب دی) تو آپ (اپنی) اس (کتاب) کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَإِنَّكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ﴾) الخ مطلب یہ کہ آپ صاحب کتاب اور صاحب خطاب ہیں، لہذا جب آپ اللہ کے نزدیک اتنے مقبول ہیں تو اگر کنتی کے چندا حق آپ کو قبول نہ کریں تو کوئی غم کی بات نہیں۔ ایک تسلی کی بات یہ ہوئی) اور ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کی) اس (کتاب) کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا (اسی طرح آپ کی کتاب سے بہت سارے لوگوں کو ہدایت ہوگی، آپ خوش رہئے، ایک تسلی یہ ہوئی) اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) میں بہت سے (دین کے) پیشوا بنادیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ جب کہ وہ لوگ (تکلیفوں پر) صبر کرتے رہے اور ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے (اس لئے ان کی اشاعت اور مخلوق کی ہدایت میں مشقت گوارا کرتے تھے۔ یہ مومنوں کے لئے تسلی ہے کہ تم لوگ صبر کرو اور جب تم صاحب یقین ہو یعنی تمہیں پورا یقین ہے اور یقین کا تقاضا صبر کرنا ہے تو تمہارے لئے صبر ضروری ہے۔ اس وقت ہم تمہیں بھی دین کا امام اور پیشوا بنادیں گے۔ یہ تو دنیا کے اعتبار سے تسلی ہے اور ایک تسلی تمہیں آخرت کے اعتبار سے رکھنی چاہئے اور تسلی کا ذریعہ وہ امر یہ ہے کہ) آپ کا رب قیامت کے دن ان سب کے (درمیان ان امور میں) (عملی) فیصلہ کر دے گا۔ جن میں یہ آپس میں اختلاف کرتے تھے (یعنی مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو جہنم میں ڈال دے گا اور قیامت بھی کچھ دور نہیں، اس سے بھی تسلی حاصل کرنی چاہئے۔ اور اس مضمون کو سن کر کافر لوگ دوشنبے کر سکتے تھے، ایک یہ کہ ہم اس کو نہیں مانتے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا کفر ناپسند ہے، جیسا کہ ﴿يَفْضِلُ﴾ سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ ہم قیامت ہی کو ناممکن سمجھتے ہیں۔ آگے دونوں شبہوں کو دور کرنے کے لئے دو مضمون ہیں: پہلا یہ کہ انہیں جو کفر کے ناپسند ہونے میں شبہ ہے تو کیا ان لوگوں کے لئے یہ امر رہنمائی کا سبب نہیں ہوا کہ ہم ان سے پہلے (ان کے کفر و شرک ہی کے سبب) کتنی امتیں ہلاک کر چکے ہیں (کہ ان کی ہلاکت کے طریقہ سے اور نبی کی پیشین گوئی کے بعد عادت کے خلاف یعنی معجزہ کے طور پر واقعہ کے پیش آنے سے اللہ کا عذاب ٹپکتا تھا جس سے کفر کا ناپسند ہونا صاف واضح ہوتا ہے) جن کی بستیوں میں یہ لوگ (شام کے سفر کے دوران) آتے جاتے (گزر رہے) ہیں، اس (امر) میں (تو) کفر کے مبغوض یعنی غضب کے قابل اور ناپسند ہونے میں (صاف نشانیاں) (موجود) ہیں، کیا یہ لوگ (ان گزشتہ امتوں کے قصے) سنتے نہیں ہیں؟ (کہ دوسری مشہور زبانوں میں جن کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ دوسرا مضمون یہ ہے کہ انہیں قیامت کے ناممکن ہونے کا جو شبہ ہے تو) کیا انہوں نے اس بات

پر نظر نہیں کی کہ ہم (بادلوں یا نہروں وغیرہ کے ذریعہ سے) خشک زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس سے ان کے مویشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، تو کیا (اس بات کو رات دن) دیکھتے نہیں ہیں؟ (یہ مردہ کے زندہ کرنے کا صاف نمونہ ہے جیسا کہ کئی جگہ اس کا بیان گذر چکا ہے۔ لہذا دونوں شبہ دور ہو گئے) اور یہ لوگ (قیامت اور فیصلہ کا ذکر سن کر مذاق اڑانے کی غرض سے جلدی مچاتے ہوئے یوں) کہتے ہیں کہ اگر تم (اس بات میں) سچے ہو تو (بتاؤ) یہ فیصلہ کب ہوگا؟ آپ فرمادیجئے کہ (تم بے کار ہی اس کا تقاضا کرتے ہو تمہارے لئے وہ پوری مصیبت کا دن ہے، کیونکہ) اس فیصلہ کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا (بالکل) نفع نہ دے گا (اور بچاؤ کی یہی ایک صورت تھی اور وہ بھی موجود نہیں ہے) اور (نجات کا نفع تو کیا ہوتا) انہیں مہلت بھی نہیں ملے گی تو (اے رسول ﷺ) ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے (جن کے خیال سے غم ہوتا ہے) اور آپ (اس فیصلہ کا جس کا وعدہ کیا گیا ہے) انتظار کیجئے یہ بھی (اپنے زعم میں آپ کے ضرر و نقصان کے) انتظار کرنے والے ہیں (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَتَرْبُّهُمْ رَبِّبَ الْمُنُونِ﴾ مگر معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انتظار واقع کے مطابق ہے اور کس کا نہیں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿قُلْ تَرَبُّوا فِیَّ مَعَكُمْ مِّنَ التَّرَبُّونِ﴾

فائدہ: شاید موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کی تخصیص اس لئے ہو کہ آپ میں اور موسیٰ علیہ السلام میں مشابہت کی بہت ساری وجہیں جمع ہیں۔ واللہ اعلم

﴿الحمد للہ! سورۃ الم السجدۃ کی تفسیر ۲ مفر سنہ ۱۳۲۵ھ میں پوری ہوئی﴾





شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: سورت کے مضامین میں جوامر مشترک ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک منصور و محبوب، خاص اور عزت والا ہونے پر مختلف وجہوں سے دلالت ہے، اور بہت سارے طریقوں سے آپ کی تعظیم کے واجب ہونے اور لوگوں پر مختلف قسموں سے اذیت کے حرام ہونے پر دلالت ہے۔ باقی مضامین یا تو اس سے متعلق ابتدائی باتیں ہیں یا ان کو پورا کرنے والے ہیں، چنانچہ تھوڑے غور کرنے سے مختصر انداز میں اور میرے رسالہ سبق الغایات کو دیکھنے سے اور اس سے زیادہ اس تفسیر میں سورت کی آیتوں کی تمہیدوں کو دیکھنے سے تفصیلی طور پر معلوم ہو سکتا ہے اور گذشتہ سورت کا خاتمہ بھی حضور ﷺ کی تسلی پر تھا، کہ وہ بھی محبوب ہونے کی دلیل ہے اور چونکہ رسول کو اذیت پہنچانا، کلی طور پر ایذا کی چند قسموں کو شامل ہے ان میں بعض سخت و شدید ہیں اور بعض ہلکی و خفیف۔ چنانچہ اس کی طرف (حرمت ایذاء بانواع متشتملہ) میں اشارہ بھی ہوا ہے تو ان میں سے کافروں کی طرف سے ایک اذیت قوی تھی کہ آپ سے درخواست کرتے تھے کہ نعوذ باللہ آپ اسلام کی دعوت سے باز رہیں، تو ہم آپ کو اتنا مال دیدیں گے۔ اور بعض نے قتل کی دھمکی دیدی، جیسا کہ الدر میں ہے۔ اس پر آپ کو رنج ہوا چنانچہ سورت اسی سے متعلق مضمون سے شروع کی گئی۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ إِنْ كَانَ اللَّهُ كَانَ عَلَيْنَا حَكِيمًا ۝ وَأَتَّبِعْ مَا يُوْحَىٰ
بِإِلْنِكَ مِنْ رَبِّكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝﴾

ترجمہ: اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہئے۔ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ پر وحی کیا جاتا ہے اس پر چلئے۔ بیشک تم لوگوں کے سب اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے۔ اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھئے۔ اور اللہ کافی کارساز ہے۔

کافروں کی طرف سے قوی اذیت کی پہلی قسم اسلام کی دعوت سے روکنے پر نبی ﷺ کی تسلی:

اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہئے (اور کسی دوسرے سے مت ڈریئے، اور ان کی دھمکیوں کی ذرا پروا نہ کیجئے) اور کافروں کو (جو کہ کھلم کھلا دین کے خلاف مشورے دیتے ہیں) اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے (جو کہ ڈھکے چھپے ان لوگوں جیسی ہی

رائے رکھتے ہیں۔ بلکہ اللہ ہی کی بات مانئے) بے شک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی حکمت والے ہیں (ان کے ہر حکم میں بے شمار فائدے اور مصلحتیں شامل ہوتی ہیں) اور (اللہ کی بات ماننا یہ ہے کہ) آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کو جو حکم کے ذریعہ دیا جاتا ہے، اس پر چلئے (اور اے لوگو!) بے شک تم لوگوں کے سارے اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتے ہیں (تم میں سے جو لوگ ہمارے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں اور ٹکرا رہے ہیں، ہم سب کو سمجھیں گے) اور (اے نبی!) آپ (ان لوگوں کے ڈرانے کے بارے میں) اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ کافی مددگار اور کام بنانے والا ہے (اس کے مقابلہ میں ان لوگوں کی کوئی تدبیر نہیں چل سکتی، اس لئے کچھ اندیشہ نہ کیجئے۔ البتہ اگر خود اللہ تعالیٰ ہی کی حکمت کا تقاضہ کوئی آزمائش ہو تو وہ خود بہت بڑا نفع ہے۔ غرض یہ لوگ نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے)

فائدہ: ﴿اٰتِیْقْ﴾ ﴿لَا تُطِیْعْ﴾ ﴿اِیْتِیْعْ﴾ اور ﴿تَوَكَّلْ﴾ ان سب امر و نہی پر آپ پہلے ہی سے عمل کر رہے ہیں۔ یہاں زیادہ مقصود مخالفوں کو سنانا ہے کہ ہمارے نبی تو اس حالت پر ہیں گے تم ناکام و نامراد ہو کر بیٹھے رہو۔ اور احقر نے منافقین کے ترجمہ کے ساتھ جس عبارت کی وضاحت کر دی ہے، اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ اگر وہ لوگ ایسے مشورے دین کے خلاف دیتے تھے تو وہ منافق کیسے رہے کھلے کافر ہو گئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے چالاکی کے طور پر کسی مباح عمل کے پردے میں یہ مشورہ اعلانیہ دیا ہو۔ مثال کے طور پر یہی کہا ہو کہ جن امور میں اختلاف ہے ان میں کچھ خاموشی اختیار کرنا دلوں کو جوڑنے کا سبب اور اسلام کی طرف میلان کا سبب ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ بعض موقعوں پر ایک خاص وقت تک خاموشی اختیار کرنا بھی جائز ہے۔ اور اس صورت میں ﴿لَا تُطِیْعْ﴾ کی توجیہ اور بھی آسان ہو جائے گی کیونکہ ایسا ارادہ کرنا عصمت کے خلاف اور نبوت کی شان کے منافی نہیں۔ واللہ اعلم

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِۦ ۚ وَمَا جَعَلَ اَرْوَاجَكُمْ اِلَیَّ تُظْهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهَاتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ یَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ۝ اَدْعُوْهُمْ لِاَبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اَبَاءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَفِی السَّیْرِ ۚ وَكَیْسٌ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَا اَخْطَا تُمْ بِهِ ۚ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے اور تمہاری ان بیبیوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں نہیں بنادیا۔ اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنادیا۔ یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے۔ اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتلاتا ہے۔ تم اُن کو اُن کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو یہ اللہ کے نزدیک

راستی کی بات ہے۔ اور اگر تم اُن کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں۔ اور تم کو اس میں جو بھول چوک ہو جاوے تو اس سے تو تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا، لیکن ہاں جو دل سے ارادہ کر کے کرو۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

رابطہ: اوپر رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینے کی قسموں میں سے ایک قسم سے متعلق مضمون بیان ہوا ہے۔ قوی اذیت کی دوسری قسم یہ واقع ہوئی تھی کہ حضور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا جن کو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دیدی تھی، اور ان زید کو حضور ﷺ نے متبنیٰ یعنی لے پالک یا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ اس قصہ کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ زید عربی نسل کے بنی کلب میں سے ہیں۔ یہ اپنی ناہیال بنی معن میں گئے ہوئے کہ وہاں لوٹ مار ہوئی اور یہ گرفتار ہو کر عکاظ کے بازار میں فروخت کر دیئے گئے۔ ادھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھیجے حکم بن حزام سے ایک ہوشیار غلام خریدنے کے لئے کہا تھا۔ بازار میں حکم نے انہیں خرید لیا۔ پھر جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ نے نکاح کیا تو آپ نے حضرت زید کو ان سے ہیہ کے طور پر لے لیا، یہ ایک بارشام کے سفر میں اپنی قوم کے پاس سے گذرے تو انہیں ان کے چچا اور باپ نے پہچان لیا اور سارا حال سن کر مکہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں مانگا۔ آپ نے انہیں اختیار دے دیا، انہوں نے آپ ہی کے پاس رہنا پسند کیا، ان کے عزیزوں نے کہا بھی کہ تم غلامی کو پسند کرتے ہو؟ انہوں نے کہا چاہے کچھ بھی ہو میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ آپ نے خوش ہو کر انہیں آزاد کر دیا اور اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ اس سے وہ لوگ بھی خوش ہو گئے۔ اس طرح رسول اللہ کی بعثت سے پہلے یہ زید بن محمد کہلاتے تھے۔ اور بعد میں بھی آیت ﴿ادْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ﴾ کے نازل ہونے تک محمد کے بیٹے ہی کہلاتے رہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد زید بن حادریہ پکارے جانے لگے، جیسا کہ الدر میں ہے۔ غرض جب آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو مخالفوں نے طعنہ دیا کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا، جیسا کہ ترمذی میں ہے۔ آگے اس طعنہ کی بنیاد کا مختصر انداز میں جواب دینا مقصود ہے۔ ﴿مَا جَعَلَ آذُنِيَّكُمْ أَبْنَاءَكُمْ﴾ الخ اور یہ مضمون تفصیل کے ساتھ آیت ۳۶ سے ۴۰ تک میں آئے گا۔ اور جواب کی تقویت کے لئے دو مضمون جو اس کی نظیر ہیں ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ﴾ اور ﴿مَا جَعَلَ آذُنِيَّكُمْ﴾ الخ اور بیان فرمادیئے۔ اور ان دونوں مضمونوں میں بھی منہ بولے بیٹے کے مسئلہ کی طرح جاہلیت کی بعض غلطیوں کی اصلاح مقصود ہے۔

کافروں کی طرف سے قوی اذیت کی دوسری قسم کی بنیاد کو ختم کرنا اور بعض نظیروں سے اس کی تقویت:

(متبنیٰ یعنی منہ بولے بیٹے کو بیٹا سمجھنا اور اس بنیاد پر اس کی طلاق دی ہوئی بیوی سے نکاح کرنے پر طعنہ دینا، اسی طرح غلط مشہور ہو گیا ہے۔ جیسے بیوی کو زبان سے ماں قرار دینا اور اس بنیاد پر اس کو نکاح سے خارج سمجھنا یا کسی شخص کو زیادہ

ہوشیار و سمجھ دار ہونے کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ اس کے دودل ہیں، غلط مشہور ہو گیا ہے اور واقع میں (اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دودل نہیں بنائے اور (اسی طرح) تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو (بیویوں سے یوں کہہ دیتے ہو کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے) تمہاری ماں نہیں بنادیا۔ اور (اسی طرح سمجھ لو) کہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو (بھی) تمہارا (بچ بچ کا) بیٹا نہیں بنادیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے (جو واقع کے مطابق نہیں۔ اور غلط ہے اور غلط بات پر کسی واقعی امر کی بنیاد نہیں ہوتی، لہذا منہ بولے بیٹے کی طلاق دی ہوئی بیوی سے نکاح پر طعنہ دینا بالکل جہالت ہے) اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتاتا ہے (چنانچہ ان تینوں غلطیوں کی اصلاح فرمائی اور جب وہ واقع میں تمہارے بیٹے نہیں ہیں تو) تم ان کی نسبت (منہ بولا بیٹا بنانے والوں کی طرف مت کیا کرو یعنی ان کا بیٹا مت کہا کرو، بلکہ) ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف کیا کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک صحیح طریقہ ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو (انہیں اپنا بھائی، اپنا دوست قرار دے کر پکارو، کیونکہ آخر) وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور تمہارے دوست ہیں اور تمہیں اس میں جو بھول چوک ہو جائے تو اس سے تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ جو دل سے ارادہ کر کے کہو (تو اس سے گناہ ہوگا) اور (اگر اس سے بھی استغفار کر لو، غلطی مان کر معافی مانگ لو تو پھر معاف ہو جائے گا۔ کیونکہ) اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

فائدہ: جاہلیت میں یہ تینوں غلط باتیں مشہور تھیں کہ وحشی اور بہت عقلمند آدمی کے دودل سمجھا کرتے تھے۔ اور ظہار سے ہمیشہ کی حرمت کا حکم لگاتے تھے اور متنی کو تمام احکام میں حقیقی بیٹے کی طرح قرار دیتے تھے۔ یہاں سے سلسلہ کلام کے ذریعہ زیادہ مقصود تیسری غلطی کا دور کرنا ہے مگر اس کی تقویت کے لئے دو غلطیاں اور دور کر دیں اور ان میں حس کی نفی زیادہ ظاہر تھی، اس کو پہلے رکھا **مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرِجَالِكُمُ الْخُرَافَ وَلَا ظَاهِرًا هُنَا** اس لئے کہ اول تو یہ امر محسوس کئے جانے والے امور میں سے ہے۔ تشریح بدن کے اعضاء کے علم) سے یا لاش چیر کر اس کی تحقیق ہو سکتی ہے۔ دوسرے امور کے برخلاف کہ وہ معنوی امور میں سے ہیں۔ اس کی حقیقت دوسرے آثار سے بھی سہولت کے ساتھ معلوم ہو جاتی تھی چنانچہ روح المعانی میں ایک شخص کی حکایت ہے کہ جو دودل ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، کہ بدر کے میدان سے اس حال میں بھاگا کہ ایک جوتا پاؤں میں اور ایک ہاتھ میں تھا۔ ابوسفیان نے اس حال میں دیکھ کر ٹوکا تو اس نے کہا کہ میں دونوں جوتے پاؤں میں سمجھ رہا تھا۔ اس سے اس کے **ذو القلبین** یعنی دودل والا یاد ہن و عقلمند ہونے کے دعویٰ کا جھوٹا ہونا صاف واضح ہو گیا۔ اس کے بعد ظہار سے متعلق غلطی کو دور کیا۔ جس کی تفصیل سورۃ مجادلہ میں ہے چونکہ ظہار میں تشبیہ و مشابہت اور غیر ہونے کی وضاحت ہوتی ہے اس سے اس کی تاثیر کی کمزوری خود ظاہر ہے، جس سے ہمیشہ کے لئے حرام نہ ہونا محال نہیں ہے، اس لئے اصل مقصود سے اس کو بھی پہلے رکھا کہ مقصود کو سمجھنے میں اس سے دیر دیر حاصل ہو۔ اور ان سے مقصود کی

تقویت یا تو مثال کے قیاس کے طور پر ہے اور سب میں ایک واقعی امر مشترک اور ایک غیر واقعی امر کا جمع نہ ہونا ہے۔ چنانچہ ایک دل واقعی ہے اور دوسرا محض دعویٰ کا غیر واقعی، لہذا دونوں جمع نہیں ہوئے اور بیوی ہونا واقعی ہے اور دلیل نہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ کا حرام ہونا غیر واقعی۔ لہذا دونوں جمع نہیں ہوئے، اسی طرح بیٹا ہونا حقیقی باپ کے اعتبار سے واقعی اور غیر حقیقی باپ کے اعتبار سے غیر واقعی تو یہ بھی جمع نہ ہوں گے اور اس جمع نہ ہونے میں دو باتوں میں سے ایک بات یقیناً ثابت ہے۔ لہذا منطقی قاعدہ کے اعتبار سے جمع نہ ہونے میں پہلے والے کے استثناء کا نتیجہ بعد والے کے خلاف ہے اور بعض والے کے استثناء کا نتیجہ پہلے والے کے خلاف ہے۔ دوسری بات غیر حقیقی باپ کے اعتبار سے بیٹا ہونا ہوگا۔ یا پھر تقویت صرف اس وجہ سے ہے کہ متنی کا بیٹا ہونا صرف ایک بات مشہور ہونے کی بنیاد پر ہے، اور یہ کوئی حجت نہیں۔ چنانچہ دیکھو فلاں فلاں امر بھی مشہور ہیں، حالانکہ بالکل غلط ہیں۔

اور اس زمانہ میں بعض اخباروں کی یہ خبر کہ امریکہ کے کسی شخص کے دو دل ہیں، اگر اس خبر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو وہ اس آیت کے خلاف نہیں، کیونکہ آیت میں ﴿مَا جَعَلَ﴾ ماضی ہے، اس سے مستقبل کی نفی نہیں ہوئی دوسرے کبھی لفظ کل استعمال کر کے اکثر مراد ہوتا ہے، اور اکثر ایسا نہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اور اس جملہ پر جو ﴿ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ﴾ کی توضیح میں لکھا گیا ہے کہ غلط بات پر کسی واقعی امر کی بنیاد نہیں ہوتی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ ظہار سے کفارہ کا واجب ہونا جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے اور غلام کو بیٹا کہہ دینے سے اس کا آزاد ہو جانا جیسا کہ حنفی فقہ میں بیان کیا گیا ہے، کیوں ہوتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ کفارہ ایسا کہنے کی سزا ہے، اس طرح کہ یہ قول جنایت یعنی گناہ اور ناپسندیدہ امر ہے، اور جنایت کی سزا ایک خاص وقت کے لئے حرام ہونا ہے اور اس کو دور کرنے کے لئے کفارہ ہوا۔ اور موجودہ (۱) قول واقعی ہے۔ اور آزاد کرنا مجازی معنی میں ہے۔ اور آزاد کرنے کے انشا کی صحت مجازی لفظ سے بھی واقعی امر ہے جس کا واقعی ہونا جاہلیت کے دعوؤں کے برخلاف صحیح دلیل سے متحقق ہے (۲)۔ کہ ان کی بنیاد حقیقی وجود کے اعتبار سے یقیناً غلط ہے اور حکمی وجود یعنی تاثیر کی صحیح دلیل سے ثابت نہیں اور مذکورہ ممانعت میں یہ صورت داخل نہیں جو شفقت اور مجاز کے اعتبار سے بیٹا کہہ دیا جائے، بلکہ جاہلیت کے طور پر ان مخصوص آثار کے واقع ہونے کے اعتقاد کے ساتھ بیٹا کہنے کی ممانعت ہے۔ اور جس امر کی ممانعت ہو اس کو قصداً کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہی جس کا ذکر ہوا۔ دوسری یہ کہ بات کرنے والے کا یہ اعتقاد نہ ہو مگر یقین کے ساتھ جانتا ہو کہ اس سے جاہلیت کے امر کو رواج ہوگا تب بھی قصداً کہنے کی ممانعت ہے اور رواج پانے کے اسی خوف کے وقت اگر پرانی عادت کے مطابق بھول چوک سے یا بلا اختیار

(۱) موجودہ قول واقعی ہے لہذا ایک امر واقعی پر دوسرا امر واقعی مبنی ہوا اور امر غیر واقعی پر امر غیر واقعی مبنی نہیں ہوا۔

(۲) لفظ بتلا اضافت و مبتدا ہے اور لفظ وجود لفظ اعتبار کا حقیقی مضاف الیہ ہے۔

زبان سے نکل جائے، وہ ﴿اَخْطَا تُمْ﴾ کا مصداق ہے۔

﴿النَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ ۚ وَاُولَٔا الْاَرْحَامُ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا اِلَآ اُولٰٓئِيْكُمْ مَّعْرُوْفًا كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝﴾

ترجمہ: نبی مؤمنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں اُن کی مائیں ہیں۔ اور رشتہ دار کتاب اللہ میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مؤمنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی۔

رابطہ: سورت کی تفسیر کی تمہید میں معلوم ہو چکا ہے کہ سورت کا حاصل حضور ﷺ کی شان کی عظمت پر مختلف عنوان سے دلالت کرنا ہے، ان میں سے ایک اذیت کا حرام ہونا ہے جس کی بعض قسموں کا ذکر ہو چکا ہے اور بعض کا ذکر آگے آئے گا۔ اور ان میں سے ایک اتباع اور تعظیم کا واجب ہونا ہے اور اس کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم جو ایک لحاظ سے تمام قسموں کی جامع ہے، اب بیان کی جارہی ہے، یعنی مؤمنوں کے ساتھ آپ کا اولیٰ ہونا۔ اور اس اولیٰ ہونے کے معنوی ہونے کی مناسبت سے ایک وراثت کے مسئلہ کی تحقیق جس کو اولیٰ ہونے کی صورت سے تعلق ہے۔

پہلی قسم: رسول کی شان کا عظیم ہونا قربیت کی دلیل سے اور وراثت کے بعض احکام:

نبی (ﷺ) مؤمنوں کے ساتھ خود ان کے نفس (اور ذات) سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں (کیونکہ اگر نفس برا ہے تب تو ظاہر ہے کہ وہ بد خواہ ہے اور حضور ﷺ ہر حال میں خیر خواہ ہیں۔ اور اگر نفس اچھا ہے تب بھی اس سے بعض فائدے نفع و مصلحتیں پوشیدہ رہتے ہیں۔ ان مصلحتوں کا مشورہ وہ نفس نہیں دے سکتا اور حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام ضروری مصلحتوں کا علم عطا فرمایا ہے اور آپ نے ان کی تعلیم فرمائی ہے، بہر حال آپ سے نفع ہی نفع ہے اور پھر ہر قسم کا نفع پہنچتا ہے اس لئے آپ کا اپنی جان سے بھی زیادہ حق ہے اور آپ کی اطاعت مطلق اور تعظیم کمال درجہ کی واجب ہے اور اس میں تمام احکام و معاملات آگئے) اور (اس مذکورہ اولیٰ ہونے کی فرع جو کہ معنوی باپ ہونا ہے، یہ بھی ہے کہ) آپ کی بیبیاں (تعظیم کے واجب ہونے میں) ان (مؤمنوں) کی مائیں ہیں، اور (یہ باپ ہونا چونکہ معنوی ہے، اس لئے اس کے لازمی امور میں سے مؤمنوں کا صوری بھائی ہونا نہیں ہے کہ اس کے لئے وراثت لازم ہو، بلکہ ایمان و ہجرت کے تعلق کی وجہ سے بعض مصلحتوں سے ایک محدود وقت تک کے لئے وراثت کو جاری رکھا گیا اور اب مصلحتوں کے بدل جانے کی

وجہ سے اس کو منسوخ کر کے یہ حکم دیا گیا کہ اللہ کی کتاب (بعض شرعی حکم) میں دوسرے مہاجرین اور مؤمنوں کے مقابلہ میں رشتہ دار (میراث کا) ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ مگر یہ کہ تم اپنے (ان) دوستوں سے (وصیت کے طور پر) کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے۔ یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی (کہ شریعت کا حکم آخر میں رشتہ داری کی بنیاد پر وراثت کا ہو جائے گا)

فائدہ: رسول اللہ کی بیویوں کا مؤمنوں کی ماں ہونا تعظیم کے اعتبار سے ہے اور تعظیم کی ایک قسم حرام ہونا بھی ہے، اس لئے ان سے نکاح کا حرام ہونا بھی واقعی ہوا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلًا لَهُمْ﴾ اور بے پردہ ہونے کا تعظیم سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ پردہ کرنا تعظیم سے زیادہ قریب ہے، اس لئے ان احکام یعنی خلوت یعنی تنہائی میں ملنے، دیکھنے، اور چھونے وغیرہ کے جائز ہونے میں ماں کے درجہ میں ہونے کا حکم ثابت نہیں۔ اور جب ماں کے درجہ میں ہونے کی اصل حقیقت تعظیم ہے تو ازواج مطہرات یعنی رسول اللہ کی بیویاں ام المؤمنات یعنی ایمان والی عورتوں کی مائیں بھی ہیں، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے: اَنَا امُّ الرِّجَالِ مِنْكُمْ وَالنِّسَاءُ: یعنی ہم تمہارے مردوں اور عورتوں کی مائیں ہیں اسے الروح میں ابن سعد سے روایت کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو نقل کیا گیا: اَنَا امُّ رِجَالِكُمْ لَا امُّ نِسَاءٍ كُمْ: یعنی ہم تمہارے مردوں کی مائیں ہیں، تمہاری عورتوں کی نہیں جیسا کہ اسے بھی الروح میں ابن سعد سے اور سنن البیہقی سے روایت کیا ہے وہ اصل اور فرع کے مجموعہ کے اعتبار سے ہے جو کہ فرع کی نفی یعنی نکاح کی حرمت سے بلند ہے کیونکہ نکاح کی حرمت نکاح کے قابل ہونے پر موقوف ہے اور وہ قابلیت عورتوں میں عورتوں کے ساتھ موجود نہیں ہے، اور معنوی باپ ہونا اپنی اصل کے ساتھ جس کا ذکر ہوا تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت ہے، اس لئے لوط علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ﴿هَؤُلَاءِ بَنَاتِي﴾ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں چنانچہ روح میں مجاہد سے نقل کیا گیا ہے کہ کل نبی اب لامتہ یعنی ہر نبی اپنی امت کے لئے باپ ہے۔ اس اصل کی فرع یعنی انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا ہے، اس پر کوئی دلیل نفی یا اثبات کے طور پر کافی نہیں، البتہ روح میں مواہب سے اس کا حضور ﷺ کی خصوصیتوں میں سے ہونا نقل کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور سورة النساء آیت ۳۳ ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ اور سورت الانفال آیت ۷۵ ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ﴾ الخ کی تفسیر میں اسلام اور ہجرت سے وراثت سے متعلق پوری تحقیق گزر چکی ہے۔

﴿وَمَا ذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ مَتَاعِهِمْ وَمِنْكَ وَمَنْ تَوَّجَّ وَابْنُ هَيْمٍ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۖ لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ﴾

ترجمہ: اور جبکہ ہم نے تمام پیغمبروں سے اُن کا اقرار لیا اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور عیسیٰ بن مریم سے بھی اور ہم نے ان سب سے خوب پختہ عہد لیا۔ تاکہ ان بچوں سے اُن کے سچ کی تحقیقات کرے اور کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار رکھا ہے۔

رابط: اوپر سورت کے شروع میں فقرہ ﴿اَشْفَعُ مَا يُؤْتَىٰ لَكَ﴾ میں حضور ﷺ کو وحی کی اتباع کا اور اوپر اس سے پہلی والی آیت ﴿اَلَنْ يَخِيَّ اُولٰٓئِكَ﴾ الخ میں مومنوں کو صاحب وحی کی اتباع کا حکم ہوا ہے۔ اب ان کی تاکید کے لئے انبیاء سے عہد لینے کا اور انبیاء کا انکار کرنے والوں کے عذاب کا مضمون ارشاد فرماتے ہیں۔

انبیاء سے عہد اور دشمنوں کو عذاب:

اور (وہ وقت ذکر کے قابل ہے) جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے ان کا عہد و اقرار لیا (کہ احکام کا اتباع کرنا جس میں تبلیغ اور مدد کرنا بھی شامل ہے) اور (ان نبیوں میں) آپ سے بھی (اقرار لیا) اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہم السلام) سے بھی اور (ایسا ویسا عہد نہیں لیا بلکہ) ہم نے ان سب سے خوب پختہ عہد لیا تاکہ (قیامت کے دن) ان سچے لوگوں سے (یعنی نبیوں سے جو کہ اپنے اس قول و قرار میں سچے تھے) ان کے سچا ہونے کی تحقیقات کرے (جس سے ان کی عزت و شرف اور نہ ماننے والوں پر حجت ظاہر ہو جائے، لہذا اس عہد اور اس مقصد سے دونوں امر کا واجب ہونا ثابت ہو گیا۔ صاحب وحی پر وحی کے اتباع کا واجب ہونا اور غیر صاحب وحی پر صاحب وحی کے اتباع کا واجب ہونا) اور کافروں کے لئے (جو صاحب وحی کی اتباع کے خلاف ہیں) اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فائدہ: لفظ ﴿الضُّدِّ قَيْنَ﴾ کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کا اپنے عہد کو پورا کرنا ظاہر فرما دیا، لہذا ان کا تو ﴿اَشْفَعُ مَا يُؤْتَىٰ﴾ کے امر پر عمل ثابت ہو گیا، اب دوسرے لوگ رہ گئے جن کو اتباع کا حکم دیا گیا ہے، ان کو اتباع ترک کرنے پر وعید سنانے کے لئے ﴿اَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ﴾ فرمایا ہے اور چونکہ تاکید کے لئے ڈرنا زیادہ مناسب ہے، اس لئے یہاں اتباع ترک کرنے کی وعید پر اکتفا فرمایا گیا۔ اور سورۃ آل عمران آیت ۸۱ میں نبیوں کے عہد کی تحقیق ہو چکی ہے۔ دیکھ لی جائے۔ اور مشکوٰۃ میں مسند احمد کے حوالہ سے مرفوع روایت آئی ہے: خصوصاً بميثاق آخر في الرسالة والنبوة وهو قوله تعالى ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ﴾: یعنی ان کو رسالت اور نبوت کے دوسرے عہد کے ساتھ خاص کیا گیا، اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد و اقرار لیا اور سورۃ مائدہ کی آیت ۱۱۹ ﴿قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ﴾ الخ میں رسولوں کے سچا ہونے کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ اِذْ جَاءَ زُكُومٌ مِّنْ قَوْمِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلِ مِنْكُمْ وَاِذْ

زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَ ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ وَاذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ اِلَّا غُرُورًا ۝ وَاذْ قَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا اَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَيَسْتَاذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ النَّبِيَّ يَقُولُونَ اِنَّ بَيُّوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُرِيدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سَبَّحُوا الْفِتْنَةَ لَا تَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَا اِلَّا يَسِيْرًا ۝ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدًا مِّنَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ لَا يُؤْلَوْنَ الْاَذْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ۝ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ اِنْ قَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوْ الْقَتْلِ وَاِذَا لَا تُمْتِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيْرًا ۝ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّضِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَاتِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلْهُمْ اِلَيْنَا وَلَا يَأْتُوْنَ الْبَاسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ اَشْحَثْ عَلَيْنَكُمْ ۚ فَاِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يُنْظَرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالنِّسَةِ جَدَادٍ اَشْحَثْ عَلَيَّ الْخَبِيْرَ اُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ يَحْسِبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاتِ الْاَحْزَابَ يَوْمَذُوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَحْزَابِ يَسْأَلُوْنَ عَنْ اَنْبِيَآئِكُمْ ۚ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَا قُتِلُوْا اِلَّا قَلِيْلًا ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسُوْةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ ۚ وَمَا سَرَّ اَدَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا ۚ وَتَسْلِيْمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رَجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ۚ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِيْنَ اِنْ شَاءَ اَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَرَهَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَبْنِ اَوْ اٰخِرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْفِتْنَالُ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ وَانْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صِيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَمْ تَطْوُهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ ﴿

۱۷۳

۱۷۴

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھائے پھر ہم نے اُن پر ایک آدمی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ جبکہ وہ لوگ تم پر آچڑھے تھے

اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان کیا گیا اور سخت زلزلہ میں ڈالے گئے۔ اور جبکہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے، یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اُس کے رسول نے محض دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اور جبکہ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ یثرب کے لوگو! ٹھہرنے کا موقع نہیں سولوٹ جاؤ۔ اور بعض لوگ اُن میں سے اجازت مانگتے تھے، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں۔ یہ محض بھانگنا ہی چاہتے ہیں۔ اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے اُن پر کوئی آگھے پھر ان سے فساد کی درخواست کی جاوے تو یہ اُس کو منظور کر لیں اور اُن گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں۔ حالانکہ یہی لوگ پہلے خدا سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے، اُس کی باز پرس ہوگی۔ آپ فرمادیجئے کہ تم کو بھانگنا کچھ نافع نہیں ہو سکتا اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو۔ اور اس حالت میں بجز تھوڑے دنوں کے اور زیادہ متمتع نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی فرمادیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خدا سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا وہ کون ہے جو خدا کے فضل کو تم سے روک سکے اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے۔ اور وہ خدا کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے اُن لوگوں کو جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے بھائیوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ۔ اور لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں۔ تمہارے حق میں بخلی لئے ہوئے۔ سو جب خوف پیش آتا ہے تو اُن کو دیکھتے ہو کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ اُن کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو۔ پھر جب وہ خوف دور ہو جاتا ہے تو تم کو تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں مال پر حرص لئے ہوئے۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال بیکار کر رکھے ہیں اور یہ بات اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ لشکر گئے نہیں اور اگر یہ لشکر آ جاویں تو یہ لوگ یہی پسند کریں کہ کاش! ہم دیہاتوں میں باہر جا رہے ہیں کہ تمہاری خبریں پوچھتے رہیں۔ اور اگر تم ہی میں رہیں تب بھی کچھ یوں ہی سا لڑیں۔ تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔ اور جب ایمانداروں نے اُن لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ اور رسول نے خبر دی تھی۔ اور اللہ و رسول نے سچ فرمایا تھا۔ اور اس سے اُن کے ایمان اور اطاعت میں اور ترقی ہو گئی۔ ان مؤمنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اُس میں سچے اترے پھر بعض تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے۔ اور بعض ان میں مشتاق ہیں۔ اور انھوں نے ذرا تغیر تبدیل نہیں کیا۔ یہ واقعہ اس لئے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو اُن کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو چاہے سزا دے یا چاہے اُن کو توبہ کی توفیق دے۔ بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اُن کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ اُن کی کچھ بھی

مراد پوری نہ ہوئی۔ اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بڑا زبردست ہے۔ اور جن اہل کتاب نے اُن کی مدد کی تھی اُن کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور اُن کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھلا دیا۔ بعض کو قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا۔ اور اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور اُن کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

رابطہ: اور ﴿النَّبِيُّ أَوْلىٰ﴾ الخ میں مومنوں کو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا حکم ہے جو کہ آپ کے اللہ کی طرف سے رسول اور اللہ کی وحی پہنچنے کا مقام ہونے کی وجہ سے بالکل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، آگے اللہ کی اس اطاعت کی تاکید کے لئے اپنی ایک عظیم نعمت یعنی دو غزووں میں کامیابی اور بڑی پریشانی کا دور ہونا یاد دلاتے ہیں تاکہ نعمت کو یاد کرنے کی وجہ سے اطاعت کی ترغیب ہو۔ جیسا کہ اور ﴿أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ میں معصیت پر عذاب و سزا کے ذکر کے ذریعہ بیان کیا تھا۔ اور اس نعمت کے بیان کرنے میں کافروں اور منافقوں کے برابر ہونے کا بیان ہے کہ ایک کا قتل و قتل اور دوسرے کے اقوال جیسے ﴿مَا وَعَدْنَا اللَّهُ﴾ الخ اور ﴿لَا مُقَامَ لَكُمْ﴾ الخ اور ﴿إِنْ يَبُوءْتَنَا﴾ الخ اور زبان درازی جس پر ﴿سَكُفُوكُمْ﴾ دلالت کرتا ہے: رسول اللہ ﷺ کے لئے اذیت کا سبب تھے اور خود رسول کے لئے اذیت کا برا ہونا بھی سورت کے مقاصد میں سے ہے، جیسا کہ تمہید میں بیان ہوا۔ اور اس بیان سے آپ کا اللہ کی طرف سے منصور ہونا ظاہر ہے جو کہ محبوب ہونے کا اثر ہے، اور رسول کی عزت و شرف بھی سورت کے مقاصد میں سے ہے اس طرح تمام وجوہوں سے اس حکایت کے ارتباط کی زیادہ تاکید ہو گئی۔

اللہ کی نعمتوں کے جلو میں غزوہ احزاب و غزوہ بنو قریظہ کی حکایت:

اور اللہ کے مدد فرمانے کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی جلالت شان کی طرف اشارہ:

اور کفار کی طرف سے قتال کے ذریعہ ایذا رسانی کی برائی اور

منافقوں کا باتوں سے تکلیف پہنچانے کا تذکرہ

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہود بنی نضیر کو جن کا قصہ سورہ حشر میں آئے گا، مدینہ سے نکال دیا تھا انہوں نے چار یا پانچ ہجری میں عرب قبائل کو بہکایا اور سب مل کر دس بارہ ہزار آدمی مدینہ پر چڑھ آئے، آپ نے مدینہ کے آس پاس (یعنی جہاں جہاں سے آنے کا موقع تھا) خندق کھدوائی اور تین ہزار آدمی ساتھ لے کر ان کے مقابلہ میں پہنچے اور دور دور سے کچھ لڑائی بھی ہوتی رہی، تقریباً ایک مہینہ تک یہ محاصرہ رہا، آخر اللہ تعالیٰ نے بظاہر ایک آندھی کے ذریعہ اور باطنی طور پر فرشتوں کے لشکر کے ذریعہ سے سارے کافروں کو شکست دیدی اور انہیں بکھیر دیا چونکہ بنو قریظہ کے یہودیوں

نے اپنے معاہدہ کے برخلاف محاصرہ کرنے والوں کی مدد کی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ غزوۃ احزاب سے فارغ ہونے کے فوراً بعد ان کے مقابلہ کے لئے چلے۔ وہ پہلے اپنے قلعہ کے اندر بند ہو گئے اور بیس پچیس دن تک محاصرہ میں رہے، آخر میں محاصرہ سے تنگ ہو کر نکلے اور بعض قتل اور بعض قید کئے گئے۔ اس واقعہ میں منافقوں نے بھی بے مروتی کی باتیں کیں۔ اور چونکہ اس میں بہت سے گروہ چڑھ آئے تھے اور خندق بھی کھودی گئی تھی، اس لئے اس کا نام غزوۃ احزاب بھی ہے اور غزوۃ خندق بھی۔ یہاں سے آگے ۱۹ آیتوں میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اب آیتوں کی تفسیر بیان کی جاتی ہے:

آیتیں اور ان کی تفسیر: اے ایمان والو! اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو جو تمہارے اوپر ہوئی ہیں۔ جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے (یعنی عیینہ کا لشکر اور ابوسفیان کا لشکر اور بنو قریظہ کے یہود) پھر ہم نے ان پر ایک آدمی بھیجی (جس نے انہیں پریشان کر دیا اور ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے) اور (فرشتوں کی) ایسی فوج بھیجی جو تمہیں (عام طور سے) دکھائی نہ دیتی تھی (اگرچہ بعض صحابیوں جیسے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بعض فرشتوں کو انسانوں کی شکل میں دیکھا بھی کہ یہ کافروں کے لشکر میں جاسوسی کے لئے بھیجے گئے تھے، وہاں سے یہ آواز بھی سنی کہ بھاگو بھاگو، یہ فرشتے لڑے نہیں تھے، صرف دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے بھیجے گئے تھے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے (اس وقت کے) اعمال کو (جیسے خندق کھودنا اور قتل و قتال کے دوران ثابت قدم اور مستقل مزاج رہنا) کو دیکھتے تھے (اور خوش ہو کر تمہاری امداد فرما رہے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا) جب کہ وہ (دشمن) لوگ تم پر (ہر طرف سے یلغار کر کے) آچڑھے تھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی (یعنی کوئی قبیلہ مدینہ کی نیچے کی طرف سے اور کوئی اوپر کی طرف سے) اور جب کہ آنکھیں (دہشت کے مارے) کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے (جیسا کہ شدت کے مواقع میں فطری طور پر مختلف دسو سے آیا کرتے ہیں، اور یہ کوئی بری بات نہیں اور نہ ہی اس کے منافی ہے کہ آگے اہل ایمان کا قول آئے گا) مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۖ کیونکہ اس میں جس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ احزاب یعنی گروہوں کا آنا ہے، جیسا کہ اس کی تفسیر میں معلوم ہوگا، لہذا چونکہ اس کی خبر دی گئی تھی، اس لئے یہ یقینی تھا، لیکن اس واقعہ کا انجام نہیں بتایا گیا تھا، اس لئے اس میں غالب اور مغلوب ہونے کے مختلف احتمالات پیدا ہوئے تھے) اس موقع پر مسلمانوں کا (پورا) امتحان لیا گیا (جس میں وہ پورے اترے) اور (سخت) زلزلہ میں ڈالے گئے اور (یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا) جب کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق اور شک کا) مرض ہے، یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ دہی کا وعدہ کر رکھا ہے (جیسا کہ معتب بن قیس اور اس کے ساتھیوں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب خندق کھودتے وقت کدال لگنے سے کئی بار آگ کا شعلہ سا نکلا اور حضور ﷺ نے ہر بار میں ارشاد فرمایا کہ مجھے فارس اور روم و شام کے محل اسی کی روشنی میں نظر آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔ جب احزاب

یعنی گروہوں کے جمع ہونے کے وقت پریشانی ہوئی تو یہ لوگ کہنے لگے کہ حالت تو یہ ہے اور اس پر روم و فارس کی فتح کی خوش خبریاں ہیں، یہ صرف دھوکہ ہے اور اگرچہ وہ اس کو اللہ کا وعدہ نہیں سمجھتے تھے نہ ہی آپ کو رسول مانتے تھے پھر یہ کہنا ﴿مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ یا تو جس کی حکایت بیان کی جا رہی ہے، اس کا قول نہیں تھا صرف حکایت میں ہے اور یا فرض اور مذاق کے طور پر ہے (اور یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا) جب کہ ان (منافقوں) میں سے بعض لوگوں نے (جنگ کے معرکہ میں موجود دوسرے لوگوں سے) کہا کہ یثرب (یعنی مدینہ) کے لوگو! (یہاں) ٹھہرنے کا موقع نہیں (کیونکہ یہاں رہنا موت کے منہ میں جانا ہے) تو (اپنے گھروں کو) لوٹ چلو (یہ بات اوس بن قنفل نے کہی تھی اور کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ ایسی بات کہنے میں شامل تھے) ان (منافقوں) میں سے بعض لوگ نبی (ﷺ) سے (اپنے گھروں کو) لوٹ جانے کی اجازت مانگتے تھے، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں (صرف عورتیں اور بچے رہ گئے ہیں، دیواریں اطمینان کے قابل نہیں، کبھی چور نہ آگئیں، یہ قول ابو عرابہ اور بنی حارثہ میں سے بعض دوسرے لوگوں کا تھا) حالانکہ وہ (ان کے خیال میں غیر محفوظ نہیں ہیں) (یعنی انہیں چوری وغیرہ کا کوئی اندیشہ نہیں ہے اور نہ ہی جانے سے ان کی یہ نیت ہے کہ ان کا انتظام اطمینان کے قابل کر کے چلے آئیں گے) یہ صرف بھاگنا ہی چاہتے ہیں، اور (ان کی یہ حالت ہے کہ) اگر مدینہ میں اس کے آس پاس سے کوئی (کافروں کا لشکر) ان پر آگھے (جب یہ اپنے گھروں میں ہوں) پھر ان سے فساد (یعنی مسلمانوں سے لڑنے) کی درخواست کی جائے تو یہ (فورا) اس (فساد) کو منظور کر لیں اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں (یعنی اتنا ہی ٹھہریں کہ کوئی ان سے درخواست کرے اور یہ منظور کریں اور اس کے بعد فورا ہی تیار ہو جائیں۔ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں پہنچ جائیں اور کچھ بھی گھروں کا خیال نہ کریں کہ ہم تو دوسروں کو لوٹ مار کرنے جا رہے ہیں کبھی کوئی ہمارے ہی گھروں کو لوٹ لے تو ان گھروں کی حفاظت مقصود ہو تو اس صورت میں گھروں میں کیوں نہیں رہے؟ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصل میں انہیں مسلمانوں سے دشمنی و عداوت اور کافروں سے محبت و ہمدردی ہے، اس لئے لوگوں کی تعداد کی زیادتی سے بھی مسلمانوں کی مدد گوارا نہیں کرتے، گھروں کا تو صرف بہانہ ہے) حالانکہ یہ لوگ (اس سے) پہلے اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ (دشمن کے مقابلہ میں) پیٹھ نہ پھیریں گے (یہ عہد اس وقت کیا تھا جب بعض بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے تو بعض منافق بھی خالی خالی ہمدردی جتانے اور مفت کی محبت و تعریف حاصل کرنے کے لئے کہنے لگے کہ افسوس ہم شریک نہ ہوئے، ورنہ ایسا کرتے، ویسا کرتے۔ اور جب وقت آیا تو پھر ساری حقیقت کھل گئی) اور اللہ سے جو (اس قسم کا) عہد کیا جاتا ہے، اس کے بارے میں پوچھا جاوے گا ہوگی۔ آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ تم جو بھاگے بھاگے پھرتے ہو جیسا کہ ارشاد ہے ﴿إِنْ يَرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا﴾ (تو تمہارے لئے بھاگنا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس حالت میں سوائے تھوڑے دنوں کے) کہ وہ مقدر میں لکھی ہوئی یا

باقی عمر ہے، زندگی سے) اور زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے (یعنی بھاگنے سے عمر نہیں بڑھ سکتی، کیونکہ اس کا وقت مقدر میں لکھا ہوا ہے، اور جب مقدر میں لکھا ہوا ہے تو وقت سے پہلے مر نہیں سکتے، لہذا نہ قرار یعنی ٹھہرنے سے کوئی نقصان اور نہ ہی فرار یعنی بھاگنے سے کوئی فائدہ۔ ایسے میں بھاگنا کھلی بے عقلی و نا سمجھی ہے۔ اور تقدیر کے اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے (ان سے) یہ بھی فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے، اگر وہ تمہارے ساتھ کوئی برائی کرنا چاہے؟ مثال کے طور پر تمہیں ہلاک کرنا چاہے تو کیا تمہیں کوئی بچا سکتا ہے جس طرح تم بھاگنے میں نفع کا خیال کرتے ہو؟ (یا وہ کون ہے جو اللہ کے فضل کو تم سے روک سکے، اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے؟) (مثال کے طور پر وہ زندہ رکھنا چاہے جو کہ دنیاوی رحمت ہے تو کیا کوئی اس کے لئے رکاوٹ ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ تمہارا خیال ہے کہ جنگ کے میدان میں ٹھہرنے کو زندگی کا خاتمہ سمجھتے ہو) اور وہ لوگ (سن رکھیں کہ) اللہ کے سوانہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے (جو نفع پہنچائے) اور نہ کوئی مددگار (جو نقصان سے بچائے، اب تقدیر کے مسئلہ کے بعد پھر منافقوں کے لئے ملامت کا سلسلہ چلا ہے یعنی) اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو (دوسروں کو لڑائی کے میدان میں جانے سے) منع کرتے اور روکتے ہیں اور رکاوٹ بنتے ہیں اور جو اپنے (نسب و نسل کے یا وطن کے) بھائیوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ (وہاں) جا کر کیوں مرتے ہو؟ یہ بات ایک شخص نے اپنے حقیقی بھائی سے کہی تھی اور اس وقت یہ کہنے والا بھنا ہوا گوشت اور روٹی کھا رہا تھا۔ مسلمان بھائی نے کہا: افسوس تو تو اس چین میں ہے اور حضور ﷺ ایسی تکلیفوں کا سامنا کر رہے ہیں، وہ بولا تم بھی یہاں ہی چلے آؤ) اور ان کی بزدلی اور لالچ اور بخل و کنجوسی کی یہ حالت ہے کہ لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں (کہ جس میں ذرا نام ہو جائے یہ تو ان کی بزدلی کا حال ہے اور آتے بھی ہیں تو) تمہارے معاملہ میں بخل اور (کنجوسی) کرتے ہوئے (یعنی آنے میں بڑی نیت یہ ہوتی ہے کہ غنیمت کا سارا مال و سامان مسلمانوں کو ہی نہ مل جائے۔ برائے نام شریک ہونے سے غنیمت کے سامان میں حصہ کے مستحق ہونے کا دعویٰ تو کسی درجہ میں کر سکیں گے) تو (جب ان کی کنجوسی اور بزدلی دونوں باتیں ثابت ہو گئیں تو اس مجموعہ کا اثر یہ ہے کہ) جب (کوئی) خوف (کا موقع پیش آتا ہے تو انہیں دیکھتے ہو کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں پھرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو) (یہ تو بزدلی کا اثر ہوا) پھر جب وہ خوف دور ہو جاتا ہے تو تمہیں تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں (غنیمت کے) مال پر حرص لئے ہوئے (یعنی غنیمت کا مال لینے کے لئے دلوں کو تکلیف پہنچانے والی باتیں کرتے ہیں کہ کیا ہم شریک نہیں تھے؟ کیا ہمارے ہی ساتھ ہونے کی وجہ سے تمہیں یہ جیت و کامیابی میسر نہیں ہوئی؟ یہ کنجوسی اور لالچ کا اثر اور حال ہے، یہ معاملہ تو ان کا تم سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا معاملہ یہ ہے کہ) یہ لوگ (پہلے ہی سے ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام (نیک) اعمال (پہلے ہی سے) بے کار کر رکھے ہیں) (آخرت میں کچھ ثواب نہ ملے گا) اور یہ بات اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے (کوئی اس سے

فکر نہیں سکتا کہ ہم ان کے اعمال کا صلہ لیں گے اور یہ حالت تو ان کے گرد ہوں کے جمع ہونے کے وقت تھی۔ مگر ان کی بزدلی یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ ان گرد ہوں کے چلے جانے کے بعد بھی ان لوگوں کا خیال ہے کہ (ابھی تک) یہ لشکر گئے نہیں ہیں اور (انتہائی بزدلی کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہے کہ) اگر (فرض کرو) یہ (گئے ہوئے) لشکر (پھر لوٹ کر) آجائیں تو (پھر تو) یہ لوگ اپنے لئے یہی پسند کریں گے کہ کاش ہم وہ (کہیں) دیہاتوں میں باہر چلے جائیں کہ (وہاں) ہی بیٹھے بیٹھے آنے جانے والوں سے (تمہاری خبریں پوچھتے رہیں) (اور وہ جگر دکھانے والی لڑائی اپنی آنکھ سے نہ دیکھیں) اور اگر (اتفاق سے یا سب یا کچھ لوگ دیہاتوں میں نہ جاسکیں بلکہ) تمہارے درمیان ہی رہیں تو بھی (اس وقت کی لے دے سن کر بھی کچھ غیرت نہ آئے اور محض نام کرنے کو) کچھ لڑائی میں کم ہی حصہ لیں (آگے جنگ کے میدان میں ثابت قدم رہنے میں رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری اور پیروی کا ایمان کا تقاضا ہونا بیان فرماتے ہیں تاکہ منافقوں کو شرم آئے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس کے تقاضہ کے خلاف کیا اور مخلص لوگوں کو خوش خبری ہو کہ یہ لوگ لازمی طور پر ﴿كَانَ يُرْجَوُا اللّٰهُ﴾ کے مصداق ہیں، لہذا ارشاد فرماتے ہیں کہ) تم لوگوں کے لئے یعنی جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو (یعنی پورا مؤمن ہو جو ا میں مبداء اور معاد کا اعتقاد آگیا اور اللہ کے ذکر میں ساری طاعتیں آگئیں۔ غرض ایسے شخص کے لئے) اللہ کے رسول (ﷺ) میں ایک بہترین نمونہ موجود تھا (کہ جب آپ شریک رہے تو آپ سے زیادہ کون پیارا ہے کہ وہ پیروی نہ کرے اور اپنی جان بچاتا پھرے) اور (آگے منافقوں کے مقابلہ میں مخلص مؤمنوں کا ذکر ہے کہ) جب ایمان والوں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ وہی (موقع) ہے جس کی ہمیں اللہ و رسول نے خبر دی تھی (چنانچہ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۱۴ ﴿اَمْرَ حَسْبُنَا اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَقَدْ يَنْقَلِبُ اَمْثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مِمَّنْهُمْ الْبَاسَاءُ وَالضَّرَآءُ وَزُلْزَلُوْا﴾ میں اسی کا اشارہ صراحت کے ساتھ ہے، کیونکہ سورۃ البقرہ، سورۃ الاحزاب سے پہلے نازل ہوئی ہے، جیسا کہ الاقان میں ہے) اور اللہ اور (اس کے) رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس (احزاب یعنی گرد ہوں کو دیکھنے) سے (جو کہ پیشین گوئی کی تصدیق کرنے والا ہے) ان کے ایمان اور طاعت میں ترقی ہو گئی (یہ خوبی تو سارے مؤمنوں میں مشترک ہے اور بعض خوبیاں بعض مؤمنوں میں خاص بھی ہیں، جس کا بیان یہ ہے کہ) ان مؤمنوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا، اس میں سچے اترے (اس تقسیم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعض مسلمان ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے عہد کیا اور پورے نہیں اترے، بلکہ یہ تقسیم اس بنیاد پر ہے کہ بعض نے عہد ہی نہیں کیا تھا، اور پھر بھی یعنی بغیر عہد کے بھی ثابت قدم رہے ان عہد کرنے والوں کے ذکر کی تصریح اور پر والی آیت کے مقابلہ میں ہے جو منافقوں کے حق میں ہے ﴿وَلَقَدْ كُنَّا نَؤَاخِذُ اللّٰهَ﴾ الخ اور ان عہد کرنے والوں سے مراد حضرت انس بن النضر اور ان کے ساتھی ہیں۔ یہ حضرات اتفاق سے بدر کے غزوہ میں

شریک نہیں ہو سکے تھے تو انہیں افسوس ہوا اور انہوں نے عہد کیا کہ اگر اس بار کوئی جہاد ہوا تو اس میں ہم جان توڑ کوشش کریں گے، مطلب یہ تھا کہ منہ نہیں موڑیں گے چاہے قتل ہو جائیں (پھر ان (عہد کرنے والوں) میں دو قسمیں ہو گئیں) بعض تو وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (نذر سے وہ عہد مراد ہے جس کا پورا کرنا نذر کی طرح واجب ہے، مطلب یہ کہ وہ شہید ہو چکے اور آخری وقت تک منہ نہیں موڑا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ احد کی جنگ میں شہید ہو گئے تھے، اسی طرح حضرت معصب رضی اللہ عنہ بھی) اور بعض ان میں (اس عہد کو پورا کرنے کے آخری اثر یعنی شہادت کے) شوق میں ہیں (ابھی شہید نہیں ہوئے) اور انہوں نے (اب تک اس عہد میں) ذرا بھی تبدیلی نہیں کی (یعنی اپنے عزم پر قائم ہیں، لہذا پوری قوم کے لوگوں کی دو قسمیں ہیں: ایک منافق جن کا اوپر بیان ہوا، دوسرے مؤمن، پھر مؤمنوں کی دو قسمیں: ایک عہد کرنے والے دوسرے عہد نہ کرنے والے۔ اور ثابت قدم رہنا دونوں میں مشترک ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَقَدْ آتَيْنَا الْوُقُوفُونَ﴾ الخ۔ پھر عہد کرنے والوں کی دو قسمیں ایک شہید ہو جانے والے دوسرے شہادت کا شوق رکھنے والے۔ اس طرح ان آیتوں میں کل چار قسموں کا ذکر ہے، آگے اس غزوہ کی ایک حکمت بیان فرماتے ہیں کہ) یہ واقعہ اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو ان کے سچا ہونے کا بدلہ دے اور منافقوں کو چاہے سزا دے یا چاہے تو انہیں (نفاق سے) توبہ کی توفیق دے (کیونکہ ایسی مصیبتوں اور حادثوں میں غلط اور بناوٹی الگ الگ ہو جاتے ہیں، اور کبھی کبھی ملامت کی وجہ سے بعض بناوٹی لوگ بھی متاثر ہو کر غلط ہو جاتے ہیں، اور بعض اسی حال میں رہتے ہیں) بے شک اللہ بخشنے والے رحم فرمانے والے ہیں (اس لئے توبہ کا قبول ہونا محال یا ناممکن نہیں، اس میں توبہ کی ترغیب ہے) یہاں تک اس اسلامی امت کی مختلف قسموں کے معاملات تھے (آگے مخالف کافروں کی حالت کا ذکر ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے کافروں (یعنی مشرکوں کو خاص پر عام کا اطلاق کرتے ہوئے) ان کے غصہ کی حالت میں منہ پھیر دیا کہ انہیں کچھ بھی فائدہ نہ ہوا (اور ان میں اسی کا قصہ بھرا ہوا تھا) اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہو گیا (یعنی کافروں کو عام طور سے ہونے والی جنگ اور قتل و قتال کی نوبت بھی نہ آئی کہ پہلے ہی چلے گئے، اور متفرق طور پر ہلکی لڑائی کی نفی نہیں ہے) اور (اس طرح کافروں کا ہٹا دینا کوئی عجیب بات نہیں، کیونکہ) اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا، بڑا زبردست ہے (اس کے لئے کچھ مشکل نہیں، یہ تو مشرکوں کا حال ہوا) اور (مخالفوں میں دوسرا گروہ یہود، بنو قریظہ کا تھا۔ آگے ان کا ذکر ہے کہ) جن اہل کتاب نے ان (مشرکوں) کی مدد کی تھی انہیں (اللہ تعالیٰ نے) ان کے قلعوں سے (جن میں وہ محاصرہ کی حالت میں تھے) نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا (جس کی وجہ سے وہ قلعوں سے نیچے اتر کر باہر نکل آئے اور پھر) بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی (تمہیں اپنے ازیلی علم میں مالک بنا رکھا ہے) جس پر تم نے (ابھی) قدم (تک) نہیں رکھا (اس میں مستقبل کی

فتوحات کی عمومی طور پر یا خیر کی فتح کی خاص طور سے جو کہ اس کے بعد ہوئی بشارت ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (اس لئے ان امور کا واقع ہونا کوئی بڑی بات نہیں)

فائدہ: قتل، قید، منقولہ اور غیر منقولہ غیموں کی ملکیتوں کے احکام فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ لکھے ہوئے موجود ہیں، اور ان آیتوں کے ترجمہ کی وضاحت میں جتنے مضامین روایت کی قسم سے ہیں سب درمنثور سے نقل کئے گئے ہیں، اور بعض زندہ صحابیوں کے بارے میں جو ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ﴾ یعنی ”ان میں بعض وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے“ یہ اجر و ثواب کے اعتبار سے تشبیہ کے طور پر ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوْجِكَ إِن كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۖ وَإِن كُنْتُمْ تُرِيدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَعَّفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۖ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۖ وَمَن يَفْعَلْ مِّنْكُمْ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُفِّرْهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۖ وَاعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۖ يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ۚ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَحْضَعْنَ بِالْقَوْلِ ۖ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۖ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۖ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۖ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ ۖ مِن

آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝

ترجمہ: اے نبی! آپ اپنی بیبیوں سے فرمادیجئے کہ تم اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع دیدوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں۔ اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیبیو! جو کوئی تم میں بے ہودگی کرے گی اس کو دہری سزا دی جائے گی اور یہ بات اللہ کو آسان ہے اور جو کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو اس کا ثواب دوہرا دیں گے۔ اور ہم نے اس کے لئے ایک عمدہ روزی تیار رکھی ہے۔ اے نبی کی بیبیو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو۔ اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو اور

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو پاک صاف رکھے اور تم اُن آیات الہیہ کو اور اس علم کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چہ چار ہوتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ رازداں ہے پورا خبردار ہے۔

رابطہ: رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانے کی ممانعت کا سورت کے مقاصد میں سے ہونا سورت کی تمہید میں گزر چکا اور اذیت کی بعض قسموں کی مذمت الگ الگ بھی آیتوں میں گزر چکی ہے، اس کی ایک قسم اگرچہ تمام قسموں میں ہلکی ہے کہ وہ ایذا کے قصد سے خالی تھی اور دل کی محبت اس میں شامل تھی وہ اذیت تھی جو ازواج مطہرات یعنی خود آپ کی بیویوں کے کچھ زیادہ دنیاوی سامان کے تقاضے کے ساتھ مانگنے سے آپ کے دل کو پہنچی تھی جس سامان کو کہ وہ غلطی سے زیادہ نہیں سمجھی تھیں جس کی وجہ سے آپ ناخوش ہو کر ایک مہینہ کے لئے سب سے الگ ہو گئے اس سے متعلق اگلی آیتیں ان ازواج مطہرات کو سمجھانے کے لئے ارشاد ہوئیں۔ حدیثوں میں یہ قصہ بہت تفصیل کے ساتھ آیا ہے اور غالباً اس مانگنے کی وجہ یہ ہوئی کہ خیبر وغیرہ کی فتح کی وجہ سے کسی قدر مالی وسعت حاصل ہو گئی تھی تو ازواج مطہرات نے اپنے خیال میں اس تقاضہ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے تکلیف کا سبب نہیں سمجھا اور یہ قصہ خیبر کی فتح کے بعد ہوا۔ چنانچہ اس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے نکاح میں آچکی تھیں جو خیبر سے حاصل ہوئی تھیں، اور اس ذکر کا فتح خیبر کے بعد آنا جسے ﴿اَرْضُنَا﴾ یعنی ایسی زمین جس پر تم نے قدم نہیں رکھا کا مصداق قرار دیا گیا ہے، انتہائی حسن رکھتا ہے۔

نبی ﷺ کی اذیت کی پانچویں قسم جو سب سے ہلکی ہے، اس

سے منع کرنے کے ضمن میں ازواج مطہرات سے خطاب:

اے نبی! (ﷺ) آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے (تم سے دو ٹوک بات کہی جاتی ہے تاکہ قصہ ہمیشہ کے لئے ایک طرف ہو جائے، وہ بات یہ ہے کہ اگر تم دنیاوی زندگی (کا عیش و آرام) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ (یعنی لینے کے لئے متوجہ ہو) میں تمہیں کچھ (دنیاوی) سامان دیدوں (اس سے یا تو جوڑا مراد ہے جو اس بیوی کو جس کے ساتھ خلوت یعنی تنہائی میں ملاقات ہو چکی ہو، طلاق کے وقت دینا مستحب ہے، یا عدت کا نان و نفقہ مراد ہے یا اس میں دونوں شامل ہیں) اور (سامان دے کر تمہیں خوبی کے ساتھ رخصت کروں) یعنی سنت کے مطابق طلاق دیدوں تاکہ جہاں چاہو جا کر دنیا حاصل کرو) اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور (اس جگہ اللہ کو چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ) اس کے رسول کو چاہتی ہو، یعنی اسی طرح کی حالت میں جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرتے ہوئے رسول کے نکاح میں رہنا چاہتی ہو) اور آخرت کے عالم (کے اعلیٰ درجات) کو (چاہتی ہو جو کہ رسول کی بیوی کی حیثیت سے رہنے پر ملنے والے ہیں) تو (یہ تمہارے کردار کا نیک ہونا ہے اور) تم میں سے نیک کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے (آخرت میں) عظیم اجر تیار کر رکھا ہے (یعنی وہ ثواب جو

نبی کی بیویوں کے لئے مخصوص ہے کہ وہ دوسری نیک بیویوں کے اجر سے عظیم ہے اور جس سے نبی کی بیوی نہ رہنے کی صورت میں محرومی مقدر بنے گی۔ اگرچہ عام دلیلوں سے مطلق ایمان اور نیک اعمال کے ثمرات اس صورت میں بھی حاصل ہوں گے۔ یہاں تک تو اختیار دینے کا مضمون ہے جس میں حضور ﷺ کی طرف سے اپنی بیویوں کو خطاب ہوا۔ آگے حق تعالیٰ خود ان کو خطاب کر کے وہ احکام فرماتے ہیں جن کا بیوی رہنے کی صورت میں اہتمام کرنا واجب ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی غلط حرکت کرے گی (اس سے وہ معاملہ مراد ہے جس سے رسول اللہ ﷺ تنگ اور پریشان ہوں تو) اس کو (اس پر آخرت میں) دو گنی سزا دی جائے گی (یعنی اس عمل پر پختی سزا کسی دوسرے شخص کو ملتی ہے اس سے دو گنی سزا ہوگی) اور یہ بات اللہ کے لئے (بالکل) آسان ہے (ایسا نہیں کہ دنیاوی حاکموں کی طرح کبھی سزا بڑھانے سے مجرم کی بڑائی اس کے لئے رکاوٹ بن جاتی ہے اور اس سزا کے بڑھنے کی علت ابھی اجر کو دو گنا کرنے کے بیان میں آتی ہے) اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی (یعنی جن امور کو اللہ تعالیٰ نے واجب فرمایا ہے انہیں ادا کرے گی اور خود رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہونے کے جو حقوق و فرائض، اطاعت وغیرہ واجب ہیں، وہ ادا کرے گی۔ کیونکہ رسالت کی حیثیت کے حقوق اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں داخل ہو گئے) اور (جو امور واجب نہیں ہیں، ان میں سے جو) نیک کام (ہیں، انہیں) کرے گی تو ہم اس کو اس کا (بھی) دو گنا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لئے (اس دو گنے اجر کے علاوہ جس کا وعدہ کیا گیا ہے) ایک (خاص) عمدہ رزق تیار کر رکھا ہے (جو جنت میں نبی ﷺ کی بیویوں کے لئے مخصوص ہے اور جو عمل کے صلہ سے زیادہ ہے۔ اجر کے اس دو گنا کرنے کی علت اور اسی طرح سزا دو گنی کرنے کی علت جو اس سے پہلے بیان ہوئی ہے نبی کی بیوی کا شرف ہے جس پر ﴿يُنْسَبُ النَّبِيُّ﴾ دلالت کر رہا ہے، کیونکہ خصوصی تعلق رکھنے والوں کی نافرمانی یا گناہ بھی دوسروں کی نافرمانی یا گناہ سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ اور اسی طرح ان کی اطاعت و فرماں برداری بھی دوسروں کی اطاعت و فرماں برداری سے زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ اس طرح وعدہ اور وعید دونوں میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں، اور خاص طور سے اس مقام پر جہاں کلام ہو رہا ہے، یہ کہنا ممکن ہے کہ مومنوں کی ماؤں یعنی خود رسول اللہ کی اپنی بیویوں کی طرف سے خدمت اور اطاعت کا ہونا حضور ﷺ کے دل کے لئے زیادہ راحت پہنچانے والا ہوگا، اور اسی طرح اس کے خلاف امور کا ظاہر ہونا، آپ کے دل کے لئے زیادہ تکلیف پہنچانے والا ہوگا۔ چنانچہ آپ کو راحت پہنچانا اجر کا سبب تھا، زیادہ راحت پہنچانا زیادہ اجر کا سبب ہو گیا۔ اسی طرح اس کی ضد کی صورت میں سمجھنا چاہئے۔ یہاں تک آپ کی بیویوں سے آپ کے حقوق سے متعلق خطاب تھا۔ آگے عام احکام سے متعلق زیادہ اہتمام کرنے کے لئے خطاب ہے کہ) اے نبی کی بیویو! محض اس بات پر نہ بھول جانا کہ ہم نبی کی بیویاں ہیں اور اس لئے عام عورتوں سے ممتاز ہیں، یہ نسبت و تعلق اور شرف و عزت ہمارے لئے کافی ہے،

تو یہ خیال مت کرنا، یہ بات صحیح ہے کہ تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو (بے شک ان سے ممتاز ہو، مگر مطلق نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ایک شرط بھی ہے کہ) اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو (جب تو واقعی اس نسبت کے سبب تمہیں اوروں سے شرف و امتیاز ہے یہاں تک کہ ثواب بھی دو گنا ملے گا اور اگر یہ شرط نہیں پائی گئی تو یہی تعلق اس کے برعکس گناہ کے دو گنا ہونے کا سبب بن جائے گا، جب یہ بات ہے کہ بغیر تقویٰ یعنی اللہ کے ڈر کے محض نسبت کچھ نہیں تو) تمہیں شرعی احکام کی عام طور سے اور اگلی آیت میں بیان کئے ہوئے احکام کی خاص طور سے پوری پابندی کرنی چاہئے اور وہ احکام یہ ہیں کہ) تم (ناحرم مردوں سے) بات کرنے میں (جب کہ کسی ضرورت کے تحت بات کرنی پڑے) نرمی اختیار نہ کرو (اس کا یہ مطلب نہیں کہ درشت یا بد مزاجی اختیار کرو کیونکہ اس کا برا ہونا تو خود ہی ظاہر ہے۔ اور مخاطب یعنی ازواج مطہرات میں اس کا احتمال بھی نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے عورتوں کے کلام کا فطری انداز ہوتا ہے کہ کلام میں نرمی اور نزاکت ہوتی ہے، اپنی سادہ مزاجی کی وجہ سے اس انداز کو مت اختیار کرو) کہ (اس سے) ایسے شخص کو (فطری و طبعی طور پر فاسد) خیال (پیدا) ہونے لگتا ہے جس کے دل میں خرابی (اور برائی) ہے (بلکہ ایسے موقع پر تکلف اور اہتمام سے اس فطری انداز کو بدل کر گفتگو کرو) اور (عفت و پاک دامنی کے قاعدہ کے مطابق صاف سیدھی بات کرو) (یعنی ایسے انداز میں بات کرو جس میں لوج و نرمی اور نزاکت و لگاؤ کی بجائے خشکی اور سپاٹ پن ہو کہ یہ عفت و پاک دامنی کی حفاظت کرنے والا طریقہ ہے اور یہ بد اخلاقی نہیں ہے کہ بد اخلاقی وہ ہے جس سے کسی کے دل کو رنج و تکلیف ہو۔ تو فاسد خیال کا راستہ بند کرنے سے رنج و الم لازم نہیں آتا، اس سے تو بولنے سے متعلق حکم فرمایا) اور (آگے پردہ سے متعلق ارشاد ہے اور دونوں میں مشترک امر عفت و پاک دامنی کی حفاظت ہے، یعنی) تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو (اس سے مراد یہ ہے کہ محض کپڑا اوڑھ کر یا لپیٹ کر پردہ کر لینے پر اکتفا مت کرو بلکہ پردہ اس طریقہ سے کرو کہ لباس سمیت بدن نظری نہ آئے جیسا کہ آج کل شریف گھرانوں میں پردہ کا طریقہ پایا جاتا ہے کہ عورتیں گھروں ہی سے نہیں نکلتیں۔ البتہ ضرورت کے مواقع دوسری دلیلوں سے مستثنیٰ ہیں) اور (آگے اسی حکم کی تاکید کے لئے ارشاد ہے کہ) پرانی جاہلیت کے زمانہ کی سی جھج دھج دکھاتی مت پھرو (جس میں بے پردگی کا رواج تھا، چاہے بغیر فحش کے ہی کیوں نہ ہو اور ﴿الْجَاهِلِيَّةُ الْأُولَى﴾ یعنی پرانی جاہلیت سے وہ جاہلیت مراد ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور اس کے مقابلہ میں ایک اس کے بعد کی جاہلیت ہے کہ اسلام کے احکام کی تعلیم و تبلیغ کے بعد ان پر عمل نہ کیا جائے، لہذا اسلام کے بعد جو جھج دھج کا مظاہرہ بے پردگی اور دکھاوا ہوگا وہ الجاہلیۃ الاخریٰ یعنی بعد کی یا دوسری جاہلیت ہے اس لئے تشبیہ میں جاہلیت اولیٰ کی تخصیص ظاہر ہے کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ کا تغایر ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت آخری پیدا کر کے جاہلیت اولیٰ کی پیروی نہ کرو، جس کو مٹانے کے لئے اسلام آیا ہے۔ یہاں تک عفت سے متعلق احکام تھے) اور (آگے دوسرے شرعی احکام کا بیان ہے کہ) تم نمازوں کی پابندی رکھو، اور (نصاب کی مالک ہو

(تو) زکوٰۃ دیا کرو (کہ دونوں اسلام کے عظیم شعائر میں سے ہیں، اس لئے ان کی تخصیص کی گئی) اور (بھی جتنے احکام ہیں اور تمہیں معلوم ہیں، سب میں) اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو (اور ان احکام کے اہتمام اور التزام کا جو ہم نے تمہیں مکلف فرمایا ہے تو اس میں تمہارا ہی نفع ہے، کیونکہ) اللہ تعالیٰ تو (ان احکام کو شرعی قانون کے طور پر بتانے سے) یہ چاہتا ہے کہ اے (رسول کے) اہل بیت! تم سے (معصیت و نافرمانی کی) آلودگی کو دور رکھے اور تمہیں ظاہری و باطنی اعتقادی و عملی اور اخلاقی برائیوں سے) پاک و صاف رکھے (کیونکہ احکام کا علم حاصل ہونے کے سبب مخالفت سے بچنا ممکن ہے جو کہ آلودگی کا سبب اور پاک صاف رہنے میں رکاوٹ ہے) اور چونکہ ان احکام پر عمل کرنا واجب ہے اور عمل کے لئے احکام کا جاننا اور انہیں یاد رکھنا لازمی ہے، اس لئے تم اللہ کی ان آیتوں (یعنی قرآن) کو اور (احکام کے) اس علم کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے (اور یہ بات بھی اپنی نظروں کے سامنے رکھو کہ) بے شک اللہ تعالیٰ ہر بار کی کو جاننے والا ہے (دلوں کے حال اور ان کے اعمال کو بھی پوری طرح جانتا ہے اور) پوری طرح باخبر ہے (کہ پوشیدہ اعمال کو بھی جانتا ہے اس لئے ظاہری و باطنی پوشیدہ و علانیہ طور پر حکموں پر عمل کرنے کا اور جن امور سے منع کیا گیا ہے، ان سے بچنے کا اہتمام واجب ہے۔

پہلا فائدہ: ﴿اَسْرِحْخُكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ کے ترجمہ میں طلاق سنت سے وہ طلاق مراد ہے جو بدی نہ ہو، چاہے معلق کرنے والے طریقہ کی وجہ سے بدی ہو، جیسے حیض کی حالت میں طلاق دینا سب کے نزدیک بدی ہے یا ایک ہی وقت میں تین طلاق دینا خفیوں کے نزدیک بدی ہے یا کسی دوسری وجہ سے بدی ہو، جیسے مطلقہ کو یعنی جسے طلاق دیدی گئی ہو، کسی قسم کا ضرر و نقصان پہنچانا۔

دوسرا فائدہ: ﴿اَمْتَعْنُ﴾ کے ترجمہ میں جو لفظ ”جوڑا“ لکھا ہے، اس کے ضروری مسائل سورہ بقرہ آیت ۲۴۱ ﴿وَالْمُطَلَّاتِ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ﴾ کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔

تیسرا فائدہ: ﴿اَسْرِحْخُكُنَّ﴾ کا ﴿اِنْ كُنْتُنَّ تَرُدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ الخ کی جزا میں واقع ہونا ظاہر میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو بیوی دنیا کی زندگی اور اس کی بہار کے لئے طلاق کو اختیار کرتی اس کے لئے دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہوتا کیونکہ اگر دنیا کا حاصل کرنا دوسرے نکاح کے واسطے کے بغیر مراد ہو تو وہ نبی ﷺ کی بیوی رہتے ہوئے بھی ممکن ہے، پھر رخصت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد وہی ہے جو دوسرے نکاح کے طریقہ پر ہو۔ صاحب روح نے یہ مسئلہ امام سے نقل کیا ہے۔

چوتھا فائدہ: ﴿اَعَدَّ لِمُحْسِنَاتٍ وَمَنْكُنَّ﴾ میں جو کلمہ ”من“ ہے اگر یہ بیان کرنے کے لئے ہو تب تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر بعض کو ظاہر کرنے کے لئے ہو جس سے بعض ازواج کے غیر محسنہ ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی دو توجیہیں

ممکن ہیں: ایک یہ کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ایک عورت عامرہ جیسہ نے اس اختیار کے دیئے جانے کے بعد آپ کی بیوی رہنا نہ چاہا، اس کو الروح نے ابن سعد سے روایت کیا ہے۔ بعض کے لئے استعمال کئے گئے اس ”من“ سے اس کو مستثنیٰ کرنا مقصود ہے اور اگر یہ روایت ثابت نہ ہو تو دوسری توجیہ یہ ہے کہ اگرچہ سب محسنات تھیں مگر اختیار دیئے جانے کے وقت اختیار دینے سے پہلے یہ ظاہر تو نہیں ہوا تھا لہذا زمانہ حال کے ظاہر سے ہر ایک میں دونوں احتمال تھے، لہذا یہ بعض کا استعمال معلق کرنے کے معنی کے طور پر ہے یعنی من احسن من کن اور اس قول کے بھی یہی معنی ہیں کہ مطلق بعض کبھی کل کے ضمن میں واقع ہوتا ہے اور کبھی کل کے مقابلہ میں آنے والے بعض کے ضمن میں۔

پانچواں فائدہ: صاحب روح نے امام رازی رحمہ اللہ سے ایک اور مسئلہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ اختیار دیدئے جانے کے بعد جو بیوی اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لے پھر اس کو طلاق دینا رسول اللہ ﷺ کے لئے جائز معلوم نہیں ہوتا ورنہ اختیار دینے اور اختیار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن احقر کے نزدیک یہ دلیل بہت کمزور ہے۔ دنیا کو اختیار کرنے کی وجہ سے طلاق کا مستحق نہ ہونا اس کے لئے لازم نہیں کہ کسی دوسری وجہ سے بھی اس کو طلاق نہ دی جائے، چنانچہ بعض روایتوں میں جو حضرت سودہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو طلاق دینے کا ارادہ یا ایک طلاق رجعی دینا آیا ہے اگر وہ اس آیت کے بعد ہو تب بھی کوئی اشکال نہیں۔

چھٹا فائدہ: جب اختیار دینے والی یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اپنی بیویوں کو پڑھ کر سنا دی۔ آپ کی جو بیویاں مشہور ہیں: (۱) حضرات سودہ (۲) حضرت عائشہ (۳) ام حبیبہ (۴) حفصہ اور (۵) ام سلمہ رضی اللہ عنہن یہ پانچوں قریش میں سے ہیں (۶) صفیہ خیمریہ (۷) میمونہ ہلالیہ (۸) زینب اسدیہ اور (۹) جویریہ مصطلقیہ رضی اللہ عنہن ان سب نے آپ کی بیوی رہنا قبول کیا اور دنیا کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔

ساتواں فائدہ: اس بارے میں بحث ہوئی ہے کہ یہ اختیار دینا طلاق کا بیویوں کے حوالہ کر دینا تھا کہ ان کے اختیار کر لینے سے طلاق واقع ہو جاتی اور آپ کے طلاق دینے کی ضرورت نہ ہوتی یا یہ اختیار دینا رائے کا دریافت کرنا تھا اور ان کا اختیار کرنا رائے کا اظہار تھا اور اختیار کے بعد طلاق دینے کی ضرورت ہوتی۔ لیکن آیت کا دونوں طرح سے انطباق ہو سکتا ہے۔

آٹھواں فائدہ: لفظ اختاری جو کہ طلاق کے کناویوں میں سے ہے، اگر بیوی کو کہہ دے تو اگر وہ کوئی جواب نہ دے یا جواب میں یہ کہہ دے اختار تک تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، البتہ اگر اختار نفسی کہہ دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

نواں فائدہ: اس نص کے مطابق ظاہر میں حضور ﷺ پر واجب تھا کہ اپنی بیویوں کو اختیار دیں اور ظاہر میں یہ بھی

واجب معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو اختیار کرنے والی بیوی کو طلاق دیدیں، اس کو بھی صاحب روح نے امام سے نقل کیا ہے، لیکن چونکہ یہ حکم عام نہیں، لہذا دوسروں کے لئے صرف مستحب ہے کہ شریعت پر عمل نہ کرنے والی عورت سے اس طرح کہہ لیں۔ اور اسی طرح کر لیں۔ اور فقہانے تصریح کی ہے لایجب تطلیق الفاجرة یعنی فسق و فجور کرنے والی عورت کو طلاق دینا واجب نہیں۔

دسواں فائدہ: آیت میں آنے والے لفظ ﴿يَغَا حِشَّةً﴾ یعنی ”برے کام کرنے والی“ کی تفسیر بیہقی نے مقاتل سے یہ نقل کی ہے انہا العصیان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم: یعنی یہ نبی ﷺ کی نافرمانی ہے اور زیادہ کا مطالبہ جس سے آپ کے دل کو تنگی محسوس ہو، اس میں داخل ہے۔ اس کے علاوہ اس کی دو دلیلیں اور ہیں: ایک یہ کہ اس کو مبینہ فرمایا اور مبینہ کا معروف معنی مصداق نہیں، سوائے اس کے کہ اس کو مجاز کہا جائے۔ دوسرے اس کے مقابلہ میں ﴿وَمَنْ يَفْضُتْ﴾ الخ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد اللہ سے نہ ڈرنا ہے۔ اور نبیوں کی بیویوں میں معروف معنی کا احتمال نہ ہونا سورۃ نور آیت ۲۶ ﴿الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ﴾ الخ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

گیارہواں فائدہ: عذاب کو تو صرف ﴿يَغَا حِشَّةً مُّبِينَةً﴾ پر مرتب فرمایا جو کہ ایک عمل ہے اور دو گئے اجر کو تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنے اور نیک عمل کے مجموعہ پر مرتب فرمایا جو کہ شریعت کے احکام، قوانین اور اعمال کا مجموعہ ہیں، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مکمل مقبولیت کے لئے تمام کاموں کا کرنا ضروری ہے اور سزا کے لئے بعض کے ذریعہ خلل بھی کافی ہے۔ بارہواں فائدہ: دو گئے عذاب اور دو گئے ثواب کی وجہ ترجمہ کے بیان کے دوران واضح ہو چکی۔

تیرہواں فائدہ: دو گئے عذاب سے ﴿مَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا﴾ سے ٹکراؤ کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ ایسی حالت کا عذاب کی شدت کا تقاضا ہونا اصل میں عمل اور سزا کے درمیان مثل ہونا ہی ہے، لہذا یہاں خود دو گنا ہونا ہی اصل مثل ہے۔

چودہواں فائدہ: ﴿إِنْ اتَّقَيْتُنَّ﴾ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ متقی یعنی اللہ سے ڈرنے والی نہیں تھیں، بلکہ اس سے مقصود تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنے کو معلق کرنا ہے تاکہ تقویٰ کا مدار ہونا ظاہر ہو جائے۔ چاہے مقدم اور تالی دونوں متحقق ہوں دوسری توجیہ یہ بھی محاورہ کے مطابق ہے کہ ﴿إِنْ اتَّقَيْتُنَّ﴾ کے معنی ذمّت علی التقویٰ یعنی ہمیشہ تقویٰ پر عمل کرتی رہو، یعنی جس طرح اب تک متقی ہو اسی طرح ہمیشہ متقی رہو تب اوروں سے افضل ہوگی۔

پندرہواں فائدہ: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ جس سے بات کی جائے، اس کے اعتبار سے ہے اگرچہ ظاہر میں مطلق ہے مگر مقصود اجنبی لوگوں کے ساتھ گفتگو کے ساتھ خاص ہے۔

سولہواں فائدہ: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ﴾ اور ﴿قُرْآنَ﴾ اور ﴿لَا تَبْزَجْنَ﴾ خطاب کے اعتبار سے مخاطب حضرات

ازواج مطہرات ہیں، اگرچہ ظاہر میں خاص ہیں، مگر خطاب کی دلالت کے اعتبار سے کہ مقصود عفت کی حفاظت ہے، جو سب سے مطلوب ہے، یہ احکام تمام عورتوں کے لئے عام ہیں، جیسا کہ مقاتل نے ﴿لَا تَبْرَجْنَ﴾ میں میں کہا ہے۔ ثم عمت نساء المؤمنین فی التبوج: یعنی ”پھر حج و حج دکھاتی پھرنے میں تمام مومنوں کی عورتوں کے لئے عام“ ہو گیا جیسا کہ الدر میں ہے، بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری عورتوں کے لئے یہ احکام درجہ اولیٰ میں ہیں، کیونکہ ان احکام کی علت فساد کے راستے بند کرنا ہے جیسا کہ اس پر بطمع دلالت کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دوسری عورتوں کو راستے بند کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، اور ﴿قَرْنَ﴾ کے مقابلہ میں یعنی گھروں میں ٹھہری نہ رہنے کی جاہلیت کے امر سے تشبیہ دینا خود ٹھہری نہ رہنے کی مذمت کے لئے کافی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا مذمت کے قابل امر دوسری عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ اور حدیثوں میں اس قسم کے مضمون المرأة عورة فاذا خرجت استشر لها الشيطان یعنی عورت پردہ میں رہنے کے لئے ہے وہ جب پردہ سے یا کمر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا ہے، وغیرہ آئے ہیں، جو مطلوب امر پر دلالت کے لئے کافی ہیں، لہذا ان احکام کا عام ہونا ثابت ہو گیا۔ رہا ذکر میں تخصیص کا ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مومنوں کی ماؤں یعنی رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کو خطاب ہے، اس لئے ضمیروں میں وہی مخاطب ہیں، مگر ذکر میں تخصیص سے حکم میں تخصیص لازم نہیں آتی اور اگر ﴿كَسْتُنَّ كَأَحَدٍ﴾ سے تخصیص کا شبہ ہو تو اس کے جو معنی لکھے گئے ہیں، اس سے اس شبہ کی اصل ہی میں گنجائش نہیں اور اگر بعض علماء کے اس قول سے کہ حجاب صرف ازواج مطہرات کے لئے ہے اور یہ حجاب دوسرے امر کی وجہ سے واجب ہے کہ اس کی علت سد ذرائع ہے اور یہی وجہ ہے کہ ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ﴾ اور ﴿لَا تَبْرَجْنَ﴾ کو کسی نے خاص نہیں کہا، لہذا جو ﴿قَرْنَ﴾ دوامروں کے درمیان گھرا ہوا ہے وہ کیسے خاص ہوگا؟ اور اس مضمون کی تحقیق و تفصیل احقر کے رسالہ القول الصواب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

ستر ہواں فائدہ: ﴿قَرْنَ﴾ کے ترجمہ کی وضاحت میں جو ”ضرورت کے مواقع“ کو مستثنیٰ کیا ہے، اس کی قوی دلیل یہ حدیث ہے: قد اذن لکن ان ینخرجن لحاجتھن: یعنی تمہیں تمہاری ضرورتوں کے وقت نکلنے کی اجازت دی گئی ہے اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اور فعلی دلیل جناب رسول اللہ ﷺ کا سفر اور حج میں بیویوں کو ساتھ لے جانا ہے۔ چنانچہ اب بعض اہل بدعت کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جنگ جمل کے لئے خود نکلنے پر ہی اعتراض بالکل بے کار ہے، خاص طور سے جب کہ وہ خاص اس کام کے لئے نکلی بھی نہیں تھیں، بلکہ وہ حج کے لئے مکہ گئی ہوئی تھیں۔

اٹھارہواں فائدہ: ﴿بُيُوتِكُنَّ﴾ میں اضافت ملکیت اور سکونت دونوں کی ہو سکتی ہے۔ پہلی صورت میں یہ کہا جائے گا کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں انہیں مالک قرار دیا ہو، کیونکہ وراثت کا احتمال تو ہے ہی نہیں اور دوسری صورت میں اس کی سکونت نبی ﷺ کی وفات کے بعد مالکانہ نہیں ہوگی۔ بلکہ جس طرح ضرورت مند لوگ وقف مکانوں وغیرہ

سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ البتہ دونوں احتمالوں میں سے ایک کی تعیین مستقل دلیل کی محتاج ہے۔ قرآن کے بیان کو دونوں سے متعلق کرنا ممکن ہے۔

انیسواں فائدہ: اس موقع پر آیت ﴿تَطْهِّرُوا﴾ یعنی آیت ۳۳ میں جو لفظ اہل بیت آیا ہے، آگے پیچھے دیکھنے سے اس کا مصداق یقینی طور پر ازواج مطہرات یعنی نبی ﷺ کی بیویاں ہیں، چنانچہ اسی آیت ﴿تَطْهِّرُوا﴾ کے بارے میں ابن عباس کا قول ہے: نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ: یعنی یہ آیت خاص طور سے نبی ﷺ کی بیویوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ اور عکرمہ کا قول ہے: عن شاء باہلته انھا نزلت فی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یعنی میں اس سے مقابلہ کر سکتا ہوں کہ یہ آیت نبی ﷺ کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور عکرمہ نے ہی یہ بھی کہا: لیس بالذی تلہون إلیہ إنما هو نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یعنی اس سے وہ مراد نہیں ہے جو تم کہتے ہو (یعنی منج تن مراد نہیں) وہ صرف نبی ﷺ کی بیویاں ہیں۔ یہ سب الدر المنثور میں ہیں۔ لہذا اس میں تو کوئی شبہ نہیں۔ اور عنکم میں مذکر کی ضمیر یا تو حضور ﷺ کے اعتبار سے غلبہ کی بنیاد پر ہے یا لفظ اہل کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ ﴿لَا أَهْلِي﴾ فرمایا ہے۔

اب رہا اہل عبا یا کملی والوں کا اہل بیت یا اس آیت کا مصداق ہونا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے ان حضرات کو اپنی چادر میں لپیٹ کر فرمایا: اللہم هؤلاء اہل بیتی فاذهب عنهم الرجس وطہرہم تطہیراً: یعنی ”اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں لہذا ان سے آلودگی کو دور فرما دے اور انہیں پوری طرح پاک و صاف فرما دے“ یا ازواج مطہرات کا اس کا مصداق نہ ہونا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی چادر میں آنا چاہا تو آپ نے فرمایا: انک علی خیر: اور انہیں چادر میں داخل نہیں کیا تو اس میں تحقیق کی بات یہ ہے کہ آیت اور حدیث میں اہل بیت کا مفہوم ایک نہیں۔ بلکہ حدیث میں تو عترت یعنی اولاد اور عزیز مراد ہیں اور آیت میں یا تو عام مراد ہے جس کی ایک قسم کی طرف تو آیت ہی میں دلالت ہوئی اور دوسری قسم کی طرف آپ نے اپنے اس فعل کے ذریعہ ظاہر فرما دیا۔ اور حضرت ام سلمہ کو داخل نہ کرنا اس لئے ہوگا کہ تمہارے بارے میں تو آیت سے دلالت ہونا ظاہر ہی ہے جن کا معاملہ ظاہر نہیں ان کو ظاہر کرتا ہوں، پھر تمہیں اس کے اہتمام کی ضرورت نہیں، اور خیر سے یہی دلالت مراد ہوگی کہ انک علی خیر یعنی خیر میں تم تو ہو ہی۔ اور یا آیت میں صرف ازواج مطہرات مراد ہیں۔ اس صورت میں عبا میں داخل فرمانا اور آیت پڑھنا یا آیت کے مناسب الفاظ کے ذریعہ دعا کرنا علم اعتبار کے طور پر ہوگا، جیسا کہ حضور ﷺ نے خیر میں آیت ﴿فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ﴾ پڑھ دی تھی جب کہ یہ آیت مشرکوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے تقدیر کے مسئلہ میں آیت ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰ﴾ الخ کا پڑھ دینا اسی پر محمول کیا ہے جیسا کہ الفوز الکبیر میں ہے۔ لہذا مطلب یہ

ہوگا کہ اے اللہ! اہل بیت کی ایک قسم یہ بھی ہے، میں ان کے لئے بھی دعا کرتا ہوں اور دعا میں آلودگی کو دور کرنے اور تطہیر سے تکوینی پاکی مراد ہونے سے اس دعویٰ کی اور زیادہ تاکید ہوتی ہے کہ یہ داخل ہونا علم اعتبار کے طور پر ہے، کیونکہ ظاہر ہے آیت میں شرعی پاکی مراد ہے اور حدیث میں وہ امر نہیں ہے ورنہ اس دعا کے کوئی معنی حاصل نہیں ہوں گے، اور اس صورت میں انک علی خیر سے یہ مقصود ہونا کہ تم اہل بیت میں سے نہیں، اصل کے لحاظ سے اشکال کا موقع محل نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ تم اہل بیت کی اس قسم میں سے نہیں ہو، جو اس وقت مراد ہے اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے جب اہل بیت کے معنی پوچھے گئے تو انھوں نے جو ارشاد فرمایا اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے یعنی اولاد و عزیز، جیسا کہ مسلم میں ہے۔ چنانچہ انھوں نے سوال کے قرینہ سے یہ معنی فرمائے، باقی نہ ان سے آیت کی تفسیر پوچھی گئی اور نہ ہی انھوں نے آیت سے متعلق یہ ارشاد فرمایا، لہذا ازواج مطہرات کا اہل بیت نہ ہونا، ان کے قول سے ثابت نہیں، چنانچہ اس روایت میں انہی کا یہ بھی قول ہے: نساء من اهل بیت: یعنی ”آپ کی عورتیں یعنی آپ کی بیویاں آپ کے اہل بیت میں سے ہیں“ بلکہ معاملہ میں تو متصل سند کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال پر کہ کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ خود نبی ﷺ کا ارشاد ہے ہلی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ غرض لفظ اہل بیت کے دو مفہوم ہیں: ایک بیویاں دوسرے اولاد اور قرینوں کی خصوصیت سے کسی مقام پر ایک مفہوم مراد ہوتا ہے کہیں دوسرا، اور کہیں عام یعنی دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں، لہذا آیت میں ظاہر میں پہلا مفہوم مراد ہے اور تیسرے مفہوم کا بھی احتمال ہے۔ اور حدیث ثقلین اور صدقہ کے حرام ہونے اور عبادی حدیث میں دوسرا مفہوم ہے، لہذا اس تحقیق کے بعد نہ آیت میں اشکال ہے، نہ کسی حدیث میں اور نہ ہی آپس میں کوئی ٹکراؤ ہے اور نہ ہی اہل حق پر کسی کا کوئی شبہ وارد ہوتا ہے اور نہ ہی اہل حق کو کسی جگہ تکلف و تاویل کی ضرورت ہے۔

بیسواں فائدہ: چونکہ آلودگی و گندگی دور کرنے اور پاک و صاف کرنے کے ارادہ کی تفسیر شرعی قانون و احکام کے ساتھ معلوم ہو چکی ہے، اس لئے اس سے اہل بیت کی عصمت پر استدلال کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، چاہے اہل بیت سے خاص مراد ہو یا عام۔ اور چاہے شرعی قانون و احکام کے ارادہ کا مراد ہونا یقینی ہو یا اس کا احتمال ہو۔ اس لئے کہ جب احتمال آجاتا ہے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں مومنوں کے لئے عام ارشاد ہے ﴿وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ﴾ رہا یہ امر کہ پھر اہل بیت کی کیا فضیلت ثابت ہوگی؟ کیونکہ شرعی قانون و احکام کا ارادہ تو تمام مکلف لوگوں کے لئے عام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے تو اتنی ہی فضیلت ثابت ہوگی کہ انہیں پاک و صاف کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے توجہ فرمائی اور اگرچہ یہ توجہ تمام مکلف لوگوں میں مشترک ہے لیکن کلی مشکل کے طور پر زیادہ توجہ، زیادہ فضیلت پر ضرور دلالت کرے گی، جیسا کہ لفظ اہل بیت اس خصوصی توجہ پر دلالت کر رہا ہے جس کا حاصل یہ ہے: یا من ہو

من اهل بیت نبینا و عبدنا المقبول المحبوب المرضی عندنا: یعنی ”اے وہ لوگو! جو ہمارے نبی اور بندے کے اہل بیت سے ہو جو ہمارے نزدیک مقبول و محبوب اور پسندیدہ ہیں“ اور اہل بیت کی اس سے زیادہ فضیلتیں چاہے ان کا کسی بھی معنی میں اعتبار کیا جائے اس آیت پر موقوف نہیں۔ اور قرآن وحدیث کی دلیلیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔

اکیسواں فائدہ: حدیث میں بعض دوسرے لوگوں کے لئے بھی دو گنے اجر کی خوش خبری آئی ہے۔ وہ حدیث اس کے معنی کی تحقیق سمیت سورة القصص آیت ۵۴ ﴿اُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ کے ذیل میں گزر چکی ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ تین قسم کے لوگوں کو دو گنا اجر ملتا ہے، لیکن تین کا عدد مقرر کرنے کے لئے نہیں ہے، جس کی وجہ سے آیت سے ٹکراؤ لازم آئے۔ چنانچہ ایک حدیث میں چار کا عدد آگیا ہے اور ازواج مطہرات کو اس میں داخل کیا ہے جیسا کہ الدر میں الطبرانی کے حوالہ سے امامت سے روایت ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أربعة يؤتون أجورهم مرتين منهم أزواج رسول الله صلى الله عليه وسلم: یعنی ”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں دو گنا اجر دیا جاتا ہے، ان میں رسول اللہ ﷺ کی بیویاں بھی شامل ہیں“

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَذِكْرٍ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

ترجمہ: بیشک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

رابطہ: اوپر اوپر دوا دینا ہی یعنی جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن کاموں سے منع کیا گیا یا روکا گیا ہے، ان میں گفتگو کا رخ حضرات ازواج مطہرات کی طرف تھا اور ان کے لئے نیک اعمال پر اجر و ثواب اور پاک و صاف کرنے اور گندگی و آلودگی دور کرنے کی خوش خبری تھی۔ اب رحمت اور شریعت کے عام ہونے کے اظہار کے لئے عام مؤمن مردوں

اور مؤمن عورتوں کو نیک اعمال پر اسی فضل کی خوش خبری دیتے ہیں۔ چنانچہ مغفرت اور گندگی و آلودگی دور کرنے کے معنی ایک دوسرے سے قریب قریب ہیں۔ اور عظیم اجر اور دو گنا اجر ایک دوسرے سے مناسبت رکھنے والے الفاظ ہیں۔ چنانچہ ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعض اسباب بھی ربط کے اس بیان کی تائید کرتے ہیں، جیسا کہ درمنثور میں قتادہ سے روایت ہے کہ بعض صحابی عورتیں ازواج مطہرات کے پاس جا کر کہنے لگیں کہ تمہارا تو قرآن میں ذکر آیا، ہمارا نہیں آیا۔ یعنی اس موقع پر ہمارا ذکر نہیں آیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض روایتوں میں جو یہ بات آئی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے تمنا کی تھی کہ ہمارا ذکر بھی قرآن میں آتا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جیسا کہ یہ بھی الدر المنثور میں ہے تو اس میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اوپر کی آیتوں میں تو ان کا ذکر آچکا تھا۔ شاید اس امر کی تمنا ہوگی کہ عام شرعی حکم کے طور پر عورتوں کا بھی ذکر آئے اور مردوں کا ذکر ساتھ میں ملا دینے میں اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ مستقل طور پر ذکر آنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ شرعی احکام و امور مردوں اور عورتوں میں مشترک ہیں، پھر عورتیں مردوں کے تابع ہوتی ہیں، اس لئے مردوں کو مخاطب کر دینا کافی ہے۔

اسلامی احکام و تعلیمات پر عمل کرنے پر تمام مسلمانوں کو عام خوش خبری:

پیشک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں (لہذا اس تفسیر پر اسلام سے مراد اعمال نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ ہوئے۔ اور ایمان سے مراد عقائد ہوئے جیسا کہ صحیحین میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پوچھنے پر حضور ﷺ کے یہی جواب دینے کی روایت ہے) اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں (اس میں اشارہ ہے ان کے اعمال و عقائد محض خوش دلی کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری کے طور پر ہیں، ان میں کچھ پس و پیش و با و یا ناگواری نہیں ہے) اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں (اس میں بات عمل، نیت اور ایمان کی سچائی سب آگیا، نہ وہ بات میں جھوٹے ہیں، نہ عمل میں کم ہمت اور ست اور نہ نیت میں ریا کار ہیں اور نہ منافق ہیں) اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں (اس میں تمام قسموں کے صبر آگئے یعنی طاعتوں پر صبر، معاصی یعنی گناہوں اور نافرمانیوں سے صبر، اور مصیبتوں پر صبر) اور خشوع (خضوع) کرنے والے مرد اور خشوع (خضوع) کرنے والی عورتیں (اس میں عاجزی و انکساری جو گھمنڈ اور تکبر کی ضد ہے، وہ بھی داخل ہے اور نماز اور عبادتوں میں دل اور جسم کے ظاہری اعضا کی توجہ بھی داخل ہے) اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں (اس میں فرض زکوٰۃ اور نفلی صدقات سب داخل ہیں) اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں (اس میں بھی فرض اور نفل سب روزے آگئے) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں (یعنی جو اللہ کے فرض

اذکار کے علاوہ نفل اذکار بھی ادا کرتے ہیں) ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور عظیم اجر تیار کر رکھا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۖ وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لَكَ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۗ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ۗ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۗ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

ع

ترجمہ: اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیدیں کہ اُن کو اُن کے اُس کام میں کوئی اختیار رہے۔ اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔ اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور خدا سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے اندیشہ کرتے تھے۔ اور ڈرنا تو آپ کو خدا ہی سے زیادہ سزاوار ہے۔ پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا، ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے، جب وہ اُن سے اپنا جی بھر چکیں اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا تھا ہی۔ ان پیغمبر کے لئے خدا تعالیٰ نے جو بات مقرر کر دی تھی، اُس میں نبی اکرم ﷺ پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں یہی معمول کر رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں اور اللہ کا حکم تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔ یہ سب ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

رابطہ: اوپر کئی جگہ یہ بیان آچکا ہے کہ اس سورت کے مقاصد میں سے سب عظیم مقصد آپ ﷺ بزرگی اور اطاعت کا اہتمام اور آپ کو تکلیف پہنچانے کے حرام ہونے کا ذکر بیان ہے۔ اور دونوں کی بعض قسموں کا ذکر اوپر آچکا ہے، جن میں

دوسری قسم اذیت و تکلیف کی تمہید میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی لکھا گیا ہے، آگے اسی قصہ سے متعلق دو مضمون ہیں: ایک تیسری قسم آپ کے حق کی تعظیم اور ایک دوسری قسم کی تکلیف کی تفصیل جو اوپر مختصر انداز میں آئی تھی، پہلے مضمون کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت زید کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ سے کرنا چاہا، چونکہ حضرت زید عوام میں غلام مشہور ہو چکے تھے۔ حضرت زینب اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش نے اس نکاح کی منظوری سے عذر کیا، اس پر پہلے مضمون کی آیت نازل ہوئی۔ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ أَنْ يَأْتِيَا بِكُلِّ غَلَامٍ غَاسِقٍ عَلٰى خِلْعَانِ الْمُنَافِقِينَ﴾ اور دوسرے مضمون کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ پہلی آیت کے نازل ہونے پر نکاح تو منظور کر لیا گیا، لیکن آپس میں مزاج نہیں ملے۔ حضرت زیدؓ نے طلاق دینی چاہی اور حضور ﷺ سے مشورہ کیا تو آپ نے منع کیا کہ طلاق مت دو، مگر جب کسی طرح مزاجوں میں مطابقت نہیں ہوئی تو آخر پھر طلاق کا ارادہ ظاہر کیا، اس وقت آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا کہ زید ضرور ہی طلاق دیں گے اور زینب کا آپ سے نکاح ہوگا، اس کو الروح نے حکیم الترمذی وغیرہ کے حوالہ سے امام زین العابدین علی بن الحسین سے روایت کیا ہے اور اس وقت مصلحت بھی یہی تھی کیونکہ اول تو یہ نکاح مرضی کے خلاف ہونے کی وجہ سے طبعی رنج کا سبب ہوا تھا پھر اس پر طلاق دینا زیادہ تکلیف اور دل توڑنے کا سبب تھا۔ اس تکلیف اور دل توڑنے کے دکھ کا علاج جس سے حضرت زینب کی تسلی ہو سکتی تھی، اس سے بہتر اور کوئی نہ تھا کہ حضور خود ان سے نکاح کر کے ان کے اطمینان اور قدر و عزت بڑھانے کا کام کر دیں، مگر ساتھ ہی آپ کو عوام کے طعنہ دینے کا خیال تھا مگر اللہ کے حکم سے نکاح ہوا جس میں مذکورہ خاص مصلحت کے علاوہ ایک عام شرعی مصلحت یہ تھی کہ متنبی یعنی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کا جائز ہونا خود رسول اللہ ﷺ کے فعل سے بھی ثابت ہو جائے، جیسا کہ ارشاد فرمایا ﴿يَكُونُ الْخَالُفُ وَكَأَنَّهُ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي صُرَاتِهِمْ كُلِّ فَرَسٍ﴾

دور کرنے والا ہے، لہذا بعد کی آیتیں اس سے متعلق نازل ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی شان کی بڑائی کا بیان آپ کی اطاعت کے

واجب ہونے سے اور حضرت زینبؓ کے نکاح پر طعن کا تفصیلی جواب:

اور کسی ایمان والے مرد اور کسی ایمان والی عورت کے لئے گنجائش نہیں جب کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا (چاہے وہ دنیاوی معاملہ سے متعلق ہی کیوں نہ ہو، واجب کے طور پر) حکم دیدیں تو (پھر) ان (مؤمنوں) کو ان کے اس معاملہ میں کوئی اختیار (باقی) رہے (یعنی اس اختیار کی گنجائش نہیں رہتی کہ چاہے کریں چاہے نہ کریں، بلکہ عمل کرنا ہی واجب ہوتا ہے) اور جو شخص (واجب حکم کے بعد) اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا، وہ کھلی گمراہی میں پڑ جائے گا (یہاں مؤمن

کے عام ہونے میں حضرت عبداللہ بن جحش اور مؤمنہ کے عام ہونے میں زینب بنت جحش اور ﴿آخرہم﴾ کے عام ہونے میں حضرت زید سے نکاح کرنا داخل ہیں۔ چنانچہ یہ آیت سننے کے بعد وہ نکاح منظور کر لیا اور (آگے اس نکاح کے بعد کا قصہ ہے کہ اس وقت کو یاد کیجئے) جب آپ (فہمائش اور مشورہ کے طور پر) اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا (کہ اسلام کی توفیق دی کہ یہ دینی انعام ہے اور غلامی سے چھڑایا کہ یہ دنیاوی انعام ہے) اور آپ نے بھی انعام کیا (دین کی تعلیم دی اور آزاد کیا اور ایک بہت معزز گھرانے کی عورت یعنی اپنی پھوپھی زاد بہن سے نکاح کر لیا۔ اس سے زید مراد ہیں کہ آپ انہیں سمجھا رہے تھے) کہ اپنی بیوی (زینب) کو اپنے پاس رکھو (اور اس کی چھوٹی چھوٹی خطاؤں اور ناپسندیدہ باتوں پر نظر نہ کرو کہ کبھی اس سے نا اتفاقی پیدا ہو جاتی ہے) اور اللہ سے ڈرو اور اس کے حقوق میں کوتاہی نہ کرو کہ کبھی اس سے نا اتفاقی پیدا ہو جاتی ہے) اور جب شکایتیں حد سے زیادہ بڑھ گئیں اور قرینوں سے اصلاح اور اتفاق کی امید نہیں رہی تو اس وقت فہمائش کے ساتھ (آپ اپنے دل میں وہ بات (بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ (آخر) ظاہر کرنے والا تھا) اس سے حضرت زینب کے ساتھ زید کے طلاق دینے کی صورت میں نکاح مراد ہے جس کو حق تعالیٰ نے ﴿وَجُنِّحَ﴾ میں قول کے اعتبار سے اور خود نکاح واقع کر دینے سے فعل کے طور پر ظاہر فرمایا) اور (نکاح سے متعلق اس ارادہ کے ساتھ ہی) آپ لوگوں (کے طعنوں) سے (بھی) اندیشہ کرتے تھے (کیونکہ اس وقت تک اس نکاح میں دینی مصلحت کا ہونا ذہن مبارک میں نہ آیا ہوگا) محض خاص حضرت زینب کی دنیاوی مصلحت کا خیال ہوگا، اور دنیاوی امور میں ایسا اندیشہ ہونے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ بعض حیثیتوں سے یہ مطلوب ہوتا ہے، جب کہ اعتراض کی وجہ سے دوسروں کے دین کی خرابی کا احتمال ہو، اور انہیں اس سے بچانا مقصود ہو) اور زیادہ حقدار تو اللہ ہی ہے کہ آپ اس سے ڈریں (یعنی چونکہ واقع میں اس میں دینی مصلحت ہے جیسا کہ آگے ﴿يَكُنْ﴾ الخ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے آپ مخلوق سے اندیشہ نہ کیجئے۔ چنانچہ دینی مصلحت سامنے آ جانے کے بعد پھر آپ نے کسی سے اندیشہ نہیں کیا۔ اور نکاح کے ارادہ میں تو کیا اندیشہ فرماتے خود نکاح کے بعد بھی اندیشہ نہیں کیا، جس کا قصہ آگے ہے کہ) پھر جب زید ان (زینب) سے اپنی حاجت پوری کر چکے (یعنی طلاق دیدی اور عدت بھی گزر گئی تو) ہم نے ان کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے (نکاح) کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے۔ جب وہ (منہ بولے بیٹے) ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں (یعنی طلاق دیدیں، مطلب یہ کہ اس شرعی قانون کا اظہار ہمیں مقصود تھا) اور اللہ کا یہ حکم تو ہونے ہی والا تھا (کیونکہ یہ حکمت کا تقاضا تھا۔ آگے طعن کا جواب ہے کہ) نبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو بات (تکوین کے طور پر یا شرعی قانون کے طور پر) مقرر کر دی تھی، نبی پر کوئی الزام (اور طعن کی بات) نہیں (اللہ تعالیٰ نے ان (نبیوں) کے حق میں (بھی) یہی معمول مقرر کر رکھا ہے، جو پہلے گذر چکے ہیں) کہ انہیں جس امر کی اجازت ہوتی ہے، وہ بے تکلف اس کو کرتے

رہے ہیں اور طعنہ کی وجہ نہیں بن سکے، ایسے ہی یہ نبی بھی اعتراض کی وجہ نہیں) اور (ان نبیوں کے بھی اس قسم کے جتنے کام ہوئے ہیں ان سب کے بارے میں بھی) اللہ کا حکم (پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہوتا ہے (اور اسی کے مطابق انہیں حکم ہوتا ہے، اور وہ عمل کرتے ہیں۔ شاید اس مضمون کو پہلے آپ کے قصہ میں لانے اور پھر نبیوں کے قصہ میں دوبارہ لانے^(۱) سے اس طرف اشارہ ہو کہ ایسے امور تمام نگوینی امور کی طرح اپنے اندر ایسی حکمت لئے ہوئے ہوتے ہیں کہ اللہ کے علم میں پہلے ہی سے تجویز ہو چکے ہوتے ہیں پھر نبی کو طعنہ دینے کا مطلب ان امور کے برخلاف اللہ کو طعنہ دینا ہے، جن پر خود حق تعالیٰ ملامت فرمائیں چاہے ان میں مقدر میں لکھے ہوئے ہونے کی وجہ سے حکمت شامل ہو، مگر ملامت کا سبب ہونے کی وجہ سے اس میں مفاسد شامل ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے ان مفاسد کے اعتبار سے ان سے منع کرنا جائز ہے۔ آگے ان نبیوں کی ایک خاص تعریف ہے تاکہ آپ کو تسلی ہو، یعنی) یہ سب (نبی جو پہلے گذر چکے) ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے (اگر قول کے ذریعہ تبلیغ کا حکم ہوا تو قول کے ذریعہ اور اگر فعل کے ذریعہ تبلیغ کا حکم ہوا تو فعل کے ذریعہ) اور (اس بارے میں) اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے (لہذا آپ کو بھی جب تک یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ نکاح فعل کے ذریعہ کی جانے والی تبلیغ ہے تب تک اندیشہ ہونے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اب جب یہ بات معلوم ہو گئی تو آپ بھی کوئی اندیشہ مت کیجئے جیسا کہ رسالت کی شان کا تقاضا ہے۔ چنانچہ اس امر کے سامنے آ جانے کے بعد پھر آپ نے کبھی کوئی اندیشہ نہیں کیا، اور اس کے باوجود کہ خود آپ کو رسالت سے متعلق فرضوں کو ادا کرنے میں کبھی کسی کا ڈر نہیں ہوا نہ اس کا کوئی احتمال تھا، پھر بھی نبیوں کا قصہ دل کو اور زیادہ تقویت پہنچانے کے لئے سنایا گیا ہے) اور (آپ کی اور زیادہ تسلی کے لئے فرماتے ہیں کہ) اللہ (اعمال کا) حساب لینے کے لئے کافی ہے (پھر کسی سے کس بات اور کیسا ڈر؟ اور آپ پر طعنہ کرنے والوں کو بھی مزادے گا، آپ ان کے طعنوں کی وجہ سے رنج و غم نہ کیجئے۔ اوپر تو یہ اس فعل کا اچھا اور پسندیدہ ہونا بیان ہوا ہے۔ آگے اعتراض کرنے والوں کا جواب ہے جس کے ناپسندیدہ ہونے کا وہ دعویٰ کرتے تھے، یعنی) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (یعنی جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی اولاد نہیں ہیں، جیسا کہ ﴿مَنْ رَجَا لَكُمْ﴾ کی اضافت کے ذریعہ آپ سے تعلق نہ ہونے کا بیان کرنا مقصود ہے، آپ ان لوگوں کے ایسے باپ نہیں جو کسی صحیح دلیل سے ان کی بیویوں کے حرام ہونے کا سبب ہو جائے، پھر جب طعنہ کی بنیاد ہی باطل ہے تو اس بنیاد پر

(۱) مطلب یہ ہے کہ دوبارہ جس عنوان سے یہ مضمون لایا گیا ہے یعنی ﴿قَدْ رَأَىٰ مَقْعَدُ زُرِّ﴾ اس خاص عنوان میں اشارہ ہے کہ جب یہ ہمارا تجویز کیا ہوا تھا تو پھر کیا ہم پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ یہ نکتہ پہلے عنوان یعنی ﴿مَقْعَدُ زُرِّ﴾ میں نہیں تھا، کیونکہ وہ اپنے مادہ سے صرف واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے، تقدیر کے ذریعہ اللہ کی نسبت پر دلالت نہیں۔ اور آگے چل کر جو عبارت ہے بخلاف ان امور کے الخ اس کا اس اشارہ میں دخل نہیں۔ ایک سوال مقدر کا مستقل جواب ہے۔

جو دعویٰ کیا گیا، وہ بھی بالکل فاسد ہے) البتہ (ایک دوسری حیثیت سے یعنی روحانی باپ ہونے کا درجہ بے شک آپ کو حاصل ہے۔ چنانچہ) آپ اللہ کے رسول ہیں (اور رسول روحانی تربیت کرنے والا ہونے کی وجہ سے روحانی باپ ہوتا ہے) اور روحانی باپ ہونے میں اس درجہ کامل ہیں کہ تمام رسولوں سے اکمل یعنی سب سے زیادہ کامل اور افضل ہیں۔ چنانچہ آپ (سب نبیوں کے ختم پر ہیں) اور جو نبی ایسا ہوگا، وہ روحانی باپ ہونے میں سب سے بڑھ کر ہوگا۔ کیونکہ دوسروں کی تربیت تو ہمیشہ کے لئے نہیں ہوگی۔ اور ایسے نبی کی تربیت ہمیشہ کے لئے ہوگی، لہذا ایسے نبی کا باپ ہونا بھی ہمیشہ ہی کے لئے ہوگا، اور اگر سارے نبیوں کے ختم پر ہونے والے کی نبوت کا زمانہ دوسرے نبیوں کے زمانہ سے زیادہ بھی نہ ہوتا تب بھی باپ ہونے کی کیفیت کی تقویت کے لئے خود ہمیشہ کے لئے ہو جانا ہی کافی ہو جاتا۔ اور جب زمانہ بھی دوسروں سے زیادہ ہو گیا تو مقدار کی تقویت کے مل جانے سے اور بھی زیادہ قوت ہو گئی، اور اگر بعثت کے عموم کا بھی لحاظ کیا جائے تو اور زیادہ قوت ثابت ہو گئی، مطلب یہ ہے کہ جسمانی باپ تو ہیں نہیں جو اعتراض کا سبب ہوتا البتہ روحانی باپ ہونا کمال کے درجہ میں ہے اور وہ خود اعتراض کو ختم کرنے والا ہے، کیونکہ نبی کا اعتقاد اور اس کے لئے اطاعت فرض ہے (اور اگر یہ دوسوہ و خیال ہو کہ کہیں یہ نکاح ناجائز تو نہیں کہ اگر نکاح نہ ہوتا تو بہتر تھا کہ اعتراض کا موقع ہی نہ ہوتا تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ) اللہ تعالیٰ ہر چیز (کے ہونے یا نہ ہونے کی مصلحت) کو خوب جانتا ہے (لہذا اس کے واقع ہونے ہی میں مصلحت تھی، اس لئے یہی وجہ ہے کہ نبی کے لئے تجویز کیا گیا)

فائدہ: آیت ﴿وَمَا كَانَ﴾ الخ میں ﴿مِنْ آخِرِهِمْ﴾ دینی اور دنیاوی امر کے لئے عام ہے، لہذا اگر آپ دنیاوی امور میں بھی واضح یقین کے طور پر کوئی حکم فرمادیں تو اس پر عمل کرنا واجب ہوگا اور تاخیر نخل یعنی کھجور کے درخت پر پھل سے پہلے آنے والے پھول کو بیج میں سے چیر کر زردخت کے ذریعے مادہ درخت کے پھول میں ڈالنے سے متعلق حدیث میں جو ارشاد ہے: انتم اعلم بامور دنیاکم: اپنے دنیاوی امور تم زیادہ بہتر طور پر جانتے ہو یہ اس صورت میں ہے جب آپ محض رائے اور مشورہ کے طور پر فرمائیں۔

اور رہا یہ کہ پھر تو بغیر یقین اندازے سے فرمانے میں تو دینی امور میں بھی اتباع واجب نہیں جیسا کہ نفلوں کا معاملہ ہے پھر تاخیر والی حدیث میں جو آگے مقابلہ میں ارشاد فرمایا ہے: اِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الدِّينِ: یعنی جب میں تمہیں دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو اس پر عمل کرو: اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دینی امور میں ایک اتباع مطلق طور پر واجب ہے یعنی اعتقاد رکھنا۔ برخلاف دنیاوی امر کے اس کی مصلحت اور نفع دینے والی ہونے کا اعتقاد رکھنا بھی واجب نہیں۔ اور چونکہ حضرت زید کو قرینوں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ آپ رائے اور مشورہ کے طور پر طلاق نہ دینے کے لئے فرما رہے ہیں، اس لئے اس کو نہ ماننا ﴿مَنْ يَعْصِ اللَّهَ﴾ الخ میں داخل نہیں ہوا، جیسا کہ آپ نے حضرت بریرہ کو حضرت مغیث

کے پاس رہنے کے لئے فرمایا اور انھوں نے یہ تحقیق کرنے کے بعد کہ یہ آپ کی محض سفارش اور مشورہ ہے، حکم نہیں ہے، منظور نہیں کیا۔ اور اس پر انہیں ملامت بھی نہیں کی گئی۔

اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کی بہن حضرت زینب سے واضح یقینی انداز میں ارشاد فرمایا ہوگا۔ اور آیت ﴿إِذْ تَقُولُ﴾ میں آپ کی فرمائی ہوئی بات کو یاد دلانا مقصود ہے جس سے محبت کے ساتھ سختی فرمانا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ جب آپ کو وحی کے ذریعہ زینب کے ساتھ آپ کا نکاح ہونا معلوم ہو چکا تھا تو پھر آپ کے لئے زید کو لہماش کرنا مناسب نہیں تھا، اور اگرچہ یہ فہمائش اس وجہ سے اس کے منافی بھی نہیں کہ آپ کے ساتھ نکاح کا وقت معلوم نہ ہوگا، آپ چاہتے ہوں گے کہ جب تک وہ وقت نہ آئے انہیں میاں بیوی کے طور پر رہنا ہی بہتر ہے۔

اور ﴿مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ﴾ کی تفسیر محبت وغیرہ سے کرنا جیسا کہ کچھ ایسے شاذ اقوال میں ہے جو کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں: صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان سے پوچھا جائے گا کہ پھر اللہ نے اس کو شروع کہاں کیا، برخلاف نکاح سے تفسیر کرنے کے کہ اس کا ﴿رَوَّجْنٰكَهَا﴾ سے اظہار ہوا ہے۔

اور کیا ﴿رَوَّجْنٰكَهَا﴾ سے یہ مراد ہے کہ ہم نے نکاح کر دیا اب ظاہری نکاح کی بھی ضرورت نہیں یا یہ کہ ہم حکم دیتے ہیں کہ نکاح کر لو۔ مفسروں نے دونوں مطلب بیان کئے ہیں۔ اور ہر ایک نے دوسری روایت میں مناسب تاویل کی ہے۔ اور ﴿رَجَا لَكُمْ﴾ کی جو تفسیر کی گئی ہے اس میں عورتیں بھی شامل ہیں، مگر یہاں بات حضرت زید کے سلسلہ میں ہو رہی ہے۔

اس لئے ذکر میں مردوں کو خاص کیا گیا، اور عورتوں کی بیویوں سے نکاح کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔ اور اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوں گے، مگر ان کی نبوت نئی نہیں ہوگی اور وہ مستقل نبی ہو کر بھی نہیں آئیں گے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۚ هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لَيُخْرِجَنَّكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۚ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ وَاعْدَ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۚ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۚ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا فَضَّلَا كَبِيرًا ۚ وَلَا تَطْعَمُوا الْكُفْرَيْنَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعُوا أَزْوَاجَهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۚ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔ اور صبح و شام اُس کی تسبیح کرتے رہو۔ وہ ایسا ہے کہ وہ اور اُس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تاکہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آوے۔ اور اللہ تعالیٰ مؤمنین

پر بہت مہربان ہے۔ وہ جس روز اللہ سے ملیں گے تو اُن کو جو سلام ہوگا، وہ یہ ہوگا کہ السلام علیکم۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی! ہم نے بیشک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہونگے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اُس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔ اور مومنوں کو بشارت دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجئے اور اُن کی طرف سے جو ایذا پہنچے اُس کا خیال نہ کیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ اور اللہ کافی کارساز ہے۔

رابطہ: اوپر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح سے متعلق اعتراض و طعنہ کو دور کیا تھا، اور اس کے ضمن میں آپ کی رسالت کی فضیلت اور نبوت کے ختم ہونے کا ذکر تھا، جس کا پورا نفع عام مسلمانوں کو ہے۔ اب مسلمانوں کو اس عظیم احسان کے شکریہ میں خاص طور سے ذکر اور طاعت کا حکم اور ترغیب زیادہ ہونے کا ذکر اور طاعتوں کے لئے اپنے اور بھی جلدی اور بعد میں آنے والے احسانوں کی حکایت اور خوش خبری اور اعتراض و طعنہ کا دور کرنا اور نبی کی فضیلت کے اثبات کی تقویت کے لئے آپ کی فضیلتیں اور آپ کی تسلی ارشاد فرماتے ہیں، اور فضائل کا یہ بیان نبی کی شان کی عظمت کی چوتھی قسم ہے۔

رسول ﷺ کی تسلی اور بزرگی و عظمت کے ذکر کے ساتھ بعض فضیلتیں

اور بعض احسانوں کے ذکر کے ساتھ مومنوں سے خطاب:

اے ایمان والو! تم (اللہ کے تمام احسانوں کو اور ایسے کامل و مکمل رسول کی بعثت کے احسان کو جو رسولوں میں بھی سب سے زیادہ کامل ہیں، خاص طور سے یاد کر کے اس کا یہ شکر ادا کرو کہ) اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو (اس میں سب اطاعتیں آگئیں) اور (اس ذکر اور طاعت پر ہمیشہ قائم رہو، لہذا) صبح و شام (یعنی ہمیشہ) اس کی تسبیح (و تقدیس بیان) کرتے رہو (دل سے بھی، زبان سے بھی اور جسم کے دوسرے اعضاء سے بھی۔ چنانچہ پہلے جملہ سے اعمال اور طاعتوں کا عام ہونا اور دوسرے جملہ میں زمانوں اور وقتوں کا عام ہونا حاصل ہو گیا، یعنی نہ تو ایسا کرو کہ کوئی حکم بجالائے اور کسی حکم پر عمل نہ کیا اور نہ ایسا کرو کہ کسی دن کوئی کام کر لیا، کسی دن نہ کیا، اور جس طرح اس نے تم پر بہت سے احسان کئے ہیں اور آئندہ بھی کرتا رہتا ہے لہذا لازمی طور پر وہ ذکر و شکر کا مستحق ہے، چنانچہ وہ ایسا (رحم کرنے والا) ہے کہ وہ (خود بھی) اور (اس کے حکم سے) اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں (یاد رہے کہ اللہ کا رحمت بھیجنا تو رحمت کرنا ہے اور فرشتوں کا رحمت بھیجنا رحمت کی دعا کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے سورۃ المؤمن آیت ۷ سے ۹ تک ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ﴾ سے ﴿وَقِهِمُ السَّيَّئَاتِ﴾ تک۔ اور یہ رحمت بھیجنا اس لئے ہے) تاکہ حق تعالیٰ (اس رحمت کی برکت سے) تمہیں (جہالت اور گمراہی کے) اندھیروں سے نکال کر (علم اور ہدایت کے) نور کی طرف لے آئے (یعنی اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعا

کی برکت سے کہ تمہیں علم اور ہدایت کی توفیق اور اس پر ثابت قدمی حاصل ہے کہ یہ نعمت ہر وقت نئی نئی شکل اختیار کر کے بڑھتی رہتی ہے) اور (اس سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت مہربان ہے (اور یہ رحمت تو مومنوں کے حال پر دنیا میں ہے اور آخرت میں بھی ان پر رحمتوں کی بارش ہوگی، چنانچہ) وہ جس دن اللہ سے ملیں گے تو انہیں جو سلام ہوگا، وہ یہ ہوگا کہ (اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائے گا) السلام علیکم (کہ اول تو خود سلام ہی اعزاز کی علامت ہے، پھر جب کہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو جیسا کہ فرمایا ﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ تَجْنِبُ﴾ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خود جنت والوں سے فرمائے گا: السلام علیکم۔ اس کو ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ سلام تو روحانی انعام ہے جس کا حاصل عزت و اکرام ہے) اور آگے جسمانی انعام کھلانے و پلانے کی خبر عام عنوان سے ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے ان (مومنوں کے لئے جنت میں) بہترین صلہ تیار کر رکھا ہے) کہ ان کے جانے کی دیر ہے جیسے وہاں پہنچیں گے پہنچتے ہی مل جائے گا۔ آگے حضور ﷺ کو خطاب ہے کہ (اے نبی!) آپ گفتی کے چند اعتراض کرنے والوں کے طعنوں کی وجہ سے رنج و غم نہ کریں اگر یہ بے قوف لوگ آپ کو جانتے اور پہچانتے نہیں ہیں تو کیا ہوا، ہم نے تو ان بڑی بڑی نعمتوں اور رحمتوں کا جن کا مومنوں کے خطاب میں ذکر ہوا ہے، آپ ہی کو واسطہ بنایا ہے۔ اور آپ کے مخالفوں کی سزا کے لئے خود آپ کے بیان کو کافی قرار دیا گیا ہے کہ ان کے مقابلہ میں آپ سے ثبوت پیش کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا، اس طرح اس سے ظاہر ہے کہ آپ ہمارے نزدیک کس درجہ مقبول و محبوب ہیں، چنانچہ) بیشک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ (قیامت کے دن امت کے اعتبار سے خود سرکاری) گواہ ہوں گے (کہ آپ کے بیان کے مطابق ان کا فیصلہ ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَهِدًا عَلَيْكُمْ﴾ اور ظاہر ہے کہ خود صاحب معاملہ کو دوسرے فریق اہل معاملہ کے مقابلہ میں گواہ قرار دینا اعلیٰ درجہ کی عزت اور اکرام اور اعلیٰ درجہ کی شان ہے۔ شان کا یہ اعلیٰ ہونا تو قیامت کے دن ظاہر ہوگا) اور (دنیا میں جو آپ کے کمال کی صفتیں ظاہر ہیں، وہ یہ ہیں کہ) آپ (مومنوں کو) خوش خبری دینے والے ہیں اور (کافروں کو) ڈرانے والے ہیں اور (عام طور پر سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں (اور یہ خوش خبری دینا اور ڈرانا اور دعوت تو تبلیغ کے طور پر ہے) اور (یوں خود اپنی ذات و صفتیں و کمال، عبادتیں اور عادتیں وغیرہ مجموعی حالات کے اعتبار سے) آپ (پوری طرح ہدایت کا نمونہ ہونے میں) ایک روشن چراغ (کے درجہ میں) ہیں (کہ آپ کی ہر حالت انوار و برکات کے طالبوں کے لئے ہدایت کا سرمایہ ہے، لہذا قیامت میں ان مومنوں پر جو رحمت ہوگی، وہ آپ ہی کی ان صفتوں بشیر یعنی بشارت یا خوش خبری دینے والے، نذیر یعنی ڈرانے والے، داعی یعنی دین کی دعوت دینے والے یا دین کی طرف بلانے والے اور سراج منیر یعنی روشن چراغ کہ ہر طرف روشنی اور اجالا پھیلانے والے کے واسطہ سے ہے، لہذا آپ اس غم و پریشانی کو دور کیجئے) اور (پوری پوری طرح اپنے نبوت کے منصب کے کام

میں لگے رہتے، یعنی) مومنوں کو خوش خبری دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے اور (اسی طرح کافروں اور منافقوں کو ڈراتے رہتے، جس کو ایک خاص عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ وہ یہ کہ) کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئے (یعنی ان کے طعنے اور اعتراض تبلیغ کو ترک کرنے کا سبب نہ ہو جائے جو کہ خود چاہتے ہیں کہ ان کا ایسا چاہنا گویا ان کے حال کی دلالت سے اس کا امر ہے اور تبلیغ کا چھوڑنا اور ترک کرنا چاہے طعنوں اور اعتراضوں کے سبب سے ہی کیوں نہ ہو، اس امر کے مشابہ اور مطابق ہے اور اگرچہ آپ سے اس کا احتمال نہیں، مگر آپ کو ہونے والے رنج سے اپنے آپ میں اس کا گمان ہوتا ہے، اس لئے اہتمام کا تقاضا ہوا، اور اس عمل کو چھوڑنے سے باز رکھنے اور نفرت کرنے کے لئے اس کو اطاعت سے تعبیر کیا، غرض خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے ہونے کا حق ادا کرتے رہئے) اور ان (کافروں اور منافقوں) کی طرف سے جو (کوئی) اذیت پہنچے (جیسا کہ اس نکاح میں جو کہ فعلی تبلیغ ہے، قولی اذیت پہنچی) اس کی پروا نہ کیجئے، اور (فعلی اذیت کا بھی اندیشہ نہ کیجئے اور اگر اس کا خیال آئے تو) اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اللہ کافی مددگار اور کام ہٹانے والا ہے (وہ آپ کو ہر نقصان سے بچائے گا اور اگر تبلیغ میں کوئی ظاہری نقصان پہنچتا ہے تو وہ باطنی طور پر نفع دیتا ہے کہ وہ کفایت اور وکالت کے وعدہ کے خلاف نہیں)

فائدہ: احقر کو چراغ سے تشبیہ دینے میں یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو چراغ تک پہنچنا آسان ہوتا ہے پھر چراغ سے ہر وقت نور یعنی روشنی حاصل کرنا ممکن ہوتا ہے پھر اس کا حاصل کرنا آسان ہے پھر اس میں روشنی حاصل کرنے میں ارادہ اور کوشش کو بھی دخل ہوتا ہے پھر اس سے کسی صحیح مزاج والے اور صحیح بدن والے شخص کو کسی بھی وقت ناگواری نہیں ہوتی، پھر اس میں انیسیت کی بھی شان ہے اور ان سب صفتوں کو نبیوں علیہم السلام کی شان سے زیادہ مناسبت ہے اور بعض نے ﴿سِرَاجًا مُنِيرًا﴾ سے سورج مراد لیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَجَعَلْنَا فِيهَا سِرَاجًا﴾ اور ہر ایک توجیہ کے لئے گنجائش موجود ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَةٍ تَعْتَدُوْنَ لَهُنَّ فَتَتَّبِعُوهُنَّ وَسِرَّهِنَّ سَرَا حَاجِمِيلاً﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَخْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْنَ أَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ بِمَا آفَأَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَتْ عِمَّتِكَ وَبَنَتْ خَالِكَ وَبَنَتْ خَلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ رَوَّ امْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبْتَ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا تَرْجِي مَنْ نَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤَيِّ إِلَيْكَ مَنْ نَشَاءُ وَمِنْ ابْتِغَايَتِ مَنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ تَقْرَأَ عَنِهِنَّ وَلَا يَحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ

بِمَا أَتَيْنَهُنَّ كُلُّهُنَّ مِمَّا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ۝ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ
بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ۝ ﴿۲۰﴾

۲۰۱

ترجمہ: اے ایمان والو! تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر تم ان کو قتل ہاتھ لگانے کے طلاق دیدو تو تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں، جس کو تم شمار کرنے لگو، تو ان کو کچھ متاع دیدو اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو۔ اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی بیبیاں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو تمہاری مملوکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنیمت میں دلوادی ہیں۔ اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالادوں کی بیٹیاں بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دیدے، بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں، یہ سب آپ کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں نہ اور مؤمنین کے لئے ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ ان میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں۔ اور جن کو دور رکھا تھا ان میں سے پھر کسی کو طلب کریں تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں۔ اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزرہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ ان کو دے دیں گے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی۔ اور خدا تعالیٰ کو تم لوگوں کی سب باتیں معلوم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے، بردبار ہے۔ ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں اور نہ درست ہے کہ آپ ان بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں، اگرچہ آپ کو ان کا حسن اچھا معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا نگران ہے۔

رابطہ: اوپر نبی ﷺ کی شان کی عظمت اور بزرگی کی قسموں میں سے جو کہ سورت کے عظیم ترین مقاصد ہیں جیسا کہ تمہید میں معلوم ہوا، آیتوں میں چار مختلف قسموں کا ذکر ہوا ہے۔ آگے اس کی پانچویں قسم کا بیان ہے، جس کا حاصل نکاح کے بعض احکام کے ساتھ آپ کی خصوصیت ہے اور خصوصیت کا عزت و شرف کی دلیل ہونا ظاہر ہے۔ اصل میں یہ مضمون ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْكَمْنَا﴾ سے چلا ہے^(۱)، لیکن خصوصیت کی تحقیق کی تاکید کے لئے جس کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا، اس میں نہ پایا جاتا، اس کے مفہوم کا حصہ ہے۔ اصل مضمون سے پہلے ایک حکم عام مؤمنوں سے متعلق لایا گیا ہے (۱) یعنی شان نبوی کی عظمت کی پانچویں قسم کا بیان اس آیت سے چلا ہے، اس سے پہلے ایک آیت امت کے تعلق سے کیوں لائی گئی اس کی وجہ بیان کی ہے ۱۲ اسعد احمد

جس کا اثر طلاق سے ظاہر ہوا ہے۔ جس سے امت اور نبی کے احکام کے درمیان فرق خوب ظاہر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان آیتوں میں ﴿خَالِصَةً لِّكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ﴾ فرمانا اس مقام اور کلام میں مقصود فرق کی طرف صاف اشارہ ہے۔

بیوی کو چھونے سے پہلے طلاق کے بعض احکام امت سے متعلق اور

نکاح سے متعلق بعض احکام میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب:

اے ایمان والو! (تمہارے نکاح کے احکام میں سے تو ایک حکم یہ ہے کہ) تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور) پھر تم انہیں چھونے سے پہلے (کسی اتفاقی وجہ سے) طلاق دیدو تو ان پر تمہاری کوئی عدت (واجب) نہیں جس کی تم گنتی کرنے لگو (تاکہ) انہیں اس عدت میں دوسرا نکاح کرنے سے روک سکو جیسا کہ عدت کی صورت میں شرعی طور پر یہ روکنا جائز بلکہ واجب ہے اور جب اس صورت میں عدت نہیں (تو انہیں کچھ (مال) سامان دیدو اور انہیں بھلائی کے ساتھ رخصت کر دو) اور مومن عورتوں کی طرح ہی اہل کتاب عورتوں کا بھی حکم ہے، لہذا یہ قید آزاد واولیٰ یعنی بہتر کے بیان کے لئے ہے کہ مومن مرد کے لئے مومن عورت سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اور چھونا، صحبت سے کنایہ ہے، خواہ وہ صحبت حقیقت میں ہو یا حکم کے طور پر غلوت صحیحہ یعنی اطمینان کے ساتھ تنہائی حاصل ہو گئی ہو۔ دونوں صورتوں میں عدت واجب ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے اور متاع یعنی سامان میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کا مہر مقرر نہ ہوا ہو تو یہ متاع ایک جوڑا ہے۔ اس کی تفصیل سورۃ بقرہ آیت ۲۳۶ ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَكُمْ تَمْشُوهُنَّ﴾ الخ کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور اگر مہر مقرر ہوا ہے تو یہ متاع مقررہ مہر کا آدھا ہے، جیسا کہ سورۃ بقرہ ہی کی آیت ۲۳۷ ﴿وَإِنْ طَلَقْتُمْوهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمْشُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ﴾ الخ میں ہے اور ﴿سَرَّاحًا جَبِيلًا﴾ یعنی بھلائی کے ساتھ رخصت کرنا یہ ہے کہ ناحق طریقہ سے نہ روکے۔ اس کا جو متاع واجب ہے، اسے روک کر نہ رکھے اور دیا ہوا سامان واپس نہ لے، کوئی بیجا اور سخت بات نہ کہے، یہ حکم تو دوسری آیتوں میں مذکور دوسرے احکام کی طرح عام مسلمانوں سے متعلق احکام میں سے ہے اور (اے نبی! بعض احکام آپ کے ساتھ مخصوص ہیں، جن سے آپ کی خصوصیت اور شرف و عزت بھی ثابت ہوتی ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

پہلا حکم: (ہم نے آپ کے لئے آپ کی یہ بیویاں (جو کہ اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور) جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں (تعداد زیادہ ہونے کے باوجود) حلال کی ہیں۔

دوسرا حکم: اور وہ عورتیں بھی (خاص طور پر حلال کی ہیں) جو تمہاری ملکیت ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنیمت میں

ولادی ہیں (خاص طور سے اس حکم کا بیان فائدہ کے ذیل میں آئے گا)

تیسرا حکم: اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں (اس سے آپ کے خاندان کی بیٹیاں مراد ہیں) اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالائوں کی بیٹیاں (اس سے ماں کے خاندان کی بیٹیاں مراد ہیں یعنی ان سب کو) (بھی) اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے مگر یہ خاندان کی عورتیں مطلق حلال نہیں کی ہیں، بلکہ ان میں سے صرف وہی (جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو) ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی طرح انہوں نے بھی یہ عمل کیا ہو کہ زمانہ اور وقت کے لحاظ سے ساتھ چلنے کی قید نہیں ہے، البتہ اس قید سے وہ عورتیں نکل گئیں جنہوں نے ہجرت نہ کی ہو۔

چوتھا حکم: اور اس مسلمان عورت کو بھی آپ کے لئے حلال کیا ہے جو بغیر عوض (یعنی بغیر مہر) خود کو نبی کے حوالہ کر دے (یعنی نکاح میں آنا چاہے) اگر نبی اس کو نکاح میں لانا چاہیں (اور مسلمان کی قید سے کافر عورت نکل گئی کہ حضور ﷺ کے لئے اس سے نکاح کرنا درست نہیں، اور یہ۔

پانچواں حکم: ہے اور یہ سب احکام آپ کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں نہ کہ دوسرے مؤمنوں کے لئے (کہ ان کے لئے دوسرے احکام ہیں۔ چنانچہ) ہمیں وہ احکام معلوم ہیں (اور آیتوں اور روایتوں کے ذریعہ دوسروں کو بھی معلوم کرادیئے ہیں) جو ہم نے ان (عام مؤمنوں) پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں (جو ان احکام سے مختلف اور جدا ہیں جن میں سے نمونہ کے طور پر ایک اوپر بھی آیت ﴿لَا تَنْكِحُوا﴾ میں بیان ہوا ہے جس میں ﴿فَمَتَّعُوهُنَّ﴾ کے ذریعہ نکاح کے لئے مہر کا لازم ہونا، نام کے طور پر واجب ہونے کے طور پر حقیقت میں یا حکم کے طور پر ثابت ہوتا ہے، اور نبی ﷺ کا نکاح چوتھے حکم میں مہر سے خالی ہے اور یہ خصوصیت اس لئے ہے) تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی (واقع) نہ ہو (لہذا جن مخصوص احکام میں دوسروں کے مقابلہ میں وسعت ہے جیسے پہلے اور چوتھے حکم میں۔ ان میں تو تنگی نہ ہونا ظاہر ہے اور جن میں ظاہر میں قید اور تنگی ہے جیسے تیسرے اور پانچویں حکم میں، وہاں تنگی نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہ قید آپ کی بعض مصلحتوں کی وجہ سے لگائی ہے کہ اگر وہ قید نہ ہوتی تو آپ کی وہ مصلحت فوت ہو جاتی اور اس وقت آپ کو وہ تنگی ہوتی جو ہمیں معلوم ہے۔ اس لئے اس مصلحت کی رعایت کی گئی۔ تاکہ وہ تنگی جس کا احتمال ہے واقع نہ ہو۔ اور دوسرے حکم سے متعلق وضاحت فائدہ کے ذیل میں آئے گی) اور (حرج و تنگی دور کرنے کی رعایت صرف مخصوص احکام ہی میں نہیں ہے بلکہ عام مؤمنوں سے متعلق جو احکام ہیں ان میں بھی اس امر کی رعایت رکھی گئی ہے، کیونکہ) اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والے، رحم کرنے والے ہیں (چنانچہ اپنی رحمت سے احکام میں مناسب سہولت کی رعایت فرماتے ہیں۔ اور آسان اور سہل احکام میں بھی کوتاہی ہو جانے پر کبھی مغفرت فرمادیتے ہیں، جو انتہائی رحمت کی دلیل ہے جو احکام کے سہل و آسان ہونے اور حرج و تنگی دور کرنے کی بنیاد ہے۔ یہ تو حلال کی ہوئی عورتوں کی قسموں کا بیان تھا۔ آگے اس امر کا بیان ہے کہ جو قسمیں

حلال کی گئی ہیں، ان میں سے جتنی جس وقت آپ کے پاس ہوں ان کے کیا احکام ہیں، اس لئے۔

چھٹا حکم: ارشاد ہے کہ (ان میں سے آپ جس کو چاہیں) اور جب تک چاہیں) اپنے آپ سے دور رکھیں (یعنی اس کی باری مقرر نہ کریں یا اس کی باری میں اس کے حجرہ میں نہ جائیں) اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے نزدیک رکھیں (یعنی اس کی باری مقرر کریں اور اس کی باری میں اس کے حجرہ میں جائیں اور جن کو دور رکھا تھا ان میں سے پھر کسی کو طلب کریں تب بھی کوئی حرج نہیں) (مطلب یہ ہوا کہ ان کی باری وغیرہ کی رعایت آپ پر واجب نہیں اور اس میں ایک بڑی مصلحت ہے وہ یہ کہ) اس میں زیادہ امید ہے کہ ان (بیویوں) کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی (یعنی وہ مطمئن اور خوش رہیں گی) اور رنجیدہ نہ ہوں گی اور جو کچھ آپ ان کو دیدیں گے، اس پر سب کی سب راضی رہیں گی (کیونکہ عام طور سے رنج کی وجہ حق کا دعویٰ ہوتا ہے اور جب معلوم ہو جائے کہ جو کچھ مال دیا جائے گا یا توجہ دی جائے گی وہ محض احسان ہے، لہذا کسی کو کوئی شکایت نہ رہے گی اور کئیوں کا باری میں حق نہ ہونا سبھی کے لئے معلوم ہے) اور (اے مسلمانو! یہ مخصوص احکام سن کر دلوں میں یہ خیال نہ کر بیٹھنا کہ یہ احکام عام کیوں نہیں ہوئے، کہ اگر ایسا کرو گے تو) اللہ تعالیٰ کو تم لوگوں کے دلوں کی سب باتیں معلوم ہیں (ایسا خیال پکالینے پر تمہیں سزا دے گا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض اور رسول اللہ ﷺ پر حسد ہے، جو عذاب کا سبب ہے) اور (یہی کیا اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے) اور اعتراض کرنے والوں کو جو فوراً سزا نہیں ہوئی تو اس سے علم کی نفی لازم نہیں آتی، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ) بردبار (بھی) ہیں (اس لئے کبھی دیر میں سزا دیتے ہیں۔ آگے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص باقی احکام ارشاد فرماتے ہیں جن میں سے بعض تو مذکورہ بالا بعض احکام کا تتمہ یعنی باقی حصہ ہیں۔ اور بعض نئے ہیں لہذا ارشاد ہے کہ اوپر جو تیسرے اور پانچویں حکم میں ان عورتوں کے سلسلہ میں، جن کے ساتھ نکاح حلال کیا گیا ہے، ہجرت اور ایمان کی قید لگائی ہے تو) ان کے علاوہ اور عورتیں (جن میں یہ قید نہ ہو) آپ کے لئے حلال نہیں ہیں (یعنی قرہی عزیزوں میں سے جنہوں نے ہجرت نہیں کی، وہ حلال نہیں ہیں، اور دوسری عورتوں میں سے جو مؤمن نہ ہوں، وہ بھی حلال نہیں ہیں۔ یہ تو اوپر والے حکم کا باقی حصہ ہوا) اور (آگے ساتھ اس حکم نیا ہے کہ) نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیویوں کی جگہ دوسری بیویاں کر لیں (اس طرح کہ ان میں سے کسی کو طلاق دیدیں اور ان کی جگہ دوسری کر لیں اور یوں بغیر انہیں طلاق دیئے ہوئے کسی سے نکاح کر لیں تو اس کی ممانعت نہیں، اسی طرح اگر تبدیلی کے ارادہ کے بغیر طلاق دے دیں تو اس کی بھی ممانعت ثابت نہیں بلکہ لفظ تبدیل اس مجموعہ کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے، لہذا یہ تبدیلی منع ہے) اگرچہ آپ کو ان (دوسری عورتوں) کا حسن اچھا معلوم ہو، سوائے اس کے جو آپ کی ملکیت ہو (کہ وہ پانچویں اور ساتویں دونوں حکموں سے مستثنیٰ ہے، یعنی وہ اہل کتاب میں سے ہونے پر بھی حلال ہے اور اس کا بدلنا بھی درست ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حقیقت اور آثار اور مصلحتوں کا پوری نگرانی کرنے والا ہے (اس لئے

ان سب احکام میں مصلحتیں اور حکمتیں ہیں، چاہے عام مکلف لوگوں کو وہ تعین کے ساتھ نہ بتائی جائیں، اس لئے کسی کو سوال یا اعتراض کا اختیار اور حق نہیں) چند فائدے:

پہلا فائدہ: ﴿اُكْنِيتُ﴾ قید واقعی ہے کیونکہ اس کا مصداق ازواج یعنی موجودہ بیویاں ہیں جیسا کہ مجاہد نے کہا ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں قید شرط کے طور پر نہیں ہو سکتی۔

دوسرا فائدہ: ﴿اَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ﴾ کی قید اتفاقی ہے جس کا اصل مقصود یہ ہے کہ ملکیت کے سبب کا شرعی طور پر جائز ہونا یقینی ہو اور فیہ یعنی غنیمت کا مال ہونا اس کی ایک مثال ہے، لہذا خریدنے یا بیہ کرنے سے جو ملکیت ہو، اس کا غیر حلال ہونا ثابت نہیں، چنانچہ بعد کی آیت میں ﴿مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ﴾ میں کوئی قید نہیں، جیسا کہ الروح میں ہے۔

تیسرا فائدہ: دوسرے حکم میں جو لفظ ”خاص طور“ ہے اس کا بیان کہیں صراحت کے ساتھ تو نظر سے نہیں گذرا لیکن کلام کے موقع محل سے جو کہ خصوصیت کے بیان کا مقام ہے، اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ملکیت والی عورتوں کے بارے میں بھی کوئی حکم آپ کے لئے خاص ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿قَدْ عَلِمْنَا﴾ الخ کے بارے میں ہے: ﴿فَإِنْ لَهُ فِي النِّكَاحِ عَصَائِبٌ لِّسْتِ لَغِيرِهِ وَكَذَلِكَ فِي السَّرَايِ﴾: یعنی آپ کے لئے نکاح کے سلسلہ میں کچھ خصوصیات ہیں جو آپ کے سوا کسی دوسرے کے لئے نہیں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ خصوصیت کیا ہے تو عجیب نہیں کہ وہ یہ ہو کہ آپ کی وہ باندی جو وفات کے وقت تک آپ کے پاس ہو جیسے ماریہ قبطیہ دوسروں کے لئے آپ کی بیویوں کی طرح حرام ہو۔ اس کو الروح میں ارشاد خداوندی ﴿وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ﴾ کی تفسیر میں نقل کیا ہے اور ممکن ہے کہ کچھ اور ہو جو اس زمانہ کے لوگوں کو معلوم ہو کہ خاص انہی کو معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ خصوصیت کے اثر کے ظاہر ہونے کا وہی وقت تھا۔ یہاں تک لکھنے کے بعد ظہر کی نماز کے لئے کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملکیتوں سے متعلق دل پر دو حکم وارد ہوئے: ایک یہ کہ غنیمت کے مال کی تقسیم سے پہلے آپ کو ایک چیز لے لینے کا اختیار تھا۔ اور وہ چیز صفی کہلاتی تھی جیسا کہ غزوہ خیبر میں آپ نے حضرت صفیہ کو لیا تھا۔ جیسا کہ ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ دوسرے اہل حرب کی جانب سے جو خاص ہدیہ آتا تھا، وہ آپ کا ہوتا تھا، جیسے مقوقس نے ماریہ کو دیا تھا اور دوسروں کے لئے صفی جائز نہیں اور ہدیہ عام مسلمانوں کا حق ہے جیسا کہ الدر المختار میں ہے۔

چوتھا فائدہ: تیسرے حکم میں جو ﴿هَاجِرُونَ﴾ کی قید ہے، ظاہر میں وہ احترازی ہے جیسا کہ ام ہانی بنت ابی طالب کے قول سے معلوم ہوتا ہے: ﴿لَمْ أَكُنْ أَحِلْ لَهُ لَأَنِّي لَمْ أَهَاجِرْ مَعَهُ كُنْتُ مِنَ الطَّلَاقِ﴾: یعنی میں آپ کے لئے حلال نہیں کیونکہ میں نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی۔ میں فتح مکہ میں آزاد کردہ لوگوں میں سے تھی، اور ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ﴾

النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ کی تفسیر جو احقر نے اختیار کی ہے، اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ اور ابن عباسؓ اور مجاہد سے یہی تفسیر منقول ہے، چنانچہ مجاہد کے یہ الفاظ ہیں: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ مَا بَيْنَتْ لَكَ مِنْ هَذِهِ الْأَصْنَافِ بَنَاتِ عَمِّكَ (إِلَى قَوْلِهِ) فَاحِلٌ لَهُ مِنْ هَذِهِ الْأَصْنَافِ مَا شَاءَ :

پانچواں فائدہ: بنات عم و عمت و بنات خال و خالات کی جو تفسیر کی گئی ہے معاملہ اور دوسری تفسیروں میں اسی طرح ہے لہذا خاص چچا و ماموں اور پھوپھی اور خالہ مراد نہیں۔

چھٹا فائدہ: جو تھے حکم میں جو خود کو رسول اللہ کو ہبہ کرنے والی عورتوں کا ذکر ہے اس میں ﴿وَإِنْ وَهَبْتَ﴾ حلال ہونے کی شرط نہیں، بلکہ شرط تو صرف ایمان ہے اور یہ قید شبہ کو دور کرنے کے لئے ہے اور نکاح میں حکم کا اثبات درجہ اولیٰ کے لئے ہے، کیونکہ آزاد عورت ہبہ کا محل نہیں، جب وہ بغیر عوض کے اس عقد سے حلال ہو جاتی ہے تو عوض کے ساتھ نکاح سے تو درجہ اولیٰ میں حلال ہو جائے گی، لہذا حاصل یہ ہے کہ قرہبی عزیزوں کے لئے تو ہجرت شرط ہے اور غیروں کے لئے ایمان کافی ہے، چاہے بغیر عوض نکاح ہو جائے۔ یہ اٹھنی نے کہا ہے (اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ ایسی بیوی کوئی تھیں یا نہیں۔ ایسی بیوی موجود ہونے کی بات کہنے والوں نے یہ نام بتائے ہیں: خولہ بنت حکیم، ام شریک، میمونہ، لیلیٰ بنت حطیم۔ ان میں دوسری یعنی ام شریک کے بارے میں قبلہا بھی آیا ہے یعنی انہیں قبول کر لیا اور تیسری یعنی میمونہ بیویوں میں معروف ہیں، باقی دیگر کو قبول نہ کیا گیا ہوگا۔ اور ایسی بیوی موجود نہ ہونے کی بات کہنے والوں نے کہا ہے: لَمْ يَكُنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَهُ: یعنی ”رسول اللہ ﷺ کے پاس ایسی کوئی عورت نہیں تھی جس نے اپنے آپ کو رسول اللہ کو ہبہ کر دیا ہو“ اس حالت میں کلام شرط و جزا کے طور پر ہوگا کہ اگر ایسا ہو تو درست ہے، لیکن ایسا ہوا نہیں یعنی دوسری شرط کہ اگر نبی ﷺ چاہیں، پوری نہیں ہوئی۔ ورنہ پہلی شرط کہ اگر عورت ہبہ کر دے یقیناً پوری ہوئی ہے۔ اور دوسرے قول کے کہنے والے پہلے قول کے کہنے والوں کی روایتوں کو ثابت نہیں مانتے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے جس سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کیا ہو، وہ ہبہ کے لفظ سے نہ ہوا ہو۔

ساتواں فائدہ: اسی جو تھے حکم میں جو مؤمنہ کی قید ہے وہ بھی ہجرت کی قید کی طرح احترازی ہے۔ چنانچہ ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ﴾ کی تفسیر میں بھی احقر نے اشارہ کیا ہے اور یہی تفسیر مجاہد سے نقل کی گئی ہے: قَالَ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ يَهُودِيَّاتٍ وَلَا نَصْرَانِيَّاتٍ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ أَمَهَاتُ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ قَالَ هِيَ الْيَهُودِيَّاتُ وَالنَّصْرَانِيَّاتُ لَا بَأْسَ أَنْ يَشْتَرِيَهَا: یعنی ”فرمایا کہ اس کے بعد آپ کے لئے یہودی اور عیسائی عورتوں میں سے کوئی حلال نہیں ہے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ امہات المؤمنین کی ماں ہوں، سوائے اس کے کہ وہ آپ کی ملکیت، باندی و کنیز ہوں فرمایا کہ یہودی اور عیسائی عورتوں کے سلسلہ میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آپ انہیں خرید لیں“

آٹھواں فائدہ: یہاں سات حکم خاص ہیں۔ پہلے حکم میں یہ خصوصیت ہے کہ اس وقت آپ کے پاس نو بیویاں ہیں، اور اتنی بیویاں جمع کرنا کسی امتی کے لئے جائز نہیں اور اس کا شرف و عزت کی وجہ ہونا ظاہر ہے۔ تیسرے حکم میں خصوصیت ہجرت کی قید ہے جو اور لوگوں کے لئے نہیں ہے، اس میں بھی آپ کا شرف و عزت ظاہر ہے کہ آپ کے لئے سب سے کامل چیز تجویز کی گئی۔ چوتھے حکم میں خصوصیت یہ ہے کہ مہر واجب نہیں ہوا۔ اس میں آپ کا امتیاز ظاہر ہے۔ پانچویں حکم کی وضاحت بھی تیسرے حکم کی طرح ہے۔

چھٹا حکم: اس کا خصوصیت اور عزت و شرف کا سبب ہونا ظاہر ہے۔ ساتویں حکم: میں خصوصیت بھی ظاہر ہے کہ امت کے لوگوں کے لئے یہ تبدیلی منع نہیں۔ باقی عزت و شرافت کا سبب ہونا اس لئے کہ اس تبدیلی سے گنتی کی قید^(۱) کا شبہ ہوتا ہے جیسا کہ امت کے کسی شخص کے پاس چار بیویاں ہوں تو ان کے لئے پانچویں بیوی رکھنا حلال نہیں جب تک ان چار میں سے کسی ایک کو طلاق نہ دیدے یا کسی ایک کا انتقال نہ ہو جائے، اس طرح یہ شرف و عزت کا سبب ہونے میں تقریباً پہلے حکم کی طرح ہے۔

نواں فائدہ: پہلی آیت میں جو لفظ ﴿خَالِصَةً﴾ آیا ہے زخشری نے اس کو چاروں سے متعلق قرار دیا ہے۔ دسواں فائدہ: پہلے پانچ حکموں کی حکمت بیان فرمائی ہے ﴿لَئِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ حَرَجٌ﴾ وہاں تفسیر میں تیسرے اور پانچویں حکم کی حکمت مختصر انداز میں بیان کی گئی ہے اور دوسرے حکم کی وضاحت کا وعدہ کیا گیا ہے جو تیسرے فائدہ کے ضمن میں ہو چکی ہے۔ اور وہ حکمت اس میں بھی مختصر انداز میں جاری ہو سکتی ہے۔ اور تفصیل کسی کی بھی ضروری نہیں۔ مگر فضل و مہربانی کے طور پر دوسرے حکم میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وفات تک کسی کنیز کو اپنے پاس رکھنا محبت اور خصوصیت کی دلیل ہے اور محبت و خصوصیت کے لازمی امور میں سے ایک غیرت بھی ہے، لہذا اگر ایسی کنیز بھی دوسرے کے لئے حلال ہوتی تو ممکن ہے کہ آپ کو محبت اور خصوصیت اور غیرت کی شدت کی وجہ سے یہ سوچ کر تکلیف اور تنگی ہوتی کہ دوسرا اس میں شریک ہوگا، اس کے برخلاف کہ جسے آپ ہبہ کے طور پر یا فروخت کر کے کسی کو خود دیدیں کہ دیدینا خود ہی محبت اور خصوصیت کی کمی اور کمزوری کی علامت ہوگی، اور اس وجہ سے تکلیف بھی نہیں ہوگی۔ اور تیسرے فائدہ کے آخر میں جو عبارت بعد میں بڑھائی گئی ہے، اس میں صغی اور ہدیہ کے خاص ہونے کے لئے حرج نہ ہونے کی علت کے بیان کی حاجت نہیں اور تیسرے حکم میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرہی عزیز بے تکلف زیادہ ہوتے ہیں اور زیادہ بے تکلفی اخلاق کی درستی کے بغیر اکثر

(۱) یعنی اگر آپ ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح فرمائیں تو کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید اس کو چھوڑے بغیر دوسری سے نکاح درست نہ تھا جیسا کہ امتیوں میں سے جس کے پاس چار بیویاں ہوں، اس کے لئے کسی کو طلاق دیئے بغیر پانچویں سے نکاح درست نہیں، لہذا آپ کے لئے تبدیلی ممنوع ہوئی۔

تکلف کا سبب ہوتی ہے اور ہجرت سے جو اکثر پریشانیاں پیش آتی ہیں، ان سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں، لہذا اس قید کے نہ ہونے سے شاید آپ کو تنگی اور تکلیف و پریشانی پیش آتی اور نبی ﷺ سے قربت عزت و فخر کا سامان و سرمایہ ہے اور فخر اکثر تکلیف و پریشانی کا سبب ہوتا ہے تو ہجرت سے اس کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ برخلاف غیروں اور اجنبیوں کے کہ ان میں یہ باتیں نہیں ہوتیں، اس لئے صرف مومن عورت کی قید کافی قرار دی گئی اور پانچویں حکم میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیوی سے کھلا پن زیادہ ہوتا ہے لہذا اگر وہ کافر ہو تو عقائد و اخلاق کے فساد کی وجہ سے تنگی اور پریشانی ضرور ہوگی، لہذا اس طرح حرج کا دور کرنا ان حکموں کی علت بن گئی، اور پہلے اور چوتھے حکم کے لئے حرج نہ ہو جانے کا علت ہونا بالکل واضح ہے۔ باقی چھٹے حکم کی حکمت خود قرآن میں ہے کہ ﴿ذَلِكَ اَذْنَبَ اَنْ تَقْرَءَ غَيْبُهُنَّ﴾ الخ یعنی زیادہ تو قریع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی۔ اور ساتویں حکم کی حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ اس طرح کی تبدیلی میں کم سمجھ رکھنے والوں کو اپنی غرض پوری کرنے کا شبہ ہو سکتا ہے کہ اپنے ایک نفسانی نفع کے لئے ایک نئی عورت حاصل ہو جائے۔ ایک پرانی بیوی کو نقصان پہنچایا گیا۔ اس کے برخلاف کہ اگر پرانی کی طلاق اور نئی سے نکاح جمع نہ ہو تو اس شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

گیارہواں فائدہ: چھٹے حکم کی جو تفسیر اختیار کی گئی ہے محمد بن کعب قرظی اور قتادہ سے اسی طرح منقول ہے۔ ان دونوں کا کہنا ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسعا علیہ فی قسم أزواجه أن یقسم بینہن کیف یشاء: یعنی ”رسول اللہ ﷺ کو اپنی بیویوں کی باری اور ان کے درمیان حصوں کی تقسیم کے سلسلہ میں وسعت اور اختیار دیئے گئے تھے کہ جیسے چاہیں فیصلہ فرمائیں۔“

بارہواں فائدہ: ﴿لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ﴾ الخ کی جو تفسیر بیان کی گئی ہے چوتھے فائدہ میں اس کا حوالہ بیان کیا گیا ہے۔ اس تفسیر پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو: لم یمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی أحل اللہ لہ أن یتزوج من النساء ما شاء إلا ذات محرم: یعنی ”رسول اللہ ﷺ کی اس وقت تک وفات نہیں ہوئی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اس بات کو حلال نہیں کر دیا کہ محرم عورتوں کے علاوہ جس عورت سے چاہیں نکاح فرمائیں“ اس امر پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں کہ ﴿لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ﴾ منسوخ ہے۔ اور ﴿تُرْجَىٰ مَنْ نَّشَأُ﴾ جو قرآن میں پہلے لکھی گئی ہے بعد میں نازل ہونے کی وجہ سے اس کو منسوخ کرنے والی ہے، کیونکہ مذکورہ تفسیر کی بنیاد پر آیت ﴿لَا یَحِلُّ﴾ وسعت میں زیادتی کے حرام ہونے پر دلالت ہی نہیں کرتی۔

تیرہواں فائدہ: ﴿وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ﴾ کی جو تفسیر کی گئی ہے عبد اللہ بن شداد سے اسی طرح منقول ہے۔ ان کا کہنا ہے: لو طلقهن لم یحل لہ أن یتبدل وقد کان ینکح بعد ما نزلت هذه الآية ما شاء: یعنی ”اگر آپ انہیں طلاق دیدیتے تو آپ کے لئے بدل کر دوسری عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں تھا اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد

جس سے چاہتے نکاح فرما سکتے ہیں۔ اور اسی طرح حضرات ذین العابدین و انس بن مالک سے منقول ہے۔
چودھواں فائدہ: ﴿إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ﴾ کی جو تفسیر کی ہے اس میں پانچویں حکم سے مستثنیٰ ہونے کی دلیل تو ابوذر کا قول ہے: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ مَا قَالَ مِنَ الْمَشْرُكَاتِ إِلَّا مَا سَبَّيْتُ فَمَلَكَتْ يَمِينُكَ: آپ کے لئے اس کے بعد کوئی عورت حلال نہیں کہ فرمایا مشرک عورتوں میں سوائے اس کے جو قید ہوگئی ہو اور آپ کی ملکیت میں آگئی ہو۔ اور پانچویں حکم کی جو حکمت دسویں فائدہ میں گذر چکی ہے، اس پر کوئی اعتراض یا مخالفت لازم نہیں ہوتی کیونکہ کنیز سے اتنا کھلا پن نہیں ہوتا اور ساتویں حکم سے مستثنیٰ ہونے کی دلیل کلام کا متصل ہونا کافی ہے۔

پندرہواں فائدہ: ﴿أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ پر کوئی خیال نہ کیا جائے کیونکہ ایک تو یہ غیر اختیاری ہے۔ دوسرے اس کی حقیقت کسی چیز کا وہ احساس و ادراک ہے جس پر وہ قائم ہے تو یہ واقع میں کمال ہے اور جس امر کی مذمت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بلا ضرورت اور بغیر شرعی اجازت کے قصداً دیکھنے یا اس کے تصورات سے لذت حاصل کرنے پر یہ لفظ کسی طرح دلالت نہیں کرتا اور دوسری دلیل اس کے نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور ان پندرہ فائدوں میں جتنی روایتیں لکھی گئی ہیں سب درمنثور میں مختلف صحیح و حسن سندوں سے موجود ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرِ نَظِيرِينَ إِنَّهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ بِحَدِيثِ إِنْ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيُّ فَيَكُفِّرْ عَنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۖ إِنْ تُبَدُّوا شَيْئًا أَوْ تُخَفُّوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۖ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءَ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جاوے ایسے طور پر کہ اُس کی تیاری کے منتظر نہ رہو۔ لیکن جب تم کو بلایا جاوے تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہو۔ اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا۔ اور جب تم اُن سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ بات تمہارے دلوں اور اُن

کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ اور تم کو جائز نہیں کہ رسول اللہ کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی نکاح کرو۔ یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے۔ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اس کو پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ پیغمبر کی بیبیوں پر اپنے باپوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجیوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنی لونڈیوں کے۔ اور خدا سے ڈرتی رہو۔ بیشک اللہ ہر چیز پر حاضر ہے۔

رابطہ: اوپر کئی آیتوں میں نبی ﷺ کی ایذا کی بعض قسموں کا حرام ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اب ایک اور قسم کا ذکر ہے کہ وہ بھی پانچویں قسم کی طرح ایذا کا قصد نہ ہونے کی وجہ سے سب سے ہلکی قسموں میں سے ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ جب آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو آپ نے لوگوں کو ولیمہ کی دعوت کھلائی بعض لوگ کھانا کھانے کے بعد وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ آپ نے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تاکہ لوگ اٹھ کر چلے جائیں، مگر وہ لوگ اس اشارہ کو نہیں سمجھے، آخر آپ اٹھ کر باہر چلے گئے، اس وقت اور سب تو اٹھ گئے مگر تین لوگ پھر بھی بیٹھے رہے۔ آپ تشریف لائے تب بھی وہ بیٹھے ہوئے تھے تب آپ لوٹ گئے تو وہ اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ کو خبر کی تب آپ تشریف لائے، اس وقت حجاب کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو شیخان یعنی بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کے باوجود کہ قصہ میں مقصود انتظام کے لئے یہاں سے ارشاد چلا ہے ﴿فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا﴾ الخ لیکن اس سے پہلے بھی یہ ارشاد گذرا ہے ﴿لَا تَدْخُلُوا﴾ الخ جو کہ انتظام کو پورا کرنے اور اہتمام کی زیادتی کے لئے بھی مفید ہے جس کو صاحب درمنثور اور صاحب روح نے عبد بن حمید کے حوالہ سے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ بعض لوگ بالکل کھانے کے وقت حضور ﷺ کے مکان پر پہنچ جاتے تھے (کیونکہ اس وقت حجاب کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی) اور آپ کے مکان میں کھانا پکنے کے انتظار میں بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ کھانا کھلانے والا تو حضور ﷺ سے بڑھ کر اور کون تھا، مگر اس طرح جا کر بیٹھے رہنا یقیناً گراں گذرتا ہے تو پہلے ارشاد میں اس کا بھی انتظام ہو گیا اور حجاب کے واجب ہونے سے ایسے واقعات کا راستہ ہمیشہ کے لئے بند فرما دیا گیا۔ اور راستوں کو بند کرنے کے ساتھ ہی حجاب میں نبی ﷺ کی شان کی عظمت بڑائی اور احترام بھی ظاہر ہوتا ہے اور اسی مقام پر نبی ﷺ کی وفات کے بعد امہات المؤمنین سے نکاح کے حرام ہونے کا مسئلہ بھی بیان فرما دیا۔ جس کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ کسی شخص نے یہ کہہ دیا کہ آپ کی وفات کے بعد میں آپ کی کسی بیوی سے نکاح کروں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کو اس کے یہ کہنے کی خبر بھی ہو گئی تو آپ کو ناگواری ہوئی۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ کسی نے حجاب کے مسئلہ پر یہ کہا کہ ہم سے ہماری چچا زاد بہنوں کو چھپایا جا رہا ہے، اگر آپ کی وفات ہو جائے گی تو ہم آپ کی بیویوں سے نکاح کریں گے۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ یہ سب

روایتیں درمنشور میں ہیں، لہذا اس مضمون کو کئی طرح سے اس مقام سے ربط و مناسبت ہوئی۔ اول اس میں آپ کا احترام اور شان کی بڑائی ہے جیسا کہ اوپر کئی آیتوں میں بعض احکام آپ کی شان کی عظمت و بڑائی ظاہر کرنے والے آئے ہیں۔ دوسرے ایذا کا دور کرنا بھی ہے، تیسرے حجاب کے مضمون کا باقی حصہ بھی ہو گیا اور ایک اور طرح سے بھی حجاب کے مضمون کو پورا کرنے والا ہو سکتا ہے وہ یہ کہ امہات المؤمنین کا حجاب ایسا ہے کہ جن سے ایک بار حجاب واجب ہو گیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو گیا کہ پھر کبھی بھی اس کے اٹھائے جانے کا احتمال نہیں حتیٰ کہ اس کے اٹھائے جانے کی ایک صورت نکاح کی تھی تو وہ بھی حرام کر دیا گیا۔ اس کے بعد حجاب کے سلسلہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے حجاب نہیں ہے اور اس کے باوجود کہ سورۃ نور میں بھی مستثنیٰ مردوں اور عورتوں کا ذکر آچکا ہے، وہاں عام عورتوں کا حکم تھا جس میں یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ ازواج مطہرات سے متعلق بعض مخصوص احکام بھی ہیں تو شاید انہیں محرموں وغیرہ کے سامنے آنا بھی جائز نہ ہو، اس لئے ان کے احکام میں بھی یہ استثناء دوبارہ بیان فرما دیا۔ واللہ اعلم

رسول اللہ ﷺ کو ایذا اور رنج و غم پہنچانے کا سبب بننے والے امور کی ممانعت

اور آپ ﷺ کی عظمت، احترام اور بزرگی کی طرف اشارہ کرنے والے امور

کی تشریع یعنی کھانے کے آداب، دیکھنے اور کلام کرنے کے مسائل اور اہل

اسلام کی ماؤں یعنی رسول اللہ کی بیویوں سے نکاح کی حرمت کا بیان

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بغیر بلائے) مت جایا کرو۔ سوائے اس کے کہ جب تمہیں کھانے کے لئے (آنے کی) اجازت دی جائے (تو اس وقت جانے میں کوئی حرج نہیں، مگر تب بھی جانا) اس طرح (ہو) کہ اس (کھانے) کی تیاری کے انتظار میں نہ رہو (یعنی اول تو یہ کہ بغیر بلائے مت جاؤ، دوسرے یہ کہ دعوت ہو تو اس وقت بھی بہت پہلے سے جا کر مت بیٹھ جاؤ) لیکن جب تمہیں بلایا جائے (کہ اب چلو کھانا تیار ہے) تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر بیٹھے مت رہا کرو (کیونکہ) اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے۔ اس لئے وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اٹھ کر چلے جاؤ) اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے میں (کسی کا) لحاظ نہیں کرتے (اس لئے تم سے صاف صاف کہہ دیا گیا) اور (اب سے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ ہمارے رسول کی بیویاں تم سے پردہ کیا کریں گی تو اب سے) جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر (کھڑے ہو کر وہاں) سے مانگا کرو (یعنی بغیر ضرورت تو پردے کے پاس جانا بھی نہیں چاہئے اور بات بھی نہیں کرنی چاہئے، البتہ ضرورت پڑنے پر بات کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر پھر بھی دیکھنا نہیں چاہئے) یہ بات (ہمیشہ کے لئے) تمہارے اور ان کے دلوں کے پاک

رہنے کا بہترین ذریعہ ہے (یعنی جس طرح اب تک دونوں کے دل پاک ہیں، اس سے آئندہ بھی پاک نہ ہونے کا احتمال دور ہو گیا جس کا غیر معصوم کے اعتبار سے اپنے آپ میں احتمال ہو سکتا تھا اور (نبی ﷺ کو ایذا پہنچانا حرام ہونا صرف فضول جم کر بیٹھ جانے کی صورت تک ہی محدود نہیں بلکہ مطلق طور پر یہ حکم ہے کہ) تمہارے لئے (کسی امر میں) جائز نہیں کہ رسول (ﷺ) کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی عظیم (معصیت کی) بات ہے (اور جس طرح یہ نکاح ناجائز ہے، ایسے ہی اس کا زبان سے ذکر کرنا یا دل میں ارادہ کرنا سب گناہ ہے تو) اگر تم (اس سے متعلق) کسی چیز کو (زبان سے) ظاہر کرو گے یا اس (کے ارادہ) کو (دل میں) پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ کو دونوں کی خبر ہوگی، کیونکہ وہ) ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (لہذا تمہیں اس پر سزا دیں گے۔ اور ہم نے اوپر جو حجاب کا حکم دیا ہے تو اس سے بعض مستثنیٰ بھی ہیں جن کا بیان یہ ہے کہ) ان (نبی کی) بیویوں پر اپنے باپوں کے (سامنے ہونے کے) بارے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے (یعنی جس کا بیٹا ہو) اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجیوں کے اور نہ اپنے بھانجیوں کے اور نہ اپنی (دین شریک) عورتوں کے اور نہ اپنی کنیزوں کے (یعنی ان سب کے سامنے آنا جائز ہے) اور (اے رسول کی بیویو! ان احکام پر عمل کرنے میں جن کا ذکر کیا گیا) اللہ سے ڈرتی رہو (کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے) بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر (ناظر) ہے (یعنی اس سے کوئی امر پوشیدہ نہیں، لہذا خلاف ورزی میں سزا کا احتمال ہے)

فائدہ: پہلی آیت میں جو کمروں میں داخل ہونے اور کھانے کے احکام بیان کئے گئے ہیں، وہ علماء کی تصریح کے مطابق نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں، یعنی اس قسم کی بات کسی کو بھی ناگوار ہو، وہ ناجائز ہے۔ اور ﴿فَيُتَسَبَّحُ بِحَمْدِ اللَّهِ لَا يَسْتَسْبِحُ مِنَ الْحَقِّ﴾ سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ کبھی کبھی حق کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ جس حق کا اظہار واجب ہے، وہ حق اللہ کے لئے ہے اور جس معاملہ میں آپ نے کسی کا لحاظ فرمایا، وہ آپ کے اپنے نفس کے لئے حق تھا کہ اپنے اوپر تکلیف برداشت کی، اس سے کسی شرعی حکم کا پوشیدہ رکھنا لازم نہیں آتا کہ جس سے کوئی وسوسہ یا خیال پیدا ہو۔ اور حجاب کے معاملہ میں ﴿وَإِذَا سَأَلْتَهُنَّ﴾ فقرہ بڑھانے کا فائدہ ترجمہ کی وضاحت سے ظاہر ہو گیا کہ یہ مبالغہ کے لئے ہے یعنی ویسے تو حجاب ضروری کیوں نہ ہوگا۔ ایسی شدید ضرورت و حاجت کے وقت بھی حجاب ضروری ہے اور یہ یعنی حجاب کی آیت ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ سے پہلے نازل ہوئی کیونکہ یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت یعنی ولیمہ کے موقع پر نازل ہوئی اور ازواج مطہرات کو اختیار دینے کا وقت جس سے آیت ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ الخ کا تعلق ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح سے بہت بعد میں نازل ہوا ہے، چنانچہ جن ازواج کو اختیار دیا گیا تھا ان میں وہ بھی شامل تھیں جن سے پہلے نفقہ طلب کرنے کا واقعہ ہو چکا تھا جس کے طلب کرنے کا اتفاق

یقیناً نکاح کے زمانہ کے بہت بعد ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ آیت کے ذریعہ حجاب فرض ہوا اور ﴿وَقَرْنَ﴾ الخ سے اس کی تاکید ہوئی۔ اور حجاب اور گھروں میں ٹھہرنے کے مسائل آیت ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ الخ کی تفسیر میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اور ازواج مطہرات سے نکاح کا حرام ہونا مختصر انداز میں تو نص سے ثابت ہے جس پر سب کا اتفاق و اجماع ہے۔ البتہ بعض تفصیلوں میں اختلاف ہے۔ امام الحرمین اور رافعی نے حرام ہونے کو ان ازواج کے ساتھ خاص کیا ہے جن کے ساتھ خلوت ہو چکی ہو۔ اور رازی وغیرہ نے اس زوجہ کو حلال کیا ہے جو اختیار دیئے جانے کے بعد دنیا کو اختیار کرے اور بعض علماء نے کنیزوں میں سے صرف اس کو حرام کہا ہے جو وفات کے وقت تک آپ کے پاس ہو۔ اور آیت ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ﴾ جو مستثنیٰ ہیں، ان میں منحصر ہونا مقصود نہیں بلکہ تمام محرم چاہے ان کا تعلق نسب سے ہو یا رضاعت یعنی دودھ پلانے سے اور جن کا ذکر سورۃ نور میں ہوا ہے، سب مراد ہیں۔ اور اس آیت کے بعض حصوں کی تفسیر سورۃ نور میں گزر چکی ہے ملاحظہ کر لی جائے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

رابطہ: اوپر نبی اکرم ﷺ کی شان کی عظمت و بڑائی کا اظہار ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دے کر فرمایا تھا اس سے پہلے بھی کئی آیتوں میں مختلف پیرایوں سے اس کا بیان تھا۔ اب صلوٰۃ و سلام کی خبر اور حکم کے ذریعہ اس پر دلالت فرماتے ہیں۔

نبی ﷺ کی شان کی عظمت و بڑائی کا صلوٰۃ و سلام کی خبر اور حکم کے ذریعہ بیان:

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان نبی ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (تاکہ آپ کی عظمت کا جو حق تمہارے ذمہ ہے، وہ ادا ہو)

فائدہ: اللہ تعالیٰ کا رحمت بھیجنا تو رحمت فرمانا ہے۔ اور اس سے رحمت مشترکہ مراد نہیں ہے کہ اس سے آپ کی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ خصوصی رحمت مراد ہے، جو آپ کی عالی شان کے مناسب ہے، اور فرشتوں کا رحمت بھیجنا اور اسی طرح جس رحمت کے بھیجنے کا ہمیں حکم ہے، اس سے اس خاص رحمت کی دعا کرنا مراد ہے اور اس کو اردو میں درود کہتے ہیں جو فارسی کا لفظ ہے۔ اور اس کی دعا کرنے سے حضور کے بلند درجات میں اور بھی زیادہ ترقی ہو سکتی ہے، کیونکہ ترقی کی کوئی حد نہیں، چنانچہ خود حضور پر نور ﷺ نے اذان کے بعد کی دعا میں عام امتیوں کو وسیلہ کی دعا کی تعلیم فرمائی ہے۔ اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تھا: اشرکنا فی الدعاء: یعنی اپنی دعا میں ہمیں بھی شریک کرنا۔ اور خود دعا کرنے والے کو بھی اس سے نفع ہوتا ہے کیونکہ اس نے اللہ کے حکم پر عمل کیا اور آپ کی تعلیم کا حق ادا کیا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اور آپ پر سلام بھیجنے کے معنی دو امر کا مجموعہ ہے ایک آفتوں سے سلامتی کی دعا اور دوسرے ثناء و تعریف جو اس دعا کے لئے لازم ہے، کیونکہ عرف میں یہ لفظ ثنا کے مستحق کے لئے ہی مخصوص ہے، لہذا زندگی کی حالت میں تو دونوں ثابت ہو سکتے ہیں اور وفات کے بعد صرف دوسرے معنی رہ جاتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس تعلیم سے مقصود اللہ کی طرف سے سلام کی دعا ہو اور اس سلام سے مقصود سلامتی کی خوش خبری ہو، لہذا حاصل یہ ہوگا کہ: اللھم بشر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسلامة الا بدیة الموعودة لہ: یعنی ”اے اللہ انبی صلی علیہم وسلم کو ہمیشہ کی سلامتی کی خوش خبری دیجئے جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے“ اور یہ معنی وفات کے بعد بھی بلا تکلف صحیح ہو سکتے ہیں۔

اور یہ صلوٰۃ و سلام دو طرح کے الفاظ سے ادا ہو سکتے ہیں: ایک تو یہ کہ کہنے والا اس کی نسبت اپنی طرف کرے، مثال کے طور پر یوں کہے: نصلی و نسلم: یعنی ”ہم درود سلام بھیجتے ہیں“ اور دوسرے یہ کہ دعا کے طور پر اللہ کی طرف نسبت کرے جیسے اللھم صل یا اللھم سلم یا صلی اللہ علیہ وسلم اور تشہد یعنی التحیات میں جو آیا ہے السلام علیک اس میں دونوں احتمال ہیں۔ سلامی جیسے اس شعر میں ہے: بلغ اللہ صلوتی و سلامی ابد الخ یا رحمة اللہ و برکاتہ کے قرینہ سے سلام اللہ۔ اور حدیثوں کے الفاظ کو دیکھنے سے دوسرے لفظ کی فضیلت و اہمیت ثابت ہوتی ہے اور صلاتی و سلامی بھی تاویل کے بعد اسی طرح ہو سکتا ہے کہ معمولی تعلق کے ذریعہ اضافت ہو۔ اور معنی یہ ہوں: صلوٰۃ اللہ منی و سلام اللہ منی: یعنی جو مطلوب ہے۔ اور محقق علماء نے فرمایا ہے کہ جس نص کا ثبوت قطعی اور دلالت قطعی ہے، اس میں امر کا لفظ فرضیت کے لئے ہے، اور اس کا تقاضا تکرار کا نہیں ہے، اس لئے عمر بھر میں ایک بار تو فرض ہے جیسا کہ توحید کے کلمہ یعنی لا الہ الا اللہ کا ایک بار کہنا فرض ہے اور جس مجلس میں آپ کا ذکر مبارک ہو وہاں حدیثوں میں آنے والی وعید اور حرج کی نفی کرنے والی دلیلوں کو دیکھتے ہوئے ایک بار واجب ہے، اور اس سے زیادہ فضائل کو دیکھتے ہوئے مستحب ہے۔ اور یہ سب نماز سے باہر کی تفصیل ہے۔ اور نماز کے اندر کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک سنت ہے، یہ سب تفصیل لفظ صلوٰۃ میں ہے اور لفظ سلام میں امر کے ظاہری لفظ کو دیکھتے ہوئے بعض نے عمر بھر میں ایک بار اس کو بھی فرض کہا ہے لیکن چونکہ معنی کو دیکھتے ہوئے صلوٰۃ اور سلام سے مقصود ایک ہی ہے، اس لئے لفظ صلوٰۃ سے سلام کے امر پر عمل ہو جاتا ہے، البتہ کیا خود سلام کہنا بھی فرض ہے یا نہیں۔ اس بارے میں اختلاف ہے اور مقصود کے اسی اتحاد کے اعتبار سے یصلون کے ساتھ یسلمون نہیں فرمایا کہ وہ بھی خود ہی سمجھ میں آجائے گا۔ لہذا گویا مقصود یہ ہے کہ إِنَّ اللہَ وَمَلَائِکَتُہُ

يُصَلُّونَ وَيُسَلِّمُونَ عَلَى النَّبِيِّ یعنی ”اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ تاکہ آگے ﴿صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا﴾ اس پر فرع ہونے میں اس کے مطابق ہو جائے۔ اور شاید دوسری جگہ اس لئے صراحت کر دی ہو کہ مخاطب لوگوں پر حضور ﷺ کے حقوق حد سے زیادہ عظیم ہیں، لہذا اہتمام کے لئے دو صیغوں کی تصریح اور پھر دوسرے صیغہ کی تاکید مفعول مطلق سے فرمائی گئی ہے، تاکہ طلب کے ساتھ بہت زیادہ کے مطلوب ہونے پر بھی دلالت ہو اور روح میں حموی کے حوالہ سے اور انھوں نے مدیۃ المفتری سے نقل کیا ہے کہ اگر صرف صلوٰۃ یا سلام کا صیغہ ہی استعمال کرے تب بھی مکروہ نہیں ہے، البتہ دونوں کا جمع کرنا بہتر ہے، جیسا کہ نماز کے قعدہ اخیرہ میں دونوں کو جمع کیا گیا ہے کہ تشہد میں سلام ہے اور آگے صلوٰۃ ہے اور پہلے قعدہ میں صرف سلام کا ہونا اکیلے کی کراہت نہ ہونے کی صاف دلیل ہے، چونکہ اس مقام کے مطالعہ کے وقت احتمال ہے کہ شاید پڑھنے والوں سے قصد اصلوٰۃ دسلام چھوٹ جائے اس لئے ایک مختصر عبارت لکھ دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لکھا ہوا تو ضرور ہی پڑھ لیں گے۔ اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد و ہارک و مسلم۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝﴾

ترجمہ: بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اُن کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بدوں اس کے کہ انھوں نے کچھ کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں۔

رابطہ: اوپر مختلف آیتوں میں نبی ﷺ کی ایذا کی مختلف قسموں کی ممانعت کا ذکر ہوا تھا، جس میں بعض جو بغیر قصد کے تھیں، ان میں تو صرف فہمائش اور نصیحت کر دی گئی تھی، جیسے بیویوں کی طرف سے زیادہ نفقہ طلب کرنا اور کھانے سے پہلے یا بعد میں گھروں میں ٹھہرنا اور بعض ایذائیں جو قصداً تھیں، باقی رہ گئیں، جو مخالفوں کی طرف سے پیش آتی تھیں، ان میں اب شدید وعید فرماتے ہیں۔ اور تاکید کے لئے پہلی آیت میں رسول کی ایذا کو اللہ کی ایذا کی طرح قرار دیتے ہیں اور دوسری آیت میں مطلق ایمان والوں کی ایذا کو بھی گناہ کبیرہ میں شمار فرماتے ہیں، جس سے رسول کی ایذا کے وعید کا سبب ہونے کی اور زیادہ تاکید ہوتی ہے کہ جب مطلق مومنوں کی ایذا ایسی ہے تو مومنوں کے سردار کی ایذا کیسی ہوگی؟ دوسرے مخالف لوگ اس کا بھی قصد اور تکاب کرتے تھے اس لئے ان کی وعید کی بھی تاکید ہو گئی۔ کہ دو امر عذاب کے سبب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو ایذا پہنچانے پر وعید:

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کو (قصداً) ایذا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور (اس نے) ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور (اسی طرح) جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بغیر اس کے کہ انھوں نے کچھ (ایسا کام) کیا ہو (جس سے وہ سزا کے مستحق ہو جائیں) ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (اپنے اوپر) لیتے ہیں (یعنی اگر وہ ایذا قول کے ذریعہ ہے تو بہتان ہے اور اگر فعل کے ذریعہ ہے تو مطلق گناہ ہی ہے)

فائدہ: اللہ کے ناراض کرنے کو مجاز کے طور پر ایذا کہہ دیا گیا اور ﴿يُؤْذُونَ﴾ کے ترجمہ میں لگائی گئی قصداً کی قید چند دلیلوں سے ثابت ہے: اول یہ کہ ایذا اختیاری افعال میں سے ہے اور اختیاری افعال میں قصد لازمی طور پر ہوتا ہے۔ دوسرے جس فعل سے بغیر قصد کے ایذا ہو جائے وہ حقیقت میں ایذا کا پہلا مرحلہ ہے، اس کو ایذا کہنا مجاز ہے، جب کہ کلام میں اصل حقیقت ہوتی ہے۔ اور وہ قصداً پہنچائی جانے والی ایذا کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے۔ تیسرے شریعت میں ان امور پر وعید نہیں ہوتی جن کا قصد نہ کیا گیا ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: رفع عن أمتي الخطاء: یعنی ”میری امت سے غلطی سے ہو جانے والے کام پر پکڑے نہیں ہوتی“ اور یہاں ایذا پر وعید کی گئی ہے، اس کا واضح مطلب یہی ہوا کہ ایذا قصداً ہے۔ اور ﴿يَعْنِي مَا اكْتَسَبُوا﴾ کی قید سے ادب سکھانے اور اس کے لئے مناسب سزا دینے کا جواز جب کہ شرعی قاعدہ سے ثابت ہو ثابت ہو گیا اور بغیر قصد کی ایذا میں جو ﴿يُضَعَّفُ لَهَا الْعَذَابُ﴾ یعنی ”اس کو دو گنا عذاب دیا جائے گا“ آیا ہے وہ تمہید کی وضاحت یعنی صرف فہمائش و نصحت الخ کے خلاف نہیں، کیونکہ یہ وعید اس امر سے متعلق ہے کہ جب اسے یہ علم ہو گیا کہ یہ امر ایذا کا سبب ہے پھر بھی اس کا ارتکاب کر رہا ہے تو یہ وعید کا سبب ہے۔ اور اگر یہ واقعہ نہ ہوا تھا تو یہ وعید کا سبب نہیں اور جو واقع ہو گیا تو اس کے ایذا کا سبب ہونے کی طرف التفات کیا اور اس کا علم نہیں ہوا تو وعید کا سبب نہیں ہوا۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يَعْرِفْنَ فَلَا يُؤْذِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهُوا لِنُفِقُوا فِي مَا مَلَئُونَا مِنْهُ مَرًصًّ وَآلُ الْمُؤْمِنُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۝ مَلْعُونِينَ ۚ أَيْنَمَا تُوَفُّوا اخْذُوا وَاقْتُلُوا تَقْتُلُوا ۝ سَنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَكِنْ نَجْدُ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝﴾

ترجمہ: اے پیغمبر! اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ

بچی کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں۔ اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور جو لوگ مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کریں گے پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پاویں گے۔ وہ بھی پھٹکارے ہوئے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں۔ اور آپ خدا کے دستور میں رد و بدل نہ پاویں گے۔

رابطہ: اوپر رسول کی ایذا اور عام مومنوں کی ایذا پر وعید وغیرہ فرمائی تھی۔ اب بعض خاص ایذاؤں سے متعلق کلام ہے جیسا کہ بعض خاص ایذائیں اور پر مختلف آیتوں میں بیان ہو چکی ہیں، اور یہ ایذائیں منافقوں کی طرف سے دو طرح سے واقع ہوئی تھیں، ایک یہ کہ ان میں سے بعض شریف فطرت والے لوگ مسلم کنیزوں کے ساتھ راستہ میں چھیڑ چھاڑ کرتے تھے اور بعض معزز خواتین و بیویوں کے ساتھ بھی کنیزوں کے شبہ میں چھیڑ چھاڑ کر دیتے تھے، دوسرے یہ کہ ہمیشہ ایسی جھوٹی خبریں اڑاتے رہتے تھے کہ فلاں دشمن یا لٹیرا چڑھائی کی تیاری کر رہا ہے۔ ان دونوں کی حرکتوں سے رسول اللہ ﷺ کو اور عام مومن مردوں اور عورتوں کو ایذا و تکلیف ہوتی تھی، حق تعالیٰ نے پہلے امر یعنی آزاد و معزز خواتین اور بیویوں کے انتظام کے لئے چادریں بچی کر لینے کا حکم فرمایا جس کی تحقیق آگے آرہی ہے۔ اور غیر معزز عورتوں کے لئے آپ ﷺ کو ان پر مسلط کر دینے کی وعید کے ذریعہ انتظام فرمایا، اور دوسرے امر کا راستہ بھی اسی مسلط کر دینے کی وعید کے ذریعہ بند فرمایا، چنانچہ اس وعید سے ان کی وہ شرارتیں اور ایذا پہنچانے والی حرکتیں بند ہو گئیں، اس لئے وہ وعید واقع نہیں کی گئی۔ اور ان دونوں امور کے اعتبار سے منافق تین قسم کے تھے بعض جو یکس تھے اور نفاق میں اصل تھے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے وہ تو اپنی عزت بچانے کی غرض سے خود یہ حرکتیں نہیں کرتے تھے، لیکن ایسی حرکتیں تجویز کر کے دوسروں کو ایسا کرنے کے مشورے دیتے تھے اور عوام میں سے بعض پہلے امر کا ارتکاب کرتے اور بعض دوسرے امر کا۔ ان آیتوں میں ان سب کا ذکر ہے، یہ پوری تفصیل در مشور کی روایتوں سے لی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو ایذا پہنچانا، عورتوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے اور افواہیں اڑا کر:

اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے بھی کہہ دیجئے کہ اپنے (چہرے کے) اوپر چادریں (سر سے) تھوڑی سی بچی کر لیا کریں، اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو انہیں اذیت نہیں دی جائے گی (یعنی اگر انہیں کسی ضرورت سے گھر سے) باہر نکلنا پڑے تو چادر سے سر اور چہرہ بھی چھپا لیا کریں، جیسا کہ سورۃ نور آیت ۶۰ ﴿عَنْزِ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ﴾ میں اس کی تفسیر روایت کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔ چونکہ کنیزوں وغیرہ کے لئے سر اپنے آپ میں ستر میں داخل نہیں اور چہروں کو کھولنے کے سلسلہ میں ان کے لئے معزز عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ

رخصت اور رعایت ہے جس کی وجہ اپنے مالک کی خدمت کی وجہ سے باہر نکلنے اور چہرہ کھولنے کی زیادہ ضرورت ہونا ہے، اس بنیاد پر اس طرح سے معزز عورتوں کا غیر معزز عورتوں سے فرق و امتیاز ہو جائے گا۔ اور وہ لوگ معزز عورتوں کو ان کے اثر اور عزت و احترام اور ان کی حمایت کے خیال کے غلبہ کی وجہ سے قصداً نہیں چھیڑتے تھے لہذا معزز عورتوں کے لئے اس شکل سے شرعی پردہ کے حکم پر عمل بھی ہو جائے گا اور ان شریر لوگوں سے بہت سہولت کے ساتھ حفاظت بھی ہو جائے گی۔ اب رہ گیا غیر معزز عورتوں کا معاملہ تو ان کے لئے انتظام کا بیان آگے آئے گا، اور (اس کے سر اور چہرہ کے ڈھانپنے میں جو بلا ارادہ کی یا بے احتیاطی ہو جائے تو) اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں (اس کو معاف کر دیں گے اور بخشنا اس لئے فرمایا کہ اکثر اس کو تاہی کی وجہ کسی قدر لا پرواہی ہوا کرتی ہے جو اپنے آپ میں ایک طرح کا گناہ ہے، مگر ایسے چھوٹے چھوٹے گناہ کبھی حسنت یعنی نیکیوں کی وجہ سے اور کبھی خود اللہ کے فضل و رحم سے معاف ہوتے رہتے ہیں۔ آگے ان چھیڑنے والوں کو اس شرارت پر اور ایک دوسری شرارت پر بھی دھمکی دیتے ہیں یعنی) یہ (خاص اور اصل) منافق (جو فساد اور شرارتوں کے بانی اور اصل ذمہ دار ہیں) اور (عام منافقوں میں سے) وہ لوگ جن کے دلوں میں (جنسی بے راہ روی اور شہوت پرستی کی) خرابی ہے (اور اس لئے کینروں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں) اور (انہی عام منافقوں میں) وہ لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی جھوٹی یا پریشان کرنے والی) افواہیں اڑایا کرتے ہیں (یہ لوگ) اگر (اپنی ان حرکتوں سے) باز نہ آئے تو ہم ضرور (ایک نہ ایک دن) آپ کو ان پر مسلط کریں گے (یعنی انہیں مدینہ سے باہر نکالنے کا حکم کر دیں گے) پھر (اس حکم کے بعد) یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے۔ وہ بھی (ہر طرف سے) پھٹکارے ہوئے (یعنی مدینہ سے نکل جانے کا انتظام و تیاری کرنے کے لئے جو کچھ تھوڑی سی مدت معین کی جائے گی، بس اتنی دیر تو یہ یہاں محفوظ رہ لیں گے، اور اتنی دیر بھی ہر شخص کی نظر میں ذلیل و خوار ہوں گے، پھر نکال دیئے جائیں گے اور نکال دیئے جانے کے بعد بھی کہیں امن و سکون کے ساتھ نہ رہیں گے، بلکہ وہ جہاں ملیں گے (ان کے ساتھ) پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جائے گی) (وجہ یہ ہے کہ ان منافقوں کے کفر کا تقاضا تو یہی تھا لیکن نفاق کی آڑ میں انہیں پناہ ملی ہوئی ہے جب یہ لوگ کھلے عام اعلان یہ ایسی مخالفتیں کرنے لگے تو وہ رکاوٹ بھی دور ہو گئی، اس لئے ان کے ساتھ بھی اسی اصلی تقاضہ کے مطابق معاملہ ہوگا، کہ ان کا نکال دینا اور قید و قتل سب جائز ہے، اور اگر نکلنے کے لئے کوئی مدت متعین ہو جائے تو اس مدت کے اندر اندر معاہدہ کی وجہ سے امن دیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر جہاں ملیں گے، عہد کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے قید اور قتل کی اجازت ہوگی۔ اس دھمکی میں غیر معزز کو چھیڑنے کا انتظام بھی ہو گیا۔ اور افواہیں پھیلانے کا راستہ بھی بند ہو گیا، یعنی کھلے عام شرارتیں کرنے، اذیتیں پہنچانے اور غرور و گھمنڈ کے ساتھ حرکتیں کرنے سے بھی باز آ گئے، چاہے منافقوں والی ڈھکی چھپی شرارتیں باقی رہی ہوں، جس پر کبھی یہ احکام لاگو نہیں کئے گئے اور فساد و شورش پر سزا کا حکم ہونا کچھ انہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ) اللہ تعالیٰ نے ان

(فساد پھیلانے والے) لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور (جاری) رکھا ہے جو (ان سے) پہلے گزر چکے ہیں (کہ انہیں آسانی سزائیں دی ہیں۔ یا نبیوں کے ہاتھ سے جہاد اور برائیوں سے روکنے کے لئے شرعی قانون بنا کر سزائیں دلائی ہیں، لہذا اگر پہلے ایسا نہ ہوا ہوتا تو ان کے لئے وعید کے محال ہونے کا خیال ہونا کوئی نئی یا عجیب بات نہ ہوتی مگر اب تو گنجائش ہی نہیں) اور آپ اللہ کے دستور میں (کسی شخص کی طرف سے) کوئی تبدیلی نہ پائیں گے (کہ اللہ کوئی بات جاری کرنا چاہے اور کوئی اس کو روک سکے، اس طرح ﴿سُنَّةَ اللَّهِ﴾ الخ میں واقع ہونے سے پہلے کے احتمال کو دور فرما دیا اور ﴿كُنْ يَتَّخِذُ﴾ میں واقع ہونے کے بعد کا احتمال کو دور فرما دیا کہ جب وہ واقع کرنے لگے تو کوئی نہ روک سکتا ہے اور نہ ہی ہٹا سکتا ہے۔

فائدہ: شرعی کنیزوں کے جن اعضاء کو کھولنے کی اجازت دی گئی ہے وہ معزز عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہیں، یعنی اس بارے میں وہ محرم عورتوں کی طرح ہیں کہ جتنے اعضاء کھولنے کی اجازت محرم عورتوں کو ہے وہ اعضاء کھولنے کی انہیں بھی اجازت ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ جن کا حکم سورہ نور آیت ۳۰ ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ الخ کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور اس انتظام یعنی چادروں کو لٹکانے میں غیر معزز عورتوں کو شریک نہ کرنا اس لئے ہے کہ اس میں ان کی اپنے مالکوں کی خدمت کی ذمہ داری میں خلل پڑتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کو گوارا کر لیا گیا بلکہ ﴿لَنُغْفِرَنَّ لَكَ بِهِنَّ﴾ الخ ”یعنی آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے“ میں ان کے لئے کافی انتظام کا ذکر کیا گیا ہے لہذا چادریں لٹکانے کے انتظام کا حاصل یہ ہوا کہ معزز خواتین کی بے حجابی سے کنیزوں کی تو حفاظت نہیں ہوگی بلکہ ایک کو نہیں دونوں کو پریشانی ہوگی اس لئے تمہیں اپنا طریقہ چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس میں تمہاری حفاظت بھی آسان ہے اس لئے تم تو اس کی پابند رہو باقی کنیزوں کے لئے دوسرا انتظام ہو سکتا ہے (یہ بندہ کے نزدیک زیادہ بہتر بات ہے) باقی اس سے متعلق ضروری مضامین اس کی تمہید میں بیان ہو چکے ہیں، انہیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، اور اس آیت میں چہرہ کھولنے کی ممانعت میں پوری صراحت ہے، اگر کسی کو خیال ہو کہ یہ انتظام تو چھیڑ چھاڑ سے بچنے کے لئے تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس چھیڑ چھاڑ کو روکنے کا حاصل فتنہ کو روکنا ہے، لہذا جہاں فتنہ ہوگا وہاں چہرہ کو کھولنا منع ہوگا، کسی فتنہ کی خصوصیت نہیں اور چونکہ اس کی بنیاد فتنہ کو دور کرنا ہے اس لئے چہرہ کے پردہ کے اس واجب ہونے کو واجب لغيرہ قرار دیتے ہیں، اور بوڑھی عورتوں کو مستثنیٰ کہتے ہیں، البتہ ازواج مطہرات کے لئے دوسری دلیل کی بنیاد پر اس واجب ہونے کو واجب لعمیم کہتے ہیں۔

﴿يُنْفِلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عَلَّمَهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يَذُرُّكَ لَعَلَّ السَّاعَةُ تَكُونُ قَرِيبًا ۝ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَا يَخْرُجُونَ وَلِيًّا وَلَا نُصَبِّرُكَ يَوْمَ

تُغْلَبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَلَيِّنَا أَطْعَمَنَا اللَّهُ وَأَطْعَمَنَا الرَّسُولُ ۖ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطْعَمْنَا سَاكِنَتَنَا
وَكُتُبَاءَنَا فَأَصْلَحْنَا السَّبِيلَ ۖ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنُومُ كَثِيرًا ۖ ﴿٢٢٠﴾

ترجمہ: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اُس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور آپ کو اُس کی کیا خبر! عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہو جاوے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کر رکھا ہے اور اُن کے لئے آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ جس روز اُن کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کئے جاویں گے یوں کہتے ہوں گے اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ اور یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تھا سو انھوں نے ہم کو رستہ سے گمراہ کیا تھا۔ اے ہمارے رب! ان کو دوہری سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت کیجئے۔

رابطہ: اوپر ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ الخ میں اللہ اور رسول کی مخالفت پر دنیا اور آخرت میں لعنت اور ذلیل کرنے والے عذاب کی وعید فرمائی تھی۔ چونکہ اس میں قیامت اور آخرت کا اثبات ہے اور اللہ و رسول کی مخالفت کرنے والوں میں بعض لوگ اس کے منکر تھے، وہ اس قسم کی وعیدیں سن کر انکار کے طور پر قیامت کا وقت پوچھتے تھے کہ وہ کب آئے گی؟ اس لئے اب اس کا جواب، ڈراوے، دھمکیوں اور مذکورہ لعنت اور مذکورہ عذاب کی کسی قدر تفصیل اور کیفیت بیان فرماتے ہیں۔

قیامت اور سزا کے واقع ہونے کی بنیاد پر مخالفوں کو ڈرانا دھمکانا:

یہ (منکر) لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں (انکار کے طور پر) سوال کرتے ہیں (کہ قیامت کب ہوگی؟) آپ (جواب میں) فرمادیجئے کہ اس (کے وقت) کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کو اس کی کیا خبر کہ کب ہے؟ البتہ مختصر انداز میں ان لوگوں کو جان رکھنا چاہئے کہ (عجب نہیں کہ قیامت جلدی ہی واقع ہو جائے) کیونکہ جب وہ وقت متعین نہیں تو قریب ہونے کا بھی احتمال ہے تو اس احتمال کی وجہ سے انہیں چاہئے تھا کہ ڈرتے اور اس کے لئے تیاری کرتے نہ کہ انکار کے انداز میں جلد بازی یعنی جلدی واقع ہونے کا مطالبہ کرتے اور مذاق اڑاتے ہیں، اور قریب سے مراد اگر انتہائی قریب ہے تو جلدی واقع نہ ہونے پر اس لئے کوئی اشکال نہیں کہ بندوں کے اعتبار سے ﴿كَلَّا﴾ کے ذریعہ خبر دی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب بندوں سے پوشیدہ ہے تو انہیں چاہئے کہ اس کے قریب ہونے کا احتمال رکھیں۔ چاہے وہ قریب یعنی جلدی ہی واقع ہو یا نہ ہو۔ اور اسی پوشیدہ رکھنے کی علت سے اسی قریب ہونے کا ہر زمانہ میں

احتمال ہے لہذا خوف کا واجب ہونا بھی تمام زمانوں میں عام ہوا، اور اگر قرب سے مراد مطلق قرب ہے تو لفظ ﴿لَعَلَّ﴾ تحقیق کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور وہ قرب واقع کے مطابق بھی ہے، کیونکہ ایک تو دن بہ دن اس کا وقت قریب ہی آتا جاتا ہے یعنی مثال کے طور پر جتنی دوری کل تھی آج اتنی نہیں رہی۔ لہذا یہ بھی قریب ہونا ہے۔ دوسرے قیامت کے دن کی شدت اور لمبا ہونے کے مقابلہ میں دنیا کی لمبی مدت بھی مختصر معلوم ہوگی۔ لہذا اس کے مقابلہ میں یہ مجموعی مدت قریب ہے، لہذا ہر حال میں یہ ڈرانا دھمکانا صحیح ہو گیا چاہے قریب ہونے کے احتمال سے یا روزانہ مہلت کم ہوتے جانے سے یا اس وقت کی ہولناکی اور لمبائی سے۔ اب آگے قیامت کے دن کی لعنت اور سزا و عذاب کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے کہ (بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کر رکھا ہے) جیسا کہ اوپر بھی فرمایا ہے ﴿لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الذُّنُوبِ الْأَخْوَثِ﴾ اور (اس لعنت ہی کا اثر یہ ہے کہ) ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے (جیسا کہ اوپر بھی فرمایا ہے ﴿وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾) جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے (اور) نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ کوئی مددگار (پائیں گے) جس دن ان کے چہرے جہنم میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے (یعنی چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے، کبھی چہرہ کی اس کروٹ کبھی اس کروٹ جیسا کہ اس طرح گھسیٹنے میں دیکھا جاتا ہے کہ اس شخص کا منہ کبھی اس طرف ہو جاتا ہے کبھی دوسری طرف اور اس وقت انتہائی حسرت کے ساتھ) یوں کہتے ہوں گے اے کاش! ہم نے (دنیا میں) اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی (تو آج اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے) اور (حسرت کے ساتھ اپنے گمراہ کرنے والوں پر غصہ آئے گا اور غیظ و غضب پیدا ہوگا تو) یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں (یعنی حکومت والوں حکمرانوں اور حاکموں) اور اپنے بڑوں کا (جن کے کسی اور وجہ سے تابع تھے) کہنا مانا تھا تو انھوں نے ہمیں (سیدھے) راستہ سے گمراہ کیا تھا۔ اے ہمارے رب! (اس لئے) انہیں دو گنی سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت کیجئے (یہ ایسا مضمون ہے جیسا سورۃ اعراف آیت ۲۸ میں ہے: ﴿رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَصَلُّواْنَا فَاتَّخَذُوْنَا عَذَابًا مُّضَعًّا مِّنَ النَّارِ﴾ جس کا جواب مل جائے گا جیسا کہ اسی آیت میں اگلا ارشاد ہے ﴿قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٌ وَلَٰكِنْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ جس کی تفسیر وہاں بیان ہو چکی ہے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ ان کافروں کی اس درخواست سے جو غرض تھی، وہ اس میں ناکام رہے۔ اس تفسیر کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ فَجِيئَهَا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ يُطِيعُ مَن يَشَاءُ ۚ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جنھوں نے موسیٰ کو ایذا دی تھی۔ سو ان کو خدا تعالیٰ نے بری

ثابت کر دیا۔ اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

رابطہ: اوپر کی آیتوں میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کا ہلاک کرنے والا ہونا معلوم ہوا ہے۔ جس کو ایذا سے تعبیر فرمایا گیا تھا۔ اور جن لوگوں کو عید سنائی گئی ان کی اس تمنا ﴿يُكَيِّتُنَا أَطْعَمَنَا اللَّهُ وَأَطْعَمَنَا الرَّسُولُ﴾ سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کی فرماں برداری نجات دلانے والی ہے۔ اب اس پر فرع کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس نافرمانی سے منع کیا گیا ہے اور فرماں برداری کا حکم فرمایا گیا ہے کیونکہ اس سے مسلمان ہی نفع اٹھاتے ہیں، اور اس ممانعت کے ساتھ اشارہ کے طور پر نافرمانی کا نقصان دینے والا ہونا اور اس حکم کے ساتھ صراحت سے فرماں برداری کا نفع دینے والا بیان فرماتے ہیں۔

معصیت سے ڈرنا اور اطاعت کی ترغیب دینا:

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جنہوں نے (کچھ تہمت گھڑ کر) موسیٰ (علیہ السلام) کو اذیت دی تھی تو انہیں اللہ تعالیٰ نے بری ثابت کر دیا (یعنی ان کا تو کچھ نقصان نہیں ہوا تہمت لگانے والے ہی جھوٹے اور عذاب و سزا کے مستحق ٹھہرے) اور وہ (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اللہ کے نزدیک بڑے عزت والے (رسول) تھے (اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں تہمت سے بری ثابت و ظاہر فرمادیا جیسا کہ دوسرے نبیوں علیہم السلام کے لئے بھی عزت و مرتبہ اور تہمتوں سے بری و پاک ہونا عام ہے، مطلب یہ کہ تم رسول کو ان کی مخالفت اور نافرمانی کر کے ایذا مت دینا کہ وہ اللہ کی بھی مخالفت اور نافرمانی ہے، ورنہ تمہیں ہی نقصان ہوگا، بلکہ ہر امر میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرنا، جس کا آگے حکم کیا جاتا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (یعنی ہر معاملہ میں اس کی اطاعت کرو) اور (خاص طور سے کلام کرنے اور بات کہنے میں اس کا بہت لحاظ و رعایت رکھو کہ جب بات کرنی ہو) ٹھیک (ٹھیک) بات کہو (جس میں سچائی یعنی انصاف اور اعتدال سے نہ بڑھو) اللہ تعالیٰ (اس کے بدلہ میں) تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا (کچھ ان اعمال کی برکت سے اور کچھ توبہ کی برکت سے جو تقویٰ اور قول سدید یعنی ٹھیک بات میں داخل ہے) اور (یہ مذکورہ نتائج و ثمرات اطاعت پر ہیں اور طاعت وہ چیز ہے کہ) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دینے اور انہیں بری ثابت کرنے کا قصہ جو خود جناب رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ بخاری وغیرہ میں اس طرح ہے: بنی اسرائیل جہالت کے غلبہ کی وجہ سے سب کے سامنے بالکل ننگے ہو کر نہایا کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ سب سے ہٹ کر کسی اوٹ میں غسل فرماتے تھے جیسا کہ

شرعی حکم ہے۔ تو بنی اسرائیل نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ان کے بدن میں کوئی عیب یا مرض ضرور ہے، اس لئے یہ سب کے سامنے بدن نہیں کھولتے، اس بات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا پہنچتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اس عیب سے آپ کو بری کرنا منظور ہوا۔ ایک بار آپ نے تنہائی میں کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیئے اور غسل کرنے لگے، اللہ کے حکم سے وہ پتھر کپڑوں سمیت وہاں سے چل پڑا۔ آپ اپنے کپڑے اٹھانے کے لئے اس پتھر کے پیچھے دوڑنے لگے، آپ کو گمان تھا کہ یہاں خالی میدان میں کوئی آدمی نہ ہوگا، لیکن اتفاق سے بنی اسرائیل کے لوگوں کا ایک مجمع وہاں موجود تھا، وہ پتھر اس مجمع کے پاس پہنچ کر رکا اور سب نے سر سے پاؤں تک آپ کو دیکھ لیا کہ آپ کے جسم میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں ہے، پھر آپ نے کپڑے پہن لئے اور اس وقت سرمد کا یہ قول پوری طرح صادق آگیا:

پوشاند لباس ہر کرا عجب دید بے عیباں را لباس عریانی داد

ترجمہ: یعنی لباس اس کو پہنایا جس پر عیب دیکھا۔ بے عیب لوگوں کو عریانی کا لباس دیدیا۔

اس قصہ میں موسیٰ علیہ السلام پر تو اس لئے اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اس میں آپ کے اختیار کو کوئی دخل نہیں تھا، اور اللہ تعالیٰ پر اس لئے اعتراض نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی قانون کے محکوم نہیں ہیں، اور یہاں تو موسیٰ علیہ السلام کو بری کرنے کی حکمت بھی ظاہر ہے۔ اور خود بری ظاہر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ نبی سے کسی کو نفرت نہ ہو جو کہ طبعی طور پر اتباع و اقتداء کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے یہ قصہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا: فَلذَٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَىٰ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ﴾ یعنی ”اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جنہوں نے موسیٰ کو ایذا دی تھی“ لہذا یہ قصہ تو یقینی طور پر اس آیت کی تفسیر ہے، اگر باقی دوسرے قصہ بھی ایذا کے عموم میں شامل کر لئے جائیں اور اس کے خاص ہونے کو مثال کے طور پر مان لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس قصہ کے تفسیر ہونے کا انکار کرنا صحیح نہیں۔

اور تقویٰ و طاعتوں کے شعبوں میں قول سدید کو جو کہ زبان کے ذریعہ کی جانے والی طاعت ہے۔ شاید اس لئے خاص کیا ہو کہ اکثر لوگ اس کو سہل اور آسان سمجھتے ہیں، یا اس لئے ہو کہ وہ ایذا میں زیادہ صریح اور زیادہ قبیح ہوتا ہے اور کثرت سے واقع بھی ہوتا ہے اور یصلح، مستقبل کے معنی میں تقویٰ اور ٹھیک بات کے مطابق قرار دینے پر ظاہر ہے کیونکہ عمل کا مقبول ہونا جن شرطوں پر موقوف ہے، وہ سب تقویٰ کے جز ہیں، جب کبھی عمل کی مقبولیت میں خلل واقع ہوگا، لازمی طور پر اس میں تقویٰ کا کوئی جز مفقود ہوگا۔

اور ﴿لَا تَكُونُوا﴾ سے یہ لازم نہیں آتا کہ کبھی مسلمانوں نے قصداً ایسا کیا ہو۔ بلکہ ہمیشہ احتیاط رکھنے کا حکم ہے، جیسا کہ میرے ترجمہ سے ظاہر ہے اور حدیثوں میں جو بعض لوگوں کے قصے آئے ہیں، وہ یا تو منافقوں کے قصے ہیں یا بعض ایسے مسلمانوں کے جو مزاج کو نہیں پہنچاتے تھے اس لئے اپنے اقوال کے ایذا پہنچانے والا ہونے کا خیال نہ ہوا ہوگا۔

﴿ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ ﴾

ترجمہ: ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سو انہوں نے اُس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اُس کو اپنے ذمہ لے لیا۔ وہ ظالم ہے جاہل ہے۔ انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافقین و منافقات اور مشرکین و مشرکات کو سزا دے گا۔ اور مؤمنین اور مؤمنات پر توجہ فرمائے گا اور اللہ غفور رحیم ہے۔

رابطہ: اوپر آیتوں میں اللہ و رسول کی اطاعت کا واجب ہونا اور مخالفت و نافرمانی کے حرام ہونے کا ذکر ہے۔ بلکہ پوری سورت اسی مضمون کی شرح ہے کیونکہ جیسا کہ تمہید میں ذکر ہوا ہے، سورت کے مقاصد میں سب سے عظیم مقصد رسول اللہ ﷺ کی عظمت بزرگی اور احترام کا واجب ہونا اور ایذا اور تکلیف پہنچانے کا حرام ہونا ہے، اور یہ بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کے واجب ہونے اور اللہ اور رسول کی مخالفت کے حرام ہونے کا ایک تعبیری عنوان ہے، اب اسی حرام اور واجب ہونے کی تاکید اور تقویت کے لئے سورت کے خاتمہ میں انسان کا احکام کا مکلف ہونا اور انہیں امانت کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کے حق ادا کرنے والوں پر عنایت اور اسے ضائع کرنے والوں کا عذاب کا مستحق ہونا بیان فرماتے ہیں۔

احکام کا مکلف ہونا اور طاعتوں اور گناہوں کے نتائج:

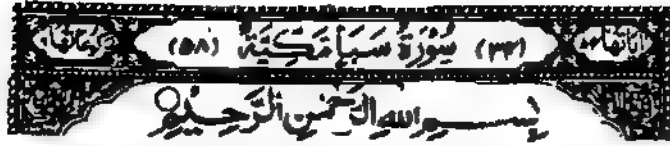
ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو امانت کے درجہ میں ہیں) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی (یعنی ان میں کچھ شعور پیدا کر کے جو کہ اب بھی ہے ان کے سامنے اپنے احکام اور ماننے کی صورت میں اس پر انعام و اکرام) اور نہ ماننے کی صورت میں اس پر عذاب اور رنج و تکلیف پیش کر کے ان کو لینے نہ لینے کا اختیار دیا اور اس پیش کرنے کا حاصل یہ تھا کہ اگر تم ان احکام کو اپنے ذمہ لیتے ہو تو ان کے مطابق عمل کرنے کی صورت میں تمہیں ثواب ملے گا اور خلاف ریزی کرنے کی صورت میں عذاب ہوگا اور اگر نہیں لیتے تو مکلف نہیں بنائے جاؤ گے اور ثواب و عذاب کے بھی مستحق نہ ہو گے تمہیں دونوں اختیار ہیں کہ اس کو نہ لینے سے نافرمان قرار نہیں پاؤ گے جس قدر ان میں شعور تھا وہ مختصر انداز میں اس مضمون کو سمجھ لینے کے لئے کافی تھا۔ چونکہ انہیں اختیار بھی دیا گیا تھا) تو انہوں نے عذاب کے خوف کے سبب ثواب کے احتمال سے بھی ہاتھ اٹھا دیئے اور) اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس (کی ذمہ داری) سے ڈر گئے (کہ اللہ جانے کیا انجام ہو اور اگر وہ اپنے ذمہ لے لیتے تو انسان کی طرح انہیں بھی عقل عطا کی جاتی جس پر احکام، ثواب اور عذاب و سزا کا سمجھنا موقوف ہے چونکہ انہوں نے اس کو منظور نہیں کیا اس لئے عقل کی بھی ضرورت نہیں ہوئی، غرض انہوں

نے تو عذر کر دیا) اور جب ان یعنی آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے بعد انسان کو پیدا کر کے اس سے یہی بات کہی گئی تو انسان نے (اس وجہ سے کہ اللہ کے علم میں اس کا خلیفہ ہونا مقرر تھا) اس کو اپنے ذمہ لے لیا (غالباً اس وقت تک اس میں بھی ضرورت کے مطابق اتنا ہی شعور ہوگا اور غالباً یہ پیش کرنا اخذ میثاق یعنی عہد لینے سے پہلے ہوگا اور وہ عہد اسی عمل کی فرع ہے اور اس عہد کے وقت اس کو عقل عطا کی گئی ہوگی۔ اور یہ کسی خاص انسان جیسے آدم علیہ السلام سے نہیں لیا گیا بلکہ عہد لینے کی طرح یہ پیش کرنا بھی عام ہوگا۔ اور لازم کرنا عام تھا، لہذا آسمان اور زمین اور پہاڑ مکلف نہیں ہوئے، اور انسان کو مکلف بنادیا گیا۔ آیت میں غالباً اس حکمت کے تحت یاد دلایا گیا ہے، جیسے عہد یاد دلایا۔ یعنی ان احکام کو تم نے خود اپنے ذمہ لیا ہے تو پھر ان کو نباہنا چاہئے، اور چونکہ جن بھی مکلف ہیں، اس لئے غالباً وہ بھی اس پیش کرنے اور ذمہ داری لینے میں شریک ہیں، مگر صرف انسان کا ذکر خاص طور سے اس لئے کیا گیا ہے کہ اس مقام میں کلام ان سے ہو رہا ہے۔ پھر اس لازم قرار پانے کے بعد اکثر افراد کے اعتبار سے انسان کی یہ حالت ہوئی کہ وہ (انسان عملی کاموں میں) خالم ہے اور (عملی کاموں میں) جاہل ہے یعنی دونوں امور میں اعمال میں بھی اور عقائد میں بھی خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ حالت تو اکثر افراد کے اعتبار سے ہے، باقی مجموعہ کے اعتبار سے اس ذمہ داری کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے گا (کہ یہ لوگ احکام کو ضائع کرنے والے ہیں) اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں پر توجہ (اور رحمت) فرمائے گا اور (مخالفت اور نافرمانی کے بعد بھی اگر کوئی اس سے باز آجائے تو پھر اس کو بھی مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی جماعت میں شامل کر لیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے، رحم فرمانے والے ہیں۔

فائدہ: احکام کو امانت سے تشبیہ دینا اس کے حقوق کی ادائیگی واجب ہونے کی بنیاد پر ہے اور عذاب اور رحمت کا ذمہ داری لینے کا انجام ہونا اس کو ضائع کرنے اور طاعت کے واسطے سے ہے اور اس آیت کی جو تفسیر اختیار کی گئی ہے، اس پر کلام کو حقیقت پر محمول کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام عقلی و نقلی اشکالوں سے محفوظ ہے۔

﴿الحمد للہ! ۲۶ صفر بروز پیر سنہ ۱۳۲۵ھ کو اس سورت کی تفسیر پوری ہوئی﴾





شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابطہ: اس سورت میں یہ مضامین بیان کئے گئے ہیں: سورت کے شروع میں توحید کا بیان ہے، جو کہ کلی امانت کا سب سے عظیم جز ہے اور شرک کے مقابلہ میں ہے اور اس وجہ سے اس کا گذشتہ سورت سے بھی ربط ہے، پھر قیامت کا اثبات اور قدرت کی بعض دلیلوں کا بیان ہے جو کہ قیامت کے امکان کے لئے مفید ہیں، یہ مضمون ۹ ویں آیت تک چلا ہے اور درمیان میں قرآن کا حق ہونا بیان کیا گیا ہے جو قیامت سے متعلق خبر مشتمل ہے، پھر ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ﴾ کی مناسبت سے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر ہے جو اعلیٰ درجہ کے منیب یعنی اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے تھے، پھر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب کے لئے اور پھر اللہ کی طرف متوجہ نہ ہونے پر ڈرانے کے لئے بعض ان لوگوں کا جو اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے یعنی سبا کے کافروں کا ذکر ہے۔ پھر متوجہ ہونے والوں اور متوجہ نہ ہونے والوں میں ابلیس کی پیروی کرنے اور پیروی نہ کرنے کا فرق اور اس کے مسلط کئے جانے کی حکمت اکیسویں آیت تک، پھر دوبارہ توحید کا ذکر اور پھر ﴿مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا خَشْيَةَ اللَّهِ﴾ سے رسالت کا اثبات پھر ﴿وَيَقُولُونَ﴾ سے دوبارہ بحث کا ذکر اور پھر ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ﴾ سے کافروں کے کفر اور فخر کے بارے میں حضور ﷺ کی تسلی اور ان لوگوں کے فخر کے منشا کا باطل ہونا اور ﴿مَّا أَنْفَقْتُمْ﴾ سے کافروں کے بعض نقصانوں کے مقابلہ میں مومنوں کے لئے نفع والا ہونا کہ مقابلہ کے ساتھ اس میں رزق کی وسعت و کشادگی کا مضمون بھی ہے، پھر ﴿يَوْمَ يَنْشُرُهُمْ﴾ سے ایک بار پھر بحث کے مضمون کی طرف واپسی ہے پھر ﴿وَلَا تَأْتِنِي﴾ سے رسالت کی طرف واپسی ہے اور پھر ﴿وَلَوْ تَرَىٰ﴾ سے مذکورہ اصولوں کا انکار کرنے والوں کی عاقبت اور انجام سے اتفاق نہ کرنے کے بیان پر سورت ختم ہے۔

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ الْخَبْرُ فِي الْآخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ يَعْلَمُ مَا يَلْبِغُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْصُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ﴿﴾

ترجمہ: تمام تر حمد اسی اللہ کو سزاوار ہے جس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اسی کو حمد آخرت میں سزاوار ہے۔ اور وہ حکمت والا خبردار ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور جو چیز

اُس میں سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اُس میں چڑھتی ہے اور وہ رحیم غفور ہے۔

توحید:

تمام تعریفیں (حمد و ثنا) اس اللہ کے لائق ہیں کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملکیت ہے (اور جس طرح اس وقت اس کا تعریف کا مستحق ہونا بیان کیا گیا، اسی طرح) آخرت میں بھی تعریف (اور حمد و ثنا) اسی کے لائق ہیں (چنانچہ یہ حقیقت اس طرح ظاہر ہوگی کہ اہل جنت کہیں گے ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا﴾ ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ﴾ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَّقَنَا وَعْدَهُ﴾ وغیرہ) اور وہ حکمت والا (کہ آسمانوں اور زمین میں موجود تمام چیزوں میں فائدے اور محبتیں رکھی ہیں اور وہ) خبردار (بھی) ہے (کہ اُن مصلحتوں اور منافع یعنی فائدوں کو پیدا کرنے سے پہلے سے جانتا تھا۔ پھر انہیں پیدا کر کے آسمانی اور زمینی چیزوں میں رکھ دیا اور وہ ایسا خبردار ہے کہ) وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثال کے طور پر بارش) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (جیسے پٹر پودے وغیرہ) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (مثلاً فرشتے کہ اس سے اترتے ہیں اور اس کی طرف چڑھتے ہیں اور مثال کے طور پر احکام جو نازل ہوتے ہیں، اور اعمال جو چڑھتے ہیں) اور (چونکہ ان سب چیزوں میں جسمانی) یا روحانی منافع و فائدے ہیں اور ان کا تقاضا یہ ہے کہ پورا پورا شکر ادا کیا جائے اور جو کوتاہی کرے وہ سزا کا مستحق ہو، لیکن) وہ (اللہ) رحم کرنے والا (اور) بخشنے والا (بھی) ہے۔ چنانچہ اپنی رحمت سے صغیرہ گناہوں یعنی چھوٹی چھوٹی خطاؤں اور کوتاہیوں کو حسنات یعنی نیکی کے کاموں کی وجہ سے اور کبیرہ گناہوں اور کوتاہیوں کو توبہ سے اور کبھی دونوں کو فضل و مہربانی سے اور جو کوتاہی کفر اور شرک کی حد تک پہنچی ہوئی ہو اس کو ایمان لانے سے معاف فرما دیتا ہے، اس طرح رحمت اسی سے ہے اور مغفرت بھی اسی پر جا کر ختم ہوتی ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ ۖ عَلِيمُ الْغَيْبِ لَا يُغِيبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۚ لِيُجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُجْعَلِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْحِ أَلِيمٍ ۝ وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقُّ ۖ وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُوكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِقْتُمْ كُلٌّ مِّنْكُمْ قُلْ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ أَفَتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۝ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيَّنَّ آيَاتِهِمْ وَمَا خَلَقَهُمْ

مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ نَشَأَ تُخْشَعُ بِهِمُ الْكَارِضُونَ أَوْ تُسْقِطُ عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ﴿٥﴾

ترجمہ: اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آوے گی۔ آپ فرمادیجئے کہ کیوں نہیں؟ قسم اپنے پروردگار عالم الغیب کی! وہ ضرور تم پر آوے گی، اُس سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز بڑی ہے، مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے تاکہ اُن لوگوں کو صلہ دے جو ایمان لائے تھے اور انھوں نے نیک کام کئے تھے ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے متعلق کوشش کی تھی ہرانے کے لئے ایسے لوگوں کے واسطے سختی کا دردناک عذاب ہوگا۔ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو جو کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ خدائے غالب محمود کا راستہ بتلاتا ہے۔ اور یہ کافر کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو ایک ایسا آدمی بتائیں جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم ضرور ایک نئے جنم میں آؤ گے۔ معلوم نہیں اس شخص نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے۔ بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے عذاب اور درد راز گراہی میں ہیں۔ تو کیا انھوں نے آسمان اور زمین کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے آگے اور ان کے پیچھے موجود ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں۔ اس میں پوری دلیل ہے اُس بندہ کے لئے جو متوجہ ہو۔

رابطہ: اوپر توحید کا ذکر تھا۔ اب قیامت کا ذکر ہے کہ توحید کا انکار کرنے والے اس کا بھی انکار کرتے تھے۔ اور یہ کہ توحید کا انکار کرنے والوں کے لئے وہ عذاب کا اصلی وقت بھی ہے اور درمیان میں ﴿سَعَوْفِيْ اٰیَاتِنَا﴾ کے مقابلہ کی مناسبت سے اور اس لئے کہ قیامت کا واقع ہونا قرآن کا مدلول ہے۔ قرآن کے حق ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

بحث کا اثبات:

اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی، آپ فرمادیجئے کہ کیوں نہیں (آئے گی؟) میرے پروردگار کی قسم! جو عالم الغیب (یعنی ڈھکی چھپی و پوشیدہ سب چیزوں کا علم رکھنے والا) ہے وہ تم پر ضرور آئے گی (اور وہ ایسا عالم یعنی علم والا ہے جس کا علم تمام چیزوں کا احاطہ کرنے والا ہے کہ اس (کے علم) سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں (بلکہ سب اس کے علم میں حاضر ہیں) اور نہ کوئی چیز اس (مذکورہ مقدار) سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز (اس سے) بڑی ہے مگر یہ سب (اللہ کے علم کے احاطہ کی وجہ سے) واضح طور سے بیان کرنے والی کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں موجود (لکھی ہوئی) ہے۔

(قیامت سے متعلق کافروں کے کئی شبہ تھے: ایک یہ کہ اگر قیامت آنے والی ہے تو اس کا وقت بتائیے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿آيَاتُنَا مُّسْتَهْجَاةٌ﴾ یعنی ”یہ کب واقع ہوگی؟“ دوسرے یہ کہ جن اجزا کو جمع کر کے ان میں زندگی پیدا کرنا بتایا جاتا ہے، ان کا کہیں نشان بھی نہیں رہے گا، پھر وہ سب جمع کیسے ہوں گے؟ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَقَالُوا لَا تَزِدُّهُمْ إِلَّا عَذَابًا﴾ ان کا کہیں خلیق جدید نہیں ہے یعنی ”جب ہم مٹی میں مل جائیں گے اور ہمارا نشان بھی کہیں نہیں رہے گا تو کیا پھر نئے سرے سے پیدا کر دیئے جائیں گے؟“

غیب کے علم کے اثبات کے اس مضمون سے پہلے شبہ کا جواب ہو گیا کہ اس کا علم حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، لہذا نبی کو اس کا علم نہ ہونے سے اس کا واقع نہ ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ فرمایا ﴿قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ یعنی ”اس کا علم اللہ کو ہے“ اور احاطہ کرنے والے علم کے اثبات کے مضمون سے دوسرے شبہ کا جواب ہو گیا کہ اجزا کے مٹی میں مل جانے اور ہوا میں بکھر جانے کے باوجود وہ ہمارے علم سے خارج نہیں ہوں گے، ہم جب چاہیں گے جمع کر لیں گے جیسا کہ ان کے اس قول ﴿أَيُّدَاؤُنَا وَمَنَايُئُنَا وَكُنُفُهُمْ﴾ یعنی ”جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے“ کے جواب میں فرمایا ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ﴾ یعنی ”ہم جانتے ہیں کہ زمین ان میں سے کتنی کمی کرتی ہے“ تیسرا شبہ استحالة یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانے کا تھا، اس کا جواب آگئے گا ﴿أَفَلَمْ يَرَوْا﴾ الخ۔

اب قیامت کا مقصد بتاتے ہیں کہ وہ قیامت اس لئے آئے گی) تاکہ ان لوگوں کو (نیک) بدلہ دے جو ایمان لائے تھے اور انھوں نے نیک کام کئے تھے (تو) ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور (جنت میں) عزت کی روزی ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے سلسلہ میں (انہیں باطل قرار دینے یا ثابت کرنے کی) کوشش کی تھی (نبی کو) ہرانے کے لئے (اگرچہ اس کوشش میں ناکام ہی رہے) ایسے لوگوں کے واسطے سختی کا دردناک عذاب ہوگا۔

اور (قرآن کی آیتوں کو جھٹلانے پر یہ سزا ہونی ہی چاہئے، کیونکہ اول تو خود قرآن، اللہ کی طرف سے نازل کیا ہوا امر حق ہے اور ایسے امر حق کا جھٹلانا خود حق تعالیٰ کا جھٹلانا ہے، اس پر جتنی بھی سزا ہو بجا و درست ہے۔ دوسرے قرآن سیدھے سیدھے اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین احکام و اعمال کی تعلیم دیتا اور ہدایت کرتا ہے تو جو شخص اس کو نہ مانے گا وہ سیدھے راستہ سے قصد اُدور رہے گا۔ نہ اسے سیدھے سچے عقائد کا پتہ چلے گا نہ نیک اعمال کا اور نجات کا یہی طریقہ تھا، لہذا نجات کے طریقہ سے قصد اُدور رہنے پر سزا ہونا بجا اور غلط نہیں ہے۔

اور قرآن کا حق اور ہدایت دینے والا ہونا ایسا واضح ہے کہ اس کے علاوہ کہ دوسری دلیلوں سے ثابت ہے، اس کے ثبوت کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ (جن لوگوں کو) (آسمانی کتابوں کا) علم دیا گیا ہے، وہ اس قرآن کو جو کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے، ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ اللہ (کی رضا) کا راستہ بتاتا ہے جو غالب ہے،

تعریف کے لائق ہے، اہل کتاب کے علماء کے علم سے اس استدلال کا بیان سورہ شعراء آیت ۱۹ میں گذر چکا ہے۔ اور شاید ان تمام امور میں سے جن پر ایمان لانا فرض ہے، قرآن کے حق ہونے کے بیان کا اہتمام اس لئے فرمایا ہو کہ یہ ان امور پر مشتمل ہے جن پر ایمان لانا فرض ہے، خاص طور سے قیامت کی خبر پر جس کے بارے میں اس موقع پر کلام کیا جا رہا ہے، لہذا اس بنیاد پر حاصل یہ ہوا کہ قیامت کے دن اس قیامت کے جھٹلانے پر بھی سزا ہوگی)

اور (آگے بھر قیامت کا اثبات ہے یعنی) یہ کافر (آپس میں) کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہیں ایک ایسا آدمی بتائیں جو تمہیں یہ (عجیب) خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو (اس کے بعد قیامت میں) تم ضرور ایک نئے جنم میں آؤ گے، معلوم نہیں اس شخص نے اللہ پر (قصداً) جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے (کہ بلا قصد جھوٹ کے بولتا چلا جا رہا ہے، کیونکہ یہ امر تو محال ہے تو اس کے واقع ہونے کی خبر ضرور غلط ہے، چاہے وہ قصداً اور جان بوجھ کر ہو یا خیالوں کے فساد اور خرابی کی وجہ سے ہو۔

حق تعالیٰ خود ان کے ان دونوں خیالوں کو رد فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی تو نہ جھوٹ گھڑنے والے ہیں اور نہ ہی مجنون ہیں) بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے (وہی) عذاب اور بہت دور کی گمراہی میں (جھٹلا) ہیں (اس گمراہی کا اس وقت اثر یہ ہے کہ سچے بھی جھوٹ گھڑنے والے نظر آتے ہیں، اور آخرت میں اس کا اثر یہ ہوگا کہ انہیں عذاب بھگتنا پڑے گا، اور یہ جاہل جو متفرق جماداتی اجزاء کے جمع اور زندہ کرنے کو محال اور قدرت سے باہر کی بات سمجھ رہے ہیں) تو کیا انہوں نے (اللہ کی قدرت کی عظمت کی دلیلوں میں سے) آسمان اور زمین کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے آگے (بھی) اور ان کے پیچھے (بھی) موجود ہیں (کہ جدھر دیکھیں وہ نظر آ رہے ہیں، لہذا ان عظیم اور بڑی بڑی چیزوں کو پہلی بار پیدا کرنے والا، کیا چھوٹی چھوٹی چیزوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ جیسا کہ ارشاد فرمایا ﴿لَخَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ یعنی ”آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے۔

اور حق کی دلیلوں کے واضح ہونے کے باوجود پھر بھی انکار اور عناد کرنے کی وجہ سے تو یہ اس قابل ہیں کہ انہیں ابھی سزا دیدی جائے اور سزا بھی ایسی کہ قدرت کی انہی دلیلوں کو جو استدلال کی صلاحیت کے اعتبار سے بہت عظیم نعمت بھی ہیں، ان کے لئے عذاب دینے کا آلہ اور ذریعہ بنا دیا جائے کہ جس نعمت کی ناشکری ہو اسی نعمت کو عذاب کا ذریعہ بنانے سے سخت حسرت ہوتی ہے اور ہم اس سزا پر بھی قادر ہیں، چنانچہ) اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا (اگر چاہیں تو) ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں (لیکن حکمت کا تقاضا تاخیر کا ہے، اس لئے مہلت دے رکھی ہے۔ غرض ان لوگوں کو استحالہ یعنی شکل و صورت اور خاصیت کے بدل جانے کا وہم دور کرنے کے لئے آسمان و زمین کو دیکھنا اور ان میں غور کرنا چاہئے کیونکہ) اس (مذکورہ دلیل) میں (اللہ کی قدرت کی) پوری دلیل ہے (مگر صرف) اس بندہ کے لئے جو (اللہ کی طرف)

متوجہ (بھی) ہو (اور حق کی طلب بھی رکھتا ہو، یعنی دلیل تو کافی ہے مگر ان کی طرف سے حق کی طلب نہیں ہے، اس لئے حق کی طرف ہدایت سے محروم ہیں)

دوسری تفسیر: اور آیت ﴿اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا يَنْزِلُ مِنْ السَّمَاءِ﴾ سے ﴿كَسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ﴾ تک ایک تفسیر اور بھی آسان اور عمدہ ہے کہ اس کو استدلال نہ کہا جائے بلکہ بحث کا انکار کرنے والوں کے لئے وعید مانا جائے۔ اور دوسرے ﴿اَلَا رَضٰى﴾ اور ﴿السَّمَاءِ﴾ میں ضمیر کی جگہ اصل کو رکھنا کہا جائے یعنی انہیں ڈر نہیں لگتا کہ انہیں جو یہ آسمان اور زمین نظر آرہے ہیں ہم مخالفت اور حکم کی خلاف ورزی یا نافرمانی میں اس زمین میں ان کو دھنسا دیں یا اسی آسمان کو ان پر گرا دیں۔ اور اس امر پر قدرت رکھنے میں جو کہ ﴿اِنْ تَشَا﴾ سے سمجھ میں آتا ہے اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے بندوں کے لئے تو کافی عبرت ہے کہ اس قدرت کے استعمال سے اندیشہ کریں اور انکار سے بچیں۔

﴿وَلَقَدْ اَتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا يٰحَبَالُ اَوْنٰ مَعَهُ وَالتَّيِّبَةُ وَالطَّيِّبَةُ وَآلَتَا لَهُ الْحَمْدُ يٰدَاوُدُ اِنَّا اَعْمَلْنَا لَكَ سَبْعَ مِائَةِ اَلْفَ سَنَةٍ وَفَعَلْنَا فِي السَّعْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ ﴿١﴾ وَلَسٰكُمُنَ الرِّزْقُ غَدُوْهَا شَهْرٌ وَّرَوَّاحُهَا شَهْرٌ وَاَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقُطْرِ وَمِنَ الْجِبِّ مِّنْ يَّغْلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاَذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يُّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٢﴾ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِبٍ وَتَمَاثِيْلٍ وَجِفَانٍ كَاجِبَابٍ وَفُؤَادٍ رَّسِيْطٍ اَعْمَلُوْا اَل دَاوُدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿٣﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهٖ اِلَّا دَابَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنۢ سَعَاتِهٖ ؕ فَلَمَّا خُرْتُبَيِّنَتِ الْجِبُّ اَنْ لُّوْكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُوْهِنِ ﴿٤﴾﴾

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی۔ اے پہاڑ! داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا۔ اور ہم نے اُن کے واسطے لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور جوڑنے میں اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کیا کرو۔ میں تمہارے سب کے اعمال کو دیکھ رہا ہوں۔ اور سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ اس کا صبح کا چلنا مہینہ بھر کی مسافت تھی اور شام کا چلنا مہینہ بھر کی مسافت تھی۔ اور ہم نے اُن کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ اور جنات میں بعضے وہ تھے جو اُن کے آگے کام کرتے تھے، اُن کے رب کے حکم سے۔ اور اُن میں سے جو شخص ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا ہم اُس کو دوزخ کا عذاب چکھا دیں گے۔ وہ جنات اُن کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے جو اُن کو منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن جیسے حوض اور دنگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔ اے داؤد کے خاندان والو تم سب شکریہ میں نیک کام کیا کرو۔ اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں۔ پھر جب ہم نے اُن پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے اُن کے

مرنے کا پتہ نہ بتایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھاتا تھا، موجب وہ گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

رابطہ: اور ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ﴾ میں اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے بندوں کی فضیلت مختصر انداز میں بیان فرمائی تھی۔ اب اس کی تفصیل کے لئے ان میں سے بعض اعلیٰ درجہ کے حضرات یعنی داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں تاکہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا خوش نصیبی کا سرمایہ ہونا معلوم ہو، اور اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور رابطہ کی دوسری توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ اوپر کے ﴿رَجُلٍ يُؤْتِي شُكْرًا﴾ میں کافروں کا رسول مقبول ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا نقل کیا گیا تھا۔ اب دونوں کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ نبوت عطا کرنے کے محال ہونے کا خیال دور ہو۔ اور شاید ان حضرات کا ذکر خاص طور سے اس نکتہ کی وجہ سے کیا ہو کہ دنیاوی سامان سے متعلق ان کے بعض فضائل ظاہری چیزوں تک محدود نظر رکھنے والوں کو بھی محسوس ہو سکتے ہیں، لہذا انکار کی گنجائش نہ رہنے کی وجہ سے پہلے یا دوسرے مقصود پر استدلال پورا ہو جائے۔

داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ:

اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی (چنانچہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ) اے پہاڑ! داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ بار بار تسبیح کرو (یعنی جب یہ ذکر میں مشغول ہوں تو تم بھی ان کا ساتھ دو) اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی حکم دیا (کہ ان کے ساتھ تسبیح کرو، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿إِنَّا مَخْنُوعُونَ لِمَا كُتِبَ عَلَيْنَا مِنَ الْأُمُورِ ۖ وَمَا كُنَّا بِمُعْذِيبَةٍ مِّنْهُنَّ بِغَافِلِينَ﴾) اور (داؤد) کے ساتھ ہم نے پہاڑوں کو مسخر کیا یعنی ان کے تابع کیا کہ رات کو اور صبح کے وقت تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی جمع کر دیا "شاید اس میں ایک حکمت یہ ہو کہ انہیں ذکر میں خوشی ہوگی اور یہ بھی حکمت ہو کہ آپ کا ایک معجزہ ظاہر ہوگا اور غالباً یہ تسبیح ایسی ہوگی جو سننے والوں کی سمجھ میں آئے، سمجھ میں نہ آنے والی تسبیح تو عام ہے، اس میں داؤد کا ساتھ ہونے کی کیا خصوصیت ہے؟ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ ۚ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ یعنی "کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح اور حمد نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو" اور (ایک نعمت یہ دی کہ) ہم نے ان کے واسطے لوہے کو (موم کی طرح) نرم کر دیا (اور یہ حکم دیا) کہ تم (اس لوہے کی اچھی) پوری زر ہیں بناؤ اور (کڑیوں کے) جوڑنے میں (مناسب) انداز (کا خیال) رکھو اور (جیسے ہم نے تمہیں نعمتیں دی ہیں، ان کے شکر میں) تم سب (یعنی داؤد اور ان سے تعلق رکھنے والے) نیک کام کیا کرو، میں تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہوں (اس لئے رعایت اور حدود کا پورا اہتمام رکھو)

اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا کو تابع کر دیا کہ اس (ہوا) کا صبح کا چلنا مہینہ بھر کی مسافت تھی اور (اسی طرح)

اس کا شام کا چلنا مہینہ بھر کی مسافت تھی (یعنی ہوا سلیمان علیہ السلام کو اتنی اتنی دور پہنچا دیتی تھی جیسا کہ فرمایا ﴿فَكَهْزَا لَهُ الْيَوْمِ تَجْزِي بِأَمْرِ﴾ یعنی ہم نے ہوا کو ان کے حکم کے تابع کر دیا) اور (انہیں ایک نعمت یہ دی تھی کہ) ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا (یعنی تانبے کو اس کی کان میں پتلا بہتا ہوا کر دیا تاکہ اس سے بغیر آلات اور مشینوں کے طرح طرح کی چیزیں بنانے میں آسانی ہو، پھر وہ جم جاتا تھا، یہ بھی ایک معجزہ ہے) اور (ایک نعمت یہ تھی کہ ہم نے جنوں کو ان کے تابع کر دیا تھا۔ چنانچہ) جنات میں بعض وہ تھے جو ان کے رب کے (تابع بنانے کے) حکم کی وجہ سے ان کے آگے (طرح طرح کے) کام کرتے تھے (یعنی چونکہ پروردگار نے انہیں تابع کر دیا تھا) اور (تسخیر یعنی تابع کرنے کے ساتھ شرعی قانون کا حکم بھی وعید سمیت یہ دیا تھا کہ ان میں سے جو شخص ہمارے (اس) حکم سے (کہ سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کرو) منہ پھیرے گا (یعنی خوشی و رضا کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے کام نہ کرے گا، چاہے ان کے تابع ہونے کی وجہ سے سلیمان علیہ السلام ان سے زبردستی کام لینے پر قادر ہوں گے، جیسے بے گار کرنے والوں سے کام لیا جاتا ہے تو) ہم اس کو (آخرت میں) جہنم کا عذاب چکھائیں گے (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو تسلیم و اطاعت سے کام کرے گا، اور پوری خوشی و رضا کے ساتھ اطاعت یہ ہے کہ ایمان بھی اختیار کرے کیونکہ ہر نبی اپنے مظلوموں کو اس کا حکم دیتا ہے تو بغیر اس کے پوری اطاعت نہیں، لہذا حاصل یہ کہ جو جن ایمان اور اطاعت اختیار کرے گا وہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہے گا، جیسا کہ ایمان کا تقاضا ہے۔

آگے ان کاموں کو بتاتے ہیں جن پر جنوں کو مقرر کیا گیا تھا (یعنی وہ جنات ان کے لئے وہ چیزیں بناتے تھے جو انہیں (بنوانا) منظور ہوتا۔ بڑی بڑی عمارتیں اور تصویریں اور لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اور (بڑی بڑی) دکنیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں (ہلانے سے ہل بھی نہ سکیں، اور ہم نے انہیں یہ حکم دیا کہ جس طرح ہم نے تمہیں نعمتیں دی ہیں) اے داؤد کے خاندان والو! یعنی سلیمان اور ان سے تعلق رکھنے والو!) تم سب (ان نعمتوں کے) شکریہ میں نیک کام کیا کرو، اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہی ہوتے ہیں (اس لئے شکر ادا کرنے سے جس کا مقصود نیک عمل ہے، تمہیں بہت ساری مخلوقوں پر امتیاز ہو جائے گا، لہذا اس جملہ میں شکر اور نیک عمل کی ترغیب ہو گئی۔ جیسے داؤد علیہ السلام کو بھی ﴿اعْمَلُوا صَالِحًا﴾ کا حکم ہوا تھا اور اسی طرح وہاں پہاڑوں اور پرندوں کو تابع بنایا تھا اور یہاں ہوا اور جنات کو تابع بنانے کا ذکر ہوا اور وہاں لوہے کو نرم کرنا تھا یہاں تانبے کو نرم کرنے کا ذکر ہے۔

غرض زندگی بھر سلیمان علیہ السلام کے سامنے جنات کا یہ معاملہ رہا) پھر جب ہم نے ان پر (یعنی سلیمان علیہ السلام پر) موت کا حکم جاری کر دیا (یعنی وہ انتقال فرما گئے) تو (موت اس طرح واقع ہوئی کہ ان جنات کو خبر نہیں ہوئی۔ ہوا یہ کہ سلیمان علیہ السلام موت کے وقت عصا کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اور اسے ٹھوڑی کے نیچے لگا کر تخت پر بیٹھ گئے اور اسی

حالت میں روح قبض ہوگئی اور اس طرح سال بھر تک بیٹھے رہے، جنات آپ کو بیٹھا دیکھ کر زندہ سمجھتے رہے۔ رعب کی وجہ سے یہ کسی کی مجال نہیں تھی کہ کوئی پاس جا کر یاد دہیان سے نظر جما کر دیکھ پاتا اور زندہ سمجھ کر برابر کام کرتے رہے اور کسی چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتایا، سوائے گھن کے کیڑے کے کہ وہ سلیمان (علیہ السلام) کے عصا کو کھاتا تھا (یہاں تک کہ اس کا ایک حصہ کھا لیا تو وہ عصا گر پڑا۔ اس کے گرنے سے سلیمان علیہ السلام گر پڑے) تو جب وہ گر پڑے (اور گھن کے کھانے کے اندازہ سے حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ انہیں تو وفات پائے ہوئے ایک سال ہو گیا) تب جنات کو (اپنے غیب کے جاننے کے دعویٰ کی) حقیقت معلوم ہوئی (وہ یہ) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو (سال بھر تک) اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے (مراد مشقت و تکلیفوں سے بھرے اعمال ہیں جن میں حکومت کی وجہ سے ذلت بھی اور مشقت کی وجہ سے مصیبت بھی)

فائدہ: زرہ میں مناسب اندازہ کا مطلب یہ کہ کڑیاں نہ بہت بڑی ہوں نہ بہت چھوٹی۔ نہ بہت پتلی ہوں نہ بہت موٹی۔ یہ حکم اس لئے فرمایا کہ زرہ سے جو غرض ہے وہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور تماثل یعنی تصویروں کا بنانا ممکن ہے اس شریعت میں جائز ہو اور ہماری شریعت میں وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یا یہ کہ وہ تصویریں جانداروں کی نہیں بلکہ درختوں وغیرہ کی ہوں جیسا کہ زخشری نے کہا ہے۔ اور ﴿مِنَ الْجِبِّ﴾ کے ترجمہ میں لفظ ”مِن“ بعض کے لئے اختیار کرنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ ساری دنیا کے جن تابع نہ ہوں صرف ضرورت کے مطابق جنات کو تابع کیا گیا ہو۔ یا تابع سب ہوں مگر کام کا حکم بعض کو دیا گیا ہو، باقی کے عمل کی ضرورت نہ پیش آئی ہو۔ اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے ساتھ ان سے تعلق رکھنے والوں کو مذکورہ نعمتوں کے شکر کا کام فرمانا اس لئے ہے کہ ان نعمتوں کا نفع انہیں بھی پہنچتا تھا چاہے وہ فائدہ محسوس ہونے والا ہو یا محسوس نہ ہونے والا ہو، جس پر انعام کیا گیا ہو، اس سے نسبت کا کم سے کم درجہ ہی سہی۔ اور سلیمان علیہ السلام کی موت کو پوشیدہ رکھنے میں دنیاوی مصلحت یہ تھی کہ ضروری کام پورے ہو جائیں اور دینی مصلحت یہ تھی کہ مخلوق، جنوں کو غیب کا علم ہونے کی غلطی خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور اگرچہ جنوں کو پہلے سے بھی اپنے علم غیب کی نفی کا حال معلوم تھا، مگر یہاں یہ مقصود ہے کہ پہلے تو اپنے ہی دلوں میں جانتے تھے مگر اوروں سے چھپاتے تھے اور انہیں بہکاتے تھے، آج وہ جاننا ایسا سب کے سامنے آیا کہ کسی کے سامنے دعویٰ کرنے کا منہ نہیں رہا، لہذا ﴿تَبَيَّنَتْ﴾ سے مراد حقیقت کا واضح طور پر سامنے آنا ہے نہ کہ مطلق حقیقت کا سامنے آنا۔

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَرِمَآيَةٍ جَنَّاتٍ عَنْ تَمِيمٍ وَشِمَالٍ كُلُّوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلَدًا طَيِّبَةً وَرَبُّ غَفُورٌ ۖ فَاعْرَضُوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِم سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ اُكُلٍ خَشَنٍ وَ اَثَلٍ وَّشَنَىٰ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۚ ذٰلِكَ جَزَاؤُهُم بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ يُعْزِزُنِي اِلَّا الْكَافُرُوْۤهٖ ۝۱۰﴾

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لِيُبَيِّنَ لَكُمْ آيَاتُنَا وَتُعَلِّمُوا اُنْفُسَكُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَرِّقٍ ۝۱۸۰ فِي ذَلِكَ لَا يَتِ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝۱۸۱

ترجمہ: سبا کے لئے اُن کے وطن میں نشانیاں موجود تھیں، دو قطاریں تھیں باغ کے واسطے اور بائیں۔ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اُس کا شکر کرو۔ عمدہ شہر اور بخشنے والا پروردگار! سو انھوں نے سرتابی کی توہم نے اُن پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا۔ اور ہم نے اُن کے اُن دورو یہ باغوں کے بدلے اور دو باغ دیدئے جن میں یہ چیزیں رہ گئیں بد مزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل پیری۔ اُن کو یہ سزا ہم نے اُن کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے اُن کے اور اُن بستیوں کے درمیان میں جہاں ہم نے برکت کر رکھی ہے بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو نظر آتے تھے اور ہم نے اُن دیہات کے درمیان اُن کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا کہ بے خوف و خطر اُن میں راتوں کو اور دنوں کو چلو۔ سو وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں میں درازی کر دے اور انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ سو ہم نے اُن کو افسانہ بنادیا اور اُن کو بالکل بخر کر دیا۔ بیشک اس میں ہر صابر و شاکر کے لئے بڑی بڑی عبرتیں ہیں۔

رابطہ: اوپر اللہ کی طرف توجہ کی برکتیں اور ثمرات ظاہر کرنے کے لئے بعض توجہ کرنے والے حضرات کا ذکر تھا۔ اب توجہ نہ کرنے اور احکام سے منہ پھیرنے کی نا اتفاقی اور وبال کو ظاہر کرنے کے لئے بعض منہ پھیرنے والوں یعنی سبا کے کافروں کا قصہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے مخالفوں کو عام طور سے اور کافروں کو خاص طور سے ڈر اور خوف ہو، اور شاید سبا کی خصوصیت اس وجہ سے ہو کہ یہ لوگ عرب ہیں۔ ان کے حال سے مکہ کے کافروں پر جو قرآن کے سب سے پہلے مخاطب ہیں زیادہ اثر ہو سکتا ہے اور صاحب روح کے بقول اہل مکہ میں اہل سبا اور ان کا قصہ مشہور بھی تھا۔ ان کے قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ سبا ایک شخص کا نام تھا پھر اس کے تمام خاندان کو سبا کہنے لگے، اس خاندان کے بہت سے قبیلے ملک یمن کے شہر مارب میں رہتے تھے اور ان کی سلطنت بھی تھی، بعض سلطان اچھے بھی ہوئے، اور بعض بتوں کے بچاری تھے، کسی بادشاہ نے برسات کا پانی روکنے کے لئے ایک مضبوط بند تیار کیا تھا جس کی لمبائی کئی میل کی تھی۔ دور دور کا پانی وہاں جمع ہوتا اور اس سے جو چھوٹی چھوٹی شاخیں اور نہریں نکالی گئی تھیں، ان کے ذریعہ سے سال بھر تک کھیتوں اور باغوں میں سیچائی کی جاتی تھی اور باغ سڑکوں کے دونوں طرف کئی کئی منزلوں تک چلے گئے تھے اور کئی منزلوں تک یہاں تک کہ ایک قول کے مطابق شام تک اور ایک قول کے مطابق صبح تک جو مارب سے تین منزل کے فاصلہ پر پاس پاس بستیاں چلی گئی تھیں کہ مسافر جہاں چاہتا جس وقت چاہتا ٹھہر جاتا اور ہر جگہ کھانے پینے کا سامان مل سکتا تھا اور آبادیوں کے ایک دوسرے سے قریب ہونے کی وجہ سے ہر طرح کا امن بھی تھا اور اس ملک کی آب و ہوا بھی نہایت صاف ستھری و پاکیزہ تھی،

مگر جب لوگوں نے شکر اور اطاعت کے بجائے ناشکری اور نافرمانی شروع کی تو ان پر سزا و عذاب کا وقت آیا، چنانچہ ایک بار وہ بند ٹوٹ گیا، بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ نے چھوٹے کو اس بند پر مسلط کر دیا تھا، اس نے بند میں سوراخ کر دیا، پھر سیلاب کی وجہ سے وہ سوراخ بڑا ہو گیا اور ساری آبادی اور باغوں کو غرق کر دیا۔ اور جب پانی خشک ہوا تو ان باغوں کی جگہ کچھ جھاڑ جھنکار رہ گئے اور سارے ملک والے بھی کچھ ہلاک ہو گئے اور کچھ پریشان ہو کر ادھر ادھر چلے گئے اور بکھر گئے۔ چنانچہ از دیمان، از دسراۃ، کندہ، مذحج، اشعریین، انمار، بحیلہ، عاملہ، غسان، خم، جذام، قضاعہ، خزاعہ، آل ہفصہ، شعبہ، غسان، اوس، خزرج آل مالک بن فہم، آل عمرو، آل جذیمہ، ابرش، اہل حیرہ، اور آل محرق یہ سب سبا کے قبائل ہیں جو عمان، سراۃ، مدینہ، تہامہ، مکہ، شام، اجا، سلمیٰ اور عراق میں بکھر گئے یہاں تک کہ مثال کے لئے عرب کا محاورہ ہو گیا: تفرقوا اہلہدی سبا: یعنی ”سبا کے لوگ بکھر گئے“ اور عرم کے سیلاب کا واقعہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا۔ اور بعض روایتوں میں ان کی طرف تیرہ نبیوں کے تشریف لانے کا ذکر ہے، تو وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے آئے تھے، جن کی تعلیم نقل ہوتے ہوئے ان لوگوں تک چلی آرہی ہوگی، جن پر وہ عذاب آیا کہ جب مہلت کی حد ہو گئی تو قہر نازل ہو گیا جیسا کہ فتح المنان الروح اور الدر المنثور سے خلاصہ کے طور پر نقل کیا گیا ہے۔

سبا کے کافروں کا قصہ:

سبا (کے لوگوں) کے لئے (خود) ان کے وطن (کی مجموعی حالت) میں (اللہ کے احکام کی اطاعت کے واجب ہونے کی) نشانیاں موجود تھیں (ان میں سے ایک نشانی) باغ کی دو قطاریں تھیں (ان کی سڑک کے) دائیں اور بائیں (یعنی ان کے سارے علاقہ میں دونوں طرف ایک دوسرے سے ملے ہوئے باغ چلے گئے تھے کہ جس میں آمدنی بھی بہت زیادہ اور پھل بھی اتنے زیادہ کہ ختم کرنے سے ختم نہ ہوں، سایہ بھی، رونق بھی، ہم نے نبیوں اور نصیحت کرنے والوں کے واسطے سے انہیں حکم دیا کہ) اپنے رب کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ، اور (کھا کر) اس کا شکر کرو (یعنی اطاعت کرو کہ دو قسم کی نعمتیں اطاعت کا تقاضا کرتی ہیں: ایک دنیاوی کہ رہنے کے لئے عمدہ شہر اور) ایک آخرت کی کہ ایمان اور طاعت کی صورت میں اگر کچھ کوتاہی ہو جائے تو گناہوں کو معاف کرنے کو) بخشے والا پروردگار (لہذا ایسا تقاضا ضرور پورا ہونا چاہئے) تو (اس پر بھی) وہ (اس حکم سے) منہ موڑ گئے (شاید یہ لوگ سورج کی پوجا کرنے والے بھی ہوں جیسے بعض کے بارے میں سورہ نمل میں ہے ﴿وَجَدْتُمُهَا وَاقُوتَهَا يُجِدُونَ لَهَا﴾ یعنی ”میں نے اس یعنی بلقیس کو اور اس کی قوم کو ایسا پایا کہ وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں“) تو ہم نے (ان پر اپنا قہر اس طرح نازل کیا کہ) ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا (یعنی جو سیلاب بند سے رکا رہتا تھا، اس بند کے ٹوٹ جانے سے اس سیلاب کا پانی چڑھ آیا، جس سے ان کی سڑک کے دونوں طرف کے سارے باغ غارت ہو گئے) اور ہم نے ان کے دونوں طرف کے باغوں کے بدلے دو اور باغ دیدیئے جن

میں یہ چیزیں رہ گئیں: بد مزہ پھل اور جھاڑ اور کچھ تھوڑی پیری (وہ انسانوں کی لگائی ہوئی نہیں بلکہ جنگلی خود سے اُگ آنے والی جن میں کانٹے بہت زیادہ اور پھلوں میں ذائقہ وغیرہ بالکل نہیں ہوتا) ہم نے انہیں یہ سزا ان کی ناشکری کے سبب سے دی۔ اور ہم ایسی سزا بڑی ناشکری کرنے والوں کو ہی دیا کرتے ہیں (ورنہ معمولی خطاؤں پر تو ہم معاف ہی کرتے رہتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ کفر سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی جس میں وہ مبتلا تھے)

اور (وہاں رہنے والوں کے لئے اس عام نعمت کے علاوہ جس کا ذکر کیا گیا ایک اور خاص نعمت سفر سے متعلق تھی، وہ یہ کہ) ہم نے ان کے اوزان، بستیوں کے درمیان میں جہاں ہم نے (پیداوار وغیرہ کے اعتبار سے) برکت کر رکھی ہے بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو (سڑک سے) نظر آتے تھے (کہ مسافروں کو سفر میں بھی وحشت نہ ہو، اور وہ کہیں ٹھہرنا چاہیں تو وہاں جانے میں تکلف اور پریشانی بھی نہ ہو) اور ہم نے ان دیہاتوں کے درمیان میں ان کے چلنے کا ایک خاص اندازہ رکھا تھا (یعنی ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک چال کے حساب سے ایسا مناسب فاصلہ رکھا تھا کہ سفر کے دوران عادت کے مطابق آرام کرنے کے موقعوں پر کوئی نہ کوئی گاؤں مل جاتا، جہاں کھاپی سکیں اور آرام کر سکیں) کہ ان میں بے خوف و خطر (چاہو) رات کے وقت اور (چاہو) دن کے وقت چلو (یعنی نہ راستہ میں لوٹنے والوں کا کہ پاس پاس گاؤں تھے اور نہ ہی کھانے پینے کے سامان اور سفر کے خرچ کے میسر نہ ہونے کا کہ ہر جگہ ہر سامان ملتا تھا) تو (انھوں نے ان نعمتوں کا جیسے اصلی شکر کرنا چاہئے تھا یعنی اللہ کی اطاعت نہیں کی، ایسے ہی ظاہری شکر گزاری یعنی اللہ کی نعمتوں کو غنیمت سمجھنا اور اس کی قدر کرنا وہ بھی نہیں کیا۔ چنانچہ) وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! (ایسے پاس پاس آبادیاں ہونے سے سفر کرنے میں مزہ نہیں آتا۔ مزہ تو اسی میں ہے کہ کہیں سفر کا خرچ ختم ہو گیا، کہیں پیاس لگ رہی ہے اور پانی نہیں ملتا، شوق ہے انتظار ہے کہیں چوروں کا اندیشہ ہے، نوکر پہراہ دے رہے ہیں، ہتھیار بندھے ہوئے ہیں جیسے بنی اسرائیل من و سلوی سے اکتا گئے تھے، اور ساگ پات و گلزی، لہسن اور مسور کی درخواست کی تھی اور اس موجودہ حالت میں ہمیں اپنی مالدار کی اظہار کا موقع بھی نہیں ملتا۔ امیر و غریب سب ایک ساتھ اور ایک ہی طرح سفر کرتے ہیں یوں جی چاہتا ہے کہ) ہمارے سفروں کے درمیان میں دوری (اور فاصلہ) کر دے (یعنی بیچ کی آبادیاں اجاڑ دے کہ منزلوں میں خوب فاصلہ ہو جائے) اور (اس ناشکری کے علاوہ) انھوں نے اپنی جانوں پر (اور بھی نافرمانیاں کر کے) ظلم کیا تو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور انہیں بالکل بکھیر دیا (یا تو اس طرح کہ بعض کو ہلاک کر دیا کہ ان کے قصے ہی رہ گئے اور بعض کو پریشان کر دیا اور یا ان نعمتوں کے دینے کے تعلق سے ہی افسانہ ہو گئے۔ یعنی وہ ساری نعمتیں اور سہولتیں جاتی رہیں، اور یا اس معنی میں کہ ان کی حالت کو مہرت بنا دیا۔ غرض ان کے رہنے کی جگہیں، بیسیاں اور باغات بھی اور وہ پاس پاس کے گاؤں سب ویران ہو گئے) بیشک اس (قصہ) میں ہر ممبر کرنے والے، شکر کرنے والے (یعنی مومنوں) کے لئے بڑی بڑی عبرتیں ہیں۔

فائدہ: ﴿بِرُكْنًا فِيهَا﴾ کے ترجمہ میں جو وغیرہ کہا ہے تو اگر شام کے گاؤں مراد ہوں تو اس میں دینی برکتیں مراد ہیں، کیونکہ شام نبیوں کے رہنے کا ملک رہا ہے اور اگر صنعا کے گاؤں مراد ہوں تو نہریں اور پیڑ پودے اور پھول وغیرہ مراد ہیں۔

﴿وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا قَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُّؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۚ وَرَبُّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝﴾

ترجمہ: اور واقعی ابلیس نے اپنا گمان ان لوگوں کے بارے میں صحیح پایا کہ یہ سب اُسی راہ ہوئے مگر ایمان والوں کا گروہ۔ اور ابلیس کا ان لوگوں پر تسلط بجز اس کے اور کسی وجہ سے نہیں کہ ہم کو ان لوگوں کو جو کہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے معلوم کرنا ہے جو اُس کی طرف سے شک میں ہیں اور آپ کا رب ہر چیز کا نگران ہے۔

رابط: اوپر اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے اور متوجہ نہ ہونے والے بعض لوگوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب مطلق متوجہ ہونے والوں اور متوجہ نہ ہونے والوں میں ابلیس کا اتباع کرنے اور اتباع نہ کرنے کے موجودہ اور آخرت کے فرق اور اس کے مسلط کرنے کی حکمت بیان فرماتے ہیں۔ اور ان میں سے متوجہ ہونے والوں کی فضیلت اور متوجہ نہ ہونے والوں کی مذمت پر بھی دلالت ہوگئی کہ متوجہ ہونے والے ایسے بڑے بہکانے اور گمراہ کرنے والے سے بچتے ہیں اور متوجہ نہ ہونے والے ایسے بدخواہ کے جال میں پھنستے ہیں۔

ابلیس کی اتباع کرنے والوں اور اتباع نہ کرنے والوں کے اس دنیا

میں اور آخرت میں حال کا بیان اور اس کو مسلط کرنے کی حکمت:

اور واقعی ابلیس نے ان لوگوں کے بارے میں یعنی آدم کی نسل کے بارے میں اپنا گمان صحیح پایا (یعنی اس کا یہ گمان صحیح نکلا۔ ﴿لَا خُفْيٰ لَكَ ذٰرِبَتُهُ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ یعنی میں ان کی اولاد میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا سب کو گمراہ کر دوں گا۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۶۲۔ جس کا منشا شاید مٹی کی کمزوری اور آگ کی قوت پر استدلال ہو جیسا کہ الدر میں ابن عباسؓ سے روایت ہے) یہ سب اسی کے راستہ پر ہوئے۔ سوائے ایمان والوں کے گروہ کے (کہ وہ محفوظ رہا، یعنی اگر ایمان کامل تھا تو بالکل محفوظ رہا اور اگر ایمان کمزور تھا تو شرک اور کفر میں اس کا اتباع نہیں کیا، اگرچہ دوسرے معاصی و گناہوں میں اتباع کر لیا) اور ابلیس کا ان لوگوں پر (جو) تسلط (بہکانے اور گمراہ کرنے کے طور پر ہے، وہ) اس کے سوا کسی اور وجہ سے نہیں کہ ہمیں (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ان لوگوں سے (الگ کر کے) معلوم کرنا ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں (یعنی آزمائش اور امتحان مقصود ہے کہ مومن اور کافر متعین ہو جائیں کہ بعض کو ثواب اور

بعض کو عذاب دینا حکمت کا تقاضا ہے کہ اس سے اللہ کے ناموں اور صفات کا اظہار ہے یا اور کچھ جو انسان کو معلوم نہ ہو) اور (چونکہ) آپ کا رب ہر چیز (حال) کا نگراں (اور اس سے باخبر) ہے (اور ہر چیز میں ایمان کا ہونا اور ایمان کا نہ ہونا بھی داخل ہے، اس لئے اس کو اس کی بھی خبر ہے، اور حکمت کا تقاضا جزا و سزا کا ہے، اس لئے ہر ایک کو مناسب سزا ملے گی) فائدہ: ظاہری طور پر جاننے کا بیان سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳ میں گذر چکا ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے اور ایمان میں آخرت کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا عقیدہ حق کی طلب اور دین کو صحیح کرنے اور رکھنے میں زیادہ دخل رکھتا ہے۔

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ قَظِيمٌ ۝ وَلَا تَتَّبِعُوا الشَّفَاعَةَ عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقُّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝ قُلِ مَنْ يَزُكُّكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ قُلْ لَا تَسْأَلُونَنَا عَنْ آجَرِمْنَا وَلَا تَسْأَلُونَنَا عَنْ تَعْمَلُونَ ۝ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبَّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۖ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ۝ قُلِ أَرُونِي الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ ۚ كَلَّا ۚ بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

ترجمہ: آپ فرمائیے کہ جن کو تم خدا کے سوا سمجھ رہے ہو، اُن کو پکارو، وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اُن کی اُن دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ اور خدا کے سامنے سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی مگر اُس کے لئے جس کی نسبت اجازت دیدے۔ یہاں تک کہ جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ حق بات کا حکم فرمایا اور وہ عالیشان سب سے بڑا ہے۔ آپ پوچھتے کہ تم کو آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ! اور بیشک ہم یا تو ضرور راہ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ تم سے ہمارے جرائم کی باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے تمہارے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی۔ کہہ دیجئے کہ ہمارا رب سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا۔ اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے۔ آپ کہئے کہ مجھ کو ذرا وہ تو دکھلاؤ جن کو تم نے شریک بنا کر خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ وہی ہے اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

رابط: اوپر سورت کے شروع میں تو حید کا ذکر تھا، اب پھر تو حید کا ذکر ہے، اور اہل سبا کے ذکر میں ناشکری کی مذمت تھی اور شرک سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی۔ اس لئے اس کا باطل ہونا بیان کرتے ہیں۔ ربط کی دونوں وجہیں ہو سکتی ہیں۔

توحید کا اثبات اور شرک کا باطل کرنا:

آپ (ان لوگوں سے) فرمائیے کہ جن (معبودوں) کو تم اللہ کے سوا (اللہ کی خدائی میں دخیل) سمجھ رہے ہو، ان کو (اپنی ضرورتوں کے لئے) پکارو (تو سہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کتنی قدرت اور اختیار رکھتے ہیں، ان کی واقعی حالت تو یہ ہے کہ) وہ (کسی چیز کا) ذرہ برابر (بھی) اختیار نہیں رکھتے، نہ آسمانوں (کی کائنات یعنی ان میں موجود چیزوں) میں اور نہ زمین (کی کائنات یعنی اس میں موجود چیزوں) میں اور نہ ان کی ان دونوں (کے پیدا کرنے) میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا (کسی کام میں) مددگار ہے (یعنی نہ عالم کے ایجاد کرنے میں ان کا کوئی دخل ہے۔ چنانچہ اس ارشاد کا یہی مطلب ہے ﴿مَا لَهُمْ فِيهِمَا﴾ اور نہ موجود ہونے کے بعد انہیں مستقل طور پر اختیار ہے۔ اس ارشاد کا یہی مطلب ہے ﴿لَا يَنْبَلِكُؤْنَ مِنْقَالِ ذَرْو﴾ اور نہ ہی نائب ہونے کی حیثیت سے اختیار ہے کہ اس اشارہ کا یہی مطلب ہے ﴿وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ﴾ اور (جس طرح وہ خود کام نہیں کر سکتے، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے کہہ کر بھی کوئی کام نہیں کر سکتے، جس کو شفاعت کہتے ہیں، جیسا کہ کافروں کا قول تھا ﴿هَؤُلَاءِ شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اور بھلا ان معبودوں میں جو جمادات مٹی پتھر وغیرہ معدنی چیزوں سے بنے ہوئے ہیں، وہ تو بیچارے کیا شفاعت کرتے، اس کی قابلیت ہی نہیں رکھتے، اس طرح جو جاندار ہیں مگر خود اللہ کے نزدیک مقبول نہیں جیسے شیطان، وہ بھی کیا شفاعت کرتے جو جاندار مقبول بھی ہیں جیسے فرشتے کہ مشرک لوگ انہیں اللہ کی بیٹیاں اور معبود یعنی پوجا کے لائق سمجھتے تھے، خود ان کی شفاعت اس عام قانون میں داخل ہے کہ (اللہ کے سامنے) (کسی کی) سفارش کسی کے کام نہیں آتی (بلکہ سفارش ہی نہیں ہو سکتی) سوائے اس کے جس کے لئے (شفاعت کرنے والے کو) وہ اجازت دیدے (اور دلیلوں سے ثابت ہے کہ یہ اجازت صرف مومنوں کے حق میں ہوگی، لہذا اس عام قانون کے مطابق وہ بھی کافروں کی سفارش نہیں کریں گے اور فرشتے بغیر اجازت سفارش کرنے کی جرأت کہاں؟ کب؟ اور کیسے؟ کر سکتے ہیں۔ ان کا تو اللہ کی ہیبت اور عظمت کے غلبہ کی وجہ سے یہ حال ہے کہ جب انہیں حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم ہوتا ہے تو اسی میں ہیبت کے مارے گھبرا اٹھتے ہیں) یہاں تک کہ جب (اس حکم کے ختم ہو جانے پر) ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ (فلاں) حق بات کا حکم فرمایا (یعنی حکم دیتے وقت ان کی خوف و ہیبت کی شدت کی وجہ سے یہ حالت ہوتی ہے کہ انہیں اس وقت اپنی سمجھ اور یاد رکھنے کی قوت پر پورا بھروسہ نہیں رہتا، اس لئے طالب علموں کی طرح آپس میں پوچھنا چھ اور تحقیق کرتے ہیں، جیسے وہ اپنے استاذ کی بتائی ہوئی باتوں کے بارے میں کیا کرتے ہیں اور جب اس طرح انہیں تحقیق ہو جاتی ہے تو پھر اس پر عمل کرتے ہیں۔ لہذا جب حق تعالیٰ کی جانب سے جو معمولی احکام کا ابتدائی خطاب ہوتا ہے اس میں ان کی یہ حالت ہوتی ہے تو خود ان کے ایک نئی بات سے متعلق ابتدائی طور

پر خطاب کرنے کی تو کیا گنجائش ہے، لہذا جب مقرب فرشتوں کی یہ حالت ہو تو بت اور شیطان تو کس گنتی میں ہیں کہ ایک میں قابلیت نہیں اور دوسرے میں مقبولیت نہیں) اور (اس کے سامنے فرشتوں کے حال کے ایسا ہو جانے میں کوئی عجیب بات ہے؟ (واقعی) وہ (ایسا ہے) عالی شان والا (اور) سب سے بڑا ہے۔

(اور ان سے) آپ (توحید کی تحقیق کے لئے یہ بھی) پوچھئے کہ (اچھا بتاؤ) تمہیں آسمانوں اور زمین سے (پانی برسا کر اور پیڑ پودے اگا کر) کون روزی دیتا ہے؟ (چونکہ اس کا جواب ان کے نزدیک بھی متعین ہے، اس لئے) آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ (ہی روزی دیتا ہے) اور (یہ بھی کہئے کہ توحید کے اس سلسلہ میں) بے شک ہم یا تم ضرور سیدھے راستہ پر ہیں یا کھلی گمراہی میں (یعنی یہ تو نہیں ہو سکتا کہ توحید کے قائل لوگ بھی اور توحید کا انکار کرنے والے بھی دونوں حق پر ہوں یا دونوں غلطی پر ہوں، لازمی بات ہے کہ ایک فریق ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہ ہے، اب غور کرنا ضروری ہے کہ توحید کی دلیلوں کے بعد غور و فکر کے نتیجہ میں اہل توحید ہی کا حق پر ہونا ثابت ہوگا۔ یہ دعوت کا لطف و مہربانی کا طریقہ ہے کہ ہدایت والے اور گمراہ کی تعیین کے باوجود اس طرح تردید کے طور پر فرمایا تا کہ سامنے والا بھڑک نہ جائے جو غور و فکر اور حق کی طلب میں رکاوٹ ہو جاتا ہے) آپ (ان سے اس بحث میں یہ بھی) فرما دیجئے (کہ جب تم حق کے واضح ہو جانے کے باوجود بھی حق کو قبول نہیں کرتے تو آخری درجہ کی بات یہی ہے) کہ (اگر ہم خطا پر اور مجرم ہیں تو) ہم نے جو قصور کیا ہو اس کی پوچھ تاچھ تم سے نہ ہوگی اور تم نے جو کچھ کیا ہوگا، اس کی پوچھ تاچھ ہم سے نہ ہوگی (اس میں انتہائی نرمی ہے کہ مخاطب لوگوں کے اعمال کو قصور اور جرائم سے تعبیر نہیں کیا اور یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (یہ احتمال نہ کیا جائے کہ بالکل ہی پوچھ تاچھ نہ ہو، جیسا کہ قیامت کا انکار کرنے والے کہتے ہیں، بلکہ ایک وقت ایسا ضرور آنے والا ہے جس میں) ہمارا رب ہم سب کو (ایک جگہ) جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان میں ٹھیک ٹھیک (عملی) فیصلہ کر دے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا (اور سب کا حال) جاننے والا ہے (اس سے کسی کا حال پوشیدہ نہیں جس سے غلط فیصلہ کا شبہ ہو سکے) آپ (یہ بھی) کہئے کہ (اس کے بعد تم نے حق تعالیٰ کی شان اور دوسرے معبودوں کا عاجز ہونا سن لیا) ذرا مجھے وہ دکھاؤ تو جن کو تم نے (عبادت کے مستحق ہونے میں) شریک بنا کر اللہ کے ساتھ طارکھا ہے۔ ہرگز (اس کا کوئی شریک) نہیں بلکہ (واقع میں) اللہ (یعنی برحق معبود) وہی ہے زبردست حکمت والا۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرِ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

رابطہ: اوپر توحید کا ذکر تھا۔ اب محمد ﷺ کی رسالت اور اس کے عام ہونے کا مضمون ہے کہ وہ لوگ اس کا بھی انکار

کرتے تھے پھر توحید کا حق ہونا اور یہ رسول کی اتباع کے بغیر حاصل بھی نہیں ہوتا۔

محمد ﷺ کی رسالت اور اس کے عام ہونے کا اثبات:

اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے (چاہے جن ہوں یا انسان، عرب ہوں یا عجم، موجود ہوں یا آئندہ ہونے والے ہوں، سب کے لئے ایمان لانے پر انہیں ہماری رضا و ثواب کی) خوش خبری سنانے والا اور (ایمان نہ لانے پر انہیں ہمارے غضب اور عذاب سے) ڈرانے والا (رسول) بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے (لہذا جہالت کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ چاہے یقین ہی آجائے یا یقین حاصل بھی کر سکیں)

﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ لَكُمْ مَبِيعَاتُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْذِنُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تَوْفُّوهُنَّ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَوْ تَوَفَّيْنَا لَأَكِيدُنَّ أَقْدَامَهُنَّ وَتَقُولُنَّ مَوْفُوفُونَ ۖ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُزَجُّهٖ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ ۖ الْقَوْلُ الْبَاطِلُ ۖ وَالَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْ لَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعُّوهُمُ أَهْلُكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعُّوهُمُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ۖ وَنَجْعَلُ لَكَ آثَادًا وَأَسْرًا ۖ وَالْقَادِمَةُ لَتَأْتِيَ الْعَذَابَ ۖ وَجَعَلْنَا الْآخِلَ فِي آغَاثِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچ ہو؟ آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ اُس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔ اور یہ کفار کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لا دیں گے اور نہ اس سے پہلی کتابوں پر۔ اور اگر آپ اُس وقت کی حالت دیکھیں جبکہ یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جاویں گے۔ ایک دوسرے پر بات ڈالتا ہوگا۔ ادنیٰ درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے۔ یہ بڑے لوگ اُن ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا بعد اس کے وہ تم کو پہنچ چکی تھی؟ نہیں بلکہ تم ہی قصور وار ہو۔ اور یہ کم درجہ کے لوگ ان بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں نے روکا تھا جب تم ہم کو فراموش کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اُس کے لئے شریک قرار دیں۔ اور وہ لوگ پشیمانی کو غنی رکھیں گے جبکہ عذاب دیکھیں گے۔ اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے۔ جیسا کرتے تھے ویسا ہی تو بھرا۔

رابطہ: اوپر توحید اور رسالت کی تحقیق تھی۔ اب بعث کا اور اس کے بعض واقعات کا ذکر ہے جس کا ابھی توحید کے بیان

میں ذکر آیا بھی ہے ﴿يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبَّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا﴾ کہ وہ لوگ اس کا بھی انکار کرتے تھے اور بعث کے احتمال کے بغیر کبھی حق کی طلب اور فکر نہیں ہوتی، جس میں توحید اور رسالت سب سے اعظم فرد ہیں۔

بعث اور اس کے بعض واقعات کا ذکر:

اور یہ لوگ (ایسے مضمون یعنی ﴿يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبَّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا﴾ الخ سن کر) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (واقع) ہوگا اگر تم (یعنی نبی اور آپ کا اتباع کرنے والے) سچے ہو؟ (تو بتاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک خاص دن کا وعدہ (مقرر) ہے کہ اس دن نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو (یعنی اگرچہ ہم وقت نہیں بتائیں گے جو تم پوچھ رہے ہو، مگر وہ یعنی قیامت ضرور آئے گی جس کا اس پوچھنے سے تمہارا انکار کرنا مقصود ہے) اور یہ کافر (دنیا میں تو خوب خوب باتیں بناتے ہیں اور) کہتے ہیں کہ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس سے پہلی کتابوں پر (اور قیامت میں یہ ساری لمبی چوڑی باتیں ختم ہو جائیں گی۔ چنانچہ) اگر آپ (ان کی) اس وقت کی حالت دیکھیں (تو ایک ہولناک حالت نظر آئے) جب کہ یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، ہر ایک دوسرے پر بات ڈالتا ہوگا (جیسا کہ کوئی کام بگڑ جانے کے وقت عادت ہوتی ہے، چنانچہ) ادنیٰ درجہ کے لوگ (یعنی تابع لوگ) بڑے لوگوں سے (یعنی جن کے وہ تابع ہوں گے) کہیں گے کہ (ہم تو تمہاری وجہ سے برباد ہوئے) اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے (اس پر) یہ بڑے لوگ ان ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس ہدایت کے آجانے کے بعد ہم نے تمہیں ہدایت (پر عمل کرنے) سے (زبردستی) روکا تھا۔ نہیں بلکہ تم ہی قصور وار ہو (کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی اس کو قبول نہیں کیا، اب الزام ہمارے سر تھوپتے ہو) اور (اس کے جواب میں) یہ کم درجہ کے لوگ ان بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ (ہم زبردستی روکنے کی بات) نہیں (کہتے) بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں نے روکا تھا جب تم ہم سے کہتے رہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کے لئے شریک قرار دیں (تدبیروں سے مراد ترغیب دینا اور ترہیب یعنی ڈرانا ہے، چنانچہ رات دن کی ان تدبیروں اور تعلیموں کا اثر ہو گیا اور ہم تباہ و برباد ہوئے تو ہمیں تم نے ہی خراب کیا) اور اس گفتگو میں تو ہر شخص دوسرے پر الزام لگائے گا مگر دل میں اپنا اپنا قصور بھی سمجھیں گے یعنی گمراہ کرنے والے سمجھیں گے کہ واقعی ہم نے ایسا کیا تو تھا اور گمراہ ہونے والے سمجھیں گے اگرچہ انھوں نے ہمیں بہکایا اور غلط راستہ بتایا تھا لیکن آخر ہم بھی تو اپنا نفع نقصان سمجھ سکتے تھے، ضرور ہمارا بھی بلکہ سارا ہمارا ہی قصور ہے، لیکن) جب (اپنے اپنے عمل پر) عذاب (ہوتا ہوا) دیکھیں گے تو (اپنی اس) شرمندگی کو (ایک دوسرے سے) چھپائیں گے (کہ ہمارے اپنے نقصان پر دوسرا ہمیں اور ملامت نہ کرے، لیکن آخر میں عذاب کی شدت کی وجہ سے برداشت کی قوت جواب دے جائے گی) اور (کافروں کے درمیان مشترک اس عذاب کی قسموں میں سے ایک قسم یہ ہوگی کہ) ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں

گے (اور ہاتھ پاؤں میں زنجیر پھر مشکیں کس کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا) جیسا کرتے تھے، ویسا ہی تو بھرا۔
 فائدہ: اگر شبہ ہو کہ بعض کافروں نے تو اپنے تابع لوگوں پر زبردستی بھی کی ہے پھر یہ کہنے کا کیا مطلب ہے ﴿نَحْنُ
 صَادِقُونَ﴾ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل ایمان اعتقاد ہے اور وہ دل میں ہوتا ہے اور دل پر زبردستی ممکن نہیں۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۖ وَقَالُوا نَحْنُ
 أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَأَحْسَنُ بَعْدَ بَيْنٍ ۖ قُلْ إِن رَّبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
 لَا يَعْلَمُونَ ۚ وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَاكُمْ بِأَلَيْسَ بِكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَن آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرٌ
 لَّهُمْ جَزَاءُ الصَّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ۖ وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آلِهَتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ
 مُخْضَرُونَ ۖ﴾

ترجمہ: اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرسانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا: ہم تو ان احکام
 کے منکر ہیں جو تم کو دے کر بھیجا گیا ہے۔ اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور ہم کو کبھی عذاب
 نہ ہوگا۔ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے لیکن اکثر لوگ واقف
 نہیں۔ اور تمہارے اموال و اولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو درجہ میں ہمارا مقرب بنا دے۔ ہاں! مگر جو ایمان لا دے اور اچھے کام
 کرے سو ایسے لوگوں کے لئے اُن کا عمل کا دونا صلہ ہے اور وہ بالا خانوں میں چین سے ہونگے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں
 کے متعلق کوشش کر رہے ہیں ہرانے کے لئے۔ ایسے لوگ عذاب میں لائے جاویں گے۔

رابطہ: اوپر کافروں کو عذاب دینے کا بیان تھا۔ چونکہ عذاب کا انکار کرنے والے دنیا کی خوش حالی کی وجہ سے آخرت
 میں عذاب نہ ہونے پر استدلال کرتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ
 رَبِّي إِنَّ لِي عِندَهُ لَكُلِّ شَيْءٍ خُبْرًا ۖ﴾ اور یہ طبعی طور پر حضور ﷺ کے رنج و ملال کی بنیاد وجہ تھا۔ اب کافروں کے زعم کو رد اور
 آپ کی تسلی فرماتے ہیں۔

رسول ﷺ کی تسلی اور شریر لوگوں کے قول کا کھوٹ ظاہر کرنا:

اور (اے رسول ﷺ) آپ ان لوگوں کی گمراہی، افعال اور جہالت کے اقوال کی وجہ سے غم نہ کریں کیونکہ یہ معاملہ
 انوکھا آپ ہی کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ (ہم نے کسی (بھی) بستی میں ڈر کی باتیں سنانے والا (نبی) نہیں بھیجا، مگر وہاں کے
 خوش حال لوگوں نے (اس زمانہ کے ان کافروں کی طرح) یہی کہا کہ ہم تو ان احکام کے منکر ہیں جو تمہیں دے کر بھیجا
 گیا ہے، اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں (جیسا کہ سورہ کہف میں قول نقل کیا گیا ہے

﴿ اِنَّا كُنْزُ مَوْنِكَ مَالًا وَّاَعْنُ نَفَرًا ۝ ﴾ اور (یہ ہمارے معزز اور اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی دلیل ہے، لہذا) ہمیں کبھی عذاب نہ ہوگا (اور یہی بات مکہ کے کافر کہتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ اِنِّیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا ۝﴾ لہذا غم نہ کیجئے، ہاں ان کی بات کو روکیجئے اور ان سے یوں) کہہ دیجئے کہ (رزق کی وسعت کا وارو مدار اللہ کے نزدیک قبول ہونا نہیں ہے، بلکہ یہ تو صرف اللہ کی مشیت یعنی اس کا فیصلہ ہے۔ چنانچہ) میرا پروردگار جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے (اور اس میں اس کی حکمتیں ہوتی ہیں) لیکن اکثر لوگ (اس سے) واقف نہیں (کہ اس کا مدار دوسری مصلحتوں پر ہے، اللہ کے نزدیک معزز ہونے پر نہیں ہے) اور (اے کافرو! یہ بھی سن رکھو کہ جس طرح تمہارے مال و اولاد اللہ کے نزدیک معزز و مقبول ہونے اور قرب کی دلیل اور علامت نہیں، اسی طرح) تمہارے مال اور اولاد ایسی چیز نہیں جو تمہیں درجہ میں ہمارے قریب کر دیں (یعنی قرب کی علت بھی نہیں، لہذا نہ مال اولاد کا ہونا معزز ہونے کا نتیجہ ہے اور نہ ہی مال و اولاد کا نتیجہ معزز ہونا ہے) سوائے اس کے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے (تو یقیناً یہ دونوں چیزیں قرب کا سبب ہیں) تو ایسے لوگوں کے لئے ان کے (نیک) عمل کا دو گنا بدلہ ہے (یعنی عمل سے زیادہ یا دو گنے سے بھی زیادہ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ اَمْثَلِهَا ۝ ﴾) اور وہ (جنت کے) بالا خانوں میں چین سے (بیٹھے) ہوں گے اور جو لوگ (ان کے برخلاف محض مال و اولاد پر گھمنڈ کر رہے ہیں اور ایمان اور نیک عمل کو اختیار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ) ہماری آیتوں سے متعلق (انہیں باطل قرار دینے کی اور نبی کو) ہرانے کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ ایسے لوگ عذاب میں لائے جائیں گے۔

فائدہ: خوش حال لوگوں کا ذکر خاص طور سے اس لئے فرمایا کہ اکثر پہلے جھٹلانے کا عمل انہی سے شروع ہوتا ہے اور ان کا ﴿ اُرْسِلْتُمْ ﴾ کہنا مذاق اڑانے کی غرض سے ہے، ورنہ وہ لوگ تو رسالت کے منکر تھے۔

﴿ قُلْ اِنْ رَیْتُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَیَقْدِرُ لَهُ وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهُ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرَّزٰقِیْنَ ۝ ۵ ﴾

ترجمہ: آپ یہ فرمادیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے تنگی سے دیتا ہے۔ اور جو چیز تم خرچ کرو گے سو وہ اس کا عوض دے گا اور وہ سب سے بہترین روزی دینے والا ہے۔

رابطہ: اوپر اس بنیاد پر کہ رزق کی وسعت اور تنگی کا تعلق اللہ کی مشیت سے ہے کافروں کے زعم کو باطل کیا تھا۔ اب اسی سے تعلق کی بنیاد پر مومنوں کی اصلاح کو بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جب مال کی کمی زیادتی محض مشیت سے ہے تو مومن کو چاہئے کہ اس کے ساتھ دل کو زیادہ نہ لگائے۔ اور کافروں کی طرح اس کو مقصود نہ سمجھے، بلکہ اس کو اللہ کا قرب

اور رضا حاصل کرنے کا آلہ اور ذریعہ بنادے جو کہ اصل مقصود ہے۔

رزق کے مقسوم ہونے پر زہد کی تفریع:

آپ (مؤمنوں سے) یہ فرمادیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وسیع رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگی سے دیتا ہے اور (اس صورت میں روکنے سے رزق بڑھ نہیں سکتا، اور شریعت کے مطابق خرچ کرنے سے گھٹ نہیں سکتا، لہذا مال سے زیادہ تعلق مت رکھو، بلکہ جہاں جہاں اللہ کے حق، بندوں کے حق، بیوی بچوں کے حق اور فقیروں کے حق وغیرہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے، بے دھڑک خرچ کرتے رہو کہ اس سے اس رزق میں تو جو قسمت میں لکھا گیا ہے کمی کا نقصان نہ ہوگا، اور آخرت کا نفع ہوگا، اس طرح کہ) جو چیز تم (اللہ کے حکم کے موقعوں میں) خرچ کرو گے تو وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) اس کا (آخرت میں تو ضرور اور کبھی دنیا میں بھی) بدلہ دے گا، اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے (لہذا اس خرچ سے تمہاری دنیاوی روزی کم نہ کرے گا اور آخرت کی روزی الگ سے عطا فرمائے گا)

فائدہ: ﴿خَيْرُ النَّازِقِينَ﴾ میں رازق کی جمع رازقین لانا اس اعتبار سے ہے کہ جو لوگ ظاہر میں اپنے ہاتھ سے دیتے دلاتے ہیں انہیں مجاز کے طور پر رازق قرار دے دیا گیا۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ حقیقی رازق ہے اس لئے اس کا ﴿خَيْرُ النَّازِقِينَ﴾ ہونا ظاہر ہے۔

﴿وَيَوْمَ يُنْشَرُهُمْ جَنِينًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۖ قَالُوا سُبْحَنَكَ أَنْتَ وَلَيْسْنَا مِنْ دُونِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ۖ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُم لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۚ وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۖ﴾

ترجمہ: اور جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع فرماوے گا پھر فرشتوں سے ارشاد فرماوے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ عرض کریں گے کہ آپ پاک ہیں ہمارا تو آپ سے تعلق ہے نہ کہ ان سے، بلکہ یہ لوگ شیاطین کو پوجا کرتے تھے۔ ان میں اکثر لوگ انہی کے معتقد تھے۔ سو آج تم میں سے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا۔ اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس کا مزہ چکھو۔

رابطہ: اوپر ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ﴾ میں بعث یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور حشر یعنی سب کو ایک جگہ جمع کرنے کا بیان تھا۔ اب پھر اسی کا ذکر ہے۔

حشر اور اس کی ہولناکیوں کا دوبارہ تذکرہ:

اور (وہ دن ذکر کے قابل ہے) جس دن اللہ تعالیٰ سب کو (قیامت کے میدان میں) جمع فرمائے گا (پھر فرشتوں کے

ارشاد فرمائے گا، کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ (یہ سوال مشرکوں کی ملامت کے لئے ہوگا جو فرشتوں کو اور دوسروں کو اس خیال سے پوجتے تھے کہ یہ راضی ہو کر ہماری شفاعت کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاٰتِمِّي الصَّيْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ الخ لہذا یہ سوال اس لئے کیا گیا کہ جواب سے مشرکوں کی غلطی ظاہر ہو جائے۔ سوال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کیا تمہاری مرضی اور اجازت سے یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ جیسا کہ دوسری آیت میں ﴿ءَاَنْتُمْ اَضَلَلْتُمْ عِبَادَہٗ فَکُفُّوْا عَنْہٗ﴾ الخ اور جواب بھی اس قید کا قرینہ ہے جیسا کہ جواب کے ترجمہ سے معلوم ہوگا) وہ (پہلے حق تعالیٰ کے شریک سے پاک ہونے کے اظہار کے لئے) عرض کریں گے کہ آپ (شریک سے) پاک ہیں (یہ بات جواب سے پہلے اس لئے کہی گئی کہ شریک کی طرف نسبت کی بات سے ہی گھبرا گئے اس لئے پہلے یہ عرض کیا اور اس سے بھی مشرکوں کی مطلق غلطی ثابت ہوئی کہ آپ تو شریک سے بالکل پاک ہیں، چاہے وہ فرشتہ ہو یا کچھ اور۔ پھر آگے اس سوال کا جواب دیں گے کہ) ہمارا تو (صرف) آپ سے تعلق ہے نہ کہ ان سے (اس سے رضامندی اور حکم یا اجازت کی نفی ہوگئی، یعنی نہ ہم نے ان سے کہا نہ ہم ان کے فعل سے راضی، ہم تو آپ کی اطاعت کرنے والے ہیں جو چیز آپ کو ناپسند ہے جیسے شرک وغیرہ) اس سے ہم بھی ناخوش ہیں۔ جب اس شرک کے لئے نہ ہمارا حکم یا اجازت ہے اور نہ ہی رضامندی تو واقعی بات یہ ہے کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے) بلکہ یہ لوگ شیطانوں کو پوجا کرتے تھے (کیونکہ وہ شیطان اس کی ترغیب بھی دیتے تھے اور اس سے راضی اور خوش بھی تھے، لہذا واقع میں وہ شیطان ان کے معبود ہوئے، کیونکہ عبادت کے لئے مطلق اطاعت لازم ہے کہ پھر اس کے سامنے کسی کی اطاعت نہ کرے۔ اسی کی طرح ایسی اطاعت کے لئے مطلق عبادت لازم ہے چنانچہ جب ہماری طرف سے حکم اور رضامندی کا کوئی ثبوت نہیں تو اطاعت کی نفی ہوئی۔ اور جب شیطانوں کی مطلق اطاعت کی تو عبادت بھی انہی کی ہوئی چاہے یہ لوگ اس کا نام کچھ بھی رکھ لیں، چاہے فرشتوں کی عبادت یا بتوں کی عبادت، مگر وہ حقیقت میں شیطانوں کی عبادت ہے، اور جس طرح لازم کے طور پر یہ لوگ شیطانوں کی عبادت کرنے والے تھے، اسی طرح) ان میں سے اکثر لوگ (الترام کے طور پر بھی) انہی (شیطانوں) کے معتقد تھے (یعنی قصداً بھی ان میں سے بہت سے لوگ انہی کو پوجتے تھے جیسا کہ ﴿وَآٰتَہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنْ اٰلِیْنِیْ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنْ الْجِنِّ﴾ وغیرہ آیتیں ہیں) تو (کافروں سے کہا جائے گا کہ لو جن سے تم امیدیں رکھتے تھے) آج (خود ان کے اپنے آپ کو تمہاری عبادت سے بری قرار دینے سے بھی اور ان کی واقعی عاجزی و مجبوری سے بھی تمہارے زعم کے خلاف یہ حالت ظاہر ہوئی کہ) تم (سارے عبادت کرنے والوں اور معبودوں میں سے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا) (مطلب تو یہ ہے کہ یہ معبود تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتے مگر مبالغہ کے لئے ﴿بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ﴾ سے تعبیر فرمایا

تاکہ اس کے ذریعہ اس امر میں دونوں کی برابری ثابت ہو جائے کہ جس طرح تم عاجز ہو، وہ بھی عاجز ہیں، اور نقصان کا ذکر عاجزی کو عام کرنے کے لئے ہے، اس سے کلام میں اور بھی تاکید ہوگئی (اور (اس وقت) ہم ظالموں (یعنی کافروں) سے کہیں گے کہ جس جہنم کے عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو (اور فرشتوں کو خاص کرنا، اس کے باوجود کہ خود کو بری کرنا اور عاجز ظاہر کرنا سارے معبودوں کے لئے عام ہے، اس لئے ہے کہ دوسروں کا حکم اور بھی زیادہ بہتر درجہ میں ثابت ہو جائے، کہ جن کو معبود سمجھتے تھے ان میں سے سب سے افضل کا یہ حال ہوگا تو دوسرے معبودوں کا نفع نہ ہونا بدرجہ اولیٰ سمجھ لیا جائے)

فائدہ: سورہ فرقان آیت ۷۱ ﴿وَيَوْمَ يُنْشَرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ الخ میں اسی جواب سے ملتے جلتے الفاظ میں جواب آیا ہے۔ وہاں ﴿سُجُنُكَ﴾ اور ﴿أَفَلْيَا﴾ قرار نہ دینے کے ترجمہ کی وضاحت دوسری طرف سے ہوئی ہے، اس وقت وہی وضاحت سمجھ میں آئی تھی۔ ویسے وہاں کی وضاحت یہاں اور یہاں کی وہاں بھی صحیح ہو سکتی ہے۔

﴿وَإِذَا تَنَلَّٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَنْ آبَاءِكُمْ وَقَالُوا مَا هَذَا إِلَّا أَرْفَاقٌ مُّفْتَرًى وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَبَّا جَاءَهُمْ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّزْمِنٌ ۝ وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيرٍ ۝ وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۝ وَمَا بَلَغُوا مَعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي ۝ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ قُلْ إِنَّمَا أَعْظَمُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۝ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مِثْلِي وَفَرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُونَ ۝ مَا بَصِيرَاتِكُمْ مِنْ جَنَّةٍ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيِ عَذَابِ شَدِيدٍ ۝ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۝ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ قُلْ إِنْ رَّبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَٰمُ الْغُيُوبِ ۝ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ۝ قُلْ إِنْ صَلَكَتُمْ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۝ وَإِنْ اهْتَدَيْتُمْ فِيمَا يُؤْتِي إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ۝﴾

ترجمہ: اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں صاف صاف پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ محض ایک ایسا شخص ہے جو یوں چاہتا ہے کہ تم کو ان چیزوں سے باز رکھے جن کو تمہارے بڑے پوجتے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ محض ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے۔ اور یہ کافر اس امر حق کی نسبت جبکہ وہ ان کے پاس پہنچا یوں کہتے ہیں کہ یہ محض ایک صریح جادو ہے۔ اور ہم نے اُن کو کتابیں نہیں دی تھیں کہ اُن کو پڑھتے پڑھاتے ہوں اور ہم نے آپ سے پہلے اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا تھا۔ اور ان سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے تکذیب کی تھی۔ اور یہ تو اُس سامان کے جو ہم نے ان کو

دے رکھا تھا دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے، غرض انھوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی سو میرا کیسا عذاب ہوا۔ آپ یہ کہتے کہ میں تم کو صرف ایک بات سمجھاتا ہوں اور وہ یہ کہ تم خدا کے واسطے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک پھر سوچو کہ تمہارے اس ساتھی کو جنون نہیں ہے۔ وہ تم کو ایک سخت عذاب سے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا۔ میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے۔ اور وہی ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق کو غالب کر رہا ہے وہ علام الغیوب ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھی پر وبال ہوگی اور اگر میں راہ پر ہوں تو یہ بدولت اُس قرآن کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے وہ سب کچھ سنا بہت نزدیک ہے۔

رابطہ: اوپر ﴿مَا أَرْسَلْنَاكَ﴾ الخ میں رسالت کے مسئلہ کا ذکر تھا۔ اب پھر اسی کو دہرایا جا رہا ہے۔

رسالت کا دوبارہ اثبات:

اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو (حق اور ہدایت دینے والی ہونے کی صفت میں) صاف صاف ہیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ (پڑھنے والے یعنی نبی ﷺ کے بارے میں) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ محض ایک ایسا شخص ہے جو یوں چاہتا ہے کہ تمہیں ان چیزوں (کی عبادت) سے باز رکھے جن کو (پرانے زمانہ سے) تمہارے بڑے پوجتے (آ رہے) تھے (اور ان سے باز رکھ کر اپنا تابع بنانا چاہتا ہے، ان کم بختوں کا مطلب یہ تھا کہ یہ نبی نہیں ہیں، اور ان کی دعوت اللہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اس میں خود ان کی اقتدار اور ریاست کی ذاتی غرض ہے) اور (جس کی تلاوت کی جاتی ہے اُس کے بارے میں) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ محض گھڑا ہوا جھوٹ ہے (یعنی اللہ کی طرف اس کی نسبت کرنا محض گھڑا ہوا دعویٰ ہے) اور یہ کافر لوگ اس حق امر (یعنی قرآن) کے بارے میں، جب وہ ان کے پاس پہنچا تو (اس خیال کو دور کرنے کے لئے کہ اگر یہ گھڑا ہوا جھوٹ ہے تو پھر بہت سے عقل و دانش والے لوگ اس کا اتباع کیوں کرتے ہیں؟ اور یہ ایسا موثر کیوں ہے؟) یوں کہتے ہیں کہ یہ محض ایک کھلا جادو ہے (اس لئے لوگ اس کو سن کر دھوکے میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی عقلیں مغلوب ہو جاتی ہیں) اور (ان کو تو قرآن کی اور نبی کی بڑی قدر کرنی چاہئے تھی، کیونکہ ان کے لئے تو یہ ایسی نعمتیں تھیں جن کی انہیں کبھی کسی طرف سے امید بھی نہیں تھی، کیونکہ) ہم نے (اس قرآن سے پہلے) انہیں (کبھی آسانی) کتابیں نہیں دی تھیں کہ ان کو پڑھتے پڑھاتے ہوں (جیسے بنی اسرائیل کے پاس کتابیں تھیں، تو ان کے حق میں تو قرآن ایک بالکل نئی چیز تھی، اس لئے انہیں اس کی قدر کرنی چاہئے تھی) اور (اسی طرح) ہم نے آپ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا (یعنی نبی) نہیں بھیجا تھا (تو ان کے حق میں نبی بھی ایک نئی دولت تھی، اس لئے ان کی بھی قدر کرنی چاہئے تھی۔ پھر خاص طور سے ایک نئی نعمت ہونے کے علاوہ خود ان کی تمنا بھی تھی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ

لَیِّنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّیْكَوْنُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِبْرَاهِیْمَ ۝ مگر ان لوگوں نے پھر بھی قدر نہیں کی جیسا کہ اسی آیت میں آگے ارشاد ہے ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا﴾ الخ سورہ فاطر آیت ۴۲۔ بلکہ جھٹلایا اور جھٹلانے کے بعد بے فکر ہو کر نہ بیٹھ جائیں، کیونکہ جھٹلانے کا وبال بڑا سخت ہے۔ چنانچہ ان سے پہلے جو (کافر) لوگ تھے، انہوں نے (بھی نبیوں اور وحی کو) جھٹلایا تھا اور یہ (عرب کے مشرک لوگ) تو اس سامان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے انہیں دے رکھا تھا (یعنی ان کی سی قوت، ان کی سی عمریں، ان کی سی دولت و ثروت انہیں نہیں ملیں جو کہ غرور اور فخر کا ذریعہ ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَآكَثَرُ أَمْوَالًا وَآوَلَادًا﴾ اور فرمایا ﴿وَلَقَدْ مَكَنَّاكُمْ فِي مَكَانٍ ثَمَنًا﴾ (غرض انہوں نے میرے رسول کو جھٹلایا تو (دیکھو) میرا) ان پر کیسا عذاب ہوا (تو یہ بیچارے تو کیا چیز ہیں کہ ان کے پاس تو اتنا سامان بھی نہیں، جب اس قدر دولت کام نہ آئی تو یہ کس دھوکہ میں ہیں، اور جب ان کے پاس سامان کم ہے جو غرور و گھمنڈ کا سبب ہوتا ہے تو ان کا جرم بھی اور زیادہ شدید ہے، پھر یہ کیسے بچ جائیں گے۔

یہاں تک نبوت کو جھٹلانے پر کافروں کو ڈرا کر اور دھمکی دے کر آگے انہیں نبوت کی تصدیق کا ایک طریقہ بتاتے ہیں کہ اے محمد ﷺ آپ (ان سے) یہ کہئے کہ میں تمہیں صرف ایک (مختصر سی) بات سمجھاتا ہوں (اس سے حق واضح ہو جائے گا، بس اس کو کر لو) وہ یہ کہ تم (محض) اللہ کے واسطے (کہ اس میں نفسانیت ذاتی خواہش اور تعصب نہ ہو) کھڑے (یعنی مستعد) تیار ہو جاؤ (کسی موقع پر دو دو اور) (کسی موقع پر) ایک ایک (یعنی چونکہ مقصود غرور و فکر کرنا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے اور غرور و فکر کا طریقہ یہ ہے کہ بعض اوقات اور بعض طبیعتوں کے اعتبار سے دو کے ملنے سے ہر شخص کے غور و فکر کو دوسرے شخص سے مدد و اعانت ملتی ہے اور بعض اوقات اور بعض طبیعتوں کے اعتبار سے غور و فکر کے خوب راستے کھلتے ہیں، اور بہت زیادہ مجمع میں اکثر غور و فکر کی قوت بالکل بند اور پریشان ہو کر رہ جاتی ہے، اس لئے اسی پر اکتفا فرمایا۔ غرض اس طرح مستعد تیار ہو کر کھڑے ہو جاؤ) پھر (خوب) سوچو (کہ جیسے دعوے میں کرتا ہوں مثال کے طور پر یہ کہ قرآن جیسی کوئی کتاب اور کوئی کلام اللہ کے سوا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں، جیسا کہ کئی کئی سورتوں میں یہ مضمون آچکا ہے، ایسے دعوے دو ہی شخص کر سکتے ہیں یا تو وہ جس کے دماغ میں خلل ہو کہ انجام کی خبر نہ ہو، یا وہ جو نبی ہو جس کو اس دعویٰ کے سچے ہونے اور اس کلام کے اللہ کی طرف سے ہونے کا پورا یقین ہو، ورنہ اگر نبی نہ ہو اور عقل و ہوش بھی رکھتا ہو تو وہ ایسے دعوے کرتے وقت جھوٹا ثابت ہونے پر رسوائی اور بدنامی کی فکر کرے گا اور ایسے دعوے کرنے سے بچے گا اور اگر کوئی اس جیسا کلام یا کتاب بنالائے گا تو میری کیا عزت رہ جائے گی، میرے اس دعوے کو سامنے رکھ کر میرے مجموعی احوال میں غور کرو اور سوچو کہ کیا مجھے کوئی جنون ہے؟ تو یہ بات میرے حالات کو دیکھنے اور غور و فکر کرنے سے معلوم ہو جائے گی) کہ تمہارے اس ساتھی کو (جو ہر وقت تمہارے سامنے رہتا ہے اور جس کے تمام حالات تم خود دیکھتے ہو، یعنی مجھے) جنون (تو) نہیں

ہے (اور جب مجھے جنون نہ ہونا ثابت ہو گیا تو یہ بات طے ہو گئی کہ) وہ (تمہارا ساتھی نبی ہے اور نبی کی حیثیت سے) تمہیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے (لہذا اس طریقہ سے نبوت کا ثبوت اور اس کی تصدیق بہت آسان ہے، اور دوسری جگہ بھی اس سے ملتا جلتا مضمون ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿أَمَرَ كُفْرًا يَغْرِثُوا رَسُولَهُمْ﴾ الخ اور چونکہ اس بات کا صحیح ہونا بہت واضح ہے۔ اس لئے یہ استدلال کافی ہے اور چونکہ نبوت پر عقلی دلیلیں قائم ہیں، جیسے قرآن کا معجزہ ہونا، اس لئے کسی اور دلیل کی طرف صرف اس مصلحت سے متوجہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ عقلی دلیل کے لئے اصطلاحی نظر کی ضرورت ہے، اور اس کافی دلیل کی صرف تنبیہ کے لئے ضرورت ہے، پھر اس سے دھیرے دھیرے ذہن غور کرنے کا بھی عادی ہو جائے گا اور مطلوب تک پہنچنا دونوں طریقوں سے ہو جائے گا۔

اب آگے نبوت کے اثبات کے بعد کافروں کے ریاست طلب کرنے کے اس شبہ کا جواب ارشاد فرماتے ہیں جو ﴿مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ﴾ الخ سے معلوم ہوا تھا۔ اگرچہ نبوت کے اثبات سے وہ بھی دور ہو گیا، لیکن مستقل طور پر دور کرنے سے مطلوب کی اور زیادہ تاکید ہو جاتی ہے، اس لئے فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے (اس تبلیغ پر) کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا (یعنی اسے تم اپنے ہی پاس رکھو، یہ معاوضہ میں اجر طلب کرنے کی مبالغہ کے طریقہ پر نفی ہے) میرا معاوضہ تو بس (فضل کے وعدہ کے مطابق اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہی ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے) لہذا وہ خود ہی مجھے میرے حال کے لائق اجر دیدیں گے۔ معاوضہ میں مال اور عزت و مرتبہ یعنی حکومت و ریاست سب آگیا، کیونکہ اعیان و اعراض دونوں میں اجر بننے کی صلاحیت ہے۔ مطلب یہ کہ میں تم سے کوئی غرض طلب نہیں کرتا ہوں۔ جو ریاست کا شبہ کیا جائے، رہا معاملوں کی اصلاح کا انتظام اور سیاسی احکام کا نافذ کرنا اور جھگڑوں مقدموں کا فیصلہ کرنا تو یہ شبہ کا سبب اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس میں آپ کی اپنی ذاتی کوئی غرض نہیں تھی۔ چنانچہ آپ کے رہنے سہنے اور روزگار و کاروبار کے انداز سے صاف ظاہر ہے کہ ان چیزوں سے آپ کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں ہوا، بلکہ ان میں خود قوم ہی کا نفع تھا کہ ان کی جانیں اور مال و عزت وغیرہ محفوظ رہتے تھے، باپ جو اپنے چھوٹے بچوں کی حفاظت اور انہیں سمجھا بھانا، ادب سکھانا وغیرہ انہی کی خیر خواہی کے لئے کرتا ہے، اس کو خود غرضی اور ریاست و حکومت طلب کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

جب نبوت بھی ثابت ہو چکی اور ریاست و حکومت کا شبہ بھی دور ہو گیا تو آگے اس کے مقابلہ میں آنے والی چیز کے باطل ہونے کو اس کے اثبات سے ظاہر فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق بات کو (جو کہ ایمان اور ایمانیات کا ثبوت ہے، باطل پر جو کہ کفر اور ایمانیات کا انکار ہے) غالب کر رہا ہے (بحث و مباحثہ اور گفتگو سے بھی جیسا کہ ابھی دیکھا اور جنگ، قتل و قتال اور تیر و تلوار کا بھی سامان کرنے والا ہے۔ غرض ہر طرح حق غالب ہے، اور) وہ غیب کی

باتوں کو جاننے والا ہے (اس کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ حق غالب ہوگا، اوروں کو تواب واقع ہونے کے بعد معلوم ہوا ہے، اور اسی طرح اسے معلوم ہے کہ آئندہ غلبہ بڑھے گا چنانچہ مکہ کے فتح کے موقع پر حضور ﷺ کا اگلی آیت کو پڑھنا جیسا کہ ابن کثیر نے شیخین وغیرہ سے روایت کیا ہے اس امر کا قرینہ ہے کہ اس مضمون کی خبر دینے میں تلوار کے ذریعہ غلبہ بھی داخل ہے۔ آگے اس مضمون کی زیادہ وضاحت کے لئے ارشاد ہے کہ اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ حق (دین) آگیا اور باطل (دین) نہ پہل کرنے کا رہا اور نہ ہی لوٹ کر آنے کا (یعنی محض گیا گذرا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل باطل کو کبھی شان و شوکت حاصل نہیں ہوگی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس دین حق کے آنے سے پہلے کبھی باطل پر حق ہونے کا شبہ ہو جایا کرتا تھا اب اس صفت کی حیثیت سے باطل کا نام و نشان مٹ گیا، یعنی اس کا باطل ہونا خوب ظاہر ہو گیا اور قیامت کے قریب تک ہمیشہ یوں ہی ظاہر رہے گا۔ آگے حق کے ثبوت پر حق کے اتباع میں نجات کے منحصر ہونے کا بیان فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (جب اس دین کا حق ہونا ثابت ہو گیا تو اس سے یہ بھی لازم آگیا کہ) اگر (مثال کے طور پر اور فرض کرو) میں (اس حق کو چھوڑ کر) گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھ پر ہی وبال ہوگی (اس میں دوسروں کا کیا نقصان ہے) اور اگر میں (اس حق کا اتباع کر کے سیدھے) راستہ پر رہوں تو یہ اس قرآن (اور دین) کی بدولت ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے (اصل مقصود مخاطب لوگوں کو سنانا ہے کہ اگر حق کے واضح ہو جانے کے باوجود تم نے حق کا اتباع نہ کیا تو تم بھگتو گے میرا کیا بگڑے گا اور اگر سیدھے راستہ پر آ گئے تو یہ راستہ پر آنا اسی وحی کے ذریعہ ثابت دین کے اتباع کی بدولت ہوگا، لہذا تمہیں چاہئے کہ سیدھے راستہ پر آنے کے لئے اس دین کو اختیار کرو، اور کسی کا گمراہ ہونا یا سیدھے راستہ پر آنا خالی نہ جائے گا کہ بے فکری کی گنجائش ہو، بلکہ اللہ کو ہر ایک کا حال معلوم ہے، کیونکہ) وہ سب کچھ سنتا (اور) بہت نزدیک ہے (اور وہ ہر ایک کو اس کے مطابق اور مناسب سزا دے گا)

فائدہ: اور ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذِيرٍ﴾ کو سورہ مؤمنون آیت ۶۸ ﴿أَمَرَ جَاءَهُمْ مَّا لَعَنَآتِ آبَاءَهُمْ الْأَوَّلِينَ﴾ کے خلاف نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ رسول کو بلا واسطہ بھیجنے کی نفی سے توحید کی واسطوں سے نقل کی ہوئی اور سنی ہوئی خبر کی نفی لازم نہیں آتی۔

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَرَغُوا فَلَا قُوَّةَ وَاتَّخَذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۖ وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ ؕ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَادُ ۚ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۚ ۚ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْنُ قُنُوقَ الْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۚ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ ۚ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ ۚ﴾

ترجمہ: اور اگر آپ وہ وقت ملاحظہ کریں جبکہ یہ کفار گھبرائے پھریں گے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور

پاس کے پاس ہی سے پکڑ لئے جاویں گے اور کہیں گے کہ ہم دین حق پر ایمان لے آئے۔ اور اتنی دور جگہ سے اُن کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے۔ حالانکہ پہلے سے یہ لوگ اُس حق کا انکار کرتے رہے اور بے تحقیق باتیں دور ہی دور سے ہانکا کرتے تھے۔ اور اُن میں اور ان کی آرزو میں ایک آڑ کر دی جاوے گی جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کے ساتھ یہی کیا جاوے گا جو ان سے پہلے تھے۔ یہ سب بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تر دو میں ڈال رکھا تھا۔

رابطہ: سورت کے مجموعہ میں توحید، رسالت اور بحث کا بیان تھا جس کو دین کے دوسرے اجزاء سمیت اوپر کی آیت میں حق کے عنوان سے تعبیر فرمایا ہے۔ اب خاتمہ میں مذکورہ بالا اصول کا انکار کرنے والوں کی سزا و عذاب اور کبھی ختم نہ ہونے والی حسرت کا ذکر ہے۔

آخر میں حق کا انکار کرنے والوں کے برے انجام کا بیان:

اور (اے محمد ﷺ) اگر آپ وہ وقت دیکھیں (تو آپ کو حیرت ہوگی) جب یہ کافر لوگ (قیامت کی ہولناکی اور ہیبت سے) گھبرائے ہوئے پھریں گے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور پاس کے پاس ہی سے (یعنی فوراً) پکڑ لئے جائیں گے اور (اس وقت) کہیں گے کہ ہم اس دین حق پر ایمان لے آئے (اور اس میں جتنے امور بتائے گئے ہیں ہم نے سب کو مان لیا اس لئے ہماری دعا قبول کر لیجئے یا دنیا کی طرف لوٹائے بغیر یا دنیا کی طرف لوٹا کر جیسا کہ ارشاد ہے ﴿رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَانْجِعْنَا﴾ اور اتنی دور سے (ایمان کا) ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے (یعنی ایمان لانے کی جگہ عمل کی جگہ ہونے کی وجہ سے دنیا تھی جو اب بہت دور ہو گئی۔ اب آخرت میں ایمان لانا قابل قبول نہیں کہ یہ عمل کی نہیں جزا کی جگہ ہے اور اول تو واپس دنیا میں آنا شرعی دلیل کے مطابق ناممکن ہے پھر وہاں ایمان لانا اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد، آخرت میں ایمان لانے کی طرح ہی ہے۔ غیب پر ایمان لانا نہیں ہے) حالانکہ پہلے سے (دنیا میں) یہ لوگ اس حق کا انکار کرتے رہے اور (انکار بھی کیا جس کا کوئی صحیح منشاء نہیں تھا، بلکہ) بغیر تحقیق کے باتیں دور ہی دور سے ہانکا کرتے تھے (دور کا مطلب یہ کہ اس کی تحقیق سے دور تھے، یعنی دنیا میں تو کفر کرتے رہے، اب ایمان لانے کا خیال آیا ہے، اور اس کے مقبول ہونے کی آرزو ہے) اور (چونکہ آخرت عمل کا میدان نہیں ہے، اس لئے) ان میں اور ان کے (ایمان قبول ہونے کی) آرزو کے درمیان میں ایک آڑ کر دی جائے گی (یعنی ان کی آرزو پوری نہ ہوگی) جیسا کہ ان لوگوں کے ساتھ بھی یہی (برتاؤ) کیا جائے گا جو ان کے طریقہ کے لوگ پہلے (کفر کر چکے) تھے (یعنی ان کا ایمان بھی آخرت میں مقبول نہ ہوگا اور دونوں کے ساتھ ایک معاملہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کا عمل بھی یکساں ہے، کیونکہ) یہ سب بڑے شک میں تھے جس نے انہیں پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔

فائدہ: یہاں شک، یقین کے مقابلہ میں ہے جس میں پختہ یقین کے ساتھ انکار کرنا شامل ہے اور اس تعبیر میں یہ نکتہ

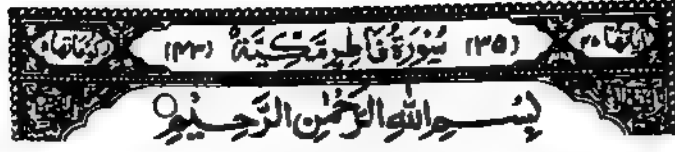
ہو سکتا ہے کہ اس میں اشارہ ہو گیا کہ اگر حق میں شک بھی ہو تب بھی مہلک ہوگا، کہاں یہ کہ پختہ یقین کے ساتھ انکار ہو، اور تردید یعنی پریشانی سے بھی یہی مراد ہوگا کہ حق پر دل نہیں جمتا اور اس میں بھی اس کی ضد پر دل کا جم جانا شامل ہے، یا یوں کہا جائے کہ جب بار بار حق اہل باطل کے کانوں میں پہنچتا ہے تو اکثر طبعی طور پر کچھ نہ کچھ احتمال مخالف جانب کا ہو ہی جاتا ہے، لہذا شک اور تردد دونوں اپنے معنی پر رہے مگر چونکہ حق پر پورا یقین حاصل نہیں کیا، اس لئے باطل کا اتنا اکڑ جانا مقبول نہیں ہوا۔ اور ﴿مَآ يَشْتَهُونَ﴾ کی تفسیر توبہ کے قبول ہونے کے ساتھ اور ﴿أَمْ تَأْتِيهِ﴾ کی وضاحت میں لوٹنے اور نہ لوٹنے کا عموم آیت ﴿فَازْجِعْنَاهُ﴾ کے ^(۱)خلاف نہیں ہے، کیونکہ اصل مقصود ان کا ایمان قبول ہونا اور نجات ہے اور دنیا کی طرف لوٹنا اس کا ایک راستہ و طریقہ ہے، اگر اس کے بغیر مقصود حاصل ہو جائے تو خود لوٹنا ذاتی طور پر مطلوب نہیں ہے۔

﴿الحمد للہ! سورۃ سبا کی تفسیر ۲۳ صفر بروز پیر سنہ ۱۳۲۵ھ کو پوری ہوئی اور اسی دن اگلی سورت کی تفسیر

شروع کر دی﴾



(۱) ظاہر میں ایک دوسرے کی نفی کا شبہ ہوتا ہے اس طرح کہ ﴿فَازْجِعْنَاهُ﴾ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رجوع ہی مقصود ہے اور اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ رجوع مقصود نہیں، بلکہ توبہ مقصود ہے، چاہے رجوع ہو یا نہ ہو اور نفی نہ ہونے کی تقریر خود تفسیر میں مذکور ہے۔



شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابطہ: اس سورت کا زیادہ حصہ توحید کے اثبات اور شرک کے باطل کرنے میں ہے۔ اور بعض آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی ہے، جیسے آیت ۲ ﴿وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ﴾ اور ۱۹ ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ﴾ سے ۲۶ تک۔ اور بعض آیتوں میں بعث و جزا کا مضمون ہے جیسے آیت ۵ ﴿إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ﴾ اور آیت ۹ میں ﴿كَذَٰلِكَ النُّشُورُ﴾ اور آیت ۲۹ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ﴾ سے آیت ۳۷ تک اور بعض آیتوں میں اعمال کے فائدے اور نقصان کا بیان ہے جیسے آیت ۱۰ ﴿مَنْ كَانَ يَرْيِدُ الْوَعْدَ﴾ اور آیت ۱۵ سے ۱۸ تک اور بعض آیتوں میں کفر کی برائی اور اس پر وعید ہے جیسے آیت ۳۸ و ۳۹ اور ۴۵ میں۔ اور گذشتہ سورت کے ختم پر توحید کے ساتھ حق کے انکار پر عاقبت کی برائی کا ذکر تھا۔ لہذا توحید کے ساتھ جس سے یہ سورت شروع ہوئی ہے گذشتہ سورت کی مناسبت ظاہر ہے۔

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولٰٓئِیْ اَخْصٰهُ مَثْنٰی وَثَلٰثَ وَرُبْعَ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ۙ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ مَا یَفْتَحُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۙ وَمَا یُمْسِكُ ۙ فَلَا یُرْسِلُ لَهُ مِنْۢ بَعْدِ ۙ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ یَاٰیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ۙ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرِ اللّٰهِ یَزِیْدُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَآفِیْ تَوْفٰكُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: تمام تر حمد اللہ کو لائق ہے جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دودو اور تین تین اور چار چار پر دار بازو ہیں۔ وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں۔ اور وہی غالب حکمت والا ہے۔ اے لوگو! تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں ان کو یاد کرو، کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہو اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو تم کہاں الٹے جا رہے ہو۔

توحید کا اثبات:

تمام تعریفیں (حمد و ثنا) اللہ کے لائق ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو فرشتوں کو پیغام پہنچانے والا بنانے والا ہے جن کے دودو، تین تین اور چار چار پر دار بازو ہیں (پیغام سے مراد انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی لانا ہے، عام

اس لئے کہ شریعتیں ہوں یا خوش خبریاں وغیرہ ہوں، اور کچھ چارہ کی حد نہیں، بلکہ وہ پیدا کرنے میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے، یہاں تک کہ بعض فرشتوں کے چھ سو بازو پیدا کئے ہیں، جیسا کہ حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (اور قدرت والا بھی ایسا کہ کوئی اس کا مقابلہ کرنے والا نہیں کہ وہ) اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے (مثال کے طور پر بارش، پیڑ، پودے اور رزق) تو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں، اور جس کو بند کر دے تو اس کے (بند کرنے کے) بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں (ہاں وہی پھر بند اور وسیع کر سکتا ہے) اور وہی غالب (یعنی قدرت و غلبہ اور) حکمت والا ہے (یعنی بند کرنے اور کھولنے پر قادر ہے اور ان میں سے جس کو ترجیح دیتا ہے، اس میں حکمت ہوتی ہے) اے لوگو! (وہ کامل قدرت والا ہونے کے علاوہ کامل نعمت والا بھی ہے، چنانچہ بے شمار نعمتوں کا فیضان فرمایا ہے تو) تم پر جو اللہ کے احسان ہیں انہیں یاد کرو (اور ان کا شکر ادا کرو اور وہ شکر یہ ہے کہ توحید اختیار کرو اور شرک سے دور رہو۔ چنانچہ ہم تمہیں دو بڑی نعمتوں یعنی ایجاد کرنے اور باقی رکھنے پر تنبیہ کرتے ہیں۔ شکر کرو کہ) کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے؟ جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے (یعنی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے کہ پیدا کرنا ایجاد کی نعمت ہے اور نہ کوئی رزق دینے والا ہے کہ رزق دینا باقی رکھنے کی نعمت ہے، لہذا جب وہ ہر طرح سے کامل ہے تو یقیناً) اس کے سوا کوئی پوجا کے لائق (بھی) نہیں (کیونکہ معبود یعنی پوجا کے لائق ہونے کے لئے پورا کمال ضروری ہے) تو (جب معبود ہونا اسی کا حق ہے تو) تم (شرک کر کے) کہاں الٹے جا رہے ہو؟

فائدہ: شاید فرشتوں کو پیغام پہنچانے والا بنانے کا ذکر کرنے میں یہ حکمت ہو کہ بعض مشرک انہیں بھی معبود یعنی پوجا کے لائق قرار دیتے تھے، لہذا اس میں ان کا محکوم یعنی حکم کا تابع اور مامور، حکم پر عمل کرنے والا ہونا بتا دیا تاکہ ان کا معبود ہونا باطل ہو جائے اور ان کا پیغام پہنچانے والا ہونے کے معنی کی تحقیق اور تفصیل سورہ حج کی آیت ۵۷ ﴿اللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ﴾ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور ﴿مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾ میں یہاں زیادہ کی نفی نہ ہونے کا بیان سورہ نساء آیت ۳ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔

﴿وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ ۚ وَلَئِىَ اللّٰهُ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ اللّٰهُ الْعَرُورُ ۚ إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا لَّمَّا يَدْعُوْا حِزْبَهُ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ۙ وَ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۚ اَفَمَن رَّبَّنَا لَهٗ سُوْءٌ عَمَلِهٖ فَرَاۤءَا حَسَنًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَن يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَن يَّشَآءُ ۚ فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرٰتٍ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں۔ اور سب امور اللہ ہی کے روبرو پیش کئے جاویں گے۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ ضرور سچا ہے۔ سو ایسا نہ ہو کہ یہ دنیاوی زندگی تم کو دھوکہ میں ڈالے رکھے اور ایسا نہ ہو کہ تم کو دھوکہ باز شیطان، اللہ سے دھوکہ میں ڈال دے۔ یہ شیطان بیشک تمہارا دشمن ہے سو تم اس کو دشمن سمجھتے رہو۔ وہ تو اپنے گروہ کو محض اس لئے بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ دوزخیوں میں سے ہو جاویں۔ جو لوگ کافر ہو گئے ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔ تو کیا ایسا شخص جس کو اس کا عمل بد اچھا کر کے دکھلایا گیا پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا اور ایسا شخص جو قبیح کو قبیح سمجھتا ہے کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ سو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے تو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے سب کاموں کی خبر ہے۔

رابطہ: اوپر تو حید کا ذکر تھا۔ چونکہ کافر اس کا انکار کرتے تھے اور اس انکار سے رسول اللہ ﷺ کو رنج و غم بھی ہوتا تھا۔ اب انکار پر ڈرانے اور رنج و غم پر تسلی کا مضمون ہے اور درمیان میں مقابلہ کی بات پوری کرنے کے لئے مومنوں کے حق میں خوش خبری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی، سرکشی کرنے والوں کو ڈرانا اور اہل ایمان کے لئے خوش خبری:

اور (اے رسول ﷺ) اگر یہ لوگ (تو حید اور رسالت وغیرہ کے بارے میں) آپ کو جھٹلائیں تو (آپ غم نہ کریں، کیونکہ) آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں (ایک تو اس سے تسلی حاصل کیجئے) اور (دوسری بات یہ ہے کہ) سب امور اللہ ہی کے سامنے پیش کئے جائیں گے (وہ خود سب کو سمجھ لے گا، آپ کوئی فکر نہ کریں۔ آگے عام لوگوں کو خطاب ہے کہ) اے لوگو! ﴿وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورَ﴾ سن کر جس میں قیامت کی خبر ہے نہ کوئی تعجب کرنا اور نہ ہی اس کو ناممکن سمجھنا) اللہ تعالیٰ کا (یہ) وعدہ ضرور سچا ہے تو ایسا نہ ہو کہ دنیاوی زندگی تمہیں دھوکہ میں ڈالے رکھے (کہ اس میں مشغول ہو کر اس دن سے جس کا وعدہ کیا گیا ہے غافل رہو) اور ایسا نہ ہو کہ دھوکہ میں ڈالنے والا شیطان تمہیں اللہ سے دھوکہ میں ڈال دے (کہ تم اس کے اس بہکانے میں آ جاؤ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں نہ ڈالے گا۔ جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے ﴿وَلَكِنْ تَرْجِعُ إِلَىٰ رَبِّي﴾ ان لے عِنْدَهُ لَكُمُ الْحُسْنَىٰ) اور (یہ شیطان (جس کے دھوکہ میں ڈالنے کا اوپر ذکر ہے) بے شک تمہارا دشمن ہے تو تم اس کو (اپنا) دشمن (ہی) سمجھتے رہو، وہ تو اپنے گروہ کو (یعنی اپنا اتباع کرنے والوں کو) صرف اس لئے (باطل کی طرف) بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ جہنم والوں میں سے ہو جائیں (تو) جو لوگ کافر ہو گئے (اور اس کی دعوت اور دھوکہ میں آ گئے) ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے (اور اس کی دعوت اور دھوکہ میں نہ آئے) ان کے لئے (گناہوں کی بخشش اور) ایمان اور نیک عمل پر) بڑا اجر ہے (اور جب کافر کا انجام شدید

عذاب اور مؤمن کا انجام مغفرت اور بڑا اجر ہے) تو کیا ایسا شخص جس کو اس کا برا عمل اچھا کر کے دکھایا گیا، پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا اور ایسا شخص جو برے کو برا سمجھتا ہے، کہیں (یہ دونوں) برابر ہو سکتے ہیں؟ (پہلے شخص سے مراد کافر ہے جو شیطانی دھوکہ سے باطل کو حق اور نقصان دینے والے اعمال کو فائدہ دینے والا سمجھتا ہے اور دوسرے شخص سے مراد مؤمن ہے جو نبیوں کے اتباع اور شیطان کی مخالفت کی وجہ سے باطل کو باطل، حق کو حق، نقصان دینے والے اعمال کو نقصان دینے والا اور فائدہ دینے والے اعمال کو فائدہ دینے والا سمجھتا ہے۔ یہ دونوں برابر کہاں ہوئے؟ بلکہ ایک جہنمی اور ایک جنتی ہے، لہذا شیطان کے دھوکہ میں آنے والوں اور اس کو دشمن سمجھنے والوں میں یہ فرق ہے، اس لئے ہم کہتے ہیں ﴿لَا يَغْوُ فَكَّهُ﴾ یعنی ”تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے“ اور ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ﴾ یعنی ”شیطان تمہارا دشمن ہے“ اور اگر اس پر تعجب ہو کہ عقل مند آدمی برے کو نیک کیسے سمجھ لیتا ہے؟ تو (اس کی وجہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کرتا ہے (اس کی عقل الٹی اور خراب ہو جاتی ہے) اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے (اس کی سمجھ صحیح رہتی ہے، پھر جب ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کا مدار اللہ کی مشیت پر ہے) تو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے (یعنی کچھ افسوس نہ کیجئے، صبر سے بیٹھ رہئے) اللہ تعالیٰ کو ان کے سب کاموں کی خبر ہے (وقت پر ان سب سے سمجھ لے گا)

فائدہ: اس تفسیر میں ﴿أَفَتَنْزِيلُ﴾ کے ذریعہ ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ الخ اور ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ الخ کی مثالیں دی گئی ہیں۔ اور ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ﴾ الخ ﴿تَنْزِيلُ﴾ کا سبب ہے اور ﴿فَلَا تَذْهَبْ﴾ کے ذریعہ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ﴾ الخ کی مثال دی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ﴿أَفَتَنْزِيلُ﴾ کے ذریعہ شیطانی دھوکہ کی مثال دی گئی ہو جن لوگوں کو وہ دھوکہ دیتا ہے ان میں ایسے بھی ہیں جو بری باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں، تو یہ مثال محض اچھا دیکھنے اور سمجھنے کے اعتبار سے ہوگی نہ کہ اچھے اور برے کے درمیان برابری کی نفی کے اعتبار سے۔ اور اس سے بھی مقصود تسلی ہوگی یعنی جب اچھے اور برے میں تمیز نہ رہے تو رہنمائی کرنے والے کو مایوس ہو کر غم نہیں کرنا چاہئے اور ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ﴾ اس تسلی کا سبب ہوا اور ﴿فَلَا تَذْهَبْ﴾ کے ذریعہ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ﴾ کی یا تسلی کے گزشتہ مضمون کی مثال دی گئی ہو، جو ﴿أَفَتَنْزِيلُ﴾ الخ سے سمجھ میں آتا ہے اور احقر کے نزدیک دوسرا بیان زیادہ بہتر ہے، مگر متن کا پہلا بیان پہلے لکھ چکا تھا، اس لئے اس کو بدلنا مناسب نہیں سمجھا۔ واللہ اعلم۔ البتہ دوسرا بیان پڑھنے والوں کی سمجھ پر اعتماد کرنے کی وجہ سے لکھنے سے رہ گیا تھا، اب نظر ثانی میں اس کو آسان کر کے لکھتا ہوں۔ ﴿أَجْزُؤُكُمْ﴾ کا جو ترجمہ ”بڑا اجر“ ہے اس کے بعد عبارت اس طرح ہوگی ”اور جو لوگ شیطانی دھوکہ میں آ جاتے ہیں“ تو ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ بری باتوں کو اچھا اور اپنے آپ کو اچھے لوگوں کی برابر سمجھنے لگتے ہیں، مگر کیا واقع میں ایسا شخص جس کو اس کا برا عمل اچھا کر کے دکھایا گیا، پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا اور ایسا شخص جو برے کو برا سمجھتا ہے کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ تو ایسے بد تمیزوں سے ہدایت کی امید مت رکھئے اور نہ غم

کیجئے کیونکہ اس سب کا دار و مدار مشیت پر ہے، تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، اس کی عقل الٹی اور خراب ہو جاتی ہے اس لئے اس کے بعد عبارت جوں کی توں رہے گی۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیْحَ فَتُثَوِّرُ سَحَابًا مِّنْهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاٰخِیْنٰا بِهٖ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا ۚ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ
التَّیْبُ وَالْعُلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ۚ وَالَّذِیْنَ یَنْكُرُوْنَ السَّیِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۚ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ
یُبُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضُمُّ اِلَّا
بِعِلْمِهٖ ۚ وَمَا یُعْتَمِرُ مِنْ مُّعْتَمِرٍ وَلَا یُنْقَضُ مِنْ عُمْرٍ اِلَّا فِیْ كِتَابٍ دِرَاجٍ ۚ عَلٰی اللّٰهِ یَسِّرُ ۝ وَمَا
یَسْتَوِی الْبَصَرُ ۚ هٰذَا عَذَابٌ قَرِیْبٌ ۚ سَابِغٌ شَرَابُهٗ ۚ وَهٰذَا مَلْعَةٌ اُجَابٌ ۚ وَمَنْ كُلْ تَاْكُلُوْنَ لَهَا طَرِیْقًا ۚ
تُشْغَرُ جُجُوْنَ حَلِیَّةٌ تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِیْهِ مَوَاجِرٌ ۚ تَتَّبِعُوْنَ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
یُوْلِیْجُ الْاَیْلُ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِیْجُ النَّهَارُ فِی الْبَیْلِ ۚ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِحَاجِلِ مَّسْمِیٍّ ۚ
ذٰلِكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قَضٰیۃٍ اِنْ تَدْعُوْهُمْ
لَا یَسْمَعُوْا دَعَاۤءَ كُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا سَمِعُوْا اِلَّا كُمْ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشُرْكِكُمْ ۚ وَلَا یُنۢبِئُكَ
وَمَثَلُ حَبِیْرٍ ۝

۲۵۹

ترجمہ: اور اللہ ایسا ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم اس بادل کو خشک قطعہ زمین کی طرف
ہانک لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ سے زمین کو زندہ کرتے ہیں، اسی طرح جی اٹھتا ہے۔ جو شخص عزت حاصل کرنا
چاہے تو تمام تر عزت خدا ہی کے لئے ہے۔ اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے اور اچھا کام اس کو پہنچاتا ہے۔ اور جو لوگ بُری بُری
تدبیریں کر رہے ہیں ان کو سخت عذاب ہوگا۔ اور ان لوگوں کا یہ مکر نیست و نابود ہو جاوے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو مٹی سے
پیدا کیا پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا اور کسی عورت کو نہ حمل رہتا ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر سب اس کی
اطلاع سے ہوتا ہے۔ اور نہ کسی کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے مگر یہ سب لوح محفوظ میں ہوتا ہے۔ یہ
سب اللہ کو آسان ہے۔ اور دونوں دریا برابر نہیں ایک تو شیریں، پیاس بجھانے والا ہے اور ایک شورخ ہے اور تم ہر ایک سے
تازہ گوشت کھاتے ہو۔ اور زیور نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو اس میں دیکھتا ہے پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں
تاکہ تم اس کی روزی ڈھونڈو اور تاکہ تم شکر کرو۔ وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور
اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے۔ ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے، یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی
سلطنت ہے۔ اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کجیور کی گھٹلی کے چھلکے کی برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو

بھی تو وہ تمہاری سینس کے نہیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہارا کہنا نہ کریں گے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کرنے کی مخالفت کریں گے۔ اور تجھ کو خبر رکھنے والے کی برابر کوئی نہیں بتلاوے گا۔

رابطہ: سورۃ کے شروع میں توحید کا مضمون تھا، اب آیت ۱۴ تک پھر وہی مضمون ہے صرف درمیان میں زمین کو زندہ کرنے کی مناسبت سے ﴿كَذَٰلِكَ النُّشُورُ﴾ میں بعثت کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اور اوپر والے مضمون شیطان کے دھوکہ میں ڈالنے والے مضمون کی مناسبت سے کافروں کی ایک غلطی کا، عزت طلب کرنے کے بارے میں اور اس کی مناسبت سے عزت حاصل کرنے کے طریقہ کا اور اس کی مناسبت سے اس طریقہ کے خلاف کرنے والوں کی ناامیدی و بد نصیبی اور گمراہی و نقصان کا بیان فرما دیا اور عزت طلب کرنے کا مضمون ﴿وَالْيَوْمَ النُّشُورُ﴾ سے بھی مناسبت رکھتا ہے کہ جب سب کو قیامت میں حاضر ہونا ہے تو وہاں کی عزت کا جو طریقہ تم نے سمجھا ہے، وہ غلط ہے اور صحیح طریقہ یہ ہے الخ

توحید کے مضمون کا دوبارہ ذکر اور موقع محل کے مناسب بعض دوسرے مضامین:

اور اللہ ایسا (قدرت والا) ہے جو (بارش سے پہلے) ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ (ہوائیں) بادلوں کو اٹھاتی ہیں (جس کی حقیقت سورۃ روم آیت ۴۸ ﴿اللَّهُ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ الخ کی تفسیر میں گزر چکی ہے) پھر ہم اس بادل کو زمین کے خشک حصہ کی طرف ہانک لے جاتے ہیں (کہ وہاں بارش ہوتی ہے) پھر ہم اس (یعنی بادل کے پانی) کے ذریعہ سے زمین کو (پتھر پودوں، ہریالی سے) زندہ کرتے ہیں (اور جس طرح زمین کو اس کے مناسب زندگی عطا فرمائی) اسی طرح (قیامت میں آدمیوں کا) جی اٹھنا ہے (کہ انہیں ان کے مناسب زندگی عطا ہوگی، تشبیہ کی وجہ ظاہر ہے کہ دونوں میں ایک زائل ہونے والی صفت کا پیدا کرنا ہے اگرچہ زمین میں صرف ایک عرضی امر کا تعلق ہوا ہے اور انسانی جسم کے اعضا میں ایک جوہری امر یعنی روح کا تعلق ہوگا، یہ نشور یعنی جی اٹھنے کا مضمون توحید کی دلیلوں کے درمیان میں زمین کے زندہ ہونے کے لئے تابع ہو کر آگیا ہے۔ پھر اس جی اٹھنے کی مناسبت سے ایک اور مضمون ہے کہ جب قیامت میں زندہ ہونا ہے تو وہاں کی ذلت اور رسوائی سے بچنے کی فکر کرنا ضروری ہے، اس بارے میں مشرکوں نے اپنے معبودوں کو شیطان کے دھوکہ دینے کی وجہ سے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے، عزت حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دے رکھا تھا۔ چنانچہ وہ کہتے تھے ﴿هُوَ الَّذِي شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ یعنی ”یہ ہمارے علی الاطلاق شفاعت کرنے والے ہیں دنیاوی ضرورتوں میں بھی اور اگر قیامت کوئی چیز ہے تو آخرت کی نجات کے لئے بھی جیسا کہ حق تعالیٰ نے سورۃ مریم آیت ۸۱ میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا﴾ اس کے متعلق ارشاد ہے کہ (جو شخص (آخرت میں) عزت حاصل کرنا چاہے) (اور یہ چاہنا آخرت کے واقع ہونے کے یقین کی وجہ سے ضروری ہے) تو (اسے چاہئے کہ اللہ سے عزت حاصل کرے، کیونکہ) تمام تر عزت (ذاتی طور پر) اللہ ہی کے لئے (حاصل) ہے (اور دوسرے کے لئے جب ہوگی عرض کے

طور پر ہوگی اور جو عرض کے طور پر ہوتا ہے وہ ہمیشہ اس کا محتاج ہوتا ہے جو ذات کے طور پر ہوتا ہے۔ لہذا اس میں سب اللہ ہی کے محتاج ہوئے اور اللہ سے اس کا حاصل کرنا اس طرح ہے کہ قول کے اعتبار سے اور عمل کے اعتبار سے اطاعت و فرماں برداری اختیار کرے کہ اللہ کے نزدیک یہی چیزیں پسندیدہ ہیں، چنانچہ (اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے) یعنی وہی اس کو قبول کرتا ہے) اور اچھا کام اس کو پہنچتا ہے (اچھے کلام میں کلمہ تو حید اور اللہ کے تمام ذکر اور اچھے کام میں دل سے تصدیق اور تمام ظاہری و باطنی نیک اعمال داخل ہیں۔ اور رفع (اٹھانا) پوری طرح قبول کرنے سے عام ہے اور اس مختصر دلیل کی دوسری دلیلوں نے اس طرح تفصیل کر دی ہے کہ دل کی تصدیق تو تمام اچھے کلموں کے لئے محض قبول کی شرط ہے اور دوسرے نیک اعمال تمام اچھے کلموں کے لئے پوری طرح قبولیت کی شرط ہے نہ کہ محض قبول کی، کیونکہ اگر فاسق شخص سے اچھے کلمے ادا ہوں تو بھی قبول صحیح ہے، لہذا جب یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں تو جو شخص ان کو اختیار کرے گا وہ اللہ اور اس کی مخلوق کے نزدیک معزز ہوگا) اور جو لوگ (اس کے خلاف طریقہ اختیار کر کے آپ کی مخالفت کر رہے ہیں جو کہ خود اللہ ہی کی مخالفت ہے، اور آپ کے ساتھ) بری بری تدبیریں کر رہے ہیں، انہیں سخت عذاب ہوگا (جو ان کی ذلت کا سبب ہوگا اور جن کو یہ پوجا کے لائق معبود سمجھ رہے ہیں، وہ انہیں خاک عزت نہ دے سکیں گے بلکہ اس کے برعکس وہ خود ان کے خلاف ہو جائیں گے، جیسا کہ سورہ مریم آیت ۸۲ میں ہے ﴿سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِغَالًا﴾ یہ تو ان کا آخرت میں نقصان ہوگا) اور (دنیا میں بھی ان کا یہ نقصان ہوگا کہ) ان لوگوں کا یہ مکر و فریب بے نام و نشان ہو جائے گا (یعنی ان تدبیروں میں انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ اسلام کو مٹانا چاہتے تھے مگر خود ہی مٹ گئے۔ اس مضمون کے جملہ معترضہ کے طور پر پورا ہونے کے بعد پھر توحید کے مضمون کا ذکر ہے، یعنی حق تعالیٰ کا ایک تصرف تو وہ تھا جو اوپر ﴿اللَّهُ الَّذِي يَبُولُ﴾ الخ میں بیان کیا گیا) اور دوسرا تصرف جو توحید پر دلالت کرنے والا ہے، یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے جنہیں (آدم کو پیدا کرنے کے ضمن میں) مٹی سے پیدا کیا، پھر (مستقل طور پر) نطفہ سے پیدا کیا، پھر تمہارے جوڑے بنائے (یعنی کچھ مرد بنائے اور کچھ عورتیں بنائیں۔ یہ تو اس کی قدرت ہے) اور (اس کا علم ایسا ہے کہ) کسی عورت کو نہ حمل رہتا ہے اور نہ ہی وہ جنتی ہے مگر سب اس کے علم سے ہوتا ہے یعنی اسے پہلے سے سب کا علم ہوتا ہے) اور (اسی طرح) نہ کسی کی عمر زیادہ (مقرر) کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم (مقرر) کی جاتی ہے۔ مگر یہ سب لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہوتا ہے (جسے حق تعالیٰ نے اپنے قدیم علم کے مطابق اس میں درج فرما دیا ہے اور اگرچہ معلومات بے شمار ہیں کہ نہ ان کی گنتی کی جاسکتی ہے، نہ ان کا احاطہ کیا جاسکتا ہے مگر اس بات پر تعجب نہ کرو کہ واقع ہونے سے پہلے سارے واقعات کو کیسے مقدر و مقرر فرما دیا؟ کیونکہ) یہ سب اللہ کے لئے آسان ہے (کیونکہ اس کا علم ذاتی ہے جس کے لئے تمام معلومات واقع ہونے سے پہلے اور واقع ہونے کے بعد سب برابر ہیں) اور (آگے قدرت کی اور دلیلیں سنو کہ اس کے

باوجود کہ پانی ایک ہی مادہ ہے مگر قبول کرنے والے کے ایک ہونے کے باوجود اس میں افعال کے اختلاف سے دو مختلف قسمیں پیدا کر دیں، چنانچہ (دونوں دریا برابر نہیں ہیں) (بلکہ) ایک تو میٹھا پیاس بجھانے والا ہے جس کا پینا بھی (طبیعت کے قبول کرنے کی وجہ سے) آسان ہے اور ایک نمکین کڑوا ہے (تو یہ امر بھی قدرت کی عجیب باتوں میں ہے) اور (قدرت کی دوسری دلیل بھی ہیں جو قدرت پر دلالت کے ساتھ نعمت پر دلالت کرنے والی بھی ہیں، بعض تو انہی دریاؤں سے متعلق ہیں، مثلاً یہ کہ) تم ہر ایک (دریا) سے (مچھلیاں پکڑ کر ان کا) تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور (یعنی موتی) نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو۔ اور (اے مخاطب!) تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو، وہ پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم (ان کے ذریعہ سفر کر کے) اس کی روزی ڈھونڈو اور تاکہ (روزی حاصل کر کے) تم (اللہ کا) شکر کرو (اور بعض اور نعمتیں ہیں، مثال کے طور پر یہ کہ) وہ رات (کے حصوں) کو دن (کے حصوں) میں داخل کر دیتا ہے اور دن (کے حصوں) کو رات (کے حصوں) میں داخل کر دیتا ہے (جس سے دن اور رات کے گھٹنے بڑھنے سے متعلق فائدے حاصل ہوتے ہیں) اور (مثال کے طور پر یہ کہ) اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے (ان میں سے) ہر ایک مقرر وقت (یعنی قیامت کے دن) تک (اس طرح) چلتا رہے گا، یہی اللہ (جس کی یہ شان ہے) تمہارا پروردگار ہے، اسی کی سلطنت ہے اور اس کے سوا جن کو پکارتے ہو، وہ تو کجھور کی گٹھلی کے چھلکے کی برابر بھی اختیار نہیں رکھتے (چنانچہ بے جان جمادات زمینی معدنی چیزوں پتھر وغیرہ میں تو ظاہر ہے اور جاندار چیزوں میں اس لحاظ سے کہ ذاتی طور پر اختیار نہیں رکھتے اور ان کی یہ حالت ہے کہ) اگر تم انہیں پکارو بھی تو (اول تو) وہ تمہاری (کوئی بات) سنیں گے نہیں (جمادات تو اس لئے نہیں سنیں گے کہ ان میں سننے کی قوت ہی نہیں ہے اور جانداروں میں اس معنی میں کہ جس طرح کے سننے کا کافر عقیدہ رکھتے تھے کہ سننا لازم اور ہمیشہ رہنے والا ہے، وہ موجود ہی نہیں ہے) اور اگر (فرض کرو) سن بھی لیں تو تمہارا کہنا پورا نہیں کریں گے (جمادات میں تو یہ بات بالکل ہی محض فرض ہے اور اس جملہ کے شرط ہونے کی وجہ سے اس کی جزا کا واقع ہونا ضروری نہیں، اور جانداروں میں یہ بات کبھی واقع بھی ہو سکتی ہے اور ﴿مَا اسْتَجَابُوا﴾ میں قبولیت کی نفی جمادات کے حق میں تو قابلیت نہ ہونے کی وجہ سے اور جانداروں میں سے جو مقبول ہیں، جیسے فرشتے کہ ان میں رضائے ہونے کی وجہ سے، اور جو غیر مقبول ہیں جیسے شیطان ان میں جو امور ایسے ہیں کہ ان کے لئے پکارا جاتا ہے یا جن کے لئے دعا کی جاتی ہے وہ ان کے اختیار سے باہر ہیں، ان میں تو قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اور جو اختیار میں ہیں ان میں مستقل قدرت نہ ہونے کے اعتبار سے یہ حالت تو ان معبودوں کی دنیا میں ہے) اور قیامت کے دن وہ (خود تمہارے شرک کرنے کی مخالفت کریں گے، جیسا کہ ﴿مَا كَانُوا لَنَا بِعَبْدُونَ﴾ وغیرہ آیتوں میں بیان کیا گیا ہے) اور (ہم نے جو کچھ فرمایا ہے اس کے سچے ہونے میں ذرا شک و شبہ نہیں، کیونکہ ہم امور کی حقیقتوں کی پوری خبر رکھنے والے ہیں۔ اور اے مخاطب!) تمہیں خبر رکھنے والے کی برابر کوئی نہیں بتائے گا (لہذا ہمارا بتانا

(سب سے صحیح ہے)

فائدہ: یہ بات مشہور ہے کہ موتی صرف دریائے شور یعنی نمکین پانی والے دریا میں سے نکلتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو ﴿وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً﴾ الخ صرف نمکین پانی والے دریا کے اعتبار سے ہوگا، یعنی تازہ گوشت والا مذکورہ فائدہ تو مشترک تھا اور بعض فائدے نمکین پانی والے دریا کے ساتھ خاص ہیں کہ وہ موتیوں کا نکلتا ہے اور اس صورت میں ﴿تَرَىٰ الْفُلْكَ فِيهِ﴾ میں زیر دینے والے حرف کے بعد آنے والی ضمیر کا دوبارہ لانا بھی دریائے شور یعنی نمکین پانی والے دریا کے مناسب ہوگا جو موتی کے نکلتے کے قرینہ سے ضمیر متصل کی طرح ہے اور اگرچہ یہ نفع مشترک ہے مگر دریائے شور میں اکثر بڑے بڑے جہازوں کا چلنا، جس میں پھاڑتے ہوئے چلنا اور روزی کا ڈھونڈنا زیادہ ثابت ہیں، البتہ خصوصیت کی وجہ ہو سکتی ہے اور ﴿كُلُّ يَجْرِئُ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ سے متعلق ایک ضروری مضمون سورۃ لقمان آیت ۲۹ میں اسی طرح کے فقرہ کی تفسیر میں لکھا گیا ہے، ملاحظہ کیا جائے۔ اور ﴿إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ کے ترجمہ میں ”ذاتی طور پر“ کی قید ظاہر کر دینے سے یہ آیت ﴿وَاللَّهُ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ﴾ کے خلاف نہیں رہی، جیسا کہ ظاہر ہے اور ان آیتوں میں قدرت کی زیادہ دلیلوں اور علم کے فرمانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ قدرت کے آثار علم کے آثار سے زیادہ ظاہر ہیں، اور قدرت کی دلیلوں میں دونوں طرف آفاقی دلیلیں اور درمیان میں انفسی دلیلیں شاید اس لئے لائی گئی ہوں کہ آفاقی کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ دیکھا جاتا ہے اور قلب سون سے متعلق سورۃ النحل آیت ۱۲ میں ضروری مضمون لکھا گیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ لِلَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۚ إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جُنْدٍهَا لَا يُجْمَلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ۚ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يُشَاءُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۚ إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۚ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۚ وَإِنْ يَكْفُرُ بِكَ الْكَافِرُونَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ وَالنُّزُورِ ۖ بِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۖ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۚ﴾

ترجمہ: اے لوگو! تم خدا کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق کو پیدا کر دے اور یہ بات خدا کو کچھ مشکل نہیں۔ اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھاوے گا اور اگر کوئی بوجھ کا لدا ہو کسی کو اپنا بوجھ

اٹھانے کے لئے بلاوے کا تب بھی اُس میں سے کچھ بھی بوجھ نہ ہٹایا جاوے گا۔ اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو آپ تو صرف ایسے لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ اور جو شخص پاک ہوتا ہے وہ اپنے لئے پاک ہوتا ہے اور اللہ کی طرف لوٹ جاتا ہے اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور نہ تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور دھوپ اور زندے اور مَر دے برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے سنوار دیتا ہے اور آپ اُن لوگوں کو نہیں سنوا سکتے جو قبروں میں ہیں۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں، ہم ہی نے آپ کو حق دے کر خوش خبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ اُن کے پاس بھی اُن کے پیغمبر معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔ پھر میں نے اُن کافروں کو پکڑ لیا سو میرا عذاب کیسا ہوا۔

رابطہ: اوپر تو حید کا ذکر تھا، چونکہ کافر اس کا انکار کرتے تھے اور اس انکار سے رسول اللہ ﷺ کو رنج و ملال ہوتا تھا۔ اب اس انکار سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ ہونا بلکہ خود ان کافروں ہی کا نقصان ہونا اور تسلیم کر لینے سے حق کا تعالیٰ کچھ نفع نہ ہونا بلکہ خود انہی کا نفع ہونا اور دنیا میں اس نقصان کا احتمال اور آخرت میں اس کا واقع ہونا بیان کر کے کافروں کو ڈرانا اور اس کے بعد رسول ﷺ کے رنج و غم پر آپ کی تسلی کا مضمون ہے۔

انکار کرنے والوں کو ڈرانا اور سید المرسلین ﷺ کی تسلی:

اے لوگو! تم (ہی) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ (تو بے نیاز) بے پرواہ (اور خود تمام) خوبیوں والا ہے (لہذا تمہاری حاجت و ضرورت دیکھ کر تمہارے نفع کے لئے توحید وغیرہ کی تعلیم کی گئی ہے، اگر تم نہیں مانو گے تو تم اپنا نقصان کرو گے۔ ورنہ حق تعالیٰ کو تو ذاتی بے نیازی اور ذاتی کمال کی وجہ سے تمہاری یا تمہارے اعمال کی کوئی ضرورت ہی نہیں کہ اس کے نقصان کا احتمال ہو اور کفر پر جو نقصان ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اب بھی واقع کرنے پر قادر ہے۔ چنانچہ) اگر وہ چاہے تو (تمہارے کفر کی سزا میں) تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق پیدا کر دے (جو تمہاری طرح کفر و انکار نہ کریں) اور یہ بات اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں (لیکن مصلحت کی وجہ سے مہلت دے رکھی ہے۔ غرض یہاں تو ضرور اس کے واقع ہونے کا احتمال ہے لیکن قیامت میں وہ ضرور واقع ہو جائے گا) اور (اس وقت یہ حالت ہوگی کہ) کوئی دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور (خود تو کوئی کسی کی رعایت کیا کرتا، یہ حالت ہوگی کہ) اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا (یعنی کوئی گنہگار) کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا (بھی) تب بھی اس میں سے کچھ بھی بوجھ نہیں ہٹایا جائے گا۔ اگرچہ وہ شخص قریبی عزیز ہی (کیوں نہ) ہو (لہذا اس وقت اس کفر اور بد عملی کا پورا نقصان خود ہی بھگتنا پڑے گا، یہ تو انکار کرنے والوں کو ڈرانا ہو گیا۔

آگے حضور ﷺ کی تسلی ہے کہ اے محمد ﷺ آپ ان کے انکار پر جس کی سزا یہ ایک دن ضرور بھگتیں گے، اس

قد غم وافسوس کیوں کرتے ہیں؟) آپ تو (ایسا ڈرانا جس کا فائدہ ہو) صرف ایسے لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں، جو بغیر دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور نماز کی پابندی کرتے ہیں (اس ﴿الَّذِينَ﴾ سے مراد مومن ہیں یعنی آپ کے ڈرانے سے صرف مومن فائدہ اٹھاتے ہیں، چاہے وہ اس وقت مومن ہوں یا بعد میں ایمان لانے والے ہوں اور دونوں میں مشترک امر حق کی طلب ہے۔ مطلب یہ کہ حق طلب کرنے والے کو نفع ہوا کرتا ہے، یہ لوگ حق کے طلب کرنے والے ہی نہیں ہیں، اس لئے ان سے کوئی امید ہی نہ رکھئے) اور (آپ ان کے ایمان نہ لانے سے اس قدر فکر کیوں کرتے ہیں؟) جو شخص (ایمان لا کر شرک و کفر سے) پاک ہوتا ہے، وہ اپنے (نفع کے) لئے پاک ہوتا ہے اور (جو ایمان نہیں لاتا وہ وہاں بھگتے گا کیونکہ سب کو) اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے (لہذا فائدہ ہے تو ان کا، پھر آپ کیوں غم کرتے ہیں) اور (ان لوگوں سے کیا امید رکھی جائے کہ ان کی سمجھ داری مومنوں کی سمجھ داروں جیسی ہو جائے اور اس سمجھ داری کی وجہ سے مومنوں کی طرح یہ بھی حق کے راستہ کو قبول کر لیں اور حق کو قبول کرنے کے دینی نتیجوں اور فائدوں میں بھی یہ لوگ شریک ہو جائیں، کیونکہ حق کو سمجھنے میں مومنوں کی مثال آنکھوں سے دیکھنے والوں کی طرح ہے اور حق کو نہ دیکھنے میں ان کی مثال اندھوں جیسی ہے اور اسی طرح مومن نے حق کو سمجھ کر ہدایت کے جس طریقہ کو اختیار کیا ہے، حق کے اس طریقہ کی مثال نور جیسی ہے اور کافر نے حق کو نہ سمجھ کر جس طریقہ کو اختیار کیا ہے اس کی مثال اندھیرے جیسی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي يَهْدِي فِي النَّاسِ كَنَزَّ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا﴾ اور اسی طرح اس طریقہ پر چلنے سے جو ثمرہ و نتیجہ جنت وغیرہ ملے گا اس کی مثال ٹھنڈے سایہ جیسی ہے اور باطل طریقہ پر جو ثمرہ و نتیجہ جہنم وغیرہ ملے گا اس کی مثال جلتی دھوپ جیسی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَقَدْ ظِلَّ مَشْهُودٌ﴾ سے ﴿فِي سَمُورٍ﴾ تک۔ اور ظاہر ہے کہ) اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور نہ ہی اندھیرا اور روشنی اور نہ سایہ اور دھوپ (لہذا نہ ان کی اور مومنوں کی سمجھ داری برابر ہوتی ہے اور نہ ہی ان کا طریقہ اور نہ اس طریقہ کا ثمرہ اور نتیجہ) اور (مومن اور کافر میں جو فرق اندھے اور آنکھوں والے جیسا کہا گیا تو اس سے مقصود کی کمی ہے نہ کہ زیادتی کی۔ کیونکہ ان میں فرق مردہ اور زندہ کا سا ہے لہذا ان کی برابری کی نفی کے لئے یوں کہنا بھی صحیح ہے کہ) زندہ اور مردے برابر نہیں ہو سکتے (اور جب یہ مردے ہیں تو مردوں کو زندہ کرنا اللہ کی قدرت میں تو ہے بندہ کی قدرت میں نہیں، لہذا اگر اللہ ہی انہیں ہدایت دیدے تب تو اور بات ہے، کیونکہ) اللہ جس کو چاہتا ہے سادیتا ہے (ویسے آپ کی کوشش سے یہ لوگ حق کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ ان کی تو آپ نے مردوں کی مثال سن لی) اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں (دفن) ہیں (لیکن اگر یہ نہ مانیں تو آپ غم نہ کیجئے کیونکہ) آپ تو (کافروں کے حق میں) صرف ڈرانے والے ہیں (آپ کے ذمہ یہ نہیں کہ وہ کافر ڈر کو مان بھی لیں اور آپ کا یہ ڈرانا آپ کی اپنی طرف سے نہیں جیسا کہ نبوت کا انکار کرنے والے کہتے تھے، بلکہ یہ تو ہماری طرف سے ہے، کیونکہ) ہم نے ہی

آپ کو (دین) دے کر (مسلمانوں کو) خوش خبری سنانے والا اور (کافروں کو) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور (یہ بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں جیسا کہ کافر کہتے تھے، بلکہ) کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈر سنانے والا (یعنی نبی) نہ گذرا ہو اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو (آپ ان گذشتہ رسولوں کا جن کا ابھی مختصر انداز میں ذکر ہوا ہے اور تفصیل کے ساتھ دوسری آیتوں میں ذکر ہے، کافروں کے ساتھ معاملہ یاد کر کے اپنے دل کو سمجھا لیجئے کیونکہ) جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں، انھوں نے بھی (اپنے وقت کے رسولوں کو) جھٹلایا تھا (اور) ان کے پاس بھی ان کے رسول معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے (یعنی بعض صحیفے اور بعض بڑی بڑی کتابیں اور بعض نبوت کی تصدیق کرنے والے معجزے اور گذشتہ نبیوں کے احکام لے کر آئے) پھر (جب انھوں نے جھٹلایا تو) میں نے ان کافروں کو پکڑ لیا تو (دیکھو) میرا عذاب کیسا ہوا؟ (اسی طرح ان کے وقت پر انہیں سزا دوں گا)

فائدہ: اندھیرے اور روشنی اور سایہ اور دھوپ کے برابر ہونے کی نفی اس بنیاد پر نہیں کہ جن سے تشبیہ دی گئی ہے، ان کے برابر ہونے کا شبہ تھا، بلکہ یہ اس لئے ہے کہ ان کی ہدایت نہ ہونے پر استدلال ہے کہ دیکھو ان سے جن چیزوں کو تشبیہ دی گئی ہے یعنی ہدایت و گمراہی اور جنت و جہنم کا برابر نہ ہونا تو معلوم ہی ہے اور ہر فریق کے لئے ایک ایک بات مقدر ہے تو کافروں کی ہدایت کی توقع کرنا گویا ان امور کی امید برابری کے لئے لازم ہے جو کہ محال ہے، لہذا جس سے لازم کیا گیا وہ بھی مبالغہ منفی ہے اور ﴿إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ﴾ کے ترجمہ سے نفی کا شبہ اگلی آیت ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ سے جاتا رہا۔ لہذا اس حصر سے یا تو بشیر یعنی خوش خبری دینے والے کی نفی بالکل مقصود ہی نہ ہو، بلکہ آپ سے جس کا سوال کیا جا رہا ہے اس کی نفی ہو جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَا تَسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾ یا پھر بشیر کی نفی کافروں کے اعتبار سے ہو، میرے ترجمہ سے دونوں امر ظاہر ہیں۔ اور سورہ نمل آیت ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا لِخَالِجِ كِتَابًا﴾ کی تفسیر میں ﴿إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ﴾ سے متعلق کچھ مضمون گذرا ہے، ملاحظہ فرمایا جائے۔ اور مردوں کے سننے کے بارے میں سورہ نمل آیت ۸۰ ﴿إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى﴾ کی تفسیر میں ضروری بحث لکھی گئی ہے اور ﴿لَا يُحْمَلُ مِنْهُ ثَنِيَّةٌ﴾ سورہ عنکبوت کی آیت ۱۳ ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ﴾ سے گھرا نہیں رہی ہے، چنانچہ اس کا بیان ترجمہ دیکھنے سے واضح ہو سکتا ہے۔

﴿الَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَعَرَاءٍ يَبْسُ سَوْدٌ ۚ وَمِنَ النَّاسِ وَالْذَوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝﴾

ترجمہ: کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں بہت گہرے سیاہ۔ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں۔ خدا سے اُس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔

رابطہ: جیسا کہ اوپر کئی جگہ توحید کا مضمون آچکا ہے، اب پھر توحید کا بیان ہے اور توحید کے ساتھ اس کے علم کے ایک عملی نتیجہ خشیت یعنی ڈرنے کا ذکر ہے اور اس نتیجہ کی علت کے طور پر اللہ کی بعض صفات کا بیان ہے۔

وحدت و خشیت، اور علت کے ذریعہ اس کی تقویت:

(اے مخاطب!) کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے (چاہے مختلف نوعوں اور صفتوں کے اور چاہے ایک ہی نوع اور ایک ہی صفت کے) اور (اس طرح) پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں (بعض) سفید اور (بعض) سرخ کہ (پھر خود) ان (سفید اور سرخ) کی بھی رنگتیں مختلف ہیں (کہ بعض بہت سفید اور بہت سرخ ہیں اور بعض ہلکے سفید اور ہلکے سرخ) اور (بعض نہ سفید نہ سرخ بلکہ) بہت گہرے سیاہ اور اس طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں (بعض اوقات اختلاف صفتوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بعض اوقات ایک ہی صنف میں۔ لہذا جو لوگ قدرت کی ان ولیوں میں غور کرتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا علم ہوتا ہے اور) اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں (اگر عظمت کا علم اعتقادی ہے تو خشیت یعنی ڈر بھی اعتقادی ہے اور اگر عظمت کا علم محض حال سے متعلق ہے تو خشیت بھی محض حال سے متعلق ہے اور) واقعی اللہ تعالیٰ (سے ڈرنا اپنے آپ میں بھی ضروری ہے، کیونکہ وہ) زبردست (ہے کہ سب کچھ کر سکتا ہے اور ایک انتہائی مقصود کی وجہ سے ضروری ہے، کیونکہ وہ ڈرنے والوں کے گناہوں کا) بڑا بخشنے والا ہے (لہذا ڈرنا عزت کا تقاضا بھی ہے اور مغفرت کا بھی تقاضا ہے)

فائدہ: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ﴾ الخ کی جو وضاحت کی گئی ہے اس سے اس شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ بعض اہل علم کو خشیت یعنی اللہ کے ڈر سے خالی دیکھا جاتا ہے۔ اور ان آیتوں کے ربط کی ایک وضاحت اور بھی ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ یہ بھی تسلی کے مضمون میں داخل ہے جس کا اس سے قریب کی آیتوں میں بیان ہوا ہے، لہذا حاصل یہ ہوگا کہ ہم نے مؤمن اور کافر میں جو دیکھنے والے اور اندھے کا سافرق رکھا ہے تو کچھ ان کی خصوصیت نہیں، ہم نے دوسری مخلوقوں میں بھی حکمت کے تقاضے سے بہت سے امور میں اختلاف اور فرق رکھے ہیں، چنانچہ دیکھو پھلوں، پتھروں اور حیوانوں کے رنگوں میں ہی کیسا فرق رکھا ہے، لہذا اس صورت میں کافروں سے کیا امید رکھی جائے؟ اور ان کے ایمان نہ لانے سے کیوں افسوس کیا

جائے؟ آپ کے ڈرانے سے تو صرف انہی لوگوں میں خشیت اور خشیت سے اطاعت پیدا ہو سکتی ہے جنہیں ڈرانے کے مضمون میں غور و فکر کر کے حق تعالیٰ کی عظمت کا علم حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اسی مضمون سے تسلی شروع بھی ہوئی تھی ﴿لَا تَمْنَا تَنْزِيلُ الَّذِينَ يُخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ﴾ الخ لہذا چونکہ مقصود یہی مضمون تھا، اس پر ختم بھی کیا گیا اور پہلی وضاحت لکھنے کے بعد جب یہ وضاحت ذہن میں آئی تو اس سے زیادہ بہتر معلوم ہوئی، لہذا جس کو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں، اور مختلف امور میں رنگ کو خاص طور سے شاید اس لئے بیان کیا ہو کہ اس میں اختلاف بالکل ظاہر ہے اور دلیل کا پہلا حصہ جتنا زیادہ ظاہر ہو مطلوب میں اس کا اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تَجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ۚ لِيُؤْتِيَهُمُ اجْوَرَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْبُدُهُ الْخَبِيرُ بِصِغِيرٍ ۝ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ۚ يُرِيدُ اللَّهُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝ جَعَلْنَا عَدِيَّ بَيْنَ يَدَيْ خُلُوتِهَا يُحَلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ يُّوَلُّوْنَ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ۚ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۝ الَّذِي أَعْلَنَّا دَارَ الْمَقَامَةِ مِن فَضْلِهِ ۚ لَا يَسْتَنَافِيهِمَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فِيمَوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا نَبَاتًا أَخْرَجْنَا نَعْلًا صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ نَعْتَمِزْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ ۚ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ۝﴾

ع

ترجمہ: جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہے اُس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں وہ ایسی تجارت کے اُمیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی تاکہ اُن کو اُن کی اجر میں پوری دیں اور اُن کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں۔ بیشک وہ بڑا بخشنے والا قدر دان ہے اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل ٹھیک ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔ پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعض تو اُن میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض اُن میں متوسط درجہ کے ہیں۔ اور بعض اُن میں وہ ہیں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں۔ یہ بڑا فضل ہے۔ وہ باغات

ہیں ہمیشہ رہنے کے جس میں یہ لوگ داخل ہو گئے اُن کو سونے کے ننگن اور موتی پہنائے جاویں گے اور پوشاک اُن کی وہاں ریشم کی ہوگی۔ اور کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔ جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اُتارا جہاں نہ ہم کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ کوئی ہم کو خشکی پہنچے گی۔ اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے لئے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان کی قضا آوے گی کہ مر ہی جاویں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی اُن سے ہلکا کیا جاوے گا۔ ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ اور وہ لوگ اُس میں چلا دیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لیجئے ہم اچھے کام کریں گے برخلاف اُن کاموں کے جو کیا کرتے تھے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا، سو مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

رابطہ: اوپر تین مقامات میں (۱) ﴿إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ﴾ سے ﴿كَذَٰلِكَ الْفُتُوْرُ﴾ سے ﴿يُبُوْرُ﴾ تک اور (۳) ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ﴾ سے ﴿الْمَصِيْرُ﴾ تک مختصر انداز میں آخرت، اس کی جزا و سزا و بدلہ کا ذکر آچکا ہے۔ اور اوپر والے مضمون کے ختم پر ﴿عَزِيْرٌ غَفُوْرٌ﴾ سے بھی جزا و سزا کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ اب اس کی تفصیل اور زیادہ تصریح ہے۔

ثواب و عذاب کا بیان اور اعمال اور عمل کرنے والوں میں فرق:

جو لوگ اللہ کی کتاب (یعنی قرآن) کی تلاوت (عمل کے ساتھ) کرتے رہتے ہیں اور (خصوصیت و اہتمام کے ساتھ) نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے، اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ (جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے) خرچ کرتے ہیں، وہ (اللہ کے وعدہ کی وجہ سے) ایسی (ہمیشہ کے نفع والی) تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی مندی نہیں ہوگی (کیونکہ اس سودے کا خریدار کوئی مخلوق میں سے نہیں ہے جو کبھی تو سودے کی قدر کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا، بلکہ اس کا خریدار خود حق تعالیٰ ہوگا جو ضرور اپنے وعدہ کے مطابق اپنی غرض سے نہیں بلکہ صرف انہیں فائدہ پہنچانے کے لئے اس کی قدر کرے گا) تاکہ انہیں ان (کے اعمال) کی اجر تیں (بھی) پوری (پوری) دیں (جس کا آگے ﴿جَنَّتْ عَذْنُ﴾ لے میں بیان آئے گا) اور (اجر ت کے علاوہ) انہیں اپنے فضل سے اور زیادہ (بھی) دیں (اور اس میں سے نیکیوں کو بڑھا کر دینا بھی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلٍ﴾) بے شک وہ بڑا بخشنے والا، بڑا قدر کرنے والا ہے (لہذا ان کے اعمال میں جو کچھ کوتاہی رہ گئی تھی اس کی ایسی قدر کی کہ اجر ت کے علاوہ انعام بھی دیا) اور (قرآن مجید پر عمل کرنے کی برکت سے انہیں جو اجر و فضل ملا تو واقعی قرآن مجید ایسی ہی چیز ہے کیونکہ) یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل حق ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی (اس معنی میں) تصدیق کرتی ہے (کہ انہیں ان کی اصلی شکل میں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی جاتی ہے، چاہے بعد میں ان میں تحریف یعنی رد و بدل

کردی گئی ہو۔ غرض یہ کتاب ہر طرح کامل ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی (حالت کی) پوری خبر رکھنے والا (اور ان کی مصلحتوں کو) خوب دیکھنے والا ہے (اس لئے اس وقت ایسی ہی کامل کتاب کا نازل کرنا حکمت کے مطابق بھی تھا اور کامل کتاب پر عمل کرنے والا کامل جزا کا مستحق بھی ہوگا۔ جو کہ اجر و فضل کا مجموعہ ہے، لہذا اس اجر و فضل کے فیض کے لئے ہم نے یہ کتاب پہلے آپ پر نازل کی اور) پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جنہیں ہم نے اپنے (تمام دنیا جہان کے) بندوں میں سے (ایمان کے اعتبار سے) پسند فرمایا (اس سے اہل اسلام مراد ہیں جو ایمان کی اس حیثیت سے تمام دنیا والوں میں اللہ کے نزدیک مقبول ہیں، چاہے ان میں برے عمل جیسی کوئی دوسری وجہ ملامت کا سبب بھی ہو، مطلب یہ کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں وہ کتاب پہنچائی) پھر (ان میں سے انتخاب کر کے مشترک ہونے کے باوجود تین قسمیں ہیں کہ) ان میں سے (۱) بعض تو (کوئی گناہ کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور (۲) بعض ان میں (جو گناہ کرتے ہیں اور نہ طاعتوں میں ضرورت سے زیادہ بڑھتے ہیں) درمیانی درجہ کے ہیں اور (۳) بعض ان میں وہ ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں (کہ گناہوں سے بھی بچتے ہیں اور فرضوں کے ساتھ غیر فرضوں کی بھی ہمت کرتے ہیں۔ غرض ہم نے تینوں قسم کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں وہ کتاب پہنچائی اور) یہ (یعنی ایسی کامل کتاب کا پہنچا دینا اللہ کا) بڑا فضل ہے (کیونکہ اس پر عمل کرنے کی بدولت ہی وہ اجر و فضل کے مستحق ہو گئے۔ آگے اس اجر و فضل کا بیان ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ) وہ (اجر و فضل) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں، جن میں یہ لوگ (جن کا آیت ﴿وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ﴾ الخ میں ذکر ہے) داخل ہوں گے (اور) انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی اور (وہ وہاں داخل ہو کر) کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے (ہمیشہ کے لئے رنج و غم دور کیا، بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا، بڑا قدر کرنے والا ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں اتارا، جہاں ہمیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہمیں کوئی رنج و غم ہوگا) یہ تو اللہ کی کتاب اور احکام پر عمل کرنے والوں کا حال ہوا) اور جو لوگ (ان کے برخلاف) کافر ہیں، ان کے لئے جہنم کی آگ ہے نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ مر ہی جائیں (اور مر کر چھوٹ جائیں) اور نہ ہی ان سے جہنم کا عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا، ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیں گے۔ اور وہ لوگ اس (جہنم میں پڑے ہوئے) چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں (یہاں سے) نکال لیجئے، ہم (اب خوب) اچھے (اچھے) کام کریں گے ان کاموں کے برخلاف جو (پہلے) کیا کرتے تھے (ارشاد ہوگا کہ) کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا اور (صرف عمر ہی دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ) تمہارے پاس (ہماری طرف سے) ڈرانے والا (یعنی رسول) بھی پہنچا تھا (چاہے واسطہ سے یا بلا واسطہ، مگر تم نے ایک نہیں سنی) تو (اب) اس نہ ماننے کا) مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا (یہاں) کوئی مددگار نہیں (ہم تو ناراضی کی وجہ سے دوسرے قدرت نہ ہونے کی

وجہ سے، چاہے اس کے ساتھ رضا کا ہونا ہو یا رضا کا نہ ہونا)

فائدہ: ﴿اُولَئِكَ نَعْتَمِزُكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ﴾ میں جس عمر کا ذکر ہے، اس سے بالغ ہونے کی عمر مراد ہے کہ اس میں ضرورت کے مطابق فہم یعنی پوری سمجھ حاصل ہو جاتی ہے اس لئے اس عمر میں مکلف ہو جاتا ہے۔ فائدہ سے درمنثور میں یہی تفسیر نقل کی گئی ہے: قَالَ اَعْلَمُوا اَنْ طَوَّلَ الْعُمُرَ حُجَّةٌ قَالَ نَزَلَتْ وَاِنْ فِيْهِمْ لَا بِنِ ثَمَانِ عَشْرٍ سَنَةٍ: اور اس سے بالغ ہونا مراد ہے جیسا کہ امام صاحب نے بالغ ہونے کی زیادہ سے زیادہ یعنی مدت قرار دی ہے۔ اور بعض حدیثوں میں جو اس کی تفسیر میں ساٹھ برس آئے ہیں، اس سے تخصیص مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس سے اور زیادہ حجت ہوگی اور ﴿يَتْلُوْنَ﴾ پر جنت میں داخل ہونا اس کے سبب پر دلالت کرتا ہے اور اس سے اس پر موقوف ہونا لازم نہیں آتا۔ اور اگر پہلے داخل ہونے کا اس پر موقوف ٹھہرایا جائے تو تلاوت سے مراد عمل ہے جو کہ تلاوت کا مقصود ہے، کیونکہ بغیر عمل کے تلاوت کثرتی کے یا اعتبار کے قابل نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اِنَّكَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۰ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ خَلْقًا
فِي الْاَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۚ وَلَا يُزِيْدُ الْكَافِرِيْنَ كُفْرًا ۚ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يُزِيْدُ
الْكٰفِرِيْنَ كُفْرًا ۚ اِلَّا خَسَارًا ۝۱۱ قُلْ اَرَدَيْتُمْ مِّثْرًا ۚ كُمْ الَّذِيْنَ نَذَعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرْوُفِيْ مَا ذَا
خَلَقْنَا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَكُمْ شِرْكٌ فِى السَّمٰوٰتِ اَمْ اَتَيْنَهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنٰتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يُعٰدُ
الظٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلٰكِنْ زَالَتَا اِنْ
اَمْسَكْنَاهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۱۳﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا۔ بیشک وہی جاننے والا ہے دل کی باتوں کا وہی ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا۔ سو جو شخص کفر کرے گا اُس کے کفر کا وبال اُسی پر پڑے گا اور کافروں کے لئے اُن کا کفر اُن کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور کافروں کے لئے اُن کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے۔ آپ کہئے کہ تم اپنے قرار دہاں کیوں کا حال تو ہٹاؤ جن کو تم خدا کے سوا پوجا کرتے ہو۔ یعنی مجھ کو یہ بتاؤ کہ انھوں نے زمین کا کونسا جزو بنایا ہے یا اُن کا آسمان میں کچھ سا جمایا ہے۔ یا ہم نے اُن کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اُس کی دلیل پر قائم ہوں۔ بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے زور دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں، یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں، اور اگر وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر خدا کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا۔ وہ حلیم غفور ہے۔

رابطہ: اور پر سورت کی اکثر آیتوں میں توحید کا ذکر ہوا ہے۔ اب پھر توحید کے اثبات اور شرک کے باطل ہونے کا مضمون ہے اور درمیان میں فرع کے طور پر کفر کے براہوں کا ذکر ہے۔

توحید اور ڈرانا:

بے شک اللہ (ہی) آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے، بے شک وہی (دل کی باتوں کا جاننے والا) ہے (لہذا اس کا علمی کمال تو ایسا ہے اور عملی کمال جو کہ قدرت اور نعمت دونوں پر دلالت کرنے والا ہے، یہ ہے کہ) وہی ایسا ہے جس نے تمہیں زمین میں آباد کیا (اور ان دلیلوں اور نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ استدلال اور شکر کے طور پر توحید اور اطاعت اختیار کرتے، مگر اس کے برخلاف بعض کفر پر اصرار کرتے ہیں) تو (کسی دوسرے کا کیا بگڑتا ہے، بلکہ) جو شخص کفر کرے گا، اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا اور (اس وبال کی تفصیل یہ ہے کہ) کافروں کے لئے ان کا کفر ان کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی بڑھنے کا سبب ہوتا ہے (جو دنیا ہی میں ظاہر اور ثابت ہو جاتی ہے) اور کافروں کے لئے ان کا کفر (آخرت میں) نقصان ہی بڑھنے کا سبب ہوتا ہے (کہ وہ جنت سے محرومی ہے اور جہنم کا گندہ بنتا ہے اور یہ جو کفر و شرک پر اصرار کرتے ہیں) آپ (ان سے ذرا یہ تو) کہئے ہیں کہ تم اپنے قرار دیئے ہوئے شریکوں کا حال تو بتاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو، یعنی مجھے یہ تو بتاؤ کہ انھوں نے زمین کا کونسا حصہ بنایا ہے؟ یا آسمان (بنانے) میں ان کی کچھ حصہ داری ہے؟ (تاکہ عقلی دلیل سے ان کا عبادت کا مستحق ہونا ثابت ہو) یا ہم نے ان (کافروں) کو کوئی کتاب دی ہے (جس میں شرک کے عقیدہ کا صحیح ہونا لکھا ہو) کہ یہ اس کی کسی دلیل پر قائم ہوں (اور اس نقلی دلیل سے اپنے دعویٰ کو ثابت کر دیں، اصل یہ ہے کہ نہ عقلی دلیل ہے اور نہ ہی نقلی دلیل ہے) بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے صرف دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں (کہ ان کے بڑوں نے انہیں بغیر ثبوت و سند کی غلط بات بتادی کہ) ۞ هُوَ الَّذِي شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ۚ يَعْنِي ”یہ اللہ کے نزدیک ہماری شفاعت کرنے والے ہیں“ حالانکہ واقع میں وہ بالکل بے اختیار ہیں، لہذا وہ عبادت و پوجا کے مستحق ہی نہیں، البتہ مطلق مختار اللہ تعالیٰ ہے تو وہی عنایت و پوجا کے لائق بھی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے مختار اور دوسروں کے غیر مختار ہونے کی دلیلوں میں سے نمونہ کے طور پر ایک مختصر سی بات بیان کرتے ہیں کہ دیکھو، یہ تو (یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو) اپنی قدرت سے) تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں اور اگر (فرض کرو) وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی انہیں تھام بھی نہیں سکتا (جب دوسروں سے دنیا کی حفاظت بھی نہ ہو سکتی ہو تو جو ہر یا عرض کا جس میں ضرورتیں بھی داخل ہیں پیدا کرنا اور ایجاد کرنا انھوں نے کیا کیا، پھر وہ عبادت کے مستحق کیسے ہوئے اور شرک کے باطل ہونے کے باوجود شرک کا تقاضا یہ تھا کہ انہیں ابھی سزا دی جائے، مگر چونکہ وہ بردبار

(ہے، اس لئے اس نے مہلت دے رکھی ہے اور اگر یہ لوگ اس مہلت میں حق کی طرف آجائیں تو چونکہ وہ) بخشنے والا (بھی) ہے (اس لئے ان کی پچھلی ساری شرارتیں معاف کر دی جائیں)

فائدہ: ﴿يُمَسِّكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ سے آسمانوں یا زمین کے سکون پر استدلال کرنے کا جواب احقر کے ترجمہ سے نکل آیا، یعنی زوال سے موجودہ انتظامی حالت سے منتقل ہونا مراد ہے کہ وہی دنیا کے نظام کو ہنس نہس کرنے والا ہے، چاہے وہ حالت اس وقت حرکت کی ہو یا سکون کی اور حرکت چاہے وقتی ہو یا وضعی۔ واللہ اعلم

﴿وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنَ الْإِبِلِ الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۚ اسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَكَّرَ السَّيِّئُ ۖ مَوْلَا يَجِئُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۖ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۚ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَغْوِيلًا ۚ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ۚ وَلَوْ يُوَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظُهُورِهِمَا مِنْ ذَاتِهِ ۚ وَلَكِنَّ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝﴾

ترجمہ: اور ان کفار نے بڑی زوردار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آوے تو ہر ہر امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں۔ پھر جب ان کفار کے پاس ایک پیغمبر آ پہنچے تو بس ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے اور ان کی بُری تدبیروں کو۔ اور بُری تدبیروں کا وبال ان تدبیروں والوں ہی پر پڑتا ہے۔ سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ سو آپ خدا کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پاویں گے۔ اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور خدا ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اُس کو ہر ادے نہ آسمان میں اور نہ زمین میں۔ وہ بڑے علم والا بڑی قدرت والا ہے۔

رابطہ: اوپر توحید، رسالت اور بعث کے بیان کے ضمن میں کافروں کے جھٹلانے کا کئی جگہ بیان ہوا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَا يَنْفَعُكَ﴾ الخ اور اسی طرح ارشاد ہے ﴿إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرُّكُمْ﴾ الخ اور جیسا کہ فرمایا ﴿وَالَّذِينَ يَنْفَكُونَ﴾ الخ اور فرمایا ﴿وَالَّذِينَ تَتَذَكَّرُونَ﴾ الخ اور فرمایا ﴿فَمَنْ كَفَرَ﴾ الخ اور جیسا کہ فرمایا ﴿إِنَّ الظَّالِمِينَ﴾ الخ اس انکار اور جھٹلانے پر لعنت و ملامت فرما کر سورت کو ختم فرماتے ہیں۔

کفر پر لعنت و ملامت:

اور (قریش کے) ان کافروں نے (رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے) بڑی زوردار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے (یعنی ہمارے) پاس کوئی ڈرانے والا (یعنی نبی) آئے تو وہ (یعنی ہم) ہر ہر امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں (یعنی یہود و عیسائیوں کی طرح ہم نہیں جھٹلائیں گے، تو پہلے تو یہ قسمیں کھایا کرتے تھے) پھر جب ان کے پاس ایک ڈرانے والا نبی (یعنی رسول اللہ ﷺ) آئے تو دنیا میں خود کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے بس ان کی نفرت اور ان کی بری تدبیروں ہی کو ترقی ہوئی اور (صرف نفرت ہی پر اکتفا نہیں ہوا، بلکہ) تکبر کی وجہ سے آپ کے اتباع سے عار ہوئی، مگر یہی نہیں کہ آپ کا اتباع نہ کیا ہوتا اور آپ کو ایذا پہنچانے کے پیچھے نہ پڑے ہوتے بلکہ آپ کو ایذا پہنچانے کی فکر میں لگ گئے، چنانچہ ان کا ہر وقت اسی طرح کی کوششوں میں لگا رہنا معلوم و مشہور ہے) اور (یہ جو کچھ ہمارے رسول کے نقصان کے لئے بری بری تدبیریں کر رہے ہیں خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں کیونکہ) بری تدبیروں کا (اصلی) وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے (اگرچہ ظاہر میں کبھی اس شخص کو بھی کچھ ضرر پہنچ جائے، جس کو نقصان پہنچانا چاہا ہے، لیکن وہ دنیاوی نقصان ہے نقصان پہنچانے والے ظالم کے برخلاف کہ اس پر آخرت کا وبال ضرور پڑے گا، اور دنیاوی نقصان آخرت کے نقصان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور اس حقیقی نقصان کے اعتبار سے حصر بالکل واقعی ہے) تو (یہ ضد اور نقصان پہنچانے پر اصرار کر رہے ہیں تو) کیا یہ (اپنے بارے میں حق تعالیٰ کے) اس دستور کا انتظار کرنے والے ہیں جو اگلے (کافر) لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے (یعنی سزا و ہلاکت) تو (واقعی ان کے لئے بھی یہی ہونا ہے کیونکہ) آپ اللہ کے (اس) دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پائیں گے (کہ ان پر عذاب کے بجائے عنایت ہونے لگے) اور (اسی طرح) آپ اللہ کے (اس) دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے (کہ ان کی جگہ دوسروں کو جو ایسے نہ ہوں عذاب ہونے لگے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ کافروں کو عذاب ہوگا چاہے وہ دنیا میں بھی ہو چاہے صرف آخرت میں، اور حق تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے، لہذا نہ یہ احتمال ہے کہ انہیں عذاب نہ ہو، نہ یہ احتمال ہے کہ دوسروں کو ہونے لگے، اس دوبارہ کہنے سے مقصود عذاب واقع ہونے کی تاکید ہے) اور (یہ جو سمجھتے ہیں کہ کفر عذاب کا سبب نہیں ہے تو یہ ان کی بڑی غلطی ہے) کیا یہ لوگ زمین میں (مثال کے طور پر شام کے سفر میں اور محمودین کی بستیوں میں اور سبا وغیرہ کی بستیوں میں) چلے پھرے نہیں؟ جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو (منکر) لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں، ان کا (آخری) انجام (اس جھٹلانے کے سبب) کیا ہوا (کہ عذاب میں مبتلا ہوئے) حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے اور (چاہے کسی میں کیسی ہی قوت ہو، لیکن اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی (قوت والی) چیز اس کو ہرا دے، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں) (کیونکہ) وہ بڑے علم والا (اور) بڑی قدرت والا ہے

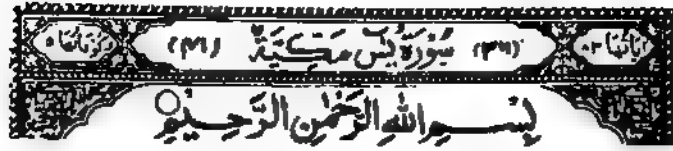
(لہذا وہ اپنے علم سے اپنے ہر ارادہ کو نافذ کرنے کا طریقہ جانتا ہے اور اپنی قدرت سے اس کو نافذ کر سکتا ہے اور دوسرا کوئی ایسا نہیں ہے پھر اس کو کوئی چیز ہر اسکتی ہے؟) اور (اگر یہ اس دھوکہ میں ہوں کہ اگر ہمیں عذاب ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا اور اس سے کفر کے برانہ ہونے اور عذاب کی نفی پر استدلال کریں تو یہ بھی ان کی غلطی ہے، کیونکہ حکمت کے تقاضہ کے مطابق ان کے لئے فوری پکڑ تجویز نہیں کی گئی، ورنہ) اگر اللہ تعالیٰ (ان) لوگوں پر ان کے (کفر والے) اعمال کے سبب (فورا) پکڑ فرمانے لگتا تو زمین پر ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑتا (کیونکہ کافر تو کفر کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے اور اہل ایمان اپنی تعداد کی کمی کی وجہ سے دنیا میں نہ رکھے جاتے، کیونکہ دنیا کا نظام حکمت کے تقاضہ کے مطابق مجموعہ کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ اسی عذاب سے ہلاک ہوتے اور دوسری مخلوقات اس لئے کہ انہیں پیدا کرنے کا اصل مقصد بنی آدم کو نفع پہنچانا ہے، جب یہ نہ ہوتے تو وہ بھی نہ رہتے) لیکن اللہ تعالیٰ انہیں ایک متعین میعاد (یعنی قیامت) تک مہلت دے رہا ہے تو جب ان کی وہ میعاد آپہنچے گی (اس وقت) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا (یعنی ان میں جو کافر ہوں گے انہیں سزا دے گا)

فائدہ: ﴿فَلَنْ يَجْعَلَ لُنتِ اللَّهِ الْخ﴾ کی جو تفسیر کی گئی ہے اس کی بنیاد پر علم طبعیات والوں کے خلاف معمول پر انکار خوارق پر استدلال کی گنجائش نہیں رہی، اور سورہ نحل آیت ۶۱ ﴿وَلَوْ يُوَٰخِذُ اللَّهُ النَّاسَ﴾ الخ کی تفسیر اس سے واضح ہوئی ہے۔ دیکھ لی جائے۔

﴿الحمد للہ! سورۃ الفاطر کی تفسیر جمعرات ۲۶ صفر سنہ ۱۳۲۵ھ کو پوری ہوئی، اور آج ہی یس شریف کی تفسیر

شروع کر دی﴾





شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابط: اس سورت کا خلاصہ تین مضمون ہیں:

ایک رسالت کا اثبات جس سے سورت شروع ہوئی ہے اور گذشتہ سورت کے شروع میں اسی رسالت سے کافروں کے انکار اور گھمنڈ و تکبر کا ذکر تھا، جس سے اس کے خاتمہ اور اس کے شروع میں بھی ربط ظاہر ہو گیا اور آیت ﴿وَإِنَّا جَعَلْنَا﴾ الخ میں اسی کے تعلق سے تسلی فرمائی گئی ہے اور اس مسئلہ کی تائید کے لئے آیت ۱۲ کے بعد ایک ہستی والوں کا قصہ بیان فرمایا اور آیت ۶۹ ﴿مَا عَلَّنَا الشُّعْرَ﴾ الخ میں پھر اسی کا ذکر ہے۔

دوسرا مضمون آیت بارہ ﴿وَإِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَى﴾ الخ میں مختصر انداز میں پہلے حشر کا ذکر ہوا۔ اور پھر آیت ۲۸ ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ﴾ الخ سے آیت ۶۵ تک یہی مضمون چلا گیا ہے اور پھر آیت ۷۹ سے اسی کا ذکر ہوا ہے۔ تیسرا مضمون توحید کا اثبات ہے جو آیت ۳۳ سے آیت ۵۰ تک ہے اور ایک ایک کر کے اس کی دلیلیں بیان فرمائی ہیں اور اس کے ساتھ آیت ۴۵ ﴿وَلَا إِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا﴾ الخ اور آیت ۴۷ ﴿وَلَا إِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا﴾ الخ میں کافروں کا توحید کی دلیلوں سے متاثر نہ ہونا نہ ترہیبا نہ ترغیبا بیان ہوا ہے اور آیت ۷۷ ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْإِنسَانِ﴾ الخ میں پھر اسی کا ذکر ہے۔ اور درمیان کی بعض آیتوں میں کافروں کو ان کے کفر پر ڈرایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے آیت ۲۱ ﴿الَّذِينَ يَرِثُونَ أَصْلَابَهُمْ﴾ الخ اور آیت ۶۶ و ۶۷ ﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا﴾ الخ

﴿يٰسٓ ۝ وَالْقُرْآنِ الْكَذِيبِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ إِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَالِ فَهُمْ تُنْقَسُونَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَعْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝ وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنََ الْغَيْبَ، فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ۝ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۝ وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝﴾

ترجمہ: ﴿یٰس﴾ قسم ہے قرآن با حکمت کی کہ بیشک آپ من جملہ پیغمبروں کے ہیں۔ سیدھے راستے پر ہیں، یہ

قرآن خدائے زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرا دیں جن کے باپ دادا نے نہیں ڈرائے گئے تھے۔ سو اسی سے یہ بے خبر ہیں، اُن میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے، سو یہ لوگ ایمان نہ لاویں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک ہیں جس سے ان کے سراو پر کواہل گئے۔ اور ہم نے ایک آڑ اُن کے سامنے کر دی اور ایک آڑ اُن کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے اُن کو گھیر دیا، سو وہ نہیں دیکھ سکتے۔ اور اُن کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں یہ ایمان نہیں لاویں گے۔ بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور خدا سے بے دیکھے ڈرے۔ سو آپ اُس کی مغفرت اور عمدہ عوض کی خوش خبری سنا دیجئے۔ بیشک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور اُن کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر دیا تھا۔

رسالت کا اثبات اور عمل کرنے والوں کی استعداد کے فرق

کے ذریعہ تسلی اور حشر میں اس پر جزا کا مرتب ہونا:

﴿یٰسَ﴾ (اس کی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے) قسم ہے حکمت والے قرآن کی کہ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں (اور) سیدھے راستہ پر ہیں (کہ اس میں جو آپ کی پیروی کرے وہ اللہ تک پہنچ جائے نہ کہ جیسا کافر کہتے ہیں ﴿کُنتَ مُوسًّٰی﴾ اور کہتے تھے ﴿بَلْ اِفْتَرٰیۡہُ﴾ جس کے لئے گمراہی لازم ہے اور ہدایت کے عام ہونے کے ساتھ آپ کی رسالت کے اثبات کے لئے بھی جس کا ادھر دعویٰ ہوا ہے) یہ قرآن زبردست مہربان ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے (اور آپ رسول اس لئے بنائے گئے ہیں) تاکہ آپ (پہلے) ایسے لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں جن کے باپ دادا (قریب کے کسی رسول کے ذریعہ سے) نہیں ڈرائے گئے تھے تو اسی وجہ سے یہ بے خبر ہیں (کیونکہ اگرچہ عرب میں گذشتہ رسولوں کی شریعتوں کے بعض مضمون نقل بھی کئے گئے تھے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اَفَرَجَّاهُمْ مَّا لَمْ یَاۡتِ اٰبَآءُہُمْ اِلَّا وَاٰلِیٰہٖٗنَ﴾ مگر پھر بھی نبی کے آنے سے آگاہی ہوتی ہے، اس کے محض بعض حکموں اور خبروں کے نقل ہونے سے جب کہ وہ پورے بھی نہ ہوں اور بدل بھی دیئے گئے ہوں ویسی آگاہی نہیں ہوتی اور آپ کا ڈرانا سب سے پہلے قریش کو تھا اور پھر عام لوگوں کو بھی آپ نے دعوت فرمائی۔ کیونکہ آپ کی بعثت عام ہے اور آپ کی رسالت کے صحیح اور قرآن کے سچے ہونے کے باوجود یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ اس کا غم نہ کیجئے کیونکہ) ان میں سے اکثر لوگوں پر (تقدیر میں لکھی ہوئی) بات ثابت ہو چکی ہے (وہ بات یہ ہے ﴿لَاۡمَلٰنَّ جَہَنَّمَ مِّنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیۡنَ﴾) تو یہ لوگ (ہرگز) ایمان نہیں لائیں گے (البتہ بعض کی قسمت میں ایمان بھی تھا اور وہ ایمان لے بھی آئے اور ایمان سے دوری میں ان کی مثال

ایسی ہوگئی کہ جیسے) ہم نے ان کی گردنوں میں (بخاری بخاری) طوق ڈال دیئے ہیں، پھر وہ ٹھوڑیوں تک (اڑ گئے) ہیں، جس سے ان کے سرو پر کواٹل گئے (یعنی اٹھے رہ گئے، نیچے کو نہیں ہو سکتے، چاہے اس وجہ سے کہ طوق میں جو موقع ٹھوڑی کے نیچے رہنے کا ہے، وہاں کوئی کیل وغیرہ ایسی ہو جو ٹھوڑی میں جا کر اڑ جائے، یا پھر طوق ایسا چوڑا چکلا ہو کہ اس کے کنارے ٹھوڑی میں اڑ جائیں۔ بہر حال دونوں طرح سے وہ راستہ دیکھنے سے محروم رہے۔ اور ایمان سے دوری میں ان کی مثال ایسی ہوگئی کہ جیسے) ہم نے ان کے سامنے ایک آڑ کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی، جس سے ہم نے (ہر طرف سے) انہیں (پردوں میں) گھیر دیا تو وہ (پردوں کے اس احاطہ کی وجہ سے کسی چیز کو) نہیں دیکھ سکتے اور (دونوں مثالوں سے حاصل یہ ہے کہ) ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، یہ (کسی حالت میں بھی) ایمان نہیں لائیں گے (لہذا ناامیدی سے راحت حاصل کر لیجئے) بس آپ تو (ایسا ڈرانا جس سے نفع حاصل ہو) صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر عمل کرے اور اللہ سے بغیر دیکھے ڈرے (کہ ڈر ہی سے حق کی طلب ہوتی ہے اور طلب سے حق حاصل ہوتا ہے اور یہ ڈرتے ہی نہیں) تو (جو شخص ایسا ہو) آپ اس کو (گناہوں کی) مغفرت اور (طاعت پر) بہترین بدلے کی خوش خبری سنا دیجئے (اور اسی سے اس پر بھی دلالت ہوگئی کہ جو گمراہی اور منہ پھیرنے کا مرتکب ہو، وہ مغفرت اور اجر سے محروم اور عذاب کا مستحق ہے، اور اگرچہ دنیا میں اس جزا و سزا کا ظاہر ہونا لازم نہیں، لیکن) بے شک ہم (ایک دن) مردوں کو زندہ کریں گے (اس وقت یہ سب ظاہر ہو جائے گا) اور (جن اعمال پر جزا و سزا ہوگی) ہم (ان اعمال کو برابر) لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں (مَا قَدْ مُوَالِحَ سے مراد وہ احکام ہیں جو اپنے ہاتھ سے کئے۔ اور اُنْكَارُهُمْ سے مراد وہ اثر ہے جو اس کام کے سبب پیدا ہوا اور اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہا۔ مثال کے طور پر کسی نے کوئی نیک کام کیا اور وہ دوسروں کی بھی ہدایت کا سبب ہو گیا۔ یا کسی نے برا کام کیا اور وہ دوسروں کی بھی گمراہی کا سبب ہو گیا۔ فرض یہ سب لکھتے جارہے ہیں، اور وہاں ان سب پر جزا و سزا دی جائے گی) اور (ہمارا علم تو ایسا وسیع ہے کہ ہم اس لکھنے کے بھی محتاج نہیں جو واقع ہونے کے بعد لکھا گیا ہے، کیونکہ) ہم نے (تو) ہر چیز کو (جو قیامت تک ہوگا، واقع ہونے سے پہلے ہی) ایک واضح کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ضبط کر دیا تھا (محض بعض حکمتوں کے تحت کتابت ہوتی ہے، لہذا جب ہمیں واقع ہونے سے پہلے سب چیزوں کا علم ہے تو واقع ہونے کے بعد کیوں نہ ہوتا؟ لہذا کسی عمل سے مکرنے کی یا اسے چھپانے کی گنجائش نہیں، ضرور سزا ہوگی اور لوح محفوظ کو اشیا کی تفصیل کے اعتبار سے واضح کہا گیا)

فائدہ: قرآن کی قسم اگر نفسی کلام کے اعتبار سے ہے تب تو غیر مخلوق کی قسم ہے اور اگر یہ قسم لفظی کلام کے اعتبار سے ہے تو مخلوق کی قسم کی توجیہ سورہ حجر آیت ۷۷ ﴿لَعَنَّاكَ اِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

وَاصْرَبْ لَهُمْ مَثَلًا اخْضَبَ الْقَرِیْقَیْمَ ۝ اِذْ جَعَلَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَیْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا
فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْا اِنَّا اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۝ وَمَا اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ
شَیْءٍ ۝ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا كَذٰبُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ ۝ اِنَّا اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝
قَالُوْا اِنَّا نَطَّیْرُنَا بِكُمْ لَیْنٍ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنُجْزِیَنَّكُمْ وَاَیُّكُمْ اَشَدُّ مَعَاذًا ۝ اَلِیَوْمِ ۝ قَالُوْا طٰیِبٌ كُمْ مَعَكُمْ
اِنْ ذُكِّرْتُمْ ۝ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِیُّوْنَ ۝ وَجَاءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْتَعْیِلُ یَقُوْمُ اَتِیْعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ۝
اَتِیْعُوْا مَنْ لَا یَسْتَلِیْكُمْ اَجْرًا وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَمَالِیْ لَا اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝
اَتَاْخُذُ مِنْ دُوْنِیْهِ اِلٰهًا ۝ اِنْ یُّرِدِنْ الرَّحْمٰنُ بِضَرْبٍ لَا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا وَلَا یُنْقِذُوْنِ ۝ اِنِّیْ اِذَا
لِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنَ ۝ قَبِلْ اِذْخُلِ الْجَنَّةَ ۝ قَالَ یٰلَیْتُ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا
عَفَرَنِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ۝ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِیْ مِنْ بَعْدِیْ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا
مُنْزِلِیْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صٰیغَةً وَاحِدَةً ۝ فَاِذَا هُمْ خُمُودُوْنَ ۝ یُحْضَرُوْنَ عَلٰی الْعِبَادَةِ ۝ مَا یَأْتِیْهِمْ مِنْ
رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهِ یَسْتَهْزِیْوْنَ ۝ اَلَمْ یَرَوْا كَمَا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝
وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدِیْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ ﴿

۲۷۹

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں کے سامنے ایک قصہ یعنی ایک بستی والوں کا قصہ اُس وقت کا بیان کیجئے جب کہ اُس بستی
میں کئی رسول آئے، یعنی جبکہ ہم نے اُن کے پاس دو کو بھیجا سو اُن لوگوں نے اُن دونوں کو جھوٹا بتلایا۔ پھر تیسرے سے تائید
کی سو اُن تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔ اُن لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور خدائے
رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم نرا جھوٹ بولتے ہو۔ اُن رسولوں نے کہا: ہمارا پروردگار عظیم ہے کہ بیشک ہم تمہارے پاس
بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا تھا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ
آئے تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کر دیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔ ان رسولوں نے کہا کہ
تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے کیا اُس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جاوے بلکہ تم حد سے نکل جانے
والے لوگ ہو، اور ایک شخص اُس شہر کے کسی دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو۔
ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود راہ راست پر بھی ہیں، اور میرے پاس کوئی سنا عذر ہے کہ میں
اُس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا اور تم سب کو اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میں خدا کو چھوڑ کر اور ایسے
ایسے معبود قرار دے لوں کہ اگر خدائے رحمن مجھ کو کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان معبودوں کی سفارش میرے کچھ کام آوے

اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں۔ اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں جا پڑا۔ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا سو تم میری بات سن لو۔ ارشاد ہوا کہ جہنم میں داخل ہو۔ کہنے لگا کہ کاش! میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا۔ اور ہم نے اُس کی قوم پر اُس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے نہیں اتارا اور نہ ہم کو اُتارنے کی ضرورت تھی، وہ سزا بس ایک آواز سخت تھی اور وہ سب اُسی دم بجھ کر رہ گئے۔ افسوس بندوں کے حال پر کبھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کی انھوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو۔ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتیں غارت کر چکے کہ وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آتے۔ اور ان سب میں کوئی ایسا نہیں جو مجتمع طور پر ہمارے روبرو حاضر نہ کیا جاوے۔

رابطہ: اوپر رسالت کا مسئلہ مع تسلی کے بیان کیا گیا تھا۔ اب رسالت کی تائید اور جھٹلانے والوں کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے ایک قصہ بیان کیا جا رہا ہے جو رسالت کو جھٹلانے والوں پر لعنت و ملامت پر ختم کیا گیا ہے، جس سے سزا دیئے جانے کے مضمون کی بھی تائید ہوگئی، جس کا اوپر ذکر ہوا تھا اور اس قصہ میں بستی والوں کے بت پرست ہونے سے اور ان پر عذاب نازل ہونے سے توحید کا واجب ہونا بھی معلوم و ظاہر ہوتا ہے جو کہ سورت کے مقاصد میں سے ہے۔

بستی والوں کا قصہ اور رسولوں کو جھٹلانے والوں کی برائی:

اور آپ ان (کافروں) کے سامنے (اس عرض سے کہ رسالت کی تائید اور ان کے لئے توحید و رسالت کے انکار پر ڈرانا دھمکانا ہو) مثال کے طور پر ایک بستی والوں کا قصہ اس وقت کا بیان کیجئے، جب اس بستی میں کئی رسول آئے، یعنی جب ہم نے ان کے پاس (پہلے) دو کو بھیجا تو ان لوگوں نے ان دونوں کو جھوٹا بتایا، پھر تیسرے (رسول) سے (ان دونوں کی) تائید کی (یعنی تائید کے لئے۔ پھر تیسرے کو دہاں جانے کا حکم دیا) تو ان تینوں نے (اس بستی والوں سے) کہا کہ ہم تمہارے پاس (اللہ کی طرف سے) بھیجے گئے ہیں (تاکہ تمہیں ہدایت کریں کہ توحید اختیار کرو اور بت پرستی چھوڑ دو، کیونکہ وہ لوگ بتوں کو پوجنے والے تھے، جیسا کہ اللہ کے ارشاد سے دلالت ہوتی ہے ﴿وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي﴾ الخ اور ﴿وَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا﴾ الخ) ان لوگوں نے (یعنی بستی والوں نے) کہا کہ تم تو ہماری طرح (صرف) معمولی آدمی ہو (تمہیں رسول ہونے کا امتیاز حاصل نہیں) اور (تمہاری ہی کیا خصوصیت ہے، خود رسالت کا مسئلہ ہی بے اصل ہے، اور) اللہ نے (تو) جو رحمن ہے کوئی چیز (کتاب اور حکموں کی قسم سے کبھی) نازل (ہی) نہیں کی، تم تو صرف جھوٹ بولتے ہو، ان رسولوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہارے پاس (رسولوں کے طور پر) بھیجے گئے ہیں اور (اس قسم سے یہ مقصود نہیں کہ ہم اسی کے ذریعہ رسالت کا اثبات کرتے ہیں، بلکہ دلیلوں کے قائم کرنے کے بعد بھی جب انھوں نے نہیں مانا تو آخری جواب کے طور پر مجبور ہو کر قسم کھائی، جیسا کہ آگے خود ان کے ارشاد سے معلوم ہوتا

ہے کہ) ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر (حکم کا) پہنچا دینا تھا (چونکہ واضح ہونا دلیل سے ثابت ہونے پر موقوف ہے، اس سے معلوم ہوا کہ پہلے دلیلیں قائم کر چکے تھے، آخر میں یہ فرمایا: غرض یہ کہ ہم اپنا کام کر چکے۔ تم نہ مانو تو ہم مجبور ہیں) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں (ایسا یا تو اس لئے کہا کہ ان پر قہر پڑا تھا جیسا کہ المعالم میں ہے، یا پھر اس لئے کہا کہ جب کوئی نئی بات سنی جاتی ہے تو چاہے لوگ اس کو قبول نہ کریں مگر اس کا چرچا ضرور ہوتا ہے اور اکثر عام لوگوں میں اس کی وجہ سے گفتگو اور اس گفتگو میں اختلاف اور کبھی لڑائی جھگڑے اور نا اتفاقی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، لہذا مطلب یہ ہوگا کہ تمام لوگوں میں ایک فتنہ ڈال دیا جس سے نقصان ہو رہے ہیں۔ یہ نحوست ہے اور اس نحوست کے سبب تم ہو) اگر تم (اس دعوت اور دعویٰ سے) باز نہ آئے تو (یاد رکھو) ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کر دیں گے، اور (پتھر مار مار کر ختم کرنے سے پہلے بھی) تمہیں ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی (یعنی اگر نہیں مانو گے تو اور طرح طرح سے ستائیں گے اور پھر آخر میں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے) ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ہی ساتھ لگی ہوئی ہے (یعنی جس کو تم نقصان کہتے ہو، اس کا سبب تو حق کو قبول نہ کرنا ہے، اگر حق قبول کرنے پر متفق ہو جاتے تو نہ کوئی فتنہ ہوتا نہ کوئی نا اتفاقی اور اختلاف ہوتا نہ قحط کے عذاب میں مبتلا ہوتے، رہا ہمارے آنے سے پہلے کا اتفاق تو ایسا اتفاق جو باطل پر ہو، وہ خود مطلوب نہیں، بلکہ اس کو تو ختم کرنا واجب ہے، اسی طرح قحط نہ ہونا وہ استدراج تھا یا حق نہ پہنچنے کی وجہ سے تھا اور استدراج یا حق کا نہ پہنچنا خود تمہاری خوش قسمتی کے خلاف تھا، لہذا تم پر جو خوش قسمتی کی تکمیل کے مخالف ہونے کی وجہ سے حوادث کا ہجوم ہوا، اس کا سبب وہی مخالفت ہے جو تمہارا فعل ہے، لہذا ہر حال میں اس نحوست کا سبب تمہارا فعل ہوا) کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تمہیں نصیحت کی جائے؟ جو خوش قسمتی کی بنیاد ہے؟ تو واقع میں یہ نحوست نہیں) بلکہ تم (خود عقل و شریعت کی) حد سے نکل جانے والے لوگ ہو (لہذا شریعت کی مخالفت کی وجہ سے تم پر یہ نحوست آئی اور عقل کی مخالفت کی وجہ سے تم نے اس کا سبب غلط سمجھا) اور (اس گفتگو) کی خبر بستی میں پھیلی تو ایک شخص (جو مسلمان تھا) اس شہر کے کسی در در مقام سے (جو وہاں سے دور تھا، یہ خبر سن کر اپنی قوم کی خیر خواہی کی غرض سے یا اس اندیشہ سے کہ کہیں لوگ ان رسولوں کو قتل نہ کر دیں جیسا کہ انہوں نے ﴿لَتَرْجُمَنَّكُمْ﴾ کی دھمکی دی تھی ان کی طرف داری کی غرض سے یا دونوں غرضوں سے) دوڑتا ہوا (یہاں) آیا (اور ان لوگوں سے) کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کے راستہ پر چلو ایسے لوگوں کے راستہ پر (ضرور) چلو جو تم سے (اس ہدایت اور وعظ و نصیحت پر) کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود سیدھے راستہ پر بھی ہیں (یعنی خود غرضی جو اتباع میں رکاوٹ ہے وہ موجود نہیں ہے اور ہدایت جو اتباع کا تقاضا ہے وہ موجود ہے، پھر اتباع کیوں نہ کی؟) اور آخر میں اس (معبود) کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا؟ (جو کہ عبادت کے مستحق ہونے کی دلیلوں میں سے ہے) اور (اپنے اوپر رکھ کر اس لئے کہا کہ مخاطب بھڑکیں نہیں، کیونکہ مخاطب کا بھڑکنا غور و فکر میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اور اصل

مطلب یہی ہے کہ تم بھی اس کی عبادت کیوں نہیں کرتے؟ جیسا کہ آگے اس کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ) تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے (لہذا ایسی حالت میں حق کا اتباع انتہائی ضروری ہے۔ یہاں تک تو سچے معبود کے عبادت کا مستحق ہونے کا بیان تھا۔ آگے باطل معبودوں کے عبادت کا مستحق نہ ہونے کا بیان ہے یعنی) کیا میں اللہ کو چھوڑ کر ایسے ایسے دوسرے معبود قرار دے لوں (جن کے عاجز و مجبور ہونے کی حالت یہ ہے) کہ اگر رحمن ذات مجھے کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان معبودوں کی سفارش میرے کچھ کام آئے اور نہ وہ مجھے (خود اپنی قدرت سے اس تکلیف سے) چھڑا سکیں (یعنی نہ ان میں قدرت اور نہ ہی قدرت والے سے واسطہ، کیونکہ اول تو پتھروں وغیرہ جمادات میں شفاعت کی اہلیت ہی نہیں، دوسرے شفاعت بغیر اذن و اجازت کے ہو نہیں سکتی، اور) اور اگر میں ایسا کروں تو کھلی گمراہی میں جا پڑوں گا (یہ بھی اپنے اوپر رکھ کر ان لوگوں کو سناتا ہے) میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا تو تم (بھی) میری بات مان لو (اور ایمان لے آؤ، مگر ان لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ اس کو پتھروں سے مار مار کر یا آگ میں ڈال کر یا گلا گھونٹ کر جیسا کہ الدر المنثور میں ہے شہید کر ڈالا۔ چنانچہ اس شہادت کی بنیاد پر اس کے لئے اللہ کی طرف سے) ارشاد ہوا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ (اس وقت بھی اس کو اپنی قوم کی فکر ہوئی) کہنے لگا کہ کاش! میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے (ایمان اور رسول کے اتباع کی برکت سے) مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں شامل کر دیا (تو اس حال کے معلوم ہونے پر وہ بھی ایمان لے آتے اور اس طرح وہ بھی بخش دیئے جاتے اور عزت والوں میں شامل ہو جاتے) اور (جب ان بستی والوں نے رسولوں اور رسولوں کا اتباع کرنے والوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور انتقام لینے کے لئے) ہم نے اس (شہید شخص) کی قوم پر اس (کی شہادت) کے بعد (فرشتوں کا) کوئی لشکر آسمان سے نہیں اتارا اور نہ (ہی) ہمیں اتارنے کی ضرورت تھی (کیونکہ انہیں ہلاک کرنے کے لئے کسی بڑی فوج کی ضرورت نہیں تھی، جیسا کہ ابن مسعود نے اس کی تفسیر کی ہے جسے ابن کثیر نے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے، چنانچہ کہا ہے: مَا كَانُوا نَاهِم بِالْجَمْعِ، الْأَمْرُ كَانَ أَيْسَرَ عَلَيْنَا مِنْ ذَلِكَ: بلکہ) وہ سزا بس ایک سخت آواز تھی (جو جبرئیل علیہ السلام نے کر دی جیسا کہ المعالم میں ہے یا کسی اور فرشتہ نے کر دی ہو۔ یا مسیح سے مطلق سزا یا عذاب مراد ہو جس کی تعیین نہیں کی گئی، جیسا کہ سورۃ المؤمنون آیت ۴۱ ﴿فَاَخَذْنَاهُمُ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ﴾ کی تفسیر میں گذر چکا ہے) اور وہ سب اسی دم (اس سے) بجھ کر (یعنی مر کر) رہ گئے (آگے قصہ کے ذیل میں جھٹلانے والوں کی مذمت فرماتے ہیں کہ) افسوس (ایسے) بندوں کے حال پر کبھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کی انھوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو، کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتیں (اسی جھٹلانے اور مذاق اڑانے کے سبب) ہلاک کر چکے کہ وہ (پھر دنیا میں) ان کی طرف لوٹ کر نہیں آتے؟ (اگر اس میں غور کرتے تو جھٹلانے اور مذاق اڑانے سے بچتے اور یہ سزا تو جھٹلانے والوں کو دنیا میں دی گئی) اور (پھر آخرت

میں) ان سب میں کوئی ایسا نہیں جن کو جمع کر کے ہمارے سامنے حاضر نہ کیا جائے (لہذا وہاں پھر سزا ہوگی اور وہ سزا کبھی ختم نہ ہونے والی ہوگی)

فائدہ: اکثر مفسرین نے اس قریہ یعنی بستی یا شہر کا نام اطا کیہ قرار دیا ہے اور ابن کثیر نے مفسرین کی اس رائے پر چند اعتراض کئے ہیں، لیکن صاحب فتح المنان نے ان اعتراضوں کے جواب بھی دیئے ہیں، البتہ اعتراض اور جواب کے کمزور اور قوی ہونے کے فرق میں مختلف باتیں ہیں لیکن آیت کی تفسیر اس شہر کے متعین ہونے پر موقوف نہیں ہے، لہذا اس بحث میں نہ پڑنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

اور رسولوں کے قصہ کے اختلاف کی بنیاد پر دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ وہ بلا واسطہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول تھے، جس کو نبی کہتے ہیں یا اللہ کے بھیجے ہوئے کسی نبی کے واسطے سے بھیجے ہوئے لوگ جنہیں نبی کا خلیفہ یا نائب کہنا چاہئے، اس صورت میں ﴿أَرْسَلْنَا﴾ فرمانا واسطے سے ہوگا۔ احقر نے لفظ رسول ترجمہ میں عام معنی میں استعمال کیا ہے اور اگر وہ خود نبی تھے تب تو بستی والوں کے اس قول ﴿مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کی توجیہ ظاہر ہے۔ کہ وہ انسان اور نبی میں فرق کے قائل تھے اور اگر وہ نبی کے نائب خلیفہ تھے تو احقر کے نزدیک ﴿مِثْلُنَا﴾ ظاہر کرنا ہوگا یعنی تمہیں ہم سے کسی بات میں امتیاز نہیں، لہذا اس سے تو نبی کے نائب ہونے کی نفی ہوگئی اور ﴿مَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ﴾ سے مطلق نبوت کے مسئلہ کی نفی ہوگئی اور اگر یہ تینوں نبی تھے تب تو اس قصہ سے رسالت کے مسئلہ کی تائید ظاہر ہے اور اگر نبی کے نائب تھے تو نبوت کا نائب ہونا نبوت کی تحقیق پر موقوف ہے لہذا واسطے سے اس کی تائید ہو جائے گی۔

اور سزا کا عملی طور پر ہونا قوم کی ہلاکت سے ظاہر ہے اور اس کے ذیل میں بیان کرنے سے اس کی تصریح بھی ہوگئی ہے۔ اور ﴿الْبَلَاءُ الْمُبِينُ﴾ کی تفسیر میں جو لفظ دلیل آیا ہے اگر وہ تینوں نبی تھے تو معجزے اس کا مصداق ہیں، اور اگر وہ نبی کے نائب تھے تو خرق عادت کی ضرورت نہیں، کیونکہ غیر نبی میں اس کی ضرورت نہیں، بلکہ علمی دلیلیں مراد ہوں گی کہ جس نبی کے نائب کے طور پر آ کر تبلیغ کا کام کر رہے تھے اسی کا نبی ہونا اور ان احکام کی اس نبی کی طرف نسبت ہونا ثابت ہو، پھر نبی کی نبوت کے لئے خرق عادت کاموں کا بھی اثبات کرنا ہوگا۔

اور ﴿قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ﴾ میں اگر فوری طور پر داخلہ مراد ہو تو جنت سے ملتا جلتا کوئی مقام ہوگا، کیونکہ جنت میں داخل ہونے کے بعد پھر اس سے نکلنا نہیں ہوتا اور حشر و نشر اور حساب کتاب یقینی طور پر جنت سے باہر ہوگا، اور اگر اس سے صرف خوش خبری سنانا مراد ہے کہ تم اس وقت پر جس کا وعدہ کیا گیا ہے جنت میں داخلہ کے مستحق ہو گے۔ اس صورت میں خود جنت مراد لینا بھی صحیح ہے۔

اور ﴿مَا كُنَّا مُنْزِلِينَ﴾ پر کافروں کو قتل کرنے کے لئے بدر کے دن فرشتوں کے نازل ہونے سے شبہ نہ کیا جائے

کیونکہ اس سے مقصود ضرورت کی نفی کرنا ہے نہ یہ کہ دوسری حکمتوں سے بھی نازل نہ ہوں گے، لہذا ممکن ہے کہ اس قصہ میں فرشتوں کے نازل ہونے کا کسی حکمت سے تقاضا نہ ہو اور بدر میں اس کا تقاضہ ہو جس کی طرف مختصر انداز میں اس ارشاد میں اشارہ بھی ہے ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ﴾ الخ۔

اور ﴿الْعَذِيبُ﴾ کی ضمیر اگر صرف مکہ والوں کی طرف ہی نہیں لوٹ رہی ہو جیسا کہ تفسیر میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے تو یہ حکم اکثر کے اعتبار سے ہوگا، کیونکہ سب سے پہلے ہلاک ہونے والے، یعنی دنیا میں جو لوگ سب سے پہلے ہلاک ہوئے ان پر یہ حکم لاگو نہیں ہو سکتا، ﴿كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ﴾ آگے قرآن میں کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ ان تینوں رسولوں کا کیا قصہ ہوا؟ واللہ اعلم

﴿وَايَةُ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيِّتَةُ ۖ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَاكُلُونَ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ۖ لِيَسْكُنُوا مِنْ ثَمَرِهَا ۚ وَمَا عَمَلَتُ أُيُودُهُمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۖ سُبْحَنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُثْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ۖ وَآيَةُ لَهُمُ اللَّيْلُ ۖ نَسْلُبُ مِنْهُ النُّهَارَ فَأَظْهَرُ ۖ فَذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ۖ وَالشُّسُ تَجْرِي لِيُسْتَقَرَّ لَهُا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۖ وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۖ لَا الشَّمْسُ يَنْبُغُ لَهَا ۚ أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۖ وَآيَةُ لَهُمُ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِكِ الْمَشْحُونِ ۖ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ۖ وَإِنْ نَشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيحَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ۖ إِلَّا رَجْمَةً مِمَّا وَمَتَاعًا ۖ إِلَىٰ حِينٍ ۖ﴾

ترجمہ: اور ایک نشانی اُن لوگوں کے لئے مردہ زمین ہے۔ ہم نے اُس کو زندہ کیا اور ہم نے اُس سے غلے نکالے سو اُن میں سے لوگ کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اُس میں چشمے جاری کئے۔ تاکہ لوگ باغ کے پھلوں میں سے کھائیں اور اُس کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا۔ سو کیا شکر نہیں کرتے۔ وہ پاک ذات ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کے قبیل سے بھی اور ان آدمیوں سے بھی اور اُن چیزوں میں بھی جن کو لوگ نہیں جانتے۔ اور ایک نشانی اُن لوگوں کے لئے رات ہے کہ ہم اُس پر سے دن کو اتار لیتے ہیں، سو یکا یک وہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اُس کا جو زبردست علم والا ہے۔ اور چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔ نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے، اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔ اور ایک نشانی اُن

کے لئے یہ ہے کہ ہم نے اُن کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ہم نے اُن کے لئے کشتی ہی جیسی ایسی چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اُن کو غرق کر دیں۔ پھر نہ تو کوئی ان کا فریاد رس ہو اور نہ یہ خلاصی دیئے جاویں مگر یہ ہماری ہی مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دیتا ہے۔

رابطہ: اوپر رسالت سے متعلق مضمون تھا، جس سے توحید بھی ثابت ہوئی ہے۔ اب توحید کا قصد ایسی دلیلوں سے اثبات ہے جن میں ضمنی طور پر نعمتوں اور احسانوں کا ذکر بھی ہے جس سے شرک کی بڑائی دو طریقوں سے معلوم ہوگئی اور اس کے ختم پر کشتیوں کے ذکر کی مناسبت سے ایک وعید کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا اور اس وعید میں شریکوں کی قدرت کی نفی کا اشارہ بھی کر دیا گیا۔ جیسا کہ ترجمہ کی وضاحت سے معلوم ہوگا۔

توحید کا اثبات:

اور (قدرت کی نشانیوں میں سے کہ توحید کی دلیل بھی ہے اور نعمت بھی) ایک نشانی ان لوگوں کے (استدلال کے لئے) مردہ زمین بھی ہے (اور اس میں نشانی کی بات یہ ہے کہ) ہم نے اسے (بارش سے) زندہ کیا اور ہم نے اس (زمین) سے (مختلف) غلے نکالے تو ان میں سے لوگ کھاتے ہیں، اور اس (زمین) میں ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اس (زمین) میں (باغ کی آبپاشی کے لئے) چشمے (اور نالے) جاری کئے تاکہ لوگ (غلہ کی طرح) باغ کے پھلوں میں سے (بھی) کھائیں اور اس (پھل اور غلہ) کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا (اگرچہ بیج بونے اور آبپاشی وغیرہ ظاہر میں انہی کے ہاتھوں سے ہوئی ہوں مگر پھل اور غلہ کی خاص صورت بنانا خاص اللہ ہی کا کام ہے) تو کیا ایسی دلیلیں دیکھ کر بھی (شکر نہیں کرتے؟) (جس کا پہلا زینہ توحید ہے، یہ تو بعض خاص آفاقی اور زمینی نشانیوں سے استدلال تھا، آگے عام زمینی اور نفسی نشانیوں سے استدلال ہے، یعنی) وہ ذات پاک ہے جس نے تمام قسموں کو پیدا کیا زمین کے پیڑ پودوں کی قسموں میں سے بھی (چاہے ایک جیسی ہونے کے لحاظ سے ہوں جیسے ایک جیسے غلے، ایک جیسے پھل، چاہے ضد کا مقابلہ ہو، جیسے گیہوں اور بھو اور بیٹھے پھل اور کھٹے پھل یا اس سے بھی زیادہ اختلاف ہو۔ البتہ شرط یہ کہ دس مقولوں سے کسی مقولہ کے تحت بلا واسطہ داخل ہو، جیسے جزئی چیزیں اور گھٹیا جنسیں، یا جزئی چیزوں کے واسطہ سے جیسے اعلیٰ قسم کی جنسیں کہ ان کی جزئی چیزیں کسی مقولہ میں ضرور داخل ہیں) اور (خود) ان آدمیوں میں سے بھی (جیسے مرد اور عورت) اور ان چیزوں میں بھی جن کو (عام) لوگ نہیں جانتے (کہ عام مقابلہ کے مفہوم کے اعتبار سے پوشیدہ چیزوں میں بھی کوئی چیز مقابل سے خالی نہیں اور اس سے حق تعالیٰ کا بغیر مقابل کے ہونا ظاہر ہو گیا، کیونکہ دس مقولوں میں سے جو کہ اعلیٰ قسم کی جنس ہیں اس پر کوئی مقولہ صادق نہیں آتا، لہذا کسی موجود کے ساتھ کسی ذاتی میں اس کو شرکت نہیں، لہذا ساری مخلوق کے جوڑے اور وہ ان سب کا خالق۔ یہاں سے آیت ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ﴾ کی بھی توضیح ہوگئی) اور آگے بعض آفاقی اور

آسمانی نشانیوں اور ان کے بعض آثار سے استدلال ہے یعنی (ان لوگوں کے لئے ایک نشانی رات) (کا وقت) ہے (کہ اندھیرے کے اصل ہونے کی وجہ سے گویا اصل وقت وہی تھا اور سورج کی روشنی کے عارض سے گواہ کو دن نے چھپا لیا تھا، جیسے بکری کے گوشت کو اس کی کھال چھپا لیتی ہے، لہذا) ہم (اسی عارض کو ذرا ایل کر کے گویا) اس (رات) پر سے دن کو اتار لیتے ہیں تو اچانک (پھر رات ظاہر ہو جاتی ہے اور) وہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں، اور (ایک نشانی) سورج (ہے کہ وہ) اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے (یہ اس نقطہ کے لئے بھی عام ہے جہاں سے چل کر سالانہ دورہ کر کے پھر اسی نقطہ پر جا پہنچتا ہے اور افق کے اس نقطہ کو بھی عام ہے کہ روزانہ کی حرکت میں وہاں پہنچ کر غروب ہو جاتا ہے) یہ اندازہ اس (اللہ) کا باندھا ہوا ہے جو بر دوست (یعنی قدرت والا ہے اور) علم والا ہے (کہ علم سے انتظامات میں مصلحت و حکمت جانتا ہے اور قدرت سے ان انتظامات کو نافذ کرتا ہے) اور (ایک نشانی) چاند (ہے کہ اس کی چال) کے لئے منزلیں مقرر کیں (کہ ہر روز ایک منزل طے کرتا ہے) یہاں تک کہ (اپنے دورہ کے آخر میں پتلا ہوتا ہوتا) ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی (کہ پتلی اور ٹیڑھی ہو جاتی ہے، اور ممکن ہے کہ روشنی کی کمی کی وجہ سے پہلے پن میں بھی تشبیہ کا اعتبار کیا جائے اور سورج اور چاند کی چال اور رات اور دن کا آنا جانا ایسے انداز اور انتظام سے رکھی گئی ہے کہ) نہ سورج کی چال ہے کہ چاند کو (اس کی روشنی کے ظاہر ہونے کے وقت میں یعنی رات میں جب کہ وہ روشن ہو) جا پکڑے (یعنی وقت سے پہلے خود طلوع ہو کر اس کو اور اس کے وقت یعنی رات کو مٹا دے، جیسا کہ چاند بھی اسی طرح سورج کو اس کی روشنی کے ظاہر ہونے کے وقت نہیں پکڑ سکتا، کہ رات آجائے اور اس کی روشنی ظاہر ہو جائے) اور (اسی طرح) نہ رات، دن (کے مقررہ وقت کے ختم ہونے) سے پہلے آسکتی ہے (جیسے دن بھی رات کے مقررہ وقت کے ختم ہونے سے پہلے نہیں آسکتا) اور (چاند اور سورج) دونوں ایک ایک دائرہ میں (حساب سے اس طرح چل رہے ہیں جیسے) تیر رہے ہیں (اور حساب سے باہر نہیں ہو سکتے کہ رات دن کے حساب میں خلل واقع ہو سکے) اور (آگے آفاق کی اور زمین کی نشانیوں میں سے ایک خاص نشانی سواری اور سفر سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ یعنی) ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا (اکثر لوگ اپنی اولاد کو تجارت کے لئے سفر میں بھیجتے تھے، لہذا اس تعبیر میں تین نعمتوں کی طرف اشارہ ہو گیا، اول بھری ہوئی کشتی کہ جس کے بھاری اور وزنی ہونے کی وجہ سے اس کا تقاضا غرق ہونے کا ہے، اس کو پانی کی سطح پر جاری کرنا۔ دوسرے ان لوگوں کو اولاد فرمانا۔ تیسرے رزق و سامان دینا جس کی وجہ سے وہ خود گھر بیٹھے رہیں اور اولاد کو کارندے بنا کر بھیجیں) اور (خشکی کے سفر کی خاطر) ہم نے ان کے لئے کشتی ہی جیسی ایسی چیزیں پیدا کیں، جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں (اس سے اونٹ وغیرہ مراد ہیں، اور کشتی کے ساتھ تشبیہ خاص اس صفت کے اعتبار سے ہے کہ اس پر بھی سواری کی جاتی ہے، بوجھ لادا جاتا ہے اور سفر کیا جاتا ہے اور اس تشبیہ کا حسن اس سے اور بڑھ گیا کہ عرب میں اونٹوں کو عام طور سے سفائن البر یعنی

ریگستان کے جہاز کہا جاتا تھا، جیسا کہ کہا گیا سفا تن بر والسراب يحلوها اور آگے کشتی کے ذکر کی مناسبت سے ایک وعید اور ارشاد فرماتے ہیں جس کا ذکر اوپر زیادہ عجیب ہونے کی وجہ سے زیادہ مقصود تھا اگر چہ اذخوں وغیرہ کا ذکر بھی مناسبت سے آگیا تھا۔ یعنی یہ لوگ جو توحید کی دلیلوں کے واضح ہونے کے باوجود نہیں مانتے تو یہ ویسے تو اس قابل ہیں کہ انہیں فوراً سزا دی جائے اور ہم اس پر قادر بھی ہیں۔ چنانچہ (اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں، پھر نہ تو (جن کو انہوں نے شریک سمجھ رکھا ہے ان میں سے) کوئی ان کی فریاد پوری کرنے والا ہو (جو غرق ہونے سے بچالے) اور نہ انہیں (غرق ہونے کے بعد موت سے) خلاصی دی جائے (یعنی نہ کوئی موت سے چھڑا سکے) مگر یہ ہماری مہربانی ہے، انہیں ایک معین وقت تک (دنیاوی زندگی سے) فائدہ دینا (منظور) ہے (اس لئے مہلت دے رکھی ہے اور بات ایسی ہے کہ جیسے سورہ سہا میں ارشاد فرمایا ﴿أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا يَبْدِئُهمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ بِلَانٍ ثَنًا نَّخْصِفُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطُ عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ﴾ جیسا کہ بعث کی دلیلوں کے بیان میں وعید کا ذکر کیا اور جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَيُغَرِّقُكُمْ مِمَّا كَفَرْتُمْ﴾)

فائدہ: ﴿تَجْرِي لِیُسْتَقَرَّ لَهَا﴾ کی تفسیر میں ایک حدیث آئی ہے کہ اس کا مستقر یعنی ٹھہرنے کا مقام عرش کے نیچے ہے اور یہ غروب ہونے کے وقت سجدہ کر کے حکم دریافت کرتا ہے تو اس کو معمول کے مطابق طلوع ہونے کا حکم ہوتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن اس کو واپس لوٹنے کا حکم ہوگا۔ تو سورج مغرب سے طلوع ہوگا، اس سے چند اور معلوم ہوئے جو کہ تحقیق کے قابل ہیں، ایک یہ کہ مستقر روزانہ کی حرکت کے اعتبار سے ہے، لیکن احقر نے جو تفسیر کی ہے اس میں چونکہ یہ بھی شامل ہے، اس لئے اس کی کوئی نفی نہیں۔

دوسرا امر یہ کہ اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے، اس لئے جن دو باتوں کا احقر نے تفسیر میں ذکر کیا ہے وہ دونوں عرش کے نیچے ہیں، اس لئے اس سے بھی کوئی نفی نہیں رہی، یہ امر کہ سارے فلک اور ان کے نقطے اس امر میں مشترک ہیں، پھر خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خصوصیت کا مقصود ہونا ضروری نہیں، ممکن ہے کہ یہ قید واقعی ہو۔ اور اصلی مقصود سجدہ کے بارے میں خبر دینا ہو، اور اس تعبیر سے یہ فائدہ ہو کہ اس سے اس کے اللہ کے حکم کے تحت ہونے کی تصریح ہوگئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر قائم ہونے کا حکموں اور تصرفات کے نفاذ سے کنا یہ ہونا کئی آیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔

تیسرا امر یہ کہ سجدہ کرنے کے کیا معنی ہیں تو چونکہ آیتوں اور روایتوں کے ظاہر سے ان مخلوقوں میں بھی ایک حد تک شعور ہونا ثابت ہے تو ممکن ہے کہ یہ اسی شعوری قوت کے اعتبار سے حق تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع اور عرض و معروض کرنا ہو، لہذا سجدہ سے یہ مراد ہو۔ اور آسان امر یہ ہے کہ اس کی روح کو سجدہ کرنے والی کہا جائے تو بہت سے شبہات ختم ہو جائیں گے۔

چوتھا امر یہ ہے کہ ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس کو سکون ہو جاتا ہو، حالانکہ رصد یعنی ستاروں کی تجزیہ گاہ کی دلیلوں سے حرکت کا کبھی ختم نہ ہونا ثابت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ معنی کے سجدہ کے لئے اول تو حرکت کا ختم ہونا ضروری نہیں۔ دوسرے ممکن ہے کہ یہ سکون آنی یعنی لمحہ کا ہو اور حرکت زمانی ہو۔ اس لئے رصد کے حساب میں کوئی خلل نہ ہوتا ہو اور نہ ہی وہ ضبط و ادراک میں ہوتا ہو۔

پانچواں امر یہ کہ حقیقی غروب تو کبھی ہوتا ہی نہیں، ایک جگہ غروب ہوتا ہے تو دوسری جگہ طلوع ہوتا ہے پھر اس کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ عظیم بہت بڑی آبادی کا غروب مراد ہو، یعنی ایسا وقت جب آبادی کے اکثر حصہ میں سورج نکلا ہو نہ ہو یا خاص مدینہ کا طلوع مراد ہو، جس کے بارے میں بات ہو رہی ہے یا خط استواء کا غروب مراد ہو جو سورج کی معتدل حرکت کا مقام ہے۔ بہر حال مخبر صادق یعنی سچی خبر دینے والے یعنی رسول کی دی ہوئی خبر ہے اور کوئی عقلی اشکال نہیں، اس لئے اس کو تسلیم کرنا واجب ہے۔

اور آیت ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّزْنٰهُ﴾ سے متعلق کچھ مضمون سورہ یٰسین آیت ۵ میں اور ﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ کی وضاحت سورہ الانبیاء آیت ۳۳ میں لکھ چکا ہوں۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔
اور ﴿نَسِئْتُمْ مِنْهُ النَّهَارَ﴾ کی تفسیر میں جو اند میرے کو اصل کہا گیا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ روشنی والے جسم حادث ہیں، اگر یہ نہ ہوتے تو ان کی روشنی بھی نہ ہوتی اور ﴿مَنَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ کی زیادہ توضیح کے لئے سورہ نحل آیت ۸ ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ کا ترجمہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْتُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ وَمَا تَاْتِيَهُمْ مِنْ اٰيَةٍ مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْظِعُوْا مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ اَطَعْتُمْ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿

ترجمہ: اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔ تو وہ اصلاً پروا نہیں کرتے اور اُن کے رب کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی اُن کے پاس ایسی نہیں آتی جس سے یہ سرتابی نہ کرتے ہوں۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ تم کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرو تو یہ کفار مسلمانوں سے یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانے کو دیں جن کو اگر خدا چاہے تو کھانے کو دیدے تم نری صریح غلطی میں ہو۔

رابطہ: اوپر تو حید کی دلیلوں کا ذکر تھا جس میں نعمتوں کا بیان بھی شامل ہے اور اس مضمون کو انتقام کی وعید پر ختم کیا تھا،

جس کا حاصل ایمان اور توحید پر ترغیب اور کفر و شرک پر ترہیب یعنی ڈرانا دھمکانا ہے۔ اب ترغیب اور ترہیب سے کافروں کے متاثر نہ ہونے کا ذکر ہے، جس میں مذکورہ انتقام کی مثالوں سے متاثر نہ ہونے کا ذکر پہلے ہے اور مذکورہ نعمتوں کی مثالوں سے متاثر نہ ہونے کا ذکر بعد میں ہے۔

کافروں کا ترہیب و ترغیب سے متاثر نہ ہونا:

اور جب ان لوگوں سے (توحید کی دلیلوں کے ساتھ ﴿وَإِنْ نَشَأْ نُغَيِّضْهُمْ﴾ جیسی وحید کا مضمون سنا کر) کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے (یعنی دنیا میں آسکتا) ہے (جیسے غرق ہونا جس کا ابھی ذکر ہوا۔ یا جیسے سورہ سبا آیت ۹ ﴿إِنْ نَشَأْ نُغَيِّضْ﴾ میں دھمکانے کا ذکر ہوا یا قتل وغیرہ) اور جو تمہارے (مرے) پیچھے (یعنی آخرت میں یقینی طور پر آنے والا) ہے (یعنی توحید کے انکار پر جو عذاب واقع ہوگا، چاہے صرف آخرت میں یا دنیا میں بھی، تم اس سے ڈرو اور ایمان لے آؤ) تاکہ تم پر رحمت کی جائے، وہ (اس ترہیب یعنی ڈرانے دھمکانے کی) بالکل پروا نہیں کرتے اور (اسی مضمون کی کیا خصوصیت ہے وہ تو ایسے سخت دل ہو گئے ہیں کہ) ان کے رب کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس ایسی نہیں آئی جس سے یہ منہ نہ پھیرتے ہوں اور (اس طرح ترغیب سے بھی انہیں کوئی نفع نہیں ہوتا۔ چنانچہ) جب انہیں اللہ کی نعمتیں جیسے اوپر ذکر ہوئی ہیں بارش اور دانے اور پھل وغیرہ یاد دل کر جیسا کہ ان پر فقرہ ﴿رَبِّمَا قُلْ﴾ (دلائل کرتا ہے) ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ تمہیں دیا ہے، اس میں سے (اللہ کی راہ میں ضرورت مندوں، فقیروں، مسکینوں پر) خرچ کرو تو (اس کے باوجود کہ خرچ کرنے اور کھلانے کا اچھا ہونا خود انہیں بھی تسلیم ہے اور جن کاموں کا اچھا ہونا وہ تسلیم کرتے ہیں، یہاں میں شامل بھی ہے۔ چنانچہ ان امور پر ان کا فخر کرنا مشہور ہے۔ مگر اس پر بھی) یہ کافر (شرارت کے ساتھ ان) مسلمانوں سے (جنہوں نے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا تھا) یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانے کو دیں، جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود (بہت کچھ) کھلا دیتا؟ تم بالکل کلی گراہی میں (پڑے ہوئے) ہو! لہذا جس امر کا اچھا ہونا خود انہیں تسلیم ہے، جب نعمتوں کے یاد دلانے سے ترغیب اس میں نفع نہیں دیتی تو ایمان اور توحید کا قبول کرنے کا اچھا ہونا تو ابھی وہ تسلیم بھی نہیں کرتے، اس میں ان سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ مذکورہ نعمتوں اور احسانوں کا یاد دلانا ایمان قبول کرنے میں موثر ہو جائے۔ غرض وہ نہ ترہیب سے ایمان لائیں اور نہ ہی ترغیب سے)

فائدہ: مسلمانوں کا ان سے ﴿أَنفَعُوا﴾ کہنا شرعی حکم کے نقل کے طور پر نہیں تھا، کیونکہ کافریا تو فروہی احکام کے مکلف ہی نہیں یا ان سے بغیر ایمان کے فروہی اعمال قبول نہیں بلکہ اگر ضرورت مند کمزور لوگ ایسا کہنے والے تھے تب تو سوال کے طور پر ہے جو کہ شدید ضرورت کی صورت میں جائز ہے اور اگر غیر ضرورت مند ایسا کہنے والے تھے تو ضرورت مندوں کی سفارش کے طور پر ہے۔ اور سوال اور سفارش میں کفر کا وٹ نہیں۔ اور ظاہر میں کافروں کا یہ کہنا اللہ کے بارے

میں رزاق ہونے کے عقیدہ کے باوجود صرف شرارت کی غرض سے تھا جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ﴿وَكَيْفَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لِيَقُولَنَّ اللَّهُ﴾ اس سے ان کا مقصود مسلمانوں پر اعتراض کرنا تھا کہ تم تو اللہ کو رزاق مانتے ہو، پھر ہم سے سوال یا سفارش کیوں کرتے ہو؟ اللہ تو رزق دے سکتا ہے، اس سے کیوں نہیں مانگتے؟ اب یہ دوسرے بھی جانتا رہا کہ اپنے آپ میں تو یہ بات صحیح ہے کہ اللہ جس کو چاہے کھانے کو دیدے، دوسرے یہ دور کرنا ہے کہ اس سے ان کا مقصود اعتراض کرنا تھا اور خرچ کرنے کے لئے کہنے اور مشیت کے اعتقاد کے درمیان ضد کا اثبات ہے تو یہ مقصود باطل ہے۔ اور اس اعتراض سے نعمتوں کو یاد دلانا اور خرچ کرنے میں ترغیب کا موثر نہ ہونا اس طرح ثابت ہے کہ جس شخص کو خیر و بھلائی میں رغبت ہوتی ہے، اس کے لئے ذرا سی توجہ دلانا اور کوشش کرنا کافی ہو جاتا ہے اور وہ کہنے والے کی خصوصیت کو نہیں دیکھتا بلکہ انظر إلى ما قال ولا تنظر إلى من قال یعنی ”یہ دیکھو کیا کہہ رہا ہے اور یہ مت دیکھو کون کہہ رہا ہے“ پر عمل کرتا ہے۔ انھوں نے جب کہنے والے کی خصوصیت پر نظر کی اور اس سے دشمنی، خرچ کے لئے رکاوٹ بن گئی تو موثر نہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اور ان کا یہ اعتراض بالکل مہمل ہے۔ یہ اعتراض پہلے ہی ﴿رَبَّنَا فَكُنْ لَنَا اللَّهُ﴾ سے دور ہو چکا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ کسی مخلوق کا دینا اللہ کے کھلانے کے خلاف نہیں، کیونکہ کسی کے واسطے سے کھلانا بھی اللہ ہی کا کھلانا ہے جیسے خزانوں کا مالک بادشاہ کبھی خود انعام دیدیتا ہے، کبھی اپنے خزانچی سے دلا دیتا ہے۔ اور دونوں بادشاہ ہی کے عطیے ہیں، اگر یہ نہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ دوسرے طریقہ سے دینے پر قادر ہے، پھر یہ کہ یہ اعتراض تو ان پر بھی عائد ہوتا ہے جیسا کہ ان کا اللہ کو رزاق تسلیم کرنا اوپر معلوم ہوا۔

﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿قَالُوا يُؤْتِلْنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا بَعْدَ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ﴾ إِنْ كُنْتُمْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿فَالْيَوْمَ لَا تَظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ إِنْ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَرْبَابِ مُتَّكِئُونَ ﴿لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ﴾ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ ﴿وَأَمَّا أَزْوَاجُ الْمُنْكَرُونَ﴾ أَلَمْ آعْهَدْ لَكُمْ يَبْنِي أَدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿وَأَنْ اعْبُدُونِي﴾ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿وَلَقَدْ أَصَلَّ مِنْكُمْ جِبَلًا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿إِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ

۴۷

بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّى يُبْصِرُونَ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ۝ وَمَنْ يَتَّبِعْهُ تَتَّبِعْهُ تَنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ۝ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو؟ یہ لوگ بس ایک آواز سخت کے منتظر ہیں جو ان کو آپکڑے گی اور وہ باہم سب لڑجھگڑ رہے ہونگے۔ سو نہ وصیت کرنے کی فرصت ہوگی اور نہ اپنے گمراہیوں کے پاس لوٹ کر جائیں گے۔ اور صور پھونکا جاوے گا، سو وہ سب یکا یک قبروں سے اپنے رب کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے۔ کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ہم کو قبروں سے کس نے اٹھادیا؟ یہ وہی ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبر سچ کہتے تھے۔ وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی جس سے یکا یک سب جمع ہو کر ہمارے پاس حاضر کر دیئے جاویں گے۔ پھر اُس دن کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہوگا اور تم کو بس اُن ہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ اہل جنت بیشک اُس روز اپنے مشغلوں میں خوش دل ہونگے وہ اور اُن کی پیمیاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے۔ اُن کے لئے وہاں میوے ہونگے اور جو کچھ مانگیں گے اُن کو ملے گا۔ اُن کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جاوے گا۔ اور اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ۔ اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔ اور وہ تم میں ایک کثیر مخلوق کو گمراہ کر چکا، سو کیا تم نہیں سمجھتے تھے۔ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔ آج اپنے کفر کے بدلے اس میں داخل ہو۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو ملیا میٹ کر دیتے۔ پھر یہ رستے کی طرف دوڑتے پھرتے سوان کو کہاں نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی صورتیں بدل ڈالتے اس حالت سے کہ یہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے جس سے یہ لوگ نہ آگے کو چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے۔ ہم جس کی زیادہ عمر کر دیتے ہیں تو اُس کو طبعی حالت میں الٹا کر دیتے ہیں، سو کیا وہ لوگ نہیں سمجھتے۔

رابطہ: اوپر تو حید کا مضمون اور اس کے ساتھ ﴿اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ﴾ میں آخرت کے عذاب سے ڈرنا مختصر طور پر بیان ہوا تھا، اب آخرت کے احوال کی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور اس کے آخر میں ﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا﴾ الخ سے دنیا کے عذاب کے احتمال کے ذریعہ تہدید یعنی ڈرانا دوہرا کرنا ہے، جس سے ﴿مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ﴾ کی ایک طرح سے شرح ہو گئی اور اس مذکورہ ربط کے علاوہ ویسے بھی قرآن میں توحید اور بعث کا ذکر کثرت سے ساتھ ساتھ آتا ہے۔

آخرت کے احوال اور دنیاوی عذاب کے احتمال کے ذریعہ ڈرانا ودھمکانا:

اور یہ (کافر) لوگ (رسول اللہ ﷺ اور آپ کا اتباع کرنے والوں سے انکار کے طور پر) کہتے ہیں کہ (قیامت کا) یہ وعدہ (جو ﴿مَا خَلَفْتُمْ﴾ کا مصداق ہے اور ویسے بھی اکثر اس کی خبر دیا کرتے ہو، وہ) کب ہوگا؟ اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو (تو بتاؤ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ جو بار بار پوچھ رہے ہیں تو گویا) یہ لوگ بس ایک سخت آواز (یعنی پہلی بار صور پھونکنے جانے) کے انتظار میں ہیں، جو ان کو (یعنی مطلق کافروں کو) آ پکڑے گی اور وہ سب (اس وقت) آپس میں (معمولی طور پر اپنے معاملوں میں) لڑ جھگڑ رہے ہوں گے تو اس آواز کے ساتھ اچانک اس طرح فنا ہو جائیں گے کہ (نہ تو وصیت کرنے کی فرصت ہوگی اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جائیں گے) بلکہ جو جس حال میں ہوگا، مر کر رہ جائے گا) اور (پھر دوبارہ) صور پھونکا جائے گا تو وہ سب ایک دم قبروں سے (نکل نکل کر) اپنے رب کی طرف (یعنی جہاں حساب ہوگا) جلدی جلدی چلنے لگیں گے (اور وہاں کی ہولناکی اور ہیبت دیکھ کر) کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! ہمیں ہماری قبروں سے کس نے اٹھا دیا؟ (کہ یہاں کے مقابلہ میں تو وہاں ہی راحت میں تھے۔ فرشتے جواب دیں گے کہ) یہ وہی (قیامت) ہے جس کا حُسن نے وعدہ کیا تھا اور رسول صبح کہتے تھے (مگر تم نے نہیں مانا تھا۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) وہ (صور کا دوبارہ پھونکنا) بس ایک زوردار آواز ہوگی (جیسے صور کا پہلی بار پھونکنا بھی ایک آواز تھی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً﴾ اسی طرح یہ بھی ایک آواز ہوگی) جس سے سب ایک دم جمع ہو کر کے ہمارے پاس حاضر کر دیئے جائیں گے (پہلے جمع ہونے کی جگہ کی طرف چلنے کا ذکر تھا اور یہاں پہنچ جانے کا ذکر ہے اور یہ چلنا اور پہنچنا جبر و قہر کے ساتھ ہوگا، جس پر ارشاد ﴿مُخْضَرُونَ﴾ اور دوسرا ارشاد ﴿وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ﴾ دلالت کرتے ہیں) پھر اس دن کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہوگا، اور تمہیں بس انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم (دنیا میں کفر وغیرہ) کیا کرتے تھے (یہ تو جہنم والوں کا حال ہوا اور) بے شک اس دن جنت والوں (کا حال یہ ہوگا کہ وہ) اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے، وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تھکے لگائے بیٹھے ہوں گے (اور) ان کے لئے وہاں (ہر طرح کے) میوے ہوں گے اور جو کچھ مانگیں گے انہیں ملے گا (اور) انہیں پروردگار کی طرف سے جو مہربان ہے، سلام فرمایا جائے گا (یعنی حق تعالیٰ خود فرمائیں گے: السلام علیکم یا اهل الجنة: جیسا کہ ابن ماجہ نے روایت کیا ہے) اور (آگے پھر جہنم والوں کے قصہ کا باقی حصہ ہے کہ انہیں جمع ہونے کی جگہ میں حکم ہوگا کہ) اے (کفر کا ارتکاب کرنے والے) مجرمو! آج (ایمان والوں سے) الگ ہو جاؤ (کیونکہ انہیں جنت میں بھیجنا ہے اور تمہیں جہنم میں، اور اس وقت ان سے ملامت کے طور پر یہ فرمایا جائے گا) اے آدم کی اولاد! (اور اسی طرح جنات سے بھی خطاب ہوگا، جس پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ﴿يَمْعَشِرَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ﴾ الخ) کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ

کرنا؟ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری (ہی) عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے (عبادت سے مراد مطلق اطاعت ہے اور اسی طرح یہ ارشاد ہے ﴿لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ ﴿لَا يَغْنَصُكُمْ الشَّيْطٰنُ﴾ اور (تمہیں شیطان کے بارے میں یہ بات بھی معلوم کرائی گئی تھی کہ) وہ تم میں (یعنی تمہاری نوع کے لوگوں میں) سے بہت ساری مخلوق کو گمراہ کر چکا ہے، جن کی گمراہی کا وبال بھی تمہیں جتا دیا گیا تھا جیسے جھٹلانے والوں کے اور ان کی سزا و عذاب کے قصے کہ قرآن میں بیان کئے گئے ہیں) تو کیا تم (اتنا) نہیں سمجھتے تھے (کہ اگر ہم اس کے گمراہ کرنے سے گمراہ ہو جائیں گے تو ہم بھی اس طرح عذاب کے مستحق ہوں گے، لواب) یہ جہنم ہے جس کا تم سے (کفر اختیار کرنے کی صورت میں) وعدہ کیا جایا کرتا تھا، آج اپنے کفر کے بدلہ اس میں داخل ہو جاؤ، آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے (جس کی وجہ سے یہ باطل عذر نہ کر سکیں، جیسا کہ شروع شروع میں کہیں گے ﴿وَاللّٰهُ رَیْتٰنَا مَا كُنَّا مُشْرِکِیْنَ﴾ اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے (یہ عذاب تو آخرت میں ہوگا) اور اگر ہم چاہتے تو (دنیا ہی میں ان کے کفر کی سزا میں) ان کی آنکھوں کو مٹا دیتے (چاہے بینائی یعنی دیکھنے کی قوت کو یا خود عضو یعنی آنکھوں ہی کو) پھر یہ راستے کی طرف (چلنے کے لئے) دوڑتے پھرتے تو انہیں کہاں نظر آتا (جیسا کہ لوط کی قوم کے لئے ہوا کہ ارشاد فرمایا ﴿فَطٰسٰتٌۭ بَیِّنًا﴾) اور (اس سے بڑھ کر) اگر ہم چاہتے تو (ان کے کفر کی سزا میں) ان کی صورتیں بدل ڈالتے (جیسے پہلے بعض لوگ بندر اور خنزیر ہو گئے) اس حالت میں کہ یہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے (یعنی صورتیں مسخ کرنے کے علاوہ انہیں چلنے پھرنے سے معذوری بھی ہوتی، جس کا حاصل یہ ہے کہ جانور بنا دیتے اور جانور بھی اپنا ج) جس سے یہ لوگ نہ آگے کو چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے، اور (اس بارے میں کوئی تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ اعضا کا مٹنا اور شکلوں کا مسخ ہونا کیسے ہو جاتا ہے۔ دیکھو اس کی ایک نظیر ہماری قدرت سے اس کے سامنے ہے کہ) ہم جس کی عمر زیادہ کر دیتے ہیں (یعنی بہت بوڑھا کر دیتے ہیں) تو اس کو طبعی حالت میں الٹا کر دیتے ہیں (طبعی حالت سے مراد ادراک کرنے، سننے، دیکھنے وغیرہ کی اور فعل کرنے والی، ہضم کرنے والی اور بڑھنے والی قوتیں اور رنگ و رغن اور حسن و جمال ہیں، اور الٹا کر دینے سے مراد ان کا ذلیل و حقیر کی طرف انقلاب اور حالت کی تبدیلی ہے چنانچہ عضو کا مٹا دینا اور مسخ کر دینا بھی کامل یعنی پورے سے ناقص یعنی ادھورے کی طرف ایک قسم کی تبدیلی ہے) تو کیا (اس حالت کو دیکھ کر بھی) وہ لوگ نہیں سمجھتے؟ کہ جب ایک تبدیلی پر قدرت ہے تو دوسری پر بھی ہے، بلکہ قدرت کی نسبت تو تمام ممکن امور کے ساتھ برابر ہے، چاہے ان میں مشابہت اور ایک جیسا ہونا بھی نہ پایا جائے، تو ان لوگوں کو اس پر نظر کر کے ڈرنا اور کفر کو چھوڑ دینا چاہئے)

فَاَنذَرُہٗ ﴿یَقُولُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ﴾ میں کہنے والے مکہ کے کافر تھے اور ﴿تَاْخُذْہُمْ﴾ میں جن کا پکڑا جانا پھونک مارے جانے کے اثر میں بیان ہوا ہے، وہ اور لوگ ہوں گے لیکن ایسے حادثہ میں اصل مقصود پکڑا جانا ہے جس سے

قیامت کے انکار کی گنجائش نہ رہے تو قیامت سے پہلے جو کافر گزرے ہیں، ان کے لئے موت، جس کے ساتھ آخرت کا معائنہ ہو جاتا ہے ایسا ہی حادثہ ہے، لہذا ﴿تَاخُذُ﴾ میں ضمیر کا مرجع مطلق کافر لوگ ہیں، اور چونکہ قیامت کا علم پوشیدہ رکھا گیا ہے، اس لئے یہاں ضمیر کو مبہم رکھا گیا کہ ﴿هَٰذَا الْوَعْدُ﴾ کہنے والے کافروں کے لئے قیامت کے واقع ہونے کا احتمال ہے اور یہاں دوسری بار صور پھونکنے جانے کے وقت ﴿يَنفِثُونَ﴾ فرمایا اور ایک جگہ ارشاد ہے ﴿وَإِذَا هُمْ رَقِيًا مِّنْظُرُونَ﴾ تو ممکن ہے کہ پہلے مرحلہ میں حیرت زدہ کھڑے رہیں، پھر فرشتوں کے ہانکنے سے دوڑنا شروع کر دیں اور ﴿أَذْوَاهُمْ﴾ میں حواریں اور مؤمن بیویاں منفرد طور پر یا اجتماعی طور پر دونوں مراد ہو سکتی ہیں۔ اور جنت کے سایوں کی تحقیق سورہ رد آیت ۳۵ ﴿أَكُلْهَا ذَائِمٌ وَظِلُّهَا﴾ کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور ﴿يَذْغَبُونَ﴾ کی جو تفسیر مانگنے سے کی گئی ہے، اس سے جنت والوں کے مانگنے میں کوئی اشکال نہ کیا جائے، کیونکہ اپنے محبوب اور عظیم سے مانگنا خاص طور سے جب کہ فوراً مل جائے، اپنے آپ میں ایک لذت کا سبب ہے، لہذا اس سے جنت میں تکلیف کا وجود لازم نہیں آیا اور بعض نے ﴿يَذْغَبُونَ﴾ کو بے ممانوں کے معنی میں کہا ہے، اس سے اور بھی سہولت ہوگئی، اور ﴿وَلَقَدْ أَصَلَّٰ وَنُكِرُ جِبِلًّا كَثِيرًا﴾ کا خطاب اکثر کافروں کے اعتبار سے ہے لہذا سب سے پہلے جو کافر ہوئے ہیں جنہوں نے دوسرے کافروں کا گمراہ ہونا اور ان پر وبال نازل ہونا نہیں دیکھا نہ سنا ان کے اس خطاب میں شامل نہ ہونے سے کوئی وسوسہ نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ ایک تنبیہ کرنے والے کے نہ ہونے سے دوسری دلیلوں اور تنبیہ کرنے والوں کی نفی لازم نہیں آتی لہذا الزام اُن پر بھی قائم ہے اور مہر لگنا یا تو حقیقت میں ہے یا یہ بالکل خاموشی سے مجاز ہے، اور ایک آیت میں ﴿كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ وَلَٰكِن لَّمْ يَكُونُوا بِهَا حَٰقِقِينَ﴾ بھی آیا ہے اور ایک میں ﴿شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ﴾ آیا ہے، یہ سب اعضا بولنے والے اور گواہی دینے والے ہوں گے۔ اور منہوں پر مہر اور زبانوں کی گواہی میں تطبیق یعنی مطابقت کی وجہ سورہ نور آیت ۲۴ ﴿يَوْمَ نَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلَيْسَ لَهُمْ الْقُرْآنُ الَّذِي بُعِثَ فِيهِمْ﴾ الخ کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور اسلام سے مقصود یا تو جنت میں عزت و اکرام ہے یا خوش خبری اور ہمیشہ کی سلامتی کی خبر دینا ہے، لہذا شبہ نہ رہا کہ سلامتی کی دعا اور انشا میں تحصیل حاصل یعنی پہلے سے حاصل امر کا حاصل کرنا ہے۔

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ۝ لِّيُنذِرَ مَنِ كَانَ حَيًّا وَيَحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ آپ کے لئے شایاں بھی نہیں۔ وہ تو محض نصیحت اور ایک آسانی کتاب ہے جو احکام کی ظاہر کرنے والی ہے تاکہ ایسے شخص کو ڈراوے جو زندہ ہو اور تاکہ کافروں پر حجت ثابت ہو جاوے۔ ربط: اوپر بحث اور جزا کا مضمون تھا، اب رسالت اور اس کی دلیلوں میں سے سب سے عظیم یعنی قرآن کے حق ہونے

کا مضمون ہے جو سورت کے شروع میں بھی تھا۔

رسالت اور قرآن کی تحقیق:

اور (یہ کافر جو نبوت کی نفی کے لئے آپ کو شاعر یا خیالی باتیں کرنے والا کہتے ہیں کہ چاہے وہ نظم نہ ہو، تو ان کا ایسا کہنا بالکل باطل ہے، اس لئے کہ) ہم نے آپ کو شاعری (یعنی خیالی مضامین ترتیب دینے) کا علم نہیں دیا (اور بغیر تعلیم کے چاہے وہ ہبہ کیا ہوا ہو یا اپنی کوشش سے حاصل کیا ہو کسی بھی چیز کا علم حاصل نہیں ہوتا، لہذا آپ شاعری کے فن سے پاک ثابت ہوتے) اور وہ (شاعری) آپ کی شان کے مطابق بھی نہیں، کیونکہ آپ اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں اور شعری مضامین کی بنیاد محض خیالوں پر ہوتی ہے، لہذا دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہیں، جس کی وجہ سے اس وقت تو ان کا جمع ہونا محال ہی ہے، لیکن قوت و صلاحیت کے لحاظ سے بھی ان کا جمع نہ ہونا یعنی شاعری پر قدرت نہ ہونا ایک دوسرے کی نفی کا بہت ہی اعلیٰ درجہ اور پاک ہونے کا کمال ہے یہاں تک کہ نظم میں چونکہ اکثر خیالی مضامین ہوا کرتے ہیں اس لئے نظم میں بھی مہارت نہیں دی، چاہے وہ شعر منفی معنی میں نہ ہو (یعنی انہیں جو کچھ ہم نے وحی کے ذریعہ سکھایا ہے، جس کو وہ لوگ شعر کہتے ہیں۔ وہ) تو صرف نصیحت (کا مضمون) اور ایک آسمانی کتاب ہے جو احکام ظاہر کرنے والی ہے تاکہ (اپنے احکام کے بیان کے اثر سے) ایسے شخص کو (ایسا ڈرانا) ڈرائے جو (نفع دینے والا ہو، اور دل کی زندگی کے اعتبار سے) زندہ ہو اور تاکہ کافروں پر (عذاب کی) حجت ثابت ہو جائے (کہ ان سے کہا جائے گا کہ تم نے احکام کو سننے کے باوجود انکار کیا)

فائدہ: سورۃ شعر آیت ۲۲۲ ﴿وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَايُ الْقَاتِلُ﴾ کی تفسیر میں بھی شعر کی نفی کے معنی اور وجہ گزر چکے ہیں، جس کو اس وقت ایک بار پھر دیکھنا مفید ہوگا، اور کسی صحیح اور اچھی غرض سے کسی شعر کا نقل کرنا یا بلا ارادہ کوئی موزوں کلام منہ سے نکل جانا آیت کے مضمون کے خلاف نہیں ہے۔

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِنَّا عَمَلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۖ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۖ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّهُمْ يَنْصُرُونَ ۖ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحَضَّرُونَ ۖ﴾

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کیا کہ ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے مواشی پیدا کئے، پھر یہ لوگ ان کے مالک بن رہے ہیں۔ اور ہم نے ان مواشی کو ان کا تابع بنادیا۔ سو ان میں بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، اور ان میں ان لوگوں کے اور بھی نفع ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں۔ سو کیا یہ لوگ شکر نہیں

کرتے۔ اور انھوں نے خدا کے سوا اور معبود قرار دے رکھے ہیں، اس امید پر کہ ان کو مدد ملے۔ وہ ان کی کچھ مدد کر ہی نہیں سکتے اور وہ ان لوگوں کے حق میں ایک فریق ہو جاویں گے جو حاضر کئے جاویں گے۔

رابطہ: اوپر ﴿وَاٰیۃُ تَکْذِبُ اَکْاٰنِہُمْ﴾ الخ میں ایسی دلیلوں کے ذریعہ توحید کا اثبات تھا جن میں اللہ کی نعمتوں کا بیان بھی شامل ہے۔ اب پھر ایسی ہی دلیلوں کے ساتھ اسی مضمون کا بیان ہے اور وہاں آخر میں اشاروں میں شریکوں کی نفی تھی، یہاں اس امر کی صراحت ہے۔

ایک بار پھر توحید کا ذکر:

کیا ان (مشرک) لوگوں نے اس پر نظر نہیں کیا کہ ہم نے ان کے (نفع کے) لئے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے مویشی پیدا کئے پھر (ہمارے مالک بنانے سے) یہ لوگ ان کے مالک بن رہے ہیں، اور (آگے اس نفع کی کچھ تفصیل ہے کہ) ہم نے ان مویشیوں کو ان کا تابع بنادیا تو (وہ ان کے کام میں لانے سے کام آتے ہیں۔ چنانچہ) ان میں بعض تو ان کی سواریاں ہیں، اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، اور ان میں ان لوگوں کے اور بھی فائدے ہیں (جیسے بال، کھال اور ہڈی وغیرہ مختلف طریقوں پر استعمال میں آتے ہیں) اور (ان میں ان لوگوں کے) پینے کی چیزیں بھی ہیں (یعنی دودھ) تو کیا (اس پر بھی) یہ لوگ شکر نہیں کرتے (جس میں سب سے اہم اور پہلا کام توحید کا قبول کرنا ہے) اور انھوں نے (شکر اور توحید کے بجائے کفر اور شرک اختیار کر رکھا ہے، چنانچہ) اس امید پر اللہ کے سوا اور معبود قرار دے رکھے ہیں کہ انہیں (ان معبودوں کی طرف سے) مدد ملے (لیکن) وہ ان کی کچھ مدد کر ہی نہیں سکتے اور (مدد تو کیا کرتے اور اٹھتے) وہ (معبود) ان لوگوں کے حق میں ایک (مخالف) فریق ہو جائیں گے جو (حساب کے لئے جمع ہونے کی جگہ میں زبردستی) حاضر کئے جائیں گے (اور وہاں حاضر ہو کر ان کی مخالفت کا اظہار کریں گے جیسا کہ سورہ مریم میں ارشاد ہے ﴿وَيَكُونُونَ عَلٰیہُمْ حِجَابًا﴾ اور سورہ یونس میں ﴿قَالَ شُرَکَاؤُہُمْ مَا کُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ﴾ وغیرہ آیتیں ہیں)

فائدہ: جو آیتیں ابھی لکھی گئی ہیں، ان کا ملاحظہ کر لینا مفید ہے۔ اور اگر انعام سے خاص وہ مویشی مراد ہیں جو حلال ہیں تو ﴿مِنْہَا تَاکُلُوْنَ﴾ میں من ابتدائی لینے میں تو کوئی اشکال نہیں اور جمع فیہ یعنی بعض کے لئے لینا یا تو اجزا کے اعتبار سے ہے نہ کہ جزیوں کے اعتبار سے اور ظاہر ہے کہ تمام اجزا انہیں کھائے جاتے، اور اگر جزیوں کے اعتبار سے ہے تو شریعت میں جائز قرار دینے کے اعتبار سے نہ ہو بلکہ واقع کے اعتبار سے ہو اور ظاہر ہے کہ واقعی طور پر ان کے صرف بعض حصے کھائے جاتے ہیں، چاہے سب کا کھانا شامل ہو اور ہاتھوں سے بنائے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پیدا کرنے میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں۔

﴿ فَلَا يَخْزِيكَ قَوْلُهُمْ إِنَّآ نَعْلَمُ مَا يُبْذَرُونَ وَمَا يُعْلَنُونَ ﴾

ترجمہ: تو ان لوگوں کی باتیں آپ کے لئے آزر دہی کا باعث نہ ہونا چاہئے۔ بیشک ہم سب جانتے ہیں جو کچھ یہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

رابطہ: اوپر تو حید کے تقاضہ یعنی مویشیوں کے پیدا کرنے کے واضح ہونے کے باوجود جس کے واضح ہونے کے تقاضہ کی طرف ﴿ اَلْخَبْرُ رَاقٍ ﴾ سے اشارہ معلوم ہوتا ہے، مشرکوں کا توحید کو قبول نہ کرنا اور شرک کے خلاف حقیقتوں یعنی بتوں کے عاجز و مجبور ہونے کے واضح ہونے کے باوجود جس کا واضح ہونا کھلے عام دیکھے جانے سے اور ﴿ لَا يَسْتَطِيعُونَ ﴾ الخ سے صاف طور سے معلوم ہے، ان کے شرک کو اختیار کرنے کا بیان تھا، جس سے ان کے اندر بالکل بھی سوچنے والے ذہن و دماغ کا نہ ہونا یا انتہائی درجہ کا عناد رکھنے والا ہونا لازم آتا ہے۔ اب اس لازم پر رسول ﷺ کی تسلی کا مضمون بیان فرماتے ہیں۔ اور ﴿ اِنَّا نَعْلَمُ ﴾ الخ سے اس کی تاکید فرماتے ہیں جو کہ مذکورہ بالا بحث کے مضمون سے مناسبت رکھتا ہے اور اس مضمون سے رسالت کے مسئلہ میں اور زیادہ تسلی حاصل ہوتی ہے کہ جب یہ لوگ حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں تو آپ کے ساتھ تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی عجیب امر نہیں، لہذا اس مجموعی بیان سے تسلی کے اس مضمون کا بعث، رسالت اور توحید سے جن کا اسی ترتیب کے ساتھ اوپر ذکر ہوا، سب سے رابطہ ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

(جب یہ لوگ ایسے واضح واضح امور میں مخالفت کرتے ہیں) تو (توحید اور رسالت وغیرہ کے بارے میں) ان لوگوں کی باتیں آپ کے لئے رنج و غم کا سبب نہیں ہونی چاہئیں (کیونکہ رنج و غم امید سے ہوتے ہیں اور امید مخاطب کی عقل اور انصاف سے ہوتی ہے، اور یہاں اگر ان کے اندر سوچنے والا ذہن اور دماغ نہیں تو اس کا مطلب ہے عقل ہی نہیں اور اگر عناد ہے تو انصاف نہیں، پھر امید کیسی اور پھر غم کیوں؟ آگے دوسرے طریقہ سے تسلی کی تاکید ہے کہ) بے شک ہم سب جانتے ہیں جو کچھ یہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ (زبان سے) ظاہر کرتے ہیں (لہذا انہیں وقت آنے پر کافی بدلہ ملے گا)

﴿ اَوَلَمْ يَرِ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَازَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ كَنًا مِّثْلًا وَنَبِيْ خَلَقْنَاهُ ۝ قَالَ مَنْ يُّبْنِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَا اَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُوْنَ ۝ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَدِيْرٍ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى ۝ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ كَسْبَحْنَ الَّذِيْ يَبْدِئُ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّالِيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اُس کو نطفہ سے پیدا کیا سو وہ اعلانیہ اعتراض کرنے لگا، اور اُس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا اور اپنی اصل کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں کون زندہ کرے گا؟ آپ جواب دے دیجئے کہ اُن کو وہ زندہ کرے گا جس نے اول بار میں اُن کو پیدا کیا ہے، اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے، وہ ایسا ہے کہ ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے پھر تم اُس سے اور آگ سلگا لیتے ہو، اور جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو پیدا کر دے، ضرور وہ قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اُس کا معمول تو یہ ہے کہ اُس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، بس وہ ہو جاتی ہے۔ تو اُس کی ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم سب کو اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

رابطہ: اور ﴿يَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ﴾ میں بحث کا مضمون تھا۔ اب خاتمہ میں پھر اسی کا بیان ہے، البتہ چونکہ وہاں سوال واقع ہونے کے تعلق سے تھا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ﴾ الخ۔ اس لئے وہاں واقعات زیادہ ہیں، اگر چہ ﴿وَكُؤُنْشَاءُ﴾ الخ میں بعض ان واقعات کے صحیح ہونے پر بھی استدلال ہے اور چونکہ یہاں اس کے امکان پر اعتراض تھا جیسا کہ لباب میں ابن عباسؓ سے روایت ہے جس کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ عاص ابن وائل ایک بوسیدہ ہڈی لے کر نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور ہڈی کو چٹکی سے مل کر کہنے لگا کہ کیا یہ ایسی حالت کے بعد پھر زندہ ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور تم جہنم میں جاؤ گے، اس پر ﴿أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ﴾ سے سورت کے آخر تک کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اس لئے یہاں زیادہ استدلال صحیح اور ممکن ہونے پر ہے، اگر چہ بالکل آخری آیت میں واقع ہونے کا بھی حکم ہے۔ واللہ اعلم

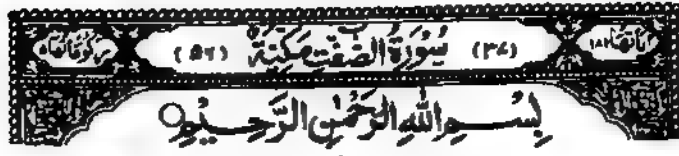
بحث کو محال سمجھنے کا جواب:

کیا (اس) آدمی کو (جو بحث کا انکار کرتا ہے) یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو (ایک حقیر) نطفہ سے پیدا کیا (جس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنی اس ابتدائی حالت کو دیکھ کر ایک تو اپنی حقارت اور خالق کی عظمت کی وجہ سے انکار اور اعتراض کی گستاخی کی جرأت سے طبعی طور پر شرماتا۔ دوسرے خود اس حالت سے بحث کے صحیح ہونے پر عقل کے ذریعہ استدلال کرتا) تو (اس) نے ایسا نہیں کیا، بلکہ مذکورہ تقاضہ کے برخلاف (وہ اعلانیہ اعتراض کرنے لگا، اور (وہ اعتراض یہ کہ) اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا (عجیب اس لئے کہ اس سے قدرت کا انکار لازم آتا ہے) اور اپنی اصل کو بھول گیا) کہ نطفہ ایک حقیر چیز ہے جس سے ہم نے اس کو انسان بنایا ہے ورنہ اگر اپنی اصل کو نہ بھولتا تو طبعی اور عقلی طور پر ایسی بات نہ کہتا) کہتا ہے کہ ہڈیوں کو (خاص طور سے) جب کہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں، کون زندہ کرے گا؟ آپ جواب دیجئے کہ انہیں وہ زندہ

کرے گا۔ جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا ہے (جب کہ وہ زندگی سے بہت دور تھیں، اور اب تو ایک بار وہ زندگی کو قبول بھی کر چکی ہیں) اور وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے (شروع میں بھی اور دوبارہ بھی اس کے لئے کچھ مشکل نہیں) وہ ایسا (مطلق قدرت والا) ہے کہ تمہارے لئے (بعض) ہرے درخت سے آگ پیدا کر دیتا ہے۔ پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو (چنانچہ عرب میں ایک درخت مرغ اور ایک عفار تھا، ان سے چغماق کا کام لیتے تھے لہذا جب پانی میں کہ ہرا ہونا اسی کا اثر ہے آگ پیدا کر دیتے ہیں تو جمادات میں زندگی پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ کیونکہ وہاں تو آگ کے ساتھ پانی بھی رہتا ہے، اور یہاں تو زندگی کے ساتھ جمادات ہونا نہیں رہے گا تو وہ اس زندہ کرنے سے زیادہ عجیب ہے) اور جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو (دوبارہ) پیدا کر دے؟ ضرور وہ قادر ہے (بلکہ زمین اور آسمان تو اور بھی بڑے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾) اور وہ بڑا پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے (اور اس کی قدرت ایسی ہے کہ وہ جب کسی چیز (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا معمول تو یہ ہے کہ اس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، تو بس وہ ہو جاتی ہے (تو اس کے لئے کوئی بات مشکل ہو سکتی ہے) تو (ان سب باتوں سے ثابت ہو گیا کہ) اس کی ذات پاک ہے، جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے (یعنی وہ عاجزی و مجبوری وغیرہ کی کمزوریوں سے پاک ہے) اور (یہ امر سارے شہوں سے سالم محفوظ باقی رہ گیا) کہ تم سب کو (قیامت میں) اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

فائدہ: ﴿مِنْكُمْ﴾ کے ایسے معنی ہیں جیسے محاوروں میں کہتے ہیں کہ میں تم جیسوں کو کیا سمجھتا ہوں، یعنی تمہیں بھی اور تمہارے جیسوں کو بھی، اور یہاں کئی استدلال جمع ہیں: اول ﴿يُحْيِيهَا﴾ جس کی طرف ﴿يُؤْيِي﴾ ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ اور ﴿اَنْشَاَهَا﴾ میں بھی اشارہ ہے دوسرے ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ جو کہ ﴿وَهُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ﴾ سے قریب ہے۔ تیسرے ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْحَاقَ﴾ اور ﴿اَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ الْاَنْفُسَ﴾ اور ﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِي﴾ الخ میں مذکورہ دلیلوں سے ثابت مطلوب کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ کلمہ فاس پر دلالت کرتا ہے اور ﴿كُنْ فَيَكُونُ﴾ کی تحقیق سورۃ البقرۃ آیت ۱۱ میں گزر چکی ہے۔ اور چیزوں کا بننا اگرچہ اسباب میں درجہ بدرجہ بھی ہوتا ہے، مگر نوعی صورت کا فیض یکبارگی ہوتا ہے یا درجہ بہ درجہ والے امور میں حکم ﴿كُنْ﴾ درجہ بہ درجہ ہوتا ہے اور دفع سے متعلق امور میں ﴿كُنْ﴾ ایک ہی بار میں ہوتا ہے۔

﴿الحمد للہ! سورۃ یٰس کی تفسیر ۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۵ھ بروز منگل پوری ہوئی﴾



شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابط: اس سورت کا خلاصہ یہ مضامین ہیں: (۱) توحید جس سے سورت شروع کی گئی ہے اور پھر (۲) بعثت جس پر سورت کے شروع ہی میں توحید سے متعلق مذکور بعض دلیلوں سے استدلال بھی کیا گیا اور آیت ۷۴ تک وہی بعثت کا مضمون چلا گیا ہے اور پھر (۳) رسالت جس کا سلسلہ قصوں کے ضمن میں سورت کے ختم تک چلا گیا ہے، پھر آیت ۱۲۸ ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَذْیَبُكَ﴾ الخ سے توحید اور اللہ کے پاک ہونے کا بیان ہے اور پھر آیت ۱۶۷ ﴿وَأَن كَانُوا یَقُولُونَ﴾ سے انکار کرنے والوں کو ملامت و عید کے ذریعہ اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی وعدہ کے ذریعہ، پھر خاتمہ میں اللہ تعالیٰ ذوالجلال والا کرام کی پاکی اور رسولوں کی شان کی، بلندی کا بیان ہے جو توحید اور رسالت سے مناسبت رکھتی ہے اور اس سے گذشتہ سورت کے مجموعہ کا اس سورت کے مجموعہ سے بھی رابطہ ظاہر ہو گیا کہ وہ بھی انہی مضمونوں پر مشتمل تھی۔

﴿وَالصَّفَّاتِ صَفًّا ۚ فَالْجُودِ زَجْرًا ۚ فَالْثَلَاثِ ذِكْرًا ۚ إِنَّ إِلَهُكُمْ لَوَاحِدٌ ۚ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ رَبُّ الشَّارِقِ ۚ إِنَّا زَيْنَا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ۚ وَحُفَّتْهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۚ لَا يَسْتَعِزُّ إِلَىٰ الْمَلَاكَ وَلَا عِلَىٰ وَيُضْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۚ دُخُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۚ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ ثَاقِبٌ ۚ﴾

ترجمہ: قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں، پھر ان فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں پھر ان فرشتوں کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے ہیں کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ وہ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور پروردگار ہے طلوع کرنے کے مواقع کا۔ ہم ہی نے رونق دی ہے، اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب آرائش یعنی ستاروں کے ساتھ اور حفاظت بھی ہے ہر شریر شیطان سے۔ وہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے اور وہ ہر طرف سے مار کر دھکے دیدیے جاتے ہیں، اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دکھتا ہوا شعلہ اُس کے پیچھے لگ لیتا ہے۔

دلیل کے ذریعہ توحید کا اثبات اور قسم کے ذریعہ اس کی تاکید:

قسم ہے ان فرشتوں کی جو (عبادت میں یا حق تعالیٰ کا حکم سننے کے وقت) صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں (جیسا

کہ اسی سورت میں آگے آئے گا ﴿وَلَا تَاْتَاكَ السَّجُودُ﴾ اور حدیث میں ہے: لَا تَصْفُونَ كَمَا تَصِفُ الْمَلَائِكَةُ: کیا تم اس طرح صف نہیں باندھتے جس طرح فرشتے باندھتے ہیں؟ پھر (قسم ہے) ان فرشتوں کی جو (شہاب ثاقب یعنی آسمان میں نظر آنے والے ٹوٹتے ہوئے ستارہ کے ذریعہ سے آسمانی خبریں لانے سے شیطانوں کی) بندش کرنے والے ہیں (جیسا کہ اس سورت میں آگے جلدی ہی آرہا ہے ﴿وَيُقَدِّفُونَ مِنْ كِلْ جَانِبٍ﴾ الخ) پھر (قسم ہے) ان فرشتوں کی جو (اللہ کے) ذکر (تسبیح و تقدیس) کی تلاوت کرنے والے ہیں (جیسا کہ اسی سورت میں آئے گا ﴿وَلَا تَاْتَاكَ السَّجُودُ﴾ غرض ان سب کی قسم کھا کر کہتے ہیں) کہ تمہارا معبود (برحق) ایک ہے (اور اس توحید کی دلیل یہ ہے کہ) وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے سب کا (یعنی ان کا مالک اور ان میں تصرف کرنے والا) پروردگار ہے اور (سب ستاروں کے) طلوع کرنے کے موقعوں کا پروردگار ہے (اور) ہم نے ہی اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب زینت و سجاوٹ یعنی ستاروں کے ذریعہ رونق بخشی ہے اور ہر شیطان سے (انہی ستاروں کے ذریعہ اس آسمان کی یعنی اس کی خبروں کی) حفاظت بھی کی ہے (جس کا طریقہ آگے آرہا ہے ﴿وَيُقَدِّفُونَ﴾ الخ اور اسی قذف و رجم یعنی شہاب ثاقب کے مارنے کے انتظام کی وجہ سے) وہ شیطان، عالم بالا یعنی اوپر والی دنیا یعنی فرشتوں کی (باتوں کی) طرف کان بھی نہیں لگا سکتے (یعنی اکثر تو اس مار کے ڈر سے وہ دور ہی دور رہتے ہیں) اور (اگر کبھی اتفاق سے اس کی کوشش کرتے بھی ہیں تو) وہ ہر طرف سے (یعنی جس طرف بھی جو شیطان جائے) مار کر دھکے دیدیے جاتے ہیں (یہ عذاب اور ذلت تو ان کے لئے اس وقت ہے) اور (پھر آخرت میں) ان کے لئے (جہنم کا) ہمیشہ کا عذاب ہوگا (غرض خبر سننے سے پہلے ہی ان پر شہاب ثاقب مار دیا جاتا ہے اور پوری طرح سننے کا ارادہ کر کے خبر سننے میں ناکام رہتا ہے) مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دکھتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے (کہ اس کو جلا کر بھونک کر ختم کر دیتا ہے لہذا خبر سننے کے بعد بھی وہ خبر کو دوسروں تک پہنچانے اور سنانے میں ناکام رہتا ہے، لہذا یہ تمام انتظامات و تصرفات توحید پر دلالت کرنے والے ہیں اور اگرچہ اس استدلال کی بعض باتیں سمعی (نقلی) ہیں لیکن خود اس سمعی دلیل کی صحت عقلی دلیل سے ثابت ہے، لہذا وہ سمعی بھی عقلی جیسی ہوئی اور توحید پر یہ استدلال معنی کے لحاظ سے عقلی ہی رہا اور شہاب ثاقب سے شیطان کو مارا جانا اور چوری چھپے سننے کی کوشش کی تحقیق سورۃ حجر آیت ۱۷ اور ۱۸ میں گزر چکی ہے اور (آیت ﴿لَا تَاْتَاكَ السَّجُودُ الدُّنْيَا﴾ کے ظاہر سے ستاروں کا زمین سے قریب والے آسمان میں ہونا معلوم ہوتا ہے اور علم ہیئت سے تعلق رکھنے والوں کے پاس ستاروں کے الگ الگ آسمان میں ہونے کی کوئی کافی دلیل نہیں ہے اور اگر کسی صحیح دلیل سے یہ ثابت ہو جائے تو آیت کی توجیہ یہ ہوگی کہ پھر بھی اس کی زینت و سجاوٹ تو ان سے ہو سکتی ہے۔

اور مخلوق کی قسم کھانے کی تحقیق سورۃ حجر آیت ۲ ﴿لَعَنَّاكَ اِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ کی تفصیل کے ذیل

میں گزر چکی ہے اور ان قسموں سے استدلال مقصود نہیں ان سے تو صرف کلام کی تاکید مقصود ہے، استدلال آگے ہے۔ جیسا کہ اوپر سرخی کے عنوان سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے، البتہ ان قسموں میں جس امر پر قسم کھائی گئی ہے، اس کے احوال سے استدلال کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا جس کی قسم کھائی گئی ہے، وہ اس کی نظیر ہوتا ہے جس پر قسم کھائی گئی ہے کہ نظیر بھی ایک لحاظ سے دوسری نظیر پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ ان صافات یعنی صف باندھ کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کے احوال میں کہ جو مصنوع یعنی بنائے ہوئے ہیں، بنانے والے پر اور توحید پر دلالت ظاہر ہے، اس طرح ہر جگہ غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

اور آیت ﴿لَا يَسْتَعْتُونَ إِلَى الْمَلِكِ الْأَعْلَى﴾ کے آگے پیچھے کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دھیان سے سننے کی اکثر کے اعتبار سے نفی کی، پھر شاذ و نادر کے دھیان سے سننے کے بعد ﴿يُقَدِّفُونَ﴾ میں سرے سے سننے ہی کی نفی کی، پھر اتفاقی طور پر سن لینے کے بعد ﴿فَأَتَّبَعَهُ﴾ سے إسماع یعنی دوسروں کو سنانے کی نفی کی۔ اور ﴿مَنْ كُنَّ جَانِبُ﴾ کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شیطان کو ہر طرف سے مارتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرف کوئی شیطان جائے اسے اس طرف سے مارا جاتا ہے۔

اور جن فرشتوں کی قسم کھائی ہے، ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب فرشتے مختلف جماعتیں ہیں، کوئی زمین کے انتظامات کرنے والی جماعت ہے، جن کو احکام بتائے جاتے ہیں، کوئی عبادت قائم کرنے میں مشغول ہے، اور یہ دونوں صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، یا احکام سننے والوں کا صف باندھنا بازوؤں کے صف باندھنے کے معنی میں ہو، اور بعض فرشتے آسمان کا نظم و تدبیر کرنے والے ہیں، جو شیطانوں کو مارتے ہیں، اور بعض صرف تسبیح و تقدیس کے لئے مخصوص ہیں۔ اس صورت میں تو عطف ظاہر ہے، اور اگر ایک ہی جماعت یہ سب کام کرتی ہو تو عطف صفت کے ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے اعتبار سے ہوگا، اور کلمہ فاکو آگے پیچھے لانا قسم کے فعل کے اعتبار سے ہے یعنی آگے پیچھے کئی قسمیں کھاتے ہیں، اس میں کسی اور توجیہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ جب قسمیں کئی ہوں گی تو انہیں زبان سے ادا کرنا آگے پیچھے ہی ہوگا۔ اور شیطانوں کو ہمیشہ کا عذاب ان کے کفر کی وجہ سے ہوگا۔ اور یہاں مغارب یعنی غروب ہونے کے مواقع کا ذکر اس لئے نہیں ہوا کہ مشارق یعنی طلوع ہونے کے مواقع کا ذکر اس پر بھی دلالت کرتا ہے اور شاید مشارق یعنی طلوع ہونے کے موقعوں کی تخصیص اس لئے ہو کہ اشراق یعنی طلوع ہونا نظر کے سامنے ہونے کی وجہ سے قدرت پر زیادہ دلالت کرتا ہے چاہے دوسری کئی وجہوں سے غروب زیادہ دلالت کرتا ہو، اور اس آیت میں لفظ مشارق جمع آیا ہے جب کہ بعض جگہوں پر لفظ مشرقین یعنی طلوع ہونے کے دو مواقع آیا ہے جیسا کہ سورۃ رحمن میں ہے تو وہ سورج اور چاند دونوں کے الگ الگ اعتبار سے ہوگا، اور بعض جگہ جیسے سورۃ مزمل میں ﴿رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ واحد یعنی ایک ہی مشرق طلوع ہونے

کی جگہ آیا ہے تو یا تو اس سے مراد جنس ہو گا یا سورج کے سب سے مشہور اور بڑا ستارہ ہونے کی وجہ سے خاص اس کے طلوع ہونے کا موقع مراد ہوگا، اور اس کے سوا اور بھی توجیہوں کا احتمال ہے اور شیطانوں کی اس حالت کے بیان کرنے سے مذکورہ بیان کے ذریعہ توحید پر استدلال کرنے کے علاوہ ایک اور وضاحت سے بھی شرک کے باطل ہونے کی طرف اشارہ ہو گیا یعنی جن شیطانوں کو تم اللہ کے ساتھ معبود یا اس کی عبادت میں شریک قرار دیتے ہو، وہ اتنے زیادہ دھتکارے ہوئے مار کر بھگائے ہوئے اور عذاب کے شکار ہیں کہ انہیں اوپر کی دنیا تک پہنچنا بھی میسر نہیں تو اس سے زیادہ بلندی اور قدرت تو انہیں کیا ہوگی۔ پھر وہ معبود، عبادت کے لائق کب ہو سکتے ہیں اور رسالت کے صحیح ہونے کی طرف بھی اشارہ اس طرح حاصل ہو گیا کہ اس قرآن میں کائناتوں کی باتوں کا ذرا بھی احتمال نہیں۔ اور اس سے بحث پر استدلال خود آگے موجود ہے، اس طرح اس مضمون میں تینوں اصولی امور (توحید، رسالت اور بعثت جمع ہو گئے)

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ ۝ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۝ وَإِذَا دُعُوا لَا يَدْعُوكُمْ ۝ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ۝ وَقَالُوا إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ وَإِذَا امْتَنَّا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنَّا لَنَبْعُوثُونَ ۝ أَوَإِذَا بَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۝ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ۝ فَلَمَّا هِيَ نَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَأَدَاهُمْ يُنْظَرُونَ ۝ وَقَالُوا يُبْلِغُنَا هَذَا يَوْمَ الدِّينِ ۝ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝ أَحْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ مَنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ۝ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْصَرُونَ ۝ بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ۝ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالُوا إِن كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْبَيِّنِ ۝ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَغِيْنَ ۝ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّا لَذَائِقُونَ ۝ فَأَعْوَيْنَكُمْ إِنَّا كُنَّا عَاوِينَ ۝ فَلَمَّ يَوْمَ يَهْدِي الْعَذَابُ مُشْتَرِكُونَ ۝ إِنَّا كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَيَقُولُونَ إِنَّا لِلَّهِ تَارِكُونَ ۝ إِنَّا لَنَشَأُ بِمُجْتَوِينَ ۝ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَقَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِن كُمْ لَذَائِقُوا الْعَذَابِ إِلَّا لِيَوْمٍ ۝ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْخَالِصِينَ ۝ أُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَعْلُومٌ ۝ فَوَاكِهُ، وَهُمْ مُكْرَمُونَ ۝ فِي جَنَّاتٍ النَّعِيمِ ۝ عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِنْ مَعِينٍ ۝ بَيْضَاءُ لَذَّةٍ لِلشَّرِيبِ ۝ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ۝ وَعِنْدَهُمْ قُصُورُ الطَّرَفِ عَيْنٍ ۝ كَانَتْهُمْ بَيْضٌ مَكْنُونٌ ۝ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ۝ يَقُولُ أَهْتَكَ لَيْسَ الْمَصْدَقِينَ ۝ مَا إِذِ امْتَنَّا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنَّا لَمَدِينُونَ ۝ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُطْلِعُونَ ۝

فَاظْلَمَ فَرَاةً فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَ لَتُرْدِيْنَ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُخْضِرِيْنَ ۝ اَمَّا نَحْنُ بِمَبْتَلٰیۙنِ ۝ اِلَّا مَوْتَتْنَا الْاَوَّلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهَوَ الْفَوْزِ الْعَظِيْمِ ۝ لِيُنْزِلَ هٰذَا فَلْيَعْمَلَ الْعٰمِلُوْنَ ۝ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزْلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقْوٰمِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ طَلْعُهَا كَاَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيْطٰنِ ۝ فَاِنَّهُمْ لَا يَكُوْنُوْنَ مِنْهَا فَمَا لَیُّوْنَ مِنْهَا الْبَطُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَآلِ الْجَحِيْمِ ۝ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اَبَادَهُمْ ضَالِّیْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰی اَثَرِهِمْ يَهْرَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمَخْلَصِيْنَ ۝ ﴿

۲

ترجمہ: تو آپ ان سے پوچھئے کہ یہ لوگ بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا کی ہوئی یہ چیزیں؟ ہم نے اُن لوگوں کو چپکیتی مٹی سے پیدا کیا ہے بلکہ آپ تو تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں۔ اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو یہ سمجھتے نہیں۔ اور جب یہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اُس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم زندہ کئے جاویں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں اور تم ذلیل بھی ہو گے۔ پس قیامت تو بس ایک للکار ہوگی سوسب یکا یک دیکھنے بھالنے لگیں گے۔ اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی ایہ تو وہی روز جزا ہے۔ یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ جمع کر لو ظالموں کو اور اُن کے ہم مشربوں کو اور اُن معبودوں کو جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے پھر ان سب کو دوزخ کا راستہ بتلاؤ۔ اور ان کو ٹھیراؤ ان سے پوچھا جاوے گا کہ اب تم کو کیا ہوا؟ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ بلکہ وہ سب کے سب اس روز سراغ بند ہو گئے۔ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر جواب و سوال کرنے لگیں گے۔ تابعدار کہیں گے کہ ہم پر تمہاری آمد بڑے زور کی ہوا کرتی تھی۔ متوہمین کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے تھے۔ اور ہمارا تم پر کوئی زور تو تھا ہی نہیں۔ بلکہ تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے۔ سو ہم سب ہی پر ہمارے رب کی یہ بات محقق ہو چکی تھی کہ ہم سب کو مزہ چکھنا ہے۔ تو ہم نے تم کو بہکایا ہم خود ہی گمراہ تھے۔ تو وہ سب کے سب اُس روز عذاب میں شریک رہیں گے۔ ہم ایسے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ وہ لوگ ایسے تھے کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو تکبر کیا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے چھوڑ دیں گے۔ بلکہ ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں۔ تم سب کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا اور تم کو اُس ہی کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے، ہاں مگر جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے ہیں، اُن کے واسطے ایسی غذائیں ہیں جن کا حال معلوم ہے یعنی میوے۔ اور

وہ لوگ بڑی عزت سے آرام کے باغوں میں تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہونگے۔ اُن کے پاس ایسا جام شراب لایا جاوے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا، سفید ہوگی، پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی۔ نہ اُس میں دردِ سر ہوگا اور نہ اُس سے عقل میں فتور آوے گا۔ اور اُن کے پاس نیچی نگاہ والی بڑی بڑی آنکھوں والی ہونگی۔ گویا وہ پیئے ہیں جو چھپے ہوئے رکھے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے۔ اُن میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ملاقاتی تھا وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو بعث کے معتقدین میں سے ہے؟ کیا جب ہم مرجاویں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاویں گے تو کیا ہم جزا و سزا دیئے جاویں گے؟ ارشاد ہوگا کہ کیا تم جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو۔ سو وہ شخص جھانکے گا تو اُس کو وسطِ جہنم میں دیکھے گا۔ کہے گا کہ خدا کی قسم تو تو مجھ کو تباہ ہی کرنے کو تھا۔ اور اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا۔ کیا ہم جز پہلی بار کے مرچکنے کے اب نہیں مریں گے اور نہ ہم کو عذاب ہوگا۔ یہ بیشک بڑی کامیابی ہے۔ ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔ بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت۔ ہم نے اُس درخت کو ظالموں کے لئے موجب امتحان بنایا ہے۔ وہ ایک درخت ہے جو قعرِ دوزخ میں سے نکلتا ہے۔ اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن۔ تو وہ لوگ اُس سے کھاویں گے اور اُسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر ان کو کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جاوے گا۔ اور پھر اخیر ٹھکانا اُن کا دوزخ ہی کی طرف ہوگا، انھوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا پھر یہ بھی اُن ہی کے قدمِ بقدم تیزی کے ساتھ چلتے تھے۔ اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور ہم نے اُن میں بھی ڈرانے والے بھیجے تھے۔ سو دیکھ لیجئے اُن لوگوں کا کیسا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا۔ مگر جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے تھے۔

رابطہ: اوپر تو حید کا اثبات تھا۔ اب بعث کا اثبات ہے، جس کے ممکن ہونے پر اوپر مذکورہ توحید کی دلیل کے بعض اجزاء کے ذریعہ استدلال بھی کیا گیا ہے، جیسا کہ ﴿فَاسْتَغْفِرُكُمْ﴾ میں کلمہ فَا سے اس پر دلالت ہوتی ہے اور نبوت کے ثبوت سے اس کے واقع ہونے پر استدلال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ ﴿وَاِذَا رَاَوْا۟﴾ الخ ترجمہ کی وضاحت سے معلوم ہوگا۔ اور بعث کے ساتھ کافروں کے عذاب اور مومنوں کے ثواب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور ﴿لَا تَنْهَمُ اَلْفَوْا۟ اَبَا۟هُمْ﴾ میں مضمون پورا کرنے کے طور پر کافروں کے عذاب کی ایک علت بیان ہوئی ہے۔

بعث کی بحث اور اس کے واقعات:

(اور جب توحید کی دلیلوں میں حق تعالیٰ کا مخلوقات میں مذکورہ تصرفات پر قادر ہونا اور ان مخلوقات کا اللہ کی قدرت کے تحت ہونا معلوم ہو گیا) تو آپ (بعث کا انکار کرنے والے) ان لوگوں سے (الزام اور ملامت کے طور پر) پوچھئے کہ بناوٹ میں یہ لوگ زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا کی ہوئی چیزیں؟ (جن کا ابھی ذکر ہوا تو واقع میں یہی چیزیں زیادہ سخت ہیں، کیونکہ) ہم نے ان لوگوں کو (تو شروع میں آدم کے پیدا کرنے میں اسی معمولی) چپکی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے (جس

میں نہ کچھ قوت ہے نہ کوئی سختی، اور انسان جو اس سے بنا ہے وہ بھی زیادہ قوی اور سخت نہیں ہے لہذا جب ہم قوی اور سخت مخلوقات کو پیدا کرنے پر قادر ہیں تو کمزور اور نرم مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت کیوں نہ ہوگی؟ مگر ایسی واضح دلیل کے باوجود بھی یہ لوگ بعث کے امکان کے قائل نہیں ہوئے) بلکہ (اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ) آپ تو (ان کے اللہ کی قدرت کے انکار سے جو کہ امکان کی نفی سے لازم آتا ہے) تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ (انکار سے بڑھ کر بعث کے اس دعویٰ) کا مذاق اڑاتے ہیں اور (ظاہر ہے کہ اس دعویٰ کے دو ہی جز ہیں: (۱) بعث کا امکان اور (۲) بعض کا واقع ہونا۔ پہلے جز کا اثبات عقلی دلیلوں سے ہو سکتا ہے، جن میں سے ایک بیان ہوئی ﴿أَشَدُّ خَلْقًا﴾ الخ اور دوسرے جز کا اثبات نبوت کے ثبوت سے ہو سکتا ہے مگر ان کی کیفیت یہ ہے کہ) جب انہیں (عقلی دلیلوں سے امکان) سمجھایا جاتا ہے، تو یہ سمجھتے نہیں، اور جب یہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں (جو انہیں نبوت کے ثبوت کی غرض سے دکھایا جاتا ہے جس سے بعث کا واقع ہونا ثابت کیا جائے) تو (خود) اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے (کیونکہ اگر یہ معجزہ ہو تو اس سے نبوت کا ثبوت اور اس سے بعث کا دعویٰ کرنے والے کا سچا ہونا لازم آتا ہے اور لازم محال ہے، کیونکہ) بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم (پھر) زندہ کئے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (زندہ ہوں گے؟) آپ کہہ دیجئے کہ ہاں! (تم ضرور زندہ ہو گے) اور تم ذلیل بھی ہو گے (جو شخص دلیل کے بعد بھی عناد کے طور پر انکار کرے، اس کے لئے ایسا ہی جواب مناسب و کافی ہے، آگے بعث کے مقدموں کے ثبوت پر بنیاد قائم فرماتے ہیں کہ) چنانچہ قیامت تو بس ایک للکار ہوگی (یعنی دوسری بار صورت پھونکنا) تو (اس سے) سب ایک دم (زندہ ہو کر) دیکھنے بھالنے لگیں گے اور (حسرت کے ساتھ) کہیں گے: ہائے ہماری کم سختی یہ تو وہی بدلہ کا دن (معلوم ہوتا) ہے (ارشاد ہوگا کہ ہاں) یہ وہ فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے (آگے بعض واقعات کی تفصیل ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) جمع کر لو ظالموں کو (یعنی جو کفر و شرک کے بانی اور پیشوا اور دار تھے) اور ان کے ہم مشرب لوگوں کو (یعنی جو ان کے ساتھ یا ان کے تابع تھے) اور ان معبودوں کو جن کی وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے (یعنی شیطان اور بت) پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ (یعنی ادھر لے جاؤ) اور (پھر یہ حکم ہوگا کہ اچھا) انہیں (ذرا) مرو، ان سے کچھ پوچھا جائے گا (چنانچہ ان سے یہ سوال ہوگا) کہ اب تمہیں کیا ہوا؟ کہ (عذاب کا حکم سن کر) ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (یعنی جن کی اتباع کی گئی تھی چاہے وہ انسان ہوں یا شیطان اپنے اتباع کرنے والوں کی مدد نہیں کرتے، جیسا کہ دنیا میں گمراہ کرنے اور دھوکہ و فریب میں ڈالنے کے وقت اپنے اتباع کو دھوکہ دیتے تھے، کہ برائی کے اس طریقہ کو اختیار کرو، کوئی نقصان نہیں ہوگا مگر اس سوال کے بعد بھی کوئی کسی کی مدد نہیں کرے گا) بلکہ وہ سب کے سب اس دن سر جھکائے (کھڑے) ہوں گے اور (ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بجائے ایک دوسرے سے نفرت اور جھگڑا کریں گے کہ) وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال جواب (یعنی

اختلاف) کرنے لگیں گے (چنانچہ اتباع کرنے والے (جن کی وہ اتباع کرتے تھے، ان سے) کہیں گے کہ (ہمیں تو تم نے گمراہ کیا، کیونکہ) تم ہمارے پاس بڑے زور و قوت کے ساتھ آیا کرتے تھے (یعنی ہم پر خوب زور ڈال کر ہمیں گمراہ کرنے کا اہتمام اور اس میں کوشش کیا کرتے تھے) جن کا اتباع کیا جاتا تھا وہ کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے تھے اور (ہم پر ناحق الزام لگاتے ہو، کیونکہ) ہمارا تم پر کوئی زور و قوت نہیں تھا بلکہ تم خود ہی بغاوت کیا کرتے تھے تو (جب کفر کے مرتکب تم بھی تھے اور ہم بھی، اول پر ﴿لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ اور دوسرے پر ان کا قول ﴿وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن سُلْطٰنٍ﴾ دلالت کرتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ) سبھی پر ہمارے رب کی یہ (ہمیشہ کی لکھی ہوئی) بات ثابت ہو چکی تھی کہ ہم سب کو (عذاب کا) مزہ چکھنا ہے (جو ﴿لَا مَلٰئِكَةَ يَهْتَمُّ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ اَجْمَعِينَ﴾ کا حاصل ہے) تو (اس کا سامان یہ ہو گیا کہ) ہم نے تمہیں بہکایا (جس سے تم ہمارے زبردستی کئے بغیر خود اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے اور ادھر) ہم خود بھی (اپنے اختیار سے) گمراہ تھے (لہذا دونوں کی گمراہی کے اسباب جمع ہو گئے جس میں تمہارا اختیار تمہارے گمراہ ہونے کے اسباب کا ایک حصہ ہے پھر اپنے آپ کو کیسے بری کرنا چاہتے ہو؟ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب دونوں فریق کا کفر میں مشترک ہونا ثابت ہے) تو وہ سب کے سب اس دن عذاب میں (بھی) شریک رہیں گے (اور) ہم ایسے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں (آگے ان کے کفر اور جرم کا بیان ہے کہ) وہ لوگ ایسے تھے کہ (توحید کے بھی منکر تھے اور رسالت کے بھی۔ چنانچہ) جب ان سے (رسول ﷺ کے واسطے سے) کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں تو (اس کے ماننے سے) تکبر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر، دیوانہ (کے کہنے) کی وجہ سے چھوڑ دیں گے (لہذا اس میں توحید اور رسالت دونوں کا انکار ہو گیا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ رسول نہ شاعر ہیں نہ مجنون (دیوانہ) بلکہ (رسول ہیں کہ) ایک سچ دین لے کر آئے ہیں اور (توحید وغیرہ کے اصول میں) دوسرے نبیوں کی تصدیق (اور مطابقت و موافقت) کرتے ہیں (یعنی ایسے اصول بتاتے ہیں جس میں سارے رسول متفق، لہذا وہ اصول بہت ساری دلیلوں کے جمع ہونے کی بنیاد پر حق ہیں۔ خیال بندی نہیں اور حق بات کا کہنا جنون نہیں ہوتا۔ اسی طرح دوسری امتوں نے اپنے نبیوں کے ساتھ اسی سے ملتا جلتا برتاؤ کیا۔ یہاں بعض آیتوں میں صرف اس امت کے کافروں کا ذکر قرآن کے نازل ہونے کے وقت مخاطب لوگوں کی خصوصیت کے اعتبار سے ہو گیا، آگے انہیں سیدھے طور پر خطاب کر کے اس مشترک عذاب کے سنانے کا بیان ہے کہ) تم سب (اتباع کرنے والوں کو بھی اور جن کی اتباع کرتے ہو) کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا اور (اس حکم میں تم پر کوئی ظلم نہیں ہوا، کیونکہ) تمہیں اس کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم (کفر وغیرہ) کیا کرتے تھے۔ ہاں مگر جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے ہیں (اس سے ایمان والے لوگ مراد ہیں کہ انہوں نے حق کا اتباع کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں مقبول اور مخصوص فرمایا، تو) ان کے واسطے ایسی عذائیں ہیں، جن

کا حال (دوسری سورتوں میں) معلوم (ہو چکا) ہے یعنی میوے (جن کا ملنا سورۃ یٰسین آیت ۵۷ ﴿لَهُمْ فِيهَا﴾
 ﴿فَاَكْهَتُهُمْ مَّا يَدْعُونَ﴾ میں بیان ہو چکا ہے اور جن کی خوبی سورۃ واقعہ آیت ۳۲ و ۳۳ ﴿وَفَاكِهَةً كَثِيرَةً﴾
 ﴿لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ﴾ میں اس سے پہلے نازل ہو چکا ہے کیونکہ سورۃ یٰسین اور سورۃ واقعہ دونوں سورتیں سورۃ
 الصافات سے پہلے نازل ہو چکی ہیں جیسا کہ الاقان میں ہے) اور وہ لوگ بڑی عزت کے ساتھ آرام کے باغوں میں
 تختوں پر آنے سے سامنے بیٹھے ہوں گے (اور) ان کے پاس ایسے جام لائے جائیں گے (یعنی غلام لائیں گے جیسا کہ سورۃ
 واقعہ آیت ۷۱ ﴿يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّغَلَّدُونَ﴾ (ارٹ) جو بہتے ہوئے مشروب سے بھرے ہوں گے (جیسا کہ
 ارشاد ہے ﴿وَأَنْهَضُوا مِنْ خَمِيرٍ لَّدُنَّا﴾ (تشریف بیان) جس سے اس کی کثرت اور پاکیزگی معلوم ہوئی۔ اور دیکھنے میں)
 سفید ہوگا (اور پینے میں) پینے والوں کو خوش ذائقہ معلوم ہوگا (اور) نہ اس سے ان کے جسم کو کوئی نقصان ہوگا اور نہ اس سے
 عقل میں کوئی خلل، خرابی آئے گی۔ اور ان کے پاس نظریں نیچی رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی،
 جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَحُورٌ عِينٌ﴾ جن کی رنگت ایسی صاف ہوگی کہ (جیسے وہ) پروں کے نیچے پوشیدہ رکھے ہوئے
 انڈے ہیں (کہ گرد و غبار اور داغ سے بالکل محفوظ ہوتے ہیں، یہ تشبیہ عرب کی عادت کی وجہ سے صرف صفائی میں ہے کہ
 عورتوں کے لئے اس تشبیہ کا استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ الروح میں ہے اور رنگت کی خصوصیت میں تشبیہ نہیں ہے۔ چنانچہ
 سورہ رحمن میں یا قوت اور مرجان سے تشبیہ دی ہے تو مختلف رنگتیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟ یا یوں کہا جائے کہ کبھی رنگ تھوڑے
 تھوڑے دھکتے ہوں گے) پھر (جب سب ایک جلسہ میں جمع ہوں گے تو) ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت
 کریں گے (اس بات چیت کے دوران) ان (جنت والوں) میں سے ایک کہنے والا (ساتھ بیٹھنے والوں سے) کہے گا کہ
 (دنیا میں) میرا ایک ملنے والا تھا وہ (مجھ سے تعجب کے طور پر) کہا کرتا تھا۔ کیا تم بعث کی تصدیق کرنے والوں میں سے
 ہو؟ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں (دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ اور زندہ کر کے) جزا
 و سزا دی جائے گی؟ (یعنی وہ بعث کا انکار کرنے والا تھا، لہذا ضرور وہ جہنم میں گیا ہوگا، حق تعالیٰ کا) ارشاد ہوگا کہ (اے
 جنت والو!) کیا تم (اس کو) دیکھنا چاہتے ہو؟ (اگر تم دیکھنا چاہو تو تمہیں دیکھنے کی اجازت ہے) تو وہ شخص (جس نے قصہ
 بیان کیا تھا) دیکھے گا (چاہے اور لوگ بھی دیکھیں یا نہ دیکھیں، پہلی بنیاد پر اس کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس کو دیکھنے کی
 اجازت کا سبب یہی ہوا، اور اسی کو دیکھنے کی خواہش بھی زیادہ تھی، اور دوسری بنیاد پر تخصیص ظاہر ہے۔ غرض جب دیکھنا
 چاہے گا) تو اسے جہنم کی گہرائی میں (پڑا ہوا) دیکھ لے گا (اس کو وہاں دیکھ کر اس سے) کہے گا کہ اللہ کی قسم! تو تو مجھے تباہ ہی
 کر دینے والا تھا (یعنی مجھے بھی بعث کا منکر بنانے کی کوشش کیا کرتا تھا) اور اگر (مجھ پر) میرے رب کا فضل نہ ہوتا (کہ
 مجھے اللہ نے صحیح عقیدہ پر قائم رکھا) تو میں بھی (تیری طرح) پکڑے ہوئے لوگوں میں ہوتا (اس کے بعد اپنی مجلس کے

جنت والے ساتھیوں سے کہے گا کہ) کیا ہم پہلی بار مر چکنے کے سوا (کہ دنیا میں مر چکے ہیں) اب نہیں مریں گے؟ اور نہ ہمیں کوئی عذاب ہوگا؟ (یہ بات جنت والے اپنے ساتھیوں سے اور اسی طرح پہلی بات دنیا میں ملنے والے اس کافر سے متعلق کہنا، اس کو جھانکنا، دیکھا، اس سے باتیں کرنا یہ سب خوشی کے جوش میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آفتوں اور تکلیفوں و پریشانیوں سے بچا لیا اور ہمیشہ کے لئے بے فکر کر دیا۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے سننے والو! جنت کی جسمانی اور روحانی نعمتوں کا جو کچھ ذکر ہوا) یہ بے شک بڑی کامیابی ہے۔ ایسی ہی کامیابی (حاصل کرنے) کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے (یعنی ایمان لانا اور اطاعت کرنی چاہئے، آگے عذاب و ثواب دونوں کا مقابلہ کر کے ایمان والوں کو ترغیب دیتے اور کافروں کو ڈراتے و دھمکاتے ہیں، کہ اے سامنے والو! بتاؤ) بھلا (جنت کی نعمتوں کی) یہ دعوت (کہ پھل اور میوے وغیرہ ہیں) بہتر ہے (جو ایمان والوں کے لئے ہے؟) یا زقوم کا درخت؟ (جو کافروں کے لئے ہے) ہم نے اس درخت کو (آخرت میں سزا و عذاب بنانے کے علاوہ دنیا میں بھی) ان ظالموں کے لئے امتحان کا سبب بنایا ہے (کہ اس کو سن کر تصدیق کرتے ہیں یا جھٹلاتے اور مذاق اڑاتے ہیں، چنانچہ کافر لوگ جھٹلاتے اور مذاق اڑاتے ہوئے پیش آئے، کہنے لگے کہ زقوم تو مسکہ یعنی گھی و مکھن اور خرما یعنی چھوہارے کو کہتے ہیں وہ تو خوب لذیذ چیز ہے اور کہنے لگے کہ زقوم اگر درخت ہے تو وہ جہنم میں کیسے ہو سکتا ہے کہ جہاں آگ ہے؟ اس کا جواب آگے بیان فرماتے ہیں کہ) وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی گہرائی میں سے نکلتا ہے (یعنی وہ مسکہ و خرما نہیں ہے اور چونکہ خود آگ ہی میں پیدا ہوتا ہے، اس لئے اس کا وہاں رہنا کوئی محال نہیں جیسا کہ سمندر نامی جانور کہ آگ ہی میں پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی میں رہتا ہے۔ اس سے دونوں باتوں کا جواب ہو گیا۔ آگے اس کی ایک کیفیت کا بیان ہے کہ) اس کے پھل (دیکھنے میں) ایسے (برے) ہیں جیسے ناگ کے پھن (لہذا ایسے درختوں سے ظالموں کی دعوت ہوگی) تو وہ لوگ (بھوک کی شدت میں جب اور کچھ نہ ملے گا تو) اس سے کھائیں گے اور (چونکہ بھوک سے پریشان ہوں گے) اس سے پیٹ بھریں گے پھر (جب پیاس سے پریشان ہو کر پانی مانگیں گے تو) انہیں کھولتا ہوا پانی (غساق یعنی پیپ میں) ملا کر دیا جائے گا اور (یہ نہیں کہ اس مصیبت کا خاتمہ ہو جائے بلکہ اس کے بعد) پھر ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہی کی طرف ہوگا (یعنی اس کے بعد بھی وہاں ہی ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا، اور ان کی اس سزا کی وجہ یہ ہوگی کہ) انھوں نے (اللہ کی ہدایت کا اتباع نہیں کیا تھا، بلکہ) اپنے بڑوں کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا، پھر یہ بھی انہی کے قدموں کے نشانوں پر تیزی کے ساتھ چلتے تھے (یعنی شوق اور رغبت کے ساتھ ان کے گمراہی والے راستہ پر چلتے تھے) اور ان (موجودہ کافروں) سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے (نبی) بھیجے تھے تو دیکھ لیجئے کہ ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا (اور انھوں نے نہ مانا تھا کہ ان پر (دنیا ہی میں کیا کیا عذاب نازل ہوا) ہاں! مگر جو اللہ کے خاص کئے ہوئے (یعنی ایمان والے)

بندے تھے (وہ اس دنیاوی عذاب سے بھی محفوظ رہے)

فائدہ: ﴿فَوَاكِهُ﴾ یعنی پھل میوے اور زقوم کا درخت آپس میں، اور کاس یعنی جام اور حمیم آپس میں ایک دوسرے کی ضد و مقابل ہیں اور دونوں ﴿يَتَسَاءَلُونَ﴾ معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد اور مقابل ہیں۔ اور ﴿عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ﴾ یعنی اللہ کے خاص کئے ہوئے بندوں کو ایک جگہ آخرت کے عذاب سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور ایک جگہ دنیا کے عذاب سے۔ اور ﴿إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ﴾ کا حکم اکثر کافروں کے اعتبار سے ہے۔ اور پہلے والوں کو عذاب دینے کی علت خود ان کا گمراہی میں اصل ہونا ہے۔ اور ﴿يُثْبِلُ هَذَا﴾ سے مراد خود خدا ہی ہے۔ محاوروں میں اسی طرح بولا کرتے ہیں، اور جس جنتی کا قصہ یہاں بیان کیا گیا ہے اس کی تعیین کسی صحیح قوی روایت سے ثابت نہیں ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ساری جنت میں ایسا شخص ایک ہی ہو۔ اور ﴿فَاظْلَمَ﴾ سے کثرت استعمال کی بنا پر ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت اعلیٰ میں یعنی بلندی کی طرف اور جہنم اسفل میں یعنی نیچے کی طرف ہے اور اس وقت آپس میں ایسا تعلق ہوگا کہ جھانکنے سے نظر آجائے گا۔ اور ﴿كَأَنَّهُمْ لَمَّا جُلُّوا فِيهَا يَدْعُوا لِمَنْ هُمْ كَاظِمُونَ﴾ کا قائل احقر نے اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے اور بعض دوسرے مفسروں کی طرح اس جنتی کو قرار نہیں دیا کیونکہ ظاہر میں حق تعالیٰ کی اجازت کے بغیر جنت والوں کا خود اپنی رائے اور مرضی سے جہنم کی طرف جھانکنا نگوین کے طور پر محال معلوم ہوتا ہے، اور زقوم کو بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ ایک درخت کا نام ہے، جس کے چھوٹے چھوٹے پتے ہوتے ہیں اور بد بودار کڑوا ہوتا ہے۔ عرب کے علاقہ تہامہ میں کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں اس سے ملتا جلتا تھوہر اور سینڈھ کا درخت ہوتا ہے۔ اور ﴿رُؤُوسُ الشَّيَاطِينِ﴾ یعنی شیطانوں کے سر یا ناگ کے پھن سے تشبیہ دینا بد نمائی میں ہے جیسے ہندوستان میں ایک کانٹے دار درخت کو شکل کی مشابہت کی وجہ سے ناگ پھن کہتے ہیں۔ اور سانپ یا ناگ کو اس کی خباثت اور ایذا پہنچانے کی فطرت کی وجہ سے شیطان کہتے ہیں۔ اور کافروں کے مذاق اڑانے کی وجہ یہ ہے کہ زقوم عربی لغت میں اس معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، لیکن جب اس کے ساتھ شجرہ یعنی درخت کی قید صراحت کے ساتھ موجود ہے تو اصل کے اعتبار سے اس کی گنجائش نہیں تھی۔ اور مذاق اڑانے اور جھٹلانے کی اور اس پر آیت ﴿إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ﴾ الخ اس شبہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ مذکورہ روایت میں تصریح ہے، لہذا اس درخت کا آگ میں ہونا کسی اور دلیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ یا تو حضور ﷺ نے تفسیر کے طور پر فرمایا ہوگا، یا اس مضمون کو سن کر شجر زقوم جہنم والوں کا کھانا ہے، عام طور پر لازم ہونے کی حیثیت سے اس درخت کا آگ میں ہونا سمجھے ہوں گے، جیسا کہ سورۃ واقعہ کی آیت ۵۱ و ۵۲ ﴿إِنَّكُمْ أَيْدِيَا الضَّالِّينَ الْمُكَذِّبِينَ ۖ لَا يَكُونُ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زُقُورٍ﴾ سے جو کہ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الصافات سے پہلے نازل ہوئی ہے، یہ سمجھا ہوا اور یہ شبہ کیا ہو، جس کو سورۃ بنی اسرائیل میں جو کہ اس واقعہ سے بعد میں نازل ہوئی ہے۔ مختصر انداز میں نقل کیا، پھر سورۃ الصافات میں جو بنی

اسرائیل سے بعد میں نازل ہوئی ہے، اس کا جواب بھی ارشاد فرمادیا اور نازل ہونے کی یہ ترہیب اتقان میں بیان کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ اور آیت ﴿لَا تَرْجِعْهُمْ﴾ الخ سے متعلق ایک ضروری تحقیق سورہ مؤمن آیت ۷۲ ﴿ثُمَّ فِي النَّارِ يُنْجَرُونَ﴾ کے ذیل میں آئے گی۔

﴿وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلَنهَمَ الْمُجِيبُونَ ۝ وَنَجَّيْنَاهُ وَاهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَّمَ عَلَى نُوْحٍ فِي الْعَلَمِينَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ ثُمَّ اَعْرَفْنَا الْآخِرِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم کو نوح نے پکارا سو ہم خوب فریاد سننے والے ہیں۔ اور ہم نے اُن کو اور اُن کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی، اور ہم نے باقی اُن ہی کی اولاد کو رہنے دیا اور ہم نے اُن کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو عالم والوں میں۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا۔

رابطہ: اوپر مبداء اور محاد یعنی توحید اور وعید کے دن کا بیان تھا اور ختم پر ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا﴾ الخ مختصر انداز میں رسالت کے مسئلہ کا اثبات تھا۔ اب اس مختصر مضمون کی تفصیل انبیاء علیہم السلام کے قصوں کے ذریعہ بیان کی جا رہی ہے اور چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام توحید کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ اس لئے توحید کی بھی تائید ہو گئی اور جھٹلانے والوں کو ہلاک کرنے سے کفر کی وعید کا مستحق ہونا بھی ثابت ہو گیا، جس سے ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَكِبِرِينَ﴾ کی تفسیر اور آخرت و انجام کے مسئلہ کی مثال بھی ہو گئی۔

پہلا قصہ: نوح علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:

اور ہمیں نوح (علیہ السلام) نے (مدد کے لئے) پکارا (یعنی دعا کی) تو (ہم نے ان کی فریاد پوری کی، اور) ہم خوب فریاد سننے والے ہیں، اور ہم نے انہیں اور ان کا اتباع کرنے والوں کو بڑے بھاری غم سے (جو کہ کافروں کے جھٹلانے اور ایذا پہنچانے کی وجہ سے پیش آیا) نجات دی (کہ طوفان کے ذریعہ کافروں کو غرق کر دیا اور انہیں اور ان کا اتباع کرنے والوں کو بچا لیا) اور ہم نے انہی کی اولاد کو باقی رہنے دیا (یعنی کسی اور کی نسل نہیں چلی) اور ہم نے ان کے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات (لمبی مدت کے لئے) رہنے دی کہ دنیا والوں میں نوح پر سلام ہو (یعنی اللہ کرے ان پر ساری دنیا والے جن و انسان اور فرشتے سلام بھیجا کریں، اس معنی میں کہ ان کی تعریف کیا کریں یا اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ وہ نوح علیہ السلام کو مطلق و کامل سلامتی کی خوش خبری دے جس کا نجات پانے والے مقرب لوگوں سے وعدہ کیا گیا

ہے۔ چنانچہ علیہ السلام اس اعتبار سے کہنا کہ سلام مطلق ہونے کی وجہ سے سلام میں تمام افراد یعنی جن و انسان اور فرشتے شامل ہیں) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے، پھر ہم نے دوسرے (راستہ پر چلنے والے) لوگوں (یعنی کافروں کو) غرق کر دیا۔

فائدہ: ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ﴾ کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ انہی کی اولاد کی نسل چلی، کافرو غرق ہو گئے اور کشتی میں سوار دوسرے لوگوں کی بھی نسل نہیں چلی۔ چنانچہ آج دنیا میں جتنے بھی لوگ ہیں سب کا نسب نوح علیہ السلام تک پہنچ کر رکتا ہے، جیسا کہ ترمذی نے اس آیت کے سلسلہ میں دو مرفوع حدیثیں نقل کی ہیں: پہلی میں کہا ہے کہ حام و سام و یافث اور دوسری میں کہا ہے کہ سام عربوں کے باپ، حام حبش والوں کے باپ اور یافث روم والوں کے باپ۔ اور قرآن مجید سے جیسا کہ ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ﴾ اور ﴿لَا تَذَرُ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ ذِيَارًا﴾ اور ﴿قُلْنَا احْبِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ وغیرہ آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ طوفان کا زمین کے سارے آبادی والے حصہ کے لئے عام ہونا معلوم ہوتا ہے اور ترمذی کی مذکورہ روایتوں سے بھی ظاہر میں اس کی تائید ہوتی ہے اور جمہور نے اس کو اختیار کیا ہے، اور بہت تھوڑے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ طوفان صرف عرب کے ملک میں تھا، جہاں نوح علیہ السلام تشریف رکھتے تھے۔ اور ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ﴾ میں حصر عرب ملک میں غرق ہونے والوں کے اعتبار سے کہتے ہیں کہ چاہے دوسرے ملکوں کے لوگوں کی نسل باقی ہو، اور ﴿لَا تَذَرُ عَلَى الْأَرْضِ﴾ میں بھی ارض سے خاص زمین مراد لیتے ہیں اور پہلی صورت میں جو نوح علیہ السلام کی بعثت کے عام ہونے کا شبہ ہوتا ہے اس کا جواب سورہ آل عمران آیت ۵۲ ﴿فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس وقت دنیا کی آبادی خاص اسی مقام تک محدود ہو جہاں نوح علیہ السلام تشریف رکھتے تھے اور بعثت کے عام ہونے کے معنی یہ ہوں کہ جب بہت ساری قومیں زمین میں آباد موجود ہوں، ان سب کی طرف بعثت ہو، ورنہ آدم علیہ السلام کے بعثت کا بھی عام ہونا لازم آئے گا اور ﴿إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام امور میں تشبیہ ہو۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ محسنین یعنی نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اب جس مرتبہ کا احسان ہوگا اسی مرتبہ کا بدلہ ہوگا، لہذا نبیوں اور غیر نبیوں کا برابر ہونا لازم نہیں آتا، اور ﴿ثُمَّ أَغْرَقْنَا﴾ میں لفظ تم تراخی ذکر کی کے لئے ہے، کیونکہ غرق کرنا زمانہ کے لحاظ سے نسل کو باقی رکھنے کے بعد نہیں ہے۔

﴿وَإِنْ مِنْ شَيْعَتِهِ لَا يُزْهِمُهُ﴾ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿إِذْ قَالَ لِأَبْنَيْهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ﴾ أَيْفَكَ إِلَهَةٌ دُونَ اللَّهِ يُرِيدُونَ ﴿فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ فَتَنَظَّرَ نَظْرَةً فِي النَّبُورِ ﴿فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهِمُ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۝ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزْفُونَ ۝ قَالَ أَعْبُدُونِ مَا تَنْجَتُونَ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۝ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ۝ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ۝ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَئِي رَأْيِي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبُكُ فَأَنْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَاقَبْتُ أَفْعَلُ مَا تُؤْمَرُ ۝ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝ وَقَدَيْنَاهُ بِذِي نُجْدٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَبَرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۝ وَوَعَدْنَا مُوسَىٰ ذُرِّيَّتَهُمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترجمہ: اور نوح کے طریقہ والوں میں سے ابراہیم بھی تھے، جبکہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے جبکہ انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کیا کرتے ہو؟ کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو؟ تو تمہارا رب العالمین کے ساتھ کیا خیال ہے؟ سو ابراہیم نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں۔ غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے، تو یہ اُن کے بتوں میں جا گھسے اور کہنے لگے کہ کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تم کو کیا ہوا تم بولتے بھی نہیں ہو؟ پھر اُن پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے سو وہ لوگ اُن کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ ابراہیم نے فرمایا کہ تم اُن چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو۔ حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ابراہیم کے لئے ایک آتش خانہ تعمیر کرو ان کو اس وقت ہی آگ میں ڈال دو۔ غرض اُن لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنا چاہا تھا۔ سو ہم نے انہی کو نیچے دکھایا۔ اور ابراہیم کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو پہنچا ہی دے گا۔ اے میرے رب! مجھ کو ایک نیک فرزند دے۔ سو ہم نے اُن کو ایک حلیم المراج فرزند کی بشارت دی، سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے کہ ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجئے۔ ان شاء اللہ آپ مجھ کو سہار کرنے والوں میں سے دیکھیں گے۔ غرض جب دونوں نے تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو کروٹ پر لٹایا اور ہم نے اُن کو آواز دی کہ ابراہیم! تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا۔ وہ وقت بھی عجیب تھا ہم تخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اُس کے عوض

میں دیا۔ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات اُن کے لئے رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ اور بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے اُن کو اسحاق کی بشارت دی کہ نبی اور نیک بختوں میں سے ہونگے۔ اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں اور اُن دونوں کی نسل میں بعضے اچھے بھی ہیں اور بعضے ایسے بھی ہیں جو صریح اپنا نقصان کر رہے ہیں۔

دوسرا قصہ: ابراہیم علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:

اور ان نوح علیہ السلام) ہی کے طریقہ پر چلنے والوں میں سے (یعنی اصول میں متفق لوگوں میں سے) ابراہیم بھی تھے (ان کا قصہ اس وقت کا یاد کرنے کے قابل ہے) جب کہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے (صاف دل کا مطلب یہ ہے کہ برے عقیدوں اور ریا کاری وغیرہ سے پاک تھا جس کا حاصل خالص توحید اور کامل اخلاص ہے، اور) جب انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے (کہ وہ بتوں کو پوجتے تھے) فرمایا کہ تم کس (واہیات) چیز کی عبادت کیا کرتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو (معبود بنانا) چاہتے ہو؟ (تو تمہارا عالموں کے رب کے بارے میں کیا خیال ہے؟) (یعنی تم نے جو اس کی عبادت چھوڑ رکھی ہے تو اس کے معبود یعنی عبادت کے لائق ہونے میں کوئی شبہ ہے؟ یعنی اول تو ایسا ہونا نہیں چاہئے اور کوئی شبہ ہے تو اس شبہ کو دور کر لو، غرض یوں ہی بحث و مباحثہ ہوتا رہتا تھا، ایک بار کا واقعہ ہے کہ ان کا کوئی تیوہار آیا تو قوم نے ان سے بھی درخواست کی کہ ہمارے میلے میں چلو، جیسا کہ الدر میں زید بن اسلم سے روایت ہے) تو ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک نگاہ بھر کر ستاروں کو دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں (اس لئے میلے میں نہیں جاسکتا کہ جاتے یا آتے میں تکلیف ہوگی، وہ لوگ شاید اس غرض سے لے جانا چاہتے ہوں کہ ہماری شان و شوکت دیکھ کر شاید ہمارے طریقہ کی کچھ وقعت ان کے دل میں پیدا ہو جائے، اور آپ یہ چاہتے تھے کہ اکیلا رہ جاؤں تو یہاں بتوں کی مرمت کر دوں، اس لئے ستاروں کو دیکھ کر بہانہ کر دیا اور یہ ستاروں کو دیکھنا انہیں شک میں ڈالنے کے لئے تھا کہ وہ تو اس وجہ سے کہ ستاروں کو حوادث میں تصرف کرنے والا سمجھتے تھے، یہ سمجھے کہ انہیں ستاروں سے متعلق علم کا کوئی قاعدہ آتا ہوگا، جس کی وجہ سے ستاروں کی رفتار دیکھ کر معلوم ہو گیا کہ میں تھوڑی دیر میں بیمار ہو جاؤں گا اور چونکہ وہ لوگ ستاروں کے علم پر یقین رکھتے تھے اس لئے انھوں نے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا اور واقع میں ان کی اس نظر سے وہی غرض تھی جو شریعت میں پسند ہے یعنی پیدا کرنے اور بنانے والے کے کمال اور عظمت کو دماغوں میں بٹھانا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَأَوْفُرُوا يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور دوسری جگہ فرمایا ﴿يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور ایک جگہ فرمایا ﴿قُلْ اَنْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ شک میں ڈالنا ان کے گمراہ ہونے کا سبب بن گیا، کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ پہلے ہی گمراہ تھے، رہا گمراہی پر باقی رہنے کا معاملہ تو چونکہ آپ

موقع پر توحید کے بارے میں ان سے کھلا مناظرہ کرنے والے تھے اور بہت سے مناظرے کر چکے تھے، اس لئے یہ شک میں ڈالنا اس کھلے اعلان کے ہوتے ہوئے گمراہی پر باقی رکھنے میں موثر نہیں ہو سکتا، رہا یہ کہ اس تصریح کے بعد پھر شک کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ لوگ تو جانتے تھے کہ آپ ایسا عقیدہ نہیں رکھتے تو بات یہ ہے کہ جو امر اپنے نفس کے مطابق ہوتا ہے اس کا کمزور احتمال بھی دل کو خوش کرنے والا ہوتا ہے، اس لئے شاید وہ یہ سمجھے ہوں کہ شاید ان کی رائے کچھ بدل گئی ہو اور یہ ہمارے طریقہ پر آجائیں گے، اور اگر اس میں بھی گمراہ کرنے کے کچھ نقصان کا وہم ہے تو اول تو جلد ہی کھلے مناظرہ سے وہ دور ہو گیا، دوسرے اس سے نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں تھا بلکہ مقصود ان سے اپنی جان چھڑانا تھا، جو اس مناظرہ کے لئے ذریعہ بننے والا تھا کہ جس سے ان کی حجت ختم ہونے والی تھی، لہذا ایسی ضرورت میں ایسا نقصان کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

رہا ﴿إِنِّي سَقِيمٌ﴾ کہنا کہ ظاہر میں واقع کے خلاف بات کہنا و سوسہ کا سبب ہو سکتا ہے، لیکن واقع میں بالکل صحیح ہے، یعنی یہ بات مستقبل کے معنی میں ہے، مطلب یہ کہ میں آئندہ کبھی بیمار ہوں گا، تو چونکہ موت یقینی ہے اور اگر آدمی مرنے سے پہلے عام معنی میں بیمار نہ بھی ہو تب بھی جس وقت موت شروع ہوتی ہے تو اس وقت مزاج میں علت اور پوری تندرستی سے باہر ہونا لازم ہے اور یہی مرض و بیماری ہے۔ اور موت روح کے نکل جانے کا نام ہے، لہذا ہر موت سے پہلے بیماری اور دکھ کا ہونا ضروری ہوا) غرض وہ لوگ (ان کا یہ عذر سن کر) انہیں چھوڑ کر چلے گئے (کہ ناحق بیماری میں ان کو اور ان کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہوگی) تو یہ (یعنی ابراہیم علیہ السلام) ان کے بتوں میں جا گھسے اور (مذاق اڑانے کے انداز میں ان سے) کہنے لگے کیا تم (یہ چڑھاوے جو تمہارے سامنے رکھے ہیں) کھاتے نہیں ہو؟ تمہیں کیا ہوا؟ تم تو بولتے بھی نہیں ہو۔ پھر ان پر قوت کے ساتھ پل پڑے اور مارنے لگے (اور تیر وغیرہ سے انہیں توڑ پھوڑ دیا جیسا کہ ارشاد فرمایا ﴿فَجَعَلْنَاهُمْ جُنُودًا﴾) تو (جب ان لوگوں کو اس کی خبر ہوئی تو) وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے (گھبرائے ہوئے اور غصہ میں بھرے ہوئے) آئے (اور بات چیت شروع ہوئی) ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو، جنہیں تم خود (اپنے ہاتھوں سے) گھڑتے ہو؟ (تو جو تمہارا محتاج ہو وہ عبادت و پوجا کے لائق کیا ہوگا؟) حالانکہ تمہیں اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو (سب کو) اللہ ہی نے پیدا کیا ہے (اس لئے عبادت اس کی کرنی چاہئے) وہ لوگ (جب مناظرہ میں مات کھا گئے تو جھلا کر آپس میں) کہنے لگے کہ ابراہیم کے لئے ایک (آگ کا) الاؤ تیار کرو پھر اس میں آگ دہکا کر (ان کو اس دہکتی آگ میں ڈال دو۔ غرض ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنی چاہی تھی) (کہ یہ ہلاک ہو جائیں گے) تو ہم نے انہی کو نچا دکھایا (جس کا قصہ سورۃ انبیاء میں گذر چکا ہے) اور ابراہیم (علیہ السلام) جب ان لوگوں کے ایمان لانے کے بارے میں مایوس ہو گئے تو (کہنے لگے کہ میں تو) تمہارے شہر اور اپنے اس وطن کو چھوڑ کر (اپنے رب کے راستہ میں کسی دوسرے شہر) کی طرف چلا جاتا ہوں۔ وہ (کسی اچھی جگہ کی طرف) میری رہنمائی کر دے گا (چنانچہ ملک شام میں جا پہنچے

اور یہ دعا کی کہ) اے میرے رب! مجھے ایک نیک بیٹا عطا فرما دے تو ہم نے انہیں ایک بردبار بیٹے کی خوش خبری دی (اس کی تحقیق جلدی آئے گی کہ یہ فرزند اسماعیل علیہ السلام ہیں یا اسحاق علیہ السلام اور وہ فرزند پیدا ہوا اور ہوشیار ہوا) تو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم (علیہ السلام) نے (ایک خواب دیکھا کہ میں اس بیٹے کو اللہ کے حکم سے ذبح کر رہا ہوں، اور یہ ثابت نہیں کہ گلا کٹا ہوا بھی دیکھا یا نہیں۔ غرض آنکھ کھلی) تو اس وجہ سے کہ نبیوں کا خواب وحی ہوتا ہے، اس کو اللہ کا حکم سمجھ۔ اور اس پر عمل کے لئے تیار ہوئے، پھر اس خیال سے کہ فعل صاحبزادہ سے بھی متعلق ہے، اللہ جانے اس کی کیا رائے ہو یعنی وہ اختلاف کرے یا اتفاق کرے، اسے خبر کرنا ضروری سمجھا کہ پہلے معاملہ میں طبیعت مطمئن ہو جائے گی اور دوسرے معاملہ میں اس کو سمجھا دیں گے۔ اس لئے صاحبزادہ سے) فرمایا کہ پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں (اللہ کے حکم سے) تمہیں ذبح کر رہا ہوں، تو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے کہ ابا جان! (اس میں مجھ سے پوچھنے کی کیا بات ہے؟ جب آپ کو اللہ کی طرف سے یہ حکم کیا گیا ہے تو) آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے، آپ (بلا جھجک) اسے کر ڈالئے، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ غرض جب دونوں نے (اللہ کے حکم کو) مان لیا، اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے کے لئے) ماتھے کے بل لٹالیا اور (چاہتے تھے کہ گلا کاٹ ڈالیں، تو اس وقت) ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم! (شباباش ہے) تم نے خواب کو پوری طرح سچ کر دکھایا (یعنی جو خواب میں حکم ہوا تھا، اپنی طرف سے اس پر پورا عمل کیا، اب ہم اس حکم کو ختم کرتے ہیں۔ بس ان کو چھوڑ دو، وہ وقت بھی عجیب تھا، غرض ان کو چھوڑ دیا۔ جان کی جان بچ گئی اور اس پر اور آگے بڑھ کر بلند درجے عطا ہوئے) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں (کہ ان کے لئے دونوں جہاں کی راحت نقد عطا کرتے ہیں) حقیقت میں یہ ایک کھلا امتحان تھا (جس کو سوائے پوری طرح نیک شخص کے کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا، تو ایسے امتحان میں پورا اترنے پر ہم نے بدلہ بھی بہت بڑا دیا۔ اور اس میں جیسا امتحان ابراہیم علیہ السلام کا تھا، اسی طرح اسماعیل علیہ السلام کا بھی تھا، تو وہ بھی بدلے میں شریک ہوں گے) اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بڑا بیچہ دیا (کہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے اسے ذبح کرایا گیا جس کا بیان آگے آئے گا) اور ہم نے ان کے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لئے رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو (چنانچہ ان کے نام کے ساتھ اب تک علیہ السلام کہا جا رہا ہے) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں (کہ انہیں دعا اور سلامتی کی خوش خبری کا مکمل بناتے ہیں) بے شک وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے اور ہم نے (ان پر ایک انعام یہ کیا کہ) انہیں اسحاق کی خوش خبری دی کہ وہ نبی اور نیک کام کرنے والوں میں سے ہوں گے، اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں (ان میں سے ایک نسل کی کثرت اور اس نسل میں نبیوں کی کثرت ہے) اور (پھر آگے) ان دونوں کی نسل میں بعض اچھے بھی ہیں اور بعض ایسے بھی جو (بدی کے کام کر کے کھلا اپنا

نقصان کر رہے ہیں (اس میں اس بات کا اظہار ہو گیا کہ اصول یعنی باپ دادا کا نیک ہونا بعد کی نسلوں کے کام نہیں آ سکتا، جبکہ وہ خود ایمان سے محروم ہوں، اس میں یہود کے فخر کو ختم کر دیا)

فائدہ: ﴿فَنظَرَنَّا فِي الْجُبُورِ﴾ میں شک کی بات اس لئے کہی کہ شریعت میں علم نجوم یعنی ستاروں کے ذریعہ آنے والے زمانہ سے متعلق خبروں و حالات کو بتانے کے علم کو مذموم یعنی برا قرار دیا گیا ہے، چاہے اس وجہ سے کہ وہ خود اپنے آپ میں باطل ہے اور ستاروں میں سعادت یعنی نیک بخشی اور نحوست یعنی بد بختی کی نفی ہے۔

اور قرآن میں آنے والے الفاظ ﴿آيَاتٍ مُّحَسَّنَاتٍ﴾ اور ﴿يَوْمٍ يُخَيَّرُ الْمُنِشِقُ﴾ سے اس کا شبہ کرنا بالکل غلط ہے، کیونکہ عذاب کی یہ نحوست خاص ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جن کو عذاب دیا گیا، ورنہ پہلی آیت کے تقاضہ کے مطابق پورا ہفتہ منحوس ہونا چاہئے کیونکہ اس کی تفسیر خود قرآن میں ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَلَاثِينَ﴾ یعنی سات راتیں اور آٹھ دن آئی ہے۔ اور دوسری آیت کی تفسیر بدھ کے دن سے آئی ہے۔ حالانکہ خود علم نجوم جاننے کا دعویٰ کرنے والے ہر بدھ کو منحوس نہیں کہتے اور ﴿مُسْتَقَرٍّ﴾ یعنی ”ہمیشہ رہنے والا“ یوم یعنی دن کی صفت نہیں ہے بلکہ ﴿يُخَيَّرُ﴾ یعنی مصدر کی صفت ہے یعنی وہ نحوست ان کے حق میں جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل ہونے کی وجہ سے ہمیشہ رہنے والی ہے جیسا کہ قیامت کے سلسلہ میں آیا ہے ﴿فَذَٰلِكَ يُؤْمَرُ عِسَىٰ عَلَى الْكَافِرِينَ خَيْرٌ لِّسَيِّئِهِ﴾ اور بعض واقعات نجومیوں کے کہنے کے مطابق ہو جانے کے بارے میں یہ کہا جائے کہ تجربہ سے ان کا سچ ہونا پایا گیا ہے تو ان سے زیادہ واقعات کا ان کے کہنے کے خلاف ہونا ان کے جھوٹ ہونے کا بدرجہ اولیٰ تجربہ ہوگا۔ اور فرعون کو نجومیوں کے ذریعہ خبر دینے کی جو بات کہی گئی ہے تو ممکن ہے کہ وہ خبر کاہنوں کے ذریعہ دی گئی ہو کہ پہلے کچھ آسمانی خبریں شیطانوں کے ذریعہ معلوم ہو جاتی تھیں۔ اور یا اس علم کی اس وجہ سے مذمت کی گئی ہے کہ اگرچہ ستاروں کی سعادت و نحوست نہ ہونے کا ثبوت نہ ہو مگر ثبوت کا نہ ہونا پایا جاتا ہے اور اس کے قواعد میں کسی صحیح دلیل کی سند نہیں اور پھر اس میں بہت سارے مفاسد پائے جاتے ہیں، ہر اعتقاد کھلا شرک، اللہ پر توکل یعنی بھروسہ میں کمزوری اور نفع دینے والے علوم کا چھوڑ دینا وغیرہ ہے۔ حاصل یہ کہ نجوم کا علم مذموم، برا ہے، چاہے برائی خود اس علم میں ہونے کی وجہ سے یہ برا ہو، چاہے کسی دوسرے کی برائی کی وجہ سے اس کو برا کہا گیا ہو۔

اور خواب میں حکم ہونے کی حکمت شاید یہ ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کا اتباع و فرماں برداری زیادہ ظاہر ہو کہ خواب کو محض خیال نہیں سمجھا بلکہ اس کو اللہ کا حکم سمجھ کر اس پر عمل کرنے پر تیار ہو گئے۔

اور اس میں اختلاف ہوا ہے جن کو ذبح کے لئے لٹایا گیا، وہ اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام اس سلسلہ میں دونوں کے حق میں روایتیں موجود ہیں، لیکن دونوں ہی طرح کی روایتوں کے سلسلہ میں اعتراض ہیں۔ آیت کے آگے

پیچھے کے حصوں کو ملانے سے ظاہر میں اسماعیل علیہ السلام معلوم ہوتے ہیں جن کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا گیا کہ ﴿وَهَبْ لَنَا مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ کے بعد پہلے بیٹے کی خوش خبری کا ذکر ہے، پھر ذبح کا قصہ ہے، پھر اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے جس بیٹے کی خوش خبری دی گئی وہ اسحاق نہیں ہیں، اس طرح ایک دوسری آیت اس کی تصدیق کرتی ہے ﴿فَبَشِّرْهُمَا بِالصَّبْرِ وَرَآءَهُمَا يَعْقُبُ﴾ جب اسحاق علیہ السلام کے صاحب اولاد ہونے کی خوش خبری ہو چکی تھی تو اس میں ذبح کے حکم سے خود معلوم ہو جاتا کہ یہ ذبح نہیں ہوں گے۔ ایسی صورت میں یہ کوئی عظیم امتحان نہیں ہوگا۔ دوسرے لوگ جواب دیتے ہیں کہ اس مقام کی آیتوں میں پہلے جس کی خوش خبری دی گئی وہ اسحاق کی پیدائش ہے۔ اور دوسری خوش خبری اسحاق کی نبوت کی دی گئی ہے اور ﴿يَا صَبْرُ﴾ میں ظاہر کو ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے اور ﴿وَمِنْ رَآءِهِمَا يَعْقُبُ﴾ میں یہ ضروری نہیں کہ دونوں کی خوش خبری ایک ہی وقت میں دی گئی ہو اور بعض تھوڑے سے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ قصہ دونوں کے لئے شام میں اور منیٰ میں واقع ہوا۔ مگر یہ بہت دور کی بات معلوم ہوتی ہے۔

اور عظیم ذبح کی تعین میں بھی بحث ہے، بعض نے کہا ہے کہ وہ معمولی دنبہ تھا اور عظیم بہت بڑے جسم والے کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ جنت سے بھیجا گیا تھا اور عظیم بہت زیادہ قدر والے کے معنی میں ہے اور جب حجر اسود، کالے پتھر وغیرہ کا جنت سے آنا ثابت ہے تو ایک جانور کا آنا کیا محال ہے، اور اس میں یہاں آ کر یہاں کی خاصیت پیدا ہوگئی، اس لئے ذبح کے بعد روح کے نکلنے میں اس اشکال کی گنجائش نہیں کہ جنت کی چیز فنا ہونے والی کیسے ہوگئی؟

﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ وَنَجَّيْنَاهُمَا مِنَ الْكُرْبِ الْعَظِيمِ ۚ وَنَصَرْنَاهُمْ لَمَّا كَانَا فِي الْغُلِيِّينَ ۚ وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ السُّتُبَيْنَ ۚ وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۚ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ۖ سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ إِنَّهُمْمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا، اور ہم نے اُن دونوں کو اور اُن کی قوم کو بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے ان سب کی مدد کی سو یہی لوگ غالب آئے، اور ہم نے اُن دونوں کو واضح کتاب دی اور ہم نے اُن دونوں کو سیدھے راستہ پر قائم رکھا اور ہم نے اُن دونوں کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ موسیٰ اور ہارون پر سلام۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، بیشک وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔

تیسرا قصہ: موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا:

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر بھی احسان کیا (کہ انہیں نبوت اور دوسرے کمالوں سے مشرف فرمایا) اور

ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم (یعنی بنی اسرائیل) کو بڑے غم سے (جو کہ انہیں فرعون کی جانب سے تکلیف پہنچتی تھی) نجات دی اور ہم نے ان سب کی (فرعون کے مقابلہ میں) مدد کی تو (آخر میں) یہی لوگ غالب آئے (کہ فرعون کو غرق کر دیا گیا اور انہیں حکومت حاصل ہو گئی) اور ہم نے (فرعون کے غرق ہونے کے بعد) ان دونوں (صاحبوں) کو (یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اصل کے طور پر اور ہارون علیہ السلام کو ان کے تابع کے طور پر واضح کتاب دی) کتاب تو ریت مراد ہے کہ اس میں واضح طور پر احکام بیان کئے گئے تھے) اور ہم نے انہیں سیدھے راستہ پر قائم رکھا (جس کا اعلیٰ درجہ عصمت یعنی گناہوں سے پاک رہنا ہے جو نبوت کے لئے لازم ہے) اور ہم نے ان دونوں کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں (بہت لمبی مدت تک کے لئے) یہ بات رہنے دی کہ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو (چنانچہ دونوں حضرات کے لئے علیہ السلام کہا جاتا ہے) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی بدلہ دیا کرتے ہیں (کہ انہیں تعریف اور دعا کا مستحق بناتے ہیں) بے شک وہ دونوں ہمارے (پوری طرح) ایمان والے بندوں میں سے تھے (اس لئے بدلہ بھی پورا عطا کیا گیا)

﴿وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ ۖ أَتَتَقُونَن ۖ أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۖ اللَّهُ رَبُّكُمْ وَالْأَوَّلِينَ ۖ فَكَذَّبُوهُ ۖ فَأَنَّهُم كَمُحْضَرُونَ ۖ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۖ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۖ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۖ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ﴾

ترجمہ: اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ کیا تم بعل کو پوجتے ہو اور اُس کو چھوڑے بیٹھے ہو جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے، اللہ معبود برحق ہے تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا بھی رب ہے، سو اُن لوگوں نے اُن کو جھٹلایا سو وہ لوگ پکڑے جاویں گے مگر جو اللہ کے خاص بندے تھے۔ اور ہم نے الیاس کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ الیاس پر سلام ہو۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔

چوتھا قصہ: الیاس علیہ السلام کا:

اور الیاس (علیہ السلام) بھی (بنی اسرائیل کے) رسولوں میں سے تھے (ان کا اس وقت کا قصہ بیان کیجئے) جب انہوں نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) سے (جو کہ بتوں کو پوجتے تھے) فرمایا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ کیا تم بعل کو (جو ایک بت کا نام تھا) پوجتے ہو؟ اور اس (کی عبادت) کو چھوڑ بیٹھے ہو جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے) کیونکہ دوسرے تو صرف کچھ چیزوں کو اور ان کے اجزا کو ایک دوسرے سے الگ کرنے اور ایک دوسرے سے جوڑنے کی ہی قدرت رکھتے

ہیں، وہ بھی عارضی۔ اور وہ تمام چیزوں کے پہلی بار پیدا کرنے اور ایجاد کرنے پر ذاتی قدرت رکھتا ہے، پھر دوسرا کوئی کسی میں جان نہیں ڈال سکتا اور وہ جان ڈالتا ہے اور وہ (برحق) سچا (معبود ہے) اور تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے، تو ان لوگوں نے (توحید کے اس دعویٰ میں) انہیں جھٹلایا تو (اس جھٹلانے کے برے نتیجہ میں) وہ لوگ (آخرت کے عذاب میں) پکڑے جائیں گے سوائے ان کے جو اللہ کے خاص بندے (یعنی ایمان والے) تھے (وہ ثواب اور اجر میں ہوں گے) اور ہم نے الیاس (علیہ السلام) کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں (بہت لمبی مدت کے لئے) یہ بات رہنے دی کہ الیاسین پر (کہ یہ بھی الیاس علیہ السلام کا نام ہے) سلام ہو۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی بدلہ دیا کرتے ہیں (کہ انہیں تعریف اور دعا کا مستحق بناتے ہیں) بے شک وہ ہمارے (پورے) ایمان والے بندوں میں سے تھے۔

فائدہ: طبری نے نقل کیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھے، اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ ملک شام میں جو ایک مشہور شہر بلعک ہے وہ اسی بلعک کے نام پر ہے اور روح میں الیاسین کو الیاس میں ایک لغت لکھا ہے اور کشاف سے نقل کیا ہے کہ شاید سریانی زبان میں اس یا اور نوں کے کچھ معنی ہوں گے جیسا کہ سیناء میں سینین ہے اور یہاں اس لغت کے اختیار کرنے میں آیتوں کے آخری الفاظ کی بھی رعایت ہے، اور ایک قراءت میں آل یاسین آیا ہے اس میں بھی یاسین کو الیاس میں ایک لغت کہا گیا ہے۔ اور لفظ آل بزرگی ظاہر کرنے کے لئے بڑھایا گیا ہے۔

﴿وَإِنَّ لُوطَ لَيْمَ الْمُرْسَلِينَ إِذْ بَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَكَ أَجْمَعِينَ هَلَاكًا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ۝ ثُمَّ دَخَلْنَا الْأَخْرَيْنَ ۝ وَدَخَلْنَا عَلَيْهِمْ مُصِيبَيْنِ ۝ وَبِالْأَيْلِ ۝ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور بیشک لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جبکہ ہم نے اُن کو اور اُن کے متعلقین کو سب کو نجات دی، بجز اس بڑھیا کے وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی۔ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا۔ اور تم تو اُن پر صبح ہوتے اور رات میں گزرا کرتے ہو، تو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے۔

پانچواں قصہ: لوط علیہ السلام کا:

اور بے شک لوط (علیہ السلام) بھی رسولوں میں سے تھے (ان کا اس وقت کا قصہ ذکر کے قابل ہے) جب کہ ہم نے انہیں اور اوران سے تعلق رکھنے والوں کو سب کو نجات دی، سوائے اس بڑھیا (یعنی ان کی بیوی) کے وہ پیچھے (عذاب میں) رہ جانے والوں میں رہ گئی، پھر ہم نے اور سب کو (جو لوط اور ان سے تعلق رکھنے والوں کے علاوہ تھے) ہلاک کر دیا (جن کا قصہ کئی جگہ آچکا ہے) اور (اے مکہ والو!) تم ان کے (علاقوں اور بستیوں) پر (شام کے سفر میں کبھی) صبح ہوتے (وقت)

اور (کبھی) رات میں، گذرا کرتے ہو (اور بربادی کے آثار اور ان کے کھنڈروں کے نشان (دیکھتے ہو) تو کیا (ان کو دیکھ کر) پھر بھی نہیں سمجھتے ہو؟ کہ کفر کا کیا انجام ہوا، جو کفر کرے گا اس کے لئے بھی اندیشہ ہے)

فائدہ: صبح اور رات کا ذکر اس لئے کیا کہ عربوں میں اکثر رات کو صبح چلنے کی عادت تھی، اگر لوط علیہ السلام کی قوم کے اس علاقہ اور رہنے کے مقاموں کے قریب سے منزل شروع ہوئی تو وہاں رات کے وقت گذر ہوگا اور اگر منزل وہاں ختم ہوئی تو صبح کو گذر ہوگا۔

﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلِ الْمَشْحُونِ ۖ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۖ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ۖ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ۖ لَكِيتَ فِي بَطْنِهِ ۖ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۖ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۖ وَأَثْبَتْنَا عَلَيْهِ ثَجَدَةً مِّنْ يَّمُطِينَ ۖ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۖ فَآمَنُوا فَنَسَخْنَاهُمَا إِلَىٰ حِينٍ ۖ﴾

ترجمہ: اور یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے، جبکہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے سو یونس بھی شریک قرض ہوئے تو یہی طزم ٹھہرے۔ پھر ان کو مچھلی نے نگل لیا اور یہ اپنے کو طامت کر رہے تھے۔ سوا گروہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اُسی کے پیٹ میں رہتے۔ سو ہم نے اُن کو ایک میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت مضمل تھے اور ہم نے اُن پر ایک ہیلدار درخت بھی اُگادیا تھا اور ہم نے اُن کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تھے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش دیا۔

چھٹا قصہ: یونس علیہ السلام کا:

اور بے شک یونس (علیہ السلام) بھی رسولوں میں سے تھے (ان کا اس وقت کا قصہ یاد کیجئے) جب کہ (انہوں نے اللہ کے حکم سے اپنی قوم سے کہا کہ اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو عذاب آجائے گا، اور خود وہاں سے چلے گئے اور جب اس دن جس کا وعدہ کیا گیا تھا عذاب کے آثار ظاہر ہونے لگے تو قوم نے ایمان لانے کے ارادہ سے یونس علیہ السلام کو تلاش کرنا شروع کیا اور جب وہ نہ ملے تو سب نے اتفاق کر کے حق تعالیٰ کے سامنے معافی مانگنا اور توبہ کرنا شروع کیا اور مختصر یہ کہ ایمان لے آئے اور وہ عذاب ٹل گیا۔ ادھر یونس علیہ السلام کو کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ قوم پر عذاب نہیں آیا تو طبعی طور پر شرمندگی کا خیال ہوا کہ وہ لوگ وقت پر عذاب نہ آنے پر جھوٹا سمجھیں گے، حق تعالیٰ کی طرف سے کسی واضح حکم کے بغیر خود اپنے اجتہاد کی بنیاد پر اس علاقہ سے کہیں دور چلے جانے کے ارادہ سے وہاں سے) بھاگ کر (چل دیئے، راستہ میں ایک بڑا دریا تھا، اس میں مسافروں سے بھری ہوئی کشتی تھی، اس) بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے (کشتی چلی تو طوفان آگیا، کشتی والے کہنے

لگے کہ ہم میں کوئی نیا قصور وار ہے، اسے کشتی سے نکال دینا چاہئے، قصور وار کی تعیین کے لئے قرعہ ڈالنے پر اتفاق ہوا) تو یونس (علیہ السلام) بھی قرعہ میں شریک ہوئے (قرعہ میں) یہی طرم ٹھہرے (یعنی انہی کا نام) لکلا، لہذا وہ کشتی میں سے دریا میں اتر گئے شاید کنارہ قریب ہوگا، تیر کر کنارہ پر پہنچ جانے کا ارادہ ہوگا، لہذا خود کشتی کا شبہ لازم نہیں آتا) پھر (جب دریا میں گرے تو ہمارے حکم سے) انہیں مچھلی نے (پورے کا پورا بغیر کوئی نقصان پہنچائے) نگل لیا۔ اور یہ (اس وقت) اپنے آپ کو (اس اجتہادی غلطی پر) ملامت کر رہے تھے (یہ تو دل سے توبہ ہوئی اور زبان سے بھی توحید اور تسبیح کے ساتھ استغفار کر رہے تھے، جیسا کہ سورۃ الانبیاء آیت ۸۷ میں ہے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنَّا كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾) تو اگر وہ (اس وقت) تسبیح (اور استغفار) کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتے (مطلب یہ کہ مچھلی کے پیٹ سے نکلنا میسر نہ ہوتا، بلکہ اس کی غذا بنادینے جاتے، لہذا اس مطلب پر اس مچھلی کا اور اس کے پیٹ کا قیامت تک باقی رہنا لازم نہیں آتا، یعنی اس اجتہادی غلطی پر اس قاعدہ کی بنیاد پر کہ نزدیکوں راہش بود حیرانی یعنی ”قریبی تعلق رکھنے والوں کو پریشانی زیادہ ہوتی ہے“ یہ جسمانی تکلیف دی جاتی، کیونکہ انبیاء علیہم السلام حقیقی گناہ اور اصلی سزا و عذاب سے تو پاک ہی ہوتے ہیں) تو (چونکہ انھوں نے تسبیح اور توبہ کر لی، اس لئے) ہم نے (انہیں محفوظ رکھا اور اس تکلیف سے نجات دیدی اور مچھلی کے پیٹ سے نکال کر) انہیں ایک میدان میں ڈال دیا (یعنی مچھلی کو حکم دیا کہ انہیں کنارے پر اگل دے) اور وہ اس وقت کمزور حالت میں تھے (کیونکہ ظاہر ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں کافی ہوا اور غذا انہیں پہنچتی تھی) اور ہم نے (دھوپ سے بچانے کے لئے) ان پر ایک بیل وار درخت اگا دیا تھا (اور کوئی پہاڑی بکری اللہ کے حکم سے انہیں دودھ پلا جایا کرتی تھی) اور (ہم نے جواد پر کہا ہے ﴿إِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾) تو انہیں جن لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا وہ بہت بڑی تعداد میں تھے۔ چنانچہ) ہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ لوگوں کی طرف (شہر نینوا سے قریب موصل میں) رسول بنا کر بھیجا تھا۔ پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تھے (عذاب کے آثار کے معائنہ کے وقت مختصر انداز میں اور مچھلی کے واقعہ کے بعد جب یونس علیہ السلام وہاں دوبارہ تشریف لے گئے اس وقت تفصیل کے ساتھ) تو (ایمان کی برکت سے) ہم نے انہیں ایک زمانہ تک (یعنی عمر پوری ہونے تک خیر و خوبی کے ساتھ) عیش و آرام میں رکھا۔

فائدہ: یہ قرعہ کسی حق کے اثبات کے لئے نہیں تھا، جس میں ائمہ کا اختلاف ہے بلکہ کشتی کے مالک لوگوں کو دیے بھی کسی عذر سے کسی سوار کو کشتی سے اتار دینے کا اختیار تھا، اور خود یونس علیہ السلام بھی اپنی خوشی سے کشتی سے علاحدہ ہو گئے تھے، اور عذاب کے ٹل جانے سے وعدہ خلافی لازم نہیں آتی، کیونکہ عذاب کے آنے کا وعدہ ایمان نہ لانے کی شرط پر تھا۔ اور شاید اس میدان میں کوئی تنے دار درخت ایسا ہوگا جس کے پتے سایہ دار نہ ہوں گے، اس پر ایسا بیل دار درخت پھیل گیا ہوگا، جس کے پتے چوڑے ہوں جس کی تعیین بھی بعض روایتوں میں ہے کہ کدو کی بیل تھی۔ اب یہ دوسرے نہیں رہا کہ زمین

پر پھیلنے والے درخت یعنی بیل کا سایہ ان پر کیسے ہوا؟ اور لفظ عراء یعنی خالی میدان کہنے سے کوئی الزام نہیں آتا، کیونکہ بڑے میدان میں ایک دو درخت ہوتے ہوئے اس کو خالی کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اور بعض نے کہا ہے کہ معمول کے خلاف یعنی معجزہ کے طور پر وہ درخت تنے دار ہو گیا تھا، اور ﴿أَوْ يَزِيدُونَ﴾ یعنی ”یا اس سے زیادہ“ شک کے لئے نہیں کہا گیا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ کم یا زیادہ کا اعتبار نہ کر دو تو ایک لاکھ کہو۔ اور اگر کم زیادہ کا اعتبار کرو تو زیادہ کہو، لہذا لفظ او اختیار دینے کے لئے ہے اور ترمذی میں مرفوع روایت آئی ہے کہ ایک لاکھ سے بیس ہزار زیادہ تھے اور یہ قصہ سورۃ یونس اور سورۃ انبیاء میں بھی آیا ہے وہاں اس سے متعلق کچھ ضروری مضامین لکھے گئے ہیں۔ اور یہاں جو مضامین روایت کی قسم کے لکھے گئے ہیں وہ درمنثور سے نقل کئے گئے ہیں۔

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ۖ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ لَدُنْكَ يَفْقَهُوْنَ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ لَكُذِبُونَ ۚ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ۚ مَا لَكُمْ سِكَيْفٍ تَخْفِئُونَ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۚ أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِينٌ ۚ فَاتُوا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۚ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِجَازًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ أَنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۚ وَسُبْحٰنَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ۚ إِنَّ الْأَعْبَادَ لِلَّهِ الْأَخْلَاصِينَ ۚ فَاتَّكُم مِّنْ عِبَادُونَ ۚ مَا آتٰكُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنَيْنِ ۚ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالٍ الْجَحِيمِ ۚ وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ۚ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصّٰفِقُونَ ۚ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُنِشِقُونَ ۚ﴾

ترجمہ: سوان لوگوں سے پوچھئے کہ کیا خدا کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور وہ دیکھ رہے تھے۔ خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی خن تراشی سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہے اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں زیادہ پسند کیں؟ تم کو کیا ہو گیا؟ تم کیسا حکم لگاتے ہو؟ کیا تم سوچ سے کام نہیں لیتے ہو۔ ہاں کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل موجود ہے؟ سو تم اگر سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو اور ان لوگوں نے اللہ میں اور جنات میں رشتہ داری قرار دی ہے۔ اور جنات کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ گرفتار ہو گئے۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو جو یہ بیان کرتے ہیں مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں۔ سو تم اور تمہارے سارے معبود خدا سے کسی کو نہیں پھیر سکتے مگر اسی کو جو کہ جہنم رسید ہونے والا ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے اور ہم صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں، اور ہم پاکی بیان کرنے میں بھی لگے ہوئے ہیں۔

رابطہ: اوپر جو قصے بیان کئے گئے ہیں ان سے سارے انبیاء علیہم السلام کا جن کی نبوت عقل کی بنیاد پر ثابت ہے مؤمن یعنی ایمان والا موحد یعنی تو حید کا عقیدہ رکھنے والا عابد، مخلص اور تو حید و ایمان کی طرف دعوت دینے والا ہونا ثابت ہوتا ہے،

اس سے پہلے سورت کے شروع میں توحید کی عقلی دلیلیں بیان ہو چکی ہیں۔ اب ان عقلی و نقلی دلیلوں کی بنیاد پر کفر و شرک کو باطل فرماتے ہیں جس کی وجہ عقلی دلیل پر تو ظاہر ہے اور نقلی دلیل پر یہ ہے کہ نبوت کا سچ ہونا لازم ہے، لہذا توحید کا حق ہونا ظاہر ہے اور شرک کا باطل ہونا اس کے لازمی امور میں سے ہونا ظاہر ہے۔

شرک کا باطل کرنا:

(توحید کی دلیلیں تو اوپر بیان ہو چکیں) تو (اب اس کے بعد) ان لوگوں سے (جو فرشتوں اور جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، اس طرح کہ فرشتوں کو نعوذ باللہ من ذلک اللہ کی بیٹیاں اور جنوں کے سرداروں کی بیٹیوں کو ان فرشتوں کی مائیں قرار دیتے ہیں جس سے نعوذ باللہ فرشتوں سے نسب کا تعلق ورشتہ اور جنوں سے بیوی اور سسرال کا تعلق ورشتہ لازم آتا ہے، تو ان سب سے ملامت کے طور پر) پوچھئے کہ کیا تمہارے رب کے لئے تو بیٹیاں (ہوں) اور تمہارے لئے بیٹے (ہوں)؟ یعنی جب اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہو تو مذکورہ عقیدہ میں اللہ کے لئے بیٹیاں کیسے تجویز کرتے ہو؟ لہذا اس عقیدہ میں ایک برائی تو یہ ہے اور) ہاں (دوسری بات سنو کہ) کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے؟ اور وہ (ان کے بننے کے وقت) دیکھ رہے تھے؟ (یعنی دوسری برائی یہ ہے کہ بغیر دلیل کے فرشتوں پر عورت ہونے کی تہمت لگاتے ہیں کیونکہ مشاہدہ یعنی آنکھوں سے دیکھنے کے علاوہ یا تو دلیل عقلی ہو یا نقلی اور یہاں دونوں ہی نہیں ہیں، تو مشاہدہ ہونا چاہئے) خوب سن لو کہ وہ لوگ دلیل کچھ نہیں رکھتے، بلکہ صرف اپنی من گھڑت بات کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ اولاد رکھتا ہے اور وہ یقیناً (بالکل) جھوٹے ہیں (اس طرح اس عقیدہ میں تیسری برائی یہ ہوئی کہ حق تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت لازم آتی ہے، اور ان تینوں برائیوں میں پہلی برائی کا برا ہونا عرف سے بھی اور دوسری برائی کا برا ہونا نقل سے اور تیسری برائی کا برا ہونا عقل سے ثابت ہے اور جاہل لوگوں پر عرفی برائی کا لازم ہونا زیادہ حجت ہوتا ہے، اس لئے پہلی برائی کو دوسرے عنوان سے دوبارہ فرماتے ہیں۔ اور زیادہ ملامت کے لئے مخاطب کر کے فرمایا کہ ہاں!) (کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں زیادہ پسند کیں؟ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسا (بے ہودہ) حکم لگاتے ہو؟) (جس کو تم عرف میں بھی برا مذموم سمجھتے ہو) پھر (عرف کے علاوہ) کیا تم (عقل اور) سوچ سے کام نہیں لیتے ہو (کہ کئی وجہ سے خود عقل کے بھی خلاف ہے۔ اول حق تعالیٰ کا اولاد والا ہونا۔ دوسرے ذات و صفات کے مرتبہ میں اس کی طرف ناقص امر کی نسبت کرنا، کیونکہ اولاد ہونے کا اثر ذات و صفات تک پہنچے گا، جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت ۱۱۶ ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ الْإِنْسَ فِي جُيُوبِهِ﴾ اس سے یہ ظاہر ہے لہذا عقلی دلیل بھی اس کو باطل کرنے والی ہے۔ آگے دلیل نقلی کی نفی فرماتے ہیں کہ) ہاں! (اگر عقلی دلیل نہیں تو) کیا تمہارے پاس (اس پر) کوئی واضح دلیل موجود ہے (اس سے نقلی دلیل مراد ہے کیونکہ مقصود کے اثبات میں وہ زیادہ واضح ہوتی ہے چاہے خود اس کا دلیل ہونا کسی دوسری عقلی حجت پر موقوف ہو۔ اور آگے اس کو ﴿يَكْفُرُ بِكُفْرَانٍ﴾ سے تعبیر کرنا بھی اس مراد کی دلیل

ہے، لہذا مطلب یہ ہوا کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل نقلی موجود ہے؟ تو اگر تم (اس میں) سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو (اس موقع کا حاصل یہ ہوا کہ جس بات کا تم دعویٰ کر رہے ہو اس میں تین تو برائیاں ہیں: (۱) عربی بھی (۲) نقلی بھی اور (۳) عقلی بھی۔ اور دلیل ایک بھی نہیں، نہ مشاہدہ جس کی نفی کی دوسری برائی میں تصریح ہے اور دوسروں میں بھی اس کی نفی ظاہر ہے، نہ عقل جس کا نہ ہونا بلکہ اس کے خلاف پر دلالت ﴿أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ میں بیان ہوا ہے اور نہ ہی نقل جس کی نفی کا ذکر ﴿أَفَرَأَيْتُمْ سُلْطٰنًا﴾ الخ میں ہے اور مذکورہ عقیدہ میں فرشتوں کو اولاد قرار دینے کے علاوہ ان لوگوں نے اللہ میں اور جنوں میں (بھی) رشتہ داری قرار دی ہے (جس کا باطل ہونا اور بھی زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ بیوی خاص طور سے جس کام کے لئے ہوتی ہے حق تعالیٰ اس سے بالکل پاک ہے اور جب میاں بیوی ہونا محال ہے تو سسرالی رشتہ ہونا بھی جس کا تعلق میاں بیوی کے رشتہ سے ہوتا ہے محال ہے) اور (یہ لوگ جس جس کو اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہیں، ان کی تو یہ حالت ہے کہ ان میں جو) جنات (ہیں، خود) ان کا یہ عقیدہ ہے کہ (ان میں جو کافر ہیں) وہ (عذاب میں) گرفتار ہوں گے (اور عذاب میں کیوں نہ گرفتار ہوں کہ حق تعالیٰ کے بارے میں بری باتیں بیان کرتے ہیں، حالانکہ) اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو جو یہ بیان کرتے ہیں (لہذا کفر کرنے والے بیانیوں کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوں گے) مگر جو اللہ کے خاص (یعنی ایمان والے) بندے ہیں (وہ اس عذاب سے بچیں گے اور مؤمن جن کے اندر اس اعتقاد کا پایا جانا تو ظاہر ہے اور عرب کے کافروں کے معبودوں میں سے بعض جن اسلام بھی لے آئے تھے جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل آیت ۵۶ ﴿قُلْ اَدْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ﴾ کی تفسیر میں گزرا ہے اور شاید کافر جنوں میں سے بھی بعض دلیل سن کر مجبوری کے طور پر اس کا اعتقاد رکھنے والے ہوں، لہذا جنوں کے معبود ہونے کی نفی کا یہ حکم خاص طور سے گرفتار ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں ہی کے اعتبار سے ہوگا، اور گرفتار ہونے کا عقیدہ نہ رکھنے والوں کے معبود ہونے کی نفی دوسری دلیلوں سے باطل ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ بے چارے جنات تو خود ہی اپنے بارے میں عبد ہونے کے لازمی امور کا اعتقاد رکھنے اور اعتراف کرنے والے ہیں، پھر انہیں شریک قرار دینا بڑی حماقت ہے، اور فرشتوں کا ذکر آگے آئے گا اور درمیان میں مخلص لوگوں کے استثناء کی مناسبت سے ایک مضمون بیان فرماتے ہیں، جس سے شاید یہ مقصود ہو کہ قریش کے کافر لوگ اپنی گمراہی کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی فکر میں لگے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی ناکامی ظاہر کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ جب خاص بندے عذاب میں گرفتار ہونے سے مستثنیٰ ہیں اور ظاہر ہے کہ اس استثناء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق واجب ہے اور اللہ کے علم کی خلاف ورزی منع ہے) تو (اس سے لازم آگیا کہ) تم اور تمہارے سب معبود (سب مل کر بھی) اللہ سے کسی کو نہیں پھر سکتے (جیسی تم کوشش کیا کرتے ہو) سوائے اس کے جو کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں (جنہم میں جانے والا ہے۔ اور) آگے فرشتوں کا ذکر فرماتے ہیں کہ ان میں جو فرشتے ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ ہم تو محض بندے ہیں۔ چنانچہ جو خدمت ہمیں سپرد ہے، اس میں) ہم میں سے ہر ایک کا متعین درجہ ہے (کہ اس کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں

کر سکتے) اور ہم (اللہ کے حضور میں حکم سننے کے وقت یا عبادت کے وقت ادب کے ساتھ) صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ہم (اللہ کی پاکی بیان کرنے میں بھی لگے رہتے ہیں) غرض ہر طرح محکوم اور بندے ہیں، تو جب فرشتے عبد یعنی بندہ ہونے کا اعتراف کر رہے ہیں پھر ان پر معبود ہونے کا شبہ کرنا محض حماقت ہے۔ چنانچہ بہت ہی اچھی طرح سے جنوں اور فرشتوں کے سلسلہ میں معبود ہونے کا اعتقاد باطل ہو گیا)

﴿وَأَن كَانُوا يَقُولُونَ ۖ لَوَ أَنَّا عِبَادُ اللَّهِ ۖ لَوَلَّيْنَا الْأَوَّلِينَ ۖ لَكِنَّا عِبَادُ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۖ فَكَفَرُوا بِهِمْ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۖ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُسْلِمِينَ ۖ هَآئِهِمْ لَهُمُ الْمُتَصَدُّونَ ۖ وَأَن جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۖ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۖ وَ أَنهَضَهُمْ فَنَسَوْا فَيُبْصِرُونَ ۖ أَفَبَعْدَ آيَاتِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۖ قَالُوا أَنزَلَ سَحَابَهُمُ مِّنْ سَاءِ صَبَآءٍ الْمُنْذِرِينَ ۖ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۖ وَ أَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ۖ﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت پہلے لوگوں کے طور پر آتی تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے۔ پھر یہ لوگ اُس کا انکار کرنے لگے سو اب ان کو معلوم ہوا جاتا ہے۔ اور ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے کہ بیشک وہی غالب کئے جاویں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔ تو آپ تھوڑے زمانہ تک ان کا خیال نہ کیجئے اور ان کو دیکھتے رہئے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔ کیا ہمارے عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں۔ سو وہ جب ان کے رو در رو آنا نازل ہوگا سو وہ دن ان لوگوں کا جن کو ڈرایا جا چکا تھا بہت ہی بُرا ہوگا۔ اور آپ تھوڑے زمانہ تک ان کا خیال نہ کیجئے اور دیکھتے رہئے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔

رہط: اوپر کافروں اور مشرکوں کی کفر سے متعلق باتوں اور دلیل سے انہیں باطل قرار دینے کا مضمون تھا، اب ان پر ایک دوسرے طریقہ یعنی وعدہ خلافی کے طور پر لعنت و ملامت ہے اور اس پر وعید کے ذریعہ ملامت ہے اور اسی کے ضمن میں نبی شفیع ﷺ کی تسلی ہے۔

عہد توڑنے کی برائی اور کافروں کو معبود عذاب کے ذریعہ کھڑکھڑانا اور رسول ﷺ کی تسلی:

اور یہ (عرب کے کافر) لوگ (رسول ﷺ کی بعثت سے پہلے) کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت (کی کتاب) پہلے لوگوں (کی کتابوں) کی طرح آتی (یعنی جس طرح یہود و نصاریٰ کے پاس رسول اور کتابیں آئیں۔ اگر ہمارے لئے ایسا ہوتا) تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے (یعنی تصدیق کرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے اور ان لوگوں کی طرح نہ جھٹلاتے اور نہ ہی ان کی مخالفت کرتے۔ اور یہ بات ایسی ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَیِّنَ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيْكَوْنَنَّ أَهْدَىٰ مِنَ الْإِيمَانِ﴾) پھر (جب وہ نصیحت کی کتاب رسول کے ذریعہ ان کے پاس پہنچی تو) یہ لوگ اس کا انکار کرنے لگے (اور اپنا وہ عہد توڑ دیا) تو (خیر) اب انہیں (اس کا انجام) معلوم ہوا جاتا ہے (چنانچہ مرنے

کے ساتھ ہی کفر کا انجام سامنے آگیا، اور بعض مزانیں اور عذاب موت سے پہلے نازل ہوئے) اور (آگے تسلی کا مضمون ہے کہ اگرچہ اس وقت ان مخالفوں کو کسی قدر شان و شوکت حاصل ہے، لیکن یہ چند دن کی ہے، کیونکہ) ہمارے خاص بندوں یعنی رسولوں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے (یعنی لوح محفوظ میں) مقرر ہو چکا ہے، کہ بیشک وہی غالب کئے جائیں گے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَا غَلِبَ إِلَّا أَنَا وَرُسُلِي﴾) اور (ہمارا تو عام قاعدہ ہے کہ) ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے (جس میں رسولوں کا اتباع کرنے والے بھی شامل ہیں تو رسولوں کے لئے تو یہ بات اور بھی زیادہ بہتر طور پر ثابت ہوگی تو جب یہ بات ہے کہ آپ ہی غالب آنے والے ہیں) تو آپ (تسلی رکھئے اور) تھوڑے زمانہ تک (مہر کیجئے اور) ان (کی مخالفت اور ایذا پہنچانے) کا خیال نہ کیجئے۔ اور (ذرا) انہیں دیکھتے رہئے (یعنی ان کی حالت کا تھوڑا انتظار کیجئے۔ جیسا کہ ابن کثیر نے کہا ہے: اَيُّ الظُّرْمِ وَارْتَقِبْ مَاذَا يَحِلُّ بِهِمْ: تو جلدی ہی یہ بھی دیکھ لیں گے) اس کا بھی وہی مطلب ہے جو ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ کا تھا۔ اور اس وعید پر وہ کہہ سکتے تھے کہ وہ وعید کب واقع ہوگی؟ اور اکثر یہ بات کہا بھی کرتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ﴾ وغیرہ۔ اس لئے آگے اس سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ (کیا ہمارے عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں؟ تو وہ (عذاب) جب ان کے سامنے آنازل ہوگا۔ تو وہ دن ان لوگوں کا جہنمیں (پہلے سے) ڈرایا جا چکا تھا بہت ہی برا ہوگا) کہ وہ عذاب ٹل نہ سکے گا) اور (جب یہ بات ہے کہ ان لوگوں پر عذاب واقع ہونے والا ہے تو) آپ (تسلی رکھئے اور) تھوڑے زمانہ تک (مہر کیجئے اور) ان (کی مخالفت اور تکلیف پہنچانے) کا خیال نہ کیجئے اور (ذرا ان کو یعنی ان کی حالت کو) دیکھتے رہئے (یعنی انتظار کیجئے) تو جلدی ہی یہ بھی دیکھ لیں گے (’بھی‘ کا مطلب کہ ﴿أَبْصِرْ﴾ کے بعد ﴿يُبْصِرُونَ﴾ کا آنا اس پر دلالت کرتا ہے، دونوں جگہ یہ ہے کہ آپ کو تو ہمارے کہنے سے یقین ہی ہے اور یہی یقین انتظار کی بنیاد ہے، معائنہ کے بعد انہیں بھی یقین ہو جائے گا۔ اور چونکہ اوپر اس مضمون کا تعلق اہل حق کے غلبہ سے ہے اور یہاں اہل باطل کو عذاب دیئے جانے سے ہے، اس لئے معنی کے لحاظ سے اس میں تکرار نہیں۔

فائدہ: اہل حق کے غالب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اصلی تقاضا یہی ہے لہذا امتحان اور آزمائش کی حکمت کے تحت عارضی طور پر مغلوب ہونا، اس کے خلاف نہیں، اور اس مضمون کی تفصیل سورۃ المائدہ آیت ۵۶ ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾ کی تفسیر کے تحت ملاحظہ کر لیا جائے۔

﴿سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

ترجمہ: آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے اُن باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور

تمام تر خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

رابط: سورت میں تین مضمون اصل مقصود تھے: (۱) توحید (۲) رسالت اور (۳) بعثت۔ جیسا کہ سورت کی تمہید میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر بعثت کا عقیدہ بعثت میں دیر ہونے کا مدار نقل پر ہونے کی وجہ سے رسالت کے اعتقاد کی فرع ہے۔ اور عقل و دانش والے لوگوں میں سے جو عقلی دلیل سے روحانی معاد کے قائل ہوئے ہیں، ان دلیلوں کی بنیادیں پوری طرح کمزور ہیں، لہذا اس کے فرع ہونے کے اعتبار سے اصل مقصود بالاثبات توحید و رسالت کے مضمون رہ گئے۔ یہاں سورت کو انہی کے مختصر انداز کے بیان پر ختم کیا جاتا ہے اور چونکہ توحید سب سے پہلے ہے اور سب سے عظیم ہے۔ اور رسالت کا قائل ہونا اسی پر موقوف ہے اگرچہ توحید کا اعتقاد اس کے لئے لازم نہیں، اس لئے کلام کا آغاز و انجام توحید سے کیا اور رسولوں کا ذکر درمیان میں لائے اور چونکہ توحید میں ناقص امور کی نفی، کمالوں کے اثبات سے زیادہ اہم ہے کہ اس لئے کہ نقص فی نفسہ عیب ہے کمال کے برخلاف کہ اس کی نفی اپنے آپ میں عیب نہیں ہے اگرچہ اللہ جل مجدہ کی ذات واجب کی طرف دیکھتے ہوئے عیب لازم آتا ہے۔ اس لئے پاک ہونے کو تعریف سے پہلے بیان فرمایا۔ واللہ اعلم

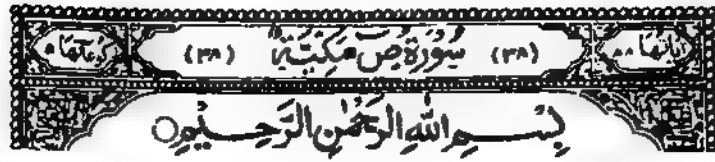
خاتمہ: تمام عالموں کے رب کی پاکی اور تعریف اور رسولوں کی شان کی بلندی:

آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے۔ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ (کافر) بیان کرتے ہیں (لہذا اللہ کو پاک سمجھو) اور (رسولوں کے اتباع کو واجب سمجھو، کیونکہ ان کی شان ایسی ہے کہ ہم ان کی شان میں یہ کہتے ہیں کہ) سلام ہو رسولوں پر اور (اللہ کو پاک سمجھنے کے ساتھ کمال کی صفوں والا بھی سمجھو۔ کیونکہ) تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو (رب العالمین یعنی) سارے عالموں کا پروردگار (اور مالک) ہے۔

فائدہ: سبحان اللہ! کیا اچھا خاتمہ ہے کہ مختصر انداز میں اس میں تمام اصول و فروع شامل ہیں، کیونکہ کوئی فرع رسالت کے اعتقاد پر مرتب ہونے سے خالی نہیں، اور اس خاتمہ کی بڑائی اور بزرگی و خوبی کی وجہ سے روایتوں میں نماز کے بعد اور مجلس سے اٹھنے کے وقت اس کا پڑھنا نقل کیا گیا ہے۔ پہلی بات کو الخطیب نے ابوسعیدؓ سے مرفوع کے طور پر نقل کیا ہے اور دوسری بات کو ابن ابی حاتم نے شعبی سے مرفوع کے طور پر نقل کیا ہے، جیسا کہ الروح میں ہے، اس لئے تبرک کے طور پر میرا بھی جی چاہتا ہے کہ تفسیر کے اس حصہ کو اسی پر ختم کروں، اس لئے کہتا ہوں ﴿سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

﴿الحمد للہ! سورۃ الصافات کی تفسیر بروز منگل ۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۵ھ میں تمام ہوئی، و صلی اللہ

تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین﴾



شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابطہ: اس سورت میں زیادہ مضمون رسالت سے متعلق ہے، بعض آیتوں میں اس کے جھٹلانے اور انکار پر مذمت اور وعید ہے اور بعض آیتوں میں اس کا اثبات اور آپ کی تسلی ہے، اور قصوں کے ذریعہ رسالت کے اثبات کی اور بعض قصوں سے تسلی کی بھی تائید ہے، اور بعض آیتوں میں خاص توحید اور جزا و سزا کے انکار میں رسول کی مخالفت کی برائی ہے، جیسا کہ ﴿اجْعَلِ اللَّهُ لَهُ خَلْقًا﴾ اور ﴿عَجَلْنَا لَكَ فَلَتَانًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے اور بعض آیتوں میں اس توحید اور بعثت کی مختصر دلیل ہے اور بعض میں ان دونوں کے اثبات اور واقع ہونے کی تھوڑی سی تفصیل ہے جیسا کہ ﴿مَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ﴾ سے ﴿كَالْفُجَّارِ﴾ تک مختصر مضمون اور ﴿هَذَا ذِكْرٌ﴾ سے ﴿الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ﴾ تک تفصیلی مضمون مدلول و معلوم ہے اور رسالت کے مسئلہ کی مناسبت سے بعض آیتوں میں قرآن کی تعریف ہے جیسا کہ شروع میں اس کو ﴿ذِی الذِّكْرِ﴾ یعنی ”صحیفہ سے بھرا ہوا“ فرمایا۔ اور درمیان میں ﴿مُبَارَكٌ﴾ اور آخر میں ﴿ذِکْرٌ لِلْعَالَمِیْنَ﴾ فرمایا۔ اور گزشتہ سورت بھی انہی مضمونوں میں اس سے قریب قریب ہے اور یہی قریب قریب ہونا مناسبت کی وجہ ہے اور ابتدائی آیتوں کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ ابوطالب کی بیماری کے زمانہ میں قریش کے سرداران کے پاس آئے، اس وقت حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے تو قریش نے ابوطالب سے آپ کی شکایت کی، انھوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ اپنی قوم سے کیا بات چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں جس سے سارا عرب ان کی اطاعت کرنے والا بن جائے اور عجم انہیں جزیہ دیے لگیں۔ انھوں نے پوچھا وہ ایک کلمہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا: لا إله إلا الله: قریش کہنے لگے کہ لو سارے معبودوں کا انکار کر کے ایک ہی معبود قرار دیدیا۔ یہ تو عجیب بات ہے، اس پر ﴿ص﴾ سے ﴿بَلْ لَّتَأْيُذُوا وَفُوا﴾ تک نازل ہوا۔ یہ اللہ باب میں احمد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت ہے کہ وہ لوگ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے، اسے الروح میں کئی راویوں سے روایت کیا ہے۔ اور اس سورت کے شروع میں جو قرآن کی قسم کھائی ہے، اگر اس سے کلام نفسی یعنی جو کلام نفس میں ہے مراد ہو تب تو کوئی اشکال نہیں کہ وہ غیر مخلوق صفت ہے، یعنی ایسی صفت ہے جو مخلوق یعنی پیدا کی ہوئی نہیں ہے۔ اور اگر کلام لفظی مراد ہے یعنی وہ کلام جس پر الفاظ دلالت کرتے ہیں جو کہ مخلوق یعنی پیدا کیا ہوا ہے تو اس کی توجیہ سورہ حجر آیت ۲۷ ﴿لَعَنَّاكَ أَتَاهُمْ﴾ یعنی سنکر تہم کے میں گزر چکی ہے اور سورہ الصافات کے

شروع میں جو ایسی قسموں کی حکمت لکھی گئی ہے یہاں اس کا بیان یہ ہے کہ قرآن رسالت کی دلیل ہے۔

هـ ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۝ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
مِنْ قَرْنٍ فَنَادَوا وَلَا تَحِثْ حِينَ مَنَاصٍ ۝ وَعِجْبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ ۖ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا
سِحْرٌ كَذَّابٌ ۖ أَجَعَلِ اللَّهُ إِلَهًا وَاحِدًا ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا لَشَيْءٌ مُعْجَابٌ ۖ وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنْ
امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا لَشَيْءٌ يُرَادُ ۖ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ ۖ إِنْ
هَذَا إِلَّا اخْتِلَافٌ ۖ ؕ أَنْزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ۖ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْ ذِكْرِهِ ۖ بَلْ لَمَّا
يَذُوقُوا عَذَابَ ۖ أَمْرٌ عِنْدَهُمْ خَزَائِمٌ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۖ أَمْ لَهُمْ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا ۖ فَلْيَزْتَعُوا فِي الْأَسْبَابِ ۖ جُنْدٌ مَا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِنَ الْأَحْزَابِ ۖ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ ۖ وَكَادَ
يَقْرَعُونَ ذُو الْأَوْتَادِ ۖ وَتَبَوَّءُوا قَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لَيْكَةِ الْأَوَّلِ ۖ الْأَحْزَابُ ۖ إِنْ كُلُّ إِلَّا كَذَبٌ
الرُّسُلُ فَحَقَّ عِقَابٌ ۖ وَمَا يَنْظُرُ هَؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مِمَّا هُمْ عَنْ قَوَائِمٍ ۖ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا
قِطْعًا مِنْ قَبْلِ يَوْمِ الْحِسَابِ ۖ ﴿

ترجمہ: ﴿ص ۶﴾ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے ہر ہے۔ بلکہ یہ کفار تعصب اور مخالفت میں ہیں۔ ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں سو انھوں نے بڑی ہائے پکار کی اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا۔ اور ان کفار نے اس بات پر تعجب کیا کہ اُن کے پاس اُن میں سے ایک ڈرانے والا آگیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر کذاب ہے۔ کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔ اور ان کفار میں کے رئیس یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر قائم رہو یہ کوئی مطلب کی بات ہے۔ ہم نے تو یہ بات پچھلے مذہب میں سنی نہیں، ہونہ ہو یہ گھڑت ہے، کیا ہم سب میں سے اسی شخص پر کلام الہی نازل کیا گیا۔ بلکہ یہ لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں ہیں، بلکہ انھوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔ کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار زبردست فیاض کی رحمت کے خزانے ہیں؟ یا کیا اُن کو آسمان اور زمین اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں اُن کا اختیار حاصل ہے؟ تو ان کو چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جاویں۔ اس مقام پر ان لوگوں کی یونہی ایک بھیڑ ہے من جملہ گروہوں کے جو شکست دیئے جاویں گے۔ ان سے پہلے بھی قوم نوح نے اور عاد نے اور فرعون نے جس کے کھونٹے گڑ گئے تھے۔ اور ثمود نے اور قوم لوط نے اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی وہ گروہ یہی لوگ ہیں۔ ان سب نے صرف رسولوں کو جھٹلایا تھا سو میرا عذاب واقع ہو گیا۔ اور یہ لوگ بس ایک زور کی چیخ کے منتظر ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہوگی۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب!

ہمارا حصہ ہم کو روز حساب سے پہلے دیدے۔

رسول اللہ ﷺ کی رسالت، رب العالمین کی توحید اور قیامت کے دن کے

واقع ہونے کا انکار کرنے اور جھٹلانے والے کافروں کو ملامت اور ان کی برائی:

﴿ص﴾ (اس کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) قسم ہے قرآن کی جو فصاحت سے بھرا ہوا ہے (کہ کافر لوگ جو کچھ باتیں رسالت کی نفی کے بارے میں کہہ رہے ہیں، وہ ٹھیک نہیں) بلکہ (خود) یہ کافر لوگ (ہی) تعصب اور (حق کی) مخالفت میں (پڑے) ہیں (اور اس تعصب و مخالفت کا وبال ایک دن ان پر پڑنے والا ہے، جیسا کہ) ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو (عذاب کے ذریعہ) ہلاک کر چکے ہیں تو انھوں نے (ہلاکت کے وقت) بہت چیخ پکار کی (اور بہت شور و غل مچایا) اور (اس وقت شور و غل سے کیا ہوتا ہے، کیونکہ) وہ وقت خلاصی کا نہ تھا (جیسا کہ ارشاد ہے) ﴿فَلَنُفَعِّيكَ يَنْفَعُهُمْ﴾ اِيْمَانُهُمْ لَتَنَارًا وَاَبَاسًا ﴿﴾ اور (قریش کے) ان کافروں نے (اس پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان (ہی) میں سے (یعنی جو کہ انہی کی طرح انسان ہے) ایک (رسول) ڈرانے والا آگیا) تعجب کی وجہ ان کی جہالت تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ انسان اور رسول ایک دوسرے کے مخالف اور ضد ہیں (اور) اس مخالف ہونے کا یہاں تک اعتقاد رکھنے لگے کہ نبوت کے دعویٰ اور معجزوں کے اظہار میں ان میں سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے، آپ کی شان میں) کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ یعنی اللہ کی پناہ) یہ شخص (عادت و معمول کے خلاف کاموں میں) جادوگر ہے (اور نبوت کے دعویٰ میں) بہت جھوٹ بولنے والا ہے (یعنی انسان ہونے کی وجہ سے نبی ہونا تو محال ہے اور اس کے معجزہ ہونے سے نبوت کا ثبوت لازم آتا ہے، لہذا جب لازم کی نفی ہے تو جس کے لئے وہ لازم ہے یعنی اس کے معجزہ ہونے کی بھی نفی ہے اور یہ چیز عجیب ہے تو یقینی طور پر جادو ہوگا۔ اور) کیا (یہ شخص سچا ہو سکتا ہے؟) اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنے دیا (اور سب کے معبود ہونے کی نفی کر دی) واقعی یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے (جس کی وجہ جلدی آرہی ہے۔ ﴿مَا سَمِعْنَا بِهَذَا﴾ الخ) اور (توحید کا مضمون سن کر) ان کافروں میں کے رئیس (بات چیت کی مجلس سے اٹھ کر دوسرے لوگوں سے) یہ کہتے ہوئے چلے کہ (یہاں سے) چلو اور اپنے معبودوں (کی عبادت) پر قائم رہو (کیونکہ اول تو یہ) (ان رسول کی توحید کی طرف دعوت) بھی کوئی مطلب کی بات (معلوم ہوتی) ہے (کہ اس بہانہ سے ریاست و حکومت چاہتے ہیں، یہ بات ایسی ہی ہے جیسی نوح کی قوم نے کہا تھا) ﴿يُؤَيِّدُ أَنْ يَتَقَطَّعَ عَلَيْكُمْ﴾ دوسرے خود دعویٰ بھی باطل اور عجیب ہے، کیونکہ) ہم نے تو یہ بات (اپنے) پچھلے مذہب میں سنی نہیں۔ ہونہ ہو یہ (اس شخص کی) گمڑی ہوئی بات ہے (پچھلے مذہب کا مطلب یہ کہ دنیا میں بہت سے طریقوں پر عمل کرنے والے لوگ ہوئے، سب سے پیچھے ہم موجود ہیں تو ہم نے اس طریقہ کے بزرگوں سے

کبھی یہ بات نہیں سنی، لہذا اس کا حاصل وہی ہے ﴿مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ﴾ اور یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے اور تو حید کو اللہ کی تعلیم بتاتا ہے تو اول تو نبوت اور انسان ہونا ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ دوسرے اگر اس کو بھی نہ مانا جائے تو کیا ہم سب میں سے اس شخص (کوئی فوقیت و فضیلت حاصل تھی کہ اسی کو نبوت ملی، اور) اللہ کا کلام اسی پر نازل کیا گیا (بلکہ کسی رئیس پر نازل ہوتا تو کوئی حرج نہیں تھا۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْبَشَرِ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ﴾ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ ان پر کیوں نازل ہوا، کسی رئیس پر کیوں نہیں نازل ہوا؟ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اس کا اتباع کرتے (بلکہ اصل بات یہ ہے کہ) یہ لوگ (خود) میری وی کی طرف سے تم (یعنی انکار) میں ہیں (یعنی خود نبوت کے مسئلہ ہی کے منکر ہیں، خاص طور سے انسان کے لئے اور یہ انکار بھی کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے چاہے عام نبوت کے مسئلہ میں یا خاص طور سے انسان کے لئے نبوت کے طور پر) بلکہ (اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ) انھوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا (ورنہ ساری عقل ٹھکانے آ جاتی، اس بیان سے ان کے دونوں شبہوں کا یعنی نبوت اور انسان کے ایک دوسرے کے مخالف ہونے کا اور ﴿أَنْزِلَ عَلَيْكَ الذِّكْرُ﴾ الخ کے نازل ہونے کے بعد، شبہ کا جواب ہو گیا۔ آگے دوسرے انداز سے جواب ہے کہ) کہ کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے زبردست بخشش کرنے والے پروردگار کے خزانے ہیں؟ (جس میں نبوت بھی داخل ہے کہ جس کو چاہیں دیں، جس کو چاہیں نہ دیں، یعنی نبوت ایک عظیم امر ہے، اس کے عطا کرنے کے لئے عطا کرنے والے کا خزانوں کا مالک، شدید غلبہ والا اور بہت زیادہ بخشش کرنے والا ہونا لازم ہے تو اس طرح اگر یہ ان کے اختیار میں ہوتا تو انہیں یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ ہم نے انسان کو نبوت نہیں دی تو پھر وہ نبی کیسے ہو گیا یا ہم نے فلاں انسان کو نبوت دی اور فلاں کو نہیں دی، اس صورت میں ان کا یہ کہنا مناسب تھا) یا (اگر سارے خزانے قبضہ میں نہ ہوں تو کم سے کم آسمان اور آسمانوں کی چیزیں اور زمین اور زمین کی چیزیں ہی قبضہ میں ہوتیں۔ کیونکہ نبوت سے اللہ کے احکام معلوم ہوتے ہیں، اور احکام پر عمل کرنا عالم کے باقی رہنے کا سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مومن نہیں رہے گا تو قیامت آجائے گی، لہذا نبوت کو سارے عالم کا نظام چلانے اور اس کو باقی رکھنے میں دخل ہوا۔ تو عطا کرنے والی ایسی ذات ہونی چاہئے جو تمام عالم کی مصلحتوں کو جانتی ہو۔ اس نبوت کو لاگو کرنے کی قدرت رکھتی ہوتا کہ ایسے مناسب احکام جاری کرے جس سے عالم کا نظام اور مصلحتیں وابستہ ہوں اور اگر عالم کے اجزاء میں سے آسمانی اور زمینی چیزوں کے سوا دوسرے اجزاء کے وجود میں کسی کو شک یا بحث ہو تو آسمانی اور زمینی چیزوں کا وجود تو تسلیم ہے جو کھلی آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہے، تو اس کا تو احکام سے وابستہ ماننا لازمی طور پر ظاہر ہے، تو پھر ان آسمانی اور زمینی چیزوں ہی کا اس نبوت عطا کرنے والے کے علم و قدرت کا احاطہ کرنا چاہئے۔ اس لئے ﴿وَأَمْرٌ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ﴾ کے

بعد فرماتے ہیں کہ کم سے کم یہی قبضہ اور اختیار میں ہوتے تو کیا انہیں آسمان اور زمین اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں ان (سب) کا اختیار حاصل ہے (اور آگے انہیں عاجز کرنے اور مذاق اڑانے کے انداز میں ارشاد ہے کہ اگر انہیں اس پر اختیار ہے) تو انہیں چاہئے کہ میڑھیاں لگا کر (آسمان پر) چڑھ جائیں (اور ظاہر ہے کہ انہیں اس کی قدرت نہیں، لہذا جب عقلی رکاوٹ نہ ہونے کے باوجود انہیں آسمان پر پہنچنے کی بھی قدرت نہیں جو کہ ان کا حال معلوم کرنے کا آسان ذریعہ ہے اور دوسرے تصرفات سے بہت زیادہ آسان ہے تو علم کے دوسرے طریقوں اور مشکل تصرفات پر تو کیا قدرت ہوگی۔ جب علم و قدرت نہیں تو ان کے نظام کی کیا رعایت کر سکتے ہیں، پھر نبوت عطا کرنے والا بننے کی کیا صلاحیت ہو سکتی ہے؟ پھر انہیں ایسی بے سرو پیر کی باتیں کہنے کا کیا حق ہے؟ مگر اے محمد ﷺ! آپ ان کی مخالفت کی فکر نہ کریں، کیونکہ اس مقام پر (یعنی مکہ میں) ان لوگوں کی یوں ہی ایک بھیڑ ہے (رسولوں کی مخالفتوں کے) ان گرد ہوں میں سے جنہیں (جلدی ہی) شکست دی جائے گی (چنانچہ بدر میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور) ان سے پہلے بھی نوح (علیہ السلام) کی قوم نے اور عاد نے اور فرعون نے جس (کی حکومت و سلطنت) کے کھونٹے گڑ گئے تھے (یعنی اس کی سلطنت دور تک پھیلی اور بہت سخت تھی، جیسا کہ ابن مسعود اور ابن عباسؓ نے عطیہ کی روایت میں کہا ہے: **الْأَوْتَادُ الْجُنُودُ يَقْوُونَ مَلِكَهُ كَمَا يَقْوَى الْوَتْدُ الشَّيْءُ**: یعنی ”کھونٹوں سے مراد لشکر ہیں جو اس کے ملک کو اس طرح مضبوط کرتے ہیں جیسے کیل اور کھونٹے چیز کو مضبوط کرتے ہیں“ جیسا کہ الروح میں ہے۔ اور اس لفظ کی ایک تفسیر سورۃ الفجر میں آئے گی) اور ثمود نے اور لوط (علیہ السلام) کی قوم نے اور ایکہ والوں نے (جن کے قصے کئی جگہ آچکے ہیں۔ ان سب نے) جھٹلایا تھا (اور) وہ گروہ (جن کا اوپر من الاحزاب میں ذکر آیا ہے) یہی لوگ ہیں، ان سب نے صرف رسولوں کو جھٹلایا تھا (جیسا کہ قریش کے یہ کافر آپ کو جھٹلا رہے ہیں) تو میرا عذاب (ان پر) واقع ہو گیا (لہذا جب جرم مشترک ہے تو عذاب و سزا کے مشترک ہونے سے یہ کیوں مطمئن ہیں) اور یہ لوگ (جو جھٹلانے پر اصرار کرتے ہیں تو) بس ایک زور کی چیخ (یعنی دوسری بار صور پھونکے جانے) کا انتظار کر رہے ہیں، جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہوگی (اس سے قیامت مراد ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: **فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا، فَأَنَّى لَهُمْ إِذَا جَاءَهُمْ ذِكْرُهُمْ** (سورہ محمد آیت ۱۸) اور یہ لوگ قیامت کی وعید سن کر رسول کو جھٹلانے اور مذاق اڑانے کے انداز میں) کہتے ہیں کہ ہمارے رب! (کافروں کو جو عذاب آخرت میں ہوگا اس میں سے) ہمارا حصہ ہمیں حساب کے دن سے پہلے ہی دیدے (مطلب یہ کہ قیامت کبھی نہیں آئے گی اور اگر آئے گی تو ہم عذاب ابھی چاہتے ہیں اور جب عذاب نہیں ہوتا تو معلوم ہوا قیامت نہیں آئے گی۔ اس جہالت پر اللہ کی پناہ!)

فائدہ: ﴿إِنْ كُلُّ إِلَّا كَذَّبَ التَّوَسَّلُ﴾ سے یہ مقصود نہیں کہ ان کی دوسری مفتوں کی نفی کی جائے، بلکہ اس زمانہ

کے کافروں کے نازل ہونے کے اس وہم کو دور کرنے کے لئے کہ شاید ان کی ہلاکت کا سبب ان کا کفر نہ ہوا ہو، کوئی اور امر ہوا ہو۔ دعویٰ کے طور پر یہ اضافی حصر کیا گیا یعنی کفر اور جھٹلانے کے علاوہ کوئی اور سبب نہیں تھا، کیونکہ ان ہلاک ہونے والوں کا دوسری مذموم باتوں پر اصرار بھی اسی رسالت کو جھٹلانے کی وجہ سے تھا، لہذا ذکر کے قابل سبب یہی تھا۔

﴿إِضْطَرُّوا عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعُشِيِّ ۖ وَالْطُّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَهُ أَوَّابٌ ۝ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَأَتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخِطَابِ ۝ وَهَلْ أَتَاكَ نَبُؤُا الْخَصَمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۖ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصَمِينِ بَعِيَ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاخْطُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَجْعَةً وَلِي نَجْعَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَجَّتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ وَإِنْ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۖ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ ۖ وَإِن لَّهُ عِندَنَا كُزْلًا حَسَنًا مَّاءٍ ۝ يَدَاوُدَ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ يَمَّا تُسْأَلُونَ يَوْمَ الْحِسَابِ ۝﴾

ترجمہ: آپ ان لوگوں کے اقوال پر صبر کیجئے اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کیجئے جو بڑی قدرت والے تھے۔ وہ بہت رجوع ہونے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو حکم کرکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں۔ اور پرندوں کو بھی جو کہ جمع ہو جاتے تھے سب اُن کی وجہ سے مشغول ذکر رہتے۔ اور ہم نے ان کی سلطنت کو نہایت قوت دی تھی۔ اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کر دینے والی تقریر عطا فرمائی تھی۔ اور بھلا آپ کو اُن اہل مقدمہ کی خبر بھی پہنچی ہے جبکہ وہ لوگ عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر داؤد کے پاس آئے تو وہ گھبرا گئے وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ ڈریں نہیں، ہم دواہل معاملہ ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے سو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو سیدھی راہ بتا دیجئے۔ یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنیاویاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنیا ہے۔ سو یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دے ڈال اور بات چیت میں مجھ کو دباتا ہے، داؤد نے کہا کہ یہ جو تیری دُنیا اپنی دُنویوں میں ملانے کی درخواست کرتا ہے تو واقعی تجھ پر ظلم کرتا ہے۔ اور اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے اُن کا امتحان کیا ہے سو انھوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی

اور سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے سو ہم نے اُن کو وہ معاف کر دیا اور ہمارے یہاں اُن کے لئے قرب اور نیک انجامی ہے۔ اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ خدا کے راستے سے تم کو بھٹکا دے گی۔ جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکتے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہوگا اس وجہ سے کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے۔

رابطہ: اوپر کافروں کی مخالفت اور ان کے بعض کفر والے اقوال کا ذکر تھا جیسا کہ ان کا کہنا تھا کہ ﴿هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ﴾ اور ﴿اجْعَلِ الْاِلَهَةَ﴾ اور ﴿اِنْ امْسُوْا وَاَصِيْرُوْا عَلٰی الْاِلٰهَتِكُمْ﴾ سے ﴿عَاۤزِلَ عَلَیْهِ الَّذِیْ کُذِّبَ مِنْ بَیْنِنَا﴾ تک اور ان کا کہنا ﴿رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا﴾ الخ چونکہ ان امور سے حضور ﷺ کو رنج و غم ہوتا تھا، اس لئے صبر کا حکم اور بعض انبیاء علیہم السلام کے قصے کا بیان فرماتے ہیں کہ وہ بھی کامل صبر کرنے والے تھے، اور ان قصوں میں مذکورہ تسلی کے علاوہ انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں نبوت کی تائید بھی ہے۔

تسلی اور داؤد علیہ السلام کا پہلا قصہ:

آپ ان لوگوں کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو (عبادت میں، جس میں صبر بھی شامل ہے) بڑی قوت (اور ہمت) والے تھے (اور) وہ (اللہ کی طرف) بہت متوجہ ہونے والے تھے (اور ہم نے انہیں یہ نعمتیں عطا فرمائی تھیں، ایک یہ کہ) ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ (شریک ہو کر) شام اور صبح (کہ یہ داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے اوقات تھے، تسبیح کیا کریں، اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی (یہی حکم دے رکھا تھا) جو کہ (تسبیح کے وقت ان کے پاس) جمع ہو جاتے تھے (اور مذکورہ پہاڑوں اور پرندوں میں سے) سب ان کی (تسبیح کی) وجہ سے ذکر میں مشغول رہتے تھے اور (دوسری نعمت یہ کہ ہم نے ان کی سلطنت کو نہایت قوت دی تھی اور (تیسری نعمت یہ کہ) ہم نے انہیں حکمت (یعنی نبوت) اور فیصلہ کر دینے والی بات (جو نہایت واضح اور جامع ہو) کی صلاحیت بخشی تھی (اور اس بڑی سلطنت کے باوجود جو اکثر حالات میں آدمی کو آپے سے باہر کر دیتی ہے وہ نبوت کے نور کی برکت سے نہایت صبر و ضبط کرنے والے تھے۔ چنانچہ ان سے متعلق خبروں سے ثابت ہے) اور (ہاں! صبر پر دلالت کرنے والی ان خبروں میں سے) بھلا آپ کو ان مقدمہ والوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟ (جو داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ لائے تھے) جب کہ وہ لوگ (داؤد علیہ السلام کے) عبادت خانہ کی دیوار چھاند کر داؤد (علیہ السلام) کے پاس آئے (کیونکہ دروازہ میں سے پہرہ داروں نے اس وجہ سے نہیں آنے دیا کہ وہ آپ کی عبادت کا خاص وقت تھا، جھگڑوں اور مقدموں کے فیصلوں کا وقت نہیں تھا) تو وہ (ان کے اس بے قاعدہ طور پر آنے سے) گھبرا گئے (کہ کہیں یہ لوگ دشمن نہ ہوں کہ قتل کے ارادہ سے تنہائی میں اس طرح آگئے ہوں) وہ لوگ (ان سے) کہنے لگے کہ آپ ڈریں نہیں، ہم دو معاملہ والے ہیں کہ ایک نے دوسرے پر (کچھ) زیادتی کی ہے (ہم

اس کے فیصلے کے لئے آئے ہیں، چونکہ پہرہ داروں نے نہیں آنے دیا، اس لئے ہم اس طرح آئے ہیں) تو آپ ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے۔ اور نا انصافی نہ کیجئے اور ہمیں (معاملہ کا) سیدھا راستہ بتا دیجئے (پھر ان دونوں میں سے ایک شخص بولا کہ مقدمہ کی صورت یہ ہے کہ) یہ شخص میرا بھائی ہے (دین کے اعتبار سے جیسا کہ ابن مسعود کی روایت سے الدر میں ہے، یا ملاقات کے اعتبار سے، اور) اس کے پاس ننانوے دنیاں ہیں اور میرے پاس (صرف) ایک دنی ہے تو یہ کہتا ہے کہ تو وہ بھی مجھے دیدے اور باتوں میں مجھے دبا لیتا ہے (کہ اپنی منہ زوری کی وجہ سے میری بات چلنے نہیں دیتا) داؤد (علیہ السلام) نے کہا کہ یہ جو تمہاری دنی اپنی (دنیوں میں ملانے کی بات کرتا ہے تو واقعی تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک (لوگوں کی عادت ہے کہ) ایک دوسرے پر (یوں ہی) زیادتی کیا کرتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں، اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں (یہ بات مظلوم کی تسلی کے لئے فرمائی) اور داؤد (علیہ السلام) کو خیال آیا کہ (اس واقعہ کے پیش آنے میں حکمت یہ ہے کہ) ہم نے ان کا امتحان لیا ہے (کہ دیکھیں یہ کیسے صبر کرنے والے اور تحمل کرنے والے ہیں، کیونکہ ایسے بڑے جلیل القدر سلطان کے خاص خلوت خانہ میں کسی کا بغیر اجازت اور پھر اس بے ہوشی سے گھس آنا پھر بات چیت اس انداز سے کرنا کہ اول تو یہ کہنا کہ ڈر مت، جس سے بات کرنے والے کا بڑا اور مخاطب کا چھوٹا ہونا ظاہر ہوتا ہے، پھر یہ کہنا کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور نا انصافی مت کرنا، جس سے خیال ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ سے نا انصافی کا بھی احتمال ہے۔ اور ان مضمونوں کے باہم ملنے سے ﴿اٰھٰیٰنَا﴾ الخ کی دلالت بھی اس کے قریب قریب معلوم ہوتی ہے کہ اس کے خلاف کا بھی احتمال ہے جس میں واجب کو چھوڑ دینے کی تہمت لازم آتی ہے اگرچہ مناجات میں یہ کلمہ بے ادبی کا سبب نہیں، کیونکہ اول تو مناجات اور تضرع اس خیال کے لئے رکاوٹ ہے۔ دوسرے حق تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں جس سے خرابی لازم آتی ہے۔ غرض ان کی تمام باتیں اور عمل و حرکت نہایت درجہ کی گستاخی پر گستاخی ہے، لہذا اس میں داؤد علیہ السلام کے صبر و تحمل کا امتحان ہو گیا کہ کہیں سلطنت کے زور میں ان لگاتار گستاخیوں پر پکڑ کرتے ہیں اور اس مقدمہ کو ملتوی کر کے دوسرا مقدمہ قائم کرتے ہیں یا نبوت کے نور کے غلبہ سے معاف فرماتے ہیں اور اس مقدمہ کو انتہائی عدل و انصاف کے ساتھ بغیر غیظ و غضب کے شائبہ کے فیصلہ فرماتے ہیں، چنانچہ آپ امتحان میں صابر ثابت ہوئے، اور مقدمہ کو نہایت ٹھنڈے دل کے ساتھ سنا اور انصاف و ایمان داری کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔ لیکن انبیاء علیہم السلام جس قدر جلیل الشان اور عدل و انصاف کے جس اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں انہی کا جو تقاضا ہے، اس سے بظاہر دور اتنا ہلکا سا امر یہ پیش آ گیا کہ شرعی دلیل کے قیام کے بعد کہ وہ چاہے بیان ہو یا اقرار بجائے اس کے کہ صرف ظالم سے یہ خطاب فرماتے کہ تو نے ظلم کیا، اس مظلوم سے خطاب فرمایا کہ اس نے تجھ پر ظلم کیا، جس سے طرف داری کی ایک صورت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور اگرچہ مظلوم ہونے کی حیثیت سے یہ طرف داری بھی خاص طور سے مقدمہ

ختم ہو جانے کے بعد عبادت ہے، لیکن مقدمہ کافرین ہونے کی حیثیت سے اور مقدمہ والوں کی مجلس نہ بدلنے اور ایک ہی مجلس میں مختلف فریقوں کے جمع ہونے کی حیثیت سے جانب داری کے اس ذرا سے خیال کا بھی نہ ہونا زیادہ عدل و انصاف اور کمال کا سبب ہوتا) اس لئے (داؤد علیہ السلام نے انتہائی تقویٰ کی وجہ سے اتنی سی بات کو بھی صبر کے کمال میں خلل پیدا کرنے والا اور امتحان میں ثبات کے خلاف سمجھا، اور) انھوں نے (اپنے رب کے سامنے) (اس سے بھی) توبہ کی اور سجدہ میں گر پڑے اور (خاص طور پر اللہ کی طرف) متوجہ ہوئے تو ہم نے انہیں وہ (امر) معاف کر دیا (اور اس سے صبر کے کمال پر ملنے والے ان کے اجر میں جو کمی ہوتی، اس کی کو دور کر دیا) اور ایسے ہلکے امر پر توبہ اور سجدہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں ان کے لئے (خاص) قرب کا درجہ اور (اعلیٰ درجہ کا) نیک انجام (یعنی جنت کا اعلیٰ درجہ) ہے (اور مغرب لوگوں اور اچھے انجام والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ ذرا سی بات کو بھی اپنے لئے بہت بڑی سمجھتے ہیں، جب کہ داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے تو ہم نے ان کا دل بڑھانے کے لئے خاص طور پر خطاب فرمایا کہ) اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین پر حاکم بنایا ہے تو (جس طرح اب تک کرتے رہے ہو، اس طرح آئندہ بھی) لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور (جس طرح اب تک کبھی نفسانی خواہش کی پیروی نہیں کی، اسی طرح) آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ (اگر ایسا کرو گے تو) وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی (اور) جو لوگ اللہ کے راستہ سے بھٹکتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہوگا، اس وجہ سے کہ وہ حساب کے دن کو بھولے رہے (یہ بات دوسروں کو سنا دی، جو بھٹک رہے ہیں)۔

فائدہ: پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کی تحقیق سورہ سبا آیت ۱۰ میں گزر چکی ہے۔ اور ﴿فَقَدْ نَبِّئُ﴾ کی تفسیر میں ایک قول مشہور ہے جس میں ایک بی بی سے نکاح کرنے کا واقعہ ہے، مگر تحقیق کرنے والوں نے اس کو باطل قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے کہا ہے: اکثر ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیہا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ لکن روی ابن ابی حاتم ہنا حدیثا لا یصح سندہ لآلہ من رواۃ یزید الرقاشی عن انس ویزید وإن کان من الصالحین لکنہ ضعیف الحدیث عند الأئمة: یعنی ”اس سلسلہ کی اکثر باتیں اسرائیلی روایتوں سے لی گئی ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ سے کوئی بھی ایسی حدیث ثابت نہیں ہے جس کا اتباع کرنا واجب ہو البتہ ابن ابی حاتم نے اس سلسلہ میں ایک حدیث روایت کی ہے جس کی سند صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی یزید الرقاشی ہے جس نے انس سے روایت کیا ہے اور یزید اگرچہ نیک و صالح لوگوں میں سے ہیں، لیکن حدیث کے اماموں کے نزدیک وہ حدیث کے سلسلہ میں ضعیف ہیں“ اور تفسیر خازن میں ہے: روی سعید بن المسیب والحارث الأعور عن علی بن ابی طالب أنه قال من حدثکم بحديث داؤد علی ما یروہ القصاص جلدتہ مائۃ وستین جلدۃ وهو حد

القریۃ علی الانبیاء: یعنی ”سعید بن المسیب اور الحارث الاحمر نے علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے: انھوں نے کہا کہ تم سے جو شخص داؤد علیہ السلام کے بارے میں وہ حدیث بیان کرے جو روایت کی جاتی ہے، اس کو ۱۶۰ درے مارے جائیں کہ یہ انبیاء پر بہتان لگانے کی سزا ہے“ اور تفسیر حقانی میں اس قصہ کا ماخذ صموئیل کی کتاب کو کہا ہے جب کہ اس کتاب کے بارے میں آج تک اہل کتاب بھی یہ نہیں بتا سکے کہ اس کا مصنف کون ہے، البتہ وہ یہود میں تاریخ کی ایک کتاب (کے طور پر) رائج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے بغیر ثبوت کے الہامی کتاب فرض کر لیا۔ اور بعض نے بغیر تحقیق کے داؤد علیہ السلام کے ﴿لَقَدْ ظَلَمَكَ﴾ کہہ دینے کی تفسیر میں کہا ہے کہ اگرچہ اس کا مقصد اس شرط کے ساتھ کہنا ہے کہ ”اگر تمہارے اس بھائی نے ایسا کیا ہے“ لیکن الفاظ میں یہ شرط نہیں لگائی، لیکن بعض نے نقل کیا ہے کہ جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا آپ نے اس کے اقرار کے بعد ﴿لَقَدْ ظَلَمَكَ﴾ فرمایا، لہذا اس تاویل کی گنجائش نہیں رہی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں افراد کی گستاخیوں پر غصہ آ گیا تھا۔ اس کی وجہ سے استغفار کیا، مگر یہ لوگ غصہ آنا ثابت نہیں کر سکتے اور بندہ نے جو تفسیر کی ہے اس کی بنیاد خود قرآنی نص ہے، اور ﴿بِأَصْحَابِ عَدُوٍّ﴾ کے ساتھ اس قصہ کا یاد دلانا اس امر کا قرینہ ہے کہ اس میں بھی ان کی باتوں پر صبر تھا، چاہے دونوں جگہ باتوں میں کفر اور بے ادبی کا اختلاف ہو^(۱)۔ البتہ اس امر کا خیال ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اس کو بنیاد سمجھا ہو، تو چونکہ دوسری تفسیروں کی بنیاد بھی خود قرآن میں نہیں، اس لئے یہ تفسیر دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔

اور ﴿وَلَا تَكْفُرُوا بِالْأَحْكَامِ﴾ سے ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سانچے داری ہوگی اور شاید معاملہ کی صورت ایسی ہو کہ جس سے ظلم کرنے والا کوئی چال چل سکتا تھا، اور ممکن ہے کہ خلطاء خلط ملط ہونے اور مل جل کر رہنے کے معنی میں ہو، اور چاہے دو فریقوں میں یہ قصہ واقع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو کہ ویسے ہی بات بنائی ہو یا فرشتے ہوں کہ امتحان کے لئے بھیجے گئے ہوں اور مقصود ایک فرضی سوال ہو۔ ایسی صورت میں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بِإِلَافٍ خَلَقْتَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا، قَوْلُ الَّذِينَ كَفَرُوا
مِنَ النَّارِ﴾ اَمْرٌ يُجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ اَمْرٌ يُجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿٥٠﴾
كِتَابُ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرُوا أَلْوَالِ الْأَلْبَابِ ﴿٥١﴾

ترجمہ: اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان موجود ہیں اُن کو خالی از حکمت نہیں پیدا کیا۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں۔ سو کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے یعنی دوزخ۔ ہاں تو کیا ہم ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے (۱) یہ متصل ہے اور اس جملہ کے ساتھ بندہ نے جو تفسیر کی ہے اس کی بنیاد خود قرآنی نص ہے الخ مطلب یہ کہ اس کی بنیاد قرآن میں نص ہونا تو یقینی ہے مگر یہ امر محض گمان ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اس کو بنیاد سمجھا ہو اور وہ بنیاد یہ قول ہے ﴿لَقَدْ ظَلَمَكَ﴾

اور انھوں نے اچھے کام کئے اُن کے برابر کر دیں گے جو دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا ہم پر ہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے۔ یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں۔

رابطہ: اوپر واؤد علیہ السلام کا قصہ تھا اور اب جلدی دوسرے قصے آتے ہیں؛ لیکن واؤد علیہ السلام کے قصے سے پہلے جو توحید، رسالت اور بعثت سے متعلق مضمون بیان ہوا تھا، اس کے اہتمام اور تاکید کے لئے قصوں کے درمیان میں پھر اسی مضمون کو دوسرے عنوان سے دہرایا ہے۔ چنانچہ اگلی تین آیتوں میں سے پہلی آیت میں توحید پر استدلال ہے اور دوسری آیت میں بعثت پر اور تیسری آیت میں رسالت پر استدلال ہے۔ اور ان آیتوں کا قریب کی آیتوں سے بھی یہ ربط ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے توحید پر دلالت ہے اور ﴿يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ یعنی حساب کے دن میں بعثت کی طرف اشارہ ہے اور پھر ان سب مضمونوں کا قرآن میں ہونا قرآن کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے، پھر ان تینوں آیتوں میں آپس میں بھی ربط ہے، چنانچہ پہلی آیت کے آخر میں جہنم کا ذکر ہے جو بعثت کے دن کے واقعوں میں سے ہے، اور دوسری آیت میں ایمان، نیک عمل اور تقویٰ کا ذکر ہے جس کا حاصل قرآن پر عمل ہے۔

توحید، بعثت اور رسالت پر مختصر انداز میں استدلال:

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں بغیر حکمت کے پیدا نہیں کیا (بلکہ بہت سی حکمتیں ہیں، جن میں سب سے بڑی حکمت توحید پر دلالت ہے) یہ (یعنی ان کا بغیر حکمت کے ہونا جو کہ توحید کا انکار ہے جو کہ سب سے اعظم حکم ہے، لازم آتا ہے) ان لوگوں کا خیال ہے کہ جو کافر ہیں (کیونکہ جب توحید کا انکار کیا تو بڑی حکمت کا انکار کر دیا) تو کافروں کے لئے (آخرت میں) بڑی خرابی ہے یعنی جہنم (کیونکہ وہ دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود توحید کا انکار کرتے تھے) ہاں (ان کافروں کی ایک اور غلطی یہ ہے کہ وہ قیامت کا انکار کر کے بھی ہماری ایک عظیم حکمت کے منکر ہیں، کیونکہ ہم نے ایسی نقلی و قطعی دلیلوں سے جن کا صحیح ہونا عقل سے ثابت ہے، صراحت کے ساتھ بتا دیا کہ قیامت میں یہ حکمت ہے کہ نیک لوگوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور فساد پھیلانے والوں کو ان کی غلطیوں اور برائیوں کی سزا ہو، اور یہ اس کے منکر ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ یہ حکمت واقع نہ ہو، بلکہ سب برابر ہیں) تو کیا ہم ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے ان کی برابر کر دیں گے، جو (کفر وغیرہ کر کے) دنیا میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں یا (دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ کیا) ہم پر ہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے (یعنی ہم نے جس حکمت کے واقع کرنے کا ارادہ کیا تھا جو اس کی نفی کے لئے لازم ہو وہ باطل ہے، لہذا بعثت کا انکار باطل ہے اور جس طرح توحید اور بعثت دلیل سے ثابت ہے، اسی طرح رسالت بھی دلیل سے ثابت ہے۔ چنانچہ) یہ (قرآن) ایک برکت والی کتاب ہے جسے ہم

نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں (یعنی ان کے معجزہ ہونے میں بھی اور ان کے مضمونوں کے بہت زیادہ نفع والا ہونے میں بھی غور کریں جو کہ برکت کا حاصل ہے) اور تاکہ (غور کر کے اس کی حقیقت معلوم کر کے اس سے) سمجھدار لوگ فصاحت حاصل کریں (یعنی اس پر عمل کریں، اس ذکر و یاد دہانی میں رسالت کا اعتقاد بھی آگیا، اور شریعت کے باقی امور بھی آگئے)

فائدہ: دوسری آیت کے مضمون سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جزا و سزا کا واجب ہونا عقلی امر ہے یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے اور نہایت تعجب ہے کہ کشاف نے اس مقام کی جو وضاحت کر دی ہے پچھلے تمام مفسر اس کو نقل کرتے چلے گئے اور کسی نے معتزلہ کے اس دھوکہ و فریب پر دھیان نہیں دیا۔ الحمد للہ! کہ حق تعالیٰ نے بندہ پر فضل فرمایا کہ آیت کی تفسیر میں کافی غور و فکر کیا تو اللہ نے اہل سنت کے عقیدہ اور اصول کے مطابق دل میں بات ڈال دی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جزا و سزا کا خود اپنے آپ واقع ہونا واجب نہیں، بلکہ سچی خبر کے ملانے کے بعد اس کا واقع ہونا واجب ہے، یعنی یہ واجب عقلی نہیں بلکہ واجب نقلی ہے، ہاں اس نقل کی صحت عقلی ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس کا واقع نہ ہونا حکمت کے خلاف ہونے کی وجہ سے محال ہے تو اس کا واقع ہونا واجب ہوا۔ جواب یہ ہے کہ خود اس حکمت کا واقع ہونا ہی واجب نہیں، بلکہ اس کا واقع ہونا صرف جائز ہے، اگر قیامت واقع نہ ہوتی تو اس وقت اسی میں حکمت ہوتی مگر چونکہ اس جائز حکمت کا واقع ہونا قطعی دلیل سے معلوم ہو گیا تو اب اس حکمت کا انکار یا مخالفت کرنا کفر اور برا ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے۔

اور اگر مشہور تفسیر کی طرح ﴿مَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ﴾ الخ کو بھی قیامت کی حکمت کے بیان پر محمول کیا جائے تو اس کی وضاحت یہ ہو جائے گی کہ ہم نے آسمان اور زمین کو بغیر حکمت کے پیدا نہیں کیا، بلکہ حکمت سے پیدا کیا، اور جن نصوص کا صحیح ہونا عقل کی صحت سے ثابت ہو گیا کہ اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ لوگ اس سے نفع حاصل کریں۔ اور نفع حاصل کرنے کی نعمت کا شکر ادا کریں اور اس شکر میں اطاعت، بجالائیں اور اس شکر و طاعت پر وعدہ کے مطابق آخرت میں ثمرہ ملے اور جو ناشکری کرے وہ نقصان اٹھائے اور ﴿ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ میں اس جزا و سزا کے نہ ہونے کے گمان کو کفر اس لئے فرمایا کہ اس میں شریعت سے ثابت امر کا جھٹلانا لازم آتا ہے، بہر حال مذکورہ حکمت کے واقع ہونے کی ضرورت کے لئے وہ اپنے آپ میں ممکن ہے، نقلی دلیل کا شامل ماننا ضروری ہے۔

اور دوسری آیت میں ایک عنوان سے دوسرے عنوان کی طرف رخ کرنا شاید اس وجہ سے ہو کہ مومنوں میں ایمان کی صفت اور کافروں میں فساد پھیلانے کی برائی کافروں کے نزدیک اس قدر واضح نہیں تھی کہ وہ ایمان کو ایمان ہی نہ سمجھتے تھے اور وہ اپنے کفر کو فساد ہی نہ سمجھتے تھے۔ دوسرے عنوان کے برخلاف اس لئے کہ بہت سے امور عقلی برائیاں ہیں اور مومنوں

کا ان سے بچنا اور کافروں کا ان میں مبتلا ہونا خود کافر بھی سمجھتے تھے اور دیکھتے تھے۔

﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعَمَ الْعَبْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ اِذْ عَرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصُّفُفُ الْهَيَاذُ ۝ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۚ حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوَهَا عَلَيَّ فَنُفِثَ مِنْهَا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَداً ثُمَّ أَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ فَخَرَّضْنَا لَهُ الْيَزِيدَ تَجَرَّي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝ وَالشَّيَاطِينُ كُلٌّ بَنَاءٌ وَغَوَاصٌ ۝ وَالْأَخْيَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَإِن لَّهِ عِندَنَا لُزْلَفَىٰ وَحُسْنُ صَاقٍ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا۔ بہت اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہونے والے تھے، جبکہ شام کے وقت ان کے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے تو کہنے لگے کہ میں اس مال کی محبت میں اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ میں چھپ گیا۔ ان گھوڑوں کو ذرا پھر تو میرے سامنے لاؤ سو انھوں نے اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ اور ہم نے سلیمان کو امتحان میں ڈالا اور ہم نے ان کے تحت پر ایک دھڑلا ڈالا پھر انھوں نے رجوع کیا۔ دعا مانگی کہ اے میرے رب! میرا قصور معاف کر اور مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو آپ بڑے دینے والے ہیں۔ سو ہم نے ہوا کو اُن کے تابع کر دیا کہ وہ اُن کے حکم سے جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کا تابع کر دیا یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور موتی وغیرہ کے لئے غوطہ خوروں کو بھی۔ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔ یہ ہمارا عطیہ ہے سو خواہ دو یا نہ دو تم سے کچھ دارو گیر نہیں۔ اور ان کے لئے ہمارے یہاں قرب اور نیک انجامی ہے۔

رابط: اوپر کا مضمون قصوں کے درمیان میں آگیا تھا اب پھر قصے بیان کئے جا رہے ہیں۔

دوسرا قصہ: سلیمان علیہ السلام کا، جس میں دو قصے شامل ہیں:

اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو سلیمان (علیہ السلام) صاحبزادہ عطا کیا، وہ بہت اچھے بندے تھے کہ (اللہ کی طرف) بہت متوجہ ہونے والے تھے (چنانچہ ان کا وہ قصہ یاد کرنے کے قابل ہے) جب کہ شام کے وقت ان کے سامنے خوب سدھے (اور) تیز دوڑنے والے (عمدہ) گھوڑے (جو جہاد وغیرہ کی غرض سے رکھے جاتے تھے) پیش کئے گئے (اور ان کے دیکھنے میں اتنی دیر ہو گئی کہ دن چھپ گیا، اور کچھ معمول نماز کی قسم کا فوت ہو گیا۔ جیسا کہ الدر المنکھور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور ہیبت اور جلیل الشان ہونے کی وجہ سے کسی خادم کی جرأت نہیں ہوتی کہ متوجہ کرتا۔ جیسا کہ الدر المنکھور

میں ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ پھر خود ہی (دھیان ہوا) تو کہنے لگے کہ (افسوس) میں اس مال کی محبت میں (لگ کر) اپنے رب کی یاد (یعنی نماز) سے غافل ہو گیا۔ یہاں تک کہ سورج (مغرب کے) پردہ میں چھپ گیا (پھر خادموں کو حکم دیا کہ) ان گھوڑوں کو ذرا پھر سے میرے سامنے لاؤ (چنانچہ لائے گئے) تو انھوں نے ان (گھوڑوں) کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (تکوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا (جیسا کہ الدر میں حسن سند سے مرفوع روایت ہے، یعنی انہیں ذبح کر ڈالا۔ اس کو تصوف کی اصطلاح میں غیرت کہتے ہیں کہ جو چیز اللہ سے غفلت کا سبب ہو جائے، اس کو اپنے پاس نہ رہنے دیں۔ ان کا ایک قصہ تو یہ ہوا) اور (دوسرا قصہ یہ ہے کہ) ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو (ایک اور طرح سے بھی) امتحان میں ڈالا جیسا کہ شیخین کی حدیث میں ہے کہ ایک بار سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے سرداروں پر جہاد میں ان کی کسی کوتاہی پر خفا ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں آج رات اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا کہ ان سے ستر مجاہد پیدا ہوں گے۔ فرشتہ نے دل میں ڈالا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجئے، مگر آپ کو کچھ خیال نہ رہا، چنانچہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس سے بھی ایک نامکمل بچہ پیدا ہوا جس کے صرف ایک طرف کا دھڑ تھا) اور (اسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ) ہم نے ان کے تخت پر ایک (ادھورا) دھڑ ڈالا (یعنی جنم دلانے والی دایہ نے آپ کے سامنے تخت پر لا رکھا کہ یہ پیدا ہوا ہے جیسا کہ الروح میں ہے) پھر وہ (اللہ کی طرف) متوجہ ہوئے (اور ان شاء اللہ نہ کہنے پر توبہ کی اور ایسے ہلکے امر سے توبہ کرنا اور چونکنا دین میں کامل طور پر عادت و قائم رہنے کی دلیل ہے، اس کو امتحان میں پورا اترنا کہیں گے۔ اور اس وقت ان کے دل میں خیال آیا کہ مجھ سے جہاد کے سلسلہ میں جو یہ دو غلطیاں ہوئی ہیں ایک سوار یوں کے جمع کرنے میں اور دوسری سوار مہیا کرنے میں تو گزشتہ غلطیوں سے توبہ کر کے آئندہ کے لئے ایسی دعا کرنی چاہئے کہ اس سامان کی ضرورت ہی نہ پڑے جو معمول اور عادت کے مطابق مہیا کیا جاتا ہے جس میں پھر اس غلطی کا اندیشہ ہو، اس لئے اللہ سے) دعا مانگی کہ اے میرے رب! میرا (بچھلا) قصور معاف فرما دے اور (آئندہ کے لئے) مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے سوا (میرے زمانہ میں) کسی کو میسر نہ ہو (چاہے غیب سے اپنی طرف سے سامان عطا فرما دیجئے چاہے اس زمانہ کے سلطانوں اور بادشاہوں کو ویسے ہی دبا دیجئے کہ وہ مقابلہ نہ کر سکیں، اور) آپ بڑے دینے والے ہیں، آپ کے لئے اس دعا کا قبول کر لینا کچھ دشوار نہیں) تو (ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ان کی خطا بھی معاف فرمادی اور) ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ (جانا) چاہتے نرمی سے چلتی (کہ اس کی وجہ سے گھوڑوں سے بے نیاز ہو گئے) اور جنوں کو بھی ان کے تابع کر دیا یعنی عمارتیں بنانے والوں کو بھی اور موتی وغیرہ کے لئے غوطے لگانے والوں کو بھی اور دوسرے جنوں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے (غالباً جو سوہنی گئی خدمتیں انجام دینے سے بچتے ہوں یا ان میں کوتاہی کرتے ہوں انہیں قید کی سزا ہوتی ہوگی۔ جیسا کہ ابن کثیر نے کہا ہے اس طرح ان جنوں کی وجہ سے آدمیوں سے جن میں سوار بھی آگئے بے نیازی ہو گئی اور

سب سلطانوں کو ان سے پست اور مغلوب کر دیا اور ہم نے یہ سامان دے کر ارشاد فرمایا کہ یہ ہمارا عطیہ ہے تو چاہے (کسی کو) دو یا نہ دو، تم پر کوئی پکڑ نہیں (یعنی جتنا سامان ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں خزاچی اور مگرانی کرنے والا نہیں بنایا جاتا جس طرح دوسرے بادشاہ اپنے ملکوں کے خزانوں کے مالک نہیں ہوتے محض انتظام کرنے والے ہوتے ہیں، بلکہ تمہیں مالک ہی بنادیا ہے مالک کے طور پر استعمال کرنے کا اختیار دیدیا ہے تو اس سے واجب حقوق کو ادا نہ کرنے میں اختیار لازم نہیں آتا) اور (اس سامان کے علاوہ جو انہیں دنیا میں عطا ہوا تھا) ان کے لئے ہمارے پاس قرب کا درجہ اور (اعلیٰ درجہ کا) نیک انجام ہے (جس کا ثمرہ اور نتیجہ پوری طرح آخرت میں ظاہر ہوگا)

فائدہ: یہ نماز جو رہ گئی تھی اگر نفل تھی تب تو کوئی اشکال نہیں مگر انبیاء کی شان اعظم ہوتی ہے، اس لئے انھوں نے اس کی بھی حلائی کی اور اگر فرض تھی تو بھول چوک میں گناہ نہیں ہوتا، اور یہ پنڈلیوں اور گردنوں کا کاٹ ڈالنا مال کا تلف کرنا نہیں تھا، بلکہ قربانی کے طور پر تھا اور پنڈلیوں کے کاٹنے کو شاید خون اور روح کے نکلنے سے آسانی ہونے کی وجہ سے اختیار کیا ہو، جیسا کہ الروح میں ہے۔ مگر ہماری شریعت میں پنڈلیوں کے کاٹنے کی اجازت نہیں جیسا کہ اتریلعی نے طبرانی سے روایت کیا۔ اور ہوا کو تالیح کرنے سے متعلق سورہ انبیاء آیت ۸۱ ﴿وَلْيُسَلِّمْنَ الْبَزْجَ عَاصِفَةً﴾ میں ملاحظہ کے قابل کچھ ضروری مضمون گزر چکا ہے۔ اور جن اگرچہ لطیف، ہمیں نظر نہ آنے والے اور ہماری پکڑ میں نہ آنے والے ہوتے ہیں تو ان کی قید انہی کے مناسب ہوگی، جیسا کہ اب بھی عملیات کے حوالہ سے سنا جاتا ہے۔

اور ”ان شاء اللہ تعالیٰ“ زبان سے نہ کہنا بھی گناہ نہیں تھا، دل میں ہونا کافی ہے لیکن انتہائی قریبی تعلق ہونے کی وجہ سے اس پر بھی متوجہ کیا گیا۔ اور اگر سلیمان علیہ السلام کا قصہ صرف داؤد علیہ السلام کے قصہ کا باقی حصہ ہے جیسا کہ اس پر ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ﴾ دلالت کرتا ہے تب تو ان کے لئے مستقل طور پر صبر کے اثبات کی ضرورت نہیں۔ اور اگر قصہ مستقل طور پر مقصود ہے اور اس کو بھی ﴿وَاضْبِدْ عَلٰی مَا يَقُولُونَ﴾ کی تائید کے لئے یاد دلایا ہے تو اس میں صبر کے اثبات کی ضرورت ہے۔ تو جہاد کے قصہ میں صبر یہ ہوا کہ اتنے کثیر مال کی کچھ پروانہ کی، یہ دین میں ثابت رہنے کی دلیل ہے کہ صبر کی حقیقت یہی ہے، اور دھڑ کے قصہ میں توبہ کرنا بھی اس کے باوجود کہ یہ معصیت یعنی نافرمانی نہیں تھی، دین میں ثابت رہنے کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

﴿وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ ۖ إِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۖ أَرْكَضَ بِرَجْلِكَ هَذَا مَغْسَلُ بَارِدٍ وَشَرَابٌ ۖ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرًا لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۖ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ ۚ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۖ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ إِنَّكَ أَوَّابٌ ۖ﴾

ترجمہ: اور آپ ہمارے بندہ ایوب کو یاد کیجئے جبکہ انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا

ہے۔ اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا۔ اور ہم نے اُن کو اُن کا کنبہ عطا فرمایا اور اُن کے ساتھ اُن کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور اہل عقل کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے۔ اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو اور اس سے مار لو اور قسم نہ توڑو۔ بیشک ہم نے اُن کو صابر پایا۔ اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہوتے تھے۔

تیسرا قصہ: ایوب علیہ السلام کا:

اور آپ ہمارے بندہ ایوب (علیہ السلام) کو یاد کیجئے جب کہ انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت رنج اور تکلیف میں ڈال دیا ہے (یہ رنج اور تکلیف بعض مفسروں کے قول کے مطابق وہ ہے جو احمد نے کتاب الزہد میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک بار شیطان طبیب کی شکل میں ایوب علیہ السلام کی بیوی کو کہیں راستہ میں ملا، انھوں نے اس کو طبیب سمجھ کر علاج کی درخواست کی، اس نے کہا کہ میں اس شرط پر علاج کر سکتا ہوں کہ اگر انہیں شفا ہو جائے تو بس یہ کہہ دینا کہ انہیں تو نے شفا دی، میں اور کچھ بدلہ یا نذرانہ نہیں چاہتا۔ انھوں نے ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا: تو انھوں نے فرمایا: بھلی مانس! شفا تو صرف اللہ کے اختیار میں ہے وہ یقیناً شیطان تھا۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دیدے تو میں تجھے سو گچیاں ماروں گا، جیسا کہ الدر المنکور میں ہے۔ اس طرح آپ کو سخت رنج ہوا کہ میری بیماری کی وجہ سے شیطان کا یہاں تک حوصلہ بڑھ گیا کہ خاص میری بیوی سے ایسے الفاظ کہلانا چاہتا ہے جو ظاہر میں شرک کا سبب ہیں، چاہے تاویل کی وجہ سے شرک نہ ہو، اگرچہ ایوب علیہ السلام بیماری کے دور ہونے کے لئے پہلے بھی دعا کرتے تھے جیسا کہ سورۃ الانبیاء آیت ۸۳ میں ہے: ﴿اِنِّیْ مَسْتَعِیْ الضُّرَّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِ﴾ مگر اس واقعہ کی وجہ سے اور زیادہ گڑ گڑا کر دعا کی اور گڑ گڑانے ہی کی وجہ نصب اور عذاب دو لفظ جمع کئے گئے، لہذا ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور حکم دیا کہ اپنا پاؤں (زمین پر) مارو (چنانچہ انھوں نے زمین پر پاؤں مارا تو وہاں ایک چشمہ پھوٹ نکلا جیسا کہ احمد نے الزہد میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ الدر میں ہے۔ چنانچہ ان سے ہم نے کہا کہ) یہ (تمہارے لئے) نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا (یعنی اس میں نہاؤ اور پیو بھی، چنانچہ وہ اس میں نہائے اور اس میں سے پیابھی اور بالکل اچھے ہو گئے) اور ہم نے انہیں ان کا کنبہ عطا فرمایا۔ اور ان کے ساتھ (گنتی میں) ان کے برابر اور بھی (دیئے) اپنی خاص رحمت کے سبب سے اور عقل والوں کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے (یعنی عقل والے یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو کیسی جزا دیتے ہیں۔ اور اب ایوب علیہ السلام نے اپنی قسم پوری کرنے کا ارادہ کیا، مگر چونکہ ان کی بیوی نے ان کی خدمت بہت کی تھی اور انھوں نے کوئی معصیت و نافرمانی بھی نہیں کی تھی، اس لئے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کے لئے نرمی فرمائی) اور (ارشاد فرمایا کہ اے ایوب!) تم اپنے ہاتھ میں ٹکوں کا ایک مٹھا لو (جس میں سوتیکے ہوں) اور (اپنی بیوی کو) اس سے مار لو (اپنی) قسم نہ توڑو (چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آگے ایوب علیہ السلام کی تعریف ہے کہ) بے شک ہم نے انہیں (بڑا) صبر کرنے

خالی نہیں تھے تو ہم کس کتنی میں ہیں) اور وہ (حضرات) ہمارے یہاں چنے ہوئے اور سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں (یعنی چنے ہوئے لوگوں میں سے بھی سب سے بڑھ کر ہیں، چنانچہ ظاہر ہے کہ انبیاء دوسرے ولیوں اور صالح و نیک لوگوں سے افضل ہوتے ہیں) اور اسماعیل اور الیاس اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو بھی یاد کیجئے۔ اور یہ سب بھی سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں۔

فائدہ: ان حضرات کے قصہ سے ﴿وَاصْبِرْ عَلٰٓا مَا یَقُولُوْنَ﴾ کی تائید ان کے ”سب سے اچھے“ ہونے سے ہو سکتی ہے، کیونکہ مبراخیا یعنی ”سب سے اچھے“ ہونے کی صفت کے موصوف ہونے پر موقوف ہے اور حضرت ذوالکفل کا قصہ سورہ انبیاء آیت ۸۵ و ۸۶ میں گزر چکا ہے اور الیاس علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر اپنا نائب مقرر کیا، پھر انہیں نبوت عطا ہوئی، جیسا کہ الروح میں ابن جریر سے روایت ہے۔

﴿ هٰذَا ذِكْرٌ وَّ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَّآبٍ ۝ جَدَّتْ عَدِيْنٌ مُّفْتَحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝ مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ۝ وَ عِنْدَهُمْ قُصِرَتُ الظُّلُمُ الْاَتْرَابُ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَّفَادٍ ۝ هٰذَا وَاِنَّ لِلظَّالِمِيْنَ لَشَرَّ مَّآبٍ ۝ جَهَنَّمَ يَصْلُوْنَهَا فَيَلْسَنُ الْيَهُادُ ۝ هٰذَا ۝ فَلْيَذُوقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۝ وَاٰخِرُ مِنْ شَكْلِهٖ اَرْوَاجٌ ۝ هٰذَا قَوْفٌ مُّفْتَحُوْهُ مَعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۝ اِنَّهُمْ صَالُوْا النَّارَ ۝ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۝ اَنْتُمْ قَدْ مَتَمَمْتُمْ لَنَا فَيَلْسَنُ الْقَرَارُ ۝ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فِرْدَوْسًا مَّذَابًا ضَعُفًا فِي النَّارِ ۝ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝ اَتُخَذَتْهُمْ سَخِرِيًّا اَمْ رَاٰتُكُمُ الْاَبْصَارُ ۝ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَافُوْهُ اَهْلُ النَّارِ ۝﴾

ترجمہ: ایک نصیحت کا مضمون تو یہ ہو چکا اور پرہیزگاروں کے لئے اچھا ٹھکانا ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے اُن کے واسطے کھلے ہوئے، وہ ان باغوں میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے، وہ وہاں بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوا دیں گے۔ اور اُن کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر ہوگی۔ یہ وہ ہے جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے۔ بیشک یہ ہماری عطا ہے اس کا کہیں ختم ہی نہیں، یہ بات تو ہو چکی۔ اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہے یعنی دوزخ، اس میں وہ داخل ہوئے سو بہت ہی بری جگہ ہے۔ یہ کھولنا ہوا پانی اور پیپ ہے سو یہ لوگ اُس کو چکھیں اور بھی اسی قسم کی طرح طرح کی چیزیں ہیں۔ یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ گھس رہے ہیں ان پر خدا کی مار۔ یہ بھی دوزخ ہی میں آرہے ہیں۔ وہ کہیں گے بلکہ تمہارے ہی اوپر خدا کی مار۔ تم ہی تو یہ ہمارے آگے لائے۔ سو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جو شخص اس کو ہمارے آگے لایا ہو اُس کو دوزخ میں دو تا عذاب دیجئے۔ اور وہ لوگ کہیں

کے کہ کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم بُرے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے۔ کیا ہم نے اُن کی ہنسی کر رکھی تھی یا اُن سے لگا ہیں چکرار ہی ہیں۔ یہ بات یعنی دوزخیوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے۔

رابطہ: اور ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ﴾ سے ﴿أُولَٰئِكَ لَآلِبَابُ﴾ تک توحید، مجازات اور رسالت کے متعلق مجمل مضمون تھا، اب کسی قدر مفصل ہے۔

مجازات کی تفصیل:

ایک نصیحت کا مضمون تو یہ ہو چکا (نبیوں کے قصے مراد ہیں کہ جھٹلانے والوں کے لئے اس میں نبوت کے مسئلہ کا اثبات ہے اور تصدیق کرنے والوں کے لئے اس میں اچھے اخلاق اور فضیلتوں والے اعمال کی تعلیم ہے) اور (جزا و سزا سے متعلق دوسرا مضمون اب شروع ہوتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ) پرہیزگاروں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے، یعنی ہمیشہ رہنے کے باغ، جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہوں گے (ظاہر مراد یہ ہے کہ وہ پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿حَقَّقْ إِذَا جَاءَهَا وَقِيَّتْ﴾ ابوابُھا الخ) وہ ان باغوں میں نکلے لگائے بیٹھے ہوں گے (اور) وہ وہاں (جنت کے خادموں سے) بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگاویں گے اور ان کے پاس لگا ہنسی رکھنے والی ہوں گی، برابر کی عمر کی (حوریں مراد ہیں۔ اے مسلمانو!) یہ (جس کا اوپر ذکر ہوا) وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے حساب کا دن آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے، بے شک یہ ہمارا (عطا کیا ہوا) رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں (یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی نعمت ہے)۔

یہ بات تو ہو چکی (جو اچھی قسمت اور اچھے نصیب والوں سے متعلق تھی) اور آگے بد قسمت اور برے نصیب والوں سے متعلق مضمون ہے اور وہ یہ ہے کہ (نافرمان باغیوں کے لئے) (یعنی کفر کے معاملہ میں جن کا اتباع کیا جاتا تھا ان کے لئے) برا ٹھکانا ہے یعنی جہنم، وہ اس میں داخل ہوں گے تو بہت ہی بری جگہ ہے، یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ (موجود) ہے۔ تو یہ لوگ اس کو چمکیں اور (اس کے علاوہ) اسی طرح کی اور بھی قسم قسم کی (ناگوار اور تکلیف کا سبب بننے والی) چیزیں (موجود) ہیں (انہیں بھی چمکیں اور جو اتباع کرنے والے تھے، ان کے لئے بھی یہی چیزیں ہیں، اگرچہ پہلے اور بعد میں اور زیادہ شدت اور کم شدت کا فرق ہو، باقی خود عذاب میں سب شریک ہیں۔ چنانچہ جن کا اتباع کیا جاتا تھا جب وہ پہلے داخل ہو چکیں گے پھر اتباع کرنے والے آئیں گے تو جن کا اتباع کیا جاتا تھا وہ آپس میں کہیں گے کہ لو! یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ (عذاب میں شریک ہونے کے لئے جہنم میں) گھس رہے ہیں۔ ان پر اللہ کی مارا یہ بھی جہنم ہی میں آ رہے ہیں) (یعنی اگر کوئی ایسا آتا جو عذاب کا مستحق نہ ہوتا تو اس کے آنے کی خوشی بھی ہوتی اور اس کی آؤ بھگت بھی کرتے، یہ تو خود بھی جہنمی ہیں، ان سے کیا امید؟ اور ان کے آنے کی کیا خوشی؟ اور کیا آؤ بھگت؟) وہ (اتباع کرنے والے

ان لوگوں سے جن کا وہ اتباع کرتے تھے) کہیں گے کہ بلکہ تمہارے ہی اوپر اللہ کی مار! (کیونکہ) تم ہی تو یہ (مصیبت) ہمارے سامنے لائے (کیونکہ تم ہی نے ہمیں بہکایا تھا) تو (جہنم) بہت ہی برا ٹھکانا ہے (جو تمہاری بدولت ہمارے آگے آگے آیا۔ اس کے بعد جب ان میں ہر شخص دوسرے پر الزام رکھنے لگا تو اس وقت اتباع کرنے والے ان سے بات کرنا چھوڑ کر حق تعالیٰ سے) دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جو شخص (مصیبت) کو ہمارے سامنے لایا ہو، اس کو جہنم میں دو گنا عذاب دیجئے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَهُؤُلَاءِ أَضَلُّونَ﴾ فَاتَّبِعْهُمْ عَذَابًا بَاطِلًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ)۔

اور وہ لوگ (یعنی جن کا اتباع کیا جاتا تھا یا سارے جہنمی آپس میں) کہیں گے کہ کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو (جہنم میں) نہیں دیکھتے جن کی ہم برے لوگوں میں گنتی کیا کرتے تھے؟ (یعنی مسلمانوں کو غلط راستہ پر اور حقیر و ذلیل سمجھا کرتے تھے) وہ کیوں نظر نہیں آتے؟ کیا ہم نے ان کا (یوں ہی) مذاق بنا رکھا تھا (اور وہ اس قابل نہیں تھے؟ اور جہنم میں نہیں آئے؟) یا (جہنم میں موجود ہیں، مگر وہ آنکھوں سے اوجھل ہیں) کہ انہیں آنکھیں دیکھ نہیں پاتیں، مطلب یہ کہ عذاب کے ساتھ یہ ایک اور حسرت ہوگی، اور یہ بات یعنی جہنم والوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے (کہ ضرور ہوگا)

فائدہ: ﴿هَذَا قَوْمٌ مُّفْتَحَتٌ مَّعَكُمْ﴾ میں ساتھ ہونے سے مراد وقت اور زمانہ میں ساتھ ہونا نہیں بلکہ عذاب میں شریک ہونا مراد ہے۔ اور ﴿مُفْتَحَةٌ﴾ کے بیان میں ”ظاہر“ میں اس لئے کہا کہ بعض نے ﴿وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ میں واؤ کو زاید کہا ہے اور اس کے قائل ہوئے ہیں کہ جنت کے دروازے جنت والوں کے پہنچنے کے بعد کھلیں گے اس صورت میں ﴿مُفْتَحَةٌ﴾ میں صرف کھلنے کا ذکر ہوگا پہلے کھلے ہونے کی قید نہ ہوگی، لیکن واؤ کا زاید ہونا ظاہر کے خلاف ہے، اور برابر کی عمر کی عورتوں کا بعض طبیعتوں کو محبوب و پسند نہ ہونا بلکہ اپنے سے کم عمر والیوں کا محبوب ہونا، دنیا میں اس لئے ہوتا ہے کہ کم عمر والی میں حسن و جمال اور ناز و انداز زیادہ ہوتے ہیں اور چونکہ وہاں یہ صفتیں حوروں میں بھرپور انداز میں ہوں گی اس لئے ہم عمری اور برابر کی عمر محبوب ہونے میں رکاوٹ نہیں ہوگی۔ بلکہ اور زیادہ مناسبت اور انسیت کا ذریعہ ہوگی اور یہ ہم عمری و برابر کی عمر زمانہ کے اعتبار سے نہیں ہوگی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ شکل و عادت اور ظاہری حالت برابر کی عمروں جیسی ہوں گی۔ واللہ اعلم

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ وَمَا مِّنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ قُلْ هُوَ نَبِؤُا عَظِيمٌ ۝۱۸۰ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝۱۸۱ مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَآئِكَةِ إِلَّا عَلَىٰٓ لَٰذِخَتِهِم مِّنْ عِلْمٍ ۝۱۸۲ إِن يُؤْتِيهِ بِشَيْءٍ فَإِنَّهُ يَهْدِيهِ ۝۱۸۳ إِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝۱۸۴﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈرانے والا ہوں اور بجز اللہ واحد غالب کے کوئی لائق عبادت کے نہیں وہ پروردگار

ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں، زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ ایک عظیم الشان مضمون ہے جس سے تم بے پروا ہو رہے ہو، مجھ کو عالم بالا کی کچھ خبر نہ تھی جبکہ وہ گفتگو کر رہے تھے۔ میرے پاس وحی محض اس سبب سے آتی ہے کہ میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

رابطہ: تینوں مضمونوں میں جن کا ابھی اوپر کی سرخی میں ذکر ہوا ہے، جزا و جزا کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ آگے نبوت اور توحید کا مضمون ہے اور چونکہ رسالت سے توحید کی تحقیق خوب ہوتی ہے اس لئے پوری سورت کی طرح یہاں بھی کلام، رسالت سے متعلق زیادہ ہے۔

توحید اور رسالت کی تحقیق:

آپ کہہ دیجئے کہ (تم جو رسالت اور توحید کے مسئلہ میں جھٹلاتے اور انکار کرتے ہو، تو اس میں تمہارا ہی نقصان ہے، میرا کچھ حرج و نقصان نہیں کیونکہ) میں تو (تمہیں صرف اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا (رسول) ہوں (چنانچہ ابھی اوپر جزا و جزا کے بیان میں عذاب سے ڈرایا بھی جا چکا ہے) اور (جس طرح میرا رسول اور ڈرانے والا ہونا واقعی ہے، اسی طرح توحید بھی امر حق ہے یعنی) اللہ کے سوا جو اکیلا اور غالب ہے۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں (اور وہ) زبردست (اور گناہوں کا) بڑا بخشنے والا ہے (اور چونکہ توحید کو تو کسی درجہ میں وہ لوگ مانتے بھی تھے اور رسالت کے بالکل ہی منکر تھے، اس لئے رسالت کی مزید تحقیق کے لئے ارشاد ہے کہ اے رسول! ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ یہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا مجھے توحید اور شریعت کے احکام و امور کی تعلیم کے لئے رسول بنانا جو گذشتہ کلام سے ظاہر ہے) ایک عظیم الشان مضمون ہے جس (کا تمہیں بڑا اہتمام کرنا چاہئے مگر افسوس کہ اس) سے تم (بالکل ہی) بے پروا ہو رہے ہو (اور اس کے ﴿نَبُؤًا عَظِيمًا﴾ یعنی عظیم الشان مضمون ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی خوش نصیبی کا حاصل کرنا اس کے اعتقاد کے بغیر ناممکن ہے۔ آگے رسالت کے اثبات کی ایک دلیل ہے۔ وہ یہ کہ) مجھے اوپر والے عالم (کی بحث و گفتگو) کی (کسی ذریعہ سے) کچھ بھی خبر نہ تھی جب کہ وہ (آدم کے پیدا کرنے کے بارے میں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اللہ تعالیٰ سے فائدہ اٹھانے والی) بحث کر رہے تھے (کیونکہ خبر و اطلاع کا ذریعہ یا تو مشاہدہ یعنی آنکھوں سے دیکھنا ہے اور وہ موجود نہیں ہے، یا نقل ہے تو اہل کتاب سے میرا ملنا جلنا نہیں یا غیب سے خبروں کا آنا ہے تو یہ متعین ہے۔ چنانچہ اس سے ثابت ہو گیا کہ) میرے پاس (جو) وحی آتی ہے جس کے ذریعہ اوپر والے عالم کے احوال بھی معلوم ہوتے ہیں تو وہ) صرف اس لئے آتی ہے کہ میں (اللہ کی جانب سے) صاف صاف ڈرانے والا (مقرر کر کے بھیجا گیا) ہوں (یعنی چونکہ مجھے نبوت و رسالت ملی ہے اس لئے وحی نازل ہوتی ہے لہذا واجب ہے کہ تم میری نبوت و رسالت کی تصدیق کرو)

فائدہ: اللہ تعالیٰ سے فرشتوں کی گفتگو کو مجاز کے طور پر اختصام یعنی جھگڑایا بحث کہا ہے کہ ظاہر میں بحث جیسی تھی جیسا کہ الحازن میں ہے۔

﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقُ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝۱۰۱ وَاِذَا سَوَّیْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدٰتٍ ۝۱۰۲ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجَمُوْنَ ۝۱۰۳ اِلَّا اِبْلِیْسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝۱۰۴ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیْ ۝۱۰۵ اَسْتَكْبَرْتَ ۝۱۰۶ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعٰلِیْنَ ۝۱۰۷ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ ۝۱۰۸ قَالَ فَاخْرِجْهُ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۝۱۰۹ وَاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۱۱۰ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝۱۱۱ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝۱۱۲ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝۱۱۳ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا اُغْوِیْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۱۱۴ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِیْنَ ۝۱۱۵ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ اَقُوْلُ ۝۱۱۶ لَا مَلٰٓئِكَۃَ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَرَمٰنَ تَبَعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۱۱۷﴾

ترجمہ: جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان کو بنانے والا ہوں۔ سو میں جب اُس کو پورا بنا چکوں اور اُس میں اپنی جان ڈال دوں تو تم سب اُس کے زور و سجدہ میں گر پڑنا۔ سو سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ وہ غرور میں آگیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس! جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اُس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کون چیز مانع ہوئی۔ کیا تو غرور میں آگیا یا یہ کہ تو بڑے درجہ والوں میں ہے۔ کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو خاک سے پیدا کیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ تو آسمان سے نکل کیونکہ بیشک تو مردود ہو گیا۔ اور بیشک تجھ پر میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک۔ کہنے لگا تو پھر مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔ ارشاد ہوا تو تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی۔ کہنے لگا تو تیری عزت کی قسم! کہ میں ان سب کو گمراہ کرونگا بجز آپ کے اُن بندوں کے جو اُن میں منتخب کئے گئے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ میں سچ کہتا ہوں اور میں تو سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں تیرا ساتھ دے اُن سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔

رابطہ: اوپر ملا اعلیٰ یا عالم بالا یا اوپر کے یعنی فرشتوں کے عالم کی گفتگو یا بحث کے وقت کے حالات کے وحی کے ذریعہ علم حاصل ہونے سے رسالت پر استدلال تھا۔ اب آدم علیہ السلام کے قصہ میں ان حالات کا بیان ہے اور یہ قصہ گذشتہ قصوں کے ساتھ رسالت کی تائید میں تو مشترک ہے اور صبر کی تعلیم کے اعتبار سے مشترک نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس کا قصد نہیں ہے اور اگرچہ اس قصہ میں مذکورہ بحث و گفتگو کا بیان نہیں ہے لیکن بحث و گفتگو کے زمانہ کے واقعات کا بیان ہے، لہذا ﴿إِذْ قَالَ﴾ ﴿إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾ سے بدل ہو جائے گا اور وہ ایک محذوف سے متعلق ہو جائے گا، جس کا یہ موقع تقاضہ

کر رہا ہے یعنی ماکان لی علم بحال الملا الاعلی وقت الاختصاص اور قصہ اس حال کی تفصیل ہوگا۔ لہذا یہ شبہ نہیں رہا کہ یہاں بحث و گفتگو کا تو بیان نہیں کیا اور سورہ بقرہ کا حوالہ دینا اس لئے ظاہر کے خلاف ہے کہ وہ سورت مدنی ہے اور نازل ہونے میں سورت ص کے بعد ہے، خوب سمجھ لیا جائے۔

دسواں قصہ: آدم علیہ السلام کا:

(وہ بحث و گفتگو جس کا ذکر ہوا اس وقت ہوئی تھی) جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں ایک انسان کو (اس کے پتلے کو) گارے سے بنانے والا ہوں تو جب میں اس کو (یعنی اس کے جسمانی اعضا کو) پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی (طرف سے) جان ڈال دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا تو (جب اللہ تعالیٰ نے اس کو بنالیا تو) سارے کے سارے فرشتوں نے (آدم علیہ السلام کو) سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ اس نے گھمنڈ کیا، اور کافروں میں سے ہو گیا، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ابلیس! جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا (یعنی جس کے ایجاد کی طرف خاص طور سے اللہ نے توجہ فرمائی یہ تو اس کا اپنے آپ میں شرف ہے پھر اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم بھی دیا گیا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿إِذْ أَمَرْتُكَ﴾) سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟ کیا تجھے گھمنڈ ہو گیا (جب کہ تو واقع میں بڑا نہیں ہے) یا یہ کہ تو (واقع میں تو ایسے) بڑے درجہ والوں میں ہے (جس کو سجدہ کا حکم ہی کرنا مناسب نہیں) کہنے لگا کہ (دوسری بات واقع ہے یعنی) میں آدم سے بہتر ہوں (کیونکہ) آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور (آدم) کو مٹی سے پیدا کیا ہے (لہذا مجھے حکم دینا کہ اس کے سامنے سجدہ کروں، حکمت کے خلاف ہے) ارشاد ہوا تو (اچھا پھر) یہاں (آسان) سے نکل کیونکہ بے شک تو (اس حرکت کی وجہ سے) مردود ہو گیا اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت رہے گی (اور اس کے بعد رحم کے لائق ہونے کا احتمال ہی نہیں) کہنے لگا (کہ اگر مجھے آدم کی وجہ سے مردود کیا ہے) تو پھر مجھے (مرنے سے) قیامت کے دن تک مہلت دیجئے (تا کہ ان سے اور ان کی اولاد سے خوب بدلہ لوں) ارشاد ہوا (جب تو مہلت مانگتا ہے) تو (جا) تجھے اس دن تک کی مہلت ہے جس کا وقت مجھے معلوم ہے، کہنے لگا (جب مجھے مہلت مل گئی) تو (مجھے بھی) تیری (ہی) عزت کی قسم (ہے) کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا، سوائے آپ کے ان بندوں کے جنہیں آپ نے خالص کر لیا ہے (یعنی آپ نے انہیں میرے اثر سے محفوظ رکھا ہے) ارشاد ہوا کہ میں سچ کہتا ہوں اور میں تو (ہمیشہ) سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان میں سے جو تیرا ساتھ دیں، ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

فائدہ: سورہ اعراف اور سورہ حجر میں اس قصہ کے الفاظ ان آیتوں کے الفاظ سے ہی ملتے جلتے ہیں، ان سے متعلق ضروری مضمون ان دو مقاموں میں ملاحظہ فرمائے جائیں اور آدم کی پیدائش کا مادہ کہیں ﴿طِیْنٍ﴾ آیا ہے۔ کہیں ﴿تُرَابٍ﴾ اور کہیں ﴿صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ اور ان سب میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کہیں قرہی مادہ بتا دیا اور کہیں

دور کا مادہ۔ اور ﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ کا اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ سے بدل ہونا تمہید میں لکھا گیا ہے اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کا قول تھا تو یہ بھی آپ کا قول ہونا چاہئے تو اس صورت میں رہک کی بجائے رہی ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ یہ آپ کا قول حق تعالیٰ کی عبارت میں ہے۔

﴿قُلْ مَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُبْتَكَفِیْنَ ۝۱۸ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۱۹ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهُۥۤ اَبْعَدَ حٰثِیْنَ ۝۲۰﴾

۱۸
۱۹
۲۰

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس قرآن پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں۔ قرآن تو دنیا جہان والوں کے لئے بس ایک نصیحت ہے اور تمہوڑے دنوں پیچھے تم کو اس کا حال معلوم ہو جاوے گا۔ ربط: اوپر سورت کی تمہید میں رسالت کا سورت کا حاصل ہونا بیان ہو چکا ہے۔ جس پر مناظرہ کے انداز میں خاتمہ فرمایا جا رہا ہے۔

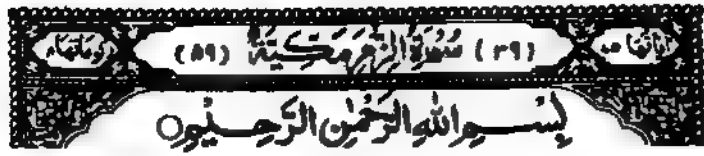
رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے سلسلہ میں نصیحت سے بھرے ہوئے کلام پر خاتمہ:

آپ (عذر ختم کرنے، حجت پوری کرنے اور آخری قطعی قول کے طور پر) کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس قرآن (کی تبلیغ) پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ ہی میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں (کہ بناوٹ کے طور پر نبوت کا دعویٰ کیا ہو، اور جو چیز قرآن نہ ہو اس کو قرآن کہہ دیا ہو۔ یعنی اگر جھوٹ بولتا تو اس کا مقصد یا تو کوئی عقلی نفع ہوتا، جس کو اجر کہا ہے یا کوئی ایسی طبعی عادت ہوتی جس کو تکلف یعنی بناوٹ کہا ہے۔ تو یہ دونوں ہی امر نہیں ہیں۔ بلکہ واقع میں) یہ قرآن تو (اللہ کا کلام اور) دنیا جہان والوں کے لئے بس ایک نصیحت ہے (جس کی تبلیغ کے لئے مجھے نبوت ملی ہے اور جس میں سراسر تمہارا ہی نفع ہے) اگر حق کے واضح ہونے کے بعد بھی نہیں مانتے تو تمہوڑے دنوں بعد تمہیں اس کا حال معلوم ہو جائے گا (یعنی مرتے ہی حقیقت کھل جائے گی کہ یہ حق تھا اور انکار باطل تھا، مگر اس وقت معلوم ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا)

فائدہ: اس سورت میں قرآن کی تین جگہ تعریف ہے اور تینوں ہی جگہ اس کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ پہلی جگہ ﴿ذٰلِكَ الَّذِیْ﴾ درمیان میں ﴿لَیْتَنَزَّلُ﴾ اور آخر میں ﴿ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾۔

﴿بِحَمْدِ اللّٰهِ! سورہ ص کی تفسیر ۱۵ ربیع الاول بروز پیر سنہ ۱۳۲۵ھ میں پوری ہوئی۔ والحمد للہ

والسلام علی رسول اللہ وعلی جمیع انبیاء اللہ وأولیاء اللہ وأصفیاء اللہ﴾



شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابطہ: جس طرح گذشتہ سورت میں زیادہ تر مضامین رسالت سے متعلق تھے، اس سورت میں زیادہ ترک مضامین توحید سے متعلق ہیں اس کا اثبات، اس کا وجوب، اس کی تصدیق کرنے والوں کی تعریف و جزاء، اس کی ضد یعنی شرک کا باطل ہونا، شرک سے روکنا، منع کرنا، توحید کو جھٹلانے والوں یعنی مشرکوں کی برائی اور سزا اور دونوں فریقوں کا موجودہ اور مستقبل کے انجام کا فرق وغیرہ کا ذکر توحید سے متعلق مضمونوں میں سے خاص اہتمام کے ساتھ ہوا ہے، کہیں مختصر انداز میں اور کہیں تفصیل کے ساتھ، کہیں پاس ہی پاس کئی کئی مضمون ہیں اور باقی مضمون اس کے تابع ہیں، جیسے قرآن کا حق ہونا جس سے سورت شروع ہوئی ہے۔ اس طرح گذشتہ سورت کے ختم سے بھی رابطہ ہو گیا کہ قرآن توحید کا حکم دینے والا ہے، اسی لئے اس کے بعد ﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ﴾ کو کلمہ فاع سے شروع فرمایا۔ اور بعض دوسری آیتوں میں بھی قرآن کی برکتوں اور نفعوں کا اسی مناسبت سے ذکر ہے اور جیسے تسلی کا مضمون جو ﴿اَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ﴾ اور ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ﴾ الخ میں بیان ہوا ہے کہ توحید کا جھٹلانا بھی آپ کے لئے رنج و ملال کا سبب ہوتا تھا اور جیسے گناہوں کی مغفرت کا وعدہ کہ توحید کی برکتوں میں سے ہے وغیرہ جو غور و فکر کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ ۱۰ ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا بِالْحَقِّ فَاَعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ﴾ ۱۱ ﴿اَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللَّهِ زُلْفًى اِنَّ اللَّهَ يَكُفِّرُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ اِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾ ۱۲ ﴿لَوْ اَرَادَ اللَّهُ اَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَّا صُطْفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ سُبْحٰنَهُ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ۱۳ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يَكُوْنُ اَيْلٌ عَلَى النَّهَارِ وَيَكُوْنُ النَّهَارُ عَلَى الْاَيْلِ وَسَعَرَتِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ كُلٌّ يَجْرٰى لِاجَلٍ مُّسَمًّى اِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ﴾ ۱۴ ﴿خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِنْ اَلْعُلَمِ ثَمْنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ اُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِى ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۚ ذٰلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاتَّعِزُّوْنَ﴾ ۱۵

ترجمہ: یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے۔ ہم نے ٹھیک طور پر اس کتاب کو آپ کی طرف نازل کیا ہے سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہئے۔ یاد رکھو عبادت جو کہ خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں، تو ان کے باہمی اختلافات کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو جھوٹا اور کافر ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو ضرور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب فرماتا، وہ پاک ہے۔ وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے زبردست ہے۔ اُس نے آسمان اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک وقت مقرر تک چلتا رہے گا۔ یاد رکھو کہ وہ زبردست ہے بڑا بخشنے والا ہے۔ اس نے تم لوگوں کو تن واحد سے پیدا کیا پھر اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لئے آٹھ نروادہ چار پایوں کے پیدا کئے۔ وہ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے تین تاریکیوں میں۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب اُسی کی سلطنت ہے، اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ سو تم کہاں پھرے چلے جا رہے ہو؟

تمہید: توحید کا حق ہونا اور شریک قرار دینے کا باطل ہونا اور قرآن کا برحق ہونا:

یہ غالب حکمت والے اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے (کہ اس کے غالب ہونے کا تقاضا تھا کہ جو اس کو جھٹلائے اسے سزا دیدی جائے، مگر چونکہ وہ حکیم بھی ہے اور مہلت میں مصلحت تھی، اس لئے سزا میں مہلت دے رکھی ہے) ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف ٹھیک طور سے نازل کیا ہے، تو آپ (قرآن کی تعلیم کے مطابق) خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہئے (جیسا کہ اب تک کرتے رہے ہیں اور جب آپ پر بھی یہ واجب ہے تو دوسروں پر کیوں نہیں واجب ہوگا؟ اے لوگو!) یاد رکھو کہ جو عبادت (شرک سے) خالص ہو، وہ اللہ ہی کے لائق ہے (یعنی توحید سب پر واجب ہے) اور جن لوگوں نے (خالص عبادت کو چھوڑ کر) اللہ کے سوا دوسرے شریک تجویز کر رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی پوجا صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں درجہ میں اللہ کے قریب کر دیں (یعنی ہماری حاجتوں و ضرورتوں کو یا عبادتوں کو اللہ کے حضور میں پیش کر دیں جیسا کہ دنیا میں سلطانوں کے دربار میں وزیر اس کام کے لئے ہوتے ہیں) تو ان کے (اور ان کے مقابلہ میں ایمان والوں کے) آپسی اختلافات کا (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ (عملی) فیصلہ کر دے گا (کہ توحید والوں کو جنت میں اور شرک والوں کو جہنم میں داخل کر دے گا، یعنی ان لوگوں کے نہ ماننے پر آپ غم نہ کریں، ان کا فیصلہ وہاں ہوگا، اور اس کا بھی تعجب نہ کریں کہ دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود یہ سیدھے راستہ پر نہیں آتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو سیدھے راستہ پر نہیں لاتا جو (بات کرنے میں) جھوٹا اور (اعتقاد میں) کافر ہو (یعنی زبان سے کفر والی باتوں اور دل سے کفر والے عقیدوں پر اصرار کرتا ہو، اور اس سے باز نہ آنے کا اور حق کو طلب کرنے کا ارادہ ہی نہ کرتا ہو۔ تو

اس کے اس عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی اس کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا اور چونکہ مشرکوں میں بعض لوگ اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے تھے، جیسے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ آگے ان کا رد ہے کہ اگر (فرض کرو) اللہ تعالیٰ (کسی کو اولاد بناتا تو اس وجہ سے کہ اللہ کے ارادہ کے بغیر کوئی فعل واقع نہیں ہوتا پہلے وہ خود اولاد بنانے کا ارادہ کرتا، اور اگر کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو (چونکہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا سب مخلوق ہیں، اس لئے) ضرور اپنی مخلوق (ہی) میں سے جس کو چاہتا (اس امر کے لئے) منتخب فرماتا (اور لازم باطل ہے، کیونکہ) وہ (عیبوں سے) پاک ہے (اور کسی دوسری جنس سے اولاد ہونا عیب ہے، لہذا مخلوق کا اولاد کے طور پر منتخب ہونا محال ہے لہذا اولاد اختیار کرنے کا ارادہ بھی محال اور جس پر کوئی چیز موقوف ہوا اگر وہ محال ہو تو اس سے خود موقوف کا محال ہونا لازم آتا ہے۔ لہذا ارادہ کے محال ہونے سے اختیار کرنے کے فعل کا محال ہونا بھی لازم ہوا۔ لہذا شرک کی یہ صورت بھی باطل ہوئی چنانچہ ثابت ہو گیا کہ) وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے (کہ اس وقت اس کا کوئی شریک نہیں اور) زبردست ہے (اس کا کوئی شریک ہونا بالقوہ بھی ممکن نہیں، کیونکہ قوت و ملاحیت جب ہوتی جب کوئی ویسا ہی زبردست ہوتا اور ایسا ہے نہیں۔

آگے توحید کی دلیل ارشاد فرماتے ہیں کہ) اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا۔ وہ رات (کے اندھیرے) کو دن (کی روشنی کے محل یعنی ہوا) پر لپیٹتا ہے (جس سے دن غائب ہو جاتا ہے اور رات آ موجود ہوتی ہے) اور دن (کی روشنی) کو رات (کے اندھیرے کے محل یعنی ہوا) پر لپیٹتا ہے (جس سے رات غائب اور دن موجود ہو جاتا ہے) اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ (ان میں) ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا، یاد رکھو کہ (ان دلیلوں کے بعد توحید کے انکار سے عذاب کا اندیشہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی قدرت بھی رکھتا ہے، کیونکہ) وہ زبردست ہے (لیکن اگر انکار کے بعد بھی کوئی تسلیم کر لے تو گزشتہ انکار پر عذاب بند دے گا، کیونکہ وہ) بڑا بخشنے والا (بھی) ہے (اس سے توحید کی ترغیب اور شرک سے ترہیب یعنی ڈرانا ہو گیا۔

اور اوپر آفاقی دلیلوں سے استدلال تھا۔ آگے خود انسان کی ذات کی دلیلوں سے استدلال ہے، اگرچہ بعض دلیلیں آفاق سے متعلق بھی تابع کے طور پر آگئی ہیں، یعنی) اس نے تم لوگوں کو ایک ہی ذات (یعنی آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا (کہ پہلے وہ ایک ذات پیدا ہوئی) پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا (اس سے حوا مراد ہیں، آگے پھر ان سے تمام آدمی پھیلا دیئے) اور (تمہیں پیدا کرنے کے بعد) تمہارے (باقی رہنے کے نفع کے) لئے آٹھ نرمادہ چوپایوں کے پیدا کئے (جن کا ذکر سورۃ الانعام آیت ۱۴۲ تا ۱۴۴ میں آیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر اس لئے کہ یہ زیادہ کام میں آتے ہیں، یہی وہ جز ہے جو آفاقی دلیلوں میں سے تابع کے طور پر بیان ہو گیا۔ اور تابع کے طور پر اس لئے کہا گیا کہ اصل مقصود ذات کے باقی رہنے کا بیان کرنا ہے اور باقی رہنے کے اسباب میں سے ہے۔

آگے انسانی نسل کی پیدائش کی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ وہ تمہیں ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر (اور دوسری کیفیت کے بعد تیسری کیفیت پر اور اس طرح مختلف کیفیتوں پر کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے پھر علقہ یعنی جما ہوا خون اور پھر مضغہ یعنی گوشت کا ٹوٹھڑا، اسی طرح آخر تک یعنی مکمل بچہ) بناتا ہے (اور یہ بنانا) تین اندھیروں میں (ہوتا ہے) ایک اندھیرا پیٹ کا، دوسرا رحم کا اور تیسرا اس جھلی کا جس میں بچہ لپٹا ہوتا ہے، اس طرح مختلف کیفیتوں میں پیدا ہونا قدرت کے کمال کی دلیل ہے اور تین اندھیروں میں پیدا کرنا علم کے کمال کی دلیل ہے) یہ ہے اللہ تمہارا رب (جس کی صفیتیں ابھی تم نے سنیں) اسی کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی پوجا کے لائق نہیں تو (ان دلیلوں کے بعد) تم کہاں (حق سے) پھرے چلے جا رہے ہو؟ (بلکہ واجب ہے کہ توحید کو قبول کرو اور شرک کو چھوڑ دو)

فائدہ: ایک ہی ذات سے اس کے جوڑے کے پیدا کرنے کا بیان سورہ نساء آیت ۱۷۱ میں ہو چکا ہے۔

﴿إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَلَا إِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ لِيَسَىٰ مَا كَانَ يَدْعُوًّا إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْتَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۚ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ أَمَنْ هُوَ قَائِلٌ أَنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَاللَّهُ أَوْسَعُ إِعْمَالًا ۝ يَتَّبِعُونَ الصُّبُورَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾

ترجمہ: اگر تم کفر کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارا حاجت مند نہیں اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو اُس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ پھر اپنے پروردگار کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہوگا سو وہ تم کو تمہارے سب اعمال جتلا دے گا۔ وہ دلوں تک کی باتوں کا جاننے والا ہے اور آدمی کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو اُسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے پاس سے نعمت عطا فرمادیتا ہے تو جس کے لئے پہلے سے پکار رہا تھا اُس کو بھول جاتا ہے اور خدا کے شریک بنانے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے آپ کہہ دیجئے اپنے کفر کی بہار تھوڑے دنوں اور لوٹ لے تو دوزخیوں میں سے ہونے والا ہے۔ بھلا جو شخص اوقات شب میں سجدہ و قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت

کی امید کر رہا ہو، آپ کہتے کہ کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں۔ وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہل عقل ہیں آپ کہتے کہ اے میرے ایمان والے بندو! تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو۔ جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں، اُن کے لئے نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے۔ مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بیشمار ہی ملے گا۔

رابطہ: اوپر توحید کے حق ہونے اور شرک کے باطل ہونے کا مضمون تھا، اب کفر و شرک کا برا اور ناپسندیدہ ہونا اور کفر والوں کی مذمت اور اس پر ملامت و ڈرانا دھمکانا اور ایمان کا پسندیدہ ہونا اور ایمان و اخلاص والوں کی تعریف اور ان سے مزید رحم و مہربانی کا وعدہ ہے۔

مشرکوں کی مذمت و وعید اور مؤمنوں کی تعریف و وعدہ:

(اے لوگو! تم نے کفر اور شرک کا باطل ہونا سن لیا، اس کے بعد) اگر تم کفر کرو گے (جس میں شرک بھی داخل ہے) تو اللہ تعالیٰ (کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ وہ) تمہارا (اور تمہاری عبادت کا) ضرورت مند نہیں (کہ تمہارے عبادت اور توحید اختیار نہ کرنے سے اسے کوئی نقصان پہنچے) اور (یہ بات ضرور ہے کہ) وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا (کیونکہ کفر سے بندوں کو نقصان پہنچتا ہے) اور اگر تم شکر کرو گے (جس کا سب سے بڑا امر ایمان ہے اور دوسرے امر بھی اسی پر مؤثر ہیں) تو (اس کو کوئی نفع نہیں، مگر چونکہ تمہارا نفع ہے، اس لئے وہ) اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے، اور (چونکہ ہمارے یہاں قاعدہ مقرر ہے کہ) کوئی کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھاتا (اس لئے کفر کر کے یوں بھی نہ سمجھنا کہ ہمارا کفر کسی وجہ سے دوسرے کے نامہ اعمال میں درج ہو جائے گا اور ہم بری ہو جائیں گے۔ چاہے اس وجہ سے کہ ہم دوسروں کا اتباع کرنے والے ہیں، چاہے اپنے زمانہ والوں کے یا پہلے والے باپ دادا کے۔ چاہے اس وجہ سے کہ دوسرے اس کو اٹھالینے کا وعدہ کرتے ہیں، جیسا کہ بعض کافر کہا کرتے تھے ﴿وَلَنَجْزِيَنَّكَ خُطْبُكَ﴾ غرض یہ نہ ہوگا، بلکہ تمہارا کفر تمہارے اعمال نامہ میں لکھا جائے گا) پھر تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہوگا، تو وہ تمہیں تمہارے سارے اعمال جتادے گا (اور سزا دے گا، لہذا یہ گمان بھی غلط ہے کہ ان اعمال کی پیشی کا وقت نہیں آئے گا اور) وہ دلوں تک کی باتوں کو جاننے والا ہے (لہذا یہ گمان بھی مت کرنا کہ شاید ہمارے کفر کی اس کو خبر نہ ہو۔ جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ بعض لوگوں میں گفتگو ہوئی کہ معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ ہماری بات سنتا ہے یا نہیں، کسی نے کچھ جواب دیا کسی نے کچھ جواب دیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ﴾ الخ) اور (مشرک) آدمی (کی حالت یہ ہے کہ اس) کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے (حقیقی) رب کو اس کی طرف متوجہ ہو کر پکارنے لگتا ہے (اور دوسرے تمام معبودوں کو بھول جاتا ہے) پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے (امن اور عیش و آرام کی) نعمت عطا فرمادیتا ہے تو جس (تکلیف کو دور کرنے) کے لئے پہلے سے (اللہ کو) پکار رہا تھا، اس کو بھول جاتا ہے (اور غافل ہو جاتا ہے) اور اللہ کے شریک بنانے لگتا ہے، جس کا اثر

(اپنی گمراہی کے علاوہ) یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے راستہ سے دوسروں کو (بھی) گمراہ کرتا ہے (اور اگر اس مصیبت کو اپنی نظر کے سامنے رکھتا تو اس کا تقاضا یعنی خالص توحید بھی باقی رہتا، یہ شرک کی مذمت ہوئی۔ آگے ملامت اور ڈرانا دو حکمانا ہے کہ) آپ (ایسے شخص سے) کہہ دیجئے کہ اپنے کفر کے ساتھ تھوڑے دنوں اور بہار لوٹ لو (پھر آخر کار) تم جہنم والوں میں سے ہونے والے ہو (آگے توحید والوں کی تعریف اور انہیں خوش خبری ہے، یعنی) بھلا جو شخص (مذکورہ شرک کے حال کے برعکس) رات کے وقتوں میں (جو عام طور سے غفلت کا وقت ہوتا ہے) سجدہ و قیام (یعنی نماز) کی حالت میں عبادت کر رہا ہو (یہ تو اس کا ظاہر ہوا اور باطن یہ ہو کہ) آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید (بھی) کر رہا ہو (کیا ایسا شخص اور مذکورہ مشرک برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ فرماں برداری کرنے والا، ہمیشہ عبادت کرنے والا، سجدے کرنے والا، نماز میں کھڑا رہنے والا، ڈرنے والا اور امید رکھنے والا پسندیدہ ہے اور مشرک جو مطلب نکال لینے کے بعد اخلاص کو چھوڑ دیتا ہے ناپسندیدہ، برا اور مذمت کا مستحق ہے اور چونکہ ان عبادتوں کو چھوڑنے کو کافر برا نہیں سمجھتے تھے، اس لئے اسی فرق کی بنیاد پر پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہونے کے حکم میں انہیں شک و شبہ ہو سکتا تھا اس لئے آگے اس سے زیادہ واضح انداز میں اور تسلیم کئے ہوئے عنوان سے اس حکم کا اثبات فرماتے ہیں، یعنی اے رسول اللہ ﷺ) آپ (ان سے اس عنوان سے) کہئے کہ کیا علم والے اور بے علم جاہل (کہیں) برابر ہوتے ہیں؟ (چونکہ جہالت کو ہر شخص برا سمجھتا ہے، اس لئے اس کے جواب میں ان کی طرف سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ بے علم جاہل برے و ناپسندیدہ ہیں۔ آگے یہ ثابت کرنا رہ جائے گا کہ عمل کرنے والا ہی علم والا ہے اور عمل سے منہ پھیرنے والا جاہل ہے تو یہ امر ذرا غور کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے اور اس کے باوجود کہ اس بیان سے کفر اور کفر والوں کا مذموم اور ایمان والوں کا محمود یعنی تعریف کے قابل ہونا ثابت ہو گیا، لیکن پھر بھی) وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں، جو (صحیح) عقل والے ہیں (اور جب اطاعت کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود، تعریف کے قابل ہونا ثابت ہو گیا تو اطاعت کی ترغیب دینے کے لئے) آپ (میری طرف سے مومنوں سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے ایمان والے بندو! تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو (یعنی ہمیشہ اطاعت و فرماں برداری کرتے رہو اور محصیت و نافرمانی سے بچتے رہو کہ یہ سب تقویٰ کی شاخیں ہیں، آگے اس کا ثمرہ ہے کہ) جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں، ان کے لئے نیک بدلہ ہے (آخرت میں تو ضرور اور دنیا میں بھی باطنی طور پر یعنی راحت ضرور ہے اور کبھی ظاہری طور پر بھی) اور (اگر وطن میں کوئی نیکی کے کام کرنے میں رکاوٹ بنے تو ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے جاؤ، کیونکہ) اللہ کی زمین بہت وسیع ہے (اور اگر وطن چھوڑ کر جانے میں کچھ تکلیف پہنچے تو دین پر مستقل طور پر قائم رہو، کیونکہ دین پر قائم رہنے والوں کو ان کا بدلہ بے حساب ہی ملے گا (لہذا اس سے اطاعت کی ترغیب ہوگئی)

فائدہ: بے حساب کنایہ ہے کثیر سے کیونکہ اشیا کی انتہا ثابت ہے۔

﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۚ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ۚ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رِبِّيَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۚ قُلِ اللَّهُ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ۚ فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونِهِ ۚ قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ أَلَا ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۚ لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذَلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهَ بِهِ عِبَادَهُ يُعْبَادُونَ فَاتَّقُوا ۚ وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَا بُوَا إِلَهِهِمْ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ ۖ فَبَشِّرْ عِبَادَ ۚ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۚ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ أَلَا أَنْتَ تُنقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۚ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَبْنِيَّةٌ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ وَغَدَّ اللَّهُ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ ۚ﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھوں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب مسلمانوں میں اول میں ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اسی کے لئے خالص رکھتا ہوں، سو خدا کو چھوڑ کر تمہارا دل جس چیز کو چاہے اُس کی عبادت کرو۔ آپ کہہ دیجئے کہ پورے زیاں کا رویہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے۔ یاد رکھو کہ صریح خسارہ یہ ہے۔ اُن کے لئے اُن کے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہونگے اور ان کے نیچے سے بھی آگ کے محیط شعلے ہونگے۔ یہ وہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو۔ اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ مستحق خوش خبری سنانے کے ہیں۔ سو آپ میرے اُن بندوں کو خوش خبری سنا دیجئے جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں۔ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو اہل عقل ہیں۔ بھلا جس شخص پر عذاب کی بات محقق ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو کہ دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں، لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، اُن کے لئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں۔ اُن کے نیچے نہریں چل رہی ہیں۔ یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے۔ اللہ وعدہ میں خلاف نہیں کرتا۔

رابطہ: اوپر کفر اور شرک کا ناپسندیدہ اور سخت وعید کا سبب ہونا اور ایمان اور اخلاص کا پسندیدہ اور مزید وعدہ کا سبب ہونا بیان ہوا تھا۔ اب ایمان و اخلاص کا صراحت کے ساتھ حکم دیا جاتا جو کہ اس کے پسندیدہ ہونے کا سبب ہے اور کفر و شرک سے ﴿وَإِنْ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ میں روکنا منع کیا جانا بیان کیا گیا ہے جو اس کے ناپسندیدہ ہونے اور مذکورہ وعدوں

ووعیدوں دونوں کا تفصیل کے ساتھ اور مکمل طور پر سبب ہے۔

ایمان کا حکم اور معصیت و نافرمانی سے روکنا اور ان کے ثمرات: جہنم و جنت:

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے (اللہ کی جانب سے) حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اس کے لئے خالص رکھوں (یعنی اس میں شرک کی ذرا بھی ملاوت نہ ہو) اور مجھے یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ (اس امت کے لوگوں میں) سارے مسلمانوں میں پہلا (اسلام کو حق ماننے والا) میں رہوں (اور ظاہر ہے کہ نبی کا احکام کو قبول کرنے میں پہلا ہونا ضروری ہے اور) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اگر (بالفرض والحال) میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں (جس کے ماننے کا (اوپر حکم ہوا ہے) تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا (کہ وہ قیامت کا دن ہے) اندیشہ ہے (مطلب یہ ہے کہ خالص توحید کا واجب ہونا اور اس کو ترک کرنے یعنی چھوڑنے پر عذاب کا مستحق ہونا، ایسا عام ہے کہ معصوم یعنی جو چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ ہو اور جس میں معصیت یعنی نافرمانی کا احتمال ہے ہی نہیں، وہ بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہے تو پھر غیر معصوم تو کس گنتی میں ہے اور) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (جس بات کا مجھے حکم ہوا ہے جس کا ابھی ذکر ہوا ہے تو اس پر عمل کا پابند ہوں، چنانچہ) میں تو اللہ ہی کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنی عبادت کو اس کے لئے خالص رکھتا ہوں (کہ اس میں شرک کی ذرا بھی ملاوت نہیں) تو (ویسے تو تمہیں بھی ایسی ہی شرک سے خالی عبادت اختیار کرنی چاہئے، لیکن اگر تم نہیں مانتے تو تم جانو اور) اللہ کو چھوڑ کر تمہارا دل جس چیز (کی عبادت) کو چاہے اس کی عبادت کرو (قیامت کے دن اس کا نقصان اٹھاؤ گے اور) آپ (ان سے یہ بھی) کہہ دیجئے کہ پورے نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے تعلق رکھنے والوں سے قیامت کے دن نقصان میں رہیں (یعنی انہیں نہ اپنی جان سے نفع اور فائدہ ہوگا کہ راحت اور نجات نصیب ہوتی اور نہ تعلق رکھنے والوں سے فائدہ اور نفع ہو۔ کیونکہ اگر وہ نجات پانے والے ہوئے تو دوری ظاہر ہے اور اگر وہ بھی ان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے نجات سے محروم رہے تب بھی جہنم میں جمع ہو جانا نفع اور فائدہ کا سبب نہیں ہو سکتا) یاد رکھو کہ کھلا نقصان یہی ہے (کہ قیامت کے دن جو کہ آخری فیصلہ کا دن ہے نقصان میں واقع ہو۔

آگے اس نقصان کی کیفیت ہے کہ) ان کے لئے ان کے اوپر سے بھی احاطہ کرنے والے آگ کے شعلے ہوں گے، اور ان کے نیچے سے احاطہ کرنے والے آگ کے شعلے ہوں گے یہ وہی (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے (اور اس سے بچنے کی تدبیریں بتاتا ہے کہ وہ دین حق پر عمل کرنا ہے تو) اے میرے بندو! مجھ سے (یعنی میرے عذاب سے) ڈرو (اور دین حق پر عمل کرو۔

یہ حال تو کافروں اور مشرکوں کا ہوا) اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں (اس سے اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت مراد ہے جس کی بنیاد شیطان کی مطلق اطاعت ہے جو کہ عبادت کی حقیقت ہے) اور (ہم تن یعنی ہر لحاظ سے) اللہ

کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ خوش خبری سنائے جانے کے مستحق ہیں تو آپ میرے ان بندوں کو (جو شیطان کی اطاعت سے بچنے والے اور اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں) خوش خبری سنا دیجئے (جن میں یہ صفت بھی پائی جاتی ہے:) جو (اللہ کے) اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر (کہ تمام احکام ایسے ہی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد آگے آرہا ہے) چلتے ہیں، جن کو اللہ نے ہدایت کی، اور یہی ہیں جو عقل والے ہیں (تو ان لوگوں کو خوش خبری سنا دیجئے) اور جس کی خوش خبری ہے وہ آگے آتا ہے۔ ﴿لَٰكِنَّ الَّذِیْنَ اٰتَقَوْا﴾ اور درمیان میں تسلی کے طور پر مذکورہ بالا کافروں اور مشرکوں کے ایمان کا رسول ﷺ کے اختیار سے باہر ہونا بیان فرماتے ہیں کہ (بھلا جس شخص پر عذاب کی ہمیشہ کی نقدیر کی) بات محقق ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو کہ (اللہ کے علم میں) جہنم میں ہے (جہنم کے اسباب سے) چھڑا سکتے ہیں؟ یعنی جو لوگ جہنم میں جانے والے ہیں، وہ کوشش کرنے سے بھی گمراہی سے نہیں نکلیں گے، ایسی صورت میں افسوس اور غم کرنا بے کار ہے (لیکن جو لوگ (ایسے ہیں کہ ان کے حق میں عذاب کی بات محقق نہیں ہوئی اور اس وجہ سے وہ آپ سے احکام سن کر) اپنے رب سے ڈرتے رہے (جن کی صفتیں اوپر ﴿اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ الخ میں آچکی ہیں تو ان کے لئے (جنت کے) بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں (اور) ان کے نیچے نہیں چل رہی ہیں، یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے (اور) اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا (لہذا لازمی طور پر انہیں یہ سب کچھ ملے گا)

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَسَلَكَهُ يَنَابِیْعٌ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِہٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًاۢ اَلْوَانُ ثُمَّ یَہِیْجُ فَنَزَلُہٗ مُّصَفًّیًا ثُمَّ یَجْعَلُہٗ حُطًا مَّادَرًاۢ فِیْ ذٰلِکَ لَذٰکِرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝۱۰﴾

ترجمہ: کیا تو نے اس پر نظر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں داخل کر دیتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں، پھر وہ کھیتی بالکل خشک ہو جاتی ہے سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر اس کو پھو رہو را کر دیتا ہے اس میں اہل عقل کے لئے بڑی عبرت ہے۔

رابطہ: اوپر ایمان کے تقاضے اور سبب کا اثبات اور آخرت کی نعمت کا اور کبھی ختم نہ ہونے والے عذاب کا بیان تھا، اب ایمان کے راستہ کی رکاوٹ کو دور کیا گیا ہے جو دنیا میں منہمک ہونا ہے اور اس کے کمزور اور جلدی فنا ہونے کا بیان ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جیسا کہ سورہ الحدید آیت ۲۰ و ۲۱ ہے: ﴿اِعْلَمُوْۤا اَنَّہٗمُ الْحَیْوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ ۝۲۰﴾ اور ﴿سَابِقُوْۤا اِلَیَّ مَغْفِرًا مِّنْ رَبِّکُمْ ۝۲۱﴾ الخ۔

دنیا کا جلدی فنا ہونا:

(اے مخاطب!) کیا تم نے انہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں (یعنی

ان حصوں میں جہاں سے پانی ابل کر کنوؤں اور چشموں کے ذریعہ سے نکلتا ہے (داخل کر دیتا ہے پھر) جب وہ ابلتا ہے تو اس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے (جس کی مختلف قسمیں ہیں، پھر وہ کھیتی بالکل خشک ہو جاتی ہے تو اس کو تم زرد دیکھتے ہو، پھر (اللہ تعالیٰ) اس کو چورا چورا کر دیتا ہے اس (نمونہ) میں عقل والوں کے لئے بڑی عبرت ہے (کہ بالکل یہی حالت انسان کی دنیاوی زندگی کی ہے کہ آخر میں فنا ہی ہوتا ہے تو اس میں لگ کر ہمیشہ کی راحت سے محروم رہنا اور ہمیشہ کی مصیبت کو سر پر لینا نہایت حماقت ہے)

فائدہ: چشموں اور کنوؤں میں پانی کی موجودگی کے دو سبب ثابت ہوتے ہیں: (۱) بھاپوں کا زمین کی ٹھنڈکی وجہ سے نمی میں بدل جانا اور بارش کے زمین پر برسنے والے پانی کا زمین کی گہرائی میں جذب ہو جانا پھر ان کا سمٹ کر جمع ہو جانا اس آیت میں ایک کا ذکر ہے اور دوسرے کی نفی نہیں، لہذا آیت کا فلسفہ کے مسئلہ سے کوئی ٹکراؤ نہیں۔

﴿ اَفَمَنْ شَرَعَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِمْ دَقُّوْا نُبْلَ لِّلْفُتْيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي صُلْبٍ مُّبِينٍ ۝ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعُرُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن هَادٍ ۝﴾

ترجمہ: سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے کیا وہ شخص اور اہل قساوت برابر ہیں۔ سو جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے ان کے لئے بڑی خرابی ہے۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے۔ بار بار دہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، بدن کانپ اٹھتے ہیں۔ پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کر دیتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں۔

رابطہ: اوپر حق کا اثبات اور قبول کرنا اور باطل کی نفی اور ممانعت انتہائی کافی عمدہ طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔ اب ان بیانات سے بعض کا متاثر ہونا اور بعض کا متاثر نہ ہونا بیان ہوتا ہے۔

اللہ کی کتاب سے بعض کا متاثر ہونا اور بعض کا متاثر نہ ہونا:

(اگرچہ ہمارا بیان انتہائی بلیغ ہے مگر پھر بھی سننے والوں میں آپس میں فرق ہے) تو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام (کے قبول کرنے) کے لئے کھول دیا (یعنی اسلام کے حق ہونے کا اس کو یقین آ گیا) اور وہ اپنے پروردگار کے (عطا

کئے ہوئے) نور (یعنی ہدایت کے تقاضے) پر (چل رہا) ہے (یعنی ایمان لا کر اور اس پر یقین کر کے اس کے مطابق عمل کرنے لگا) کیا وہ شخص اور سخت دل والے برابر ہیں (جن کا ذکر آگے آتا ہے) تو جن لوگوں کے (دل) اللہ کے ذکر سے (اس میں احکام، وعدے اور وعیدیں سب آگئے) متاثر نہیں ہوتے (یعنی ایمان نہیں لاتے) ان کے لئے (قیامت میں) بڑی خرابی ہے (اور دنیا میں) یہ لوگ کھلی گمراہی میں (گرفتار) ہیں (آگے اس نور اور ذکر کا بیان ہے یعنی) اللہ تعالیٰ نے بہت عمدہ کلام (یعنی قرآن) نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ (مضمونوں کے اور لفظوں کے نظم کے اعجاز اور معانی کی صحت کے اعتبار سے) آپس میں ملتی جلتی ہے (جو معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔ نظم کے لحاظ سے تو ظاہر ہے اور معنی کے لحاظ سے تو جیسا کہ آیت ﴿وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ میں گزرا ہے اور جس میں سمجھانے کے لئے بعض ضروری باتیں بار بار دہرائی گئی ہیں (اور اسی طرح ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيهِ الْخِطَابِ﴾ جس میں اصل مقصود کے ذہنوں میں بٹھانے اور تاکید کے فائدہ کے باوجود مخاطب کے دل میں ہر جگہ خاص خاص لطف و مہربانی کی بھی رعایت ہوتی ہے جس سے خالص تکرار نہیں رہتی، اور مثالی یعنی بار بار دہرایا جانا جیسا کہ کہا ہے ہدایت پر مشتمل ہونے کی دلیل ہے) جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، بدن کانپ اٹھتے ہیں (یہ خوف سے کنایہ ہے کہ چاہے وہ دل ہی میں رہے، بدن پر اس کا اثر نہ آئے اور چاہے وہ خوف صرف عقلی اور ایمانی ہی ہو طبعی اور حال کے طور پر نہ ہو) پھر ان کے بدن اور دل نرم (اور اطاعت والے) ہو کر اللہ کے ذکر (یعنی اللہ کی کتاب پر عمل کرنے) کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں (یعنی ڈر کر جسمانی اعضا کے عمل اور دل کے اعمال کو اطاعت اور توبہ سے بجالاتے ہیں۔ اور) یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے، اس کے ذریعہ سے ہدایت عطا کرتا ہے (جیسا کہ ڈرنے والوں کا حال ابھی سنایا گیا) اور اللہ جس کو گمراہ کرتا ہے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں (جیسا کہ سخت دل لوگوں کا حال ابھی سنایا گیا)

فائدہ: اور سورۃ آل عمران آیت ۷ میں بعض آیتوں کو متشابہ فرمایا ہے، وہاں اس سے دوسرا امر مراد ہے جیسا کہ وہاں

ترجمہ سے ظاہر ہے۔

﴿أَفَمَنْ يَتَّبِعْ يَوْجَهُهُ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝
كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاتَّخَذُوا الْعَذَابَ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَإِذَا أَقْبَمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، وَالْعَذَابِ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝﴾

ترجمہ: بھلا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے روز سخت عذاب کی سپر بنائے گا اور ایسے ظالموں کو حکم ہوگا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اُس کا مزہ چکھو تو کیا یہ اور جو ایسا نہ ہو برابر ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ اُن سے پہلے ہو چکے ہیں، انھوں نے بھی

جھٹلایا تھا سو اُن پر عذاب ایسے طور پر آیا کہ اُن کو خیال بھی نہ تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی دنیوی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھلایا اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا ہے کاش یہ لوگ سمجھ جاتے۔

رابطہ: اوپر ڈرنے والے ہدایت پانے والے اور سخت دل گمراہ کا حال کے اعتبار سے تفاوت، حق سے متاثر ہونے اور متاثر نہ ہونے کے اعتبار سے بیان کیا گیا تھا۔ اب دونوں کے انجام کا فرق ثواب اور عذاب کے مستحق ہونے کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے۔ آخرت میں یقینی طور پر اور دنیا میں بعض اوقات میں۔

گمراہ کے لئے عذاب اور ہدایت پانے کے لئے ثواب:

بھلا جو شخص قیامت کے دن اپنے منہ کو سخت عذاب کی ڈھال بنائے گا، اور ایسے ظالم لوگوں کو حکم ہوگا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے (اب) اس کا مزا چکھو، تو کیا یہ (جس کو عذاب دیا گیا) اور جو ایسا نہ ہو، برابر ہو سکتے ہیں۔ اور کافر لوگ ان عذابوں کو سن کر انکار نہ کریں، کیونکہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں، حق کو انھوں نے بھی جھٹلایا تھا تو ان پر (اللہ کا) عذاب اس طرح آیا کہ انہیں خیال بھی نہیں تھا، تو (اس عذاب کو نازل کر کے) اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دنیاوی زندگی میں (بھی) رسوائی کا مزا چکھلایا (کہ زمین میں دھنسائے جانے، شکلیں مسخ کر دیئے جانے اور پتھروں وغیرہ کی بارش وغیرہ کی وجہ سے ساری دنیا میں بدنام ہوئے) اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا (اور سخت) ہے۔ کاش ایہ لوگ سمجھتے۔

فائدہ: ڈھال بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی عادت ہے کہ جب کوئی اس پر حملہ کرتا ہے تو جو چیز اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، حملہ کو اس پر اور اگر کچھ نہ ہو تو خود ہاتھ ہی پر روکتا ہے اور وہاں ہاتھ میں تو کوئی ایسی چیز ہوگی ہی نہیں جس پر حملہ کو روکے خود ہاتھ پاؤں بھی جکڑے ہوئے ہوں گے، اس لئے سارے حملے اور چوٹیں منہ پر ہی لے گا۔ اللہ اپنے غضب سے پناہ میں رکھے۔

﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ قُلْنَا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ عربی قرآن ہے جس میں ذرا کجی نہیں تاکہ یہ لوگ ڈریں۔

رابطہ: اوپر آیت ﴿أَفَمَنْ شَرَعَ اللَّهُ﴾ الخ میں قرآن سے بعض لوگوں کے متاثر ہونے اور بعض کے متاثر نہ ہونے کا بیان تھا۔ اب قرآن کا اپنے آپ میں تاثر کا تقاضہ کرنے والا ہونا بیان فرماتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ فرق تاثر قبول کرنے والے کے اعتبار سے ہے ورنہ تاثر کرنے والے میں کوئی نقص و کمی نہیں۔

قرآن کا فضل و کمال:

اور ہم نے لوگوں (کی ہدایت) کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے (ضروری) اچھے اچھے مضمون بیان کئے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ عربی قرآن ہے جس میں ذرا بھی ٹیڑھا پن نہیں، اور اس میں یہ مضمون اس لئے لائے گئے ہیں) تاکہ یہ لوگ (ان سچے اور بلاغت والے مضمونوں کو سن کر) ڈریں (چنانچہ ہدایت کی کتاب ہونے کے لئے کمال کی جن صفتوں کی ضرورت تھی، قرآن ان پر حاوی ہے چنانچہ اچھے مضمون ہونا، پھر عربی ہونا، جس کو عرب والے جو سب سے پہلے مخاطب ہیں، بلا واسطہ سمجھ سکتے تھے، پھر دوسروں کا سمجھ لینا ان کے واسطے سے آسان ہے، پھر کسی مضمون میں کوئی خلل نہیں، لیکن اگر انہی کی استعداد میں فساد و بگاڑ ہو تو کیا کیا جائے) فائدہ: ٹیڑھے پن کے معنی سورہ کہف کی پہلی آیت میں گزر چکے ہیں۔

﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص ہے جس میں کئی سا جھی ہیں جن میں باہم ضد اضدی ہے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ایک ہی شخص کا ہے ان دونوں کی حالت یکساں ہے۔ الحمد للہ! بلکہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں۔
رابطہ: اوپر ﴿يَهْدِي رَبِّي مَنِ يَشَاءُ﴾ الخ میں مومن اور مشرک کا گمراہی اور ہدایت میں فرق معلوم ہوا تھا۔ اب ایک مثال کے ذریعہ اس فرق کی وضاحت اور توحید کا بیان اور اس کا شرک سے پاک ہونا بیان کیا گیا ہے جو کہ فرق کی بنیاد ہے۔
توحید کو ماننے والے اور مشرک کی نظیر:

اللہ تعالیٰ نے (توحید کو ماننے والے اور مشرک کے بارے میں) ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص (ایسا غلام) ہے جس میں کئی سا جھی ہیں، جن میں آپس میں کھینچ تان (بھی) ہے اور ایک دوسرا شخص ہے کہ پورا پورا ایک ہی شخص کا (غلام) ہے (تو) کیا ان دونوں کی حالت برابر (ہو سکتی) ہے (ظاہر ہے کہ دونوں برابر نہیں، پہلا شخص تکلیف میں ہے کہ ہمیشہ پریشان رہتا ہے کہ کس کا کہنا مانوں؟ کس کا کہنا نہ مانوں؟ جبکہ دوسرا آرام میں ہے کہ ایک ہی شخص سے تعلق ہے لہذا پہلی مثال مشرک کی ہے کہ ہمیشہ ڈانوا ڈول رہتا ہے، کبھی اللہ کے علاوہ دوسروں کی طرف دوڑتا ہے، کبھی اللہ کی طرف اور کبھی پھر غیر اللہ میں بھی اسی ایک پر اطمینان نہیں ہوتا کبھی کسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے کبھی کسی کی طرف اور چونکہ یہ لوگ بھی اس کے سوا اور کچھ جواب نہیں دے سکتے جس سے حجت کا لازم ہونا ثابت ہے، اس پر ارشاد ہے کہ (الحمد للہ) حق ثابت ہو گیا، مگر یہ لوگ پھر بھی قبول نہیں کرتے) بلکہ (قبول تو کیا) ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں (کیونکہ سمجھنے کا ارادہ بھی نہیں کرتے)

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ۚ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ۝﴾

ترجمہ: آپ کو بھی مرنا ہے اور اُن کو بھی مرنا ہے، پھر قیامت کے روز تم مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے۔
 ربط: اوپر جب ہر پہلو سے بحث کا فیصلہ ہو گیا اور عنادر کھنے والوں نے اس فیصلہ کو قبول نہیں کیا تو اب قیامت کے فیصلہ کا جو کہ آخری فیصلہ ہوگا اور جس سے کوئی بچ نہیں سکتا، بیان فرماتے ہیں۔ اور تمہید کے لئے موت کی خبر دیتے ہیں کہ یہ قیامت کی پہلی منزل ہے۔

قیامت کے دن مخاصمہ اور محاکمہ:

(اے رسول! ﷺ یہ اس عقل میں آنے اور سنائے جانے والے فیصلہ کو دنیا میں نہیں مانتے تو آپ غم نہ کریں، کیونکہ دنیا سے) آپ کو بھی مر (کر جا) نا ہے (اسی طرح آپ کی اتباع کرنے والے اس حکم میں آگئے) اور انہیں بھی مر (کر جا) نا ہے، پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے (دونوں فریق اپنے اپنے) مقدمے پیش کرو گے (اس وقت عملی فیصلہ ہو جائے گا، جس کے ظاہر ہونے کا آگے ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ﴾ میں بیان آ رہا ہے۔

﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ بِالْصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ الْبَيِّنَاتُ الْبَيِّنَاتُ فِي جَهَنَّمَ مَشُورَىٰ لِّلْكَافِرِينَ ۝
 وَالَّذِينَ جَاءُوا بِالْصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ جَزَاءُ
 الْمُحْسِنِينَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾

ترجمہ: سو اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچی بات کو جبکہ وہ اُس کے پاس پہنچی جھٹلا دے! کیا جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا نہ ہوگا؟ اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور اُس کو سچ جانا تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں۔ وہ جو کچھ چاہیں گے اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے۔ یہ صلہ ہے نیک کاروں کا تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بُرے عملوں کو دور کر دے اور اُن کے نیک کاموں کے عوض ان کو ان کا ثواب دے۔

ربط: اوپر اختتام (مقدمہ بازی) کا ذکر تھا۔ اب اس کا ظہور اور نتیجہ بیان کیا جا رہا ہے۔

قیامت کے دن اختتام کے انجام کا ظاہر ہونا:

تو (اس بحث کے وقت فیصلہ یہ ہوگا کہ حق کے مقابلہ میں باطل پرستوں کو جہنم کا عذاب ہوگا، اور حق پرستوں کو اجر عظیم ملے گا، اور ظاہر ہے کہ) اس شخص سے زیادہ نا انصافی کرنے والا (اور حق کے مقابلہ میں باطل پرست) کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ (یعنی اللہ کے بارے میں یوں کہے کہ اس کا کوئی شریک یعنی معبود ہونے یا خدائی میں ساجھی ہے) اور

سچی بات (یعنی قرآن) کو جب کہ وہ اس کے پاس (رسول کے ذریعہ سے) پہنچے، جھٹلائے (تو ایسے شخص کا سب سے زیادہ بڑا ظالم ہونا بھی ظاہر ہے اور سب سے بڑے ظالم کا سب سے بڑے عذاب و سزا کا مستحق ہونا بھی ظاہر ہے اور سب سے بڑا عذاب جہنم ہے تو) کیا (قیامت کے دن) ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا؟ (اس طرح حق کے مقابلہ میں باطل پرستوں کا) (تو یہ فیصلہ ہوا) اور (ان کے برخلاف) (۱) جو لوگ سچی بات لے کر (اللہ کی طرف سے یا رسول کی طرف سے لوگوں کے پاس) آئے (اس عام مفہوم میں رسول ﷺ بلکہ تمام انبیاء بھی کہ اللہ کی طرف سے حق لے کر آئے اور حق کی طرف دعوت دینے والے دوسرے لوگ بھی کہ رسول کی طرف سے حق لے کر آئے، سب داخل ہیں) اور (خود بھی) اس کو سچ جانا (یعنی سچ بولنے والے بھی ہیں اور سچ ماننے والے بھی ہیں اور تعہد یق کرنے والے بھی جیسا کہ پہلے لوگ اَظْلَمُ یعنی سب سے زیادہ ظلم کرنے والے جموعے بھی تھے اور جھٹلانے والے بھی) تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں (ان کا فیصلہ یہ ہوگا کہ) وہ جو کچھ چاہیں گے، ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ملے گا، یہ نیک کام کرنے والوں کا بدلہ ہے (اور یہ بدلا ان کے واسطے اس لئے تجویز کیا) تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کر دے اور ان کے نیک کاموں کے بدلہ میں انہیں ان کا ثواب دے (چونکہ ان کا گناہ بخشا اور اجر عطا کرنا مقصود تھا، اس لئے ان سے وعدہ کیا گیا) لَھُمْ مَا یَشَآؤْنَ تاکہ یہ لوگ اس گناہ بخشنے کی اور اجر کی خواہش کریں تو وعدہ کے مطابق ان کی یہ خواہش پوری کر دی جائے۔ اور اس کی خواہش ہونا ظاہر ہی ہے)

فائدہ: یہاں یہ مقصود نہیں کہ جہنم میں جانا اللہ پر جموعت باندھنے اور سچ کو جموعت قرار دینے دونوں کے مجموعہ پر موقوف ہے یا اسی طرح نجات پانا سچائی کی طرف دعوت دینے اور تعہد یق کرنے دونوں کے مجموعہ پر موقوف ہے، بلکہ اس موقع پر جن اہل اختتام کا ذکر ہے، ان میں دونوں طرف مجموعہ متحقق تھا۔ اور تعریف کا زیادہ اور برائی کا زیادہ ہونا مقصود ہے، لہذا تخصیص وقوع کے اعتبار سے یا مدح و قدح کی زیادتی کے اعتبار سے ہے، نہ کہ توقف کے قصد کے اعتبار سے۔

﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۚ وَتَجْزِيٰكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۚ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّضِلٍّ ۚ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِيْ اَنْتِقَامٍ ۚ وَلَيَنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلْ اَفَرَاَيْتُمْ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفٰتُ ضُرِّيْهِ ۚ اَوْ اَرَادَنِيَ بِرَحْمَةٍ ۖ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهٖ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ قُلْ لِّیَقُوْمَ

(۱) اور اس آیت میں ﴿ اَسْأَلُ ﴾ اور ﴿ اَحْسِنِ ﴾ کو کل تکفیر اور محل جزا قرار دینا، حالانکہ مطلق سی اور مطلق حسن کو بھی عام ہے۔ اس لئے ہے کہ ﴿ اَسْأَلُ ﴾ میں تو مبالغہ ہے، یعنی ﴿ اَسْأَلُ ﴾ کا بھی کفارہ ہو جائے گا۔ چہ جائیکہ سی اور حسن میں اظہار رحمت ہے کہ ہم ان کے حسن کو بھی احسن قرار دے کر اس پر جزا دیں گے۔

اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ مِمَّنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۚ وَإِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّا يَضِلُّ عَلَيْهِ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِمْ بِكَايِلٍ ۚ ﴿١٠﴾

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں۔ اور یہ لوگ آپ کو ان سے ڈراتے ہیں جو خدا کے سوا ہیں۔ اور جس کو خدا گمراہ کرے اُس کا کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جس کو وہ ہدایت دے اُس کا کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا خدا تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا نہیں ہے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ آپ کہئے کہ بھلا پھر یہ تو بتلاؤ کہ خدا کے سوا تم جن معبودوں کو پوجتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے کیا یہ معبود اُس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے کیا یہ معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے خدا کافی ہے۔ تو کل کرنے والے اُسی پر توکل کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنی حالت پر عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں، سواب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اُس کو رسوا کر دے گا اور اُس پر دائمی عذاب نازل ہوگا؟ ہم نے آپ پر یہ کتاب ان لوگوں کے لئے اتاری جو حق کو لئے ہوئے ہیں، سو جو شخص راہ راست پر آوے گا تو اپنے نفع کے واسطے اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اُس کا بے راہ ہونا اُسی پر پڑے گا اور آپ ان پر مسلط نہیں کئے گئے۔

رابطہ: اوپر کی کئی آیتوں میں توحید کا حق ہونا اور شرک کا باطل ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ایسے مضمون سن کر کافر اور مشرک لوگ آپ سے کہتے تھے کہ ہمارے معبودوں کی شان میں گستاخی نہ کیجئے، ورنہ ہم ان سے درخواست کر کے آپ کو مجنوں کر ادیں گے۔ اس پر آیت ﴿وَنُخَوِّفُكَ﴾ الخ نازل ہوئی جیسا کہ الباب میں ہے۔ اسی طرح اور بھی مخالفت اور عناد کی باتیں کیا کرتے تھے، جس سے آپ کو رنج و غم ہوتا تھا۔ اب آپ کی تسلی کے مضمون ہیں جن میں سے بعض میں آپ کو مخاطب اور بعض میں آپ کو جواب دینے والا بنانا مقصود ہے۔

مشرکوں کی باتوں اور برتاؤ کے تعلق سے رسول ﷺ کو تسلی:

کیا اللہ تعالیٰ اپنے (خاص) بندہ (محمد ﷺ کی حفاظت) کے لئے کافی نہیں؟ یعنی وہ تو سبھی کی حفاظت کے لئے کافی ہے، خصوصیت کے ساتھ اپنے خاص محبوب بندہ کے لئے کیوں نہ کافی ہوگا) اور یہ لوگ (ایسے احمق ہیں کہ اللہ کی حفاظت سے جان بوجھ کر انجان بن کر) آپ کو اس کے سوا دوسروں (جھوٹے معبودوں) سے ڈراتے ہیں جو انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں حالانکہ وہ خود ہی بے جان عاجز اور مجبور ہیں، اور قدرت والے بھی ہوتے تو بھی آپ کے ساتھ اللہ کی

حفاظت ہوتے ہوئے عاجز اور مجبور ہی ہوتے) اور (اصل بات یہ ہے کہ) جس کو اللہ گمراہ کرے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے وہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں (چونکہ یہ لوگ ہمیشہ ہی سے گمراہ ہیں، ہدایت سے اتنے بے خبر ہیں کہ اللہ کے قادر اور بتوں کے عاجز ہونے پر نظر کر کے آپ کو ڈرانے کی حماقت نہ کرتے۔ چنانچہ اللہ کے کافی ہونے کی بنیاد یعنی کامل قدرت ہے۔ آگے تصریح کے ساتھ ارشاد ہے کہ) کیا (ان کے نزدیک) اللہ تعالیٰ زبردست (اور) انتقام لینے (پر قدرت رکھنے) والا نہیں ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ مدد و نصرت کی صفت میں کامل ہے اور خاص بندہ مدد و نصرت کے مستحق ہونے کے قابل اور باطل معبود قدرت اور نصرت میں عاجز و مجبور۔ ایسے میں بیڈرانا کھلی گمراہی اور صرف جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟) اور (مزے کی بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے مدد و نصرت میں کافی اور قدرت میں پورے ہونے کو یہ بھی تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے (اور ایسی بڑی بڑی چیزوں کو عدم سے وجود میں لانا ظاہر ہے قدرت کے کمال کے لئے لازم ہوتا ہے تو ملزم یعنی جس کے لئے لازم ہوا جب اس کو مان لیا تو لازم کو ماننا لازم ہوگا۔ چنانچہ آگے آپ کو جواب میں یہی بات کہنے کا حکم ہے یعنی اس پر) آپ (ان سے) کہئے کہ بھلا (جب تم اللہ کو تنہا خالق مانتے ہو تو) پھر یہ بتاؤ کہ اللہ کے سوا تم جن کو پوجتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا (اگر) اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے (تو) کیا یہ معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں؟ (یعنی اللہ کے پیدا کرنے میں اکیلا ہونا تسلیم کرنے کے بعد جو کہ قدرت کے کمال کے لئے لازم ہے کیا اللہ کے علاوہ کو قدرت کے مقابل و محارم ہونے کے قائل ہو سکتے ہو؟ جس سے اس لازم کی نفی لازم آتی ہے اور اسی کے واسطے سے ملزم یعنی جو لازم کیا گیا یعنی پیدا کرنے میں اکیلا ہونے کی نفی جس کو پہلے تسلیم کر لیا، یہ اس کے خلاف ہے اور ان کے ڈرانے والے مضمون کے جواب میں ﴿هَلْ هُنَّ مُّسْكِتٌ وَرَحْمَةٌ﴾ (۱) کافی تھا۔ کیونکہ اس میں برا بھلا کہنے کی بنیاد نقصان پہنچانے کا ذکر تھا اور برا بھلا نہ کہنے کی بنیاد پر نقصان سے حفاظت کا ذکر نہیں تھا تا کہ جواب میں ﴿هَلْ هُنَّ كِشْفَتٌ صُبْرَةٍ﴾ کی ضرورت ہوتی، لیکن چونکہ اس ڈرانے میں قرینہ سے یہ بھی لازم ہے کہ اگر آپ ان معبودوں کو کچھ نہ کہیں گے تو وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچنے دیں گے، اس لئے ﴿هَلْ هُنَّ كِشْفَتٌ صُبْرَةٍ﴾ بڑھا دیا گیا۔ آگے ارشاد ہے کہ جب اس بیان سے پوری قدرت ہونا ثابت ہو جائے تو) آپ (مدد و نصرت میں کافی

(۱) یعنی اس تخویف الاضام یعنی بتوں سے ڈرانے کے مضمون میں صرف اس دعویٰ سے تعرض تھا کہ اگر آپ برا بھلا کہیں گے تو یہ بت نقصان پہنچائیں گے۔ اور اس کے جواب کے لئے ﴿هَلْ هُنَّ مُّسْكِتٌ وَرَحْمَةٌ﴾ کافی تھا اور ان کے ڈرانے میں اس دعویٰ سے تعرض نہ تھا کہ اگر آپ برا بھلا نہ کہیں گے تو وہ آپ کو نقصان سے محفوظ رکھیں گے۔ اگر اس میں اس سے بھی تعرض ہوتا تو ﴿هَلْ هُنَّ كِشْفَتٌ صُبْرَةٍ﴾ کا مناسب ہونا ظاہر ہوتا۔

ہونے کا جو کہ عتجہ کے طور پر ہے بیان ظاہر کر دیجئے اور) کہہ دیجئے کہ (اس سے ثابت ہو گیا کہ) میرے لئے اللہ کافی ہے (اور یہی مقصود تھا جیسا کہ شروع میں ارشاد ہوا ہے۔ ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدًا﴾ اور چونکہ وہ ایسا قدرت والا اور مدد کرنے والا ہے، اس لئے) بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں (لہذا میں بھی اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور تمہاری مخالفت و عناد کی کچھ پروا نہیں کرتا اور چونکہ وہ لوگ ان واضح روشن اور قطعی دلیلوں پر بھی اپنی اس جہالت اور گمراہی پر اصرار کرتے تھے، اس لئے آگے آخری جواب کی تعلیم ہے کہ) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ (اگر تم اس پر بھی نہیں مانتے تو تم جانو، بہتر ہے) تم اپنی حالت پر عمل کئے جاؤ میں بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں (یعنی جیسے تم اپنا طریقہ نہیں چھوڑتے میں بھی اپنا طریقہ نہیں چھوڑتا) تو اب تمہیں جلدی ہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے جس پر (دنیا میں) ایسا عذاب آنے والا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور (مرنے کے بعد) اس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوگا (چنانچہ دنیا میں انہیں بدر میں سزا ہوئی، اور وہاں کا عذاب مرنے کے بعد بھگتنا ہوگا، جو ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک تو مخالفوں کے ڈر و خوف سے تسلی ہے، آگے رنج و غم کے دور کرنے سے تسلی ہے کہ) ہم نے آپ پر یہ کتاب لوگوں کے (نفع کے لئے) اتاری جو حق کو لئے ہوئے ہے تو (آپ کا کام اس کو پہنچا دینا ہے، پھر) جو شخص سیدھے راستہ پر آئے گا وہ اپنے (نفع کے لئے) (سیدھے راستہ پر) آئے گا اور جو شخص گمراہ رہے گا تو اس کا گمراہ ہونا (یعنی اس کا وبال) اسی پر پڑے گا، اور آپ ان پر (کچھ ذمہ داروں کے طور پر) مسلط نہیں کئے گئے (کہ ان کی گمراہی کی پوچھ تاچھ آپ سے ہونے لگے، پھر آپ ان کی گمراہی سے کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں)

﴿اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنۡفُسَ حَيۡنَ مَوۡتِهَا وَالۡتٰی لَمۡ تَمُتۡ فِيۡ مَنَآمِهَاۤ ۚ فَيُمِۡسِكُ الۡتٰی قَطۡعۡی عَلَیۡهَا الۡمَوۡتَ وَیُرۡسِلُ الۡاٰخَرٰیۚ اِلَآۤ اَجَلٌ مُّسَمًّیۚ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَآٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝۱۰ اَمَرَاتُغۡذُوۡا مِنْ دُوۡنِ اللّٰهِ شُفَعَاۤءَ ۚ قُلۡ اَدۡلُوۡا کَانَۡوَالَا یَمۡلِکُوۡنَ شَیۡئًا وَّلَا یَعۡقِلُوۡنَ ۝۱۱ قُلۡ لِلّٰهِ الشُّفَاعَةُ جَمِیۡعًا ۚ اِلَہُ مُلۡکِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝۱۲ وَاِذَا ذِکَرُ اللّٰهِ وَحَدّٰہُ اُشۡتَآزَتۡ قُلُوۡبُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذِکَرُ الَّذِیۡنَ مِنْ دُوۡنِہٖ اِذَا ہُمْ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ۝۱۳﴾

ترجمہ: اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی کہ جن کی موت نہیں آئی، ان کے سونے کے وقت، پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک میعادِ محین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو کہ سوچنے کے عادی ہیں، دلائل ہیں۔ ہاں کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو قرار دے رکھا ہے جو سفارش کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی

علم نہ رکھتے ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ تمام آسمان اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں جو کہ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر آتا ہے تو اسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔
رابطہ: اوپر جس طرح چند جگہ توحید تھی، اب پھر اسی کا ذکر ہے۔

پھر سے توحید کا ذکر:

اللہ ہی ان کی موت کے وقت (پوری طرح ہر لحاظ سے ان) جانوں کو (جن کی موت کا وقت آ گیا ہے) قبض (یعنی معطل) کرتا ہے اور ان جانوں کو بھی کہ جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت (بعض پہلوؤں سے کہ زندگی رہتی ہے لیکن ادراک نہیں رہتا اور موت کی حالت میں دونوں ہی چیزیں بدن میں نہیں رہتیں) پھر (اس معطل کرنے کے بعد) ان جانوں کو تو (جسموں میں تصرف کی طرف واپس لوٹنے سے) روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور دوسری جانوں کو (جو کہ سونے کے وقت معطل ہو گئی تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا) ایک مقررہ وقت (یعنی عمر کی مدت) تک کے لئے رہا کر دیتا ہے (کہ جاگ کر پھر پہلے ہی کی طرح جسموں میں تصرف کرنے لگتی ہیں) اس (مذکورہ تصرف کے مجموعہ) میں ان لوگوں کے لئے دلیلیں ہیں (جن سے وہ توحید پر استدلال کر سکتے ہیں) جو (اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اکیلے تصرف و اختیار میں) غور و فکر کرنے والے ہیں۔ ہاں! کیا (توحید کی دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود) ان (مشرک) لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو (معبود) قرار دے رکھا ہے؟ جو (ان کی) سفارش کریں گے؟ (جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے) ۞ هُوَ الَّذِي شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ۖ (آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ (ان کے خیال کے مطابق شفاعت کرنے والے) کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں۔ اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں) کیا پھر بھی انہیں سفارش و شفاعت کرنے والا ہی سمجھے جاؤ گے؟ یعنی شفاعت و سفارش کے لئے کم سے کم علم اور قدرت تو ضروری ہے۔ جو ان کے بے جان ہونے کی وجہ سے ان میں بالکل نہیں ہے اور چونکہ یہاں اس امر کا امکان ہے کہ کوئی مشرک یہ کہے کہ یہ بے جان اپنے آپ میں شفاعت کرنے والے نہیں، بلکہ شفاعت کرنے والے وہ ہیں جن کی یہ مورتیاں ہیں۔ اور وہ جان دار ہیں، جن میں علم اور قدرت دونوں ہیں۔ اس لئے آگے اس کا جواب تعلیم فرماتے ہیں کہ (آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ سفارش تو پوری طرح اللہ ہی کے اختیار میں ہے) (کہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کی مجال نہیں کہ سفارش کر سکے اور اجازت کے لئے دو شرطیں ہیں: شفاعت کرنے والے کا مقبول ہونا اور جس کی شفاعت کی جائے اس کا مغفرت کے قابل ہونا، لہذا جن روحوں کو یہ معبود قرار دیتے ہیں اگر وہ شیطان ہیں تو دونوں ہی شرطیں نہیں ہیں، اور اگر وہ فرشتے وغیرہ ہیں تو دوسری شرط نہیں ہے۔ ہر حال میں اجازت نہیں ہے، لہذا ان کی شفاعت بھی متنی ہے اور انہیں معبود قرار دینے کی یہی بنیاد تھی، لہذا ان کا معبود ہونا

باطل ٹھہرا۔ اور حق تعالیٰ کی توحید ثابت ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے پھر (اس دنیا کی مدت پوری ہو جانے کے بعد) تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے (لہذا تم سب کو چھوڑ کر اسی سے ڈرو، اسی کی عبادت کرو) اور (توحید کی دلیلیں قائم ہو جانے کے باوجود کافروں اور مشرکوں کا یہ حال ہے کہ) جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (کہ وہی تصرف کرنے والا ہے، وہی معبود ہے) تو ان لوگوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں، جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے (کیونکہ انہیں توحید سے نفرت ہے) اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر آتا ہے (چاہے کسی اکیلے کا یا مشترک طور پر اللہ کے ذکر کے ساتھ) تو اسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں (کیونکہ شرک انہیں محبوب اور پسندیدہ ہے)

فائدہ: سورہ انعام آیت ۶۱ میں اس توفی کی تفسیر گزرجکی ہے، ملاحظہ کر لی جائے، اور ان کا سفارش کا اعتقاد و نیادی ضرورتوں و حاجتوں میں تو تھا ہی اور آخرت میں آخرت کو فرض کر لینے کی بنیاد پر تھا۔ جیسا کہ ان کا قول نقل کیا گیا ﴿وَلٰكِنْ تَجْعَلُ لَّآلِئِیْ اَنْ لَّیْ اِنْ لَّیْ عِنْدَہٗ لَلْحُسْبٰی﴾

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَلِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّہَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِیْ مَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَ مِثْلَہٗ مَعَہٗ لَا نُنْتَدِیْہِمْ مِنْ سُوْرِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیَمَةِ وَ بَدَا لَہُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ﴿ وَبَدَا لَہُمْ سِتِّیَاتٌ مَّا کَسَبُوْا وَ حَاقَ بِہُمْ مَّا کَانُوْا بِہِ یَسْتَهْزِؤْنَ ﴿

ترجمہ: آپ کہئے کہ اے اللہ! آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے باطن اور ظاہر کے جاننے والے آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن امور میں فیصلہ فرماویں گے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔ اور اگر ظلم کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور اُن چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لئے اُن کو دینے لگیں۔ اور خدا کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آوے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔ اور اُن کو تمام اپنے برے اعمال ظاہر ہو جاویں گے اور جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ اُن کو آگیرے گا۔

رابطہ: اوپر توحید کے ضمن میں مشرکوں کے تکبر و گھمنڈ اور عناد کا بیان ہے، جیسا کہ ﴿اِمْرًا تَعْنُوْا﴾ الخ اور ﴿مَاذَا ذٰکَرُ اللّٰہِ﴾ الخ کے ترجمہ کے بیان سے معلوم ہوا۔ چونکہ تکبر و گھمنڈ اور عناد، تبلیغ کرنے والے کے رنج و ملال کا سبب ہوتا ہے۔ اس لئے اب آپ کی تسلی کے لئے ایک دعا کی تعلیم اور جزا کے بیان سے تسلی اور دعا کے مضمون کو پورا فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو دعا کی تعلیم کے ضمن میں تسلی اور کافروں کی جزا کے بیان سے مضمون کا پورا ہونا:

آپ (ان کے عناد کی شدت کی وجہ سے رنجیدہ نہ ہوں اور اللہ سے دعا میں یہ) کہئے کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کو

پیدا کرنے والے! باطن اور ظاہر کو جاننے والے! آپ ہی (قیامت کے دن) اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ فرمائیں گے، جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے (یعنی آپ ان گھمنڈ کرنے والوں کی فکر میں نہ پڑیے، بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے، وہ خود عملی فیصلہ فرمادیں گے) اور (اس فیصلہ کے وقت یہ حالت ہوگی کہ) اگر ظلم (یعنی شرک اختیار کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹنے کے لئے (ذرا سی بھی دیر کئے بغیر) سب کچھ دینے لگیں گے) چاہے اس میں سے کچھ بھی قبول نہ ہو، جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے ﴿مَا تُقْبِلُ مِنْهُمْ﴾ اور اللہ کی طرف سے انہیں وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا (کیونکہ اول تو آخرت کے منکر تھے۔ پھر اس میں بھی اچھائی اور بھلائی کا دعویٰ کرتے تھے) اور (اس وقت) انہیں اپنے سارے برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے۔ اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ انہیں آگھیرے گا۔

﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا: ثَمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنَّا، قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلِ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَكِنَ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ كَذَّابًا كَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿كَاسَابُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِن هَؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَمَا لَهُمْ بِمُحْضَرِّينَ﴾ أُولَٰئِكَ يَعْلَمُونَ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَنْبِطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

ترجمہ: پھر جس وقت آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو تدبیر سے ملی ہے۔ بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔ یہ بات ان لوگوں نے بھی کبھی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں، سو ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔ پھر ان کی تمام بد اعمالیاں ان پر آپڑیں اور ان میں بھی جو ظالم ہیں ان پر بھی ان کی بد اعمالیاں ابھی پڑنے والی ہیں اور یہ ہر انہیں سکتے۔ کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیدیتا ہے اور وہی تنگی کر دیتا ہے۔ اس میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

رابطہ: اوپر ﴿أَمَرَ أَنُحَذِّرُ﴾ الخ اور ﴿وَإِذَا ذُكِّرُوا﴾ الخ سے جس طرح مشرکوں کا عناد اور گھمنڈ سمجھ میں آتا ہے جس کی مناسبت سے تسلی کا مضمون اور اس کا کلمہ بیان ہوا ہے۔ اس طرح ان کا اللہ کے سوا دوسروں کے ذکر سے خوش ہونے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کے کڑھنے پر خود واضح عبارت سے دلالت ہوئی ہے۔ اب اس کی مناسبت سے اس پر اس کے برعکس صورت حال پیش کرتے ہوئے، مشرکوں کی ایک حالت کو کلمہ قاء لاکر بیان کرتے ہیں اور اس بات کو پورا کرنے کے لئے ان کی ایک دوسری حالت کا ذکر اور پھر اس پر ان کی برائی اور ملامت فرماتے ہیں۔

مشرکوں کی جہالت اور عبرتناک سزا:

(یوں تو مشرک لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کے ذکر سے خوش ہونے اور صرف اکیلے اللہ کے ذکر سے بیزار رہتے اور نفرت کرتے ہیں) پھر جس وقت (کسی ایسے مشرک) آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو (جن کے ذکر سے خوش ہوا کرتا تھا، ان سب کو چھوڑ کر جن سے پہلے خوش تھا صرف) ہمیں پکارتا ہے (جس کے ذکر سے پہلے نفرت کرتا اور بیزار رہتا تھا اور یہ اقوال میں بھی اور افعال و احوال میں بھی برعکس بات ہے۔ جس سے مشرکوں کی صاف حماقت اور جہالت ظاہر ہونے کے علاوہ ان کا مذہب و مسلک بھی باطل قرار پاتا ہے کیونکہ ان میں سے ایک بات یعنی توحید تو یقیناً صحیح ہے لہذا دوسری بات یعنی شرک باطل ہے، مگر) پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیتے ہیں تو (اس توحید پر جس کا حق ہونا خود اس کے اقرار سے ثابت ہو چکا تھا قائم نہیں رہتا، چنانچہ اس نعمت کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا، بلکہ یوں) کہتا ہے کہ یہ تو مجھے (میری) تدبیر سے ملی ہے (اور چونکہ حق تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کرتا بلکہ اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھتا ہے اس لئے توحید پر ثابت نہیں رہتا بلکہ اپنے پرانے شرک کے طریقہ کی طرف لوٹ کر اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت پوجا میں لگ جاتا ہے۔ آگے حق تعالیٰ اس قول ﴿إِنَّمَا أُوتِيتُهُ﴾ الخ کو رد فرماتے ہیں کہ وہ اس کی تدبیر کا نتیجہ نہیں ہے) بلکہ وہ (اللہ ہی کی دی ہوئی نعمت ہے اور اس کی طرف سے انسان کی) ایک آزمائش ہے (کہ دیکھیں اس کے ملنے پر ہمیں بھول جاتا ہے اور کفر کو اختیار کرتا اور اس کے راستہ پر چلتا ہے یا ہمیں یاد رکھتا اور ہمارا شکر ادا کرتا ہے اور اس آزمائش کے لئے بعض نعمتوں میں اسباب اور کمانے و محنت کرنے کا واسطہ بھی رکھ دیا ہے، اس سے اور زیادہ آزمائش ہو گئی کہ دیکھیں ظاہر صورت کے طور پر نظر آنے والی علت پر نظر رکھتا ہے یا حقیقی علت پر) لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) سمجھتے نہیں (اس لئے اس کو اپنی تدبیر کا نتیجہ بتاتے ہیں اور شرک میں مبتلا رہتے ہیں، آگے بیان ہے کہ) یہ بات (بعض) ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (جیسے قارون نے کہا تھا ﴿إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي﴾ جو لوگ ساری دنیا کو بنانے والے کے منکر گذرے ہیں جیسے نمرود اور فرعون وغیرہ، ظاہر ہے کہ وہ بھی کسی نعمت کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کرتے تھے بلکہ جو نعمتیں بغیر کمائی، کوشش اور محنت کے مل گئیں ان کی نسبت اتفاق اور قسمت کی طرف اور جو کمائی کوشش اور محنت کے ذریعہ حاصل ہوئی ان کی نسبت ہنر اور تدبیر کی طرف کرتے تھے) تو ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہیں آئی (اور عذاب کو نہیں روک پائی) پھر (عذاب کو روک نہ سکنے کے بعد اس کو دور کرنے والی بھی نہیں ہوئی، بلکہ) ان کی ساری بد اعمالیاں ان پر آپڑیں (اور انہیں عذاب و سزا ہوئی) اور (یہ لوگ موجودہ زمانہ کے یہ خیال نہ کریں کہ جو کچھ ہونا تھا وہ اگلے لوگوں کے ساتھ ہو چکا، بلکہ) ان میں جو بھی ظالم ہیں، ان پر بھی ان کی بد اعمالیاں ابھی پڑنے والی ہیں، اور یہ (اللہ تعالیٰ کو) ہرا نہیں سکتے (چنانچہ انہیں بدر میں خوب سزا ملی، اور اوپر ﴿بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ﴾ سے ﴿إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ کا

باطل ہونا ظاہر ہو گیا۔ آگے اس باطل ہونے پر اشارہ کے طور پر دلیل کا قائم کرتے ہی یعنی بعض احمق لوگ جو نعمت اور رزق کی نسبت اپنی تدبیر کی طرف کرتے ہیں تو کیا ان لوگوں کو (حالات میں غور کرنے سے) یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیدیتا ہے اور وہی (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی بھی کر دیتا ہے (رزق کی) اس زیادتی اور (تنگی) میں (غور کرنے سے) ایمان والوں کے لئے (کہ وہ سمجھ دار ہوتے ہیں، اس بات پر) نشانیاں (یعنی دلیلیں قائم) ہیں (کہ رزق و نعمت دینے والا، ان کے دروازے کھولنے والا اور ان میں تنگی کرنے والا وہی ہے، اچھی یا بری تدبیر اس میں حقیقی علت نہیں، لہذا ان دلیلوں کو جو شخص سمجھ لے گا، وہ اپنی تدبیر کی طرف نسبت نہیں کرے گا، بلکہ اللہ کا نعمت دینے والا ہونے کے عقیدہ کو بھی کبھی دل دو ماغ سے دور نہیں ہونے دے گا، جو شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بن گیا تھا، بلکہ وہ ہمیشہ توحید کے عقیدہ پر قائم رہے گا، اور نفع و نقصان اور خوشی و تکلیف میں اس کا حال اور قول ایک دوسرے سے کبھی ٹکرائے گا نہیں)

فائدہ: ﴿أَوْ كَفِّرُوا﴾ الخ میں جس استدلال کی طرف صراحت کے ساتھ قریب کا اشارہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ دو شخصوں کے پاس ایک ہی جیسا سرمایہ موجود ہے ایک ہی جیسا سلیقہ ہے وہ ایک ہی جیسی تدبیر بھی کرتے ہیں، ان کے پاس ایک ہی جیسا تجربہ بھی ہے، پھر ایک پر فراخی اور دوسرے پر تنگی ہے، اگر کہا جائے کہ ایک کی تدبیر کامیاب ہو گئی دوسرے کی ناکام ہو گئی تو اس کا باطل ہونا یہ ہے کہ اگر تدبیر کا کامیاب اور ناکام ہونا اپنے اختیار میں تھا تو دوسرے نے کیوں کامیاب نہیں کر لی؟ اگر اختیار میں نہیں تھا تو ہمارا مطلوب و مقصود ثابت ہو گیا، کیونکہ جس پر موقوف ہے جب وہ اختیاری نہیں تو جو موقوف ہے، وہ بھی پورا اختیاری نہیں، لہذا ثابت ہوا کہ فراخی اور تنگی، کامیابی اور ناکامی میں اصل مؤثر کسی ایسی ذات کی مشیت ہے جو فاعل اور مختار ہے کہ وہ جس طرح چاہے اس کو متعلق کر دے۔

﴿قُلْ يٰٓعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَابْتَغُوا اِلَیَّ رِبَّکُمْ وَاَسْلُمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بُعْثَہٗ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسُ یٰحَسْرَتَہٗ عَلٰی مَا فَرَّطْتُ فِیْ جَنْبِ اللّٰهِ وَلَنْ کُنْتُ مِنَ الشَّخِیْرِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰی لَکُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حٰیثُ تَرٰی الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ کَرَّةً فَاکُوْنُ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ بَلٰی قَدْ جَآءَتْکَ اٰیٰتِیْ فَکَذَّبْتَ بِہَا وَاسْتَکْبَرْتَ وَکُنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ۝ وَیَوْمَ الْقِیَمَۃِ تَرٰی الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا عَلٰی اللّٰهِ وَجُوْہُہُمْ مُّسْوَدَّۃٌ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوٰی لِّلْمُتَّکِبِیْنَ ۝ وَیُنٰجِی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا عَفَا ذُنُوْبَهُمْ وَلَا یَسْتَمُ السُّوْءُ وَلَاہُمْ یُخْزٰوْنَ ۝﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں، تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید

مت ہو۔ بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔ اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اُس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے، پھر تمہاری کوئی مدد نہ کی جاوے۔ اور تم اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے، اور تم کو خیال بھی نہ ہو۔ کبھی کوئی شخص کہنے لگے کہ افسوس! میری اُس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی اور میں تو ہنستا ہی رہا یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا، یا کوئی عذاب دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا پھر جانا ہو جاوے پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں۔ ہاں بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچی تھیں سو تو نے اُن کو جھٹلایا اور تو نے تکبر کیا اور کافروں میں شامل رہا۔ اور آپ قیامت کے روز ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا تھا۔ کیا ان متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟ اور جو لوگ سچے تھے، اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو کامیابی کے ساتھ نجات دے گا اُن کو تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

رابطہ: اوپر شرک کی مذمت اور اس پر وعید ہے جس سے توحید کی طرف دعوت مقصود ہے، ایسے مضمون بن کر بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ جب ایسی شدید وعید کے مستحق ہیں تو اگر آئندہ کے لئے ایمان اور توحید بھی اختیار کر لئے تب بھی گزشتہ شرک کا وبال تو بھگتنا پڑے گا پھر اسلام قبول کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟ اس کا جواب اگلی آیتوں میں دیا گیا کہ یہ سب معاف ہو جائے گا، اس پر بالکل عذاب نہیں ہوگا اور اس معافی کا طریقہ بھی بتایا گیا یعنی شرک سے توبہ اور اسلام کی طرف توجہ، اور اس کے ساتھ یہ بھی سنا دیا کہ جس طرح اسلام قبول کرنے پر معافی اور نجات کا وعدہ ہے اسی طرح اس کی ضد یعنی کفر و شرک پر اصرار کرنے پر وعیدیں بھی ہیں۔

اسلام پر مطلق نجات اور معافی کا وعدہ اور اس کی ضد پر عذاب و سزا کی وعید:

آپ (ان سوال کرنے والوں کے جواب میں میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے پروردگار! جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں، تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو (اور یہ خیال نہ کرو کہ ایمان لانے کے بعد گزشتہ کفر و شرک پر پکڑ ہوگی، توبہ بات نہیں، بلکہ) یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ (اسلام کی برکت سے) تمام (بچھلے) گناہوں کو (چاہے وہ کفر و شرک ہی کیوں نہ ہوں) معاف فرمائے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے اور (چونکہ اس معافی کی شرط اور طریقہ کفر سے توبہ کرنا اور اسلام کو قبول کرنا ہے، اس لئے) تم (کفر سے توبہ کرنے کے لئے) اپنے رب کی طرف توجہ کرو اور (اسلام قبول کرنے میں) اس کی فرماں برداری کرو، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے (اور) پھر (اس وقت کسی کی طرف سے) تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے (یعنی جس طرح اسلام قبول کرنے کی صورت میں سب کفر و شرک معاف ہو جائے گا، اسی طرح اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں اس کفر و شرک پر عذاب ہوگا۔ جسے

دور کرنے کی اسلام کے سوا کوئی صورت نہیں) اور (جب یہ بات ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے کا یہ انجام ہے تو) تم (کو چاہئے کہ) اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تمہیں (اس کا) خیال بھی نہ ہو (اس سے بعد والی آیت کے قرینہ سے آخرت کا عذاب مراد ہے، اور اچانک یا تو اس لئے کہا کہ پہلی بار صور پھونکنے پر ساری روئیں بے ہوش ہو جائیں گی، پھر دوسری بار صور پھونکنے جانے کے بعد عذاب کا ادراک ہونے لگے گا۔ اور یا اس لئے کہا کہ جیسا عذاب واقع ہوگا، واقع ہونے سے پہلے اس کی حقیقت کا ادراک نہ ہوگا اور ویسا گمان بھی نہ ہوگا اور یہ توجہ کرنے اور اسلام اور اتباع کا حکم اس لئے دیا جاتا ہے کہ) کبھی (کل قیامت کے دن) کوئی شخص کہنے لگے کہ میری اس کوتاہی پر افسوس ہے جو میں نے اللہ کے معاملہ میں کی (یعنی اس کی اطاعت میں جو مجھ سے کوتاہی ہوئی) اور میں تو (اللہ کے احکام پر) ہنستا ہی رہا۔ یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ (دنیا میں) مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا (مگر ہدایت ہی سے محروم رہا، اس لئے یہ ساری کوتاہی ہوئی) یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا (دنیا میں) پھر جانا ہو جائے، پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں (یہاں ﴿حِیْنَ تَرٰی الْعَذَابَ﴾ کی قید لگانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دو قول عذاب دیکھنے سے پہلے ہوں گے غالباً پہلی بار حشر کے میدان میں جب اعمال کی کوتاہی کی اطلاع ہوگی، اس وقت پہلا قول کہا جائے گا پھر عذر و حجت کے طور پر شاید جبر کے مسئلہ سے دلیل پکڑنے کے طور پر کہ جان بچ جائے دوسرے قول سے کوتاہی کو حق کی ہدایت نہ ہونے کا سبب بتائیں گے، پھر جب اس عذر کو نفع دینے والا نہ پائیں گے اور عذاب کو دیکھ ہی لیں گے تو اس وقت واپس لوٹنے کی تمنا کریں گے، اس طرح تینوں اقوال ایک کے بعد ایک ہوں گے، چاہے ہر کافر تینوں قول ایک کے بعد ایک اسی ترتیب سے کہے۔ یا بعض لوگ ایک قول کہیں اور بعض دوسرا تیسرا۔ لہذا لفظ ﴿اَوْ﴾ اس لئے ہے کہ کسی حالت سے خالی نہیں۔

اور چونکہ دوسرا قول ظاہر میں دھوکہ کا سبب ہے، اس لئے اس کے رد میں جو جواب دیا جائے گا، اس کو نفل فرماتے ہیں کہ ﴿لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰیْنِیْ﴾ کے جواب میں اس سے کہا جائے گا کہ) ہاں! بے شک تمہارے پاس میری آیتیں پہنچی تھیں تو تم نے انہیں جھٹلایا (اور جھٹلانا کسی شبہ کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ) تم نے تکبر کیا اور (یہ بھی نہ ہوا کہ دوسرے وقت دماغ درست ہو جاتا بلکہ تم) ہمیشہ) کافروں میں شامل رہے (جواب کا حاصل یہ ہے کہ جبر و زبردستی ہدایت دینا تو آزمائش و امتحان کے خلاف ہے، اس کی نفی میں تو کوئی اشکال نہیں، اور بغیر جبر و زبردستی نفی کرنا غلط ہے کیونکہ آیتوں کا تمہارے پاس آنا ہدایت ہی تھا۔ لہذا ﴿هَدٰیْنِیْ﴾ تو واقع ہوا تھا یعنی تمہارے لئے ہدایت کا انتظام و سامان تو کیا گیا تھا لیکن تقویٰ تمہارے غلط طریقہ اختیار کرنے اور غلط کام کرنے کی وجہ سے واقع نہیں ہوا، لہذا تمہارا یہ عذر بالکل باطل ہے) اور (آگے کفر پر اصرار کرنے والوں اور کفر سے توبہ کرنے والوں کی سزا و جزا کا مختصر طور پر ذکر فرماتے ہیں کہ اے رسول!) آپ

قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنہوں نے اللہ کے بارے میں جھوٹ بولا تھا (اس میں دواور آگئے۔ ایک یہ کہ جو بات اللہ نے نہیں کہی اس کو کہنا جیسے شرک وغیرہ کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ بات اللہ نے کہی ہے۔ دوسرے یہ کہ جو بات اللہ نے کہی جیسے قرآن، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ بات اللہ نے نہیں کہی ہے) کیا ان تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟ (جو کہ عناد اور تکبر کے طور پر جھٹلائیں) اور جو لوگ (شرک و کفر سے) بچتے تھے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ (جہنم سے) نجات دے گا، انہیں (ذرا بھی) تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ انہیں کوئی غم ہوگا (کیونکہ جنت میں غم نہیں)

﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ۝ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ أَشْرَكَتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ بَلِ اللَّهُ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَتَّىٰ قَدَرَهُ ۖ وَالْأَرْضُ جَنِينًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ۖ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرَكُونَ ۝﴾

ترجمہ: اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمان اور زمین کی۔ اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! کیا پھر بھی تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کی فرمائش کرتے ہو۔ اور آپ کی طرف بھی اور جو غیر آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اے عام مخاطب! اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا کام غارت ہو جاوے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا۔ بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرنا اور شکر گزار رہنا۔ اور ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی جیسی کرنی چاہئے تھی، حالانکہ ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوئے اُس کے داہنے ہاتھ میں وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے۔

رابطہ: اوپر توحید کا حکم اور اس پر مزید لطف و مہربانی ہونے اور شرک کرنے اور شریک بنانے کی ممانعت اور اس پر شدید وعید کا ذکر تھا۔ اب ﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ﴾ الخ اور ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝﴾ الخ آیتوں میں اللہ کی بعض صفات کے ذریعہ توحید اور وعدہ و وعید کے پورے ہونے کی تائید اور درمیان میں شرک کی مذمت کے ذریعہ شرک سے رکنے کی تاکید اور ﴿وَالْأَرْضُ جَنِينًا﴾ الخ سے آئندہ وعید کے دن کے احوال کی تفصیل کے تمہیدی مضمون ہیں۔

توحید کے امر کی تائید اور وعدہ و وعید کا واقع ہونا اور شرک کی مذمت کی تاکید:

اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے والا ہے (اور) اسی کے اختیار میں آسمانوں اور

زمین کی کنجیاں ہیں (یعنی ایجاد کرنے والا بھی وہی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اللَّهُ خَالِقُ﴾۔ اور باقی رکھنے والا اور حفاظت کرنے والا بھی وہی ہے جیسا کہ فرمایا ﴿وَكَيْلُ﴾۔ اور تعریف کرنے والا بھی وہی ہے جیسا کہ فرمایا ﴿لَهُ مَقَالِيدُ﴾ اس لئے کہ خزانوں میں تصرف کرنے والا عام طور سے وہی ہوتا ہے جس کے پاس خزانوں کی کنجیاں ہوتی ہیں۔ لہذا یقیناً کمال کی ایسی صفیتیں رکھنے والا شریک سے بھی پاک ہوگا۔ اور وہی جزا و سزا کا بھی مالک ہوگا۔ اس سے اوپر والے دونوں مضمونوں یعنی توحید اور وعدہ و وعید کی تائید ہوگئی) اور چونکہ خالق، حافظ اور کنجیوں کا مالک ہونا مخالفوں کو بھی تسلیم تھا، لہذا مقدموں کے تسلیم کرنے سے مقاصد یعنی توحید کا ثبوت اور جزا و سزا کی صحت کے تسلیم کرنے کی زیادہ تاکید ہوگئی، لہذا (جو لوگ (اس پر بھی) اللہ کی آیتوں کو) جو کہ توحید اور جزا و سزا پر مشتمل ہیں، اور تسلیم کئے ہوئے مقدموں کی تائید کرنے والی ہیں) نہیں مانتے، وہ بڑے نقصان میں رہیں گے (اور اے رسول! یہ لوگ خود تو کفر و شرک میں مبتلا تھے ہی، مگر ان کا یہاں تک حوصلہ بڑھ گیا کہ نعوذ باللہ آپ کو اپنے طریقہ پر لانے کی فرمائش کرتے ہیں، تو) آپ (ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! کیا (اس کے بعد کہ توحید ثابت ہو چکی اور شرک باطل ہو چکا) پھر بھی تم مجھ سے اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو؟ اور (اے رسول! آپ سے نعوذ باللہ شرک کے صادر ہونے کا کہاں احتمال ہے؟ جس پر وہ توقع کرتے ہیں، کیونکہ) آپ کی طرف بھی اور جو نبی آپ سے پہلے گزرے ہیں ان کی طرف سے بھی یہ بات (وحی (میں) بھیجی جا چکی ہے) (کہ اپنے ہر امتی کو پہنچادیں) کہ اے (عام مخاطب! اگر تم شرک کرو گے تو تمہارا کیا کرایا کام (سب) غارت ہو جائے گا، اور تم نقصان میں رہو گے) (تو اے مخاطب! کبھی شرک مت کرنا) بلکہ (ہمیشہ) اللہ ہی کی عبادت کرنا اور (اللہ کا) شکر گزار رہنا (یہ شرک کے فتنے یعنی برا ہونے کی دلیل ہے کہ وہ سب سے زیادہ شدید درجہ کی ناشکری ہے، لہذا جب انبیاء کو شرک کا فتنہ ہونا وحی کے ذریعہ معلوم ہے اور دوسروں تک اس کے پہنچانے کا حکم ہے تو ان سے جیسا کہ ان میں سے آپ بھی ہیں، شرک کا صادر ہونا کب ممکن ہے؟ تو ایسی ہوس رکھنا ان کے دماغ کا خلل ہے) اور (افسوس ہے کہ) ان لوگوں نے اللہ کی کچھ قدر نہیں کی، جیسی کہ قدر کرنی چاہئے تھی (قدر کرنے سے مراد توحید کا ماننا ہے اور اس کی نفی سے مراد شرک ہے) حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے (اور کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے، لہذا) وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے (اور اس میں توحید کے بیان کے ساتھ اگلے مضمون کی تمہید بھی ہوگئی۔

فائدہ: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ کے ترجمہ کے بیان سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہاں اس کا لانا پہلے والے مضمون کی بنیاد پر ہے، لہذا نہ یہ دوسرہ رہا کہ یہاں سزا کے ساتھ جزا کا ذکر کیوں نہیں ہوا، اور نہ ہی اس دوسرے کو دور کرنے کے لئے یہ کہنے کی ضرورت رہی کہ اس کا عطف ﴿يُنَبِّئُ﴾ پر ہے کہ اس میں دوسرا دوسرہ یہ ہوگا کہ اس کا مقابلہ ﴿تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا﴾

سے پورا ہو چکا تھا، پھر اس کی کیا ضرورت رہی؟ اور ﴿الْاَشْمُوتُ مَنْطُوتٌ﴾ کی تفسیر کے لئے سورۃ انبیاء آیت ۱۰۴ ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ﴾ الخ کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔ اور یحییٰ یعنی داہنا ہاتھ وغیرہ کا ثبوت مشابہات میں سے ہے۔ اس پر اس کی کیفیت کو جاننے کی کوشش کے بغیر ایمان لانا واجب ہے۔ اور توحید کو تعظیم کا حق جاننا یا قدر کرنا عقائد کے اعتبار سے کہا ورنہ تعظیم کا حق یا قدر کرنا اس میں محدود نہیں، اور کسی چیز کا تعظیم کا حق ہونا بندہ کی وسعت کے اعتبار سے ہے، ورنہ اس کی کامل ذات کا حق کون ادا کر سکتا ہے۔

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصُوعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اٰخَرٰى ۝۱۰۴﴾
 ﴿وَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ۝۱۰۵﴾ وَأَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِئَتْ بِالنَّبِيِّنَ وَالشَّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝۱۰۶﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝۱۰۷﴾ وَسَيُنَادِي السَّامِعُونَ الْمُرْسَلِينَ إِذَا جَاءُوهَا فَتُحْتَضَرُ ابْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلْهٰٓيَا قَوْمَ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ قَالُوا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝۱۰۸﴾ قِيلَ اَدْخُلُوا ابْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيْهَا ۚ فَمِمَّنْ مَّثُوٰى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝۱۰۹﴾ وَسَيُنَادِي الَّذِيْنَ اٰتَقَوْا رَبَّهُمْ اِلٰى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰى اِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ ابْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خٰلِدِينَ ۝۱۱۰﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقْنَا وَعَدَهُ ۚ وَآوَرَّثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِينَ ۝۱۱۱﴾ هُوَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَافِئِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝۱۱۲﴾

ترجمہ: اور صور میں پھونک ماری جاوے گی سو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے پھر اُس میں دوبارہ پھونک ماری جاوے گی تو دفعۃً سب کے سب کھڑے ہو جاویں گے، دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جاوے گی اور نامۃ اعمال رکھ دیا جاوے گا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جاویں گے۔ اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جاوے گا اور اُن پر ذرا ظلم نہ ہوگا، اور ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جاوے گا اور وہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے، اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ بنا کر ہانکے جاویں گے۔ یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو اُس کے دروازے کھول دیئے جاویں گے اور ان سے دوزخ کے محافظ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ کافر کہیں گے کہ ہاں! لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر پورا ہو کر رہا۔ کہا جاوے گا کہ جہنم کے

دروازوں میں داخل ہو، ہمیشہ اس میں رہا کرو۔ غرض تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانا ہے۔ اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے، وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کئے جاویں گے۔ یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچیں گے اور اُس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور وہاں کے محافظ اُن سے کہیں گے: السلام علیکم! تم مزہ میں رہو، سو اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ۔ اور کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنادیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں۔ غرض عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے۔ اور آپ فرشتوں کو یکہیں گے کہ عرش کے گرد اگر حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہوئے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جاوے گا اور کہا جاوے گا کہ ساری خوبیاں خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

رابطہ: اوپر ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ﴾ الخ میں توحید کے اثبات اور شرک کو باطل کرنے کے ضمن میں جزا و سزا کی تمہید تھی، اور اس سے اوپر بھی بعض آیات میں اجمالاً اس کا ذکر ہوا ہے، اب مقصود بنا کر اور تفصیل کے ساتھ ختم سورت تک یہی مضمون ہے۔

خاتمہ میں جزا و سزا کی تفصیل:

اور (قیامت کے دن، جس کا اوپر ذکر آیا ہے) صور میں پھونک ماری جائے گی، تو سارے آسمانوں اور زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے (پھر زندہ تو مرجائیں گے اور مردوں کی رو میں بے ہوش ہو جائیں گی) سوائے اس کے جسے اللہ چاہے (وہ اس بے ہوشی اور موت سے محفوظ رہے گا) پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو یکا یک سب کے سب (ہوش میں آکر اور رگوں کا تعلق جسموں سے ہو کر قبروں سے نکل) کھڑے ہو جائیں گے (اور چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے (جیسا کہ کسی بھی عجیب حادثہ کے واقع ہونے کے وقت طبعی طور پر ایسا ہوتا ہے) اور (پھر حق تعالیٰ حساب کے لئے زمین پر اپنی شان کے مطابق تجلی نازل فرمائیں گے، اور زمین (بغیر کیفیت کے) اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ اور (سب کا) اعمال نامہ (ہر ایک کے سامنے) رکھ دیا جائے گا، اور نبی اور گواہ حاضر کئے جائیں گے (گواہ میں عام مفہوم سے نبی شامل ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿كَذَٰلِكَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ﴾ اور فرشتے بھی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مَعَهَا سَاقِقٌ وَشَهِيدٌ﴾ جس کی تفسیر فرشتے سے مرفوع اور موقوف حدیثوں میں آئی ہے۔ جیسا کہ الدر المنثور میں سورہ ق میں ہے اور اس میں محمد ﷺ کی امت بھی شامل ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ اور اعضاء و جوارح بھی جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿تُكَلِّمُنَا أَيْدِيَهُمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ﴾ اور ان سب (مکلف لوگوں) میں (اعمال کے مطابق) ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا (کہ کوئی نیک عمل جو اس کی شرطوں کے مطابق ہوا ہو چھپا لیا جائے، اعمال نامہ میں شامل نہ کیا جائے یا کوئی برا عمل بڑھا دیا جائے) اور

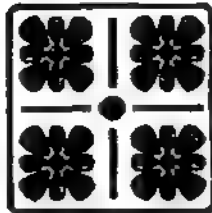
ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا (نیک اعمال میں بدلے کے پورا ہونے سے مقصود کسی کی نفی ہے اور برے اعمال میں بدلے کے پورا ہونے سے مقصود زیادتی کی نفی ہے) اور وہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے (لہذا اس کو ہر ایک کے مطابق جزا دیدینا کچھ مشکل نہیں) اور اس بدلہ کا بیان جو فیصلہ کا نتیجہ ہے، یہ ہے کہ (جو کافر ہیں وہ گروہ بنانا کر (دھکے دے کر ذلت و خواری کے ساتھ) جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے) (گروہ بنانا کر اس لئے ہانکے جائیں گے کہ کفر کی قسمیں اور درجے و مرتبے جدا جدا ہیں، لہذا ہر قسم کے کافروں کے الگ الگ گروہ ہوں گے) یہاں تک کہ جب جہنم کے پاس پہنچیں گے تو (اس وقت) اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے جہنم کے محافظ (فرشتے ملامت کے طور پر) کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں (کہ اس صورت میں فیض حاصل کرنا بھی آسان تھا) رسول نہیں آئے تھے؟ جو تمہیں تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر بنایا کرتے تھے اور تمہیں تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے؟ وہ کافر کہیں گے کہ ہاں! (رسول بھی آئے تھے اور انہوں نے ڈرایا بھی تھا) لیکن کافروں پر (جن میں ہم شامل ہیں) عذاب کا وعدہ پورا ہو کر رہا (یہ عذر نہیں بلکہ اعتراف ہے کہ ابلاغ اور تبلیغ کے باوجود ہم نے کفر کیا اور کافروں کے لئے جس عذاب کا وعدہ کیا گیا تھا، وہ ہمارے سامنے آیا۔ واقعی ہماری نالائقی ہے۔ پھر ان سے) کہا جائے گا (یعنی وہ فرشتے کہیں گے) کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ (اور) ہمیشہ اس میں رہا کرو، غرض (اللہ کے احکام سے) تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے (پھر اس حکم کے بعد وہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے اور دروازے بند کر دیئے جائیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ﴾ یہ تو کافروں کا حال ہوا) اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے (جس کا ابتدائی درجہ ایمان ہے پھر آگے مختلف درجے ہیں) وہ گروہ بنانا کر (کہ جس مرتبہ کا تقویٰ ہوگا، اس مرتبہ کے متقی ایک جگہ کر دیئے جائیں گے اور) جنت کی طرف (شوق دلا کر جلدی جلدی) روانہ کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب اس (جنت) کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے (پہلے سے) کھلے ہوئے ہوں گے (تاکہ ذرا بھی دیر نہ لگے، ظاہر ہے عزت و اکرام والوں کے لئے ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ مہمانوں کے لئے ہوتا ہے کہ پہلے سے دروازہ کھول دیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مُفْتَحَةٌ لَهُمْ﴾ (الْبُوابُ) اور اس کے محافظ (فرشتے) ان سے (عزت و اکرام اور تعریف کے طور پر) کہیں گے: السلام علیکم تم مزے میں رہو۔ لہذا اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ (وہ اس وقت اس میں داخل ہو جائیں گے) اور (داخل ہو کر) کہیں گے کہ اللہ کالا کھلا کھلا شکر ہے جس نے ہم سے کیا ہوا اپنا وعدہ سچا کیا۔ اور ہمیں اس زمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں، قیام کریں (یعنی ہر شخص کو خوب فراغت کی جگہ ملی ہے، کہ خوب کھل کھل کر چلیں پھریں، بیٹھیں، اٹھیں، قیام کے طور پر تو اپنی ہی جگہ میں اور سیر کے طور پر دوسرے جنتیوں کے درجوں میں بھی) غرض (نیک) عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے (یہ یا تو انہی جنتیوں کا کلام ہو یا اللہ تعالیٰ کا کلام ہو) اور (آگے اجلاس سے فیصلہ کے آخر تک کے اسی

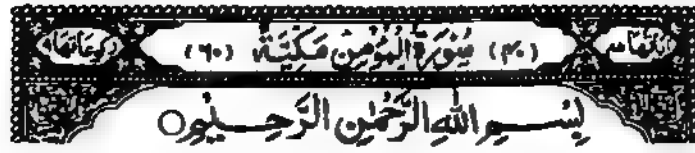
مضمون کو مختصر اور شان و شکوکت سے بھرے ہوئے الفاظ میں تلخیص کے طور پر فرماتے ہیں کہ) آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ (حساب کے لئے اجلاس کے نزول کے وقت) عرش کے آس پاس حلقہ باندھے ہوں گے (اور) اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہوں گے۔ اور سارے بندوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور (اس فیصلہ کے ٹھیک ہونے پر ہر طرف سے جوش کے ساتھ یہی شور ہوگا، اور) کہا جائے گا کہ ساری خوبیاں اللہ ہی کے لائق ہیں، جو سارے عالموں کا پروردگار ہے (جس نے ایسا عمدہ فیصلہ کیا پھر تحسین و تعریف کے اس نعرہ پر دربار برخواست ہو جائے گا)

فائدہ: ﴿قَآذًا هُمْ﴾ فرمایا اور سورۃ یس آیت ۵۱ میں ﴿لَآ رَیْبَہُمْ یَنْبِئُکُمْ﴾ فرمایا۔ دونوں کے درمیان مطابقت کی وجہ سورۃ یس میں بیان ہوئی ہے اور ﴿لَآ مَن شَاؤْ﴾ کی تفسیر سورۃ نمل آیت ۸۷ میں گزر چکی ہے۔ اور ﴿اَشْرَقَتْ الْاَرْضُ﴾ اور ﴿تَرٰی الْمَلَآئِکَۃَ﴾ کی تفسیر میں جو لکھا گیا ہے وہ درمنثور کی حدیث مرفوعہ سے لیا گیا ہے اور جنت میں چلنے اور رہنے کی جگہ کو ﴿الْاَرْضُ﴾ کہنے میں حقیقت اور مجاز دونوں کا احتمال ہے۔

﴿اللہ تعالیٰ کی مدد اور ان کی حفاظت سے سورۃ الزمر کی تفسیر ۲۲ ربیع الاول کو جو پہلے سفارش کرنے

والے کی ولادت کا مہینہ ہے بروز پیر سنہ ۱۳۲۵ھ کو پوری ہوئی﴾





شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابطہ: پوری سورت کا حاصل تین مضمون ہیں: (۱) توحید، کہیں اس پر استدلال ہے، کہیں اسے اختیار کرنے کا حکم اور اس کی ضد کے حوالہ سے اس کی ممانعت ہے۔ اور کہیں اس کا اعتقاد رکھنے والو کی تعریف اور انہیں خوش خبری ہے (۲) حق کے معاملہ میں کہ حق کے عموم میں رسالت وغیرہ بھی داخل ہیں، بحث کرنے اور لڑنے جھگڑنے والوں کی ملامت اور ڈرانا و دھمکانا ہے کہیں دنیا کی سزا سے اور کہیں آخرت کے عذاب سے (۳) تیسرا مضمون رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے اور ملامت و تسلی کی تاکید و تائید کے لئے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ کسی قدر تفصیل سے اور پچھلے نبیوں کے بھیجے کا بیان مختصر انداز میں فرمایا ہے۔ اور گذشتہ سورت کے ختم پر آخرت میں مومنوں اور کافروں کے حال کا فرق کہ ایک نجات پانے والا ہے اور دوسرا عذاب میں مبتلا ہے، اور اس سورت میں دونوں فریقوں کے دنیا میں حال کا فرق کہ ایک فرماں بردار مومن ہے اور دوسرا بحث و جھگڑے اور گمراہی میں گرفتار ہے۔ ان کے ذکر سے دونوں کے ختم اور شروع میں مناسبت بھی ظاہر ہوگئی اور دنیا میں حال کے اس بیان سے پہلے جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کا حق ہونا اور نازل کرنے والے کی بعض صفات جو جمع توحید آئی ہیں انہیں بحث کرنے اور جھگڑنے والوں اور ان کے مقابلہ والوں کے اختلاف کے موقع پر تمہید و تعین کے طور پر سمجھنا چاہئے، لہذا ختم اور شروع کے مضمون میں اجنبی کے خلل کا شبہ نہیں کرنا چاہئے۔

حَمْدٌ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ۝ ذُكِّرَ الْقَوْمُ الْكَافِرُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَهُ الْمَصِيرِ ۝ مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُوكَ تَقْلُبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۝ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَدُوا بِالْبَاطِلِ يُدْخِلُونَهُ الْحَقَّ فَآخُذُهُمْ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَكَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝ الَّذِينَ يَصْلَوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَ

ذَرِيَّتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ ۚ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

ع

ترجمہ: ﴿حُصَم﴾ یہ کتاب اتاری گئی اللہ کی طرف سے، جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے قدرت والا ہے۔ اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اُسی کے پاس جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں میں وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو منکر ہیں سوان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو امتحاہ میں نہ ڈالے۔ ان سے پہلے لوح کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی جو کہ اُن کے بعد ہوئے جھٹلایا تھا۔ اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اُس ناحق سے حق کو باطل کر دیں سو میں نے اُن پر دار و گیر کی۔ سو میری طرف سے کیسی سزا ہوئی۔ اور اسی طرح تمام کافروں پر آپ کے پروردگار کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ وہ لوگ دوزخی ہو گئے۔ جو فرشتے کہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرد گرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کیا کرتے ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے، سوان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے توبہ کر لی ہے اور آپ کے راستے پر چلے ہیں اور اُن کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے۔ اے ہمارے پروردگار! اور ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے، داخل کر دیجئے اور اُن کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں جو لائق ہوں اُن کو بھی داخل کر دیجئے۔ بلا شک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔ اور اُن کو تکالیف سے بچائیے۔ اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچالیں تو اس پر آپ نے مہربانی فرمائی۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

تمہید میں قرآن مجید کے برحق ہونے کا اور اللہ تعالیٰ کی بعض صفتوں

کا بیان پھر ضدی جھگڑا لوگوں کو دھمکانا اور توحید والوں کے مدائح:

﴿حُصَم﴾ (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتاری گئی ہے جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے، گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا ہے، قدرت والا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی کے پاس (سب کو) جانا ہے (لہذا قرآن اور توحید کے حق ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے انکار اور اس کے بارے میں بحث و جھگڑا نہ کیا جائے، مگر پھر بھی) اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں میں (یعنی قرآن میں جو کہ توحید پر مشتمل ہے) وہی لوگ (ناحق بحث و جھگڑے کرتے ہیں جو) (اس کے) منکر ہیں (اور اس انکار کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں سزا ہو جاتی، لیکن جلدی سزا نہ ہونا عادت کے خلاف ڈھیل دینا ہے) تو ان لوگوں کا شہروں میں (امن و امان کے ساتھ دنیاوی

فائدوں کے لئے) چلنا پھرنا آپ کو شبہ میں نہ ڈالے (کہ اس سے ان کا سزا سے ہمیشہ کے لئے بچا رہنا سمجھ لیا جائے اور آپ کے اس خطاب سے دوسروں کو سنانا مقصود ہے۔ غرض ان پر کسی نہ کسی وقت پکڑ ضرور ہوگی۔ چنانچہ) ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی جو کہ ان کے بعد ہوئے (جیسے عاد و ثمود وغیرہ۔ دین حق کو) جھٹلایا تھا۔ اور ہر امت (میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے، انھوں) نے اپنے رسول کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا (کہ پکڑ کر قتل کر دیا جائے) اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اس ناحق کے ذریعہ حق کو باطل کر دیں تو (آخر) میں نے ان پر پکڑ کی تو (دیکھو) میری طرف سے (انہیں) کیسی سزا ہوئی۔ اور (جس طرح انہیں دنیا میں سزا ہوئی) اسی طرح آپ کے پروردگار کا یہ قول تمام کافروں پر ثابت ہو چکا ہے کہ وہ لوگ (آخرت میں) جہنمی ہوں گے (یعنی یہاں بھی سزا ہوئی اور وہاں بھی ہوگی، اسی طرح کفر کے سبب ان موجودہ کافروں کی بھی پکڑ اور سزا ہونے والی ہے، چاہے دونوں عالم میں یا آخرت میں، یہ تو انکار کرنے والوں کا حال ہوا کہ وہ تو ہیں و بے عزتی اور عذاب و سزا کے مستحق ہیں، اور جو لوگ توحید کے ماننے والے اور مؤمن ہیں، وہ ایسے عزت والے ہیں کہ مقرب فرشتے ایمان اور تسبیح کی طرح ان کے لئے دعا اور استغفار کرنے میں مشغول رہتے ہیں جو کہ ﴿يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ کے قاعدہ کے مطابق ان کے استغفار کے لئے حکم دیئے ہوئے ہونے کی علامت ہے جس سے مؤمنوں کا اللہ کے نزدیک محبوب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) جو فرشتے کہ (اللہ کے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے آس پاس ہیں، وہ اپنے رب کی تسبیح و حمد بیان کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے (اس طرح دعا و) استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ کی (عام) رحمت اور علم ہر چیز پر چھائے ہوتے ہیں (لہذا ایمان والوں پر درجہ اولیٰ میں رحمت ہوگی اور ان کے ایمان کا آپ کو علم بھی ہے) لہذا آپ ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے (شرک اور کفر سے) توبہ کر لی ہے۔ اور آپ کے راستہ پر چلتے ہیں، اور انہیں جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے (جو کہ مغفرت کا تقاضا ہے کیونکہ عذاب کا سبب گناہ ہیں اور گناہوں کے دور ہونے سے عذاب بھی دور ہو جائے گا) اے ہمارے رب! اور (جہنم کے عذاب سے بچا کر) انہیں ہمیشہ رہنے کی جنتوں میں داخل کر دیجئے، جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق (یعنی مؤمن) ہوں (چاہے ان کے درجہ کے نہ ہوں جن کی اوپر صفت بیان کی گئی) انہیں بھی داخل کر دیجئے، بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں (کہ مغفرت پر پوری قدرت رکھتے ہیں اور ہر ایک کے حال کے مناسب اس کو درجہ عطا فرماتے ہیں) اور (جس طرح ان کو جہنم سے بچانے کے لئے جو کہ سب سے اعظم عذاب ہے، آپ سے دعا ہے، اسی طرح یہ بھی دعا ہے کہ) انہیں (قیامت کے دن ہر طرح کی) تکلیفوں سے بچائیے (چاہے وہ جہنم سے ہلکی ہوں جیسے قیامت کے دن کی پریشانیاں) اور آپ جس کو اس دن کی تکلیفوں سے بچالیں تو اس پر آپ نے (بہت)

مہربانی فرمائی۔ اور یہ (جس کا ابھی ذکر ہوا یعنی مغفرت و حفاظت اور چھوٹا بڑا عذاب اور جنت کا داخلہ) بڑی کامیابی ہے (لہذا اپنے مؤمن بندوں کو اس سے محروم نہ رکھئے)

فائدہ: یہاں سے سورۃ احقاف تک برابر ملی ہوئی سات سورتیں کلمہ ﴿حَسْم﴾ سے شروع ہوئی ہیں، اور عجیب لطیفہ ہے کہ ساتوں سورتیں قرآن مجید کے اللہ کے طرف سے نازل ہونے اور وحی کے ذریعہ آنے کے مضمون سے شروع ہوئی ہیں اور ایک آیت میں جو ﴿يَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ﴾ آیا ہے، اس میں یا تو ﴿مَنْ فِي الْأَرْضِ﴾ سے مراد مؤمن ہیں یا استغفار سے مراد عذاب و سزا جلدی مانگنے کی دعا ترک کرنا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لِمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتُكْفَرُونَ﴾ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتْنَا ائْتِنَا ائْتِنَا ائْتِنَا فَأَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ﴾ ذِكْرُكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَلَنْ يَشْرَكَ بِهِ تَوْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ﴾

ترجمہ: جو لوگ کافر ہوئے ان کو پکڑا جاوے گا کہ جیسی تم کو اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو نفرت تھی۔ جبکہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر تم نہیں مانا کرتے تھے۔ وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو دوبار مردہ رکھا اور دوبار زندگی دی۔ سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا نکلنے کی کوئی صورت ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کیا کرتے تھے۔ اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے۔ سو یہ فیصلہ اللہ کا ہے جو عالی شان بڑے درجہ والا ہے۔

رابط: اوپر ملامت و ڈرانے دھمکانے میں ﴿أَنْتُمْ أَصْحَابُ النَّارِ﴾ سے کافروں کے جہنم میں داخل ہونے کا ذکر تھا۔ اب جہنم میں داخل ہونے کے بعد کا حال بیان ہوتا ہے۔

جہنم میں داخل ہونے کے بعد کافروں کے بعض حالات:

جو لوگ کافر ہوئے (وہ جب جہنم میں جا کر اپنے کفر و شرک اختیار کرنے پر حسرت و افسوس کریں گے اور خود ان کو اپنے آپ سے سخت نفرت ہوگی، یہاں تک کہ غصہ کے مارے انگلیاں کاٹ کاٹ کھائیں گے جیسا کہ الدر میں حسن سے روایت ہے۔ اس وقت انہیں پکارا جائے گا کہ جس طرح تمہیں (اس وقت) اپنے آپ سے نفرت ہے، اس سے بڑھ کر اللہ کو (تم سے) نفرت تھی جبکہ تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر (بلانے کے بعد) تم نہیں مانا کرتے تھے (اس کہنے سے مقصود حسرت و ندامت زیادہ کرنا ہے) وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! (ہم جو دوسری زندگی کا انکار کیا کرتے تھے اور اسی کے انکار سے کفر و شرک اور تمام معصیتوں پر دلیر تھے اب ہمیں اپنی غلطی معلوم ہوگئی چنانچہ) ہم

نے دیکھ لیا کہ) آپ نے ہمیں دوبار مردہ رکھا ایک بار ہمارے جنم لینے سے پہلے جب کہ بے جان مادوں کی حالت میں تھے جن میں مشہور و معروف قسم کی جان نہیں ہوتی، اور دوسری بار جس کو سب موت کہتے ہیں (اور دوبار زندگی دی) (ایک دنیا کی زندگی، دوسری آخرت کی زندگی۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿كُنْتُمْ أََمْوَآتًا﴾ الخ یہ سب چار حالتیں ہوں گی، اگرچہ ان میں انکار ایک ہی کا تھا، اور اسی کا اقرار اس وقت مقصود ہے لیکن باقی تین حالتوں کا اس لئے ذکر کر دیا کہ وہ یقینی تھیں، لہذا مقصود یہ ہوگا کہ یہ چوتھی حالت بھی ان تینوں کی طرح یقینی اور متحقق ہے (تو ہم اپنی خطاؤں کا جن میں اصل بعث کا انکار ہے۔ اور باقی اس کے فروغ) اقرار کرتے ہیں، تو کیا (یہاں سے) نکلنے کی کوئی صورت ہے (کہ دنیا میں پھر جا کر ان سب خطاؤں کی تلافی کر لیں؟ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿هَلْ رَآلَ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ﴾ اور قول نقل کیا گیا ہے ﴿فَإِنْ جَعَلْنَا نَعْمًا صَاحِبًا﴾ جواب ارشاد ہوگا کہ تمہارے نکلنے کی اب کوئی صورت نہیں، بلکہ اب ہمیشہ یہاں ہی رہنا ہوگا، اور) اس کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا (یعنی توحید کا ذکر ہوتا تھا) تو تم انکار کیا کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَإِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَخْدَهُ﴾ الخ تو (اس پر) یہ فیصلہ اللہ کا (کیا ہوا) ہے جو عالی شان والا (اور) بڑے رتبہ والا ہے (یعنی چونکہ حق تعالیٰ کے اعلیٰ اور اکبر ہونے کے اعتبار سے یہ عظیم جرم تھا، اس لئے فیصلہ سزا بھی عظیم تجویز ہوئی، یعنی ہمیشہ کا داخلہ)

﴿هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ ۝ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِن أَمْرِهِ عَلَى مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُمْ بِلِشْرُونِهِ لَا يُخْفِي عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۝ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَرْزَاقِ إِذْ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كُظُمِينَ هَٰذَا لِلظَّالِمِينَ مِنَ جَمِيعِهِمْ وَلَا شَفِيعَ يُطَآءُ ۝ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَقْضُونَ شَيْءًا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ قُوَّةً وَ أَثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ يَذْنُوبُهُمْ ۚ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ مِن وَّاقٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝﴾

ترجمہ: وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لئے رزق بھیجتا ہے۔ اور صرف وہی شخص

نصیحت قبول کرتا ہے جو رجوع کرتا ہے۔ سو تم لوگ خدا کو خالص اعتقاد کر کے پکارو، گو کافروں کو ناگوار ہو۔ وہ رفیع الدرجات ہے، وہ عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تاکہ اجتماع کے دن سے ڈرائے۔ جس دن سب لوگ سامنے آ موجود ہوں گے اُن کی کوئی بات خدا سے مخفی نہ رہے گی۔ آج کے روز کس کی حکومت ہوگی۔ بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا غالب ہے۔ آج ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا آج کچھ ظلم نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اور آپ ان لوگوں کو ایک قریب آنے والی مصیبت کے دن سے ڈرائیے جس وقت کلیجہ منہ کو آ جاویں گے گھٹ گھٹ جاویں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی ولی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جاوے۔ وہ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور اُن کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا۔ اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارا کرتے ہیں، وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا کیسا انجام ہوا۔ وہ لوگ قوت اور اُن نشانیوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں ان سے بہت زیادہ تھے سوان کے گناہوں کی وجہ سے خدا نے اُن پر داد گیر فرمائی۔ اور اُن کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ ہوا۔ یہ اس سبب سے ہوا کہ اُن کے رسول واضح دلیلیں لے کر آتے رہے، پھر انھوں نے نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مواخذہ فرمایا۔ بیشک وہ بڑی قدرت والا سخت سزا دینے والا ہے۔

رابطہ: اوپر شروع کی آیتوں میں جو توحید و ملامت کا مضمون ہے، اب پھر اسی کا بیان ہے اور اس سے قریب ہی اوپر ﴿اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ﴾ الخ میں عذاب و سزا کے سبب شرک کا ذکر ہے۔ اگلے مضمون سے اس کا بھی بیان ہو گیا۔

توحید اور دھمکانا:

وہی ہے جو تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے (تاکہ ان سے توحید پر استدلال کرو) اور (وہی ہے جو) آسمان سے تمہارے لئے رزق بھیجتا ہے (یعنی بارش کرتا ہے جس سے رزق پیدا ہوتا ہے، یہ بھی مذکورہ نشانیوں میں سے ہے) اور (ان نشانیوں سے) صرف وہی شخص (نصیحت قبول کرتا ہے جو) (اللہ کی طرف) توجہ (کرنے کا ارادہ) کرتا ہے (کیونکہ توجہ کرنے کے ارادہ سے غور و فکر کرتا ہے اور غور و فکر سے حق تک پہنچ جاتا ہے) تو (جب توحید پر دلیلیں قائم ہیں تو) تم لوگ (کفر و شرک کو چھوڑ کر) اللہ کو خالص اعتقاد کر کے (یعنی توحید کے ساتھ) پکارو (اور مسلمان ہو جاؤ) چاہے کافروں کو ناگوار (ہی کیوں نہ) ہو، وہ بلند درجوں والا ہے، وہ عرش کا مالک ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تاکہ وہ (وحی والا، لوگوں کو) جمع ہونے کے دن سے (یعنی قیامت کے دن سے) ڈرائے، جس دن سب لوگ (اللہ کے) سامنے آ موجود ہوں گے (کہ) ان کی بات اللہ سے چھپی نہیں رہے گی، آج کے دن کس کی حکومت ہوگی؟ بس اللہ ہی کی ہوگی جو اکیلا (اور) غالب ہے۔ آج ہر شخص کو اس کے کئے (ہوئے کاموں) کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج

(کسی پر) کچھ ظلم نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے اور (جس طرح بھی نبیوں اور رسولوں کو اس دن سے ڈرانے کا حکم ہوا ہے جیسا کہ ارشاد گذرا۔ اسی طرح آپ کو بھی اس کا حکم ہے، لہذا) آپ (بھی) ان لوگوں کو ایک قریب آنے والی مصیبت کے دن سے (کہ قیامت کا دن ہے) ڈرائیے، جس وقت کلیجے منہ کو آجائیں گے (غم سے) گھٹ گھٹ جائیں گے (اس دن) ظالموں (یعنی کافروں) کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا، جس کا کہنا مانا جائے (اور) وہ (ایسا ہے کہ) آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان (باتوں) کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں (جن کو کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو بندوں کے تمام اعمال کا علمی احاطہ ہے جس پر جزا و سزا موقوف ہے) اور (چونکہ) اللہ تعالیٰ (کا علم اور تمام صفتیں کامل ہیں، اس لئے وہ) ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا۔ اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ پکارا کرتے ہیں، وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے (کیونکہ) اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے (اسی طرح اس میں کمال کی اور بھی صفتیں ہیں، اور دوسرے معبود کمال کی ان صفتوں سے خالی ہیں، اس لئے اس کے سوا دوسرا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں: ایک شریکوں کا مدد سے عاجز ہونا۔ دوسرے شرکت کی نفی۔ اور یہ لوگ جو جزا و سزا اور برابری کے مضمون بن کر کفر و شرک کے سزا کا سبب ہونے سے انکار کرتے ہیں تو) کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (کافر) لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں (اس کفر کی بدولت) ان کا انجام کیسا ہوا؟ وہ لوگ قوت اور ان نشانوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں (جیسے عمارتیں وغیرہ) ان (موجودہ کافروں) سے بہت زیادہ تھے تو ان کے گناہوں کی وجہ سے کہ ان میں سے سب سے شدید درجہ کفر تھا) اللہ نے ان پر پکڑ فرمائی (یعنی عذاب نازل کیا) اور انہیں کوئی اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوا (آگے ان گناہوں کی تفصیل ہے کہ) یہ (پکڑ) اس سبب سے ہوئی کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں (یعنی معجزے جو کہ نبوت کی دلیلیں ہیں) لے کر آتے رہے، پھر انہوں نے نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پکڑ فرمائی۔ بے شک وہ بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے (لہذا جب پکڑ کی علت کفر و شرک ہے جو ان میں بھی مشترک ہے پھر یہ پکڑ سے کیسے محفوظ ہیں، چاہے دونوں جہانوں میں یا آخرت میں)

فائدہ: ﴿رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ﴾ بلند درجوں والا کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، جیسا کہ خازن میں ہے: ایک درجوں کو بلند کرنے والا اس صورت میں اس کو رسالت اور بعثت سے مناسبت ہوگی، کہ وہ کسی کا درجہ رسالت تک بڑھا دیتا ہے، جیسا کہ آگے ہے ﴿يُلْقِي الرُّوحَ﴾ الخ اور اسی طرح قیامت میں عمل والوں کو مختلف درجے عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ﴾ اور دوسرا مطلب عظیم صفتوں والا، لہذا درجات کا مجازی معنی میں صفتوں پر اطلاق ہوگا، کیونکہ اس کے اصل معنی بلند جگہوں اور میٹھیوں کے ہیں۔

اور قیامت کو یوم الاجتماع یعنی جمع ہونے کا دن کہنا ظاہر ہے کہ اس میں ساری مخلوقیں جمع ہوں گی۔ اور درمنثور میں

﴿لَمِنَ الْمَلَكِ﴾ روایتوں میں دو بار آیا ہے ایک صور میں پہلی بار پھونک مارے جانے کے بعد سب کے فنا ہونے کے بعد دوسرا دوسری بار صور پھونکے جانے کے بعد حساب کے شروع ہونے سے پہلے، پہلے کا ذکر اس ارشاد میں ہے ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَوَقَ﴾ الخ اور دوسرے کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ لیکن قرآن مجید کی تفسیر ان روایتوں پر موقوف نہیں، قرآنی دلالت سے ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس ندا کا ذکر نہیں، بلکہ گفتگو کے وقت اس دن کو مبالغہ کے طور پر حاضر فرض کر کے بیان کے استفہام کے طور پر سوال کر کے جواب ارشاد فرماتے ہیں، اور اس فرض کی وجہ سے ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ کو ﴿الْيَوْمِ﴾ فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿قَالِ الْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ﴾ لہذا آیت سے نہ اس روایت کا تقاضا ہے اور نہ ہی اس کی نفی ہے۔ اس لئے نہ ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کی نفی کرنے والی اور نکرانے والی۔ اور ﴿الْأَرْزَاقِ﴾ میں قیامت کو قریب اس لئے کہا کہ روازانہ قریب ہوتی جا رہی ہے۔

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَ سُلْطٰنِ مُّبٰیْنٍ ؕ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ هٰمٰنَ وَقَارُونَ فَقَالُوْا سِحْرٌ كَذٰبٌ ۝۱۰ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا اقْتُلُوْا اَنْبَیَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُۥ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِی ضَلٰلٍ ۝۱۱ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْ اَقْتُلْ مُّوْسٰی وَلِیَدْعُ رَبِّهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنِکُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝۱۲ وَقَالَ مُّوْسٰی اِنِّیْۤ اَعٰذُ بِرَبِّیْ ۝۱۳ مِنْ کُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ۝۱۴ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اٰیٰتِنَا ۚ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اِنْ یَقُوْلَ رَبِّیْ اللّٰهُ وَقَدْ جَاءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَبِّکُمْ ؕ وَاِنْ یَّکْ کَاذِبًا فَعَلِیْهِ کَذِبُهٗ ؕ وَاِنْ یَّکْ صَادِقًا یُضِیْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُّکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُّسْرِفٌ ۝۱۵ کَذٰبٌ ۝۱۶ یَقُوْمُ لَکُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ فَمَنْ یَنْصُرُنَا مِنَ بَآئِسٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنْ جَاءَنَا قَال فِرْعَوْنُ مَا اُرِیْکُمْ اِلَّا مَا اَرٰی وَمَا اُھْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشٰدِ ۝۱۷ وَقَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یَقُوْمُ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝۱۸ مِّثْلَ دَابِ قَوْمِ ثُوْجٍ وَعٰکِدٍ وَتَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِہُمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝۱۹ وَیَقُوْمُ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ ۝۲۰ یَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا لَکُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ؕ وَمَنْ یُضِلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَہٗ مِنْ هَادٍ ۝۲۱ وَلَقَدْ جَاءَکُمْ یُوسُفُ مِنْ قَبْلِ الْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِی شَکٍّ مِّمَّا جَاءَکُمْ بِہٖ حَتّٰی اِذَا هَلٰکَ قُلُومُ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا ؕ کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُّسْرِفٌ ۝۲۲ مُّرْتَابٌ ۝۲۳ الَّذِیْنَ یَجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ یَغْیِرُ سُلْطٰنَہُمْ اَتَہُمْ کِبَرٌ مِّمَّا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَذٰلِکَ یُطْعِمُ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ قَلْبٍ مُّتَکَبِّرٍ ۝۲۴ وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰۤہٰمَنْ اِنِّیْۤ اَنْۢبِیَآءُ الْاَسْبَابِ ۝۲۵ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاطْلِعْ اِلٰی اللّٰهِ مُوسٰی وَاِنِّیْۤ اَظُنُّہٗ کَاذِبًا ۝۲۶ وَکَذٰلِکَ تُرِیْنَ فِرْعَوْنَ سُوْءَ عَمَلِہٖ وَصَدَّ عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَا

کَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنَ يَقَوْمِ اتَّبِعُونِ أَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝ يَقَوْمِ إِنَّمَا هِيَ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا ۝ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنَّىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُنْزَلُ فِيهَا بَغِيرٌ حِسَابٍ ۝ وَيَقَوْمِ مَا لِيَ أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجْوَىٰ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَاشْرِكُ بِهِ مَا لَيْسَ لَهُ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ أَنَّمَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ ۚ وَأَن مَّ رَدَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝ فَسْتَذَكِّرُونَ مَّا أَقُولُ لَكُمْ ۚ وَأَفُوضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ قَوْلُهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ جادوگر جھوٹا ہے۔ پھر جب وہ لوگوں کے پاس دین حق جو ہماری طرف سے تھا لے کر آئے تو ان لوگوں نے کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو۔ اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو۔ اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی۔ اور فرعون نے کہا کہ مجھ کو چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور اس کو چاہئے کہ اپنے رب کو پکارے۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین بدل ڈالے یا ملک میں کئی خرابی پھیلا دے۔ اور موسیٰ نے کہا کہ میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر خرد مانع شخص سے جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا۔ اور ایک مومن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے کہا کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے، حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہی ہو تو اُس کا جھوٹ اُسی پر پڑے گا۔ اور اگر وہ سچا ہو تو وہ جو کچھ پیشین گوئی کر رہا ہے، اس میں سے کچھ تو تم پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے گزر جانے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔ اے میرے بھائیو! آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو، سو خدا کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا؟ اگر وہ ہم پر آپڑا۔ فرعون نے کہا: میں تو تم کو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں اور میں تم کو عین طریق مصلحت بتلاتا ہوں۔ اور اُس مومن نے کہا: صاحبو! مجھ کو تمہاری نسبت اور امتوں کے سے روز بد کا اندیشہ ہے۔ جیسا قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں کا حال ہوا تھا۔ اور خدا تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ اور صاحبو! مجھ کو تمہاری نسبت اُس دن کا اندیشہ ہے جس میں کثرت سے ندائیں ہونگی جس روز پشت پھیر کر لوٹو گے۔ تم کو خدا سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اور جس کو خدا ہی گمراہ کرے اُس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔

اور اس کے قبل تم لوگوں کے پاس یوسف دلائل لے کر آچکے ہیں سو تم ان امور میں بھی برابر شک ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے حتیٰ کہ جب اُن کی وفات ہو گئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ بس اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ سے باہر ہو جانے والوں، شبہات میں گرفتار رہنے والوں کو غلطی میں ڈالے رکھتا ہے جو بلا کسی سند کے کہ اُن کے پاس موجود ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں۔ اس سے خدا تعالیٰ کو بھی بڑی نفرت ہے اور مؤمنین کو بھی۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور و جابر کے پورے قلب پر مہر کر دیتا ہے۔ اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے واسطے ایک بلند عمارت بناؤ شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں۔ پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں۔ اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔ اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اُس کو مستحسن معلوم ہوئی تھیں اور راستہ سے رُک گیا۔ اور فرعون کی تدبیر غارت ہی گئی۔ اور اُس مؤمن نے کہا کہ اے بھائیو! تم میری راہ پر چلو میں تم کو ٹھیک ٹھیک راستہ بتلاتا ہوں۔ اے بھائیو! یہ دینی زندگی کافی محض حظ چند روزہ ہے اور ٹھیرنے کا مقام تو آخرت ہے۔ جو شخص گناہ کرتا ہے اُس کو تو برابر برابر ہی بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطے کہ مؤمن ہو ایسے لوگ جنت میں جاویں گے وہاں بے حساب اُن کو رزق ملے گا۔ اور اے میرے بھائیو! یہ کیا بات ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو، تم مجھ کو اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں خدا کے ساتھ شریک کروں اور ایسی چیز کو اُس کا سا جھی بناؤں جس کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اور میں تم کو خدا کے زبردست خطا بخش کی طرف بلاتا ہوں۔ یقینی بات ہے کہ تم جس چیز کی طرف مجھ کو بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ آخرت ہی میں اور ہم سب کو خدا کے پاس جانا ہے اور جو لوگ دائرہ سے نکل رہے ہیں وہ سب دوزخی ہونگے۔ سو آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے۔ اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ سب بندوں کا نگران ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے اُس کو اُن لوگوں کی معزمتدیروں سے محفوظ رکھا۔ اور فرعون والوں پر موذی عذاب نازل ہوا۔ وہ لوگ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی فرعون والوں کو نہایت سخت آگ میں داخل کرو۔

رابطہ: اوپر جگہ جگہ تو حید اور رسالت کا انکار کرنے والوں کی ملامت کے ضمن میں کافروں کی مخالفت اور عناد کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کے رنج و ملال کا سبب ہے۔ اب رسول کی تسلی کے لئے اور تو حید و رسالت کا انکار کرنے والوں کی ملامت کی تائید کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور دونوں کا اتباع کرنے والوں کا قصہ بیان ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور دونوں کا اتباع کرنے والوں کا قصہ:

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے احکام اور کھلی دلیلوں (یعنی معجزوں، جنہوت کے دعویٰ کے سچے ہونے کی دلیل ہے) کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو ان لوگوں (میں سے بعض نے یا سب) نے کہا کہ (نعوذ باللہ)

یہ جادوگر (اور) جھوٹا ہے (جادوگر معجزہ کے سلسلہ میں اور کذاب یعنی جھوٹا نبوت اور احکام کے دعویٰ میں کہا اور قارون چونکہ بنی اسرائیل میں سے تھا، اس لئے اس کے موسیٰ علیہ السلام کو ساحر یعنی جادوگر کہنے اور نہ کہنے دونوں کا احتمال ہے۔ اگر اس نے نہیں کہا تو ﴿قَالُوا﴾ میں اکثر کا غلبہ مراد ہوگا) پھر (اس کے بعد) جب وہ (عام) لوگوں کے پاس (دلیل سے ثابت) حق اور سچا دین لے کر آئے، جو ہماری طرف سے تھا (تو جس پر بعض لوگ مسلمان بھی ہو گئے) تو ان (مذکورہ) لوگوں نے (مشورہ کے طور پر) کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ (ہو کر) ایمان لے آئے ہیں، ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو (تاکہ ان کی جمعیت اور قوت نہ بڑھ جائے، جس سے سلطنت کے زوال کا اندیشہ ہے) اور (چونکہ عورتوں سے ایسا اندیشہ نہیں اور ہمارے گھروں میں خدمت کے کاموں کے لئے ان کی ضرورت ہے۔ اس لئے) ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو۔ غرض انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ کو روکنے کی یہ تدبیر کی (اور ان کافروں کی تدبیر بالکل بے اثر رہی) چنانچہ آخر میں موسیٰ علیہ السلام غالب آئے، چاہے اس تدبیر پر عمل کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو، کوئی روایت اس سے متعلق نہیں دیکھی اور یہ قتل پہلے والے قتل کے علاوہ ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے کیا گیا تھا، پھر اس کے بعد خود موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بارے میں گفتگو ہوئی (اور فرعون نے) (در بار والوں سے) کہا کہ مجھے موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرنے دو اور اسے چاہئے کہ اپنے رب کو (مدد کے لئے) پکار لے، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین (نہ) بدل ڈالے یا ملک میں کوئی فساد (نہ) پھیلا دے (کہ ایک دین کا نقصان ہے اور دوسرا دنیا کا، اور فرعون کا ﴿ذُرِّيَّتِي﴾ یعنی ”مجھے چھوڑ موسیٰ کو قتل کرنے دو“ کہنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ شاید دربار والوں نے اس وجہ سے قتل کرنے کی رائے نہ دی ہوگی کہ اسے ملک کی مصلحت کے خلاف سمجھا ہوگا کہ عام چرچا ہوگا کہ ایک ایسے شخص سے ڈر گئے جس کے پاس کوئی ساز و سامان بھی نہیں تھا، یا یہ کہنا چاہلوسی اور فریب کے طور پر ہے کہ عام سننے والے سمجھیں کہ اب تک تو قتل نہ کرنا مشیروں کے روکنے کی وجہ سے ہے چاہے قتل کی جرأت نہ ہونے کا اصل سبب آسمانی ہلاکت کا خوف ہو، کیونکہ دل میں تو معجزوں کی وجہ سے یقین ہو ہی گیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ﴾ اور اسی طرح ﴿وَلَيَذَّوْبُنَّ﴾ کہنا بہادری کے اظہار کے لئے ہو کہ چاہے دل اندر سے تھرا رہا ہو (اور موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ بات سنی خواہ خود اس سے سنا ہو یا کسی دوسرے کے واسطے سے تو انھوں نے) کہا کہ میں اپنے اور تمہارے (یعنی سب کے) رب کی پناہ لیتا ہوں ہر گھمنڈی تکبر کرنے والے شخص (کے شر) سے جو حساب کے دن پر یقین نہیں رکھتا (اور اس لئے حق کا مقابلہ کرتا ہے پہلی صورت یعنی خود اس سے سننے میں ﴿وَرَبِّكُمْ﴾ کا خطاب فرعون وغیرہ کو ہوگا اور ﴿مِنْ خَلِّ مُتَكَلِّفٍ﴾ میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھنا ہوگا۔ اور اس کا ایسا مضمون ہوگا جیسا دوسری آیت میں ہے ﴿وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونِ﴾ اور دوسری صورت یعنی کسی دوسرے کے واسطے سے سننے میں ﴿وَرَبِّكُمْ﴾ کا خطاب بات پہنچانے والوں کو ہوگا اور ایسا مضمون ہوگا جیسا ایک

دوسری آیت میں ہے ﴿قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا﴾ (اور) (مشورہ کی اس مجلس میں) ایک مؤمن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے (اور اب تک) ایمان پوشیدہ رکھتے تھے (یہ مشورہ سن کر لوگوں سے) کہا کیا تم ایک شخص کو (صرف) اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے (اس دعویٰ پر) دلیلیں (بھی) لے کر آیا ہے (یعنی معجزے بھی دکھاتا ہے جو نبوت کے دعویٰ کے سچے ہونے اور توحید کی تبلیغ کے لئے اللہ کی طرف سے مقرر ہونے کی دلیل ہے اور دلیل موجود ہوتے ہوئے دلیل والے کی مخالفت کرنا اور مخالفت بھی اس درجہ کی کہ قتل کا ارادہ کیا جائے نہایت نامناسب ہے) اور اگر (فرض کرو) وہ جھوٹا ہی ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا (اور اللہ کی طرف سے آپ ہی ذلیل و رسوا ہوگا، قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے) اور اگر وہ سچا ہو تو وہ جو کچھ پیشین گوئی کر رہا ہے (کہ ایمان نہ لانے کی صورت میں ایسا عذاب ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿إِنَّا كُنَّا لَآئِنَّا أَنَّا الْعَذَابَ عَلَىٰ مَن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ﴾) اس میں سے کچھ تو تم پر (ضروری) پڑے گا (تو اس صورت میں قتل کر کے اپنے سر اور بھی زیادہ بلا لینا ہے۔ غرض اس کے جھوٹ کی صورت میں قتل کرنا فضول ہے اور سچا ہونے کی صورت میں نقصان دینے والا، پھر ایسا کام کیوں کیا جائے اور قاعدہ کلیہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا (جو اپنی) حد سے گزر جانے والا (اور) بہت جھوٹ بولنے والا ہو (یعنی چاہے کچھ دن اس کی بات چل جائے مگر اس حد سے گزرنے اور جھوٹ کا انجام ذلت و رسوائی اور محرومی و ناکامی ہے۔ لہذا اس کلی قاعدہ کے اعتبار سے فرض کرو اگر موسیٰ علیہ السلام جھوٹے ہوں تو اس وجہ سے کہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ حد درجہ کا حد سے گزرنا اور جھوٹ ہے اگر ایسے جھوٹے پر قہر نہ کیا جائے اور اسے ہلاک نہ کیا جائے تو مخلوق کو فریب میں مبتلا کرنا اور اس کے عیب کو چھپانا لازم آتا ہے، اور یہ بات عقل کے لحاظ سے حق تعالیٰ سے منفي ہے یعنی حق تعالیٰ کے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا، لازمی بات ہے، یہ مغلوب اور ذلیل و رسوا ہوں گے۔ پھر قتل کی کیا ضرورت ہے اور اگر سچے ہیں تو تم لوگ یقینی طور پر جھوٹے ہو اور جھوٹ میں حد سے گزرنے والے بھی ہو کہ فرعون کے معبود ہونے کا دعویٰ کرنے والے ہو، اور حد سے گزرنے والے جھوٹے کو کامیابی نہیں ہوتی۔ لہذا تم لوگ قتل میں کامیاب نہیں ہو گے۔ یا تو قدرت نہیں ہوگی یا آخر میں اس کا نتیجہ برا ہوگا۔ بہر حال دونوں صورتوں کا تقاضا یہی رہا کہ انہیں قتل نہ کیا جائے، اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر اس بیان کی بنیاد پر تو کسی فساد پھیلانے والے کو قتل نہ کیا جایا کرے۔

جواب یہ ہے کہ یہ بیان اس صورت میں ہے جہاں جھوٹا یا سچا ہونے میں شبہ ہوا اور معجزوں سے کم سے کم درجہ سچ کے احتمال کا ضرور تھا۔ اور جہاں قطعی دلیلوں سے جھوٹ یقینی ہو وہاں یہ تردید نہیں ہے اور اگرچہ اس مؤمن کو موسیٰ علیہ السلام کے سچا ہونے کا پورا یقین تھا، مگر اس انداز سے گفتگو کرنا دعوت میں نرمی کا طریقہ اختیار کرنا اور ہدایت کا عمل دھیرے دھیرے کرنا ہے۔ آگے بھی اسی قتل سے روکنے سے متعلق مضمون ہے کہ) اے میرے بھائیو! آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس ملک

میں تم حاکم ہو تو اللہ کے عذاب میں ہماری مدد کون کرے گا؟ اگر (ان کے قتل کرنے سے) وہ ہم پر پڑا (جیسا کہ سچا ہونے کی صورت میں اس کا احتمال ہے) فرعون نے (یہ تقریریں کر جواب میں) کہا کہ میں تمہیں وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں (کہ انہیں قتل کرنا ہی مناسب ہے) اور میں تمہیں بالکل مصلحت کا راستہ بتاتا ہوں۔ اور اس مؤمن نے (جب دیکھا کہ نصیحت میں نرمی اور مخاطب کے خیال کی رعایت سے کام نہیں چل رہا ہے تو اب ملامت اور ڈرانے و دھمکانے سے کام لیا اور) کہا اے میری قوم کے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں دوسری امتوں جیسے برے دن کا اندیشہ ہے، جیسا نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں (یعنی لوط کی قوم وغیرہ) کا حال ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا (لیکن جب تم حرکتیں ہی ایسی کرو گے تو ضرور ہی اس کی سزا پاؤ گے) اور (یہ دنیا کے عذاب سے ڈرانا تھا۔ آگے آخرت کے عذاب سے ڈرانا ہے کہ) صاحبو! مجھے تمہارے بارے میں اس دن کا اندیشہ ہے جس میں بہت زیادہ پکارا جائے گا (یعنی وہ دن بہت عظیم اور بڑے بڑے واقعات پر مشتمل ہے، کیونکہ بہت زیادہ پکارا جانا بہت عظیم اور بڑے بڑے واقعات ہونے میں ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی پکار صور پھونکنے کی ہوگی جس سے مردے زندہ ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادُ مَنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ ۖ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۖ﴾ ایک پکار حساب کے لئے ہوگی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاَمَانِهِمْ﴾ ایک پکار جنت والوں اور جہنم والوں میں آپس میں ہوگی جیسا کہ سورۃ اعراف میں ارشاد ہے ﴿وَنَادَاۤءُ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ﴾ الخ اور ﴿وَنَادَاۤءُ اَصْحٰبِ الْاَعْرَافِ﴾ الخ ایک پکار آخر میں موت کو ذبح کرنے کے وقت ہوگی، جیسا کہ حدیث میں ہے نیا اهل الجنة خلود ولا موت ویا اهل النار خلود ولا موت: یعنی ”اے جنت والو! تم ہمیشہ کے لئے داخل ہو گئے اور اب تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور اے جہنم والو! تم ہمیشہ کے لئے داخل ہو گئے اور اب تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور آگے یہاں اس دن کی ایک اور حالت بیان کی گئی ہے) جس دن (حساب کے لئے جمع ہونے کی جگہ سے) پیٹھ پھیر کر (جہنم کی طرف) لوٹو گے (جیسا کہ البغوی نے تفسیر کی ہے اور اس وقت) تمہیں اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا (اور یہ مضمون انتہائی درجہ میں ہدایت کا تقاضا کرنے والا ہے، لیکن) جس کو اللہ ہی گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور (آگے اس پر ملامت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے دوسرے رسول کو بھی جھٹلا چکے ہیں، یعنی) اس سے پہلے تم لوگوں کے پاس یوسف (علیہ السلام) توحید و نبوت کی دلیلیں لے کر آچکے ہیں (یعنی اس قبلی قوم میں جن میں سے تم بھی ہو اور پچھلے باپ دادا سے تم تک بھی ان کی خبر برابر پہنچی ہے) تو تم ان معاملوں میں بھی برابر شک (و انکار) ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ بس اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا (یہ قول شرارت کے طور پر تھا۔ مطلب یہ کہ اول تو یوسف بھی رسول نہیں تھے، اور اگر فرض کرو تھے بھی تو جب ایک کو نہ مانا تو اللہ میاں کہیں گے کہ

دوسرے کو سمجھنے کی کیا ضرورت تو ہمیشہ کے لئے یہ جھگڑا پاک ہو گیا۔ اس سے اصلی مقصود رسالت کے مسئلہ کی نفی ہے جیسا کہ اگلے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح تم اس مسئلہ میں غلط راستہ پر ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ سے باہر ہو جانے والوں (اور) شک و شبہ میں گرفتار رہنے والوں کو غلطی میں ڈالے رکھتا ہے، جو کسی سند کے بغیر جو ان کے پاس موجود ہو، اللہ کی آیتوں میں بحث و جھگڑا کیا کرتے ہیں (اس منہ زوری اور کٹھ جتنی) سے اللہ تعالیٰ کو بھی نفرت ہے، اور مؤمنوں کو بھی اور (جس طرح تمہارے دلوں پر مہر لگا رکھی ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر گنہگار کو کرنے والے جبر و زیادتی کرنے والے کے پورے دل پر مہر کر دیتا ہے (کہ اس میں حق کو سمجھنے کی بالکل گنجائش نہیں رہتی، یہ ان مؤمن بزرگ کی تقریر تھی اور اس تقریر سے ان بزرگ کے ایمان چھپانے سے اشکال ختم ہو گیا، چاہے پہلی تقریر سے جس میں انھوں نے کہا ﴿يَقُولُوا إِنَّا أَتَيْنَاكَ بِكُفْرٍ كَثِيرٍ وَلَمْ نَجِدْكَ نَبِيًّا﴾ اور ﴿وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ الخ اور ﴿وَمَا نَكُنُ مِنَ الْمُنْذِرِينَ﴾ کا ذکر نہیں ملا) اور (آگے تلخیص کے طور پر فرعون کی مجموعی حالت کی مذمت ارشاد ہے کہ اسی جہالت تک کیا محدود ہے) اسی طرح فرعون کے (دوسرے) برے عمل (بھی) اسے اچھے معلوم ہوتے تھے اور وہ (سیدھے) راستہ سے رک گیا اور (موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں بڑی بڑی تدبیریں کیں، مگر) فرعون کی (ہر) تدبیر ناکام ہی ہو گئی (اور وہ کسی میں کامیاب نہ ہوا) اور اس مؤمن نے (جب دیکھا کہ فرعون سے کوئی معقول جواب نہیں بن پڑا تو پھر دوبارہ) کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم میرے راستہ پر چلو، میں تمہیں ٹھیک ٹھیک راستہ بتاتا ہوں (یعنی ہدایت کا راستہ میرا بتایا ہوا راستہ ہے نہ کہ فرعون کا۔ جیسا کہ اس نے کہا تھا ﴿مَا آتَيْنَاكَ إِلَّا سَبِيلَ الْوَسْطَى﴾) اے میری قوم کے لوگو! یہ دنیاوی زندگی صرف چند دن کے مزے کا سامان ہے اور مستقل طور پر رہنے کا (اصل) مقام تو آخرت ہے (جہاں جزا کا یہ قانون ہے کہ) جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر کا ہی بدلا ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہے چاہے (وہ) مرد ہو یا عورت شرط یہ ہے کہ وہ مؤمن ہو، ایسے لوگ جنت میں جائیں گے (اور) وہاں انہیں بے حساب رزق ملے گا اور (اس مؤمن کو قوم کے حال سے یا انکی باتوں سے یہ معلوم ہوا کہ انہیں میری باتوں پر تعجب ہو رہا ہے، اور وہ خود مجھے اپنے کفر کے طریقہ کی طرف بلانا چاہتے ہیں، اس لئے یہ بھی کہا کہ) اے میری قوم کے لوگو! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات (کے طریقہ) کی طرف بلاتا ہوں اور تم

مجھے جہنم (کے طریقہ) کی طرف بلاتے ہو (یعنی) تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ (توبہ توبہ) میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کروں، اور ایسی چیز کو اس کا ساجھی بناؤں جس (کے ساجھی ہونے) کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں (یعنی واقع میں بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف پر دلیلیں قائم ہیں) اور میں تمہیں زبردست، خطائیں بخشنے والے (اللہ) کی طرف بلاتا ہوں یقینی بات ہے کہ تم جس چیز کی عبادت (کی طرف مجھے بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا ہی میں (کسی دنیاوی حاجت کے لئے) پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ ہی (عذاب کو دور کرنے کے لئے) آخرت میں (کیونکہ برحق دعوت کے لئے کامل علم و قدرت شرط ہے اور یہاں شرط موجود نہیں ہے) اور (یقینی بات ہے کہ) ہم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور (یقینی بات ہے کہ) جو لوگ (بندہ ہونے کے) دائرہ سے نکل رہے ہیں (جیسے اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے والے) وہ سب (وہاں جا کر) جہنمی ہوں گے تو اب میرا کہنا تمہارے جی کو نہیں لگتا، مگر) آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے اور (قوم کی طرف سے آثار سے یا کچھ کلموں سے کچھ دھمکی معلوم ہوئی ہوگی۔ جیسا کہ المعالم میں ہے۔ اور کم سے کم اس کا شبہ تو ضرور ہی تھا، اس لئے اس مؤمن نے یہ بھی کہا کہ) میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد (اور حوالہ) کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب بندوں کی (از خود) نگرانی کرنے والا ہے (میں تم سے بالکل نہیں ڈرتا) پھر (اللہ تعالیٰ نے اس (مؤمن) کو ان لوگوں کی نقصان پہنچانے والی تدبیروں سے محفوظ رکھا) محفوظ رکھنے کی تفصیل تو ہماری نظر سے کہیں نہیں گذری کہ فرعونوں نے اس کے واسطے کیا تدبیر سوچی ہوگی، بہر حال وہ محفوظ رہا۔ چنانچہ فائدہ کے قول کے مطابق اسے بھی غرق ہونے سے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات حاصل ہوئی، جیسا کہ الدر میں ہے) اور فرعون والوں پر (فرعون سمیت) ایذا پہنچانے والا عذاب نازل ہوا (جس کا آگے بیان ہے کہ) وہ لوگ (برزخ میں) صبح و شام جہنم کی آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں (اور انہیں بتایا جاتا ہے کہ تمہیں قیامت کے دن اس میں ڈالا جائے گا) اور جس دن قیامت قائم ہوگی (اس دن حکم ہوگا کہ) فرعون والوں کو (فرعون سمیت) نہایت سخت عذاب میں داخل کر دو (چنانچہ وہ داخل ہوں گے، اور اس سے مراد جہنم ہے، اور پھر جہنم کا بھی سخت طبقہ اور برزخ میں اس آگ کا صرف قریب سے معائنہ اور اثر محسوس ہوتا ہے اور جس آگ سے برزخ کا عذاب ہوگا وہ برزخ ہی کی آگ ہے، چاہے اس کی حقیقت الگ ہو یا وہ جہنم ہی کی آگ کا اثر ہو)

فائدہ: عمارت بننے نہ بننے کی تحقیق سورۃ القصص میں گذر چکی ہے۔ اور آخر کی آیتوں سے برزخ کا عذاب ثابت ہوتا ہے، اس پر ابن کثیر نے ایک سوال اور اس کے جواب لکھے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہودی عورت کو کچھ دیا تو اس نے دعا دی کہ تمہیں اللہ تعالیٰ قبر کے عذاب سے بچائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر جناب رسول اللہ ﷺ سے کیا اور قبر کے عذاب کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے نفی فرمائی کہ قبر میں عذاب نہیں ہوتا مگر اس کے بعد فرمایا کہ مجھے وحی کے ذریعہ معلوم ہوا ہے

کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے، لہذا جب کئی آیت اس پر دلالت کرنے والی موجود تھی تو آپ نے اس کی نفی کیسے فرمائی؟ اس کے کئی جواب دیئے ہیں: ان میں سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ آپ نے مطلق نفی نہیں فرمائی تھی بلکہ مؤمنوں پر قبر کے عذاب کی نفی فرمائی تھی۔ چنانچہ احمد کی روایت میں ہے: **إِنَّمَا يَفْتَنُ يَهُودَ** یعنی ”یہود کو قبر میں عذاب ہوگا“ پھر وحی کے ذریعہ کچھ مسلمانوں کو بھی قبر کا عذاب ہونا معلوم ہوا۔ چنانچہ اسی روایت میں ہے **فَلَبِثْنَا لِيَالِي**، ثم قال رسول الله عليه وسلم **إِلَّا إِنْكُمْ تَفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ** یعنی چند راتیں گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار قبر میں تمہیں بھی عذاب ہوگا۔ اور احقر کے نزدیک آسان جواب یہ ہے کہ آیت سے صرف فرعون والوں کے لئے برزخ کا عذاب ثابت ہے، اس لئے نفی فرمادی تھی، پھر وحی سے معلوم ہو گیا۔

﴿وَإِذْ يَتَخَفَتُونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنْنا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ۖ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا ۖ إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَتِهِمْ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنْنا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ۖ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُنْ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۖ قَالُوا فَادْعُوا ۖ وَمَا دُعَاؤُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۖ﴾

ترجمہ: اور جبکہ کفار دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجہ کے لوگ بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے سو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی جز ہٹا سکتے ہو۔ وہ بڑے لوگ کہیں گے کہ ہم سب ہی دوزخ میں ہیں، اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا۔ اور جتنے لوگ دوزخ میں ہوئے جہنم کے موکل فرشتوں سے کہیں گے کہ تم ہمارے پروردگار سے دعاء کرو کہ کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے۔ فرشتے کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لے کر نہیں آتے رہے تھے۔ دوزخی کہیں گے کہ ہاں آتے تو رہے تھے۔ فرشتے کہیں گے کہ تو پھر تم ہی دعاء کرو اور کافروں کی دعاء محض بے اثر ہے۔

رابطہ: اوپر کافروں کو چند جگہ وعید سنائی گئی ہے، سورت کے شروع آیت ۵ میں ﴿فَلْيَفْ كَانِ عِقَابٍ﴾ اور آیت ۶ میں ﴿إِنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ﴾ آیت ۱۸ میں ﴿وَأَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْأَرْزَاقِ﴾ الخ اور قصہ میں آیت ۴۳ ﴿وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ﴾۔ آگے جہنم والوں کے جہنم میں داخل ہونے کے بعد بعض حالات کا ذکر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ﴾ الخ میں یہی مضمون تھا۔ اور آگے ان جہنم والوں کے عموم میں فرعون والے بھی داخل ہیں، جن کا قصہ بھی بیان ہوا ہے۔

جہنم میں داخل ہونے کے بعد کافروں کے بعض حالات:

اور (وہ وقت بھی نظر میں رکھنے کے قابل ہے) جب کہ (مکہ کے) کافر جہنم میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو نچلے درجہ کے لوگ (یعنی اتباع کرنے والے) اونچے درجہ کے لوگوں سے (یعنی جن کا اتباع کیا جاتا تھا، ان سے) کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟ (یعنی جب تم ہم سے اپنا اتباع کراتے تھے تو اب تمہیں ہماری مدد کرنی چاہئے) وہ لوگ جو تکبر کرتے تھے، کہیں گے کہ ہم سب ہی جہنم میں (پڑے) ہیں (یعنی جس طرح تم جہنم میں ہو، ہم بھی جہنم میں ہیں، تو اگر ہم میں کچھ مدد کرنے کی قوت ہوتی تو پہلے اپنی ہی فکر کرتے جب ہم خود اپنے آپ سے ہی عذاب کو دور نہیں کر سکتے تو تم سے کیا دور کریں گے) اللہ تعالیٰ (اپنے) بندوں کے درمیان (قطعی) فیصلہ کر چکا (اب اس کے خلاف کا احتمال نہیں، اس فیصلہ میں ہم سب جہنمی ٹھہرے، اب کیا ہوتا ہے؟) اور (اس کے بعد) جتنے لوگ جہنم میں ہوں گے (یعنی اتباع کرنے والے اور جن کا اتباع کیا جاتا تھا سب مل کر) جہنم کے محافظ فرشتوں سے (درخواست کے طور پر) کہیں گے کہ تم ہی اپنے رب سے دعا کرو کہ کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے (یعنی اس کی تو کیا امید کریں کہ عذاب بالکل ہٹ جائے یا ہمیشہ کے لئے ہلکا ہو جائے مگر خیر ایک ہی دن کے لئے ہلکا ہو جائے) فرشتے کہیں گے کہ (یہ بتاؤ) کیا تمہارے پاس تمہارے رسول معجزے لے کر نہیں آتے رہے تھے؟ (اور جہنم سے بچنے کا طریقہ نہیں بتاتے رہے تھے؟ جہنمی کہیں گے کہ ہاں آتے تو رہتے تھے) مگر ہم نے ان کا کہنا نہیں مانا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا﴾ فرشتے کہیں گے تو پھر (ہم تمہارے لئے دعا نہیں کر سکتے، کیونکہ جھٹلانے والوں کے لئے دعا کرنے کی ہمیں اجازت نہیں ہے) تم ہی (اگر جی چاہے) دعا کر لو اور (تمہاری دعا کا بھی کوئی نتیجہ نہیں ہوگا، کیونکہ) کافروں کی دعا (چاہے حق تعالیٰ ہی سے ہو، آخرت میں) بالکل بے اثر ہے (کیونکہ اس دعا کا اور اس کی قبولیت کی شرط کا یعنی ایمان کا موقع دنیا ہی میں تھا، کہ یہ عمل کرنے کا عالم ہے، جبکہ آخرت جزا کا عالم ہے وہاں عمل بے کار ہے)

فائدہ: ﴿دَعُوا الْكَافِرِينَ﴾ کے بیان میں جو کہا گیا ”چاہے حق تعالیٰ ہی سے ہو“ یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ سے دعا کرنا تو دنیا میں بھی بے اثر ہے، چنانچہ سورہ رعد آیت ۱۴ میں جو آیا ہے ﴿وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾ وہاں یہی معنی ہیں۔ اور یہ جو کہا کہ ”آخرت میں“ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ دنیا میں کافر کی دعا قبول ہو سکتی ہے جیسا کہ ابلیس نے لمبی عمر کی دعا مانگی اور وہ منظور کی گئی۔

﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَى وَأَوْثَقْنَا بِنَبِيِّ

إِسْرَآئِيلَ الْكِتَابَ ۚ هُدًى وَذِكْرَىٰ لِلْأُولَى الْأَلْبَابِ ۚ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ
 لِذُنُوبِكَ وَسَجِّدْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ
 سُلْطَانٍ أَتَتْهُمْ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
 الْبَصِيرُ ۚ لَخَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۚ وَمَا
 يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ۚ
 إِنَّ السَّاعَةَ لَا تَيِّئُ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي
 أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دُخْرَيْنِ ۚ

ۛ

ترجمہ: ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اُس روز بھی جس میں کہ
 گواہی دینے والے کھڑے ہونگے۔ جس دن کہ ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور اُن کے لئے لعنت ہوگی اور
 اُن کے لئے اُس عالم میں خرابی ہوگی۔ اور ہم موسیٰ کو ہدایت نامہ دے چکے ہیں اور ہم نے وہ کتاب بنی اسرائیل کو پہنچائی
 تھی کہ وہ ہدایت اور نصیحت تھی اہل عقل کے لئے۔ سو آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہ کی معافی مانگئے
 اور شام اور صبح اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے۔ جو لوگ بلا کسی سند کے جو اُن کے پاس موجود ہو خدا کی آیتوں میں
 جھگڑے نکالا کرتے ہیں اُن کے دلوں میں نری بڑائی ہے کہ وہ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں۔ سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے
 رہئے۔ بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا۔ بالیقین آسمان اور زمین کا پیدا کرنا آدمیوں کے پیدا کرنے
 کی نسبت بڑا کام ہے لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے اور بیٹا بنانا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور بدکار
 باہم برابر نہیں ہوتے۔ تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ قیامت تو ضرور ہی آکر ہے گی اس میں کسی طرح کا شک ہے ہی نہیں
 مگر اکثر لوگ نہیں مانتے۔ اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کر لوں گا۔ جو لوگ
 میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔

رابطہ: اوپر جگہ جگہ حق کا انکار کرنے والوں کو ملامت اور ڈرانے دھمکانے کے ضمن میں ان کے اختلاف اور بحث
 و جھگڑے کا ذکر ہے، جس سے رسول اللہ ﷺ کو رنج و ملال بھی ہوتا تھا، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان کیا گیا
 ہے۔ آگے مدد و نصرت کی خبر کے ذریعہ آپ کی تسلی ہے کہ اس پر موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ قصہ سے گواہی ہے اور اس میں
 مذکورہ عذاب کے واقع ہونے کی علت بھی ہے اور بنی اسرائیل سے متعلق خبر سے رسالت کے مسئلہ کی تائید بھی ہے۔ اور
 مبروتیج اور استعاذہ کے حکم سے آپ کی تسلی کے ساتھ بحث و جھگڑا کرنے والے منکروں کو ملامت اور ان کے بعض ان
 معاملات سے متعلق کچھ کلام ہے جن میں بحث اور جھگڑا ہے۔

رسول کی تسلی، گمراہ لوگوں کی ملامت اور بعض بحثوں اور جھگڑوں کا رد:

ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں (جیسا کہ اوپر موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوا) اور اس دن بھی جس میں کہ گواہی دینے والے (فرشتے جو کہ نامہ اعمال لکھتے تھے اور وہ قیامت کے دن اس بات کی گواہی دیں گے کہ رسولوں نے تبلیغ کا کام کیا اور کافروں نے جھٹلانے کا کام کیا۔ غرض وہ فرشتے گواہی کے لئے کھڑے ہوں گے) اس سے قیامت کا دن مراد ہے، چنانچہ وہاں کی مدد کا حال ابھی کافروں کے جہنم کے عذاب میں ڈالے جانے سے معلوم ہوا۔ آگے اس دن کا بیان ہے جس دن کہ ظالموں (یعنی کافروں) کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی (یعنی اول تو کوئی ذکر کے قابل معذرت نہ ہوگی۔ اور اگر کوئی مجبوری کی سی حرکت ہوئی بھی تو وہ نفع نہیں دے گی، اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس عالم میں خرابی ہوگی) لہذا اس طرح آپ اور آپ کا اتباع کرنے والوں کی بھی مدد ہوگی، اور مخالفوں کو ذلت و رسوائی اور قہر ہوں گے۔ تو آپ تسلی رکھئے) اور (آپ سے پہلے) ہم موسیٰ (علیہ السلام) کو ہدایت نامہ (یعنی توریت) دے چکے ہیں اور (پھر) ہم نے وہ کتاب بنی اسرائیل کو پہنچائی تھی جو کہ (صحیح) عقل والوں کے لئے ہدایت اور نصیحت تھی (برخلاف بے عقلوں کے کہ انھوں نے اس سے نفع نہیں اٹھایا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ صاحب رسالت اور صاحب وحی ہیں اور بنی اسرائیل کی طرح ہی آپ کا اتباع کرنے والے آپ کی کتاب کی خدمت کریں گے اور جس طرح ان میں عقل والے، تصدیق کرنے والے اور اتباع کرنے والے تھے اور بے عقل انکار کرنے والے اور مخالف تھے، اسی طرح آپ کی امت میں بھی دونوں طرح کے لوگ ہیں) تو (اس سے بھی) آپ (تسلی حاصل کیجئے اور کافروں کی اذیتوں پر) صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ (جس کا اوپر ﴿لَکُنْصُرُ﴾ الخ میں ذکر ہوا ہے بالکل) سچا ہے اور (اگر کبھی صبر کے کمال میں کچھ کمی ہوگئی ہو جو شرعی قواعد کے مطابق واقع میں تو گناہ نہیں، مگر آپ کے اعلیٰ رتبہ کے اعتبار سے تدارک کے واجب ہونے میں گناہ ہی کی طرح ہے۔ اس کا تدارک کیجئے، اور وہ تدارک یہ ہے کہ) اپنے (اس) گناہ کی (جس کو مجاز کے طور پر گناہ کہہ دیا) معافی مانگئے اور (ایسے مشغل میں رہئے کہ حزن و ملال کا سبب بننے والے امور کی طرف توجہ ہی نہ ہو۔ وہ مشغل یہ ہے کہ (شام) اور صبح (یعنی ہمیشہ) اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہئے

یہ مضمون تو تسلی سے متعلق ہو گیا۔ آگے انکار کرنے اور بحث و جھگڑا کرنے والوں پر ملامت اور رد ہے، یعنی) جو لوگ بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس موجود ہوا اللہ کی آیتوں میں بحث و جھگڑے کیا کرتے ہیں (انہیں شک و شبہ کی کوئی وجہ نہیں ہے، جو بحث و جھگڑے کا سبب ہو بلکہ) ان کے دلوں میں صرف ایسی بڑائی (ہی بڑائی) ہے کہ وہ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں (اور وہی بڑائی بحث و جھگڑے کا سبب ہے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اتباع سے شرم محسوس کرتے ہیں، وہ خود دوسروں ہی کو اپنا تابع بنانے کی ہوس رکھتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ بڑائی نصیب نہیں ہوگی، بلکہ جلدی ہی ذلیل و خوار ہوں

گے۔ چنانچہ جلدی ہی سب نے دیکھ لیا کہ واقعی وہ مسلمانوں سے مغلوب ہوئے) تو (جب یہ خود بڑائی چاہتے ہیں تو آپ سے حسد و عداوت سب کچھ کریں گے، لیکن) آپ (اندیشہ نہ کیجئے بلکہ ان کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگتے رہئے، بے شک وہی ہے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا (تو وہ اپنے کمال کی صفتوں سے اپنی پناہ میں آئے ہوئے کو محفوظ رکھے گا۔

یہ بحث و جھگڑا تو ان کا رسول ماننے میں تھا، چنانچہ گھمنڈ و تکبر کا سبب ہونا اس پر دلالت کرتا ہے۔ آگے بحث میں ان کا جھگڑا بحث سمیت بیان کیا گیا ہے یعنی جو لوگ انسانوں کے دوبارہ پیدا ہونے کے منکر ہیں وہ بڑے کم عقل ہیں، اس واسطے کہ (یقیناً آسمانوں اور زمین کا) (شروع میں) پیدا کرنا آدمیوں کے (دوبارہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں بڑا کام ہے) (جب بڑے پر قدرت ثابت ہوگئی تو چھوٹے پر درجہ اولیٰ میں ثابت ہے اور یہ دلیل ثبوت کے لئے کافی دشانی ہے) لیکن اکثر لوگ (اتنی بات) نہیں سمجھتے (اس وجہ سے کہ غور نہیں کرتے اور بعض جو غور کرتے ہیں وہ سمجھتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں، اور اس سمجھنے اور ماننے میں فرق کی وجہ سے دو طرح کے مختلف لوگ ہو گئے۔ ایک بصیرت اور ایمان کی صفت والے، کہ پہلی صفت سمجھنے کی حاصل ہے اور دوسری صفت ماننے کی حاصل ہے۔ دوسرے اندھے ہونے اور برے عمل کرنے کی صفت والے کہ پہلی صفت نہ سمجھنے کی حاصل ہے اور دوسری صفت نہ ماننے کی حاصل ہے) اور (ان دونوں قسموں کے آدمی یعنی ایک) دیکھنے والا (دوسرا) ناپیدا، اندھا اور (ایک) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور (دوسرے) برے کام کرنے والے برابر نہیں ہوتے (اس میں آپ کی تسلی بھی ہے کہ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، سب کیسے سمجھنے لگیں؟ اور انکار کرنے والوں پر قیامت کے عذاب کی وعید بھی ہے کہ ہم سب کو برابر نہ رکھیں گے۔

آگے انکار کرنے والوں کو جو اندھے اور برے کام کرنے والے کے مصداق ہیں التفات کے طور پر ملامت کے انداز میں فرماتے ہیں کہ) تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو، ورنہ اندھے اور برے کام کرنے والے نہ رہتے۔ اوپر قیامت سے متعلق بحث و جھگڑے کا جواب دے کر) آگے اس کے واقع ہونے کی خبر دیتے ہیں کہ) قیامت تو ضرور ہی آکر رہے گی، اس (کے آنے) میں کسی طرح کا شک ہی نہیں ہے مگر اکثر لوگ (دلیلوں میں غور نہ کرنے کی وجہ سے اس کو) نہیں مانتے۔

اور (ان کی ایک بحث توحید کے سلسلہ میں تھی کہ اللہ کے ساتھ شریک کرتے تھے آگے اس سے متعلق کلام ہے یعنی تمہارے رب نے فرمادیا ہے کہ (حاجتوں کے لئے غیروں کو مت پکارو بلکہ) مجھے پکارو میں (نامناسب درخواست کو چھوڑ کر) تمہاری (ہر) درخواست قبول کر لوں گا) اور اس قید ﴿فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ﴾ اِنْ شَاءَ اللّٰہ کے یہی معنی ہیں (جو لوگ (صرف) میری عبادت سے (جس میں مجھ سے دعا مانگنا بھی داخل ہے) گھمنڈ کرتے ہیں (اور غیروں کو پکارتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں، مطلب یہ کہ جو لوگ توحید سے منہ پھیر کر شرک کرتے ہیں) وہ جلدی ہی (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

فائدہ: ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ سے متعلق تحقیق سورۃ مائدہ آیت ۵۶ میں گزر چکی ہے یہاں اس سے زیادہ اتنی بات اور تفسیر ابن کثیر میں نظر سے گزری کہ مدد و نصرت کی صورت کبھی بدل لیا جاتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ ہم کافروں سے رسولوں کا اور ایمان والوں کا بدل لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کبھی کافروں نے رسولوں اور مومنوں پر غلبہ پا کر انہیں قتل و ہلاک کیا تو چاہے اس وقت حق والے مغلوب ہو گئے۔ مگر اللہ کی جانب سے کسی وقت ان سے بدلہ ضرور لیا گیا۔ چنانچہ قرآن وحدیث اور تاریخ سب گواہ ہیں اور یہ جواب احقر کو بہت پسند آیا۔

﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝ ذِكْرُ اللَّهِ رَبِّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَآفَ تُوَفَّكُونَ ۝ كَذَٰلِكَ يُؤَفِّكَ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمُ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ذِكْرُ اللَّهِ رَبِّكُمْ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّن تَرَابٍ ثُمَّ مِّن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِّن عِلْقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا وَمِنْكُمْ مَّن يُتَوَفَّىٰ مِن قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۝ فَإِذَا قُضِيَ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝﴾

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اُس میں آرام کرو اور اُس نے دن کو روشن بنایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ سو تم لوگ کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو؟ اسی طرح وہ لوگ بھی اُلٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ ہی ہے جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب، سو بڑا عالیشان ہے اللہ، جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ وہی زندہ ہے، اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو تم خالص اعتقاد کر کے اُس کو پکارا کرو۔ تمام خوبیاں اسی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کر دی گئی ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو خدا کے علاوہ تم پکارتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی نشانیاں آچکیں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں رب العالمین کے سامنے گردن جھکا لوں۔ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون کے ٹوٹھڑے سے پھر تم کو بچہ کر کے

نکال ہے پھر تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور کوئی کوئی تم میں سے پہلے ہی مرجاتا ہے اور تاکہ تم سب وقت مقرر تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم لوگ سمجھو۔ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا پورا کرنا چاہتا ہے سو بس اس کی نسبت فرمادیتا ہے کہ ”ہو جا“ سو وہ ہو جاتا ہے۔

رابطہ: اوپر کی آیتوں میں ان معاملوں میں جن میں بحث اور جھگڑا تھا، آخر میں توحید کا ذکر تھا۔ اب بھی یہی مضمون ہے اور توحید، تمہید کے بیان کے مطابق سورت کے اصل مقاصد میں سے ہے۔

توحید:

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے (نفع کے) لئے رات بنائی تاکہ تم (اس میں آرام کرو اور اس نے دن کو دیکھنے کے لئے روشن بنایا) تاکہ بے تکلف روزی روزگار حاصل کرو) بے شک اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے (کہ ان کی مصلحتوں کی کیسی کیسی رعایت فرمائی) لیکن اکثر آدمی (ان نعمتوں کا) شکر نہیں کرتے (بلکہ الٹا شرک کرتے ہیں) تمہارا رب وہ اللہ ہے (جس کا ذکر ہوا۔ نہ کہ وہ جو تم نے گھڑ رکھے ہیں) وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو (توحید کے ثابت ہو جانے کے بعد) تم لوگ (شرک کر کے) کہاں الٹے چلے جا رہے ہو؟ (اور ان مخاطب لوگوں کی کیا خصوصیت ہے، جس طرح تعصب اور عناد کی وجہ سے یہ لوگ الٹے چلے جا رہے ہیں) اسی طرح وہ (پہلے) لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی (پیدا کی ہوئی اور نازل کی ہوئی) نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے (یہ بات اسی طرح ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهُمْ﴾ اس میں ایک طرح سے آپ کی تسلی بھی ہے) اللہ ہی ہے جس نے زمین کو (مخلوق کے لئے) ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو (ادھر سے) چھت (کی طرح) بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا تو عمدہ نقشہ بنایا (چنانچہ انسان کے اعضا میں جو تناسب اور حسن و جمال رکھا گیا ہے کسی بھی حیوان کے اعضا میں ایسا نہیں پایا جاتا، جس کو سب دیکھتے، جانتے اور تسلیم کرتے ہیں) اور تمہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں (تو بس) تمہارا رب وہی اللہ ہے، بڑا عالی شان والا ہے اللہ، جو سارے جہاں کا پروردگار ہے، وہی (ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے) زندہ (رہنے والا) ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو تم (سب) خالص اعتقاد کر کے اس کو پکارا کرو (اور شرک نہ کیا کرو) تمام خوبیاں اسی کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ آپ (ان مشرکوں کو سنانے کے لئے) کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان (شریکوں) کی عبادت کروں، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جب کہ میرے پاس میرے رب کی نشانیاں آچکیں (عقلی و نقلی دلیلیں مراد ہیں۔ مطلب یہ کہ شرک سے مجھے منع کر دیا گیا ہے) اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں (عبادت میں صرف) عالموں کے رب کے سامنے گردن جھکا لوں (مطلب یہ کہ مجھے توحید کا حکم ہوا ہے) وہی ہے جس نے تمہیں (یعنی تمہارے باپ آدم کو) مٹی سے پیدا کیا، پھر (آگے ان کی نسل کو) نطفہ سے، پھر خون کے تو تھڑے سے (جیسا کہ سورۃ

الحج آیت ۵ میں بیان ہوا ہے) پھر تمہیں بچہ بنا کر (ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے، پھر (تمہیں زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، پھر (تمہیں اور زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے کوئی (ان عمروں یعنی جوانی اور بڑھاپے سے) پہلے ہی مر جاتا ہے (یہ تو سب کا الگ الگ حاصل ہوا کہ کوئی جوان ہوا، کوئی نہ ہوا، کوئی بوڑھا ہوا کوئی نہ ہوا) اور (اگلا معاملہ سب میں مشترک ہے، وہ یہ کہ تم میں سے ہر ایک کو ایک خاص عمر دیتا ہے) تاکہ تم سب (اپنے اپنے) مقررہ وقت (جو تقدیر میں مقرر کیا گیا اور لکھا گیا ہے) تک پہنچ جاؤ (لہذا یہ کلی امر ہے اور مختلف جزئیات سب اسی کلی کے جزئے ہیں) اور (یہ سب کچھ اس لئے کیا) تاکہ تم لوگ (ان معاملوں میں غور کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید کو) سمجھو، وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، پھر جب وہ کسی کام کو (اچانک اور ایکدم ہی) پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اس کے بارے میں (اتنا) فرما دیتا ہے کہ ”ہوجا“ تو وہ ہو جاتا ہے۔

فائدہ: ﴿كُنْ فَيَكُونُ﴾ کی تحقیق سورة البقرة آیت ۷۱ میں گذر چکی ہے۔ اور اس سے دھیرے دھیرے پیدا کرنے اور بنانے کی نفی نہ سمجھ لی جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا قدرت والا ہے کہ اگر کسی چیز کو ایک ہی بار میں پیدا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے تو دھیرے دھیرے درجہ بدرجہ پیدا کرنا چاہے تو بدرجہ اولیٰ پیدا کر سکتا ہے اور ترجمہ کی وضاحت سے اس جواب کی طرف اشارہ ہو گیا ہے اور اس کا ایک جواب سورة یس آیت ۸۲ میں بھی گذر چکا ہے۔

﴿الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنْ يُضَرَّفُونَ ۖ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ
وَمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلًا فَتَنُوفَ يَعْلَمُونَ ۖ إِذْ الْأَغْلَىٰ فِي أَغْنَاهُمْ ۖ وَالسَّلْسِلُ يُسْحَبُونَ ۖ فِي
الْجَحِيمِ ۖ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۖ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۖ مِنْ دُونِ اللَّهِ
قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَلِكَ يَضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ۖ ذَلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ وَبِمَا كُنْتُمْ تَسْرَحُونَ ۖ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ
فِيهَا ۖ فَبُئْسَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَمَا تَرْيَيْنَكَ بَعْضَ الَّذِي
نَعِدُهُمْ أَوْ تَتَوَفَّيْنَكَ ۖ فَالْيَنَّا يُرْجَعُونَ ۖ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا
عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۖ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ فَاذَا
جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ۖ﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں؟ کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں؟ جن لوگوں نے اس کتاب کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا تھا، سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہو گئے اور زنجیریں۔ ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے پانی میں لے جائیں گے۔ پھر یہ

آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ پھر ان سے پوچھا جاوے گا کہ وہ غیر اللہ کہاں گئے جن کو تم شریک ٹھیراتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ وہ تو سب ہم سے غائب ہو گئے بلکہ ہم اس کے قبل کسی کو بھی نہیں پوجتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو غلطی میں پھنسائے رکھتا ہے۔ یہ اُس کے بدلہ میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور اس کے بدلہ میں کہ تم اتراتے تھے۔ جہنم کے دروازوں میں گھسو ہمیشہ ہمیشہ اُس میں رہو۔ سو متکبرین کا وہ نمائندہ کانا ہے۔ تو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پھر جس کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں، اُس میں سے کچھ تھوڑا سا اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا ہم آپ کو وفات دیدیں تو ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہوگا۔ اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں بعض تو وہ ہیں کہ اُن کا قصہ ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کا قصہ ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔ اور کسی رسول سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی معجزہ بدون اذن الہی کے ظاہر کر سکے پھر جس وقت اللہ کا حکم آوے گا ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو جاوے گا۔ اور اُس وقت باطل خسارہ میں رہ جائیں گے۔

رابطہ: اور پر آیتوں ﴿إِنَّا كُنْضُرُ مُسْلِمًا﴾ الخ میں جس طرح کافروں پر ملامت اور آپ ﷺ کی تسلی تھی، اسی طرح آگے بھی ہے۔ لیکن وہاں کفر کی جزا مختصر انداز میں بیان کی گئی تھی ﴿لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾ یہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہے اور وہاں تسلی میں صرف موسیٰ علیہ السلام کے جزیئے کا ذکر تھا۔ یہاں تمام رسولوں کا کلی ذکر ہے۔

بحث و جھگڑا کرنے والوں کو ملامت اور ڈرانا دھمکانا اور رسول ﷺ کی تسلی:

کیا آپ نے ان لوگوں (کی حالت) کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بحث اور جھگڑے کرتے ہیں (وہ حق ہے) کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں؟ جن لوگوں نے اس کتاب (یعنی قرآن) کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی (جھٹلایا) جو ہم نے اپنے رسولوں کو دے کر بھیجا تھا (اس میں کتابیں اور احکام اور معجزے سب داخل ہو گئے کیونکہ عرب کے مشرک لوگ کسی اور رسول یا نبی کو بھی نہیں مانتے تھے) تو ان کو ابھی (یعنی قیامت میں جو کہ قریب ہی ہے) معلوم ہوا جاتا ہے جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور (ان طوقوں میں) زنجیریں پڑی ہوئی ہوں گی جن کے دوسرے سرے فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوں گے۔ اور ان زنجیروں سے) انہیں گھسیٹتے ہوئے کھولتے پانی میں لے جائیں گے، پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے، پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ اللہ کے سوا وہ سب (معبود) کہاں گئے جنہیں تم (معبود ہونے میں) شریک ٹھہراتے تھے (یعنی وہ تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے؟) وہ کہیں گے کہ وہ تو سب ہم سے غائب ہو گئے، بلکہ (سچ بات تو یہ ہے کہ) ہم اس سے پہلے (دنیا میں جو بتوں کو پوجتے تھے تو اب معلوم ہوا کہ) کسی کو بھی نہیں پوجتے تھے (یعنی معلوم ہوا کہ ان کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں تھی، ایسی بات غلطی کے ظاہر ہونے کے وقت کہی جاتی ہے جیسے کوئی شخص تجارت میں نقصان اٹھائے اور اس سے پوچھا جائے کہ تم فلاں چیز کی تجارت کیا کرتے ہو؟ اور وہ کہے میں تو کسی بھی چیز کی تجارت نہیں کرتا،

یعنی جب اس کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا تو یوں سمجھنا چاہئے کہ کچھ بھی نہ ہوا۔ آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو غلطی میں پھنسائے رکھتا ہے) کہ جس چیز کی کوئی حیثیت نہ ہونے اور کوئی فائدہ نہ پہنچانے کا وہاں خود اقرار کریں گے، آج یہاں ان کی عبادت میں مشغول ہیں۔ ارشاد ہوگا کہ (یہ (سزا) اس کے بدلہ میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے، اور اس کے بدلہ میں ہے کہ تم اتراتے تھے ﴿تَفْرَحُونَ﴾ یعنی ”خوشیاں مناتے تھے“ کا تعلق دل سے ہے اور ﴿تَمْرَحُونَ﴾ یعنی ”اتراتے تھے“ کا تعلق بدن سے ہے۔ چاہے لغت کے اعتبار سے ہو یا اس کے مقابلہ میں، یعنی دنیا کے ساز و سامان کو اصل مقصود سمجھ کر اس کو حاصل کرنے پر دل میں ایسے خوش ہوتے تھے کہ اس کے اثر و نشان ان سے ظاہر ہو جاتے تھے۔ جیسے چال وغیرہ میں جس سے منع کیا گیا ہے ﴿وَلَا تَمْنُنْ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ اور اس سے پہلے انہیں حکم ہوگا کہ (جہنم کے دروازوں میں گھسو) اور) ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو۔ تو (اللہ کی آیتوں کے مقابلہ میں گھمنڈ کرنے والوں) کا وہ برا ٹھکانا ہے (اور جب ان سے اس طرح انتقام لیا جائے گا) تو آپ (تھوڑا) صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، پھر جس (عذاب) کا (مطلق) ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں (کہ کفر عذاب کا سبب ہے) اس میں سے کچھ تھوڑا سا (عذاب) اگر ہم آپ کو دکھادیں (یعنی آپ کی زندگی میں وہ ان پر نازل ہو جائے) یا (اس کے نازل ہونے سے پہلے ہی) ہم آپ کو وفات دیدیں (پھر چاہے بعد میں نازل ہو یا نہ ہو) تو (دونوں احتمال ہیں، ان میں سے کوئی ایک بات ضروری نہیں، لیکن ہر حال اور ہر احتمال پر) انہیں ہمارے ہی پاس آنا ہوگا (اور اس وقت ان پر یقینی طور پر عذاب واقع ہوگا) اور (اس بات کو یاد کر کے بھی تسلی حاصل کیجئے کہ) ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے، جن میں بعض تو وہ ہیں کہ ان کا قصہ ہم نے آپ سے (مختصر انداز میں یا تفصیل کے ساتھ) بیان کیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کا قصہ ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور (یہ معاملہ سب میں مشترک ہے کہ) کسی رسول سے یہ نہیں ہو سکا کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ ظاہر کر سکے (اور اپنی امت کی ہر فرمائش پوری کر سکے، تو بعض اس لئے بھی انہیں جھٹلاتے رہے، اس طرح یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ تسلی رکھئے اور صبر کیجئے) پھر جس وقت (عذاب کے نازل ہونے کے لئے) اللہ کا حکم آئے گا (چاہے دنیا میں یا آخرت میں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَأَمَّا ثَرِيَّتُكَ بَعْضُ الَّذِي نَعْدُهُمْ﴾ الخ) ٹھیک ٹھیک (عملی) فیصلہ ہو جائے گا اور اس وقت باطل والے لوگ نقصان میں رہ جائیں گے۔

فائدہ: ﴿كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ الخ سے یہ مقصود نہیں کہ جھٹلانے کی تمام باتوں کا مجموعہ عذاب کی بنیاد ہے کیونکہ ان میں سے ہر قول و عمل ہمیشہ کے عذاب کا سبب ہے، بلکہ مشرکوں کا حال بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ دونوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور یہ جوارشاد فرمایا ﴿يُسْعَبُونَ فِي الْحَبِيرِ﴾ ثم ﴿فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ﴾ اس سے ظاہر ہے حیم یعنی کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹتے ہوئے لے جانا جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخلہ سے پہلے ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض علماء اسی کے قائل ہیں کہ حیم جہنم سے باہر ہے اور انہوں نے سورۃ الصافات کی آیت ۶۸ ﴿ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى

الْجَحِيمِ ﴿۱﴾ کو اس پر محمول کیا ہے کہ جہنم پلانے کے وقت انہیں جہنم سے باہر لائیں گے اور جہنم پلا کر پھر جہنم میں لے جائیں گے جیسا کہ لفظ ﴿مَرْجِعُهُمْ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے اور بعض اس کے قائل نہیں ہیں اور ان آیتوں پر توجہ دی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿خُذُوا قَاعَتِلَاوَةَ لِّمَنۡ سَوَّآءَ الْجَحِيمِ ۚ لَّيۡسَ صُبۡوًا فَوْقَ رَآسِهِۦ مِنۡ عَذَابِ الْحَمِيمِ ۚ﴾ (سورۃ الدخان آیت ۴۷ و ۴۸) ان آیتوں سے جہنم یعنی جہنم کا جہنم یعنی کھولتے ہوئے پانی سے پہلے ہونا معلوم ہوتا ہے اور سورۃ البقرۃ آیت ۱۶ ﴿وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾ جہنم میں ڈالے گئے لوگوں کے اس سے باہر آنے کی نفی ہوتی ہے۔ اور ہر فریق نے دوسرے کی دلیلوں میں مناسب تاویل کی ہے، احقر کو آیتوں میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں طرح طرح کے عذاب ہوں گے کبھی کبھی کچھ ان میں سے جہنم اور جہنم بھی ہیں، لہذا دونوں کا مسئلہ برابر جاری رہے گا، لہذا ہر قسم ایک فرد کے اعتبار سے دوسری قسم سے پہلے بھی ہے اور دوسرے فرد کے اعتبار سے اس سے بعد میں بھی ہے اور جہنم کا اطلاق کبھی جہنم کے مقابلہ پر آتا ہے کبھی جہنم سے عام مفہوم پر، کیونکہ جہنم کا جہنم ہونا خود اسی آگ کا اثر ہے، لہذا اس میں ڈالا جانا بالکل آگ ہی میں ڈالا جانا ہے، لہذا پہلے معنی کے اعتبار سے جہنم کو جہنم سے باہر کہہ سکتے ہیں اور دوسرے معنی کے اعتبار سے جہنم سے باہر نہ ہونے کا حکم صحیح رہتا ہے، اس وضاحت میں تمام آیتیں جمع ہو گئیں اور اس وضاحت کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے ﴿هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۚ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ ؕ﴾ اور اس موقع پر ابن کثیر نے کہا ہے: يسحبونهم على وجوههم نارة إلى الحميم ونارة إلى الجحيم: یعنی ”کبھی انہیں چہروں کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم کی طرف لے جائیں گے اور کبھی جہنم کی طرف۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔“

اور ﴿ضَلُّوا عَنْهَا﴾ پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ دوسری آیتوں سے خود بتوں اور شیطانوں کا بھی جہنم میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَا تَكُنۡمَ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنۡ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۚ﴾ یعنی تم اور جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں جاؤ گے (سورۃ الانبیاء آیت ۹۸) اور ارشاد ہے ﴿قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطَعَتُنِي ۚ﴾ یعنی ”وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا کہ اے ہمارے رب! اس کو میں نے گمراہ نہیں کیا تھا“ (سورۃ ق آیت ۲۷) پھر ﴿ضَلُّوا﴾ کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ یا تو اس وقت وہ ان کی نظروں کے سامنے نہ ہوں یا آسان ترین معنی یہ ہے کہ ضلوا عن نصرتنا: یعنی ہماری مدد سے گئے۔

اور ﴿فَاضْبِرْ﴾ کی علت میں عذاب کے واقع ہونے کے وعدہ کا سچا ہونا جو بیان فرمایا، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ ایسے رحیم و شفیق ہونے کے باوجود ان کے لئے عذاب چاہتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے ایمان سے مایوس ہونے کے بعد حق والوں کے ساتھ (کہ جن کو وہ ظالم ستاتے تھے) اس عذاب سے چاہنے کا سبب ہمدردی کرنا ہو تو یہ رحمت و شفقت کے خلاف نہیں، جب ظالم کو مظلوم کی مدد و نصرت میں سزا دی جائے تو اس کو کوئی رحمت و شفقت کے خلاف نہیں کہہ سکتا، آخر اس حکمت کے لئے جہاد بھی ہوتا تھا۔

﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ
وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَى الْفَالِكِ تَحْمِلُونَهُ ۖ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ۖ فَآتَى
آيَاتِ اللَّهِ تُنْكِرُونَ ۖ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَأَثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا آغَتْ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ۖ فَلَمَّا جَاءَ تَهُمُ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَآ
كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۖ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدَّاهُ وَكُفِّرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ
مُشْرِكِينَ ۖ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهُ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ
وَخَسِرَ هُنَاكَ الْكَافِرُونَ ۖ﴾

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے تاکہ ان میں بعض سے سواری لو اور ان میں بعض کو کھاتے بھی
ہوں۔ اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور تاکہ تم ان پر اپنے مطلب تک پہنچو جو تمہارے دلوں میں
ہے اور ان پر اور کشتی پر لدے پھرتے ہو۔ اور تم کو اپنی اور بھی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے سو تم اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نشانیوں کا
انکار کرو گے۔ کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں، ان کا کیسا انجام
ہوا۔ وہ لوگ ان سے زیادہ تھے اور قوت اور نشانوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں بڑھے ہوئے تھے، سو ان کی کمائی ان
کے کچھ بھی کام نہ آئی۔ غرض جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے علم پر بڑے نازاں
ہوئے جو ان کو حاصل تھا اور ان پر وہ عذاب آپڑا جس کے ساتھ تسخیر کرتے تھے۔ پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو
کہنے لگے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور ان سب چیزوں سے ہم منکر ہوئے جن کو ہم اُس کے ساتھ شریک ٹھہراتے
تھے۔ سو ان کو ان کا یہ ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو
اُس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اور اُس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے۔

رابطہ: اوپر آیت ﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ﴾ الخ میں توحید کا مضمون تھا۔ اب اس پر سورت ختم ہے، جس میں پہلے
توحید کی دلیل ہے، پھر اس کے انکار پر ملامت ہے پھر گزشتہ امتوں کے مشرکوں کا حال یاد دلانا اور دھمکانا اور اسی سلسلہ
میں عذاب کے معائنہ کے وقت مشرک سے توبہ کا قبول نہ ہونا ارشاد ہے۔

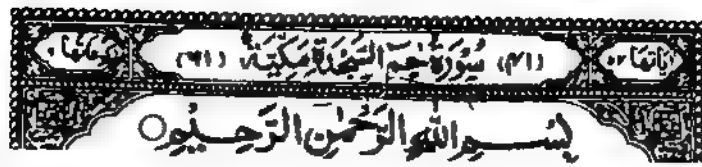
عالموں کے رب کی توحید اور منکروں مشرکوں کی علامت اور ان کے ڈرانے دھمکانے پر سورت کا خاتمہ:
اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے تاکہ ان میں بعض سے سواری لو اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ ان کو
کھاتے بھی ہو اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں (کہ ان کے بال اور ان کا کام آتے ہیں) اور (اس

لئے بنائے) تاکہ تم ان پر (سوار ہو کر) اپنے مقصد (و منزل) تک پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہے (جیسے کسی سے ملنے کے لئے جانا، تجارت کے لئے جانا وغیرہ۔ اور خود سوار ہونا مقصد تھا یہاں اس سوار ہونے کی غرض ہے) اور (سوار ہونے میں کچھ انہی کی خصوصیت نہیں بلکہ) ان پر (بھی) اور کشتی پر (بھی) لدے لدے پھرتے ہو، اور (ان کے علاوہ) تمہیں اپنی (قدرت کی) اور بھی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے (چنانچہ ہر نئی ہوئی چیز اس کے بنانے والے کی قدرت اور کاریگری کی ایک نشانی و علامت ہے) تو تم اللہ کی کون کونسی نشانیوں کا انکار کرو گے (اور یہ لوگ جو دلیلوں کے قائم ہونے کے بعد بھی توحید کے منکر ہیں تو کیا انہیں شرک کے وبال کی خبر نہیں؟ اور) کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (مشرک) لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں (اس شرک کی بدولت) ان کا کیسا انجام ہوا (حالانکہ) وہ لوگ ان سے (تعداد میں) بھی زیادہ تھے اور قوت اور ان نشانوں میں (بھی) زیادہ بڑھے ہوئے تھے جو کہ وہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں (جیسے عمارتیں وغیرہ) تو ان کی (یہ تمام تر) کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی (اور اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکے) غرض جب ان کے رسول ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے (اس روزی و روزگار کے) علم پر بڑا ناز کرنے لگے جو انہیں حاصل تھا (یعنی روزی و روزگار کو مقصود سمجھ کر اور اس میں انہیں جو لیاقت حاصل تھی اس پر خوش ہوئے، اور آخرت میں اٹھائے جانے کا انکار کر کے جنت کی طلب کو دیوانگی اور اس کے انکار پر عذاب کی وعید کو مذاق اڑانے کا ذریعہ قرار دیا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ الخ) اور (اس کے وبال میں) ان پر وہ عذاب آپڑا جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ (اب) ہم اکیلے اللہ پر ایمان لے آئے اور ان سب چیزوں سے منکر ہو گئے جنہیں ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے تو ان کو ان کے اس ایمان لانے نے نفع نہیں دیا، جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا (کیونکہ وہ ایمان بے بسی اور مجبوری کا ہے اور بندہ اختیاری ایمان کا مکلف ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت (یعنی جب ایمان کا کوئی فائدہ نہ ہوا) کافر نقصان میں رہ گئے (لہذا ان مشرکوں کو بھی ان سارے مضمونوں کو سمجھ کر ڈرنا چاہئے۔ ان کے لئے بھی یہی ہوگا، پھر کچھ تلافی نہ ہو سکے گی)

فائدہ: جب آخرت کا عذاب اور عذاب کے فرشتے نظر آجائیں تو اس وقت کا ایمان قبولیت کے قابل نہیں، اور اس کو ایمان باس یا بے بسی کا عذاب کہتے ہیں اور اس کی تحقیق سورۃ نساء آیت ۱۸ میں گزری ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

الحمد للہ! سورۃ المؤمن کی تفسیر ۲۷ ربیع الاول بروز سنہ ۱۳۲۵ھ کو مکمل ہوئی اور اس کے بعد سورۃ

حم السجدۃ کی تفسیر ہے ﴿



شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابطہ: اس سورت کا حاصل یہ مضمون ہیں:

(۱) توحید، جس سے تمہید کے بعد سورت شروع ہوئی ہے اور پچھلی سورت اسی پر ختم ہوئی تھی۔ جس کا صریح بیان آیت ۸ سے چلا ہے۔ پھر آیت ۲۷ ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ الْيَلُّ وَالنَّهَارُ﴾ الخ سے اس کو دوبارہ لایا گیا ہے اور پھر ختم کے قریب آیت ۸۷ ﴿وَمَا تَخْزِبُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْثَامِهَا﴾ الخ دہرایا گیا ہے

(۲) دوسرا مضمون جو توحید سے پہلے شروع میں تمہید کے طور پر بیان ہوا ہے پھر آگے آیت ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا﴾ الخ سے دہرایا گیا ہے اور اسی سلسلہ میں آیت ۲۳ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا الْحَسَنَةَ﴾ الخ میں آپ کی تسلی کے طور پر مبر کرنے اور معاف کر دینے کی ترغیب دی گئی ہے اور پھر آگے آیت ۴۱ ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ﴾ الخ میں تسلی کے ساتھ اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

تیسرا مضمون توحید و رسالت کے انکار پر ڈرانا دھمکانا اور عذاب کے انکار پر وعید ہے، شروع میں آیت ۶ ﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ﴾ الخ میں پھر آیت ۱۳ ﴿فَإِنْ أَغْرَضُوا فَقُلْ أَنَذَرْتُكُمْ﴾ الخ میں اور پھر آیت ۴۰ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُلْجِدُونَ فِي آيَاتِنَا﴾ الخ میں بیان ہوئی ہے اور چونکہ اس میں قیامت کے عذاب کا ذکر ہے، اس مناسبت سے قیامت کے واقع ہونے کی تحقیق ہے جو شروع میں آیت ۳۹ ﴿إِنَّ الَّذِينَ أَحْبَبُوا لِمُحَمَّدٍ الْكُفْرُ﴾ میں پھر آیت ۴۷ ﴿إِلَيْهِ يُرْدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ میں اور پھر آیت ۵۴ ﴿أَلَا إِنَّهُمْ فِي مَرْيِكَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ﴾ میں بیان کی گئی ہے اور اس مضمون کے مقابلہ اور اس کو پورا کرنے کے لئے کئی جگہ ایمان والوں کے لئے خوش خبریوں کا بھی ذکر کیا ہے اور باقی مضمون بیچ بیچ میں انہی مضمونوں کے تابع طور پر بیان کئے گئے ہیں۔

﴿حَمَّ ۖ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۖ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۚ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۖ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ ۚ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ مِّنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ ۚ حِجَابٌ فَأَعْمَلْنَا عَمَلُون ۖ قُلْ إِنَّمَا

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ فَاستَقِمْوْا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ دُونَ
لِلْمُشْرِكِينَ ۚ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

۱۰۰

ترجمہ: ﴿حَم﴾ یہ کلام رحمن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی ہے ایسے لوگوں کے لئے ہے جو دانشمند ہیں۔ بشارت دینے والا ہے، ڈرانے والا ہے۔ سوا کثر لوگوں نے روگردانی کی پھر وہ سنتے ہی نہیں۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں، ہمارے دل اُس سے پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان میں ایک حجاب ہے۔ سو آپ اپنا کام کئے جائیے ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو اُس کی طرف سیدھ باندھ لو اور اُس سے معافی مانگو اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں، جو لوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک کام کئے اُن کے لئے ایسا اجر ہے جو موقوف ہونے والا نہیں۔

توحید کی تمہید میں قرآن مبین کا اور رسالت کا برحق ہونا اور منکرین پر ڈاٹ

اور تتمہ میں منکرین کی سخت سزا اور مومنین کو حدین کے ثواب کا بیان:

﴿حَم﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) یہ کلام رحمن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔ یہ (کلام) ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں، یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی (زبان میں) ہے (تاکہ جن لوگوں میں یہ نازل ہوا ہے، وہ آسانی سے سمجھ لیں اور) ایسے لوگوں کے لئے (نفع دینے والا) ہے جو عقل و دانش اور سمجھ والے ہیں (یعنی اگرچہ مکلف بھی ہیں، مگر اس سے فائدہ صرف عقل و دانش والے ہی اٹھاتے ہیں۔ اور ماننے والوں کے لئے خوش خبری دینے والا ہے) اور نہ ماننے والوں کے لئے (ڈرانے والا ہے تو) کمال کی ان مفتوں کا تقاضا یہ تھا کہ اس پر سب ایمان لاتے، مگر اکثر لوگوں نے (اس سے) منہ پھیرا، پھر (منہ پھیرنے کی وجہ سے) وہ سنتے ہی نہیں اور (جب آپ انہیں سناتے ہیں تو) وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں، ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں (یعنی وہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی) اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ (لگ رہی) ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان میں ایک پردہ ہے تو آپ اپنا کام کرتے رہئے (یعنی ہم سے اس کو قبول کر لینے کی کوئی امید نہ رکھئے اور پھر بھی کہنے کو جی چاہے تو کہتے رہئے آپ جانیں اور آپ کا کام۔ ہم اپنے طریقہ کو نہ چھوڑیں گے) آپ فرمادیجئے کہ (ٹھیک ہے میں تمہیں ایمان

پر مجبور کرنے کی تو قدرت نہیں رکھتا کہ زبردستی قبول کر اسکوں، کیونکہ میں بھی تم جیسا ہی انسان ہوں (لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے الگ سے یہ حیثیت دی ہے کہ) مجھ پر (وحی) نازل ہوتی ہے اور وحی بھی ایسے مضمون کی جو عقل کے لحاظ سے قبول کرنے کے قابل ہے، یعنی یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے (یعنی میں وحی اور نبوت والا ہوں، جس کی تصدیق معجزوں کے ذریعہ ہو چکی ہے، جن میں سب سے بڑا (عظیم معجزہ قرآن ہے جس کا بیان اوپر ہوا ہے اور نبی ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس کی کوئی بات عقل سے ثابت نہ ہو تب بھی مانتی چاہئے، جب کہ وہ بات عقل سے ثابت بھی ہو) تو (اس حالت میں تمہارے قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، ضرور قبول کرو، اور) تم سیدھے اسی (سچے و برحق معبود) کی طرف رخ اختیار کر لو (یعنی کسی اور کی عبادت کی طرف توجہ مت کرو) اور (اب تک جو اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کی ہے، اس عبادت کی) اس سے معافی مانگو (یعنی توحید اختیار کرو اور گزشتہ شرک سے توبہ کرو) اور (آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو (نبوت کے ثابت ہونے اور اتباع کے واجب ہونے کے مضمون کو سن کر بھی اپنے طریقہ کو نہیں چھوڑتے اور) زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں (اور ان کے برخلاف) جو لوگ (رسالت کے حق ہونے کا اعتقاد کر کے) ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک کام کئے ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو (کبھی) ختم ہونے والا نہیں ہے۔

فائدہ: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کافروں کا یہ قول ﴿قُلُوبُنَا فِيْٓ اَكْثٰثٍ﴾ الخ مذمت کے طور پر نقل کیا ہے جس سے اس کا جھوٹا اور باطل ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض آیتوں میں خود ان چیزوں کا اثبات فرمایا ہے جیسے ﴿وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكْثٰثًا﴾ ﴿وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ جیسا سورة الانعام، بنی اسرائیل اور سورة الکہف میں ہے، لہذا ان کو جمع کرنے کی کیا صورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان اقوال سے کافروں کا رسول اور قرآن کی باتوں کو قبول کرنے کی استعداد و قابلیت کا بالکل نہ ہونا بیان کرنا مقصود تھا۔ اور یہ باطل ہے اور حق تعالیٰ کا مقصود فعل سے قریب کی استعداد و قابلیت کا نہ ہونا بیان کرنا ہے۔ اور یہ حق ہے۔ دوسرے ان کی اس کلام سے غرض اپنے کفر پر اصرار کے عزم کی خبر دینا تھا۔ اور یہ مذمت کے قابل اور برا ہے۔ اور اسی اعتبار سے ہے، کیونکہ کبھی کلام کا رد کرنا اس کے اعتبار سے نہیں ہوتا جس پر دلالت ہوتی ہے بلکہ غرض کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

اور یہاں ﴿لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوٰةَ﴾ سے متعلق دو سوال ہیں: ایک یہ کہ کافروں پر زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے وعید کا کیا مطلب ہے؟ دوسرے زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی تھی اور یہ سورت مکی ہے؟ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے پر مذمت اس کی ذاتی حیثیت سے مقصود نہیں بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ کافروں میں ایمان نہ لانے کی وجہ سے یہ زکوٰۃ نہ دینا، ایمان نہ ہونے کی علامت ہے، لہذا اصل مقصود کفر پر مذمت کرنا ہے اور دوسری علامتوں میں سے اس کی تخصیص شاید

اس لئے ہے کہ ایمان نہ لانے کے اسباب میں سے ایک سبب مال کی محبت بھی ہے۔ جو زکوٰۃ نہ دینے کا سبب ہے، اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا لفظ بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے کے معنی میں عرب والوں میں پہلے سے بھی مشہور تھا چنانچہ شعر: امیة: الفاعلون للزکوٰۃ: نقل کیا گیا ہے اور مطلق بھلائی کے کاموں میں بعض موقعوں میں خرچ کرنا مکہ میں بھی واجب تھا اور مخصوص معنی میں مخصوص شرطوں کے ساتھ فرض ہونا مدینہ کے ساتھ خاص ہے۔

﴿ قُلْ اَيْنَكُمْ لَتُكْفَرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بَرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَامًا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءٍ لِّلسَّآبِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ ذُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ اِثْنِيْثًا ظَوْعًا اَوْ كَزْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَالِعَيْنِ ۝ فَفَضَّلْنَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوَّلْنَ فِيْ كُلِّ سَمَاءٍ اَمْرًا وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَآئِيْجٍ ۝ وَ حِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ فرمائیے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو۔ یہی سارے جہان کا رب ہے۔ اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں، اور اس میں اس کی غذائیں تجویز کر دیں۔ چار دن میں یہ پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے۔ پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں سا تھا سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آدیا زبردستی سے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ سو دو روز میں اس کے سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم بھیج دیا۔ اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور اس کی حفاظت کی، یہ تجویز ہے زبردست واقف الکل کی۔

رابطہ: اوپر تو حید کی تمہید کے طور پر رسالت کا مضمون تھا۔ اب تو حید کا مضمون ہے۔

تو حید:

آپ (ان لوگوں سے) فرمائیے کہ کیا تم لوگ ایسی ذات (کی تو حید) کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو (اتنی بڑی وسعت کے باوجود) دو دن (کی مقدار کے وقت) میں پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو، یہی (اللہ جس کی قدرت معلوم ہوئی) سارے جہان کا رب ہے (لہذا معبود بھی وہی ہے) اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے۔ اور اس (زمین) میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں (جیسے پتھر پودے اور جانور وغیرہ) اور (زمین) میں اس (کے

رہنے والوں) کی غذائیں تجویز کر دیں (چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ زمین کے ہر حصہ میں رہنے والوں کے لئے مناسب الگ الگ غذائیں ہیں یعنی زمین میں ہر قسم کے غلے میوے پیدا کر دیئے، کہیں کچھ، کہیں کچھ، جن کا سلسلہ اب تک چلا آ رہا ہے، یہ سب) چار دن میں (ہوا، دودن میں زمین دودن میں پہاڑ وغیرہ جو گنتی میں) پورے ہیں (مخلوق کی تعداد و مقدار) پوچھنے والوں کے لئے (جیسے یہود نے آپ سے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کے بارے میں پوچھا، جیسا کہ الدر المنثور میں ہے) پھر (یہ سب کچھ پیدا کر کے) آسمان (کے بنانے) کی طرف توجہ فرمائی اور وہ (اس وقت) دھواں سا تھا (یعنی اس کا مادہ جو کہ زمین کے مادہ کے بعد اور زمین کی موجودہ صورت سے پہلے بن چکا تھا، اس شکل میں تھا) تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں (کو ہمارے حکم کی طرف آنا تو ضرور پڑے گا، اب تمہیں اختیار ہے کہ چاہے) خوشی سے آؤ یا زبردستی سے (آؤ، مطلب یہ کہ ہمارے تکوینی احکام جو تم دونوں میں جاری ہوا کریں گے جیسے آسمان میں اس کے بعد ہی تبدیلی ہونے والی تھی کہ اس کا مادہ جو ایک ہی تھا، اس سے کئی آسمان بننے والے تھے اور زمین میں قیامت تک بے انتہا تبدیلیاں ہوتی چلی جائیں گی، تو ان کا جاری ہونا تو تمہارے اختیار سے باہر ہے، لیکن جو ادراک شعور و احساس تمہیں عطا ہوا ہے اس سے تمہاری حالت کے مطابق راضی ہونا اور راضی نہ ہونا دونوں باتیں ہو سکتی ہیں، جیسے انسان کے لئے مرض یا موت کہ ان کے غیر اختیاری ہونے کے باوجود کوئی اس پر راضی ہے کوئی ناراض ہے۔ تم تو دیکھ لو کہ ہمارے ان احکام پر راضی رہا کرو گے یا ناپسند کیا کرو گے؟) دونوں نے عرض کیا کہ ہم (ان احکام کے لئے) خوشی سے حاضر ہیں تو دو دن میں اس کے سات آسمان بنا دیئے اور (چونکہ آسمان فرشتوں سے بھر دیئے تھے، اس لئے) ہر آسمان میں (فرشتوں کو) اس کے مناسب اچھا حکم بھیج دیا (یعنی جن فرشتوں سے جو کام لینا تھا، وہ انہیں بتا دیا جیسا کہ مدتوں بعد زمین پر وحی آتی تھی) اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو ستاروں سے سجایا اور (شیطانوں کے چوری چھپے خبر لے آنے سے) اس کی حفاظت کی۔ یہ تجویز (اس ذات کی) ہے جو زبردست ہے اور سب سے واقف ہے (لہذا عبادت کے لائق یہ ذات ہے جو کامل صفتوں والی ہے یا دوسری چیزیں جس کی ذات بھی ناقص اور صفتیں بھی ناقص؟)

فائدہ: زمین اور آسمان کی پیدائش سے متعلق ترتیب سورہ بقرہ آیت ۲۹ اور جمادات یعنی بے جان کے ادراک سے متعلق سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۲ ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهَا﴾ میں اور دنیاوی آسمان کو سجانے سے متعلق سورہ الصفات آیت ۶ میں اور آسمانوں کی حفاظت سے متعلق سورہ الحجر آیت ۷ اور اس کے بعد کی آیتوں میں کلام ہو چکا ہے، البتہ آسمانوں کی حفاظت سے متعلق اتنی بات رہ گئی تھی کہ جب دنیاوی آسمان شیطانوں سے محفوظ ہے تو دوسرے آسمان اس سے بدرجہ اولیٰ میں محفوظ ہیں۔

اب چند فائدے اس موقع سے متعلق لکھتا ہوں۔

اول: یہ کہ زمین میں پہاڑ بنانے اور اس میں فائدے کی چیزیں رکھنے کے ساتھ جو چار دن کی بات فرمائی یہ صرف اسی

کا یعنی پہاڑ بنانے اور غذائیں تجویز کرنے کا زمانہ نہیں، ورنہ اس صورت میں مجموعہ آٹھ دن ہو جائیں گے۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنانے کی کئی جگہ تصریح ہے۔ چنانچہ یہ زمانہ پہلے والے کے ساتھ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ دو سال میں تو اس لڑکے کا دودھ چھڑایا اور چار سال میں مکتب میں بٹھایا۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دودھ چھڑانے کے دو سال کے علاوہ چار سال میں مکتب میں بٹھایا کہ اس طرح کل چھ سال ہو جاتے ہیں بلکہ اس طرح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دو سال کی عمر میں دودھ چھڑایا اور چار سال کی عمر میں مکتب میں بٹھایا، یعنی دودھ چھڑانے کے دو سال مکتب میں بٹھانے کے چار سال میں شامل ہیں، ان سے الگ نہیں ہیں۔

دوسرے: ان چار دنوں کے ساتھ لفظ سواء کیوں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ جن دو دنوں میں آسمانوں کو بنایا ہے وہ دو دن پورے نہیں تھے، بلکہ اس کے آخری وقت یعنی عصر کے بعد آدم علیہ السلام کو بنایا گیا جیسا کہ مسلم میں ہے۔ اس لئے وہاں سواء فرمایا تاکہ سننے والا مجاز پر محمول نہ کر لے جیسا کہ مجاہدوں میں کسر کو پورا کر لیا کرتے ہیں۔

تیسرے: ﴿ثَلَاثَ يَلَدِينَ﴾ یعنی پوچھنے والوں کی تخصیص زمین اور اس سے متعلق چیزیں پیدا کرنے میں کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید اس میں اس بات کا اشارہ ہو کہ عام پوچھنے والوں کے ذہن کے لحاظ سے زمین اور اس سے متعلق چیزوں کا چار دن میں بننا آسمانوں کے دو دن میں بننے کے مقابلہ میں زیادہ قریب ہے کہ مدت کم اور جسے بنایا گیا وہ اعظم یعنی سب سے بڑا، لہذا سوال کا جواب زمین اور اس سے متعلق چیزوں میں سمجھنے کے لئے آسان ہے۔

چوتھے: ”تم دونوں خوشی سے آذیا زبردستی سے“ کا خطاب زمین سے اس کے برابر ہونے کے بعد اور آسمان سے برابر ہونے سے پہلے ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمین میں برابر ہونے کے بعد بھی آسمان کے برخلاف بہت سی تبدیلیاں ہونے والی تھیں، اس لئے زمین کی حالت برابر ہونے کے بعد اور آسمان کی حالت برابر ہونے سے پہلے ایک ہی جیسی ہیں۔

﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صُفْعَةً مِّثْلَ صُفْعَةِ عَادٍ وَتَمُودَ ۚ مَا ذُجِّجَتْهُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَكًا مِّنَّا فَأَنزَلْنَاهُمْ بِهِ كُرُورًا ۚ فَلَمَّا عَادُوا فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۚ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۚ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحْسَاتٍ لِّنُنذِرَهُمْ عَذَابَ الْآخِرَةِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ۚ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا

الْعَلَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذْتَهُمْ صَوبِقَةً الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ وَتَجْنِبْنَا الَّذِينَ
 آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ وَيَوْمَ يُخْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا مَا
 جَاءَهُمْ شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا جُئِدُوا بِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ
 عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ وَمَا
 كُنْتُمْ تَسْتَذِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا
 يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرَأَيْتُمْ فَاذْبَعْتُمْ مِنَ الْخُسْرَيْنِ ۝
 فَإِنْ يَصْذِقُوا قَالَ النَّارُ مَثْوًى لَهُمْ وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ ۝ وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ
 فَذَيِّبُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ
 مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خُسْرَيْنِ ۝ ﴿

ترجمہ: پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر آفت آئی
 تھی۔ جبکہ اُن کے پاس اُن کے آگے سے بھی اور اُن کے پیچھے سے بھی پیغمبر آئے کہ بجز اللہ کے اور کسی کو مت پوجو۔ انھوں
 نے جواب دیا کہ اگر ہمارے پروردگار کو منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا سو ہم اُس سے بھی منکر ہیں جس کو دے کر تم بھیجے گئے
 ہو۔ پھر وہ جو عاد کے لوگ تھے وہ دنیا میں ناحق تکبر کرنے لگے۔ اور کہنے لگے وہ کون ہے جو قوت میں ہم سے زیادہ ہے؟ کیا
 اُن کو یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے اُن کو پیدا کیا، وہ اُن سے قوت میں بہت زیادہ ہے۔ اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے،
 تو ہم نے اُن پر ایک ہوائے تندایسے دلوں میں بھیجی جو منحوس تھے تاکہ ہم اُن کو اس دنیوی حیات میں رسوائی کے عذاب کا
 مزہ چکھا دیں۔ اور آخرت کا عذاب اور زیادہ رسوائی کا سبب ہے اور اُن کو مدد نہ پہنچے گی۔ اور وہ جو ثمود تھے تو ہم نے اُن کو
 راستہ بتلایا سو انھوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا، پس اُن کو عذاب سراپا ذلت کی آفت نے پکڑ لیا اُن کی
 بدکرداریوں کی وجہ سے۔ اور ہم نے اُن لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے، اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ
 کی طرف جمع کر کے لائے جاویں گے پھر وہ روکے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ اُس کے قریب آ جاویں گے تو اُن
 کے کان اور آنکھیں اور اُن کی کھالیں اُن پر اُن کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اور وہ لوگ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم
 نے ہمارے خلاف میں کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اُس نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی اور اُس
 نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا اور اُسی کے پاس پھر لائے گئے ہو، اور تم اس بات سے تو اپنے کو چھپا ہی نہ سکتے تھے کہ تمہارے
 کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف میں گواہی دیں لیکن تم اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے
 اعمال کی خبر بھی نہیں۔ اور تمہارے اس گمان نے جو کہ تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا تم کو برباد کیا پھر تم خسارہ میں

پڑ گئے۔ سو اگر یہ لوگ مبرک کریں تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں تو بھی مقبول نہ ہوگا۔ اور ہم نے ان کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے مقرر کر رکھے تھے سو انھوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں مستحسن کر رکھے تھے اور ان کے حق میں بھی اُن لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول پورا ہو کر رہا جو اُن سے پہلے جن اور انسان ہو گزرے ہیں، بیشک وہ بھی خسارہ میں رہے۔

رابطہ: اور تو حید کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں شرک پر انکار اور تو حید کا اثبات تھا۔ اب تو حید کا انکار کرنے والوں کو جلدی کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور بعد کے عذاب کی وعید سناتے ہیں اور قصہ کے ضمن میں رسالت کے انکار پر بھی ملامت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ﴿اذْجَاءَهُمُ التُّسُلُ﴾ الخ۔

تو حید و رسالت کا انکار کرنے والوں کو دھمکانا و ڈرانا:

پھر (تو حید کی دلیلیں سن کر بھی) اگر یہ لوگ (تو حید سے) منہ پھیریں تو آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ایسی آفت سے ڈراتا ہوں، جیسی آفت عاد اور ثمود پر (شرک و کفر کی بدولت) آئی تھی (اس سے ہلاک کرنے والا عذاب مراد ہے، چنانچہ مکہ والے بھی بدر میں ہلاک کئے گئے اور عاد و ثمود کا قصہ اس وقت واقع ہوا تھا) جب کہ ان (عاد و ثمود) کے پاس ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی رسول آئے (یعنی جو رسول ان کی طرف بھیجے گئے تھے، انھوں نے بڑی کوشش سے بہت زیادہ سمجھایا جیسے کوئی شخص کسی کو کبھی سامنے سے آکر سمجھائے اور کبھی پیچھے سے آکر سمجھائے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا قول نقل فرمایا ہے ﴿لَا تَتَّبِعُهُمْ فَمِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ الخ اور ان رسولوں نے یہی کہا کہ اللہ کے سوا کسی اور کو مت پوجو۔ انھوں نے جواب دیا کہ (تم جو کہتے ہو کہ اللہ نے ہمیں رسول بنا کر اس لئے بھیجا ہے کہ تو حید کی طرف دعوت دیں، تو اپنے آپ میں خود یہی غلط ہے، کیونکہ) اگر ہمارے رب کو (یہ) منظور ہوتا (کہ) کسی کو رسول بنا کر بھیجے (تو) (اس کام کے لئے) فرشتوں کو بھیجتا تو (جب یہ نہیں ہوا تو) ہم اس (تو حید) سے منکر ہیں، جو کچھ دے کر (تمہارے زعم کے مطابق) تمہیں (رسول کے طور پر) بھیجا گیا ہے، پھر (ان کے لئے اس مشترکہ قول کے بعد ہر ایک کے خاص حال کی یہ تفصیل ہے کہ) وہ جو عاد کے لوگ تھے، وہ دنیا میں ناحق تکبر کرنے لگے اور (جب عذاب کی وعید سنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف آیت ۱۷ میں ہو کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۚ اَتُجَادِلُونَنِي فِيْ اَسْمَاءِ سَمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ فَانْتٰظِرُوْا ۙ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾ (تو) کہنے لگے کہ وہ کون ہے جو قوت میں ہم سے زیادہ ہے (جو ہمارے اوپر کوئی حادثہ واقع کرے جسے ہم دور نہ کر سکیں؟ آگے جواب ہے کہ) کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس اللہ نے انہیں پیدا کیا وہ قوت میں ان سے بہت زیادہ ہے (اور وہ عذاب واقع کر سکتا ہے مگر اس کے باوجود

بھی ایمان نہ لائے) اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تو ہم نے ان پر ایک تیز و تند ہوا ایسے دنوں میں بھیجی جو (اللہ کے عذاب کے نازل ہونے کی وجہ سے ان کے حق میں) منحوس تھے تاکہ ہم انہیں اس دنیاوی زندگی میں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب اور زیادہ رسوائی کا سبب ہے اور اس رسوائی کے وقت کسی طرف سے بھی) انہیں مدد نہیں پہنچے گی۔ اور وہ جو شہود تھے تو (ان کی کیفیت یہ ہوئی کہ) ہم نے انہیں (رسولوں کے ذریعہ سے) راستہ بتایا تو انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو پسند کیا، چنانچہ انہیں پوری طرح ذلت کے عذاب نے پکڑ لیا۔ ان کے برے اعمال کی وجہ سے اور ہم نے (اس عذاب سے) ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ہم سے ڈرتے تھے (یہاں تک دنیاوی عذاب کا ذکر تھا) اور (آگے آخرت کے عذاب کا ذکر ہے یعنی انہیں وہ دن بھی یاد دلایئے) جس دن اللہ کے دشمن (یعنی کافر لوگ) جہنم کی طرف جمع کر (نے) کے (لئے حساب کی غرض سے جمع کرنے کے مقام پر) لائے جائیں گے، پھر (راستہ میں انتہائی کثرت کی وجہ سے اکٹھے رہنے کے لئے) وہ روکے جائیں گے (تاکہ باقی لوگ بھی آجائیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗا مِنْ الْجِبِّ وَالْاَنْثٰی وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُبٰزِھُوْنَ﴾) یہاں تک کہ جب وہ (سب جمع ہو کر) اس (جہنم) کے قریب آجائیں گے (اس سے قیامت کے دن جمع ہونے کا مقام مراد ہے، کیونکہ جہنم قریب ہی نظر آئے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جہنم کو جمع ہونے کے مقام میں حاضر کریں گے اور آیا ہے کہ کافر اپنے چاروں طرف جہنم ہی دیکھے گا۔ غرض یہ کہ جب جمع ہونے کے مقام میں آجائیں گے اور حساب شروع ہوگا) تو ان کے کان اور آنکھیں اور ان کی کھالیں ان پر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اور (اس وقت) وہ لوگ (تعجب کے ساتھ) اپنے اعضا سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ (ہم تو دنیا میں تمہارے ہی لئے سب کچھ کرتے تھے جیسا کہ مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں ہے: **لَعَنَکُمْ کُنْتُ اَنَا فَضِلْتُ**: میں تو تمہاری ہی طرفداری کرتا تھا) وہ (اعضا) جواب دیں گے کہ ہمیں اس (مطلق قدرت والے نے) بولنے کی قوت دی جس نے (گویا) ہر چیز کو بولنے کی قوت دی (جس سے ہم نے خود اپنے اندر اس کی قدرت کا مشاہدہ کر لیا) اور اسی نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر (تم دوبارہ زندہ کر کے) لائے گئے ہو (اگرچہ تم اس کا انکار کرنے والے تھے لہذا جو اللہ ایسا قدرت والا عظیم شان والا ہو اس کے سامنے اس کے پوچھنے پر ہم حق کو کیسے چھپا سکتے تھے کہ اس کی عظمت یعنی بڑائی اس کے لئے رکاوٹ تھی، اس لئے ہم نے گواہی دیدی) اور (آگے حق تعالیٰ ان انکار کرنے والوں سے خطاب فرمائیں گے کہ) تم (دنیا میں) اس بات سے تو اپنے آپ کو چھپا (اور بچا) ہی نہ سکتے تھے کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں (کیونکہ حق تعالیٰ کی قدرت مطلق طور پر اور اعمال کا علم واقع میں ثابت ہے اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ ناپسندیدہ اعمال سے بچتے) لیکن تم (اس لئے نہیں بچے کہ) اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں (یہاں علم اور خبر عام معنی

میں ہے، کیونکہ بعض جاہل لوگوں کو تو خود علم ہی کا اعتقاد نہ تھا، جیسا کہ اس کی شان نزول میں روایت ہے اور بعض لوگ اس علم کی نفی کرتے تھے جو توجہ کے معنی میں ہے، یعنی اللہ کے نزدیک سزا کے قابل نہیں، کیونکہ سزا برے عمل پر ہوتی ہے اور وہ کفر سے متعلق اعمال کو برا نہیں سمجھتے تھے، اور علم کا جو انجام جزا ہے بغث کے انکار کی وجہ سے اس کا سب انکار کرتے تھے، لہذا یہاں علم میں مجاز کے عموم کے طور پر اطلاع، توجہ اور جزا سب شامل ہیں) اور تمہارے اسی گمان نے جو کہ تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا تمہیں برباد کیا (کیونکہ وہ اس گمان کی وجہ سے کفر والے اعمال کے مرتکب ہوئے اور وہ اعمال (ان کی بربادی کے سبب ہوئے) پھر تم (ہمیشہ کے) نقصان میں پڑ گئے تو (اس حالت میں) اکثر یہ لوگ (اس بربادی و نقصان پر) صبر کریں (اور تقدیر کے بھروسہ رہ کر عذر و اعتراض نہ کریں) تب بھی جہنم ہی ان کا ٹھکانا ہے (یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کا صبر اور ان کی خاموشی رحم کا سبب و ذریعہ بن جائے جیسا کہ کبھی کبھی دنیا میں ایسا ہو جاتا ہے) اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں گے تو (یہ عذر) بھی قبول نہ ہوگا، اور ہم نے (دنیا میں) ان (کافروں کے) لئے کچھ ساتھ رہنے والے (شیطان) مقرر کر رکھے تھے تو انہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں اچھے بنا رکھے تھے (اس لئے وہ ان اعمال پر اصرار کرتے تھے) اور (کفر پر اصرار کرنے کی وجہ سے) ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کی بات (یعنی عذاب کا وعدہ) پوری ہو کر رہی جو ان سے پہلے جن اور انسان (کافر) گذر چکے ہیں۔ بے شک وہ (سب) بھی نقصان میں رہے۔

فائدہ: ذکر میں عاد اور ثمود کی تفصیص اس لئے ہے کہ یمن اور شام کے سفر میں عرب والوں کو ان کے رہنے کے مقام اور آثار و نشان نظر آتے تھے اور ان قوموں کو یہ لوگ جانتے بھی خوب تھے۔ اور ﴿مَآذٍ جَاءَتْهُمْ الرُّسُلُ﴾ میں لفظ رسل جو جمع استعمال کیا حالانکہ عاد میں ہود علیہ السلام کا اور ثمود میں صالح علیہ السلام کا آنا ہی مشہور ہے تو یا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اور بھی رسول آئے ہوں، اور ﴿مَنْ لَّمْ يَنْقُصْ عَلَيْكَ﴾ میں داخل ہوں۔ یا تعظیم کے طور پر دہی کو جمع فرما دیا ہو۔ اس لئے ہر ایک نے گویا کئی کئی رسولوں کا کام کیا ہو، یا ہود اور صالح علیہما السلام کے ذریعہ سے پہلے والے رسولوں کی خبر اور اصل توحید میں اتفاق کی بات پہنچی ہو۔ اس لئے رسولوں کا آنا، عام ہوگا۔ ذات کے آنے کو اور خبر کے آنے کو۔ جیسا کہ ﴿كَذَّابَتْ قَوْمُ نُوحٍ﴾ میں کہا جاتا ہے کہ ایک کے جھٹلانے سے سب کا جھٹلانا ہوگا۔ اور ﴿آيَاتٍ مِّنْ نَّجَاسَاتِ﴾ سے متعلق ضروری تحقیق سورۃ الصافات آیت ۸۸ ﴿فَنظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ﴾ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ اور ﴿كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ﴾ اس لئے فرمایا کہ علم کی نفی چاہے جس معنی میں بھی ہو، ہر عمل کے لئے اس کا اعتقاد عام نہ تھا۔ چنانچہ جو اعمال علانیہ کئے جاتے ہیں۔ اس میں اطلاع کے سب معتقد تھے اور بعض اعمال کو برا بھی سمجھتے تھے اور ان پر دنیاوی جزا کے قائل تھے، چنانچہ قسامہ میں جھوٹی قسم کھانے کی وجہ سے تباہ ہونے سے ڈرتے تھے اور بعض تفسیروں میں لکھا ہے اور اچھا لکھا ہے کہ ﴿يَوْمَ يُخْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ﴾ الخ میں معین دشمن مراد ہیں یعنی مکہ کے کافر سب مراد نہیں، کیونکہ سب کی

مفت میں ﴿فِي آمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ الخ صادق نہیں آتا۔

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَافِيتُ كَعَلْمِ تَغْلِبُونَ﴾ ۵ ﴿فَلَنذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَشْوَا الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ۶ ﴿ذَلِكَ جَزَاءُ أَغْدَاةِ اللَّهِ النَّارُ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَاءُ مَا كَانُوا يَأْتِيَنَا يَجْحَدُونَ﴾ ۷ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرَبْنَا الَّذِينَ أَضَلْنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ نَجْعَلُهُمَّا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونُوا مِنَ الْآسْفَلِينَ﴾ ۸

ترجمہ: اور یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو شاید تم ہی غالب رہو۔ سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے اور ان کو اُن کے بُرے کاموں کی سزا دیں گے۔ یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی یعنی دوزخ، اُن کے لئے وہاں ہینگلی کا مقام ہوگا اس بات کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور وہ کفار کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو وہ دونوں شیطان اور انسان دکھلا دیجئے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، ہم اُن کو اپنے پیروں تلے تل ڈالیں تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں۔

رابطہ: اوپر سورت کے شروع میں قرآن اور رسالت سے متعلق مضمون تھا۔ اب اس کا انکار کرنے والوں پر ملامت ہے۔

قرآن اور رسالت کا انکار کرنے والوں کی مذمت اور عذاب:

اور یہ کافر (آپس میں) یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز مت سنو، اور اگر رسول ﷺ سنائے لگیں تو اس کے بیچ میں شور مچا دیا کرو، شاید کہ (اس تدبیر سے) تم ہی غالب آ جاؤ (اور رسول ہار کر چپ ہو جائیں) تو (اس نالائق حرکت اور اس کے عزم کے بدلہ میں) ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے اور انہیں ان کے (ایسے) بُرے بُرے کاموں کی سزا دیں گے۔ اللہ کے دشمنوں کی یہی سزا ہے یعنی جہنم۔ ان کے لئے وہاں ہمیشہ کاربنا ہوگا، اس بات کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور (جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو) وہ کافر لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں وہ دونوں شیطان اور انسان دکھا دیجئے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، ہم انہیں اپنے پیروں تلے تل ڈالیں تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں (یعنی اس وقت ان لوگوں پر غصہ آئے گا جنہوں نے بہکایا تھا، آدمیوں پر بھی اور شیطانوں پر بھی، چاہے ایک ایک ہوں یا کئی ہوں اور اس درخواست کا منظور ہونا ضروری نہیں، اور یوں تو گمراہ کرنے والے بھی جہنم میں ہوں گے، مگر شاید درخواست کے وقت نظر نہ آئیں)

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ ۹ ﴿نَحْنُ أَوْلَیُّكُمْ فِي الْحَیْوةِ الدُّنْیَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ ۱۰

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ۚ نَزَّلًا مِّنْ عَفْوَهِ رَحِيمٍ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۚ وَلَا تَسْتَوِ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ مَآ ذُقَرْنَا بِالنَّارِ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۚ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۚ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ۚ وَإِنَّمَا يَنزَعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

ترجمہ: جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے، اُن پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت پر خوش رہو، جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔ ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور تمہارے لئے اُس میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے۔ یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے۔ اور اُس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے پھر یکا یک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جاوے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔ اور یہ بات ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل ہیں، اور یہ بات اُسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے۔ اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ دوسرا آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ رابطہ: اوپر کافروں کی بد حالی اور برے انجام کا ذکر تھا۔ اب مومنوں کے اچھے حال اور اچھے انجام کا ذکر ہے۔ اور ساتھ ہی انہیں اچھے اخلاق اور اعمال کا حکم اور ترغیب بھی ہے جس سے ان کی خوش حالی اور نیک انجام میں ترقی ہو اور جس کی ضرورت ایسے لوگوں کے مقابلہ میں واقع ہوگی جن کا اوپر یہ قول آیا ہے ﴿لَا تَسْعَوْا لِهَذَا الْقُرْآنِ﴾۔

مومنوں کا اچھا حال و انجام اور ان کے اخلاق و اعمال کی تعریف:

جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کر لیا کہ ہمارا (حقیقی) رب (صرف) اللہ ہے (مطلب یہ کہ شرک سے تعلق نہ رکھنے کا اعلان کر کے توحید اختیار کر لی) پھر (اس پر) قائم رہے (یعنی اس کو چھوڑا نہیں) ان (لوگوں) پر (اللہ کی طرف سے رحمت و بشارت کے) فرشتے اتریں گے (پہلے مرتے وقت، پھر قبر میں، پھر بعثت کے وقت جیسا کہ زید بن اسلم سے درمنثور میں روایت ہے اور کہیں گے) کہ (آخرت کی آنے والی ہولناکیوں سے) نہ تم اندیشہ کرو اور نہ (دنیا کے چھوڑنے پر) رنج کرو (کیونکہ آگے تمہارے لئے امن اور بہترین بدلہ ہے) اور تم جنت (کے ملنے) پر خوش رہو جس کا تم سے (رسول کی معرفت) وعدہ کیا جایا کرتا تھا (اور) ہم دنیاوی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے (چنانچہ

دنیا میں نیکیوں کا الہام اور حادثوں میں صبر و تسکین، فرشتوں کی کا فیض ہے، چنانچہ وہ حدیث کے مطابق ساتھ ہی رہتے ہیں، اور آخرت کے سلسلہ میں ﴿وَتَتَكَلَّمُ الْمَلَائِكَةُ﴾ اور ﴿يَذْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ﴾ وغیرہ۔ خود آیتوں میں آیا ہے اور تمہارے لئے اس (جنت) میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا، موجود ہے اور تمہارے لئے (بھی) اس میں جو مانگو گے موجود ہے (یعنی طلب کرنا چاہے بے بسی و مجبوری کا ہو یا اختیار کا دونوں برابر پورے ہوں گے) یہ غفور، رحیم کی طرف سے مہمان کے طور پر ہوگا (یعنی یہ نعمتیں عزت و اکرام کے ساتھ ملیں گی، جس طرح مہمان کو ملتی ہیں) اور (اچھے حال کے بعد ان کے اعمال کی اچھائی بتاتے ہیں کہ) اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور (اطاعت و فرماں برداری کے اظہار کے لئے) کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں (یعنی بندگی کو فخر سمجھے اور گھمنڈ و تکبر کرنے والوں کی طرح شرم محسوس نہ کرے) اور (چونکہ اللہ کی طرف دعوت میں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اکثر جاہلوں کی طرف سے اذیت اور نقصان کا سامنا ہوتا ہے اس کے متعلق خصوصاً اور دوسرے حالات میں بھی عموماً بہتر معاملہ اختیار کرنے کی تعلیم فرماتے ہیں، یعنی سب سے پہلے یہ بات سمجھنی چاہئے کہ) نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (بلکہ ہر ایک کا اثر ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے، جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب) آپ (اتباع کرنے والوں کے ساتھ) اچھے برتاؤ سے (برائی کو) ٹال دیا کیجئے۔ پھر (آپ دیکھ لینا کہ) آپ میں اور جس شخص میں دشمنی تھی، وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی دلی دوست ہوتا ہے (برائی کا جواب اور بدلہ برائی سے دینے میں تو دشمنی بڑھتی ہے اور نیکی کرنے سے طبیعت کی سلامتی کی شرط کے ساتھ دشمن کی دشمنی کم ہوتی ہے یہاں تک کہ اکثر دشمنی بالکل جاتی رہتی ہے اور اس معاملہ میں دوست کی طرح ہو جاتا ہے چاہے دل سے دوست نہ ہو) اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو (اخلاق کے اعتبار سے) بہت مستقل (مزاج) ہیں اور یہ بات اس کو نصیب ہوتی ہے جو (ثواب کے اعتبار سے) بڑا نصیب والا ہوتا ہے اور اگر ایسے وقت میں) آپ کو شیطان کی طرف سے (غصہ کا) کچھ دوسرے آنے لگے تو (فورا، اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بے شک وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

فائدہ: عقل کی سلامتی کی قید، عقل کی دلیل سے ہے، اب یہ خدشہ نہ رہا کہ کبھی کبھی اس کے خلاف دیکھا جاتا ہے۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ الْبَلَاءُ وَالنَّهَارُ وَاللَّيْلُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ رَآيَاهُ تَعْبُدُونَ ۝ فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَقَالَ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۝ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتِ إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾

ترجمہ: اور من جملہ ان کی نشانیوں کے رات ہے اور دن ہے اور سورج اور چاند ہے تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند

کو، اور اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے۔ پھر اگر یہ لوگ تکبر کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے مقرب ہیں، وہ شب و روز اُس کی پاکی کرتے ہیں اور وہ نہیں اکتاتے۔ اور من جملہ اُس کی نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہے کہ دبی دبائی ہے، پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے۔ جس نے اس زمین کو زندہ کر دیا وہی مردوں کو زندہ کر دے گا۔ بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

رابطہ: اوپر آیت نو سے توحید کا مضمون تھا۔ اب پھر اسی کا ذکر ہے اور اس کے ختم پر زمین کو زندہ کرنے کی مناسبت سے مردوں کو جلانے کا ذکر فرما دیا جس سے قیامت کے عذاب کی تاکید بھی ہوگئی جس کا انکار کرنے والوں کے لئے سورت میں جگہ جگہ ذکر ہے، اور اس کے بعد اس کے قریب ہی جو جنم کی وعید کا ذکر ہے اس کی تمہید بھی ہوگئی۔

دوبارہ توحید کا ذکر تاکید کے ساتھ اور نئے سرے سے پیدا کرنے کا اثبات سخت وعید کی تمہید کے ساتھ:

اور اس کی (قدرت اور توحید کی) نشانیوں میں سے رات ہے اور دن ہے، اور سورج ہے اور چاند ہے (لہذا تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو) سجدہ کرو جیسے صابئی وغیرہ ستاروں اور سورج و چاند وغیرہ کی عبادت کرتے تھے، جیسا کہ الکشاف، المدارک اور الخازن میں ہے) اور (صرف) اس اللہ کو سجدہ کرو، جس نے ان (سب) نشانیوں کو پیدا کیا، اگر تمہیں اللہ کی عبادت کرنی ہے (یعنی مشرک لوگ جو اللہ کی عبادت کے بھی دعویدار ہیں تو جس عبادت میں شرک پایا جاتا ہو وہ حقیقت میں اللہ کی عبادت نہیں ہے اور وہ دعویٰ غلط ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی ہے تو شرک کو چھوڑ کر عبادت کرو) پھر اگر یہ لوگ (توحید والی عبادت سے جس میں) باپ دادا کے طریقہ کو چھوڑنا اور نبی کا اتباع کرنا پڑتا ہے، شرم اور تکبر کریں تو (ان کی حماقت ہے، کیونکہ) جو فرشتے آپ کے رب کے مقرب ہیں (اور شان و عظمت میں ان لوگوں سے ہزاروں درجے اوپر اور بلند ہیں) وہ رات دن اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ اس سے (ذرا بھی) اکتاتے نہیں (تو انہیں کیسے شرم آتی ہے؟ اور یہ اسی طرح ہے جیسے ﴿وَإِذْ كُنَّا رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ﴾ کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ﴾ (سورۃ الاعراف آیت ۲۰۶) اور اس کی (قدرت و توحید کی) نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ (اے مخاطب!) تم زمین کو دیکھتے ہو کہ دبی دبائی (پڑی) ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے (اور اس سے توحید پر دلالت کے علاوہ بعثت کے امکان پر بھی دلالت حاصل ہوئی اور ثابت ہوا کہ) جس نے زمین کو (اس زندگی سے) زندہ کر دیا (جو اس کے مناسب ہے) وہی مردوں کو (اس زندگی سے جو ان کے مناسب ہے) زندہ کر دے گا، بے شک وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (اور امکان میں دونوں امر جن کا ذکر ہوا برابر ہیں، لہذا دونوں پر قدرت یکساں ہوگی۔ اور قدرت کے وقت ایک کا آسان ہونا ظاہر ہے سب کو معلوم ہے لہذا دوسرا بھی آسان ہوگا، پھر اس کو محال سمجھنا کھلی جہالت ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْهَا ۚ آفَمَنْ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝﴾

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کجروی کرتے ہیں وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں۔ سو بھلا جو شخص نار میں ڈالا جاوے وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے روز امن و امان کے ساتھ آئے۔ جو جی چاہے کہ روئے تمہارا سب کیا ہوا دیکھ رہا ہے۔
 ربط: اور ﴿وَوَيْلٌ لِلْمُصْرِفِينَ﴾ اور ﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا﴾ الخ میں توحید اور رسالت کا انکار کرنے والوں پر ملامت اور وعید ہے۔ اب پھر اسی کا ذکر ہے، اور اوپر جو آیت ابھی گزری اس میں اس کی تمہید بھی آچکی ہے جیسا کہ وہاں ربط میں بیان کیا گیا۔

توحید اور رسالت کے انکار پر ملامت اور وعید:

بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں (جو توحید پر دلالت کرنے والی ہیں اور مخصوص نبی پر نازل ہوئی ہیں) ٹیڑھا پن اختیار کرتے ہیں یعنی اس سے متعلق جو سیدھا راستہ ہے کہ اس پر ایمان لائیں، اس راستہ کو چھوڑ کر اس کو جھٹلاتے ہیں جیسا کہ قبادہ سے درمنثور میں روایت ہے، وہ لوگ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں (ہمیں ان کا حال سب معلوم ہے اور ہم انہیں جہنم کی سزا دیں گے) تو بھلا جو شخص جہنم میں ڈالا جائے (جیسا کہ یہ جھٹلانے والا ڈالا جائے گا) وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن و امان کے ساتھ (جنت میں) آئے (آگے ملامت کے ساتھ خطاب ہے کہ) جو جی چاہے (خوب) کر لو، وہ تمہارا کیا ہوا سب دیکھ رہا ہے (ایک ہی بار سزا دیدے گا)

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالَّذِ كُرْنَا جَاءَهُمْ ۚ وَإِنَّ لَهُمْ كِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۚ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ ۚ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَبِيَّا لَقَالُوا آلَؤَلَا فَصَّلَتْ آيَاتُهُ ۚ أَعْجَبِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۚ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۚ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ أُولَٰئِكَ يُنَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۚ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۚ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرَابِّينَ ۝ مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝﴾

ترجمہ: جو لوگ اس قرآن کا جبکہ وہ ان کے پاس پہنچتا ہے، انکار کرتے ہیں۔ اور یہ بڑی با وقعت کتاب ہے جس میں

غیر واقعی بات نہ اُس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اُس کے پیچھے سے۔ یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ آپ کو وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کو کہی گئی ہیں۔ آپ کا رب بڑی مغفرت والا اور دردناک سزا دینے والا ہے۔ اور اگر ہم اُس کو عجبی قرآن بناتے تو یوں کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ یہ کیا بات کہ عجبی کتاب اور عربی رسول۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے تو رہنما ہے اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں ڈالتا ہے اور وہ قرآن اُن کے حق میں نابینائی ہے۔ یہ لوگ کسی بڑی دور جگہ سے پکارے جا رہے ہیں۔ اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی سو اُس میں بھی اختلاف ہوا۔ اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو ان کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اور یہ لوگ اُس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے اُن کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔ جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے، اور جو شخص برا عمل کرتا ہے اُس کا وبال اُسی پر پڑے گا، اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

رابطہ: اوپر سورت کے شروع میں، پھر ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ﴾ کے ضمن میں رسالت اور قرآن کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی تھی۔ اب پھر یہی بیان ہے اور اس سلسلہ میں انکار کرنے والوں کے بعض اقوال کا جواب ہے اور بعض مضمونوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی تسلی بھی فرمائی گئی ہے۔

قرآن کی حقانیت کا بیان، اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور نافرمانوں کا رد اور ان کی مذمت:

جو لوگ اس قرآن کا انکار کرتے ہیں جب وہ ان کے پاس پہنچتا ہے (ان میں خود سوچ سمجھ اور غور و فکر کی کمی ہے) اور (اس قرآن میں کوئی کمی نہیں ہے، کیونکہ) یہ (قرآن) بڑی وقعت والی کتاب ہے، جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے (یعنی اس میں کسی بھی پہلو اور کسی بھی لحاظ سے اس کا احتمال نہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہ نازل ہوا ہو اور پھر اس کو واقع کے خلاف غلط طریقہ سے اللہ کی طرف سے نازل ہونے والا کہہ دیا جائے، جیسا کہ کافر لوگ آپ کے بارے میں یہی شبہ کرتے تھے، حق تعالیٰ نے خاص اس شبہ کی بھی ایک کلی قاعدہ کے ذریعہ نفی کر دی، اس احتمال کی نفی کی وجہ اس کا معجزہ ہونا ہے، لہذا ثابت ہو گیا کہ) یہ اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو حکمت والا ہے اور (بڑی خوبیوں والا اور) تعریف کے لائق ہے، اور اس کے باوجود (کہ یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں آپ یہ معلوم کر کے تسلی کر لیجئے کہ) آپ سے (جھٹلانے اور اذیت دینے والی) وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہی گئی ہیں (انہوں نے بھی صبر کیا تھا، آپ بھی صبر کیجئے، اور اس سے بھی تسلی حاصل کیجئے کہ) آپ کا رب بڑی مغفرت والا اور دردناک سزا دینے والا ہے (لہذا اگر یہ مخالف لوگ مخالفت سے باز آ کر مغفرت کے مستحق نہ ہو گئے تو انہیں بھی سزا دوں گا۔ پھر آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟) اور (یہ لوگ ایک شبہ یہ کرتے ہیں کہ قرآن کا کچھ

حصہ عجمی زبان میں بھی ہونا چاہئے تھا جیسا کہ قریش سے نقل کرتے ہوئے سعید بن جبیر سے الدر المنثور میں روایت ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اس صورت میں اس کا معجزہ ہونا خوب ظاہر ہوتا کہ جو نبی عجمی زبان نہیں جانتے، وہ عجمی زبان میں کلام کریں، تو اس سلسلہ میں بات یہ ہے کہ اگر ہم اس کو (پوری طرح یا اس کے کچھ حصہ کو) عجمی (زبان کا) قرآن بناتے (تو یہ ہرگز نہ ہوتا کہ اس کو مان لیتے بلکہ اس میں ایک اور حجت نکالتے، کیونکہ جب کسی چیز کو ماننے اور سمجھنے کا ارادہ نہیں ہوتا تو اس کی مخالفت کے لئے کوئی نہ کوئی بات کسی نہ کسی صورت میں نکال ہی لی جاتی ہے۔ چنانچہ اگر قرآن کسی عجمی زبان میں ہوتا) تو یوں کہتے کہ اس کی آیتیں (اس طرح) صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں (کہ ہم سمجھ لیتے؟ یعنی عربی میں کیوں نہیں آیا؟ اگر اس کا کچھ حصہ عجمی ہوتا تو کہتے کہ یہ سارا ہی عربی میں کیوں نہیں ہے؟ غرض مخالفت اور اعتراض کرنے والے کو تو کسی بھی طرح چین نہیں آتا اور یوں کہتے کہ) یہ کیا بات ہے کہ کتاب عجمی اور رسول عربی؟ (غرض یہ کہ اب جب کہ قرآن عربی ہے تو کہتے ہیں کہ عجمی کیوں نہیں اور اگر عجمی ہوتا تو کہتے کہ عربی کیوں نہیں؟ پھر عجمی ہونے سے کیا فائدہ ہوتا؟ رہا معجزہ ہونا تو عربی ہونے کی حالت میں بھی معجزہ ہے، بلکہ اس وقت کا معجزہ ہونا زیادہ حجت ہے، کیونکہ عربی فن میں اپنی مہارت کی وجہ سے اور اس کے باوجود کہ اس جیسا لانے سے عاجز اور مجبور ہونے کو اس وقت زیادہ بہتر تفصیل کے ساتھ اور بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں، جبکہ اس صورت میں مختصر انداز میں سمجھنے۔ اگر معجزہ کا مختصر انداز میں سمجھ لینا بھی کافی حجت ہے جیسا کہ عجم والے قرآن کے معجزہ ہونے کو اسی طرح سمجھ سکتے ہیں مگر پوری حجت کافی حجت سے بھی زیادہ بلیغ ہے۔ غرض اس طرح کے شک و شبہ بالکل بے کار ہیں، اصل بنیاد اعجاز پر ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ﴾ لہذا معلوم ہوا کہ اس کے حق ہونے میں تو کوئی کمی اور شبہ نہیں۔ اگر کوئی شخص نہ مانے تو اسی میں کچھ کمی ہے۔ آگے اس طرح جواب دینے کا حکم ہے کہ اے رسول اللہ ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے (تو نیک کاموں کو بتانے میں) رہنما ہے اور (برے کاموں سے جو برائیاں اور بیماریاں دلوں میں پیدا ہو جاتی ہیں، ایسے میں اگر اس قرآن کی رہنمائی پر عمل کیا جائے تو یہ ایمان بیماریوں سے) شفا ہے (تو چونکہ ان لوگوں میں غور و فکر کرنے سوچنے سمجھنے اور حق کے طلب کرنے کی کمی نہیں تھی، تو قرآن نے ان کے حق میں اپنے حق ہونے سے نفع پہنچایا) اور جو (حق کے واضح ہونے کے باوجود عناد و دشمنی کے طور پر) ایمان نہیں لاتے، ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے (جس کی وجہ سے حق کو انصاف اور توجہ و دھیان سے سوچنے سمجھنے کے لئے نہیں سنتے، اور وہ کمی یہی ہے) اور (اسی کمی کی وجہ سے) وہ قرآن ان کے حق میں اندھا پن ہے (کیونکہ سوچنے سمجھنے کی کمی اور انصاف و حق طلب کرنے کی کمی کی وجہ سے تعصب میں قوت رہتی ہے اور تعصب ہدایت کے معاملہ میں رکاوٹ بلکہ گمراہی کی زیادتی کا سبب ہو جاتا ہے۔ اندھے پن کا سبب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح سورج دنیا کو روشنی دیتا ہے، چمکا دڑ کو اندھا کر دیتا ہے اور) یہ لوگ (حق کو سن کر فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے ایسے ہیں جیسے) کسی بڑی جگہ سے

پکارے جارہے ہیں (کہ آواز سنتے ہوں، مگر سمجھتے نہ ہوں) اور (آپ کی تسلی کے لئے جیسا کہ اوپر مختصر طور پر رسولوں کا ذکر ہوا ہے۔ اب خاص موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوتا ہے کہ) ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی تو اس میں بھی اختلاف ہوا (کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا، یہ کوئی نئی بات آپ کے لئے نہیں ہوئی اس لئے آپ رنج و غم نہ کریں) اور (یہ انکار کرنے اور نہ ماننے والے عذاب کے ایسے مستحق ہیں کہ) اگر ایک بات نہ ہوتی، جو آپ کے رب کی طرف سے ٹھہر چکی ہے (کہ انہیں پورا عذاب آخرت میں دوں گا) تو ان کا (قطعی) فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا۔ اور یہ لوگ (دلیلوں کے قائم ہو جانے کے باوجود) ابھی تک اس (فیصلہ یعنی جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے) کی طرف سے ایسے شک میں (پڑے) ہیں جس نے انہیں الجھن و پریشانی میں ڈال رکھا ہے (کہ انہیں عذاب کا یقین ہی نہیں آتا۔ حالانکہ فیصلہ ضرور واقع ہوگا۔ اور اس فیصلہ کا حاصل یہ ہے کہ) جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے (یعنی وہ اس کا وہاں نفع اور ثواب پائے گا) اور جو شخص برا عمل کرتا ہے، اس کا وہاں یعنی نقصان اور عذاب اسی پر پڑے گا۔ اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں (کہ کوئی نیکی جس پر اس کی شرطوں کے ساتھ عمل کیا گیا ہو۔ اس کی کتنی نہ کرے یا کسی برائی کی زیادہ گنتی کر لے)

فائدہ: احقر نے ﴿إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ﴾ کا موقع محل، تسلی ٹھہرایا ہے، اگر اس سے کسی کو دوسرہ ہو کہ دوسروں کی سزا کے ذکر سے تسلی ہونے سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ آپ ان کے لئے سزا و عذاب چاہتے تھے، اس کا جواب سورہ مؤمن آیت ۷۷ کی تفسیر میں فائدہ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

﴿إِلَيْهِ يُرْجَعُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ كُتُبٍ مِنْ أَكْثَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَى وَلَا تَضْمُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِيَ ۖ قَالُوا أَدْذُنُكَ ۚ مَا مَنَّا مِنْ شَهِيدٍ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَلُّوا مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ ۖ لَا يَسْمُرُ إِلَّا نَسْأَنُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ ۚ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيُوقُ قَنُوطَ ۖ وَلَئِنْ أَدْذُنُهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرْأٍ مَسَّهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِي ۚ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنَىٰ ۖ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا ۖ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۖ وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَىٰ الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ۖ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثَمَرٌ كَقَرْطَمٍ ۖ يَه مِنْ أَصْلٍ مِّمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۖ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ الْحَقَّ أَوْلَاهُمْ يَكْفُ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مَرِيضَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۖ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۖ﴾

ترجمہ: قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جاسکتا ہے۔ اور کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور نہ کسی

عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے، اور جس روز اللہ تعالیٰ اُن کو پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے کہ ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں کوئی مدعی نہیں۔ اور جن جن کو یہ لوگ پہلے سے پوجا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جاویں گے اور یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے کہیں بچاؤ کی صورت نہیں۔ آدمی ترقی کی خواہش سے اُس کا جی نہیں بھرتا اور اگر اُس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید اور ہراساں ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم اُس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اُس پر واقع ہوئی تھی اپنی مہربانی کا مزا چکھا دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرے لئے ہونا ہی چاہئے تھا اور میں قیامت کو آنے والا نہیں خیال کرتا اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو میرے لئے اُس کے پاس بھی بہتری ہی ہے۔ سو ہم ان منکروں کو ان کے سب کردار ضرور بتلا دیں گے۔ اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھاویں گے۔ اور جب ہم آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے، اور جب اُس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے۔ آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن خدا کے یہاں سے آیا ہو اور پھر تم اس کا انکار کرو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا جو ایسی دور دراز مخالفت میں پڑا ہو۔ ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جاوے گا کہ وہ قرآن حق ہے۔ کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔ یاد رکھو وہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے کی طرف سے شک میں پڑے ہیں، یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

رابطہ: اوپر تو حید اور رسالت کی دلیل یعنی قرآن کا انکار کرنے والوں کو وعید کے دن کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اب ان تینوں کے بارے میں ملی جلی باتیں ہیں۔

قیامت، توحید اور رسالت کا اثبات اور جہالت والوں کی گمراہی:

(اوپر جس قیامت کا ذکر ہے کہ اس میں انہیں جزا ملے گی، اس) قیامت کے علم کا حوالہ اللہ ہی کی طرف دیا جاسکتا ہے (یعنی اس سوال کے جواب میں کہ قیامت کب آئے گی؟ جیسا کہ کافر انکار کے طور پر اس کا سوال کیا کرتے تھے، یہی کہا جائے گا کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے، مخلوق کو اس کا علم نہ ہونے سے اس کا واقعہ نہ ہونا لازم نہیں آتا) اور (قیامت ہی کی کیا خصوصیت ہے اس کا علم ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے یہاں تک کہ) کوئی پھل اپنے خول سے نہیں نکلتا اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب اس کے علم میں ہوتا ہے (اور اس علم کی وجہ اس کے علم کی صفت کا ذاتی ہونا ہے جو اعلیٰ درجہ کا کمال ہونے کی وجہ سے توحید کی بھی دلیل ہے اور ذاتی صفت کی نسبت کے برابر ہونے کی وجہ سے تمام متعلقات کے ساتھ قیامت کے علم کی دلیل بھی ہے۔ لہذا اس سے دونوں مضمونوں کی تائید ہوگئی) اور (آگے اس قیامت کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس سے توحید کا اثبات اور شرک باطل بھی ہوتا ہے یعنی) جس دن اللہ تعالیٰ ان

(شرکوں) کو پکارے گا (اور کہے گا) کہ (جن کو تم نے میرا شریک قرار دے رکھا تھا، وہ) میرے شریک (اب) کہاں ہیں؟ (انہیں بلاؤ کہ تمہیں اس مصیبت سے بچائیں) وہ کہیں گے کہ (اب تو) ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں کوئی (اس عقیدہ کا) دعویٰ کرنے والا نہیں (یعنی ہم اپنی غلطی کا اقرار کرنے والے ہیں، چونکہ وہاں عقیدوں کی حقیقتیں کھل کر سامنے آجائیں گی، لہذا یہ اقرار یا تو بے بسی اور مجبوری کا ہے یا اس سے کچھ نجات کی امید ہو) اور جن جن کو یہ لوگ پہلے سے (یعنی دنیا میں) پوجا کرتے تھے، وہ سب غائب ہو جائیں گے (اس سے یا تو یہ مراد ہے کہ حق کے واضح ہونے کے سبب ان کے شریک ہونے کا اعتقاد ذہن سے سب دور ہو جائے گا یا یہ کہ وہ مد نہیں کر سکیں گے اور بعض آیتوں میں جو آیا ہے ﴿قَبِيلُ ادْعُوْا شُرَكَاءَكُمْ فَذَعَوْهُمْ﴾ ﴿مَا مَنَّا مِنْ شَيْءٍ﴾ اس کے خلاف نہیں، کیونکہ وہ پکارنا حیرت کی زیادتی اور بدحواسی کی وجہ سے ہو گا نہ کہ اعتقاد کی وجہ سے) اور (جب یہ حالت دیکھیں گے تو) یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے کہیں کوئی بچاؤ کی صورت نہیں (اس وقت شرکیوں کا باطل ہونا اور ایک معبود کا حق ہونا معلوم ہو جائے گا، آگے شرک اور کفر کا انسانی طبیعت پر پڑنے والا ایک بڑا اثر بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص توحید اور ایمان سے خالی ہے، اس) آدمی (کے اخلاق و اعمال اور عقائد ایسے برے ہوتے ہیں کہ ایک تو کسی بھی حالت میں یعنی آرام اور تنگی دونوں میں) ترقی کی خواہش سے اس کا جی نہیں بھرتا (اور یہ حرص کا کمال ہے) اور (خاص تنگی وغیرہ کی حالت میں یہ کیفیت ہے کہ) اگر اس کو کچھ تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید ہر اسام ہو جاتا ہے (اور یہ انتہائی ناشکری اور اللہ کے سلسلہ میں بدگمانی اور اللہ کے حکم سے کراہت ہے) اور (خاص تنگی کے زوال کی حالت میں یہ کیفیت ہے کہ) اگر ہم اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی تھی اپنی مہربانی کا مزا چکھا دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرے لئے ہونا ہی چاہئے تھا (کیونکہ میری تدبیر، لیاقت اور فضیلت کا یہی تقاضا تھا۔ اور یہ بھی انتہائی ناشکری اور تکبر ہے) اور (اس نعمت میں یہاں تک پھولتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ یوں بھی کہہ دیتا ہے کہ) میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئیگی اور اگر (فرض کر لو، وہ آئی بھی اور) مجھے اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا (جیسا کہ نبی کہتے ہیں) تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے (کیونکہ میں حق پر ہوں اور اس کا مستحق ہوں اور قیامت کا انکار انتہائی درجہ کا کفر اور واقع ہونے کا فرض کرنے پر وہاں بہتری پانے کا دعویٰ کرنا اللہ کے ساتھ انتہائی درجہ کا غرور و گھمنڈ ہے۔ غرض کفر اور شرک سے یہ مفاسد و بگاڑ پیدا ہوئے۔ وہ ایسی بری چیز ہے) تو (یہ لوگ یہاں جو چاہیں حق اور مستحق ہونے کا دعویٰ کر لیں، اب جلدی ہی) ہم ان منکروں کو ان کے (یہ) سب کردار ضرور بتا دیں گے اور انہیں سخت عذاب کا مزا چکھا دیں گے، اور کفر و شرک کے آثار میں سے نعمت کی حالت میں چاہے وہ نعمت پہلے سے ہو یا عذاب کے زائل ہونے کے بعد ملی ہو۔ ایک یہ ہے کہ (جب ہم) آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو (ہم) سے اور ہمارے احکام سے (منہ موڑ لیتا ہے اور رخ پھیر لیتا ہے) اور یہ انتہائی درجہ کی برائی ہے اور اوپر نعمت کا جو اثر بیان کیا گیا، وہ عقیدہ سے

متعلق تھا، اور یہ اعمال سے متعلق ہے اور سارے مجموعہ کا مقصود اثبات ہے) اور (تنگی و نقصان کی حالت میں کفر و شرک کے آثار میں سے ایک یہ ہے کہ) جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو (نعمت کے جاتے رہنے پر پریشانی میں گڑ گڑاتے ہوئے نہ کہ نعمت دینے والے کی طرف توجہ و التجا کے طور پر) خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے (اور یہ انتہائی درجہ کی بے صبری اور دنیا کی محبت میں مشغول ہونا ہے، اور اوپر جو عذاب کا اثر بیان ہوا، وہ کیفیتوں اور حالات میں سے تھا، اور یہ اقوال و افعال میں سے ہے۔ غرض یہ اور جن کا اوپر بیان ہوا سب کفر و شرک کے مفاسد اور بگاڑوں میں سے ہیں، برخلاف ایمان کے کہ اس کے آثار یہ ہیں: حریص نہ ہونا نقصان کی حالت میں مایوس نہ ہونا اور بے صبری و پریشانی ظاہر نہ کرنا، امن اور عیش کی حالت میں کفر اور ناشکری نہ کرنا، اب تو حید اور قیامت کی تحقیق کے ساتھ رسالت اور قرآن کی تحقیق جس سے توحید اور قیامت کا بھی پتہ چلتا ہے اور توحید اور قیامت کا بھی احساس اور شعور ہوتا اور خبر ملتی ہے، دعوت میں نرمی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یعنی (اے رسول ﷺ) آپ (ان منکروں سے) کہئے کہ (اے منکر! قرآن کے حق ہونے پر جو دلیلیں قائم ہیں، جیسے اعجاز یعنی اس کا معجزہ ہونا غیب کی خبریں بتانا، اگر تم غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے انہیں یقین پیدا کرنے والے نہیں سمجھتے تو کم سے کم درجہ احتمال پیدا کرنے والے تو ضرور ہوں گے، کیونکہ نفی پر تو تمہارے پاس کوئی دلیل قائم نہیں تو) بھلا یہ بتاؤ کہ جس احتمال کا اوپر ذکر ہوا اگر اس کی بنیاد پر) یہ قرآن اللہ کے یہاں سے آیا ہے اور پھر تم اس کا انکار کرو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا جو (حق سے) ایسی دور دراز مخالفت میں پڑا ہو) اور اس کے اللہ کی طرف سے ہونے کے احتمال پر تم اس کے مصداق ہو گے۔ اور اس امر کا ہونا لازم ہے چاہے ان کا ایک دوسرے پر احتمال ہی کیوں نہ ہو، لیکن عقل کے لحاظ سے گمراہی کے احتمال سے بھی بچنا واجب ہے اور یہ بچنا قرآن میں غور و فکر پر موقوف ہے لہذا پہلے امر کے واجب ہونے کی وجہ سے یہ بھی واجب ہوا، لہذا انکار میں آگے بڑھنے اور جلد بازی کی کوشش مت کرو بلکہ سوچ سمجھ سے کام لو تا کہ حق واضح اور متعین ہو جائے اور ان لوگوں سے تو کیا امید ہے کہ یہ غور و فکر کریں مگر خیر) ہم (خود ہی) جلدی ہی انہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں (جو قرآن کے سچے ہونے پر دلالت کرنے والی ہوں) ان کے آس پاس میں بھی دکھائیں گے (کہ عرب کے تمام ملک پیشین گوئی کے مطابق فتح ہو جائیں گے) اور خود ان کی (خاص) ذات میں بھی (دکھائیں گے کہ وہ بدر میں مارے جائیں گے اور ان کا ٹھکانا مکہ بھی فتح ہو جائے گا) یہاں تک کہ (ان پیشین گوئیوں کے واقع ہونے اور واقع کے مطابق ہونا خواہی نخواہی) ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے (کہ اس کی پیشین گوئیاں کس طرح سچ ہو رہی ہیں۔ اگرچہ یہ بے بسی کا عمل اختیاری تصدیق کے بغیر ذکر کے قابل نہیں، لیکن حجت پوری کرنے میں تو قوت زیادہ ہو جائے گی۔ غرض اس کا حق ہونا ایک دن اس طرح ظاہر ہوگا۔ باقی فی الحال یہ لوگ جو آپ کی وحی اور رسالت کا انکار کر رہے ہیں تو آپ رنج و غم نہ کریں، کیونکہ اگر یہ لوگ اس پر گواہی نہ دیں تو) کیا آپ کے رب کی یہ بات (آپ کے حق

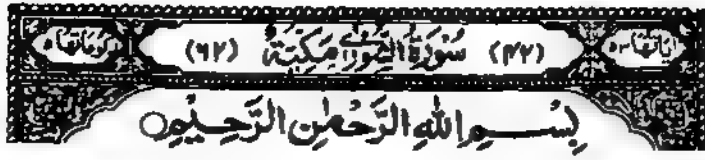
ہونے کی شہادت اور تسلی کے لئے) کافی نہیں؟ کہ وہ (واقعی) ہر چیز کا گواہ ہے (اور اس نے جگہ جگہ آپ کی رسالت کی گواہی دی ہے قول کے لحاظ سے بھی اور معجزوں کے اظہار کے ذریعہ عمل کے طور پر بھی، لہذا وہ گواہی کافی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًاۙ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ آگے اس انکار کی اور دوسرے حق امور کے انکار کی اصل وجہ بتاتے ہیں۔ اور اس سے تسلی بھی زیادہ ہو سکتی ہے کہ) یاد رکھو کہ وہ لوگ اپنے رب کے سامنے جانے کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کے دلوں میں اس کا ڈر نہیں جس کی بنیاد پر حق کو طلب کریں، مگر) یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے (چنانچہ ان کے شک و شبہ کو بھی جانتا ہے اور اس پر سزا دے گا)

فائدہ: ﴿لَا يَسْمُرُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْغَيْرِ﴾ سے ﴿فَاَنذُرْ دُعَاءِ عِبَادِنَا﴾ تک کے متعلق سورۃ یونس آیت ۱۲ ﴿وَإِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ﴾ الخ کی تفسیر میں ایک تحقیق گزر چکی ہے، اس کا ملاحظہ کرنا اس مقام کو حل کرنے میں معاون ہوگا۔ اور مایوسی اور دعا میں ٹکراؤ وہاں دو طرح سے دور کیا گیا تھا، یہاں ایک تیسری بات اور زیادہ بعض تفسیروں سے معلو ہوئی کہ یہ دعا اے اللہ! کے طور پر التجا نہیں، بلکہ جس طرح دنیا کے عاشق نفس کو ناگوار ہونے والے ذرا ذرا سے واقعات پر شور و غل، ہائے وادیل مچاتے ہیں کہ ہائے اللہ! کیا کروں؟ ہائے اللہ! کیا ہوگا وغیرہ کی طرح ہے۔ احقر نے ﴿وَإِذَا مَسَّ الشَّرُّ فَاَنذُرْ دُعَاءِ عِبَادِنَا﴾ کے ترجمہ و بیان میں اس طرف اشارہ کر دیا ہے۔

﴿اللہ کا شکر ہے کہ حم السجدة کی تفسیر ۲۲ یا ۲۳ ربیع الثانی بروز جمعرات سنہ ۱۴۲۵ھ کو اختتام

پذیر ہوئی﴾





شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابطہ: اس سورت میں یہ مضمون ایک دوسرے سے ملے جلتے ہیں: (۱) توحید اور شرک کا باطل ہونا۔ اور اس سلسلہ میں کمال کی صفوں اور حکمت و نعمت پر مشتمل افعال کا بیان ہے (۲) رسالت اور اس سلسلہ میں تسلی کے مضمون بھی ہیں (۳) بعثت اور جزاء، اور اس سلسلہ میں جلد بازی کے شبہ کا بھی جواب دیا ہے (۴) دنیا میں مشغول ہونے کی مذمت اور آخرت طلب کرنے کی ترغیب (۵) ایمان والوں کے اچھے اعمال اور انجام کا اچھا ہونا اور کافروں کے برے اعمال اور انجام کا برا ہونا۔ چنانچہ آیتوں میں غور کرنے سے سب کا انطباق واضح ہو جائے گا، اور گزشتہ سورت کا ختم اور اس سورت کا شروع توحید، رسالت اور بعثت میں مشترک ہے۔

﴿حَمْدٌ ۭ عَسَقَ ۖ كَذٰلِكَ يُوْحٰى اِلَيْكَ ذٰلِى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
لَهُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ نَكَدَ السَّمٰوٰتِ يَتَفَقَّظْنَ مِنْ
فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِنَّ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ ۚ اَلَا اِنَّ اللّٰهَ
هُوَ الْعَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِيَاءَ اللّٰهُ خَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَا اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِتُنْذِرَ اَمْرَ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا
وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَنَّةِ فِىْہِ فَرِیْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِى السَّعِيْرِ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً
وَاحِدَةً وَلٰكِنْ يَدْخُلُ مَنْ يَّشَآءُ فِى رَحْمَتِہٖ ۚ وَالظَّالِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِنْ وَّلٰیٍّ ۚ وَلَا تَصْنَعُ اَمْرًا
اَتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِيَاءَ ۚ قَالَ هُوَ الْوَلٰیُّ ۚ وَهُوَ یَحْیِی الْمَوْتٰی ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

ترجمہ: ﴿حَمْدٌ ۭ عَسَقَ﴾ اسی طرح آپ پر اور جو آپ سے پہلے ہو چکے ہیں اُن پر اللہ تعالیٰ جو زبردست حکمت والا ہے وحی بھیجتا رہا ہے۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور وہی سب سے برتر اور عظیم الشان ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں۔ اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے معافی مانگتے ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی معاف کرنے والا رحمت کرنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے خدا کے

سودا دوسرے کار ساز قرار دے رکھے ہیں اللہ اُن کو دیکھ بھال رہا ہے۔ اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں کیا گیا۔ اور ہم نے اسی طرح آپ پر قرآن عربی وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے تاکہ آپ مکہ کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے آس پاس ہیں اُن کو ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں جس میں ذرا شک نہیں۔ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی طریقہ کا بتا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔ اور ظالموں کا کوئی حامی مددگار نہیں۔ کیا ان لوگوں نے خدا کے سودا دوسرے کار ساز قرار دے رکھے ہیں، سو اللہ ہی کار ساز ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

توحید، رسالت بعثت اور جزاء:

﴿حَمَّ ۖ عَسَقَ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں۔ جس طرح عظیم فائدوں اور دینی اصولوں کی تحقیق کے لئے یہ سورت آپ نازل ہو رہی ہے) اسی طرح (دینی اصولوں کی تحقیق کے لئے) آپ پر اور جو (رسول) آپ سے پہلے گذر چکے ہیں ان پر (بھی) اللہ تعالیٰ اسی طرح (دوسری سورتوں اور کتابوں کی) وحی بھیجتا رہا ہے جو بر دست ہے، حکمت والا ہے، (اور اس کی شان یہ ہے کہ) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی سب سے برتر اور عظیم شان والا ہے (اور اس کی شان کی عظمت کو چاہے دنیا والے کچھ لوگ نہ جانیں اور نہ مانیں مگر آسمانوں میں اس کے جاننے والے یعنی فرشتے اتنے زیادہ ہیں کہ) کوئی بڑی بات نہیں کہ آسمان (ان کے بوجھ کی وجہ سے) اپنے اوپر سے (کہ ادھر ہی سے بوجھ پڑتا ہے) پھٹ پڑیں (جیسا کہ حدیث میں ہے: أَطَلَتِ السَّمَاءُ وَحَقَّ لَهَا أَنْ تَنْطَلِقَ مَا فِيهَا مِنْ أَرْبَعَةِ أَصَابِعٍ إِلَّا وَمَلِكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِدًا لِلَّهِ: اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اسی کے مطابق مدارک میں تفسیر بیان کی ہے) اور (وہ) اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں اور زمین والوں (میں جو لوگ اس عظمت کا حق ادا نہیں کرتے، مثال کے طور پر شرک کرتے ہیں اور اس وجہ سے وہ سزا و عذاب کے مستحق ہوں، وہ فرشتے ان) کے حق میں (ایک خاص وقت تک کے لئے) مغفرت کی دعا کرتے ہیں (محدود وقت کی مغفرت و معافی کی دعا سے مراد دنیا میں بالکل ختم کر دینے والے عذاب سے بچا رہنا ہے اور عمومی واقعات سے سزائیں ہونا یا آخرت میں اصلی عذاب ہونا اس استغفار کے مفہوم سے باہر ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی اس درخواست کو منظور فرما لیتا ہے اور اس کی وجہ سے مشرکوں پر جلدی عذاب نازل نہیں فرماتا) خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی مغفرت کرنے والا (ہے چاہے کافروں کے لئے وہ معافی محدود سہی اور وہی) رحمت کرنے والا ہے (چاہے وہ رحمت کافروں پر دنیا ہی میں ہوتی ہے) اور (آپ ان مشرکوں پر جلدی ہی عذاب نازل نہ ہونے سے رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ) جن لوگوں نے اللہ کے سودا دوسرے سر پرست قرار دے رکھے ہیں، اللہ ان (کے برے اعمال) پر نظر رکھے ہوئے ہے (وہ خود ہی مناسب وقت پر سزا دے گا) اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا (کہ آپ

جب چاہیں ان پر عذاب نازل کرادیں) اور (اسی طرح آپ ان کے ایمان نہ لانے پر بھی رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے، اس سے زیادہ آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔ چنانچہ) ہم نے اسی طرح (جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں) آپ کے بعد (اس) قرآن کو عربی میں وحی کے ذریعہ سے (محض اس لئے) نازل کیا ہے تاکہ آپ (سب سے پہلے) مکہ میں رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے آس پاس (آباد) ہیں، ان کو ڈرائیں اور (ڈرائیں بھی ایک بڑی چیز سے یعنی) جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں (اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اس میں پہلے والے اور بعد والے سب جمع ہو جائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ﴾ جس (کے آنے) میں ڈرا شک نہیں (جس میں یہ فیصلہ ہوگا کہ) ایک گروہ جنت میں (داخل) ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں (داخل) ہوگا (بس آپ کا کام صرف ایسے دن سے ڈرا دینا ہے) اور (باقی ان کے ایمان لانے اور ایمان نہ لانے سے آپ کا کوئی تعلق نہیں، وہ اللہ کی مشیت پر ہے چنانچہ) اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی طریقہ پر چلنے والا بنا دیتا (یعنی سب کو ایمان نصیب کر دیتا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَكَوْنُ شَيْئًا لَا تَبْنِيَا كُلُّ نَفْسٍ هَذَا بِهَا﴾) لیکن بہت سی حکمتوں کی وجہ سے اسے یہ منظور نہیں ہوا، بلکہ وہ جس کو چاہتا ہے (ایمان دے کر) اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے (اور جس کو چاہتا ہے شرک و کفر میں مبتلا رکھ کر رحمت سے باہر کر دیتا ہے) اور (ان) ظالموں کو (جو کہ شرک و کفر میں مبتلا ہیں قیامت کے دن) کوئی حامی مددگار نہیں (ہوگا۔

اور اگر ﴿إِن تَعِدُوا مِنْ دُونِهِ﴾ الخ میں شرک کو اختیار کرنے پر ملامت اور ڈرانا دوسرا حکم کا تھا۔ آگے شرک کو باطل قرار دیا گیا ہے، یعنی) کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے مددگار قرار دے رکھے ہیں) تو (اگر مددگار بنانا ہے تو) مددگار (بنائے جانے کا مستحق) تو اللہ ہی ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے (تو مددگار بنانے کے لائق وہی ہوا جس کی قدرت ہر چیز پر عام طور سے اور مردوں کو زندہ کرنے پر خاص طور سے ثابت ہے، اس خاص قدرت کا بیان اس لئے کیا کہ اس وقت ادوروں کی قدرت جواب محض برائے نام ہے اس وقت وہ بھی بے نام و نشان ہو جائے گی تو قدرت پوری طرح ظاہر ہوگی۔

فائدہ: ﴿إِن تَعِدُوا مِنْ دُونِهِ﴾ الخ میں جو بحث کے عام ہونے پر شبہ واقع ہو سکتا تھا ترجمہ کی وضاحت میں جو ”پہلے“ کی قید لگائی گئی ہے، اس سے وہ شبہ دور ہو گیا، اور ﴿يَتَفَقَّظُونَ﴾ کی تفسیر میں جو حدیث لکھی ہے اس سے ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں میں عقل یعنی بھاری پن بھی ہے، اور اس میں کوئی محال بات نہیں کیونکہ ان کے جسموں کا ہونا تو قطعی نصوص سے ثابت ہے جیسا کہ ان کے جسموں کے خواص ثابت ہیں۔ اور جسموں میں بھاری پن ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، اگر یہ شبہ ہو کہ بھاری پن کی طبع مرکز کی طرف میلان ہے اور لطیف جسم احاطہ کرنے والے کی طرف مائل ہوتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ دونوں تسلیم نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کوئی جسم اس کے خلاف پیدا کر دے تو اس کی نفی

کی کیا دلیل ہے؟ دوسرے جسموں کا میلان احاطہ کرنے والے کی طرف اس لئے ہے کہ اس طرف ان کی اندرونی سطح ہے۔ لہذا اصل میلان اندرونی سطح کی طرف ہے چونکہ ہر آسمان کے فرشتوں کی اندرونی سطح وہی آسمان ہے تو مذکورہ طبعی قاعدہ کے مطابق ان کا میلان اسی آسمان کی طرف ہوگا، اور چونکہ وہ فرشتے اس آسمان کی اوپر والی سطح پر رہتے ہیں، لہذا اس میلان کا وزن اور اثر اس آسمان کے اوپر ہوگا اور لغت میں اس کو بھاری پن کہا جاسکتا ہے چاہے اصطلاح میں مرکز کی طرف میلان کے معنی میں اس کو ثقل یا بھاری پن نہ کہیں۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ فَاطْرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا، يَذَرُوكُمْ فِيهِ دَلِيلًا كَمِثْلِهِ شَيْءٌ، وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ، إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جس جس بات میں تم اختلاف کرتے ہو اُس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔ یہ اللہ میرا رب ہے میں اُسی پر توکل رکھتا ہوں اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اُس نے تمہارے لئے تمہارے جنس کے جوڑے بنائے اور مواشی کے جوڑے بنائے اُس کے ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے۔ کوئی چیز اُس کی مثل نہیں، اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اُسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور کم کر دیتا ہے۔ بیشک وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے۔

رابطہ: اوپر کے تین مضمونوں میں جو توحید کا مضمون تھا۔ اب بھی اسی کی تقویت و تاکید ہے۔

توحید کی تاکید:

اور (آپ ان لوگوں سے جو کہ توحید میں آپ سے اختلاف کرتے ہیں، کہئے کہ) جس جس بات میں تم (حق کے ماننے والوں کے ساتھ) اختلاف کرتے ہو (جیسے توحید وغیرہ) اس (سب) کا فیصلہ کرنا اللہ ہی کا کام ہے (دنیا میں صحیح دلیل سے اور آخرت میں ﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾ سے) یہی اللہ (جس کی یہ شان ہے) میرا رب ہے، میں (ان اختلافوں کی آثار یعنی تمہارے نقصان پہنچانے کے ارادہ وغیرہ کے بارے میں) اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور (دنیا اور دین کے تمام امور میں) اسی کی طرف متوجہ رہتا ہوں (لہذا ان نقصانوں سے ڈرتا ہوں اور نہ ہی توحید میں، جس کو اس نے حق کہہ دیا ہے، کوئی شبہ کرتا ہوں، اس سے توحید کے مضمون کی خوب تاکید ہوگئی۔ آگے کمال کی اور صفتوں سے اس کی تاکید کی جاتی ہے یعنی) وہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے (اور تمہارا بھی پیدا کرنے والا ہے، چنانچہ) اس

نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے اور (اسی طرح) موسیٰوں کے جوڑے بنائے (اور) اس (جوڑے ملانے) کے ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا ہے (وہ ایسا کامل ذات اور مفتوں والا ہے کہ) کوئی چیز اس جیسی نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے (دوسروں کے برخلاف کہ کسی بات کو سن دیکھ لیا، اور کسی کو نہ دیکھا نہ سنا، لہذا اس میں بھی کوئی اس جیسا نہیں) اسی کے اختیار میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں (یعنی تصرفات کرنے والا وہی ہے جس میں ایک تصرف یہ ہے کہ) جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جس کو چاہے) کم دیتا ہے بے شک وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے (کہ کس کے لئے کیا مصلحت ہے)

﴿مُشْرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّ بِهِ نُوْحًا وَ الَّذِي اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۚ كَبُرَ عَلٰى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۚ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيبُ ۚ وَمَا تَفَرَّقُوْا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَلَوْ اَنَّ كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ اِلَّا اَجَلَ مُّثَمَّيْ لَفُضَّ بَيْنَهُمْ ۚ وَلَٰنَ الَّذِيْنَ اُوْرَثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَغٰى شَيْكُ مِنْهُ مُّرِيْبٌ ۝۱۰ فَلِذَاٰلِكَ قَادُؤُۥۙ وَاسْتَقِيْمْ كَمَا اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۡهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُوْرَثْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۚ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ كُنَّا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ لَا مَحْجَةَ بَيْنُنَا وَبَيْنَكُمْ ۚ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلْبَصِيْرُ ۝۱۱﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ اُن کو بلا رہے ہیں۔ اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے۔ اور جو شخص رجوع کرے اُس کو اپنے تک رسائی دیدیتا ہے۔ اور وہ لوگ بعد اس کے کہ اُن کے پاس علم پہنچ چکا تھا محض آپس کی ضد اضدی سے باہم متفرق ہو گئے۔ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت معین تک ایک بات پہلے قرار نہ پا چکتی تو اُن کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور جن لوگوں کو اُن کے بعد کتاب دی گئی ہے، وہ اُس کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہیں جس نے تردید میں ڈال رکھا ہے۔ سو آپ اُسی طرف بلائے جائیے۔ اور جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے مستقیم رہئے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلئے اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں، میں سب پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان میں عدل رکھوں۔ اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے ہمارے عمل ہمارے

لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس جانا ہے۔
 ربط: اور ﴿فَحُكُّمُهُ﴾ لے لے اللہ سے جو کہ دنیا اور آخرت کے حکموں سے عام ہے، توحید کی تاکید تھی۔ اب اس عام کی ایک فرد یعنی دنیا میں حکم کی تفصیل اور تاکید ہے اور اسی سے رسالت کے مضمون کی بھی تاکید ہوگئی جس کا اوپر تینوں مضمونوں میں ذکر تھا۔

توحید کی دلیل کی تاکید اور رسالت کی تائید:

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو (ان کا اتباع کرنے والوں سمیت) حکم دیا تھا (اور ان کی امتوں سے یہ کہا تھا) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں (اختلاف کر کے) الگ الگ فرقے مت بنالینا (اس دین سے مراد دین کے اصول ہیں جیسے توحید، رسالت اور بحث وغیرہ جو تمام شریعتوں میں مشترک ہیں۔ اور قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو تبدیل مت کرنا، اس کو چھوڑ مت دینا، اور اختلاف والگ الگ فرقے بنانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی بات پر ایمان لائیں اور کسی پر ایمان نہ لائیں یا کوئی ایمان لائے اور کوئی نہ لائے۔ حاصل یہ کہ توحید وغیرہ پر مشتمل یہ قدیم دین ہے کہ شروع سے اس وقت تک تمام شریعتیں اس میں متفق ہیں، اور اسی کے ضمن میں نبوت کی بھی تائید ہوگئی۔ چنانچہ چاہئے تھا کہ اس کو قبول کرنے میں لوگوں کو ذرا بھی ہچکچاہٹ اور جھجک نہ ہوتی، مگر پھر بھی) مشرکوں کو وہ بات (یعنی توحید) بڑی ناگوار گذرتی ہے، جس کی طرف آپ انہیں بلارہے ہیں (اور اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ) اللہ اپنی طرف جس کو کھینچ لیتا ہے (یعنی دین حق قبول کرنے کی توفیق دیدیتا ہے) اور جو شخص (اللہ کی طرف) متوجہ ہو اس کو اپنے قریب کر لیتا ہے (مشیت یعنی اللہ کے چاہنے کے بعد اجابا یعنی چھانٹنے کا عمل ہوتا ہے یعنی ایمان کی توفیق ہوتی ہے۔ اور ایمان کی توفیق کے بعد اگر توجہ اور اطاعت ہو تو پھر اللہ سے قریب ہوتا ہے اور بے حد و حساب ثواب پاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشرک لوگ اباء یعنی بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور مومنوں کو ایمان کی توفیق اور ہدایت دی گئی ہے) اور (ہمارا جو پچھلی امتوں کو حکم تھا ﴿أَقِمْوْا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ بہت سے لوگ اس حکم پر قائم نہیں رہے۔ اور الگ الگ گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے، لیکن اس کا سبب کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ ان کی معذوری کا امکان ہوتا، بلکہ) وہ لوگ ان کے پاس (یعنی ان کے کانوں اور دماغوں تک صحیح) علم پہنچنے کے بعد محض آپسی ضد کی وجہ سے آپس میں الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے (اس طرح کہ پہلے مال و دولت اور عزت کی طلب اور مرتبہ سرداری و حکومت کی طلب کی وجہ سے غرض و مقصد مختلف ہوئے، پھر فرقے بن گئے، ایسے وقت میں دوسرے میں نقص و عیب نکالنے کے لئے دین کو بھی آڑ اور ذریعہ بنایا کرتے ہیں، پھر ہوتے ہوتے مسلک و مذہب مختلف ہو جاتے ہیں، پھر فردی امور و مسائل سے اصول میں

جا بچتے ہیں) اور یہ (یہ لوگ اس عظیم جرم میں کہ انھوں نے حق کو سمجھنے کے بعد اختلاف اور فرقہ بندی کے راستے اختیار کئے۔ ایسے شدید عذاب کے مستحق ہو گئے تھے کہ) اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک متعین وقت تک کے لئے (مہلت دینے کی) ایک بات پہلے قرار نہ پا چکی ہوتی (کہ انہیں وہ عذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے آخرت میں ہوگا) تو ان (کے اختلافات) کا فیصلہ (دنیا ہی میں ہو چکا ہوتا) یعنی عذاب کے ذریعہ ان کا صفایا کر دیا جاتا، اور اگرچہ پچھلی امتوں پر عذاب آیا لیکن وہ عذاب ضرور ان لوگوں پر آیا جو ایمان نہیں لائے، اور مومنوں میں سے جنہوں نے اختلاف اور فرقہ بندی کے راستے اختیار کئے ان کے ایمان پر قائم رہنے کی برکت سے ان پر عذاب نہیں آیا، یا اگر کسی پر یہ عذاب ثابت ہو جائے تو وہ سب پر نہیں آیا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ جن بعض لوگوں پر عذاب نہیں آیا اس کی وجہ اس کا تقاضا نہ ہونا نہیں بلکہ اس کی رکاوٹ والی وجہ یعنی متعین وقت تک کے لئے مہلت کا پایا جانا ہے، تو یہ پچھلی امتوں کا قصہ ہوا) اور جن لوگوں کو ان (پچھلی امتوں) کے بعد کتاب دی گئی ہے (اس سے رسول ﷺ کے زمانہ کے مشرک مراد ہیں، کہ آپ کے ذریعہ سے ان کے پاس قرآن پہنچا) وہ (لوگ) اس (کتاب) کی طرف سے ایسے (زبردست) شک میں پڑے ہیں جس نے (انہیں) الجھن (پریشانی) میں ڈال رکھا ہے (مطلب یہ کہ جس طرح پچھلی امتوں میں سے بعض لوگوں نے انکار کیا تھا، اسی طرح ان کی نوبت آئی) تو آپ (کسی کے انکار کی وجہ سے ہمت نہ ہاریں بلکہ جس طرح آپ انہیں پہلے سے بلا رہے ہیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے ﴿كَذَّبُوا عَنْكَ الْمُنْكَرِينَ مَا نَذْنُوهُمْ بِالْإِثْمِ﴾ یعنی توحید، آپ انہیں برابر) اسی طرف بلاتے رہئے اور جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے ﴿فَلْيُذَكِّرْ﴾ اس پر قائم رہئے۔ اور ان کی (فاسد) خواہشوں پر نہ چلئے (یعنی وہ مخالفت کر کے یہ چاہتے ہیں کہ آپ انہیں کہنا چھوڑ دیں، تو آپ کہنا مت چھوڑیئے، اور کہنا بند نہ کریں) اور آپ کہہ دیجئے کہ (جس بات کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں، چنانچہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں (جن میں قرآن بھی شامل ہے) میں سب پر ایمان لاتا ہوں) (جن کے ان مضمونوں میں جن پر اتفاق کیا گیا ہے توحید کا مضمون بھی ہے) اور مجھے یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان میں عدل و انصاف رکھوں (یعنی جس چیز کو تمہارے لئے لازم کہوں اپنے اوپر بھی اس کو لازم رکھوں، یہ نہیں کہ تمہیں تکلیف اور پریشانی میں ڈالوں اور خود آزاد رہوں۔ ایسے مضمونوں اور معاملوں سے اچھی اور صحیح طبیعت والوں کو اتباع کی رغبت ہوتی ہے اور اگر اس پر بھی نرم نہ ہوں تو آخری بات یہ ہے کہ) اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے (یعنی وہ سب کا حاکم ہے اور) ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں۔ البتہ (جو سب کا مالک ہے، قیامت میں) ہم سب کو جمع کرے گا اور اس میں شک ہی نہیں کہ اسی کے پاس جانا ہے (وہ سب کا فیصلہ اعمال کے مطابق کر دے گا، اس وقت تم سے بحث بے کار ہے۔ ہاں تبلیغ کئے جائیں گے)

﴿وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ وَمَا يُدْرِيكُ لَعَلَّ السَّاعَةِ قَرِيبٌ ۝ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۝ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝﴾

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑے نکالتے ہیں، بعد اس کے کہ ماں لیا گیا، اُن لوگوں کی حجت اُن کے رب کے نزدیک باطل ہے اور اُن پر غضب ہے اور اُن کے لئے سخت عذاب ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے کتاب کو اور انصاف کو نازل فرمایا۔ اور آپ کو کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو۔ جو لوگ اُس کا یقین نہیں رکھتے اُس کا تقاضا کرتے ہیں، اور جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں، وہ اُس سے ڈرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ یاد رکھو کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ بڑی دُور کی گمراہی میں ہیں۔

رابطہ: اوپر ﴿يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْغَيْبِ﴾ میں اور اس سے اوپر تین مضمونوں میں بحث و جزا کا ذکر تھا۔ اب اسی سے متعلق مضمون ہے جس میں توحید کا انکار کرنے والوں کو عذاب دیئے جانے کی بھی خبر دی گئی ہے، لہذا اس کا توحید کے مضمونوں سے تعلق ہوا اور جس میں ﴿أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ کے ضمن میں رسالت کے ذکر سے بھی ربط ہو گیا۔

قیامت اور جزا کے واقع ہونے کی تحقیق:

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ (کے دین) کے بارے میں (مسلمانوں سے) بحث و جھگڑے کرتے ہیں، جب کہ اسے پہلے ماں لیا گیا (یعنی اس کے بعد کہ بہت سے عقل مند اور سمجھ دار لوگ اس کو مان کر مسلمان ہو چکے ہیں، جس سے حجت اور زیادہ ظاہر ہو گئی اور ظاہر ہے کہ حجت کے زیادہ ظاہر ہونے کے بعد انکار اور بحث و جھگڑا کرنا اور بھی زیادہ برا ہے، تو) ان لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک (بکھینچ کر ظاہر ہو جائے گی) یہ باطل ہے اور ان پر (اللہ کی طرف سے) غضب (واقع ہونے والا) ہے اور ان کے لئے (قیامت میں) سخت عذاب ہونے والا ہے (اور اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ کو اور اس کے دین کو مانو اور اس کا ماننا یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کو سچ مانو جو کہ اللہ کے اور بندوں کے حقوق پر مشتمل اور سب کے لئے جامع ہے، جس پر عمل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ (اس) کتاب (یعنی قرآن) کو اور (اس میں جو خاص طور سے) انصاف کا حکم ہے (اس کو) نازل فرمایا۔ جب یہ کتاب اللہ کی ہے تو اس کو ماننے بغیر اللہ کو ماننے کا کوئی اعتبار نہیں، اور اللہ کو مانے بغیر عذاب و غضب سے نجات نہیں، اسی طرح نجات، قرآن کے ماننے پر

موقوف ہوئی، لہذا اسلام کو نہ ماننے والے لوگ اللہ کو اپنے خیال اور زعم کے مطابق جیسا مانتے تھے ویسا ماننا نجات کے لئے کافی نہیں) اور (یہ لوگ قیامت کے واقعات کو سن کر آپ سے قیامت کی تعیین پوچھتے ہیں تو) آپ کو (اس کی) کیا خبر (لیکن خبر نہ ہونے سے اور خبر نہ دینے سے اس کی نفی لازم نہیں آتی۔ بلکہ اس کا واقع ہونا دلیلوں سے ثابت ہے۔ اور وقت کی تعیین کے بارے میں مختصر طور پر سب کے لئے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ) شاید قیامت قریب ہی ہو (مگر) جو لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے (وہ واقع ہونے کے یقین اور قریب ہونے کے احتمال کے باوجود بھی نہیں ڈرتے، بلکہ مذاق اڑانے اور انکار کے طور پر) اس کا تقاضا کرتے ہیں اور جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں، وہ اس سے ڈرتے (اور کانپتے) ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے (آنے والی ہے) یاد رکھو کہ (ان دونوں قسموں کے لوگوں میں سے پہلی قسم کے لوگ یعنی) جو لوگ قیامت کے (منکر ہیں اور اس کے) بارے میں بحثیں کرتے ہیں، وہ بڑی دور کی گمراہی میں (بتلا) ہیں۔

فائدہ: ﴿مُشْفِقُونَ مِنْهَا﴾ میں جس خوف کا اثبات ہے وہ اعتقادی خوف ہے جو کہ دوا مروں کے اعتقاد سے پیدا ہوا ہے: ایک قیامت کے واقع ہونے کا اعتقاد اور دوسرے اپنے اعمال کے رد ہونے کے احتمال کا اعتقاد۔ لہذا اگر کسی کو حال کے غلبہ کی وجہ سے موت یا قیامت کا اشتیاق پیدا ہو جائے تو وہ طبعی اور مجبوری و بے بسی کا شوق اس اعتقادی و اختیاری شوق کے منافی نہیں، اسی طرح قبر میں بعض مردوں کا رب اقم الساعة کہنا اشکال کا موقع محل نہیں، کیونکہ وہاں خوف کے زائل ہونے کی یقینی خوش خبریاں سن کر اعمال کے رد ہونے کا احتمال نہیں رہتا۔ لہذا یہ ڈر و خوف دنیا میں ہے اور اس کی ہیبت عقلی امر ہے، خوب سمجھ لو۔ اور ﴿لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ﴾ کی وضاحت سورہ احزاب آیت ۶۳ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور اس کے باوجود کہ اللہ کی کتاب میں بندوں کے وہ حقوق بھی داخل ہیں جن کی تعبیر میزان یعنی انصاف سے فرمائی گئی ہے مگر ان کا الگ سے ذکر کرنا شاید ان کی شان کے لئے اور شاید اس لئے ہے کہ اس کی تصدیق کی زیادہ رغبت ہو کہ اس کتاب کے ماننے سے تو ہماری دنیاوی مصلحتوں کی بھی حفاظت رہے گی۔

﴿اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ. وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ. وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا، وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ﴿۵﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے جس کو چاہتا ہے روزی دیتا ہے۔ اور وہ قوت والا اور زبردست ہے۔ جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو، ہم اُس کو اُس کی کھیتی میں ترقی دیں گے۔ اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اُس کو کچھ دنیا دیدیں گے اور آخرت میں اُس کا حصہ نہیں۔

رابطہ: اوپر قیامت کے بارے میں بحث اور جھگڑا کرنے والوں کی گمراہی کا ذکر تھا۔ اب ان کے اس جھگڑے اور بحث اور انکار کی علت یعنی دنیا میں مشغول ہونے اور اس پر غرور و گھمنڈ کرنے کا بیان اور اس میں مشغول ہونے اور غرور و گھمنڈ کا جواب اور رد اور اس مشغول ہونے اور غرور و گھمنڈ کی مذمت اور اس کے مقابلہ کی چیز یعنی آخرت کی طلب کی ترغیب ارشاد فرماتے ہیں۔

دنیا کی نعمتوں میں مشغول ہونے پر انکار اور آخرت کی نعمتوں کی ترغیب:

(اور یہ منکر لوگ جو دنیا کی نعمتوں اور عیش و آرام پر پھولے ہوئے ہیں، ان میں مشغول ہو کر آخرت کو بھولے ہوئے ہیں، اور اپنی نعمتوں اور عیش و آرام پر یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر ہمارا مسلک حق تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہوتا تو وہ ہمیں یہ عیش و کامیابی کیوں دیتے؟ تو یہ ان کی حماقت ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دلیل نہیں بلکہ اس کی وجہ تو یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ (دنیا میں) اپنے بندوں پر (عام طور سے) مہربان ہے (اور اس رحمت سے جو دنیا میں عام ہے سب کو روزی دیتا ہے اگرچہ مصلحت و حکمت کے مطابق اس میں کمی زیادتی بھی ہوتی ہے کہ) جس کو (جس قدر) چاہتا ہے، روزی دیتا ہے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿عَجَّلْنَا لَهُ فَبَيْعًا مَّا نَشَاءُ﴾ مگر خود روزی ان سب کے حق میں جنہیں رزق دیا جاتا ہے مشترک ہے) اور (دنیا میں اس لطف و مہربانی سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا مسلک حق ہو اور ان پر آخرت میں بھی لطف و مہربانی ہو اور عذاب نہ ہو، بلکہ باطل سے چٹے رہنے کی وجہ سے وہاں انہیں عذاب ہوگا، اور انہیں عذاب دینا کوئی بڑی بات نہیں، کیونکہ) وہ قوت والا زبردست ہے، اسے سب قدرت ہے، وہ اکیلا ان سب کو سزا دے سکتا ہے۔ غرض ان کی خرابی کی ساری وجہ ان کا دنیا میں مشغول ہونا ہے تو لوگوں کو اس پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہئے، بلکہ آخرت کی بھلائی طلب کریں، اور سن لیں کہ) جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے (یعنی آخرت کا ثواب اور اس کی بھلائی چاہتا ہے جو اچھے اعمال کا نتیجہ ہے، اس لئے اس کو کھیتی کہہ دیا کہ وہ بیج کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ آخرت کے لئے ثواب کی امید پر عمل کرے) ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے (یعنی اعمال پر اس کو ثواب دیں گے، اور اس ثواب کو بڑھادیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَلِهَا﴾) اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے (یعنی تدبیر و سعی سے اس کی غرض دنیا کا ساز و سامان، مال و دولت، عیش و آرام ہو اور آخرت کے لئے کچھ کوشش نہ کرے، یہاں تک کہ ایمان بھی نہ لائے) تو ہم اس کو کچھ (اگر چاہیں) دنیا میں دیدیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿عَجَّلْنَا لَهُ فَبَيْعًا مَّا نَشَاءُ﴾) اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں (کیونکہ اس کے لئے ایمان شرط ہے، اور وہ یہاں موجود نہیں ہے، لہذا اس حالت میں طلب کئے جانے کے لائق آخرت ہی ہے نہ کہ دنیا کہ وہ تمنا و خواہش کے مطابق نصیب نہیں ہوتی اور اس میں پڑ کر آخرت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور لطیف کے معنی اگر باریکی سے دیکھنے والے کے لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ کامیابی رضامندی کی

دلیل نہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ) کہ حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ڈھکے چھپے امور اور چھوٹی چھوٹی دبا ریک مصلحتوں کی اچھی طرح خبر ہے، مصلحت کے مطابق جس کو چاہتے ہیں (زیادہ) روزی دیدیتے ہیں (لہذا اس روزی دینے سے ان کا حق پر ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ یہ باطل پر ہیں، اور باطل سے چٹے رہنے کی وجہ سے انہیں عذاب ہوگا)

﴿أَمَرَ لَهُمْ شُرَكَؤُا شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُمْ وَاقِعٌ بِهِمْ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَةٍ أَلْحَنَّتْ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝ ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۚ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝﴾

ترجمہ: اور کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی۔ اور اگر ایک قول فیصل نہ ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور ان ظالموں کو ضرور دردناک عذاب ہوگا۔ آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ اپنے اعمال سے ڈر رہے ہونگے۔ اور وہ ان پر پڑ کر رہے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور وہ بہشتوں کے باغوں میں ہونگے۔ وہ جس چیز کو چاہیں ان کے رب کے پاس ان کو ملے گی۔ یہی بڑا انعام ہے۔ یہی ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ آپ یوں کہئے کہ میں تم سے اور کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کی محبت کے۔ اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اُس میں اور خوبی زیادہ کر دیں گے۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا قدر دان ہے۔

رابطہ: اوپر ﴿شَرَعُوا لَهُمْ﴾ الخ میں دین حق کا اللہ کی طرف سے شریعت قرار دیا جانا بیان فرمایا تھا جس میں توحید وغیرہ امور حق شامل ہیں۔ اب شرک و کفر وغیرہ کے باطل دین کا صحیح دلیل سے غیر شرعی ہونا بیان فرماتے ہیں۔ اور اوپر ﴿وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ﴾ الخ میں انکار کرنے والوں کا غضب اور عذاب کا مستحق ہونا اور مومنوں کا صراحت کے ساتھ ڈرنا اور خوف کرنا اور اشارہ کے طور پر ان سے رضا اور ثواب کا وعدہ ہونا اور اس کے بعد ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ﴾ الخ میں مومنوں سے صراحت کے ساتھ معلوم ثواب کے وعدہ کا پورا کیا جانا، اور انکار کرنے والوں اور دنیا کا لالچ رکھنے والوں کا ثواب سے محروم ہونا بیان کیا گیا تھا۔ اب بھی اس کی کسی قدر وضاحت اور تفصیل ہے اور اس مجموعی مضمون کے درمیان میں اس مضمون کی اور وحی کے دوسرے تمام مضمونوں کے حق ہونے کا اثبات کرنے کے لئے ﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ﴾ جملہ معترضہ کے طور

پرواقع ہوا ہے۔

دین میں باتیں گھڑنے کو باطل کرنا اور انکار کرنے والوں

کے عذاب کی تکمیل اور مومنوں کے ثواب کا بیان:

دین حق کو تو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا اور شریعت قرار دیا ہے، مگر یہ لوگ جو اس کو نہیں مانتے تو (کیا ان کے) تجویز کئے ہوئے (کچھ) (معبود ہونے میں) شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی (انکار کے انداز میں کئے گئے سوال سے مقصود یہ ہے کہ کوئی اس قابل نہیں کہ اللہ کے خلاف اس کا مقرر کیا ہوا دین معتبر ہو سکے) اور اگر (اللہ کی طرف سے) فیصلہ کی بات پہلے طے نہ ہو گئی ہوتی (وہ یہ کہ ان پر اصل عذاب موت کے بعد ہوگا) تو (دنیا ہی میں) ان کا (علمی) فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور (آخرت میں) ان ظالموں کو ضرور دردناک عذاب ہوگا (اس دن) آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ (وہ) اپنے اعمال (کے وبال) سے ڈر رہے ہوں گے، اور وہ (وبال) ان پر (ضرور) پڑ کر رہے گا (یہ تو منکروں کا حال ہوگا) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے (ہوں گے) وہ جنتوں کے باغوں میں ہوں گے۔ وروضات الجنات میں جنت کی جمع اس لئے لائے کہ جنت کے مختلف طبقے اور درجے ہیں، ہر طبقہ ایک جنت ہے اور ہر طبقہ میں مختلف باغ ہیں اپنے اپنے درجہ کے مطابق کوئی کہیں ہوگا، کوئی کہیں ہوگا) وہ جس چیز کو چاہیں گے (وہ) ان کے رب کے پاس انہیں ملے گی، یہی بڑا انعام ہے (نہ کہ وہ عیش و عشرت جو دنیا میں موجود ہے) یہی وجہ جس کی خوش خبری اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے (اور چونکہ کافر لوگ پوری بات سننے سے پہلے ہی اس کو جھٹلانے کے عادی تھے، اس لئے خوش خبری کے اس مضمون کو پورا ہونے سے پہلے ہی ایک جملہ معترضہ میں منکروں کو جھٹلانے کی طرف بڑھنے سے روکنے کے لئے آپ کو انہیں دل پر اثر کرنے والا ایک مضمون سنانے کا حکم فرماتے ہیں۔ یعنی) آپ (ان سے) یوں کہئے کہ میں (تمہیں یہ باتیں سنانے) سے اور کوئی بدلا نہیں چاہتا، سوائے رشتہ داری کی محبت کے (یعنی صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ داری کے تعلقات ہیں جو تمام قریش میں بلکہ تمام عرب میں دور یا قریب پھیلے ہوئے تھے جیسا کہ برادری میں ہوا کرتا ہے، ان کے حقوق کا تو خیال رکھو، کیا رشتہ داری کا یہی حق ہے کہ ”منہ نہ کھولا تھا کہ پر باندھنے صیاد آیا!“ کیا اس کا یہ حق نہیں کہ مجھ سے دشمنی میں جلدی نہ کرو، بلکہ سادہ دل سے سہولت و اطمینان کے ساتھ میری پوری بات سن لو، اور اس کو عقل اور صحیح دلیل کے پیمانہ سے جانچو اور اگر سمجھ میں آجائے تو قبول کر لو اور اگر بالفرض بحال باطل ہو تو مجھے سمجھا دو۔ صحیح راستہ پر لے آؤ۔ غرض جو بھی ثابت ہوئی، ہمدردی اور خیر خواہی سے ہو یہ نہیں کہ فوراً ہی بھڑک اٹھو۔ بلکہ سمجھ جانے پر

بھی مخالفت سے باز نہ آؤ، اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ رشتہ داروں کی محبت کے بعد ایمان مطلوب نہیں، اصل یہ ہے کہ یہ نرمی اور دھیرے دھیرے کام کرنے کا ایمان تک پہنچنے کا طریقہ بتایا ہے (اور آگے مذکورہ خوش خبری کا باقی حصہ آرہا ہے یعنی) جو شخص کوئی نیکی کرے گا، ہم اس (نیکی) میں اور زیادہ خوبی کر دیں گے (یعنی اپنے آپ میں اس خوبی کا تقاضا جس قدر ثواب ہے ہم اس سے زیادہ ثواب دیں گے) بے شک اللہ (اطاعت کرنے والوں کے گناہوں کا) بڑا بخشنے والا (اور ان کی نیکیوں کا) بڑا قدر کرنے والا (اور ثواب عطا کرنے والا) ہے۔

﴿ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ فَإِنْ يَشَأْ اللَّهُ يُخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۚ وَيَنْفَعُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُجِثُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھ رکھا ہے۔ سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے۔ اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے ثابت کیا کرتا ہے۔ وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے۔
رابطہ: اوپر سورت کے شروع میں تینوں مذکورہ مضمونوں میں سے وحی اور رسالت کے حق ہونے کا بیان ہوا تھا۔ پھر ﴿شَرَعْنَا لَكُمْ﴾ میں توحید کے ساتھ اس کی بھی تائید ہوئی تھی۔ پھر ﴿أَنْزَلَ الْكِتَابَ﴾ میں منمنی طور پر اس طرف اشارہ تھا۔ اب پھر اسی کا ذکر ہے۔

رسالت کو مدلل کرنے کا پھر سے تذکرہ:

کیا یہ لوگ (نعوذ باللہ! آپ کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ انھوں نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ رکھا ہے) (کہ نبوت اور وحی کا دعویٰ کیا ہے جو کہ واقع کے خلاف ہے) تو (ان کا یہ قول خود جھوٹا بہتان ہے، جس کی تفصیل یہ ہے) پہلی بات: کسی کے ہاتھ پر خارق عادت اور معمول کے خلاف کسی واقعہ کا ہونا یا نہ ہونا دونوں امکان ہیں اور اللہ کی قدرت کے تحت داخل ہونے میں یہ ظاہر برابر ہیں۔

دوسری بات: مخلوق کو شک و شبہ سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عادت جو ہمیشہ عقل سے ثابت ہے، یہ ہے کہ نبوت کا سچا دعویٰ کرنے والے کے ہاتھ پر عادت اور معمول کے خلاف واقعہ کے واقع ہونے کو ترجیح دی جاتی ہے اور جھوٹے دعویٰ دار کے ہاتھ پر واقع نہ ہونے کو ترجیح دی جاتی ہے، لہذا جھوٹ کے لئے واقع نہ ہونا لازم ہے۔

تیسری بات: کسی امر کے لازم ہونے کی نفی جس امر کے لئے وہ لازم کیا گیا ہے اس کی نفی کی دلیل ہوتی ہے۔

چوتھی بات: رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ایسا کلام صادر ہو رہا ہے جس کا انداز دوسروں کو عاجز کرنے والا ہے تو لازم کی نفی ہوئی، لہذا جس کے لئے اس کی نفی کی گئی یعنی جھوٹ کی بھی نفی ہوئی اور اس سے آپ کا سچ اور ان کا جھوٹ

ثابت ہو گیا۔ اور یہی مطلوب ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ (اللہ) ایسی قدرت والا ہے کہ اگر (وہ) چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے (اور یہ کلام آپ کے دل میں نہ پیدا ہو، نہ باقی رہے، بلکہ دل سے نکال لیا جائے اور آپ بالکل بھول جائیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَيِّنْ شِمْعًا لَّنْذَهَبْنَ بِالَّذِي أُوحِيَ نَا﴾ اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ وہ زبان سے ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے بھی ایسی قدرت والا تھا۔ اور اب بھی ہے کہ عادت اور معمول کے خلاف اس واقعہ کو نہ ہونے دیں، جیسا کہ پہلی بات میں ہے (اور اللہ تعالیٰ) کی یہ عادت ہے کہ وہ نبوت کے (باطل) (دعویٰ) کو مٹایا کرتا ہے (چلنے نہیں دیتا، یعنی اس کے ہاتھ سے عادت اور معمول کے خلاف واقعہ نہیں ہوا کرتا) اور (نبوت کے دعویٰ کے) حق کو (اپنے نازل کئے جانے والے یا قدرتی حکموں کے ذریعہ ثابت) (اور غالب) کیا کرتا ہے (دوسری اور تیسری بات کے مطابق ظاہری طور پر اور چوتھی بات مشاہدہ سے، لہذا آپ سچے اور وہ جھوٹے ہیں اور چونکہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) دلوں (تک) کی باتیں جانتا ہے (زبان سے اقوال اور جسمانی اعضا کے افعال کا تو کہنا ہی کیا، لہذا اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے عقائد، اقوال اور اعمال سب کی خبر ہے۔ ان سب پر خوب سزا دے گا)

فائدہ: نگوینی حکموں سے مراد عادت ہے اور نازل کئے جانے والے حکموں سے مراد ایسے ہی مضمون کی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل مٹتا ہے اور حق ثابت رہتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ﴾ الخ۔ اور پہلی تفسیر پر جمع کا لفظ لانا یا تو جنسی معنی کے اعتبار سے ہے یا یہ کہ ایک عادت کئی عادتوں کا مجموعہ ہے، مثلاً ایک یہ کہ سچے ہاتھ پر خارق صادر ہو۔ ایک یہ کہ جھوٹے کے ہاتھ پر صادر نہ ہو، پھر دونوں بار بار واقع ہو چکے لہذا ان کا کئی مرتبہ ہونا ظاہر ہو گیا۔

﴿وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۖ وَيُسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ﴾

ترجمہ: وہ ایسا ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، وہ اس کو جانتا ہے۔ اور اُن لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے اور اُن کے لئے اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے۔ اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہے۔

رابطہ: اوپر کئی جگہ کہیں ضمنی اور کہیں قصداً، مگر لوگوں پر لعنت و ملامت کی گئی ہے۔ چونکہ اس ملامت سے مقصود یہی ہے کہ وہ لوگ کفر و شرک سے توبہ کر لیں، اور ایمان لے آئیں۔ اس لئے آگے توبہ کی برکت اور ایمان کی فضیلت کا ذکر ہے اور

ختم پر ان لوگوں کے لئے وعید بھی فرمادی جو توبہ نہ کریں، کفر و شرک پر اصرار کرتے رہیں۔

توبہ کرنے والوں کے لئے خوش خبری اور اصرار کرنے والوں کو ڈرانا:

اور وہ ایسا (رحم کرنے والا) ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ (اس کی شرطوں کے مطابق) قبول کرتا ہے (لہذا اگر کوئی کافر کفر سے توبہ کر لے اور اسلام قبول کر لے تو ہم اس کا ایمان قبول کر لیں گے) اور وہ (اس توبہ کی برکت سے) تمام (پچھلے) گناہ معاف فرمادیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب جانتا ہے (لہذا اسے یہ بھی خبر ہے کہ توبہ خالص کی ہے یا غیر خالص کی ہے، اس لئے تمہیں خالص توبہ کرنی چاہئے) اور (جب کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو گیا تو اس کی عبادتیں جو پہلے مقبول نہیں ہوئی تھیں، اب مقبول ہونے لگیں گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ) ان لوگوں کی عبادت (ریا نہ ہونے کی شرط پر) قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے (وہ عبادتیں یہی نیک عمل ہیں، قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں ثواب دیتا ہے) اور (اس ثواب کے علاوہ جو شرعی دلیل کے مطابق اپنے آپ میں اس عمل کا تقاضا ہے) انہیں اپنے فضل سے اور زیادہ (ثواب) دیتا ہے (یہ تو ایمان والوں کے لئے ہوا) اور جو لوگ کفر (پراصرار) کر رہے ہیں (اور ایمان نہ لائے) ان کے لئے سخت عذاب (مقرر) ہے۔

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ وَإِنَّهُ
بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ۝ وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ
الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا مِنْ دَأْبَةٍ ۚ وَهُوَ عَلَى
جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ۝ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ آيَاتِكُمْ وَيَعْلَمُ عَنْ كَثِيرٍ ۝
وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ
فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ إِنْ يَشَاءْ يُسَكِّنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ
شَكُورٍ ۝ أَوْ يُوقِفُهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ۝ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا
لَهُمْ مِنْ مُجِيبٍ ۝﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لئے روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے، لیکن جتنا رزق چاہتا ہے انداز سے اتارتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے۔ اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے نا اُمید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔ اور وہ کار ساز قابلِ حمد ہے۔ اور من جملہ اُس کی نشانیوں کے پیدا کرنا ہے آسمانوں اور زمین کا اور اُن جانداروں کا جو اُس نے زمین و آسمان میں پھیلا رکھے ہیں۔ اور وہ اُن کے جمع

کر لینے پر بھی جب وہ چاہے قادر ہے۔ اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے کاموں سے ہے اور بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے۔ اور تم زمین میں ہر انہیں سکتے۔ اور خدا کے سوا تمہارا کوئی بھی حامی مددگار نہیں۔ اور من جملہ اُس کی نشانوں کے جہاز ہیں سمندر میں جیسے پہاڑ۔ اگر وہ چاہے تو ہوا کو ٹھیرا دے تو وہ سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر شاکر کے لئے۔ یا اُن جہازوں کو اُن کے اعمال کے سبب تباہ کر دے اور بہت سے آدمیوں سے درگزر کر جاوے۔ اور اُن لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں معلوم ہو جاوے کہ اُن کے لئے کہیں بچاؤ نہیں۔

رابطہ: اوپر سورت کے شروع میں توحید کا مضمون تھا، پھر کئی آیتوں میں اس کی تاکید اور اس کی دلیل کی تائید تھی۔ اب اپنی صفتوں اور افعال کے بیان کے ذریعہ پھر اس کی زیادہ تفصیل ہے۔

توحید پر دلالت کرنے والی بعض صفتوں اور افعال کا بیان:

اور (اللہ تعالیٰ کی حکمت کے آثار میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے سب لوگوں کو زیادہ مال نہیں دیا، کیونکہ) اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لئے (موجودہ حالت میں جیسا کہ عام طور پر ان کی طبیعتیں ہیں) روزی وسیع کر دیتا تو وہ دنیا میں (عام طور سے) شرارت کرنے لگتے (کیونکہ عام طبیعتوں کے اعتبار سے) دبے رہنے کی زیادہ وجہ حاجت و ضرورت ہے یعنی مالداروں کو غریبوں سے کام میں مدد لینے کی حاجت و ضرورت ہے اسی لئے جب مزدور اتفاق کر لیتے ہیں تو آخر بڑے بڑے کارخانوں کے مالکوں کو ان سے مغلوب ہونا پڑتا ہے اور غریبوں کو مالداروں سے رقم لینے کی حاجت اور ضرورت ظاہر ہے کہ اگر مالدار عام ہو جائے تو مال کی حاجت تو کسی کو کسی سے باقی نہ رہے، اور کام کوئی کسی کا نہ کرے تو دونوں طرف سے حاجت و ضرورت جاتی رہے پھر کون کسی سے دبے اور غرضوں میں اشتراک پھر بھی اس لئے باقی رہے کہ ہر چیز ہر ایک کے پاس نہیں ہوا کرتی اور رغبت میں ہر چیز کا احتمال ہے۔ مثلاً اس حالت میں کسی کا گھوڑا کسی کو پسند آ گیا، کسی کی عورت کسی کو پسند آئی اور وہ ایک ہی ہے اور طالب دو ہیں تو لازمی طور پر دونوں میں ٹکراؤ ہوگا۔ ایک کو دوسرے پر غصہ آئے گا، اور حاجت و ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی کسی کی مدد و حفاظت نہ کرے گا۔ ایسے میں وہ خود ہی آپس میں لڑیں گے اور مریں گے۔ اسی طرح ہر شخص کے پاس کوئی نہ کوئی چیز ایسی ضرور ہوگی جس میں دوسرے کو رغبت ہو۔ عادتاً یہ بات لازم ہے، اور یہی قصہ ہر شخص میں پیدا ہوگا تو نافرمانی اور شرارت کا عام ہونا ظاہر ہے اور یہ علت رزق کے عام پھیلاؤ کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ اگر غریبی اور حاجت عام ہو جائے تو چونکہ کسی کے پاس کوئی چیز نہ ہوگی اس لئے دوسرے کی رغبت کا احتمال ہی نہیں جو نافرمانی اور شرارت کی علت تھی اور اگر شاذ و نادر کوئی چیز کسی کے پاس دوسرے کی رغبت کے لائق ہوئی بھی تو بہت کم ہوگی، لہذا نافرمانی و شرارت بھی کم ہی ہوگی۔ بہر حال یا تو نفس نافرمان نہ ہوگا چاہے دوسری پریشانیاں لاحق ہو جائیں مثال

کے طور پر سب اپنے آپ ہلاک ہو جائیں اور فقر و محتاجی کے عام نہ ہونے میں یہی حکمت ہے، لیکن جس نقصان کا یہاں بیان ہے وہ رزق کے عام پھیلاؤ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے باوجود کہ عام نافرمانی کا انجام بھی ہلاکت ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن خود مر جانا دوسرے کے ہاتھ سے مارے جانے سے زیادہ اسلم ہے، اس لئے یہ نقصان اس نقصان سے زیادہ سخت ہے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہاں رزق کا پھیلاؤ عام نہ ہونے کی حکمت خاص طور سے بیان فرمائی گئی ہو اور حاجت و ضرورت عام نہ ہونے کی حکمت کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ غرض مذکورہ بالا نقصان کی وجہ سے مالدار کی کو عام نہیں کیا (لیکن) یہ بھی نہیں کیا کہ بالکل ہی کسی کو کچھ نہ دیا ہو بلکہ) جتنا رزق چاہتا ہے (مناسب) انداز سے (ہر ایک کے لئے) اتارتا ہے (کیونکہ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں) کو جاننے والا (اور ان کا حال) دیکھنے والا ہے (اس سے حکیم یعنی حکمت والا ہونے کے علاوہ خیر یعنی خبر رکھنے اور بصیر یعنی دیکھنے والا ہونے کی دو صفیتیں اور ثابت ہوئیں) اور وہ ایسا (رحم کرنے والا) ہے جو (بہت دفعہ) لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت (کے آثار ساری دنیا میں) پھیلاتا ہے (آثار سے مراد پیڑ پودے اور پھل پھول ہیں) اور وہ (سب کا) کام بنانے والا اور (اسی کام بنانے پر تعریف کے قابل ہے) لہذا اوپر کی تین صفتوں کے ساتھ یہاں تین صفیتیں اور ثابت ہوئیں: (۱) رحیم یعنی رحم کرنے والا (۲) ولی یعنی کام بنانے والا اور (۳) تعریف کے قابل) اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا اور ان جانداروں کا پیدا کرنا ہے جو اس نے زمین میں پھیلا رکھے ہیں (اس سے اوپر کی چھ صفتوں کے ساتھ خالق یعنی پیدا کرنے والا ہونا بھی ثابت ہوا) اور وہ (قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے) ان (مخلوقوں) کے جمع کر لینے پر بھی جب وہ (جمع کرنا) چاہے (قادر یعنی) قدرت رکھنے والا ہے (اس سے اوپر کی سات صفتوں کے ساتھ قدر یعنی قدرت والا ہونا بھی ثابت ہوا) اور (وہ منتقم یعنی انتقام لینے والا اور منتقم کے ساتھ معاف کرنے والا بھی ہے۔ چنانچہ اے گنہ گارو!) تمہیں جو کچھ مصیبت (حقیقت میں) پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے) اور پھر بھی ہر گناہ پر نہیں بلکہ بعض گناہوں پر) اور بہت (سے گناہوں) کو تو وہ معاف ہی کر دیتا ہے (چاہے دونوں جہاں میں یا صرف دنیا میں) اور (اگر وہ سب پر پکڑ کرنے لگے تو) تم زمین (کے کسی حصہ) میں (پناہ لے کر اس کو) ہر انہیں سکتے اور (ایسے وقت میں) اللہ کے سوا تمہارا کوئی حامی مددگار نہیں (ہو سکتا، اس سے اوپر کی آٹھ صفتوں کے ساتھ منتقم یعنی انتقام لینے والا اور غفور یعنی معاف کرنے والا اور عزیز یعنی زبردست ہونا بھی ثابت ہوا) اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے وہ جہاز میں جو سمندر میں چلنے والے (اونچے) پہاڑوں کی طرح ہیں (مراد یہ کہ ان کا سمندر میں چلنا حق تعالیٰ کی عجیب بناوٹ کی دلیل ہے، ورنہ) اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے تو وہ (سمندر میں ہوا کے ذریعہ چلنے والے جہاز) سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں (یہ اسی کا کام ہے کہ ہوا کو چلاتا ہے اور ہوا سے سمندر میں وہ جہاز چلتے ہیں) بے شک اس میں

(قدرت پر دلالت کرنے والی) نشانیاں ہیں، ہر صبر کرنے والے، شکر کرنے والے (یعنی مومن کے لئے) (اس کی وضاحت سورۃ لقمان آیت ۳۱ میں گذر چکی۔ غرض اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک کر جہازوں کو ایک ہی جگہ کھڑا کر دے) یا (اگر وہ چاہے تو ہوا کو تیز چلا کر) ان جہازوں کے سواروں کو ان کے (برے اعمال کفر وغیرہ) کے سبب تباہ کر دے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَإِنْ نَشَأْ نُغْرِقْهُمْ﴾) اور ان میں (بہت سے لوگوں کو معاف کر دے) (یعنی وہ اس وقت غرق نہ ہوں چاہے آخرت میں سزا پائیں) اور (اس تباہی کے وقت) ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں جھگڑے کرتے ہیں، معلوم ہو جائے کہ (اب) ان کے لئے کہیں بچنے کی صورت) نہیں (کیونکہ انھوں نے اپنے زعم میں جن کو شریک قرار دیا تھا، ان کی حیثیت کو ایسے وقت میں وہ بھی سمجھتے تھے اور انہیں عاجز و بے بس جانتے تھے لہذا اس سے اوپر کی گیارہ صفتوں کے ساتھ افعال اور اشیا میں مستقل تصرف کرنے والا ہونا بھی ثابت ہو گیا)

فائدہ: آیت ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ إِلَازِقَ﴾ الخ کی وضاحت میں ”موجودہ حالت“ کی قید اس لئے لگائی کہ اگر اللہ تعالیٰ طبیعتوں کو بدل دیں تو پھر نافرمانی و شرارت ہی نہ ہو جیسا کہ جنت میں طبیعتیں سلیم یعنی ٹھیک و صحیح ہوں گی۔ یا مہدی علیہ السلام کے ظاہر ہونے کے زمانہ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ کوئی کسی کا صدقہ قبول نہ کرے گا۔ مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ طبیعتوں کو بدل دیں گے کہ ناجائز اور حرام مال تو کیا اپنے نفس کی عزت اور غیرت کا لحاظ رکھنے کی وجہ سے کسی دوسرے سے اس حلال مال کو بھی لینا گوارا نہیں کریں گے جس کی فقر و فاقہ اور حاجت و ضرورت میں لینے کی اجازت ہے۔ اور اس کے بعد ایک اور قید ”عام طور پر“ لگائی اور وہ اس لئے کہ بندوں سے مراد عام بندے ہیں نہ کہ خاص اور مقبول بندے، جیسے تمام نبی اور اکثروں کی، کہ وہاں نافرمانی کے لئے رکاوٹ موجود ہے اور اگرچہ بسط یعنی رزق کا وسیع اور پھیلا ہوا ہونا اس کا تقاضا کرتا ہو، مگر صرف تقاضے کا پایا جانا رکاوٹ کو دور کئے بغیر تقاضے کو پورا کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔

اور ﴿يُنْزِلُ الْغَيْثَ﴾ یعنی بارش برسانے میں ”بہت دفعہ“ اس لئے کہا کہ بہت دفعہ ناامید ہو جانے سے پہلے بھی بارش ہو جاتی ہے اور بہت دفعہ ناامید ہو جانے کے بعد بھی نہیں ہوتی، اور آیت میں کوئی اشارہ قاعدہ کلی ہونے پر دلالت کرنے والا نہیں ہے۔

اور ﴿بَنَّا رِبْعَهُمَا مِنْ ذَاتِ بَيْنٍ﴾ یعنی ”آسمانوں اور زمین میں ہر طرح کے جاندار پھیلائے“ میں اگر دابہ مجازی طور پر مطلق جانور کے معنی میں لیا جائے، تب آسمان پر فرشتوں کا جاندار ہونا ظاہر ہے۔ اور اگر دابہ سے کوئی خاص جانور مراد لیا جائے، تو اس صورت میں دو تو جیہیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ ﴿رِبْعَهُمَا﴾ کے معنی فی مجموعہما یعنی ان دونوں یعنی آسمانوں اور زمین کے مجموعے مراد ہوں۔ اور اس کے لئے زمین میں پایا جانا کافی ہے۔ آسمانوں میں پائے جانے کی ضرورت نہیں۔ اور یا یوں کہا جائے کہ آسمان پر بھی جانور ہیں، جیسا کہ حدیثوں سے جنت میں جو کہ آسمانوں کی طرف

ہیں، اور اس وقت بھی موجود ہیں، یا قوت نامی ہیروں کے بنے ہوئے گھوڑوں اور پرندوں کا ہونا ثابت ہے، جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ لہذا سماوات یعنی آسمانوں سے مراد مطلق اوپر کا عالم ہوگا۔ اور دابہ کے معنی میں جو دہیب علی الارض یعنی ”زمین پر چلنے والا“ لیا گیا ہے اس ارض یعنی زمین سے مراد مطلق ٹھکانا ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَأَرْضُنَا الْأَرْضُ نَتَّبِعُوا مِنَ الْجَنَّةِ﴾

اور ﴿مَّا أَصَابَكُمْ مِمَّنْ مُصِيبَةٍ﴾ میں جو مخاطب کو مخصوص کیا اور پھر حقیقت میں ہونے کی قید لگائی، اس سے ایک سوال کے دو جواب دیئے مقصود ہیں۔ سوال یہ ہے کہ لفظ ما کے عموم میں بہ ظاہر عموم معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصیبت گناہوں ہی سے آتی ہے۔ حالانکہ نبیوں پر بڑی بڑی مصیبتیں اور بلائیں آئیں، جبکہ ان کا گناہوں سے پاک ہونا معلوم ہے۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں خطاب عام نہیں ہے بلکہ صرف اہل ذنوب یعنی گنہگار لوگ مخاطب ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبیوں پر جو بلائیں آئیں اگرچہ وہ صورت میں مصیبت ہیں، مگر حقیقت میں اور معنی کے اعتبار سے وہ مصیبت نہیں بلکہ نعمتیں ہیں کہ وہ ان سے پریشان نہیں ہوتے، بلکہ وہ اس سے اپنے علموں، حالات اور اللہ سے قریب آنے کے درجوں میں ترقی دیکھ کر اس پر راضی رہتے ہیں۔

اور ﴿فَيُظِلُّنَّ﴾ کے ترجمہ میں ”ہوائی“ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ یہاں ذکر انہی جہازوں کا ہے جو اس زمانہ میں ہوا کے ذریعہ چلتے تھے اور کسی کو بھاپ سے چلنے والے جہازوں کے ہوا کا محتاج نہ ہونے سے ان کے اللہ کی کاریگری اور بناوٹ سے بے نیاز ہونے کا شبہ نہ ہو، کیونکہ اگر وہاں ہوا کے واسطے سے محتاج نہ ہو تو بھاپ کے واسطے سے محتاجی ہے، کیونکہ بھاپ بھی اللہ کی قدرت کے تابع ہے اور اگر تیرج یعنی ہوا کے مفہوم کو عام کر لیا جائے کیونکہ بھاپ میں پانی کے اجزاء کے ہوا کے اجزاء بھی ہوتے ہیں، اور اسی طرح روک لینے اور ٹھہرانے کو بھاپ اور دھوئیں کے اوپر کی طرف نہ چڑھنے کے لئے عام کر لیا جائے تو بھاپ کے جہازوں کی محتاجی کا واسطہ بھی ہوا ہی ہو جائے گی۔

﴿فَمَا أُوْنِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَّاءُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَنْتُمْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَّبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبِيْرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰخَرُھُمْ شَوْرٰی بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا صَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزَاۗءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُھَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاجْرُہُ عَلٰی اللّٰهِ اِنَّہٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلٰكِنْ اِنْتَصَرَوْۤا ظُلْمَہٗ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلٰیھُمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّا سَبَّلُۭ عَلٰی الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ اُولٰٓئِكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلٰكِنْ صَبَرُوْا وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝﴾

ترجمہ: سو جو کچھ تم کو یاد دلایا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے۔ اور جو اللہ کے ہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ پائیدار وہ اُن لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور جو کہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب اُن کو قصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور وہ نماز کے پابند ہیں اور اُن کا ہر کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو ایسے ہیں کہ جب اُن پر ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی، پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے، سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ الزام صرف اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں۔ ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے یہ البتہ بڑے امت کے کاموں میں سے ہے۔

رابطہ: اور ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدْ حَرْثَ الْآخِرَةِ﴾ الخ میں دنیا پر غرور و گھمنڈ کی مذمت اور آخرت کی طلب کی ترغیب فرمائی تھی، اب مذکورہ مذمت کی تاکید کے لئے دنیا کے حقیر ہونے اور مذکورہ ترغیب کی تاکید کے لئے آخرت کی خیریت اور فضیلت والے اعمال کے ذکر سے اسے طلب کرنے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں اور اوپر ﴿وَلَوْ بَسَطَ﴾ میں رزق کو کم کرنے کی حکمت اور نفع اور ﴿مَّا أَصَابَكُمْ﴾ اور ﴿وَيَعْلَمُ الَّذِينَ﴾ میں ذنوب کی برائی اور نقصان کا بیان ہوا تھا۔ اب دنیا کا فنا ہونے والا سامان ہونا جو کم ہونے کے برابر ہے اور اعمال و طاعتوں کی فضیلت اور برکت جو کہ گناہوں کی برائی کے مقابلہ میں ہے: بیان فرمانا نہایت مناسب ہے۔

دنیا کا حقیر اور آخرت کا نفیس ہونا اور اچھے اعمال کے ذریعہ اس کو حاصل کرنے کا طریقہ:

(اور اوپر تم سن چکے ہو کہ دنیا چاہنے والے کی دنیاوی تمنا پوری نہیں ہوتی اور وہ آخرت سے محروم رہتا ہے اور آخرت کو چاہنے والے کی ترقی ہوتی ہے۔ اور سن چکے ہو کہ دنیا کا انجام زیادہ تر اچھا نہیں ہوتا اس سے اکثر نقصان پہنچانے والے اعمال پیدا ہوتے ہیں) تو (اس سے ثابت ہوا کہ مطلوب بنانے کے قابل دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے، اور دنیا کی باقی چیزوں میں سے) جو کچھ تمہیں دیدیا گیا ہے وہ صرف (چند دن کی) دنیاوی زندگی میں برتنے کے لئے ہے (کہ عمر کے خاتمہ کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا) اور جو (اجر و ثواب آخرت میں) اللہ کے پاس ہے وہ اس سے (کیفیت و حالت کے اعتبار سے بھی) بہتر ہے اور (مقدار و تعداد کے اعتبار سے بھی) زیادہ باقی رہنے والا ہے (یعنی ہمیشہ رہنے والا ہے، لہذا دنیا کی طلب چھوڑ کر آخرت طلب کرو، اسے مطلق حاصل کرنے کے لئے طاعتوں میں سب سے بڑی و اعظم طاعت یعنی

ایمان کا اختیار کرنا اور سب سے بڑے واعظم گناہ یعنی کفر کا ترک کرنا ضروری شرط ہے، اور اسے بہتر طریقہ سے حاصل کرنے کے لئے تمام ضروری طاعتوں کا اختیار کرنا اور تمام گناہوں کا چھوڑنا غالب ہونے کی شرط ہے، اور نفلی طاعتوں کا اختیار کرنا اور غیر اولیٰ مباح امور کا ترک کرنا اولیت کے ساتھ اولیت و اقریبیت ہونے کا بھی سبب ہے، چنانچہ (وہ) ثواب جس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا) ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آئے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور جو کبیرہ گناہوں سے اور (ان میں) بے حیائی کی باتوں سے (خاص طور سے زیادہ) بچتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور انھوں نے نماز کو قائم رکھا اور ان کا ہر (بڑی شان والا) کام (جس میں تعین کے ساتھ نص نہ ہو) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے، وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور جو ایسے (انصاف کرنے والے) ہیں کہ جب ان پر (کسی کی طرف سے کچھ) ظلم ہوتا ہے تو وہ (اگر بدلا لیتے ہیں تو) برابر کا بدلا لیتے ہیں (زیادتی نہیں کرتے اور یہ مطلب نہیں ہے کہ معاف نہیں کرتے) اور (برابر کا بدلا لینے کے لئے ہم نے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ) برائی کا بدلا ویسی ہی برائی ہے (شرط یہ ہے کہ وہ اپنے آپ میں معصیت نہ ہو) پھر (انتقام کی اجازت کے بعد) جو شخص معاف کر دے اور (آپسی معاملہ کی) اصلاح کر لے (جس سے دشمنی و عداوت جاتی رہے اور دوستی ہو جائے کہ یہ معافی سے بھی بڑھ کر ہے) تو اس کا ثواب (وعدہ کے مطابق) اللہ کے ذمہ ہے (اور جو بدلا لینے میں زیادتی کرنے لگے تو یہ سن رکھے کہ) واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو (زیادتی نہ کرے بلکہ) اپنے اوپر ظلم ہو جانے کے بعد برابر کا بدلا لے لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں (چاہے شروع میں یا انتقام کے وقت) اور زمین میں ناحق زیادتی (اور تکبر) کرتے (پھرتے) ہیں (اور یہی تکبر، ظلم کا سبب ہو جاتا ہے اور ”ناحق“ واقعی قید ہے، کیونکہ تکبر کرنے کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں۔ آگے اس الزام کا بیان ہے کہ) ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب (مقرر) ہے، اور جو شخص (دوسرے کے ظلم پر) صبر کرے اور معاف کر دے، بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی ایسا کرنا بہتر ہے اور بڑی اولوالعزمی یعنی بلند ہمتی کی بات ہے)

فائدہ: اس میں مختلف اعمال کا ذکر ہوا ہے۔ عقائد، فرائض اور غیر فرائض۔ اور سب پر ان کے درجوں کے اختلاف کے مطابق ثواب ہے۔ جیسا کہ خود ترجمہ کی وضاحت میں بیان ہوا ہے۔ اور شوری یعنی مشورہ میں ”بڑی شان والے“ کی قید اس لئے ہے کہ معمولی کاموں میں مشورہ منقول نہیں، جیسے دو وقت کا کھانا کھانا وغیرہ اور ”نص نہ ہونے“ کی قید اس لئے لگائی کہ متعین نص والے امور میں بھی مشورہ نہیں، جیسے یہ مشورہ کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو یا نہ پڑھا کرو، اور انتقام میں یہ قید کہ ”اپنے آپ میں معصیت نہ ہو“ اس لئے ہے کہ ایسے امور میں صورت کے لحاظ سے اسی جیسا بدلا لینا جائز نہیں مثال کے طور پر کسی نے حرام طریقہ سے جنسی شہوت کا عمل کیا تو اس سے بدلے کے طور پر حرام طریقہ سے جنسی شہوت کا عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اور ﴿يَنْتَصِرُونَ﴾ میں تو برابر کا بدلا لینے والوں کی انصاف کی حیثیت سے تعریف ہے۔ اور ﴿وَجَزَا﴾

سَيِّئَةٍ ﴿۱﴾ میں اس کا جائز ہونا اور ﴿۲﴾ لَمِنَ انتَصَرِ ﴿۳﴾ میں اس میں حرمت کی نفی ہے اور اگرچہ ہر پہلے والے کے لئے ہر بعد والا لازم ہے، لیکن تصریح کے قصد سے اس میں بلاغت آگئی اور تکرار بھی نہیں رہی، اور اسی طرح ﴿۴﴾ لَمْ يَغْفِرْ دُونَ ﴿۵﴾ میں اس عمل کے کرنے والے کی تعریف اس صفت کے ذریعہ کرنا اور ﴿۶﴾ فَمَنْ عَفَا ﴿۷﴾ میں اس کے اجر کا اثبات اور ﴿۸﴾ مَنْ صَبَرَ ﴿۹﴾ سے عمل کی تعریف کرنا تکرار کو دور کرتا ہے۔ اور کبار کی تحقیق سورۃ النساء آیت ۳۱ کے ذیل میں آچکی ہے۔

﴿۱﴾ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَجْهِ مِّنْ بَعْدِهِ ۚ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مَرَدٌّ مِّنْ سَبِيلٍ ۚ وَتَرَهُمْ يَحْضُرُونَ عَلَيْهَا خُشْعِينَ مِنَ الدَّلِيلِ يَنْظُرُونَ مِّنْ حَرْفٍ خَفِيفٍ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ۚ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُوهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ﴿۲﴾

ترجمہ: اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اُس کے بعد اس شخص کا کوئی چارہ ساز نہیں۔ اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جس وقت کہ اُن کو عذاب کا معائنہ ہوگا کہ کہتے ہوئے کیا واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟ اور آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کے روبرو لائے جاویں گے۔ مارے ذلت کے جھکے ہوئے ہونگے۔ ست نگاہ سے دیکھتے ہوئے۔ اور ایمان والے کہیں گے کہ پورے خسارہ والے وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے۔ یاد رکھو کہ ظالم لوگ عذاب دائمی میں رہیں گے اور اُن کو کوئی مددگار نہ ہونگے جو خدا سے الگ اُن کی مدد کریں۔ اور جس کو خدا گمراہ کر دے اُس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں۔

رابطہ: اوپر عقیبی یعنی آخرت کو چاہنے والے مومنوں کا اچھا انجام بیان فرمایا ہے۔ اب دنیا کے چاہنے والے کافروں کے برے انجام کا بیان ہے۔

قیامت میں کافروں کی بد حالی:

(یہ حال تو جس کا ذکر ہوا ہدایت پانے والوں کا تھا کہ انہیں دنیا میں اللہ کی ہدایت اور آخرت میں ثواب سے عزت و شرف عطا ہوئے) اور (آگے گمراہ لوگوں کا حال سنو، وہ یہ ہے کہ) جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کے بعد اس شخص کو (دنیا میں بھی) کوئی سنبھالنے والا نہیں ہے (کہ اسے سیدھے راستہ پر لے آئے) اور (قیامت میں بھی برا حال ہوگا، چنانچہ اس دن) آپ (ان) ظالموں کو دیکھیں گے کہ جس وقت وہ عذاب کو دیکھیں گے وہ (نہایت حسرت کے ساتھ) کہتے ہوں گے: کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت (ہو سکتی) ہے؟ (تاکہ پھر اچھے عمل کر کے آئیں، جیسا کہ ارشاد

ہے ﴿فَإِنْ جَعَلْنَا نَعْمًا صَاحِبًا﴾ اور آپ انہیں اس حالت میں دیکھیں گے کہ وہ جہنم کے سامنے لائے جائیں گے، ذلت کے مارے جھکے ہوئے ہوں گے (اور وہ اس کو) دبی چھپی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے (جیسا کہ خوف زدہ ڈراسہا آدمی اسی طرح دیکھتا ہے، اور دوسری آیت میں جو اندھا ہونے کی خبر دی ہے، وہ حشر کے وقت ہے، اور یہ اس کے بعد ہے۔ چنانچہ وہاں ﴿نَحْشُرُهُ﴾ (مراحت کے ساتھ ہے) اور (اس وقت) ایمان والے (اپنے نفع جانے پر شکر کرنے کے لئے اور ان پر ملامت کرنے کے لئے) کہیں گے کہ پورے نقصان والے وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے تعلق والوں سے (آج) قیامت کے دن نقصان میں پڑے (اس کی تفسیر سورۃ الزمر آیت ۱۵ میں گزر چکی ہے) یاد رکھو کہ ظالم (یعنی مشرک و کافر) لوگ ہمیشہ کے عذاب میں (گرفتار) رہیں گے اور (وہاں) ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا، جو اللہ سے الگ (ہو کر) ان کی مدد کرے، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس (کی نجات) کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں (یعنی نہ معذرت، نہ مدد و نصرت اور نہ ہی اور کچھ)

﴿اَسْتَجِیْبُوْا لِلرَّبِّ لَمَّا دَعَاكُمْ ۚ فَمَنْ لَكُمْ مِنْكُمْ قَبْلَ اَنْ يَّاتِيَ يَوْمُ لَا مَرَدٍّ لَهُ ۚ مِنْ اللّٰهِ مَا لَكُمْ مِنْ مَّلْجَاۗءٍ یَّوْمَئِذٍ ۚ وَمَا لَكُمْ مِنْ مُّجِیْرٍ ۚ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَیْهِمْ حَافِیْظًا ۚ اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغَةُ ۚ وَاِنَّا اِذَا اَذَقْنَا مِمَّنَا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِیْبُهُمْ سَیْئَةٌ مِّنْهُمَا ۚ مَا قَدَّمَتْ اٰیٰتُنَا ۚ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۚ﴾

ترجمہ: تم اپنے رب کا حکم مان لو قبل اس کے کہ ایسا دن آپہنچے جس کے لئے خدا کی طرف سے ہٹانا نہ ہوگا نہ تم کو اس روز کوئی پناہ ملے گی اور نہ تمہارے بارے میں کوئی روک ٹوک کرنے والا ہے۔ پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگراں کر کے نہیں بھیجا۔ آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ اور ہم جب آدمی کو کچھ اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے۔ اور اگر لوگوں پر ان کے اعمال کے بدلہ میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے۔

رابطہ: اوپر ایمان نہ ہونے پر قیامت کے عذاب کی وعید سنا کر اب اس وعید کے واقع ہونے سے پہلے کافروں کو ایمان لانے کا حکم اور ان کے ایمان نہ لانے کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی کا مضمون بیان فرماتے ہیں۔

کافروں پر ایمان کا واجب ہونا اور رسول ﷺ کی تسلی کا سامان:

(اے لوگو! جب تم نے یہ وعید سن لی تو تم اپنے رب کا حکم (ایمان وغیرہ کا) مان لو، اس سے پہلے کہ ایسا دن آپہنچے جس کے لئے اللہ کی طرف سے ہٹنے کی کوئی صورت نہ ہوگی (یعنی دنیا میں جس طرح عذاب سے ہٹا جاتا ہے، وہاں عذاب کا رکنا اور مہلت نہ ہوگی اور) نہ تمہیں اس دن کوئی (اور) پناہ ملے گی، اور نہ تمہارے بارے میں کوئی (اللہ سے) روک ٹوک

کرنے والا ہے (کہ کوئی اتنا ہی پوچھ لے کہ ان کا یہ حال کیوں بنایا گیا، اور اے رسول ﷺ ان لوگوں کو یہ سنا دیجئے) پھر اگر یہ لوگ (یہ سن کر بھی) منہ پھیریں (اور ایمان نہ لائیں) تو (آپ کفر اور غم میں نہ پڑیں، کیونکہ) ہم نے آپ کو ان پر نگرانی کرنے والا (مقرر) کر کے نہیں بھیجا (جس سے پوچھنا چاہا اندیشہ ہو کہ آپ کے نگرانی کرتے ہوئے انہوں نے یہ کام کیوں کئے؟ بلکہ) آپ کے ذمہ تو صرف (حکم کا) پہنچا دینا ہے (جو کہ آپ کر رہے ہیں، پھر آپ اس سے زیادہ کیوں فکر کریں؟) اور (ان کے حق سے منہ پھیرنے کا سبب اللہ کے ساتھ تعلق کا کمزور ہونا ہے جو کہ اس حالت کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ) ہم جب (اس قسم کے) آدمی کو اپنی عنایت کا کچھ مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر (اتراتے ہوئے) خوش ہو جاتا ہے (نعمت دینے والے پر نظر کر کے شکر نہیں کرتا) اور اگر (ایسے) لوگوں پر ان کے (ان بڑے) اعمال کے بدلے میں جو پہلے اپنے ہاتھوں سے کر چکے ہیں کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو (ایسا) آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے (اور حق تعالیٰ کی طرف معاصی یعنی گناہوں سے توبہ کے طور پر اور التجا اور دعا اور توکل و بھروسہ اور اللہ کے فیصلہ پر راضی ہونے کے انداز میں متوجہ نہیں ہوتا، اور یہ دونوں حالتیں نفسانی خواہشوں سے شدید تعلق اور حق تعالیٰ سے بے تعلقی کی دلیل ہیں۔ اور اس سے کفر پیدا ہوا ہے اور یہ حالت ان لوگوں کی ایک طرح سے فطرت بن گئی ہے، لہذا آپ ان سے ایمان کی امید نہ رکھیں کہ جس کی وجہ سے آپ کو رنج و غم ہو، لہذا تسلی دو طرح سے ہوئی: ایک آپ کی حالت کے اعتبار سے ﴿إِن عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَدُ﴾ اور دوسرے ان کی حالت کے اعتبار سے ﴿إِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ

﴿لِللّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ خَلْقُ مَا يَشَآءُ مِیْہَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَّا نَآ وَ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ
الذِّکُوْرَۃَ اَوْ یُزَوِّجُھُمْ ذُکُوْرًا وَّ اُنْثٰی﴾ وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ۗ اِنَّہٗ عَلَیْہِمْ قَدِیْرٌ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے۔ یا اُن کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی۔ اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔ بیشک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔

رابطہ: اوپر کئی جگہ توحید کا ذکر ہوا ہے اور اوپر قریب والی آیتوں میں بھی عذاب کے وقت اللہ کے علاوہ کسی کے مشرکوں کے کام نہ آنے کا ذکر ہوا ہے جس سے شرک کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اب بھی توحید کا بیان ایسے عنوان سے ہے کہ وہ پاس کے مضمونوں کی علت پر بھی دلالت کرتا ہے، چنانچہ ﴿لِللّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ میں اللہ کو پہلے لانا اللہ تعالیٰ کے مستقل طور پر تصرف کا فائدہ دیتا ہے۔ جو اللہ کے علاوہ کے تصرف کو باطل قرار دیتا ہے۔

توحید:

آسمانوں اور زمین کی (ساری) سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے (چنانچہ) جس کو چاہتا ہے بیٹیاں

عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے، یا انہیں (جس کے لئے چاہے) جمع کر دیتا ہے (کہ) بیٹے بھی (دیتا ہے) اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔

فائدہ: ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ الخ تمام تعارفات کے لئے عام ہے، اس میں سے بیٹوں اور بیٹیوں کے پیدا کرنے سے متعلق اس تعارف کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ یہ ہر وقت دیکھا جاتا ہے اور یہ ایسے حالات ہیں جو انسان سے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور لازمی طور پر دیکھے جاتے ہیں، اس لئے اس سے استدلال کرنا آسان ہے۔

اور اولاد دینے اور نہ دینے کے اعتبار سے جو تقسیم کی گئی ان قسموں میں اس کا حصر عقل میں آنے والا ہے اور حمل کرنے سے حصر پر شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ اگر اس کو ولادت نہ کہو جیسا کہ اس میں روح پھونکے جانے سے پہلے ولادت نہ کہنا ہی مناسب ہے تب تو ﴿مَنْ يَشَاءُ عَقِيْنًا﴾ میں آگیا اور اگر ولادت ہے جیسا کہ روح پھونکے جانے کے بعد ولادت کہنا مناسب ہے تو اعضا کو جو صورت دی جائے اس کے تابع ہے اور اگر بعض اعضا کو صورت دی گئی ہو یا دونوں طرح کی صورتیں ہو جائیں تو واقع میں وہ مذکور یا مؤنث ہے، چاہے محسوس طور پر اس کی تعیین نہ ہو۔

﴿وَمَا كَانَ لِلْبَشَرِ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوحِيَ بِآٰذَانٍ مَّا يَشَاءُ ۗ مَا يَدْرِىٓ عَلٰٓى حَكِيْمٍ ۝۱۰ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۗ مَا كُنْتَ تَدْرِىٓ مَّا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نُّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ ۗ وَمِنْ عَبْدِنَا ۗ مَا لَكَ لَتَهْدٰى اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۱ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَهُۥ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۗ اَلَا اِلٰى اللّٰهِ تَصْبِرُ ۝۱۲﴾

ج

ترجمہ: اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام فرماوے مگر یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے۔ وہ بڑا عالی شان ہے بڑی حکمت والا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے۔ آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں، یعنی اُس خدا کے راستہ کی کہ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ یاد رکھو سب امور اسی کی طرف رجوع ہونگے۔

رابطہ: اوپر چند جگہوں پر رسالت کا ذکر ہوا ہے اور پاس کی آیتوں میں بھی ﴿اِنْ عَلٰیكَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ ارشاد ہے، چونکہ نبوت سے متعلق شبہات میں سے کافروں کا ایک شبہ یہ بھی تھا کہ ہم سے اللہ تعالیٰ یا فرشتے سامنے آ کر کیوں نہیں کہہ دیتے کہ یہ رسول ہیں؟ جیسا کہ اس کا ذکر ابن جریج کی روایت سے آئندہ ارشاد کی تفسیر میں گذر چکا ہے ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا

يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَكِّكَةُ أَوْ تَرَىٰ نَبَاتًا (سورۃ الفرقان آیت ۲۱) اس کا ایک مشترک جواب تو اسی آیت میں دیا جا چکا ہے، ﴿لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا﴾ الخ اور خاص رب کے کلام سے متعلق جواب ان آیتوں میں آ رہا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں آپ کی نبوت اور اس پر احسان کا اظہار اور قرآن کی شان کی عظمت و بڑائی اور اس کا خاص اور عام ہدایت اور فیض اور اس فیض و ہدایت کے اتباع کے واجب ہونے کی تاکید کے لئے صراحت کے ساتھ اللہ کی عظمت اور اشارہ کے طور پر جزا و سزا کا بیان ارشاد فرما کر سورت کو ختم کرتے ہیں۔

رسالت کی تحقیق اور توحید اور جزا و سزا:

اور کسی انسان کی (موجودہ حالت میں) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے، سوائے اس کے کہ (۱) الہام کے طور پر (کہ دل میں کوئی اچھی بات طبعی طور پر ادراک کرنے والی قوتوں کے واسطہ کے بغیر سونے کی حالت میں یا جاگنے کی حالت میں ڈال دے، چاہے وہ الہام قطعی یعنی یقینی ہو جیسے نبیوں کا الہام یا غیر قطعی یعنی غیر یقینی ہو جیسے نبیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کا الہام، اس طرح ایک طریقہ تو یہ ہے) یا (۲) پردے کے پیچھے سے (کچھ کلام سنا دے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے سنا تھا یا رسول اللہ ﷺ سے صفاتی تجلی کے پردے کے پیچھے سے بلا واسطہ ارشاد ہوا تھا فیہم یختصم الملائعہ الاعلیٰ جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حجاب یعنی پردہ کوئی جسم یعنی ایسی دلدار چیز نہیں جو بیچ میں حائل ہو جائے اور نہ ہی یہ پردہ حق تعالیٰ کی ذات و نور کو ڈھانپ سکتا ہے، بلکہ اس پردہ کی حقیقت انسان کے ادراک کی کمزوری ہے جس سے نور اور ذات کے ظہور کے کمال کے باوجود وہ ادراک سے عاجز ہے، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

شدتِ پردہ بر چشمِ ایں صفتِ پردہ چشم ● بے پردہ ورنہ ماہے چوں آفتابِ دارم

ترجمہ: یعنی آنکھ کے یہ سات پردے آنکھ پر سات پردے ہو گئے ÷ ورنہ بغیر پردہ کے میرا ایک چاند سورج کی طرح ہے۔ اور یہی پردہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے لئے دیکھنے میں رکاوٹ بنا تھا اور یہی رکاوٹ جنت میں ختم ہو جائے گی۔ یعنی وہاں دیکھنے کی قوت اور برداشت کی طاقت دیدی جائے گی۔ اور یہ سننا بھی چاہے یقینی ہو، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے ہوا یا غیر یقینی ہو جیسا کہ اگر ولیوں کے لئے یہ ثابت ہو جائے، اور روح المعانی میں یہ صفت عبد الوہاب الشحرانی کی روایت سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے نقل کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

اور کسی نص نے اس کی نفی نہیں کی ہے۔ یہ دوسرا طریقہ ہوا یا (۳) کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے (اگر نبیوں کے علاوہ کے لئے اس کا واقع ہونا ثابت ہو جائے جیسا کہ میں نے بعض کتابوں میں شیخ اکبر سے نقل کیا ہوا دیکھا ہے۔ اور فرشتوں کی مریم کے ساتھ کی گئی گفتگو سے اس کی تائید ہوتی ہے تو اس میں بھی دو قسمیں قطعی اور ظنی نکلیں گی۔ اگرچہ ظنی کو وہم کے خیال کے سبب وحی کہنے سے منع کیا گیا ہے اور اگرچہ آیت میں

ایک ہی قسم مراد ہوا اور دوسری قسم یعنی ظنی کا وجود حصر کے خلاف نہ ہو، کیونکہ مقسم میں قطعی کی تخصیص ممکن ہے اور ظنی کی قسمیں مستقل دلیلوں سے ثابت ہو جائیں گی، لہذا کلام کا یہ تیسرا طریقہ ہوا اور تینوں کو کلام کہنا عموم مجاز پر مبنی ہے، غرض انسان سے کلام کے یہ تین طریقے ہیں۔ اور سامنے آ کر کلام کرنا اللہ کی عادت کے اس لئے خلاف ہے کہ انسان موجودہ حالت میں اللہ کی ذات کو آنکھوں سے دیکھنے کی قوت نہیں رکھتا، پھر ان اعتراض کرنے والوں کو حق تعالیٰ سے سامنے ہو کر کلام کرنے کا حوصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ان میں خود ان تینوں طریقوں میں سے کفر کی وجہ سے ظنی کی بھی قابلیت نہیں ہے، اور اس سے یہ دوسرے بھی دور ہو گیا کہ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اچھا جن طریقوں کی عادت ہے انہی میں سے کسی طریقہ سے ہم سے کلام کرنا چاہئے۔ جواب کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ اس قابل بھی نہیں تھے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿قَالُوا لَنْ تُؤْمِنَ حَتَّىٰ تُؤْتَ كِتَابًا مِّمَّا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ۚ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ (سورۃ الانعام آیت ۱۲۴) لہذا دونوں آیتوں سے دونوں کا جواب ہو گیا۔

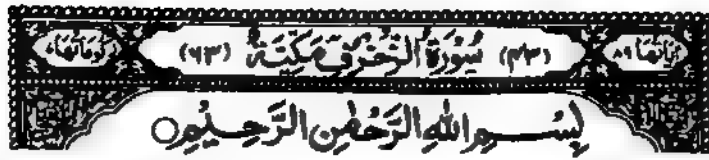
آگے مذکورہ مضمون کے مجموعہ کی علت ارشاد فرماتے ہیں کہ (وہ بڑی عالی شان والا ہے) (اس سے جب تک وہ خود تحمل کی طاقت نہ دے کوئی کلام نہیں کر سکتا۔ یہ اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اس کی علت ہوئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ) بڑی حکمت والا (بھی) ہے (اس لئے بندوں کی مصلحتوں کی رعایت سے کلام کے تین طریقے مقرر فرما دیئے ہیں، یہ مستثنیٰ کی علت ہوئی) اور (جس طرح انسان کے ساتھ ہمارے کلام کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے) اسی طرح (یعنی اسی قاعدہ کے مطابق) ہم نے آپ کے پاس (بھی) وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے (اور آپ کو نبی بنایا ہے اور اس وحی کے وحی ہونے پر خارق عادت اور معمول کے خلاف دلیلیں قائم ہیں جو آپ کی نبوت کے اثبات کے لئے کافی ہیں۔ اور نبوت کا اثبات اس پر موقوف نہیں کہ ہم لوگوں سے سامنے آ کر کہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ آپ کے اندر رسالت کی صلاحیت ہونے کے باوجود آپ کے سامنے آ کر کلام نہیں کرتے بلکہ مذکورہ طریقوں سے کلام ہوتا ہے تو یہ کس گفتی میں ہیں۔

آگے مذکورہ وحی کے اتباع کے واجب ہونے کے عموم کی تاکید اور آپ کی مسرت اور احسان کے اظہار کے لئے اس وحی کا ہدایت کبریٰ یعنی بڑی ہدایت ہونا بیان فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہدایت نامہ ہے کہ آپ کے ان علوم میں جن کی کوئی دوسری مثال نہیں، اسی کی بدولت ترقی ہوئی۔ چنانچہ اس سے پہلے (آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ (اللہ کی) کتاب کیا چیز ہے؟ اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (کا انتہائی کمال جو کہ اب حاصل ہے) کیا چیز ہے؟ (اگرچہ نفس ایمان ہر نبی کو نبوت سے پہلے بھی ہر وقت حاصل ہوتا ہے) لیکن ہم نے (آپ کو نبوت اور قرآن دیا اور) اس قرآن کو (آپ کے لئے سب سے پہلے اور دوسروں کے لئے بعد میں) ایک نور (یعنی علموں اور عملوں کی طرف رہنمائی کرنے والا) بنایا (جس سے آپ کو یہ عظیم علوم اور بلند احوال حاصل ہوئے جس سے اس کا ہدایت کبریٰ ہونا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس کتاب کے مقابلہ میں جس کو پڑھ کر ایک ادنیٰ سا طالب علم بڑے درجہ کا عالم بن جائے، ظاہر ہے کہ وہ کتاب عالی اور بلند اور زیادہ نفع دینے والی ہوگی، اور) جس

کے ذریعہ سے (آپ کے واسطہ سے پہنچنے کے بعد) ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، ہدایت کرتے ہیں (لہذا اس کے عظیم نواز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اب جو اندھا ہی ہو وہ اس نور کے نفع سے محروم بلکہ اس کا منکر ہے، جیسے یہ اعتراض کرنے والے) اور (ہم نے ﴿تَهْدِيْٓ اِيْمًا﴾ میں ہدایت کو خاص اپنا فعل بتایا ہے، اور اس کے ساتھ ﴿مَنْ تَهْدِ﴾ کہا ہے۔ یہ ہدایت خاص معنی کے اعتبار سے ہے ورنہ عام معنی میں ہدایت یعنی راستہ بتانے کے اعتبار سے وہ آپ کا منہی فعل ہے، اور وہ سب کے لئے عام ہے چاہے کسی وجہ سے کسی تک خبر نہ پہنچے چنانچہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ (اس قرآن اور وحی کے ذریعہ سے عام لوگوں کو) ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں (آگے اس راستہ کا بیان ہے جس کی طرف آپ ہدایت فرماتے ہیں) یعنی اس اللہ کے راستہ کی (ہدایت کرتے ہیں) کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے (یہ احکام دینے والے کی توحید اور تعظیم ہوگئی۔ آگے ان احکام کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی جزا و سزا کی طرف اشارہ ہے کہ) یاد رکھو سارے معاملے اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے (لہذا وہ سب پر جزا و سزا دے گا)

فائدہ: انسان کی تخصیص یا تو اس وجہ سے ہے کہ ممکن ہے کہ فرشتوں سے سامنے آ کر کلام ہوتا ہو، مگر یہ امر میری نظر سے نفی یا اثبات کی شکل میں کہیں نہیں گذرا بلکہ ظاہر میں نصوص سے نفی ظاہر ہوتی ہے جیسے جبریل علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں بہت قریب ہو گیا تھا مگر پھر بھی ستر ہزار پردے رہ گئے جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ تو اس صورت میں محض ذکر میں تخصیص اس لئے ہوگی کہ کلام انسان ہی سے متعلق تھا، اور موجودہ حالت کی قید سے ان صورتوں سے بچاؤ ہو گیا، جن میں سامنے آ کر کلام کرنا ثابت ہے جیسا کہ بعض بزرگ جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے معراج میں اس طرح کے کلام کے قائل ہیں۔ یا ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ان سے حضور ﷺ نے فرمایا: فكلّمه كفاحاً: یا جنت میں سامنے آ کر کلام کرنا ثابت ہے، لہذا ان سب کے بارے میں کہا جائے گا کہ قتل و برداشت کی موجودہ کمزوری کو قتل و برداشت کی قوت سے بدل دیا جائے گا۔ رہا مذکورہ حدیث میں جو آیا ہے کہ کسی اور سے آمنے سامنے ہو کر کلام نہیں فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے درجہ کے کسی شخص سے ان کے سوا کسی اور سے آمنے سامنے ہو کر کلام نہیں ہوا۔ لہذا ان سے اونچے درجہ والوں کی نفی اس میں شامل نہیں، اور ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَحْبِطُ﴾ کی وضاحت میں جو رسول اللہ ﷺ سے حق تعالیٰ کا کلام کرنا لکھا گیا ہے، اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قرآن میں ﴿كَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰٓى تَكْلِیْمًا﴾ اور مکتوبہ کی حدیث میں: قسم اللہ رؤیتہ و کلامہ بین موسیٰ و محمد علیہما السلام او نحوه: آیا ہے جس سے کلام کی تخصیص موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معلوم ہوتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اس آیت اور حدیث میں کلام سے مراد مخصوص طریقہ سے موسیٰ سے کلام کرنا ہے جیسا کہ کلمہ تکلیما کا بڑھانا اس کا قرینہ بھی ہے۔ واللہ اعلم

﴿بسم اللہ! سورۃ الشوری کی تفسیر ۸ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۵ھ کو بروز منگل پوری ہوئی﴾



شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابطہ: اس سورت میں یہ مضمون ہیں: (۱) توحید کا اثبات (۲) شرک کا باطل ہونا (۳) بتوں کے جہنم میں داخل ہونے کے مضمون پر مشرکوں کے اعتراض کا لغو ہونا (۴) وحی اور رسالت کا اثبات (۵) رسالت سے متعلق بعض شبہات کے جواب (۶) رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور (۷) رخ پھیرنے کا حکم (۸) دنیا کا حقیر ہونا (۹) نبوت کی اہلیت میں دنیا کے مال کا کوئی دخل نہ ہونا (۱۰) منکروں یعنی انکار کرنے والوں کو ملامت (۱۱) ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے قصے توحید و رسالت کی تائید میں اور تصدیق کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کے لئے قیامت کے وعدے اور وعیدیں اور ملامت، اور اس سورت کے شروع میں اور گزشتہ سورت کے آخر میں رسالت کا مضمون مشترک ہے۔

﴿حَمْدٌ ۖ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۚ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۚ وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلٌّ حَكِيمٌ ۚ أَفَتَضْرِبُ عَنْكُمْ الذِّكْرَ صَافِحًا ۚ أَمْ أَنتُمْ فَرَقْتُمْ فَرَقًا مِّنْ قَبْلِهِ ۚ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا كَانَ تَوْفَافًا ۚ فَاهْلِكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا ۚ وَمَنْ مِّثْلُ الْقَافِلِينَ ۚ﴾

ترجمہ ﴿حَمْدٌ﴾: قسم اس کتاب واضح کی ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔ اور وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے۔ کیا ہم تم سے اس نصیحت کو اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو۔ اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجے رہے ہیں۔ اور اُن لوگوں کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انھوں نے استہزاء نہ کیا ہو۔ پھر ہم نے اُن لوگوں کو جو کہ ان سے زیادہ زور آور تھے عارت کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت ہو چکی ہے۔

قرآن اور رسالت کا برحق ہونا اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور جاہل کافروں کے انکار کا بودا ہونا:

﴿حَمْدٌ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) اس واضح (معنی والی) کتاب کی قسم ہے کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا

قرآن بنایا ہے تاکہ (اے عرب کے لوگو!) تم (آسانی سے) سمجھ لو، اور وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے رتبہ والی اور حکمت بھری کتاب ہے (جب وہ سمجھنے میں آسان ہے اور خاص ہماری حفاظت میں ہے اور معجزہ ہونے کی وجہ سے عظیم رتبہ والی اور اپنے حق ہونے پر دلالت کرنے والی ہے، پھر اس کے مضمون منافع اور مصلحتوں پر مشتمل ہیں تو ایسی کتاب کو ضرور ماننا چاہئے، لیکن اگر تم نہ بھی مانو تب بھی ہم حکمت کے تقاضے کی وجہ سے اس کا بھیجنا اور تمہیں اس کا مخاطب بنانا نہیں چھوڑیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے) کیا ہم تم سے اس نصیحت (نامہ) کو (صرف) اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم (اطاعت کی) حد سے گزرنے والے ہو (اور اس کو نہیں مانتے، یعنی چاہے تم مانو یا نہ مانو پھر بھی نصیحت تو برابر کی جائے گی اور فیض پورا ہو کر رہے گا یعنی مومنوں کو نفع ہونا اور تم پر حجت قائم ہونا وغیرہ، اس میں حکمتیں ہیں) اور ہم پہلے لوگوں میں (ان کے جھٹلانے کے باوجود) بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں (یہ نہیں ہوا کہ جھٹلانے کی وجہ سے سلسلہ بند ہو جاتا) اور (اے رسول ﷺ جس طرح ہم نے ان کے جھٹلانے کی پروا نہیں کی، اسی طرح آپ بھی کچھ پروا اور غم نہ کیجئے، کیونکہ) ان (پہلے) لوگوں (کا بھی یہی حال تھا کہ ان) کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کا انھوں نے مذاق نہ اڑایا ہو، پھر ہم نے ان لوگوں کو جو کہ (مکہ والوں) سے زیادہ زور و قوت والے تھے (جھٹلانے اور مذاق اڑانے کی سزا میں) غارت کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت (ہلاک اور غارت کرنے کی) ہو چکی ہے (لہذا آپ غم نہ کریں کہ ان کا بھی ایسا ہی حال ہونا ہے، چنانچہ بدر وغیرہ میں یہی ہوا۔ اور نہ ہی وہ بے فکر ہوں کہ نمونہ موجود ہے)

فائدہ: واضح ہو کہ قرآن باعتبار معانی اولیہ اور دین کے اہم ترین اصولوں اور ترغیب و ملامت اور ڈرانے دھمکانے سے متعلق مضمونوں کے اعتبار سے واضح ہے، مگر اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس سے سمجھ میں آنے والے معنی ایسے آسان ہوں کہ ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہو جائے۔ اور یہاں جو قسم واقع ہوئی ہے، وہ عربوں کی عادت کے مطابق کلام کی تاکید کے علاوہ خود قسم کے جواب کی دلیل بھی ہے، کیونکہ قرآن کی حالت میں غور کرنے سے اس کا معجزہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہ اللہ کی طرف سے نازل ہونے کی دلیل ہے۔ لہذا ایک ذات کی ایک صفت اس کی دوسری صفت کی دلیل ہے:

آفتاب آمد دلیل آفتاب ❁ گر دلالت باید از وے رومتاب

ترجمہ: سورج اپنے آپ میں خود اپنی دلیل ہے اگر تمہیں اس کی دلیل چاہئے تو اس سے منہ مت پھیرو۔

اور عربی ہونے سے اس کے عام خطاب ہونے پر اشکال نہ کیا جائے، کیونکہ اس تخصیص کی حکمت عربوں کا پہلا مخاطب ہونا ہے۔ اور ﴿لَدُنَّيْنَا﴾ یعنی ”ہمارے پاس“ خصوصیت اور عزت و شرف کے اعتبار سے فرمایا۔ لہذا یہ رتبہ کا پاس قریب ہونا ہے جگہ کے لحاظ سے قریب ہونا نہیں۔

﴿وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لِيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ﴾ الَّذِي جَعَلَ

لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلْ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
 بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ۝ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلْ لَكُمْ مِنْ
 الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ۝ لِشْتَوَاعِلٍ ظَهْرِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَهُ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ
 تَقُولُوا سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۝ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ۝ وَجَعَلُوا لَهُ
 مِنْ عِبَادَةٍ جُزْءًا إِنْ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُبِينٌ ۝ أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَكُمْ بِالْبَنِينَ ۝
 وَإِذَا بَشَّرَ أَحَدَهُمْ بِمَا صَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ أَوْ مَنْ يَتَشَوَّاءُ فِي
 الْحِجَابِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ۝ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبْدُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا أَشْهَدُوا
 خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ
 إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ أَمِ اتَّيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَمُتَّعْنَاهُمْ بِهِ مُتَمَسِّكُونَ ۝ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا
 عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَرِهِمْ مُهْتَدُونَ ۝ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ
 مُتْرَفُوهُمْ إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَرِهِمْ مُقْتَدُونَ ۝ قُلْ أَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَى مِمَّا
 وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۝ فَاتَّقِنَا مِنْهُمْ فَأَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ
 عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اُن کو زبردست
 جاننے والے نے پیدا کیا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اُس میں اُس نے تمہارے لئے رستے بنائے
 تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ اور جس نے آسمان سے پانی ایک انداز سے برسایا پھر ہم نے اُس سے خشک زمین کو زندہ
 کیا۔ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔ اور جس نے تمام اقسام بنائیں اور تمہاری وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار
 ہوتے ہو، تاکہ تم اُن کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو، پھر جب اُس پر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو اور یوں کہو کہ اُس کی ذات
 پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے۔ اور ہم کو اپنے رب کی
 طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور ان لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا جزو ٹھیرا دیا۔ واقعی انسان صریح ناشکر ہے۔ کیا
 خدا نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں پسند کیں اور تم کو بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا۔ حالانکہ جب تم میں سے کسی کو اُس چیز
 کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو خدائے رحمان کا نمونہ بنا رکھا ہے تو سارے دن اُس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی
 دل میں گھٹتا رہے۔ کیا جو کہ آرائش میں نشوونما پائے اور وہ مباحثہ میں قوت بیان نہ رکھے۔ اور انھوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا

کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے۔ کیا یہ اُن کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور ان سے باز پرس ہوگی۔ اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اُن کی عبادت نہ کرتے۔ اُن کو اس کی کچھ تحقیق نہیں، محض بے تحقیق بات کر رہے ہیں۔ کیا ہم نے اُن کو اس سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے کہ یہ اُس سے استدلال کرتے ہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی اُن کے پیچھے پیچھے راستہ چل رہے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی اُن ہی کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔ اُن کے پیغمبر نے کہا کہ کیا اگرچہ میں اُس سے اچھا مقصود پر پہنچا دینے والا طریقہ تمہارے پاس لایا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو اُس کو مانتے ہی نہیں، جس کو دے کر تم کو بھیجا گیا ہے سو ہم نے اُن سے انتقام لیا سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

رابطہ: اوپر رسالت کا مضمون تھا جس کی سب سے عظیم دعوت توحید ہے۔ اب توحید کا اثبات ایسی دلیلوں سے کیا گیا ہے جن کے ضمن میں انعام بھی شامل ہیں اور آخر میں ﴿يَحْتَسِبُ جَاءَهُمُ الْحَقُّ﴾ سے اس پر عقلی دلیل سے ثابت نقلی دلیل سے تنبیہ کی گئی ہے اور زمین کو زندہ کرنے کی مناسبت ہے، مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر بھی ایک جملہ معترضہ میں کیا گیا ہے اور درمیان میں شرک کا باطل کرنا ہے۔

توحید کا اثبات اور شرک کا باطل کرنا:

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ انہیں زبردست جاننے والے (اللہ) نے پیدا کیا ہے (اور پیدا کرنے میں اکیلا ہونے کے لئے عبادت کے لائق اکیلا ہونا لازم ہے، لہذا ان کے اعتراف سے توحید ثابت ہوگئی، آگے اللہ تعالیٰ توحید کی تقویت کے لئے اپنے دوسرے افعال بیان فرماتے ہیں جو توحید پر دلالت کرنے والے ہیں تاکہ توحید کی رغبت ہو کہ نعمت کا شکر ادا کرنا ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ سورہ طہ آیت ۵۳ میں ارشاد ہے ﴿فَاَخْرِجْنَا يَوْمَ اُذْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتَّى﴾ یعنی یہ زمین اور آسمان اسی نے پیدا کئے ہیں جس نے تمہارے (آرام کے) لئے زمین کو فرش (کی طرح) بنایا (کہ اس پر آرام کرتے ہو) اور اس (زمین) میں اس نے تمہارے (اپنی منزلوں تک پہنچنے کے) لئے راستے بنائے تاکہ (ان راستوں میں چل کر) تم اپنی منزل تک پہنچ سکو، اور جس نے آسمان سے ایک (خاں) انداز سے (مشیت اور حکمت کے مطابق) پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس (پانی) سے خشک زمین کو (اس کے مناسب زندگی سے) زندہ کیا (اور اس سے توحید پر دلالت کے علاوہ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ) اسی طرح تم (بھی اپنی قبروں سے) نکالے جاؤ گے (کہ توحید کے ساتھ اس کا بھی انکار کیا جاتا تھا) اور جس نے (مختلف جنسوں

اور نوعوں میں) تمام (مختلف) قسمیں (یعنی صفتیں) بنائیں اور تمہاری وہ کشتیاں اور جانور بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان (کشتیوں اور جانوروں) کی (سطح اور) پیٹھ پر جم کر (اطمینان سے) بیٹھو، پھر جب اس پر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی (اس) نعمت کو (دل سے) یاد کرو اور (زبان سے مستحب کے طور پر) یوں کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے (طاقت ور اور ہنر والے) نہیں تھے کہ انہیں قابو میں کر لیتے (کیونکہ جانور سے زیادہ تو زور اور طاقت نہیں ہے اور حق کی طرف سے الہام کے بغیر کشتی چلانے کی تدبیر سے واقف نہیں ہو سکتے حق تعالیٰ نے دونوں سے متعلق تدبیر کی تعلیم فرمادی) اور ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اس لئے ہم اس پر سوار ہو کر شکر سے غفلت یا فخر اور گھمنڈ و تکبر نہیں کرتے کہ شکر اور ناشکری دونوں کا بدلا وہاں ملے گا۔ یہ اس لئے بڑھادیا کہ رب کی طرف متوجہ ہونے کی یاد، شکر کی حامل ہوتی ہے، جس کا بیان ابھی ہوا۔ جیسا کہ صبر کرنے والے پر بھی ہوتا ہے، جیسا ﴿إِنَّا لِلّٰهِ﴾ کے ساتھ ﴿وَلِإِنَّا لِلّٰهِ سُرَّ جَعُونَ﴾ بڑھایا ہے) اور (توحید کی دلیلیں قائم ہونے کے باوجود) ان لوگوں نے (شرک اختیار کر رکھا ہے اور وہ بھی کتنا برا کہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں، اور ان کی عبادت کرتے ہیں، لہذا ایک خرابی تو یہ ہوئی کہ انھوں نے) اللہ کے بندوں میں سے (جو کہ مخلوق یعنی اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں انہیں) اللہ کا جز (یعنی اس کا ٹکڑا) بنا دیا (جبکہ اللہ کا ٹکڑا ہونا عقل کے اعتبار سے محال اور برا ہے) واقعی (ایسا) انسان کھلا ناشکرا (اور احسان فراموش) ہے (کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتنا بڑا کفر یعنی ناشکری اور احسان فراموشی کرتا ہے کہ اس کے جز ٹکڑے قرار دیتا ہے جس کے لئے حادث ہونا لازم ہے۔ غرض ایک خرابی تو یہ ہوئی اور دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ لوگ لڑکی کو ناقص سمجھتے ہیں، اور پھر اللہ کے لئے بیٹیاں مانتے ہیں تو) کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے (تمہارے زعم و خیال میں اپنے لئے تو) بیٹیاں پسند کیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا؟ حالانکہ (تم بیٹیوں کو اتنا برا سمجھتے ہو کہ) جب تم میں سے کسی کو اس چیز کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو رحمان کا نمونہ (یعنی اولاد) بنا رکھا ہے (بیٹی مراد ہے) تو (اس قدر ناراض ہوتا ہے کہ) اس کا چہرہ بے رونق ہو جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹناتا رہتا ہے (تو حیرت ہے کہ اللہ کی طرف نقص کی نسبت کرتے ہو۔ اور اس کا پورا بیان سورة الصافات آیت ۱۴۹ سے ۱۶۶ تک گزرا ہے۔ اور یہ مذکورہ بیان الزامی رد تھا۔ آگے اسی سے متعلق ایک تحقیقی رد ہے یعنی اگرچہ لڑکی ہونا اپنے آپ میں عار و ذلت کا سبب نہیں جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو، لیکن اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی اصل وضع کے اعتبار سے عارضوں سے قطع نظر اکثر ناقص عقل والی اور کمزور رائے والی ضرور ہوتی ہے جب یہ بات ہے تو) کیا (اللہ نے اولاد بنانے کے لئے لڑکی کو پسند کیا ہے؟) وہ جو (عادت اور معمول کے اعتبار سے) بناوٹ اور سجاوٹ میں پالی جائے؟ جو کہ زیوروں کی طرف رغبت کی علامت اور سبب ہے جس کی عادت کے مطابق لازمی امور میں سے رائے اور عقل کا ضعیف ہونا ہے) اور وہ (غور و فکر کی قوت کے کمزور ہونے کی وجہ سے) بحث حجت میں اپنا

مقصد (بھی) واضح نہ کر سکے (چنانچہ اکثر ان کی تقریروں میں ذرا غور کرنے سے دیکھا جاتا ہے کہ نہ اپنے دعویٰ کو مضبوطی کے ساتھ ثابت کر سکتی ہیں اور نہ ہی دوسرے کے دعویٰ کو رد کر سکتی ہیں، ہمیشہ ادھوری بات کہتی ہیں یا اس میں فضول باتیں ملا دیتی ہیں جن کا اصل مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، جبکہ اس سے اصل مقصود کے بیان میں خلل پڑ جاتا ہے، اور بحث کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ اس میں بیان کی ضرورت کی زیادتی کی وجہ سے ان کی عاجزی زیادہ ظاہر ہو جاتی ہے، لہذا ہر لمبی بات اس کے حکم میں ہے اور معمولی جملوں کا ادا ہو جانا بیان کی قوت کی دلیل نہیں ”جیسے میں آئی تھی، وہ گئی تھی“ وغیرہ۔ یہ دوسری خرابی کی دو باتیں ہوئیں (اور) شرک کے لازم ہونے سے قطع نظر تیسری خرابی یہ ہے کہ انھوں نے فرشتوں کو جو اللہ کے (پیدا کئے ہوئے) بندے ہیں (اور اس لئے اللہ تعالیٰ کو ان کی پوری حالت اور صفت معلوم ہے اور ان کے غیر محسوس ہونے کی وجہ سے جب تک اللہ تعالیٰ کسی کو ان کی حالت نہ بتائے، معلوم نہیں ہو سکتی، اور ان کا عورت ہونا کہیں نہیں بتایا، اس کے باوجود انھوں نے ان کو بغیر دلیل کے) عورت قرار دے رکھا ہے (اور^(۱) یہاں اس عقلی و نقلی دلیل کا رد ہو جانا یقینی ہے لہذا خود آنکھوں سے دیکھنا چاہئے تو) کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟ (اور دیکھ رہے تھے اور اس کے باوجود ان کا نہ دیکھنا بھی یقینی ہے مگر اس میں انہیں احمق قرار دینے کی صراحت زیادہ ہے، فرشتوں کے مؤنث ہونے کے بارے میں بغیر دلیل کے) ان کا یہ دعویٰ (اعمال کے دفتر میں) لکھ لیا جاتا ہے اور (قیامت میں) ان سے پوچھنا چھوگا (کیونکہ بغیر دلیل کا دعویٰ جھوٹ ہے، خاص طور سے عقائد میں، پھر خاص طور سے جب کہ اس کے ساتھ اور مفاسد بھی ملے ہوئے ہوں، یہ گفتگو تو ان کے بیٹی اور مؤنث ہونے سے متعلق تھی) اور (آگے ان کے معبود ہونے سے متعلق ہے کہ) وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ (اس بات کو خوشی سے چاہتا) کہ فرشتوں کی عبادت نہ ہو، یعنی وہ اس عبادت سے ناخوش ہوتا) تو ہم (کبھی بھی) ان کی عبادت نہ کرتے (کیونکہ وہ کرنے ہی نہ دیتا بلکہ زبردستی روک دیتا، جب اس نے نہیں روکا تو معلوم ہوا کہ وہ ان کی عبادت نہ کرنے سے خوش نہیں بلکہ ان کی عبادت کرنے سے خوش ہے۔ آگے ان کا رد ہے کہ) انہیں اس (بات) کی کوئی تحقیق نہیں (ہے) محض بغیر تحقیق کے بات کر رہے ہیں (کیونکہ کسی عمل کی طاقت و قدرت دیدینا رضامندی اور خوشی کی دلیل نہیں ہوتی، جیسا کہ سورۃ انعام آیت ۱۲۸ ﴿سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ لَخَ فِي هَٰذَا عَمَلٍ أَثَارٌ﴾ میں اس کی وضاحت ہوئی ہے، لہذا اللہ کی مشیت سے اس عمل پر استدلال کرنا جو کہ عقلی استدلال ہے لغو اور مہمل ثابت ہوا، تو اب یہ بتادیں کہ) کیا ہم نے انہیں اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے کہ یہ (اس دعویٰ میں) اس سے استدلال کرتے ہیں؟ (حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس اپنے دعویٰ کے حق میں نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ ہی کوئی نقلی دلیل

(۱) جملہ سابقہ ”انہیں ان کا عورت ہونا نہیں بتایا“ پر عطف ہے یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ نے بتایا اور نہ ہی کوئی عقلی یا نقلی دلیل دی ہے، لہذا اس صورت میں دعویٰ کی بنیاد مشاہدہ ہونا چاہئے۔

ہے) بلکہ (محض اپنے سے پہلے والوں کی رسم کا اتباع ہے۔ چنانچہ) وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی انہی کے راستہ پر چل رہے ہیں، اور (جس طرح یہ لوگ بغیر دلیل کے بلکہ دلیل کے خلاف اپنی پرانی رسم کو ثبوت اور سند کے طور پر پیش کرتے ہیں) اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا (پہلے) وہاں کے خوش حال لوگوں نے (اور پھر ان کا اتباع کرنے والوں نے) یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے، اور ہم بھی انہی کے راستہ پر چلے جا رہے ہیں (اس پر) ہر ڈرانے والے نے (ان سے) کہا کہ کیا اس کے باوجود (باپ دادا کی رسم پر ہی چلتے رہو گے) کہ میں (منزل پر پہنچا دینے والا) اس سے زیادہ صحیح راستہ تمہیں بتاؤں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ انہوں نے (عناد کے طور پر) کہا کہ ہم تو اس (دین) کو مانتے ہی نہیں، جسے دے کر (تمہارے زعم اور خیال کے مطابق) تمہیں بھیجا گیا ہے تو (جب عناد حد سے بڑھ گیا، اس وقت) ہم نے ان سے انتقام لیا تو دیکھ لو جھٹلانے والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا۔

فائدہ: ﴿تَقُولُوا سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا﴾ الخ کے آگے پیچھے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ کشتی میں سوار ہو کر بھی پڑھے جائیں۔ اگرچہ حدیثوں میں صرف جانور کی سواری کرتے وقت پڑھنا آیا ہے مگر کشتی کی سواری کے وقت پڑھنے کی نفی نہیں ہے، اور کشتی کی سواری کے وقت ان الفاظ کے پڑھنے کا ذکر نہ آنا شاید اس لئے ہے کہ اس وقت کشتی میں سوار ہونے کا اتفاق کم ہی ہوا۔ اور اللہ کا جز، کھڑا ہونے کا اعتقاد چاہے ان سے صراحت کے ساتھ کہیں نقل نہ ہو مگر وہ فرشتوں کے اللہ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اور وہ حقیقی معنی میں جز ہونے کے لئے لازم ہے اور اگر ﴿فِي الْخِصَامِ﴾ یعنی 'بحث و حجت میں اپنا مقصد واضح نہ کر سکنے' کے جواب میں وہ کہیں کہ تم اقرار کرتے ہو کہ 'اپنی اصل وضع کے اعتبار سے عارضوں سے قطع نظر' تو وہ عارض فرشتہ ہونا ہے جو نقص یعنی کمی و کمزوری کو دور کرنے والا ہے، تو اس عارض کا مؤثر ہونا انہیں ثابت کرنا ہوگا، کیونکہ مطلق عارض قرار دینا کافی نہیں۔

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبْنَيْهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۖ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ۖ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ بَلْ مَنَعْتُ هَؤُلَاءَ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ۖ وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ

(۱) مطلب یہ ہے کہ ﴿وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ﴾ سے استدلال کی تقریر میں جو کہا گیا تھا کہ وہ لڑکی عوارض سے قطع نظر اپنی اصل وضع کے اعتبار سے ناقص العقل ہے جو آیت ﴿أَوْ مَن يَنْشُؤْا﴾ کے ترجمہ کی تمہید میں لکھا گیا ہے۔ اگر وہ اس کے جواب میں یہ کہیں کہ (عوارض سے قطع نظر) قید میں تم اس کا اقرار کرتے ہو کہ عارض کے سبب یہ نقصان دور ہو سکتا ہے تو یہاں وہ عارض ملکیت ہو، لہذا جب نقصان نہ رہا تو استدلال کی بنیاد ہی نہیں رہی، پھر استدلال بھی نہ رہا۔

كُفْرُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرِيبَتَيْنِ عَظِيمٍ ۝ أَهْمُ يَقْسِيُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سُلْخًا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِيُوقِعَهُمْ سِقْطًا مِّنْ فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ۝ وَلِيُوقِتَهُمْ أَبْوَابًا وَسُورًا عَلَيْهَا يُشْكُونَ ۝ وَزُخْرَفًا ۚ وَإِنَّ كُلَّ ذَلِكَ لَمِنَّا مَتَاءُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ۝ ﴿٤٠﴾

۴۶۹

ترجمہ: اور جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اُن چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، مگر ہاں! جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ اُس کو اپنی اولاد میں ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تاکہ لوگ باز آتے رہیں۔ بلکہ میں نے اُن کو اور ان کے باپ دادوں کو خوب سا سامان دیا ہے یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور صاف صاف بتلانے والا رسول آیا۔ اور جب اُن کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے، ہم اس کو نہیں مانتے۔ اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں، دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اُس سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ سیٹھے پھرتے ہیں۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے ہو جاویں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم اُن کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی جن پر چڑھا کرتے اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر نگیل لگا کر بیٹھتے ہیں۔ اور سونے کے بھی۔ اور یہ سب کچھ بھی نہیں صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے۔ اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں کے لئے ہے۔

رابطہ: اوپر توحید کا مضمون تھا۔ اب اس کی تاکید اور تائید کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو کہ عربوں کے نزدیک تسلیم کئے ہوئے بہت عظیم شخص تھے اس توحید کے عقیدہ کا نقل ہونا بیان فرماتے ہیں جس سے ان کے باپ دادا کے اتباع کے دعویٰ کا بھی رد ہو گیا کہ دوسرے باپ داداؤں سے زیادہ اتباع کے یہ حق دار ہیں جو جدا عظیم یعنی باپ داداؤں میں سب سے زیادہ عظمت والے بزرگ ہیں اور ان کے بعد پھر ان کی اولاد میں نقل ہوتے چلے آتا اور اب آخر میں تمہارے زمانہ کے رسول کی معرفت اس کے ذکر کو تازہ کرنے کا بیان ہے، اور اس کے ساتھ ہی اس زمانہ کے رسول ﷺ کی نبوت سے متعلق ان لوگوں کے ایک اعتراض کا جواب بیان کیا گیا ہے۔

توحید کے عقیدہ کا ابراہیم علیہ السلام سے وراثت میں چلے آنا

اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے متعلق ایک شبہ کا جواب:

اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میرا ان چیزوں (کی عبادت) سے کوئی تعلق نہیں، جن کی تم عبادت کرتے ہو، سوائے اس کے (کہ اللہ سے تعلق رکھتا ہوں) جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی (میرے دین و دنیا کی مصلحتوں تک) میری رہنمائی کرتا ہے (مطلب یہ کہ ان لوگوں کو ابراہیم علیہ السلام کا حال یاد کرنا چاہئے کہ وہ خود بھی توحید کا عقیدہ رکھتے تھے) اور (وصیت کے ذریعہ سے) وہ اس (عقیدہ) کو اپنی اولاد میں (بھی) باقی چھوڑ گئے (یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی توحید کی وصیت کی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَوَصَّی بِهٖنَا اِبْرٰہِیْمَ بَیِّنٰتٍ﴾ (سورة البقرة آیت ۱۳۲) جس کا کم زیادہ اثر حضور ﷺ کی بعثت کے وقت تک بھی برابر باقی رہا۔ یہاں تک کہ جاہلیت کے زمانہ میں بھی عرب میں بعض لوگ شرک سے نفرت کرتے تھے جیسا کہ تاریخ، سیرتوں اور روایتوں سے ظاہر ہے۔ اور انھوں نے یہ وصیت اس لئے کی تھی) تاکہ (ہر زمانہ میں مشرک) لوگ (توحید کو ماننے والوں سے) توحید کے بارے میں سن سن کر شرک سے باز آتے رہیں اور اس کی طرف متوجہ رہیں (مگر یہ لوگ پھر بھی شرک سے باز نہیں آتے اور اس طرف توجہ نہیں کرتے) بلکہ میں نے (جو) انہیں اور ان کے باپ دادا کو (دنیا کا) خواب سامان دیا ہے (اس میں مشغول ہو کر میرے حکموں اور تعلیموں سے غافل ہو رہے ہیں) یہاں تک کہ (اسی مشغولیت اور غفلت سے بیدار کرنے کے لئے) ان کے پاس سچا قرآن (جو معجزہ ہونے کی وجہ سے اپنے سچا ہونے کی آپ ہی دلیل ہے) اور صاف صاف بتانے والا رسول (اللہ کی طرف سے) آیا اور جب ان کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا (اور اس کا معجزہ ہونا ظاہر ہوا) تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے، اور ہم اسے نہیں مانتے (یہ تو قرآن کے بارے میں کہا) اور (رسول اللہ ﷺ کے بارے میں) کہنے لگے کہ (اگر) یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور رسالت کی حیثیت سے آیا ہے تو ان دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف کے رہنے والوں) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ (یعنی رسول کے لئے عظیم شان والا ہونا ضروری ہے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس مال و دولت اور حکومت نہیں ہے، اس لئے یہ رسول نہیں ہو سکتے، اس شبہ کا سہارا لے کر مقصود رسول ہونے کا انکار کرنا تھا۔ آگے اس شبہ کا رد فرماتے ہیں کہ) کیا یہ لوگ آپ کے رب کی (خاص) رحمت (یعنی نبوت) کو (خود) تقسیم کرنا چاہتے ہیں (یعنی یہ چاہنا کہ نبوت ہماری رائے کے مطابق ملے، گویا خود تقسیم کرنے والا بننے کی ہوس کرنا ہے کہ اس تقسیم کا کام ہمارے حوالہ کیا جائے جبکہ ایسی ہوس کرنا بالکل نادانی ہے، کیونکہ) ان کی روزی دنیاوی زندگی میں (تو) ہم نے (ہی) تقسیم کر رکھی ہے اور (اس تقسیم میں) ہم نے ایک کو دوسرے پر درجوں کے لحاظ سے بلندی دے

رکھی ہے تاکہ اس سے یہ مصلحت حاصل ہو کہ ایک دوسرے سے کام لیتے رہیں (اور دنیا کا نظام چلتا اور قائم رہے) اور (ظاہر اور یقینی بات ہے کہ) آپ کے رب کی (خاص) رحمت (یعنی نبوت) اس (دنیاوی ساز و سامان، مال و متاع اور اس کے تابع ریاست و حکومت اور عزت و مرتبہ) سے بہت زیادہ بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں (چنانچہ جب دنیاوی معیشت کی تقسیم جو کہ ادنیٰ درجہ کی چیز ہے، ان کی رائے پر نہیں رکھی بلکہ مصلحتوں کی رعایت میں وہ بھی عظیم نہیں ہیں، خود اپنی حکمت اور مشیت پر رکھی ہے تو نبوت جو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اور اس کی مصلحتیں بھی سب سے عظیم درجہ کی ہیں، وہ ان کی رائے سے کیسے تقسیم کی جاتی؟ رہا یہ کہنا کہ صلاحیت ہونا تو ضروری ہے اور صلاحیت کی بنیاد مال و ریاست ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عظیم امر کی صلاحیت کی بنیاد عظیم امر ہونا چاہئے) اور (دنیا کی دولت اور عزت و مرتبہ ہمارے نزدیک اتنی معمولی اور حقیر چیز ہے کہ) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ (قریب قریب) سارے لوگ ایک ہی طریقہ کے (یعنی کفر کے) ہو جائیں گے تو جو لوگ رحمن سے کفر کرتے ہیں (اور جن پر اللہ کا سخت غضب ہے، ہم ان (سب) کے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی (چاندی کے کر دیتے) جن پر چڑھتے (اور اترتے) ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے بھی (چاندی کے کر دیتے) اور تخت بھی (چاندی کے کر دیتے) جن پر (وہ) ٹکے لگا کر بیٹھتے ہیں اور (یہی چیزیں) سونے کی بھی (کر دیتے۔ یعنی کچھ چیزیں چاندی کی اور کچھ سونے کی کر دیتے، مگر یہ سامان سارے کافروں کو اس لئے نہیں دیا کہ اکثر طبیعتوں میں مال و متاع، ساز و سامان کی حرص ہوس غالب ہے، اور اس صورت میں جو فرض کی گئی ہے کفر، مال و متاع حاصل کرنے کا یقینی سبب ہوتا۔ لہذا بعض تھوڑے سے لوگوں کے سوا قریب قریب سارے ہی لوگ کفر اختیار کر لیتے، کافروں کے لئے دنیا کو عام نہ کرنے اور بعض کافروں کو مال و دولت نہ دینے اور بعض کو کم دینے میں یہ مصلحت ہے۔ اور اگر یہ مصلحت نہ ہوتی تو ہم ایسا ہی کرتے۔ اور ظاہر ہے کہ دشمن کو قیمتی اور عزت و مرتبہ کی چیزیں نہیں دیا کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا واقعی طور پر کوئی عظیم چیز نہیں ہے، لہذا وہ عظیم منصب یعنی نبوت کی صلاحیت کی بنیاد بھی نہیں ہوگی، بلکہ اس کی صلاحیت کی بنیاد وہ افضل ملک و مہارت ہیں جو اللہ کی طرف سے بہہ کی ہوئی ہوتی ہیں جو محمد ﷺ میں سب سے زیادہ کمال کے درجہ میں جمع ہیں، لہذا نبوت آپ ہی کے لئے مناسب تھی، نہ کہ مکہ اور طائف کے رئیسوں کے لئے) اور (آگے دنیا کے حقیر ہونے کی وجہوں میں سے ایک وجہ جو نہایت ظاہر ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ) یہ سب کچھ (ساز و سامان جس کا ذکر ہوا) صرف دنیا کی زندگی کا چند دن کا سامان ہے (پھر سب کچھ فنا ہو جائے گا) اور آخرت (جو اس کے مقابلہ میں ہے اور ہمیشہ رہنے والی اور باقی رہنے والی ہے) اس لئے اس سے بہتر ہے، وہ) آپ کے رب کے یہاں صرف متقیوں کے لئے ہے (لہذا جو چیز فانی ہو وہ نہ قدر و قیمت کے لائق ہے اور نہ ہی طلب کرنے کے لائق ہے۔ البتہ آخرت جو کہ باقی ہے، وہ اور اس کو حاصل کرنے کے ذریعے یعنی نیک اعمال اور طاعتیں ہیں، وہ بے شک اعتبار

کے قابل ہیں، اس میں بھی مذکورہ جواب کے دوسرے حصہ کی طرف اشارہ ہو گیا جو کہ عظیم امر کے لئے صلاحیت کی بنیاد افضل ملکہ و مہارت ہیں کہ وہ اس کے لئے وقعت کے قابل ہیں کہ وہ آخرت میں کامیابی کے اسباب میں سے ہیں۔ اور عظیم کا سبب بھی عظیم ہی ہوتا ہے، لہذا وہ ملکہ اور مہارت عظیم صفتیں ہیں، جو رسول اللہ ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔

فائدہ: ﴿رَبِّمَا تَعْبُدُونَ﴾ یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو میں ﴿مَا تَعْبُدُونَ﴾ سے مراد بت ہیں اور اگر وہ اللہ کی بھی عبادت کرتے ہوں جیسا کہ اکثر مشرکوں کا طریقہ ہے تب بھی اس وجہ سے کہ وہ عبادت نہ ہونے کے برابر ہے۔ ﴿مَا تَعْبُدُونَ﴾ کے عام ہونے میں اللہ تعالیٰ شامل نہ ہوگا، لہذا اس سے مستثنیٰ ہوگا۔ اور ان کے ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ﴾ الخ کہنے پر ان کے اسی قول سے شبہ نہ کیا جائے کہ ^(۱) انسان اور نبوت ایک دوسرے کے خلاف ہیں، اصل یہ ہے کہ ان کا ایک قول ان کا اصلی عقیدہ تھا اور ایک اس عقیدہ سے ہٹ کر فرض کرنے اور مان لینے کے درجہ میں تھا، اور دونوں بستیوں کی تخصیص اس لئے کی کہ آس پاس اور کوئی شہر نہیں تھا، اور دیہاتوں کے لوگوں کو اس قابل نہیں سمجھا جاتا کہ وہ سلیقہ کی کمی کے علاوہ اکثر مال و دولت اور عزت و مرتبہ میں بھی شہر والوں سے کم ہوتے ہیں، اور آیت میں جو جواب دیا گیا ہے، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نبیوں میں دنیاوی وقعت کا بالکل لحاظ نہیں ہوتا۔ روم کے بادشاہ ہرقل قیصر سے متعلق خود بخاری کی حدیث میں ہے: کذلک الرسل تبعث فی نسب قومها: یعنی اسی طرح رسول اپنی قوم کے اعلیٰ نسب اور اعلیٰ خاندان والوں میں مبعوث ہوتے ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ وقعت ضرورت کے مطابق کافی ہے کہ وہ عام لوگوں کی نظروں میں حقیر نہ سمجھا جائے، جو اتباع سے عار کا سبب ہو جائے، اس سے زیادہ بلندی محض گھمنڈ کی بات ہے اور عزت و مرتبہ کی جو مذمت آئی ہے اس سے بھی دوسرا مرتبہ مراد ہے یعنی وہ مذمت دوسرے مرتبے کی ہے نہ کہ پہلے مرتبہ کی کہ پہلا مرتبہ ان ضروری چیزوں میں سے ہے جن کا حاصل کرنا مقصود و مطلوب ہے۔

اور ﴿لَوْلَا أَنَّ يَكُونُ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ کے ترجمہ کی وضاحت میں جو میں نے لفظ ”قریب قریب“ بڑھا دیئے ہیں، اس سے ایک شبہ کا جواب ہو گیا، جو کہ اس امر کے لازم ہونے پر کیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اب بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اگر انہیں کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کفر اختیار کرنے سے انہیں یقینی طور پر دنیا خوب مل سکتی ہے، اس کے باوجود اگر انہیں کوئی قتل بھی کر دے تب بھی کفر کو ہرگز اختیار نہ کریں۔ جواب کا مقصود یہ ہے کہ الناس سے تمام لوگ مراد ہیں، اس طرح کہ مسلمان اپنے آپ میں بھی کم ہوتے تو الحمد للہ یہ بات نہیں ہے، لہذا اس پر کوئی شبہ نہیں رہا۔

(۱) اس کہنے کا بیان آگے ہے کہ بشر اور نبوت میں منافات ہے۔ مطلب یہ کہ ان کا یہ قول منافات کا تھا، تو اس قول سے یہاں موجود قول ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ﴾ الخ پر تنافی یعنی ایک دوسرے کے خلاف ہونے کا شبہ ہوتا ہے تو مقصود یہ ہے کہ اس تنافی کا شبہ نہ کیا جائے الخ

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۝ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّوهُمْ عَنِ
السَّبِيلِ وَيَجْسُبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ
فَبُئْسَ الْقَرِينُ ۝ وَلَنْ يَنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝
أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْى وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ فَإِنَّمَا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا
مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ۝ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ ۝ فَاسْتَمِيعْ بِالَّذِي أَوْحَىٰ
إِلَيْكَ ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۖ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ۝ وَنَسْأَلُ مَنْ
أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مَنْ رُسُلُنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ ۝

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اور وہ ان کو راہ سے روکتے رہتے ہیں، اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں، یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آوے گا تو کہے گا کہ کاش! میرے اور تیرے درمیان میں مشرق و مغرب کی برابر فاصلہ ہوتا کہ برا ساقی تھا۔ اور جبکہ تم کفر کر چکے تھے تو آج یہ بات تمہارے کام نہ آوے گی کہ تم سب عذاب میں شریک ہو۔ سو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں، راہ پر لاسکتے ہیں؟ پھر اگر ہم آپ کو اٹھالیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں۔ یا اگر ان سے جو ہم نے عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے وہ آپ کو دکھلا دیں تب بھی ہم کو ان پر ہر طرح کی قدرت ہے۔ تو آپ اس قرآن پر قائم رہئے جو آپ پر وحی کے ذریعہ سے نازل کیا گیا ہے۔ آپ بیشک سیدھے راستہ پر ہیں۔ اور یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بڑے شرف کی چیز ہے اور عنقریب تم سب پوچھے جاؤ گے، اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمان کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔

رابط: اوپر تو حید اور رسالت کا انکار کرنے والوں کے کفر اور گمراہی کا بیان تھا۔ اب اس کفر اور گمراہی پر حضور ﷺ کے رنج و ملال کو دور کرنے اور تسلی کے لئے اس گمراہی کی علت اور پھر قیامت میں ان کی ندامت اور نقصان اور ان کی ہدایت کا آپ کے اختیار سے باہر ہونے کا ذکر ہے اور ان کے عذاب و سزا سے نہ بچ سکنے اور قرآن اور اسلام اور تو حید کے نعمت اور حق ہونے کا بیان ہے کہ اسے بھی تسلی میں داخل ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تسلی کا اہتمام:

اور جو شخص اللہ کی نصیحت (یعنی قرآن اور وحی) سے (جان بوجھ کر) اندھا بن جائے (جیسے یہ کافر لوگ ہیں کہ ضروری

علم کے لئے سبب بننے والی کافی دلیلوں کے ہوتے ہوئے جان بوجھ کر جاہل انجان اور غافل بے پروا بنتے ہیں، جیسا کہ فرعونیوں کا حال آیا ہے ﴿يَحَدُّوْنَ بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ﴾ (الخ) ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں، تو وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ (ساتھ رہنے والے شیطان) انہیں (یعنی قرآن سے منہ پھیرنے والوں کو برابر سیدھے) راستہ سے روکتے رہتے ہیں (اور تسلط کا یہی اثر ہے) اور یہ لوگ (سیدھے راستہ سے دور ہونے کے باوجود) یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ہم سیدھے) راستہ پر ہیں (تو جس گمراہی کی یہ صورت اور یہ حالت ہو، اس کے سیدھے راستہ پر آنے کی کیا امید ہے؟ تو پھر غم کیوں کیا جائے؟ اور اس سے بھی تسلی رکھئے کہ ان کی یہ غفلت اور بے پروائی جلدی ہی ختم ہو جائے گی اور جلدی ہی انہیں اپنی غلطی ظاہر ہو جائے گی، کیونکہ یہ لا پرواہی صرف دنیا ہی تک ہے) یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا (اور اس کی غلطی ظاہر ہوگی) تو (اس ساتھی شیطان سے) کہے گا کہ کاش! میرے اور تیرے درمیان میں (دنیا میں) مشرق اور مغرب کے برابر فاصلہ ہوتا (کیوں) کہ (تو تو) برا ساتھی تھا (کہ تو نے مجھے گمراہ کیا مگر یہ حسرت اس وقت کام نہ آئے گی) اور (ان سے کہا جائے گا کہ) جب تم (دنیا میں) کفر کر چکے تھے تو (جس طرح آج حسرت تمہارے کام نہیں آئی، اسی طرح آج یہ بات (بھی) تمہارے کام نہ آئے گی کہ تم (اور شیطان) سب عذاب میں شریک ہو) جیسے دنیا میں بعض اوقات دوسرے کو مصیبت میں شریک دیکھ کر ایک طرح سے تسلی ہو جاتی ہے، وہاں چونکہ عذاب بہت شدید ہوگا، اس لئے دوسرے کی طرف دھیان بھی نہ ہوگا، ہر شخص اپنے حال میں مبتلا ہوگا، اور اپنے آپ کو ہی سب سے زیادہ مبتلا سمجھے گا) تو (جب آپ کو ان کی یہ حالت معلوم ہوگئی کہ ان کی ہدایت کی کوئی امید نہیں تو) کیا آپ (ایسے) بہروں کو سنا سکتے ہیں یا (ایسے) اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو کھلی گمراہی میں (مبتلا) ہیں، سیدھے راستے پر لا سکتے ہیں؟ (یعنی ان کی ہدایت آپ کے اختیار سے باہر ہے، آپ اس فکر میں نہ رہیں) پھر (ان کی یہ نافرمانی اور حد سے گذرنا دور ہونے والا نہیں ہے بلکہ اس پر ضرور عذاب و سزا ہونے والے ہیں، چاہے آپ کی زندگی میں ہو یا آپ کی وفات کے بعد ہو، لہذا) اگر ہم (دنیا سے) آپ کو اٹھالیں تو بھی ہم ان (کافروں) سے بدل لینے والے ہیں۔ یا اگر وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے (آپ کی زندگی میں ان پر نازل کر کے) آپ کو (بھی) دکھادیں تب بھی کوئی بڑی بات نہیں، کیونکہ) ہمیں ان پر ہر طرح کی قدرت ہے (مطلب یہ کہ عذاب ضرور ہوگا، چاہے کبھی بھی ہو، اور جب یہ بات ہے) تو آپ (تسلی رکھئے اور اطمینان سے) اس قرآن پر قائم رہئے جو آپ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے (کیونکہ) آپ بے شک سیدھے راستہ پر ہیں (اور استمساک یعنی پکڑنے اور قائم رہنے میں تبلیغ بھی داخل ہے، مطلب یہ کہ اپنا کام کرتے رہئے دوسروں کے کام کا غم نہ کیجئے) اور یہ (قرآن) جس کو پکڑنے اور جس پر قائم رہنے کو ہم کہتے ہیں) آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بڑی عزت کی چیز ہے (آپ کے لئے تو اس لحاظ سے کہ آپ بلا واسطہ مخاطب ہیں اور قوم کے

لئے اس لحاظ سے کہ وہ واسطہ سے مخاطب ہیں، بادشاہوں کا مخاطب ہونا ظاہر ہے کہ عزت و شرف کا سبب ہے کہاں یہ کہ بادشاہوں کے بادشاہ کا مخاطب بننا۔ قوم سے مراد چاہے قریش ہوں یا عرب ہوں یا ساری امت ہو۔ کہ درجہ بہ درجہ اور آگے پیچھے قرآنی خطاب سب کو ہے، غرض یہ کہ شرف و عزت کا سبب ہونے کی وجہ سے یہ بڑی نعمت ہے (اور جلدی ہی (قیامت کے دن) تم سب سے (اپنے اپنے ذمہ کے واجب حقوق کے بارے میں) سوال کئے جائیں گے (چنانچہ آپ سے صرف تبلیغ کے بارے میں سوال ہوگا، جسے آپ خوب ادا کر چکے ہیں اور ان سے عمل کے بارے میں سوال ہوگا جس میں انھوں نے رکاوٹ ڈالی۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ﴾ اس طرح جب آپ سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا تو پھر آپ غم کیوں کرتے ہیں؟) اور (ہم نے جو اوپر ﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالْأَذَىٰ ۚ اُذِىٰۤىٓ اِلَيْكَ ۚ لَآ اَنۡكَ ۚ عَلٰٓى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيۡمٍ﴾ میں قرآنی تعلیم کو حق فرمایا ہے، اس میں سب سے بڑا اور پہلا معاملہ جس پر ان کافروں سے بحث و جھگڑا ہے، وہ توحید ہے جس کے حق ہونے پر انہیں بڑی بحث اور اعتراض ہے، تو وہ ایسا صحیح معاملہ ہے کہ اس پر تمام نبیوں علیہم السلام کا اجماع و اتفاق ہے جو عقل اور نقل کے لحاظ سے بہت جامع ہیں اور اس حیثیت سے گویا اس پر ہزاروں عقلی و نقلی دلیلیں قائم ہیں۔ چنانچہ اگر آپ کا جی چاہے تو) آپ ان سب رسولوں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے، پوچھ لیجئے (یعنی ان کی کتابوں اور صحیفوں سے تحقیق کر لیجئے جن کا کچھ باقی حصہ موجود ہے) کہ کیا ہم نے اللہ کے سوا (کبھی بھی) دوسرے معبود قرار دیدیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟ (یہ بات دوسرے لوگوں کو سنائی منظور ہے، جس کا جی چاہے تحقیق کر لے اور کتابوں میں دیکھنے کو رسولوں سے پوچھنا مجاز کے طور پر کہہ دیا جیسا کہ مدارک میں ہے اور جیسا کہ ہمارا بھی محاورہ ہے کہ طب کے کسی مسئلہ کو جس کے بارے میں کوئی اختلاف ہوتا ہے اور اس کو مختلف کتابوں میں دیکھا ہو تو کہتے ہیں کہ آؤ بھی! شیخ ابوعلی سینا سے پوچھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اور یہ کہہ کر شیخ کی کتاب القانون کو دیکھنے لگیں)

فائدہ: اگر ﴿نَقِیۡضٌ لَّہٗ شَیۡطٰنًا﴾ یعنی ”اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں“ پر شبہ ہو کہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پر ایک ایک شیطان مقرر ہے پھر ﴿وَمَنْ یَّعۡشُ عَنِ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ﴾ کی کیا تخصیص ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مطلق مسلط کرنا مراد نہیں بلکہ خاص تسلط مراد ہے یعنی جس پر گمراہی ضرور ہی واقع ہو جائے۔ اور حدیث میں مطلق مسلط کرنا مراد ہے اور ساتھی سے مراد ہر وقت کا ساتھی ہے تو یہ بھی کافروں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو شیطان اس سے ہٹ جاتا ہے۔

اور اگر شبہ ہو کہ ﴿وَمَنْ یَّعۡشُ﴾ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حق اور باطل کو جانتے تھے اور ﴿یَحۡسُبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باطل کو حق جانتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے بسی اور مجبوری کی حالت

میں تو حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھتے تھے مگر اختیار کے طور پر باطل کو حق سمجھتے تھے اور باطل پر جنے کے لئے کچھ مصلحتیں گھڑ رکھی تھیں اور ان مصلحتوں کے حاصل کرنے کو ضروری اور ان کی ضرورت کو حق سمجھتے تھے، اور واقعی واصلی حق کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتے تھے جیسا کہ عناد رکھنے والوں کا طریقہ ہوتا ہے۔

اور اگر ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا﴾ میں شبہ ہو کہ یہ آنا تو قیامت کے دن ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس وقت سے پہلے ہی یعنی مرنے کے بعد ہی حق و باطل کھل کر سامنے آجائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت اس سے متعلق پہلے والی علامتوں اور مرحلوں وغیرہ سمیت مراد ہے اور موت قیامت سے پہلے کا ایک مرحلہ ہے، لہذا دونوں کو ایک ہی قرار دے کر ایک کا حکم دوسرے پر جاری کیا جاسکتا ہے، لہذا موت میں واضح ہونے والی باتوں کو قیامت میں واضح ہونا کہا جاسکتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ۝ وَمَا يُرِيدُ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الشَّجَرُ اذْءُكُنَا رَبِّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ إِنَّا لَمُهْتَدُونَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يُقِيمُوا آلُكَيْسَ لِي مَلِكُ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ أَمْ أَمَّا خَيْرٌ مِنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ۝ فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَأُكَةُ مُقْتَرِبِينَ ۝ فَاسْتَنْقَضَ قَوْمُهُ فَاطَّاعُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝ فَلَمَّا اسْفُتْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اُس کے امراء کے پاس بھیجا تھا سو انھوں نے فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں۔ پھر جب موسیٰ اُن کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ یکا یک اُن پر لگے ہنسنے۔ اور ہم اُن کو جو نشانی دکھلاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی اور ہم نے اُن لوگوں کو عذاب میں پکڑا تھا تاکہ وہ باز آجاویں۔ اور انھوں نے کہا کہ اے جادوگر! ہمارے لئے اپنے رب سے اُس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اُس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے ہم ضرور راہ پر آجاویں گے۔ پھر جب ہم نے وہ عذاب اُن سے ہٹا دیا تب ہی انھوں نے عہد توڑ دیا۔ اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی: یہ بات کہی کہ اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت میری نہیں ہے؟ اور یہ نہریں میری پائیں میں بہہ رہی ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ بلکہ میں افضل ہوں اُس شخص سے جو کہ کم قدر ہے اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا۔ تو اُس کے سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا فرشتے اُس کے جلو میں پر اباندہ کرائے ہوتے۔ غرض

اُس نے اپنی قوم کو مغلوب کر دیا اور وہ اس کے کہنے میں آ گئے، وہ لوگ شرارت کے بھرے تھے، پھر جب اُن لوگوں نے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے اُن سے بدلہ لیا اور اُن سب کو ڈبو دیا۔ اور ہم نے اُن کو آئندہ آنے والوں کے لئے خاص طور سے متقدمین اور نمونہ بنا دیا۔

رابطہ: اوپر تسلی کا مضمون ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے اس کی تائید فرماتے ہیں۔ اور اس سے توحید و رسالت کے مضمونوں اور منکروں کی ملامت کی بھی تائید ہوتی ہے جن کا اوپر ذکر ہوا تھا اور اس میں اشارہ ہے کہ کافروں کا ﴿لَوْ لَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ﴾ الخ کہنا فرعون کی پیروی ہے کہ اس نے ان چیزوں کو عظیم سمجھ کر ﴿أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ وَصَرَّ﴾ الخ کہا تھا۔

سابقہ مضمونوں کی تائید میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی دلیلیں (یعنی معجزے عصا اور ید بیضا) دے کر فرعون کے اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا تو انھوں نے (ان لوگوں کے پاس آ کر) فرمایا کہ میں عالموں کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا (تم لوگوں کی ہدایت کے واسطے) رسول ہوں (مگر فرعون اور فرعونوں نے نہیں مانا) پھر (ہم نے دوسری دلیلیں عذاب و سزا کے رنگ میں ان کی نبوت کے اثبات کے لئے ظاہر کیں جن کا سورۃ الاعراف آیت ۱۳۰ ﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالنَّيْنِ وَنَقَّصُوا﴾ الخ میں ذکر ہے۔ مگر ان لوگوں کی پھر بھی یہ حالت رہی کہ) جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس ہماری (وہ) نشانیاں لے کر آئے (جو آیات تسبیح یعنی نو نشانیاں کہلاتی ہیں) تو وہ فوراً ان پر ہنسنے لگے (کہ یہ کیا اچھے معجزے ہیں؟ محض معمولی حادثے اور واقعات ہیں، کیونکہ قحط وغیرہ تو دیسے بھی ہو جاتے ہیں، مگر یہ ان کی حماقت تھی کیونکہ مقامی قرینوں کے ملانے سے ان واقعات کا عجیب اور معمول و عادت کے خلاف ہونا معلوم تھا۔ چنانچہ سورۃ اعراف آیت ۱۳۲ میں ان لوگوں کا ﴿مَهْمَا تَأْتِيَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا﴾ کہنا خود اس کی دلیل ہے) اور (ان نشانیوں کی کیفیت یہ تھی کہ) ہم انہیں جو نشانی دکھاتے تھے، وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی (مطلب یہ نہیں کہ ہر نشانی ہر نشانی سے بڑی تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ سب نشانیاں بڑی تھیں، یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کئی چیزوں کا کمال بیان کرنا چاہتے ہیں تو یوں ہی کہتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر۔ یہ تو عرفی صحت ہے اور جزئی فضیلت سے اس حکم کی عقلی صحت بھی ہو سکتی ہے) اور ہم نے (ان نشانیوں کو واقع کر کے) ان لوگوں کو عذاب میں پکڑا تھا تا کہ وہ (اپنے کفر سے) باز آ جائیں (یعنی وہ نشانیاں نبوت کی دلائل بھی تھیں اور ان کے لئے سزائیں بھی تھیں، جیسا کہ الحازن میں ہے۔ مگر وہ لوگ باز نہ آئے کہ اس کے باوجود ہر نشانی کے واقع ہونے پر اس کا چند بار عہد بھی کیا) اور انھوں نے (موسیٰ علیہ السلام سے ہر نشانی پر یہ) کہا کہ اے جادوگر! (یہ لفظ گزشتہ عادت کے مطابق بدحواسی کی زیادتی میں، ان کے منہ سے نکل جاتا ہوگا، ورنہ گڑ گڑانے کے وقت ظاہری

شرارت ایک طرح سے مشکل ہے، مطلب یہ تھا کہ اے موسیٰ! جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہے) اپنے رب سے ہمارے لئے اس کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے (وہ عہد ہمارے باز آ جانے پر قہر کا دور کر دینا ہے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر آپ اس عذاب کو دور کرادیں تو) ہم ضرور سیدھے راستہ پر آ جائیں گے۔ پھر جب (جب) ہم نے ان سے وہ عذاب ہٹا دیا تو فوراً ہی انھوں نے (اپنا) عہد توڑ دیا (ان نو نشانیوں کا بیان سورۃ اعراف میں آچکا ہے، جن میں بعض واقعات صورت کے لحاظ سے بھی معمولی نہیں تو یا تو ان پر ہنسے نہ ہوں اور جس ہنسے کا اد پر ذکر ہوا ہے، وہ بعض پر ہنسے ہوں۔ جیسے قحط و موسم کا سوکھا پڑنا اور پھلوں کا کم پیدا ہونا جن کے بعد سورۃ اعراف میں ان لوگوں کے ﴿لَنُثَارَ هٰذَا﴾ الخ کہنے کا ذکر ہوا ہے، اور بعد کے واقعات پر صرف گڑ گڑائے ہوں جن کے بعد سورۃ اعراف میں ہے ﴿لَنُثَارَ وَقَعٌ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ﴾ الخ جیسا کہ ان دونوں باتوں کا فرق سورۃ اعراف کی مذکورہ آیتوں کے قائدہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور یا ساری ہی نشانوں پر ہنسے ہوں تو یہ ہو سکتا ہے کہ شروع میں ہنسے ہوں پھر وہ واقعہ شدید اور مدت لمبی ہو گئی ہو تو خوشامد شروع کر دی ہو۔ واللہ اعلم)

اور فرعون نے (شاید اس خیال سے کہ کہیں معجزات قاہرہ دیکھ کر عام لوگ مسلمان نہ ہو جائیں) اپنی قوم میں ایک اعلان کرایا (اور اس اعلان میں) یہ بات کہی (یعنی کہلائی) کہ اے میری قوم! کیا مصر (اور اس کے تابع علاقوں) کی سلطنت میری نہیں ہے؟ اور (دیکھو) یہ نہریں میرے (محل کے) نیچے بہہ رہی ہیں، کیا تم (یہ چیزیں) دیکھتے نہیں ہو؟ (اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس کچھ بھی سامان نہیں تو بتاؤ میں افضل اور اتباع کے قابل ہوں یا موسیٰ علیہ السلام ہیں؟) بلکہ اس شخص (یعنی موسیٰ علیہ السلام) سے میں (ہی) افضل ہوں وہ تو (مال اور عزت و مرتبہ کے اعتبار سے) ذلیل و حقیر (آدمی) ہے، اور وہ کھل کر اپنی بات بھی نہیں کہہ سکتا (اور اگر یہ شخص اپنے آپ کو اللہ کا بھیجا ہوا بتاتا ہے) تو اس کے (ہاتھوں میں) سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے؟ (جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب کسی پر خاص عنایت کرتے ہیں تو اس کو عام دربار میں سونے کے کنگن پہناتے ہیں، چنانچہ راجاؤں میں اب بھی یہ دستور ہے۔ مطلب یہ کہ اگر اس شخص کو نبوت عطا ہوتی تو اللہ کی طرف سے اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہوتے) یا فرشتے اس کے ساتھ صف باندھ کر آئے ہوتے (جیسا کہ خاص شاہی امیروں کا جلوس اسی طرح نکلتا ہے یعنی خصوصیت کی یہ علامتیں ظاہر ہوتیں، حالانکہ یہ اس کی محض حماقت کی باتیں تھیں، کیونکہ نبوت جس قسم کا کمال اور مخصوص مقام ہے اسی قسم کی علامتیں اور دلیلیں اس کے ساتھ موجود ہیں) غرض اس نے ایسی ایسی باتیں کر کے (اپنی قوم کی عقل) کو مغلوب کر دیا اور وہ اس کے کہنے میں آگئے (اور) وہ لوگ (کچھ پہلے سے بھی) شرارت سے بھرے تھے (اس وجہ سے ان میں اس کا اثر زیادہ تھا) پھر جب ان لوگوں نے (برابر کفر اور عناد پر اصرار کر کے) ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا، اور ان سب کو ڈبو دیا، اور ہم نے انہیں آئندہ آنے والوں کے لئے خاص طور کے متقدمین (جیسا کہ خازن میں ہے) اور نمونہ عبرت بنادیا (یہ سلفا کے لئے تفسیر

کے طور پر ہے یعنی خاص قسم کے متقدمین یعنی پہلے والا کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ان کا قصہ یاد کر کے عبرت دلاتے ہیں کہ دیکھو پہلے والوں میں ایسے ایسے ہوئے اور ان کا ایسا ایسا حال ہوا

فائدہ: فرعون کا ﴿لَا يَكَاذُ يُبِينُ﴾ یعنی ”جو کھل کر اپنی بات نہیں کہہ سکتا“ کہنا یہ تو جھوٹ ہے یا آپ کی زبان میں کچھ لکنت رہ گئی ہو یا لکنت بالکل نہ ہو مگر اس میں بہت تیزی اور روانی نہ ہو جیسا کہ خود موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے ﴿أَنِّي هَرُونَ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا﴾ اور اس مضمون کی تحقیق سورۃ طہ آیت ۲۷ و ۲۸ میں گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم

﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝ وَقَالُوا آلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصَصُونَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مِثْلَهُ فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ۝ وَإِنَّهُ لَوَعْدٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُونَ ۝ بِهَا وَاتَّبِعُون ۝ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ وَلَا يَصُدُّكُمْ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُذِبٌ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِإِبْرَاهِيمَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝ إِنْ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابٍ يَوْمِ الْيَوْمِ ۝﴾

ترجمہ: اور جب ابن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا تو کیا ایک آپ کی قوم کے لوگ اُس سے چلانے لگے۔ اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ؟ ان لوگوں نے جو یہ آپ سے بیان کیا ہے تو محض جھگڑنے کی غرض سے بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ عیسیٰ تو محض ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے فضل کیا تھا اور ان کو بنی اسرائیل کے لئے ہم نے ایک نمونہ بنایا تھا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے کہ وہ زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے۔ اور وہ قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں تو تم لوگ اُس میں شک مت کرو اور تم لوگ میرا اتباع کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور تم کو شیطان روکنے نہ پاوے، وہ بیشک تمہارا صریح دشمن ہے۔ اور جب عیسیٰ معجزے لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں اور تاکہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے کر رہے ہو تم سے بیان کروں تو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ بیشک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے تو اُسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ سو مختلف کرو ہوں نے باہم اختلاف ڈال لیا، سو ان ظالموں کے لئے ایک ہر دردوں کے عذاب سے بڑی خرابی ہے۔

رابط: اوپر آیت ﴿وَسُئِلَ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا﴾ میں شرک کو باطل قرار دیا ہے اور اس

سے پہلے بھی جگہ جگہ توحید کے اثبات اور شرک کے باطل کرنے کا مضمون آیا ہے۔ اب اس مضمون سے متعلق کافروں کے عناد والے ایک اعتراض کا جواب ہے جس کا مقصد نصاریٰ یعنی عیسائیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنانا تھا اور اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے عبادت کرنے والا اور ایک معبود کی طرف دعوت دینے والا ہونے کے قصہ سے اصل مقصود یعنی توحید کی تائید ہے۔

اس اعتراض کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے شرک کو باطل قرار دینے کی غرض سے فرمایا: ایس احد یبعد من دون اللہ فیہ خیر: یعنی اللہ کے سوا کسی بھی معبود میں کوئی خیر نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس عموم میں تو عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ حالانکہ ان کے بارے میں خود آپ کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے اور نیک بندے تھے اور ظاہر ہے کہ نصاریٰ نے ان کی عبادت کی ہے، لہذا اگر سچے ہیں تو وہ بھی مشرکوں کے معبودوں کی طرح ہوئے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اسے الدر المنثور نے احمد، ابن ابی حاتم، الطبرانی اور ابن مردویہ کے حوالہ سے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

مطلب یہ کہ اس بنا پر ہمارے معبودوں میں خیر نہ ہونے سے عیسیٰ علیہ السلام میں بھی خیر کا نہ ہونا لازم آتا ہے جب کہ خود آپ عیسیٰ علیہ السلام میں خیر ہونے کے قائل ہیں تو اس سے ہمارے معبودوں سے خیر کی نفی کرنا بھی درست نہیں ہوا۔

اور ان کا اس بحث سے مقصود و امر معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن کے جواب میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے: ایک آپ کے مضمون یعنی شرک کو باطل قرار دینے کا جواب دینا۔ دوسرے عیسیٰ علیہ السلام کے معبود ہونے کے واقع ہونے سے شرک کو ثابت کرنا۔ ان آیتوں میں دونوں کا جواب ہے۔ جواب کے پہلے معاملہ کا حاصل یہ ہے کہ خیر ہونے کی نفی جس سے مقصود شرک کو باطل قرار دینا ہے، اللہ کے علاوہ کے معبود ہونے کا تقاضا ہے۔ اور رکاوٹ کے وقت تقاضا مؤثر نہیں ہوتا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام میں رکاوٹ موجود ہے۔ اور جواب کے دوسرے معاملہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ معبودیت کا واقع ہونا اس لئے حجت نہیں کہ اس کا کوئی صحیح مقصد نہیں بلکہ یہ خود عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہے اور جو امور عبادت کرنے والوں کے شبہ کے مقصد سے تھے، ان کا بھی جواب دیدیا۔

توحید کے معاملہ میں مشرکوں کی بحث کی تردید اور تائید کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا بیان:

اور جب (عیسیٰ) ابن مریم (علیہ السلام) سے متعلق (اعتراض کرنے والے کی جانب سے) ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا (جس کی تفصیل تمہید میں بیان کی گئی ہے۔ اور اس اعتراض کو عجیب اس لئے فرمایا کہ سرسری نظر سے اس کا باطل ہونا خود انہیں معلوم ہو سکتا تھا۔ لہذا عقل و سمجھ ہوتے ہوئے ایسا اعتراض کرنا بہت عجیب بات ہے۔ غرض جب وہ اعتراض کیا گیا) تو فوراً آپ کی قوم کے لوگ اس (اعتراض کے سننے) کی وجہ سے (خوشی کے مارے) شور مچانے لگے اور (اس اعتراض کرنے والے کے ساتھ اتفاق کر کے) کہنے لگے کہ (بتائیے، آپ کے نزدیک) ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا

عیسیٰ (علیہ السلام) بہتر ہیں؟ اس سوال سے مقصود خبر دینا ہے کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً بہتر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے اس قول: ایسے ایک بعد الخ کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں بالکل بھی بھلائی نہ ہو اور جب وہ بہتر ہیں تو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے معبود میں خیر نہ ہونا ثابت نہیں ہوا، لہذا اللہ کے علاوہ کی عبادت کا باطل ہونا ثابت نہیں ہوا، بلکہ جن کو آپ خیر کہتے ہیں خود ان کی بھی عبادت ہوئی ہے اس لئے شرک کا صحیح ہونا ثابت ہو گیا۔

آگے اس اعتراض کا جواب ہے۔ پہلے مختصر انداز میں اور پھر تفصیل کے ساتھ۔ مختصر انداز میں تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے جو یہ (عجیب مضمون بیان کیا ہے تو آپ سے یہ بات) صرف بحث کرنے کی غرض سے کہی ہے (نہ کہ حق طلب کرنے کی غرض سے، ورنہ خود ان پر اس مضمون کا باطل ہونا ڈھکا چھپا نہیں رہتا، اور ان لوگوں کا بحث و مباحثہ کرنا اور جھگڑا کرنا کچھ اسی مضمون کے ساتھ مخصوص نہیں) بلکہ یہ لوگ (اپنی عادت سے) صرف جھگڑا لو ہیں (کہ اکثر حق امور میں بحث و جھگڑے کرتے رہتے ہیں۔

آگے تفصیلی جواب یہ ہے۔ یعنی) عیسیٰ (علیہ السلام) تو صرف ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے (مقبولیت اور نبوت کے کمالوں سے اپنا) فضل کیا اور انہیں (پہلے) بنی اسرائیل کے لئے (اور پھر دوسروں کے لئے بھی ہم نے اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنایا تھا (تاکہ لوگ استدلال کریں کہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح پیدا کرنا بھی کچھ مشکل نہیں، اس سے دونوں باتوں کا جواب نکل آیا۔ پہلی بات کا جواب اس طرح کہ ان کا ایسی ذات ہونا جس پر انعام کیا جائے، خیر سے خالی ہونے کے لئے رکاوٹ ہے، لہذا اس رکاوٹ کی وجہ سے وہ تقاضا یعنی اللہ کے سوا کسی کا معبود ہونا خیر سے خالی ہونے میں مؤثر نہیں ہوا۔ بتوں کے برخلاف کہ وہاں تقاضا بغیر رکاوٹ کے موجود ہے اور برخلاف شیطانوں کے کہ وہاں ایک دوسرا تقاضا بھی خیر نہ ہونے کا یعنی ان کا کفر موجود ہے، لہذا خیالی و گھڑے ہوئے معبودوں سے خیر ہونے کی نفی عیسیٰ علیہ السلام میں خیر ہونے کی نفی کے لئے لازم نہیں ہوئی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام میں خیر کا وجود معبودوں میں خیر ہونے کی نفی کے صحیح نہ ہونے کے حکم کے لئے لازم نہیں ہوا۔ اور اس سے دوسرے امر کا جواب اس طرح ہوا کہ مطلق خیر ہونا معبود ہونے کے لئے لازم نہیں، کیونکہ ان کا خیر ہونا یہی تھا کہ وہ ایسے بندے تھے کہ جن پر انعام کیا گیا تھا۔ لہذا وہ خیر ہونے کے باوجود بندہ تھے اور ان کے خیر ہونے کی بنیاد ایسا بندہ ہونا تھی جس پر انعام کیا گیا۔ یہاں ان کے معبود ہونے کا واقع ہونا تو اس سے شرک کے صحیح ہونے پر استدلال کرنا اس لئے غلط ہے کہ اس کا کوئی منشاء صحیح نہیں، جاہلوں کو ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے شبہ ہو گیا تو خود اس میں منشاء ہونے کی صلاحیت نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے، ایسی پیدائش محض مصلحتوں کی وجہ سے ہوئی تھی۔ ایک حکمت تو یہ کہ ہماری مطلق قدرت پر استدلال ہو کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے تو اس سے ان کے معبود ہونے پر استدلال کرنا نہایت ناتجہی اور بددماغی ہے) اور (ہمیں تو اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب امور کی قدرت ہے۔ چنانچہ) اگر ہم

چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے (جس طرح تم سے تمہارے بچے پیدا ہوتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَخُلِقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَنَتْ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ (سورة النساء آیت ۱) کہ وہ زمین پر (انسان کی طرح) ایک کے بعد ایک رہا کرتے (یعنی پیدائش بھی آدمیوں کی طرح ہوتی اور موت بھی آدمیوں کی طرح ہوتی اور یہ بغیر باپ کے عیسیٰ کی پیدائش سے زیادہ عجیب ہے، کیونکہ بغیر باپ کے پیدائش بلکہ بغیر باپ اور ماں کے پیدائش ان سے پہلے ایک انسان یعنی آدم علیہ السلام کی ہو بھی چکی ہے، لہذا نوع انسانی سے یہ صفت کچھ زیادہ مشکل نہیں، برخلاف اس امر کے کہ فرشتوں کی پیدائش اور وفات اس طرح کبھی واقع نہیں ہوئی، لہذا یہ ان کی نوع سے زیادہ مشکل ہے مگر اللہ اس کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ لہذا بغیر باپ کی اس پیدائش سے عیسیٰ علیہ السلام قدرت میں ہونے اور بنائے ہوئے ہونے سے باہر نہیں ہوئے اور بنایا ہوا ہونا اور قدرت میں ہونا معبود ہونے کے خلاف ہے۔ لہذا یہ امر عیسیٰ (علیہ السلام) کے صحیح معبود ہونے کا منشاء نہیں ہو سکتا بلکہ اس طرح پیدا ہونے میں بعض حکمتیں تھیں جن میں سے ایک کا ﴿وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا﴾ الخ میں ذکر ہو چکا) اور (دوسری حکمت یہ تھی کہ) وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام اس طرح پیدا ہونے میں) قیامت کے (امکان کے) یقین کا ذریعہ ہیں (اس طرح کہ قیامت میں دوبارہ پیدا ہونے میں اس کے سوا اور کیا مشکل ہے کہ عادت کے خلاف ہوگا تو اس واقعہ سے حق تعالیٰ کا عادت کے خلاف کام کرنے کی قدرت رکھنا ثابت ہو گیا، لہذا بعثت کی صحت کا علم ہو گیا۔

اور چونکہ مشرک لوگ توحید کی طرح خود قیامت کے بارے میں بھی شک کرتے تھے، اس لئے دوسری حکمت کے مضمونوں کی مناسبت سے مذکورہ شبہ کے جواب کے بعد قیامت کے صحیح ہونے کو بھی جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ جب تم نے بغیر باپ کے اکیلی ماں سے عیسیٰ کے پیدا کئے جانے کے واقعہ کی بنیاد پر بعثت کا صحیح ہونا سن لیا) تو تم لوگ اس (کے صحیح ہونے) میں شک مت کرو اور (توحید اور بعثت میں، جن سے متعلق میں نے یہاں دلیلیں قائم کی ہیں اور اسی طرح دوسرے عقیدوں میں بھی جن پر دوسری جگہ دلیلیں قائم کی ہیں) تم لوگ میرا اتباع کرو۔ یہ (تمام باتوں کا مجموعہ جس کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں) سیدھا راستہ ہے، اور تمہیں (اس راستہ پر آنے سے) شیطان روکنے نہ پائے۔ وہ بے شک تمہارا کھلا دشمن ہے۔

یہاں تک مشرکوں کی طرف سے عیسیٰ کے معبود ہونے پر شرک کے صحیح ہونے پر کئے گئے استدلال کا جواب تھا۔ آگے خود عیسیٰ علیہ السلام کے دعوت کے مضمون سے توحید کے اثبات اور شرک کے باطل ہونے کی تائید ہے) اور جب عیسیٰ (علیہ السلام کھلے کھلے) معجزے لے کر آئے تو انھوں نے (لوگوں سے) کہا کہ میں تمہارے پاس سمجھ داری کی باتیں لے کر آیا ہوں (تاکہ تمہارے عقائد کی اصلاح کروں) اور (اس لئے آیا ہوں) تاکہ تم سے (اعمال اور حرام و حلال کی باتوں میں سے) بعض وہ باتیں بیان کروں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو (جس سے اختلاف اور شبہ دور ہو جائے اور یہ اسی

طرح کی بات ہے جیسے سورۃ آل عمران آیت ۵۰ میں ارشاد ہے ﴿وَلَا جُنْدٍ لَّكُمْ بَعْضُ الَّذِي هُوَ عَلَيْكُمْ﴾ اور چونکہ بنی اسرائیل میں ایک دوسرے کے عیب ڈھونڈنے اور عناد و دشمنی کا غلبہ تھا، اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کسی نے حلال کو حرام اور کسی نے حرام کو حلال کر لیا ہو، عیسیٰ علیہ السلام کے بیان سے دونوں کی تحقیق ہوگئی، اور چونکہ بعض امور اپنی اصلی حالت پر بھی ہوں گے۔ اس لئے لفظ ”بعض“ فرمایا۔ اور ابن کثیر نے یہ تفسیر کی ہے کہ جن امور میں اختلاف تھا وہ مختلف تھے، بعض دنیاوی، بعض دینی۔ نبیوں کا کام دینی امور کا بیان ہے نہ کہ دنیاوی امور کا، اس لئے لفظ ”بعض“ فرمایا۔ آگے مذکورہ دلیلوں اور مقصودوں کے ساتھ آنے پر اس طرح توجہ دلائی ہے کہ جب میں اس طرح آیا ہوں تو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور (میری نبوت کا انکار نہ کرو کہ یہ اللہ کی مخالفت ہے) اور میرا کہنا مانو (کہ نبوت کی تصدیق کے لئے لازم ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی کہا کہ) بے شک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے تو (صرف) اسی کی عبادت کرو (اور) یہی (توحید) سیدھا راستہ ہے تو (عیسیٰ علیہ السلام کے واضح طور پر توحید کے بیان کے باوجود پھر بھی) مختلف گروہوں نے (اس بارے میں) آپس میں اختلاف کیا (یعنی توحید کے خلاف طرح طرح کے مذہب گھڑ لئے، چنانچہ توحید کے معاملہ میں نصاریٰ اور غیر نصاریٰ کا اختلاف بھی معلوم ہے) تو ان خالموں (کتاب والے اور غیر کتاب والے مشرکوں) کے لئے ایک دردناک دن کے عذاب سے بڑی تباہی (ہونے والی) ہے (لہذا عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعوت سے خود توحید کی تائید ہوگئی۔ پھر اعتراض کرنے والے کا عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرنے والوں سے شرک کے صحیح ہونے پر استدلال کرنا اس مثل کا مصداق ہے، مدعی ست گواہ چست!)

فائدہ: الحمد للہ! یہ آیتیں امید سے زیادہ حل ہو گئیں، اور بندہ نے اس کی تقریر میں یہ مشہور بات نہیں لی کہ جب ﴿إِنَّا نَكُفُّ عَنْكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ﴾ (سورۃ الانبیاء آیت ۹۸) نازل ہوئی تو ابن الزبیری نے اعتراض کیا کہ یہ حکم عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی ثابت ہونا چاہئے، اس پر یہ آیت اور سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۱ ﴿إِنَّ الدِّينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ﴾ الخ نازل ہوئی۔ اس شان نزول کو نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ اس بیان پر یہ لازم آتا ہے کہ سورۃ الانبیاء کی آیت ﴿إِنَّا نَكُفُّ عَنْكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ﴾ پہلے نازل ہوئی اور اوپر والی آیت ۵۷ ﴿لَنُصْرِبَنَّ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَىٰ مِثْلِ مَا كُنَّا فَعَلْنَا لِبَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ بعد میں نازل ہوئی، حالانکہ اتفاق میں سورۃ الزخرف کا سورۃ الانبیاء سے پہلے نازل ہونا قرار دیا ہے اور بندہ کے بیان پر یہ اشکال نہیں ہوتا۔ اور چونکہ مشہور بیان بھی (۱) بعض روایتوں کی بنیاد پر ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ الزخرف کا سورۃ الانبیاء سے پہلے نازل ہونا اکثر آیتوں کے اعتبار سے ہوگا، اور یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں دیا، کیونکہ روح المعانی نے سورۃ الانبیاء کی تفسیر میں آپ کا جواب سند کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ:

(۱) یعنی بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ شان نزول یہ ہے۔

ہل ہم عبدوا الشیاطین الی امرہم بذلك: یعنی ”انھوں نے ان شیطانوں کی عبادت کی جنھوں نے انہیں اس کا حکم دیا جس کا حاصل غور کرنے سے اسی بیان کی طرف لوٹتا ہے جو تفسیر میں لکھا گیا ہے، اور اگر اس آیت سے قطع نظر کر لی جائے تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ اعتراض میں بگاڑ و فساد ظاہر تھا اور اس کی بنیاد محض عناد پر تھی، اس لئے جواب کی تصریح کی ضرورت نہیں تھی، اگرچہ جواب دینا جائز تھا۔ اور اسی جائز ہونے کی بنیاد پر قرآن میں نازل ہوا اور اگرچہ ”لَا تَنْکُمُ وَمَا تَعْبُدُونَ“ کا نازل ہونا پہلے مان لیا جائے تو ایک ظاہر جواب یہ بھی نکلے گا کہ لفظ ”مَا“ زیادہ تر بے عقل چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس لئے یہ جمادات وغیرہ کے ساتھ خاص ہوگا، واللہ اعلم۔ اور بندہ نے سورہ مریم میں آیت ۳۶ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا اللَّهَ﴾ کو اس مقام کے تقاضے کے مطابق محمد رسول اللہ ﷺ کے قول پر محمول کیا ہے تو چونکہ تمام نبیوں کی دعوت ایک ہی تھی، اس لئے یہاں اور وہاں میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ الْأَخِلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝ يُعْبَادُ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَخْزُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِصَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۝ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۝ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ إِنَّ الْمَجْرُمِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝ لَا يُفْعَلُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْسَوُونَ ۝ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ۝ وَنَادَوْا بِمَلِكٍ لِيَقْضِيَ عَلَيْهِمْ تَارِيكَ فَقَالَ إِنَّكُمْ فَكْرَتُونَ ۝﴾

ترجمہ: یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر دفعۃً آپڑے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ تمام دوست اُس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جاویں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے۔ اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے۔ یعنی وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور فرمانبردار تھے، تم اور تمہاری بیبیاں خوش بخوش جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اُن کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جاویں گے اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنادیے گئے اپنے اعمال کے عوض میں۔ تمہارے لئے اُس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے کھا رہے ہو۔ بیشک نافرمان لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور اُن سے ہلکانہ کیا جاوے گا اور وہ اُسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن یہ خود ہی ظالم تھے۔ اور پکاریں گے کہ اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دے۔ وہ جواب دے گا کہ تم

ہمیشہ اسی حال میں رہو گے۔

رابطہ: اور پر قریب ہی کی آیت ﴿قَوْلِي لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ الخ میں مشرکوں کو ملامت اور قیامت کے دن کی دھمکی تھی اور اس سے اوپر ﴿وَأَنَّهُ لَعَلُّمَ لِّلشَّاعِقِ﴾ میں اور اس سے اوپر ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا﴾ الخ میں اس دن کا ذکر تھا۔ اب اس دن سے کافروں کو ڈرایا جا رہا ہے اور دونوں فریقوں کے لئے وعدہ اور وعید کا ذکر ہے۔

کافروں کو قیامت کی دھمکی اور خوش نصیبوں اور بد نصیبوں کی جزا و سزا:

یہ لوگ (جو حق کے واضح ہونے کے باوجود باطل پر اصرار کر رہے ہیں تو) بس قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر اچانک آپڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو (انکار کے باوجود انتظار سے مجاز کے طور پر یہ مراد ہے کہ ان کا استدلال کونہ ماننا، اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جو آنکھوں سے دیکھنے کے انتظار میں ہو کہ دیکھنے کے بعد ہی مانوں گا۔ اور ﴿لَا يَشْعُرُونَ﴾ کے یہ معنی ہیں کہ اگرچہ برزخ میں قیامت کا یقین ہو جائے گا لیکن عین یقین اور حق یقین کی حد تک حالات زیادہ کھل کر قیامت ہی میں سامنے آئیں گے جو پہلے نہیں تھے، اس لئے ^(۱) شعور کی نفی کر دی، اور اس دن کے واقعات یہ ہیں کہ) اس دن تمام (دنیاوی) دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے، سوائے متقی لوگوں (یعنی ایمان والوں) کے (کیونکہ اس دن باطل کی دوستی کا نقصان محسوس ہوگا۔ تو یقینی طور پر باطل سے کراہت اور دوستوں سے نفرت ہوگئی، کہ یہ لوگ نقصان کا سبب ہوئے اور حق کی دوستی کا نفع و ثواب محسوس ہوگا، اس لئے وہ باقی رہے گی، اور ان مومنوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے پکارا جائے گا کہ) اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف (کی بات واقع ہونے والی) نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے، یعنی وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور (علم اور عمل کے اعتبار سے ہمارے) فرماں بردار تھے، تم اور تمہاری (ایمان والی) بیویاں خوشی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ (اور جنت میں جانے کے بعد ان کے لئے یہ ہوگا کہ) ان کے پاس سونے کے تھال (کھانے کی چیزوں سے بھرے ہوئے) اور پیالے (پینے کی چیزوں سے بھرے ہوئے سونے کے یا کسی اور چیز کے) لائے جائیں گے (یعنی غلامان لائیں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يُطَوَّفُ عَلَيْهِمْ خَمْرٌ وَلَدَانٌ مُّخَلَّدُونَ﴾) اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا، اور جو آنکھوں کو اچھی لگیں گی، اور (ان سے کہا جائے گا کہ) تم یہاں ہمیشہ رہو گے اور (یہ بھی کہا جائے گا کہ) یہ وہ جنت ہے جس کا تمہارے اعمال کے بدلے میں تمہیں مالک بنادیا گیا (اب تم سے یہ چیزیں کبھی واپس نہیں لی جائیں گی اور) تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے تم کھا رہے ہو (یہ تو ایمان والوں کا حال ہوا۔ آگے کافروں کا ذکر ہے کہ) بے شک نافرمان (یعنی کافر) لوگ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں رہیں گے، وہ

(۱) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہفتہ کا حکم نفس وقوع کے اعتبار سے نہ ہو جیسا کہ اوپر کی توجیہ میں تھا، بلکہ وقوع کے وقت کے اعتبار سے ہو، کیونکہ برزخ میں وقت کی تعین کا علم ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ محش

(عذاب) ان (پر) سے ہلکانہ کیا جائے گا، اور وہ اسی (عذاب) میں مایوس پڑے رہیں گے۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (کہ) اور ہم نے ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کیا (کہ ناحق عذاب دیا ہو) لیکن یہ خود ہی ظالم تھے (کہ انھوں نے کفر اور شرک کر کے اپنا نقصان کر لیا) اور (آگے ان کے باقی حال کا بیان ہے کہ جب نجات سے بالکل مایوس ہو جائیں گے اس وقت موت کی تمنا کریں گے، اور ”مالک نامی“ جہنم کے داروغہ فرشتے کو) پکاریں گے کہ اے مالک! تم ہی دعا کرو کہ تمہارا پروردگار (ہمیں موت دے کر) ہمارا کام ہی تمام کر دے، وہ (فرشتہ) جواب دے گا کہ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے (نہ نکلو گے نہ مرو گے)

فائدہ: ایمان والوں کے لئے خوف اور رنج و غم کا نہ ہونا اور جنت میں داخل ہونا وغیرہ فرمایا ہے، یہ گنہ گاروں کی سزا کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ایمان اور یہ امور کلی مشکل ہیں، ایمان کامل پر پہلے ہی مرحلہ میں جنت میں داخلہ ہوگا جب کہ مطلق ایمان پر مطلق (کسی بھی وقت) داخلہ ہوگا۔ اسی طرح سمجھ لو، اور ﴿مُبَلِّسُونَ﴾ یعنی مایوس پڑے رہنے اور پکارنے کی وضاحت سے وہ شبہ جاتا رہا جو بعض لوگوں کو ہوا ہے کہ ناامیدی و مایوسی میں پکارنے سے کیا فائدہ!

﴿لَقَدْ جِئْتَكُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كِرْهُونَ ۖ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ۖ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سُرُّهُمُ وَنَجْوَاهُمْ مَّبْلً وَرُسُلَنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُوبُونَ ۖ قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَكَدَّةٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعُمَّدِينَ ۖ سُبْحَنَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۖ قَدْ رَهُمَ يَخْوضُونَ وَيَلْعَبُونَ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ۖ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهُ ۖ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهُ ۖ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۖ وَتَبَرَّكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۖ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۖ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۖ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ۖ وَقِيلَ لَهُ يَرْبِّ إِنَّا هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ۖ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۖ﴾

ترجمہ: ہم نے سچا دین تمہارے پاس پہنچایا لیکن تم میں اکثر آدمی سچے دین سے نفرت رکھتے ہیں۔ ہاں! کیا انھوں نے کوئی انتظام درست کیا ہے؟ سو ہم نے ایک انتظام درست کیا ہے۔ ہاں کیا ان لوگوں کو یہ خیال ہے کہ ہم ان کی چکی چکی باتوں کو اور ان کے مشوروں کو نہیں سنتے؟ ہم ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے اُن کے پاس ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں۔ آپ کہئے کہ اگر خدائے رحمان کے اولاد ہو تو سب سے اول اُس کی عبادت کرنے والا میں ہوں۔ آسمانوں اور زمین کا مالک جو کہ عرش کا بھی مالک ہے، اُن باتوں سے منزہ ہے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں۔ تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں

رہنے دیجئے یہاں تک کہ اُن کو اپنے اُس دن سے سابقہ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی قابل عبادت ہے اور زمین میں بھی قابل عبادت ہے اور وہی بڑی حکمت والا اور بڑے علم والا ہے۔ اور وہ ذات بڑی عالیشان ہے جس کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو اُن کے درمیان میں ہے اُس کی سلطنت ثابت ہے اور اُس کو قیامت کی خبر ہے اور تم اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ اور خدا کے سوا جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے، ہاں جن لوگوں نے حق بات کا اقرار کیا تھا اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے، اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا؟ تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے، سو یہ لوگ کدھرا لٹے چلے جاتے ہیں؟ اور اُس کو رسول کے اس کہنے کی بھی خبر ہے کہ اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے، تو آپ اُن سے بے رُخ رہئے اور یوں کہہ دیجئے کہ تم کو سلام کرتا ہوں سو اُن کو ابھی معلوم ہو جاوے گا۔

رابطہ: اوپر کافروں اور مشرکوں کو عذاب دیئے جانے کا تفصیل کے ساتھ اور جرم کا مختصر انداز میں ذکر تھا۔ اب خاتمہ میں جرم کا تفصیل کے ساتھ اور عذاب کا مختصر انداز میں ذکر ہے۔ چنانچہ اوپر ﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ﴾ کا مختصر ہونا اور ﴿فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ﴾ سے ﴿إِنَّكُمْ فَكُتُونَ﴾ تک تفصیل کے ساتھ ہونا۔ اور آگے ﴿يُلْقُوا يَوْمَئِذٍ فِي أُنْجُسٍ﴾ اور ﴿وَالْيَوْمِ﴾ ﴿تُرْجَعُونَ﴾ اور ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ کا مختصر طور پر ہونا اور باقی آیتوں میں جرموں کا تفصیل کے ساتھ ہونا ظاہر ہے اور ان دو جرموں کا حاصل دو امر ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور رسول کی مخالفت کرنا۔ بلکہ دونوں امر کے تعلق سے رُخ پھیرے رہنے اور ترک کر دینے و چھوڑ دینے کا مضمون تسلی کے طور پر آگیا ہے، اور شفاعت وغیرہ کی نفی کا مضمون عذاب کی تاکید کے لئے آگیا ہے۔

کافروں کے جرائم کی تفصیل جہنم کے عذاب کی علت کے طور پر:

(اور ان مذکورہ عذابوں کی علت یہ ہے کہ) ہم نے تمہارے پاس سچا دین پہنچایا (جس میں سب سے عظیم رکن توحید اور رسالت کا اعتقاد ہے) لیکن تم میں سے اکثر لوگ سچے دین سے نفرت رکھتے ہیں ("اکثر" یا تو اس لئے کہا کہ بعض لوگ اللہ کے علم میں آئندہ ایمان لانے والے تھے اور یا اس لئے کہ کراہت بعض کو تھی اور بعض محض باطل کی تقلید میں حق کو چھوڑنے والے تھے، لہذا اس صورت میں کراہت یعنی نفرت سے مراد طبعی کراہت و نفرت ہوگی، اور پہلی صورت میں نفرت اعتقادی ہوگی، اور حق سے نفرت میں اللہ کے ساتھ شرک اور رسول کی مخالفت دونوں آگئے۔ آگے ان کی تفصیل ہے کہ) تو کیا انھوں نے (رسول کو نقصان پہنچانے کے بارے میں) کوئی ٹھیک انتظام کیا ہے؟ تو ہم نے بھی ایک ٹھیک انتظام کیا ہے (اور ظاہر ہے کہ اللہ کے انتظام کے سامنے ان کا انتظام نہیں چل سکتا، چنانچہ آپ محفوظ اور وہ لوگ ناکام رہے، اور آخر میں بدر کی جنگ میں ہلاک ہوئے، اس کا تفصیلی ذکر سورۃ الانفال آیت ۳۰ ﴿وَاذْكُرْ يٰۤأَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ الخ

میں گذر چکا ہے) تو کیا ان لوگوں کا (جو آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے چوری چھپے تدبیریں کرتے ہیں) یہ خیال ہے کہ ہم ان کی راز کی باتوں کو اور ان کے (چوری چھپے کئے ہوئے) مشوروں کو نہیں سنتے؟ (کہ اگر ہمیں سننے والا سمجھتے ہیں تو پھر ایسی جرات کیوں کرتے ہیں؟ تو ﴿يَحْسَبُونَ﴾ میں یہ خیال مجاز کے طور پر ہوگا اور ممکن ہے کہ بعض بد دماغ لوگ حقیقت میں ایسا سمجھتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نہیں سنتا۔ جیسا کہ آیتوں کے نازل ہونے کے بعض اسباب سے معلوم ہوتا ہے اور روح المعانی نے سورہ مجادلہ میں ابن سراقہ سے نقل کیا ہے کہ دو لوگوں کے درمیان گفتگو ہونا مسوہ ہے اور دو سے زیادہ میں نجوی ہے۔ آگے ان کے اس خیال کو رد فرماتے ہیں کہ ہم ضرور سنتے ہیں اور (اس کے علاوہ) ہمارے فرشتے (اعمال کو لکھنے والے) ان کے پاس ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں (چاہے اس کی ضرورت نہ ہو، مگر مصلحت ہے کہ لوگوں کی عام عادت کے مطابق مجرم کے سلسلہ میں پولیس کی رپورٹ حجت میں خود حاکم کے معائنہ سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ یہ تو ان کی رسول کی مخالفت کا بیان ہوا۔ آگے اس مختصر بیان کی تفصیل کے دوسرے حصہ یعنی اللہ کے ساتھ شرک کا ذکر ہے۔ لہذا اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے رسول ﷺ آپ (ان مشرکوں سے) کہئے کہ (تم جو اپنے بعض شرک والے اقوال میں حق تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہو، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ تو) اگر (بالفرض محال ایسا ہو، یعنی) اگر رحمن کے اولاد ہو تو سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں (جس طرح تم فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہو، اسی طرح بیٹا ہونے کی صورت میں، میں بھی عبادت کرتا۔ مطلب یہ کہ مجھے تمہاری طرح حق بات کے ماننے سے انکار نہیں۔ اگر تم ثابت کر دو تو سب سے پہلے اس کو میں مانوں اور جب اس کو اللہ کا بیٹا مان لوں تو چونکہ اللہ کی اولاد بھی معبود ہی ہونی چاہئے اور اللہ عبادت کا مستحق ہے، اس لئے میں اس کی عبادت بھی کروں۔ مگر چونکہ یہ امر بالکل باطل ہے۔ اس لئے میں نہیں مانوں گا، اور نہ ہی عبادت کروں گا۔ اور اس میں باطل ہونے کی وجہ کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ معبود ہونا وجود کے واجب ہونے کی خاصیتوں میں سے ہے، لہذا اگر کوئی اللہ کا بیٹا ہوگا تو وجود کا واجب ہونا اس کے لازمی امور میں سے ہے، اس لئے وہ معبود ہونے کا مستحق ہوگا، اور وجود کے واجب ہوئے بغیر محض جہالت ہے، اس کی پوری وضاحت سورہ البقرہ آیت ۱۱۶ ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ کے شرک سے پاک ہونے کا بیان ہے (یعنی) آسمانوں اور زمین کا مالک جو کہ عرش کا بھی مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے۔ جو یہ (مشرک) لوگ (اس کے سلسلہ میں) بیان کر رہے ہیں (یہ ان کے دوسرے عظیم جرم کا بیان ہو گیا۔ آگے ان بڑی بڑی دلیلوں کے باوجود جرموں پر ان کے اصرار پر نتیجہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ حق کے واضح ہونے کے باوجود اپنے عناد سے باز نہیں آتے) تو آپ انہیں انہی بے ہودہ کاموں اور کھیل

و تفریح میں لگے رہنے دیجئے، یہاں تک کہ انہیں اپنے اس دن سے واسطہ پڑ جائے۔ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (اس وقت سب حقیقت معلوم ہو جائے گی اور رہنے دینے کا یہ مطلب نہیں کہ تبلیغ نہ کیجئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کی مخالفت کی پروا نہ کیجئے۔ اور ان کے ایمان نہ لانے سے غمگین نہ ہوں، اور اس کے باوجود کہ ﴿فَذَرْهُمْ﴾ کا مقصد ان کی موت کا وقت ہے، مگر چونکہ موت کا دن اس دن کا پہلا مرحلہ ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے، اس لئے حکم کے طور پر دونوں کو ایک قرار دے کر وعدہ کے دن کو غرض و مقصد کہہ دیا گیا) اور (آگے شرک کے جرم کی تاکید کے لئے توحید کی تاکید ہے کہ انہوں نے ایسے امر میں مخالفت کی جو دلیلوں سے ثابت ہے اور جرم کی تاکید کے ساتھ عذاب و سزا کی تاکید کے لئے بھی مفید ہے، اس طرح کہ حکومت اور تصرف میں وہی مستقل ہے، اس کے مجرم کو کوئی اس پر غالب ہو کر نہیں چھڑا سکے گا۔ چنانچہ بعد کے الفاظ میں غور کرنے سے دونوں تاکیدیں سمجھ میں آتی ہیں۔ غرض ارشاد ہوتا ہے کہ) وہی ذات ہے جو آسمانوں میں بھی (آسمان والوں کی) عبادت کے قابل ہے اور زمین میں بھی (زمین والوں کی) عبادت کے قابل ہے اور وہی بڑی حکمت والا اور بڑے علم والا ہے (اور علم و حکمت میں اس کا کوئی شریک نہیں، لہذا معبود ہونا بھی اسی کے ساتھ خاص ہے۔ یہ پہلے والی دلیل کے درجہ میں ہے) اور وہ ذات بڑی عالی شان والی ہے جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ (مخلوق) ان کے درمیان میں ہے اس کی بادشاہی ثابت ہے اور (علم ایسا کامل ہے کہ) اسے قیامت کی (بھی) خبر ہے (جس کی کسی مخلوق کو خبر نہیں) اور (جزا و سزا کا مالک بھی وہی ہے چنانچہ) تم سب اس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (اور اسے حساب دو گے) اور (اس وقت اللہ تعالیٰ کا بلا دینے میں اکیلا ہونا ایسا ظاہر ہوگا کہ) یہ لوگ اللہ کے سوا جن معبودوں کو پکارتے ہیں، وہ سفارش (تک) کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں جن لوگوں نے حق بات (یعنی ایمان کے کلمہ) کا اقرار کیا تھا اور وہ (دل سے) تصدیق بھی کیا کرتے تھے (وہ یقیناً اللہ کی اجازت سے ایمان والوں کی سفارش کر سکیں گے مگر اس سے کافروں کو کیا فائدہ؟) اور (ہم نے جو اوپر توحید کا مضمون بیان کیا ہے جس کی یہ لوگ مخالفت کرتے ہیں، تو اس سے متعلق باتوں کو یہ بھی تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں (یعنی تمہیں) کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے (پیدا کیا ہے) تو (ایک بات خود ان کے تسلیم کرنے سے ثابت ہوگئی اور دوسری بالکل ظاہر عقلی بات یہ ہے کہ عبادت کا مستحق صرف وہی ہوتا ہے جو حقیقت میں پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اس لئے کہ عبادت تعظیم کی انتہا ہے، اس لئے اس کا مستحق صرف وہی ہوتا ہے جو عظمت میں انتہائی عظیم ہوتا ہے، اور پیدا کرنے والے کا محتاج ہونا عظمت کی انتہا کے خلاف ہے، اور ظاہر امر بھی تسلیم کئے ہوئے امر کی طرح ہوتا ہے، لہذا) یہ لوگ (متعلق باتوں کو مانتے ہیں، مگر پھر مطلوب کو ماننے کے وقت یہ نہ جانے) کدھرا لٹے چلے جاتے ہیں (اور اس سے جرم کی اور بھی تاکید ہوگئی کہ ان کی یہ مخالفت محض عناد کی وجہ سے

ہے اور ظاہر ہے کہ عنادر کھنے والا زیادہ بڑا مجرم ہوتا ہے) اور (ان مذکورہ مضمونوں سے توحید کی تاکید تو ظاہر ہے کہ وہ معبود ہونے میں بھی اکیلا ہے اور علم و حکمت میں بھی اور سلطنت میں بھی، اور قیامت کو قائم کرنے میں بھی اور مخلوق کا مرجع بننے میں بھی، اور ایسا حاکم ہونے میں بھی جس سے کوئی ٹکرا نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ ادنیٰ درجہ کا ٹکراؤ یعنی بغیر اجازت سفارش کی بھی نفی ہے اور خالق ہونے میں بھی، اور اس سے جرم کی تاکید اس طرح ہو گئی کہ ذات کی توحید کا انکار جس کی تمام صفاتیں کامل ہیں ضرور عظیم جرم ہے، اور عذاب و سزا کی تاکید اس طرح ہو گی کہ جرم تو ان کا توحید کا انکار، اور حاکم ایسا کہ معبود ہونے اور حکمت و علم کے ساتھ سلطنت و حکومت بھی خاص اسی کی اور حساب کے وقت یعنی قیامت کا اس کے علم کے مطابق آنا اور اس کے پاس حاضر کیا جانا ضروری۔ اس طرح اس سے بچ کر کہیں چلا جانا محال اور سفارش کرنے والے موجود نہیں، اور یہ سب امور مختصر انداز میں خود ان کے اکیلا خالق یعنی پیدا کرنے والا ہونے کے اقرار سے ثابت، کیونکہ جو وجود میں کسی کا محتاج نہیں، چونکہ وہ تمام کمالوں کے وجود کی اصل ہے اور کمالوں میں بھی وہ کسی کا محتاج نہیں، اور جو وجود میں مستقل نہیں، وہ کسی کمال میں مستقل نہیں، لہذا اس جواب ﴿لَيَقُولَنَّ اللَّهُ﴾ سے ان تمام مذکورہ امور کا مختصر انداز میں اقرار لازم آ گیا، لہذا عذاب و سزا کی تاکید، دلیل سے اثبات اور استدلال سے تفصیل کے ساتھ اور اقرار سے مختصر انداز میں ہو گئی۔ آگے عذاب و سزا کی تاکید کے لئے ایک اور امر کا بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو قیامت کی خبر ہے کہ وہ حساب کا وقت ہے، اسی طرح اسے رسول ﷺ کے یہ کہنے کی بھی خبر ہے کہ اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں کہ (میری اس قدر فہمائش کے باوجود) ایمان نہیں لاتے (اور اس سے عذاب و سزا کی تاکید اور بڑھ گئی یعنی مذکورہ امور جن کے عذاب و سزا کی تاکید کے ساتھ میں رسول کی نالاش بھی موجود ہو، لہذا ایسی حالت میں سمجھ لینا چاہئے کہ کیسا سخت عذاب ہو گا۔ آگے اس عذاب کے واقع ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ ان کا انجام یہ ہونے والا ہے) تو آپ ان سے رخ پھیرے رہئے (یعنی ان کے ایمان کا اہتمام اور اس کی امید نہ کیجئے کیونکہ جب ان کا یہ انجام مقدر ہے تو یہ کیا ایمان لائیں گے؟) اور (اگر وہ آپ سے مخالفت اور جہالت اور شرارت کی بات کریں تو آپ شر کو دور کرنے کے لئے) یوں کہہ دیجئے کہ تمہیں سلام کرنا ہوں (اور کچھ نہیں کہتا اور نہ کچھ واسطہ رکھتا ہوں)۔ آگے حق تعالیٰ تسلی اور رخ پھیرنے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینے کی تاکید کے لئے علت کے طور پر فرماتے ہیں کہ آپ تھوڑا صبر کیجئے) تو ان کو ابھی (مرتے ہی) معلوم ہو جائے گا۔

﴿الحمد للہ! آج ۱۴ ربیع الثانی بروز دوشنبہ سنہ ۱۴۳۵ھ کو سورۃ زخرف کی تفسیر ختم ہوئی اور سورۃ دخان کی

شروع ہوئی۔ صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد آلہ واصحابہ اجمعین (آمین)﴾



شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں
 ربط: یہ سورت توحید و رسالت سے شروع ہوئی ہے، اور اسی پر گزشتہ سورت ختم ہوئی ہے، اور توحید و رسالت کے بعد
 منکرین توحید کے لئے وعید ہے اور وعید کی تاکید کے لئے بعض سابقہ امتوں کی نظیر بیان کی ہے، پھر ﴿إِن هَؤُلَاءِ
 كَيْفُ لُؤْلُؤٍ﴾ میں انکار بعثت کی نقل ہے، پھر منکرین کو اس انکار پر بعض قوموں کو ہلاک کرنے کے ذریعہ دھمکا کر دوبارہ
 زندہ ہونے کی صحت اور حکمت بیان کی ہے، پھر اس کا واقعہ بنا پھر اس کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ اور ابتداء ہی کی
 طرح رسالت کے مضمون پر سورت ختم ہو گئی ہے۔

﴿حَمْدٌ ۖ وَالْكِتَابِ الْبَيِّنِ ۖ إِنْكَارُ نَزْلِهِ ۖ فِي كَيْلَةٍ مُّبَرَّكَةٍ ۖ إِنْكَارُ مُنْذِرِينَ ۖ فِيهَا يُفْرَقُ
 كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۖ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۖ إِنْكَارُ مُرْسِلِينَ ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
 الْعَلِيمُ ۖ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ مُّوقِنِينَ ۖ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ
 رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۖ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ۖ﴾

ترجمہ: ﴿حَمْدٌ﴾ قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے ہم آگاہ کرنے
 والے تھے، اُس رات میں، ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے۔ ہم بوجہ رحمت کے جو آپ کے
 رب کی طرف سے ہوتی ہے۔ آپ کو بغیر بنانے والے تھے، وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔ جو کہ مالک ہے آسمانوں
 اور زمین کا اور جو اُن دونوں کے درمیان میں ہے اُس کا بھی اگر تم یقین لانا چاہو۔ اُس کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں،
 وہی جان ڈالتا ہے، اور وہی جان نکالتا ہے، وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے۔
 بلکہ وہ شک میں ہیں، کھیل میں مصروف ہیں۔

نازل شدہ قرآن کا، جس پر اتارا گیا اس رسول کا اور نازل کرنے والے پروردگار کا عظیم الشان ہونا:

﴿حَمْدٌ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) قسم ہے اس واضح (معنی والی) کتاب کی کہ ہم نے اس کو (لوح محفوظ سے
 دنیاوی آسمان پر) ایک برکت والی رات (یعنی شب قدر) میں اتارا ہے (کیونکہ) ہم (اپنے ارادہ میں شفقت کی وجہ سے

اپنے بندوں کو) خبردار کرنے والے تھے (یعنی ہمیں منظور ہوا کہ انہیں نقصانوں سے بچانے کے لئے بھلائی اور برائی کی خبر کر دیں، قرآن کے نازل ہونے کی یہ علت ہوئی۔

اب اس رات کی برکتیں اور فائدے نفع بیان کرتے ہیں کہ) اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ ہمارے حکم سے کیا جاتا ہے (یعنی سال بھر کے معاملوں میں کہ سبھی حکمت والے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کو کرنا منظور ہے اسی طرح متعین کر کے۔ اور ان کی اطلاع کارکن فرشتوں کو کر کے ان کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں، چونکہ وہ رات ایسی ہے اور قرآن سب سے زیادہ حکمت والا امر ہے، اس لئے وہ بھی اسی رات میں نازل ہوا۔

آگے بدل کے طور پر ﴿إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ﴾ ایلخ کی تفسیر ہے یعنی قرآن اس لئے نازل کیا گیا کہ) ہم اس رحمت کی وجہ سے جو آپ کے رب کی طرف سے (یعنی ہماری طرف سے بندوں پر) ہوتی ہے آپ کو رسول بنانے والے تھے (تاکہ آپ کی معرفت بندوں کو خبردار کر دیں) بے شک وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے (اس لئے بندوں کی مصلحتوں کی رعایت کرتا ہے اور وہ ایسا ہے) جو کہ آسمانوں اور زمین کا اور جو (ان دونوں کے درمیان مخلوق ہے، اس کا بھی مالک ہے اگر تم واقعی ایمان لانے والے ہو) تو توحید کی یہ دلیلیں یقین کرنے کے لئے کافی موجود ہیں۔

آگے توحید کی تصریح ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے، وہی تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے، جو پہلے گذر چکے ہیں (اور اس تصریح و توضیح کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگ مان لیتے مگر یہ لوگ پھر بھی نہیں مانتے) بلکہ وہ (توحید وغیرہ سچے امور کی طرف سے) شک میں (پڑے) ہیں (اور دنیا کے) کھیل کود میں مصروف ہیں (آخرت کی فکر نہیں کہ حق کو طلب کریں، اس میں غور سے کام لیں، یہ شرک کی مذمت توحید کے مضمون کی مناسبت سے آگئی اور منزل کی تعظیم کے لئے توحید بیان کی گئی)

فائدہ: قرآن اور قرآن کے نازل کرنے والے کی تعظیم کی تو آیتوں میں تصریح ہے اور رسول کی تعظیم ﴿إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ﴾ سے سمجھ میں آ جاتی ہے اور ﴿مُرْسِلِينَ﴾ کے مفعول یعنی رسل کا حذف کر دینا اور ﴿رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ﴾ میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھ دینا اس تعظیم کی اور زیادہ تاکید کر دیتا ہے اور قرآن کی قسم کھانے کی تحقیق سورۃ الزخرف کے شروع میں آچکی ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ قسم صرف خود نازل ہونے کے اعتبار سے ہے کہ قرآن میں غور کرنے سے اس کا اثبات ہوتا ہے، ظرف یعنی زمانہ و جگہ کی قید سے قطع نظر اور اکثر نے ﴿كَيْلَٰهُ مَبْرُكٌ﴾ کی تفسیر ﴿كَيْلَٰهُ الْقُلُوبِ﴾ یا شب قدر سے کی ہے اور اس بارے میں آثار بھی ہیں، چنانچہ سعید بن جبیر نے فرمایا ہے کہ پورا قرآن سب سے اوپر والے آسمان سے دنیاوی آسمان پر شب قدر میں آگیا، پھر تھوڑا تھوڑا کر کے کئی سال میں نازل ہوتا رہا۔ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سال میں جو کچھ واقع ہونے والا ہوتا ہے، رزق، موت، زندگی اور بارش وغیرہ وہ شب قدر میں لوح محفوظ سے نقل کر لیا

جاتا ہے۔ یہ دونوں روایتیں درمنثور میں ہیں۔ اور پہلی روایت سے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ قرآن تو تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۳ سال میں آیا ہے، پھر شب قدر میں آنے کے کیا معنی ہیں؟ جواب کی وضاحت ظاہر ہے۔

اور بعض نے ﴿كَيْلَٰةٍ مُّبْرَكَةٍ﴾ کی تفسیر اس بنیاد پر لیلۃ البراءت یا شب برأت سے کی ہے کہ روایتوں میں اس کے بارے میں بھی سالانہ واقعات کے فیصلوں کا ہونا آیا ہے، لیکن چونکہ کسی روایت میں اس میں قرآن کے نازل ہونے کا ذکر نہیں اور شب قدر میں نازل ہونے کا ذکر خود قرآن میں ہے ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي كَيْلَٰةٍ الْقَدَرِ﴾ اس لئے یہ تفسیر صحیح نہیں معلوم ہوتی، اور اس رات میں واقعات کا فیصلہ ہونے کے لئے یہ لازم نہیں کہ قرآن میں جو ﴿كَيْلَٰةٍ مُّبْرَكَةٍ﴾ آیا ہے، اس سے یہی رات مراد ہو۔ نتیجہ یہ کہ اس امر کا قائل ہونا پڑے گا کہ دونوں روایتوں میں واقعات کے فیصلے ہوتے ہیں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں، بلکہ ممکن ہے کہ واقعات کے فیصلے لکھ لئے جاتے ہوں شب براءت میں اور سپرد کئے جاتے ہوں شب قدر میں، جیسا کہ روح المعانی میں ابن عباس کا ایک قول بغیر سند کے بالکل یہی نقل کیا ہے اور احتمال کے لئے ثبوت کی ضرورت نہیں۔

﴿كَانَتْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يُغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝ أَتَى لَهُمُ الذِّكْرُ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ ۝ إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابَ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۝ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ۝﴾

ترجمہ: سو آپ اُس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو جو ان سب لوگوں پر عام ہو جاوے۔ یہ ایک دردناک سزا ہے۔ اے ہمارے رب! ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آویں گے۔ ان کو کب نصیحت ہوتی ہے حالانکہ ان کے پاس ظاہر شان کا پیغمبر آیا پھر بھی یہ لوگ اُس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ سکھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔ ہم چندے اس عذاب کو ہٹا دیں گے تم پھر اپنی اسی حالت پر آ جاؤ گے جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے، ہم بدلہ لے لیں گے۔

رابطہ: اوپر توحید اور قرآن اور رسالت کے حق ہونے کا ذکر تھا اب ان حق امور کا انکار کرنے والوں کے لئے وعید ہے۔

کھلے حق کا انکار کرنے والوں کے لئے وعید:

(اور جب یہ لوگ حق کے واضح ہو جانے پر بھی نہیں مانتے جیسا کہ یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ﴿بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ﴾) تو آپ (ان کے لئے) اس دن کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو، جو ان

سب لوگوں پر چھا جائے۔ یہ (بھی) ایک دروناک سزا ہے (جو انہیں دی جائے گی، اس سے غلہ کا قحط مراد ہے جس میں مکہ والے مبتلا ہوئے تھے، جس کا حقیقی سبب رسول اللہ ﷺ کی بددعا تھی، جب یہ لوگ عناد و دشمنی میں زیادہ بڑھ گئے تھے، اور یہ بددعا ایک بار مکہ میں ہوئی تھی اور ایک بار مدینہ میں۔ جیسا کہ سورۃ المؤمنون آیت ۷۷ کے تحت اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ بَابًا ذَا عَذَابٍ مُّشْتَدٍّ اِلٰح کی تفسیر میں روح المعانی میں سیرت حلبیہ کے حوالہ سے ہے۔ اور اس کا ظاہری سبب جیسا کہ روح میں ہے یہ تھا کہ جب یمامہ کے رئیس ثمامہ مدینہ میں مسلمان ہو گئے اور مکہ کے کافروں نے ان پر ملامت کی تو انہوں نے یمامہ سے غلہ کا آنا بند کر دیا اور مکہ میں غلہ وہاں سے ہی آتا تھا ادھر بارش بھی بند ہو گئی جیسا کہ الدر المنثور میں بیہقی سے نقل کیا ہے، تب مکہ والے بھوک و قاقوں سے مرنے لگے، اور قاعدہ ہے کہ بھوک اور خشکی کی شدت میں آسمان اور زمین کے درمیان میں آنکھوں کے سامنے جو دھواں سا نظر آیا کرتا ہے، اس کے لئے لفظ ”دخان“ فرمایا۔ غرض مکہ والے اپنی جانوں سے تنگ آ گئے اور عاجزی کرنے لگے۔ چنانچہ پیشین گوئی کے طور پر فرماتے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے کہ) اے ہمارے رب! ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آئیں گے (چنانچہ یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ ابوسفیان اور قریش کے دوسرے لوگوں نے آپ کو لکھا بھی اور آئے بھی کہ آپ دعا فرمادیں اور ثمامہ کو سمجھائیں جیسا کہ الدر اور الروح میں ہے اور صاحب روح نے سورۃ الدخان کی تفسیر میں ابوسفیان کا ایمان لے آنے کا وعدہ بھی نقل کیا ہے۔ آگے ان کے اس وعدہ کا سچے دل سے نہ ہونا ارشاد فرماتے ہیں کہ) انہیں (اس سے) نصیحت کہاں ہوتی ہے؟ (کہ جس سے ان کے ایمان کی امید کی جائے) جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ (اس سے پہلے) ان کے پاس ظاہر شان والے رسول آئے (یعنی جن کی نبوت والی شان ظاہر تھی) پھر بھی یہ لوگ اس سے منہ پھیرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ (کسی دوسرے انسان کا) سکھایا ہوا ہے (جیسا کہ سورۃ النحل آیت ۱۰۳ اِنْشَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ اور) دیوانہ ہے (لہذا جب اتنے بڑے رسول کے آنے پر کہ جس کی رسالت کی دلیلوں میں کوئی تاویل ہی نہیں ہو سکتی، یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو قحط کے ہونے پر جس میں نا انصافی کی باتیں کرنے والا آدمی یہ بھی احتمال نکال سکتا ہے کہ یہ طبعی اسباب سے ایک معمولی واقعہ ہے۔ کفر کی سزا نہیں ہے۔ ایمان لانے کی امید کہاں ہے؟ ان کا یہ کہنا محض وقت کو ٹالنے کے لئے ہے کہ کسی طرح کام نکل جائے۔ اور مصیبت ٹل جائے، مگر خیر) ہم (حجت پوری کرنے کی غرض سے) کچھ دن کے لئے اس عذاب کو ہٹا دیں گے (مگر) تم پھر اپنی اس (پہلی) حالت (اصرار و گھمنڈ اور عاجزی و انکساری ظاہر نہ کرنے) پر آ جاؤ گے (چنانچہ یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ آپ نے دعا فرمائی تو بارش ہو گئی اور ثمامہ کو خط بھی لکھ دیا کہ غلہ آنے دیں، اور مکہ والوں کو خوش حالی میسر آ گئی، مگر ایمان تو کیا لاتے وہ پہلے والی نرمی اور کمزوری بھی جاتی رہی۔ پھر وہی زور اور وہی شور۔ اور یہاں تھوڑے دن کے لئے عذاب ہٹانے کے بارے میں اس لئے فرمایا کہ مَتَّاعٌ

الدُّنْيَا قَلِيلٌ ﴿۱﴾ کیونکہ اس عذاب کو ہٹانے کی حد صرف دنیاوی زندگی کی مدت تک کے لئے ہے، پھر مرنے کے بعد جو مصیبت آئے گی وہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے (اس دن) ہم (پورا) بدلے لیں گے (یعنی آخرت میں پوری سزا ہوگی)

فائدہ: یہ روایتیں جو تفسیر کے بیان میں لکھی گئی ہیں، روح المعانی اور الدر المنثور اور بخاری سے لکھی ہیں، اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ایک دخان یعنی دھواں قیامت کے قریب آئے گا، مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے اس کی تفسیر کرنا پسند نہیں کیا، اور کسی صحیح سند سے یہ بھی ثابت نہیں کہ قیامت کے قریب والے دخان کا ذکر تفسیر کے طور پر کیا گیا ہو۔ اور اختیار کی گئی تفسیر پر شبہ نہ کیا جائے کہ یہ دھواں تو خیالی ہوتا ہے، اس کو بین کیسے فرمایا؟ اصل یہ ہے کہ وہ خیالی نہیں، واقعی ہوتا ہے، کیونکہ اس کی حقیقت بھاپ ہے چاہے ان کا قوام کمزور ہو۔ اور روح میں بعض عربوں سے نقل کیا ہے کہ جسمی الشر الغالب الدخان: یعنی ”ہر شر و برائی جو غالب ہو دخان کہلاتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ دھوئیں سے اذیت ہوتی ہے تو ہر اذیت دینے والی چیز کو تشبیہ کے طور پر دخان کہہ دیتے ہیں۔ اور یہاں اس سے مراد قحط ہوگا، اور اس کا واقعی موجود ہونا ظاہر ہے اور اس کا آسمان کی طرف ہونا اس معنی میں ہے کہ سارے مراد مطلق اوپر کی سمت ہے اور بھاپوں کا اوپر کی سمت میں اٹھنا ظاہر ہے۔ اور بارش بھی شروع میں اس سمت میں آتی ہے پھر اس سے زمین پر آتی ہے لہذا وہ برسنے اور نہ برسنے دونوں کی پہلی جگہ ہے اور بندہ نے تفسیر کے بیان میں جگہ جگہ لفظ پیشین گوئی اس لئے استعمال کیا کہ ﴿كَانَ تَقْبُ﴾ یعنی ”انتظار کرو“ قرینہ ہے کہ یہ آیتیں ان واقعات کے واقع ہونے سے پہلے آئی ہیں، ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ تو دخان کے واقعہ سے پہلے اور ﴿لَا تَنَالُوا الْعَذَابَ﴾ دخان کے واقعہ کے بعد اور دخان کے زوال سے پہلے اور بعض روایتوں میں جو ﴿كَانَ تَقْبُ﴾ الخ کا نازل ہونا دخان کے واقع ہونے کے بعد آیا ہے، غالباً اس وقت حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمادی ہوگی جس کی وجہ سے راوی کو اس وقت نازل ہونے کا گمان ہوا، یا ﴿مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ میں تاویل کر لی جائے کہ فظہر ما انزل اللہ الخ اللہ نے قرآن میں جو نازل فرمایا وہ ظاہر ہو گیا۔ اللہ علم اور چونکہ عذاب کا دور ہونا ہجرت کے بعد ہوا ہے اس لئے ﴿لَا تَنَالُوا الْعَذَابَ﴾ کا مدنی ہونا بھی صحیح ہو گیا۔ جیسا کہ بیضاوی وغیرہ نے کہا ہے، اور مکی ہونے میں بھی اپنے آپ میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یہ بھی پیشین گوئی ہے، چاہے کتنی ہی پہلے ہو۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے، لیکن درمنثور میں ایک روایت ہے کہ آیت ﴿لَا تَنَالُوا الْعَذَابَ﴾ الخ دخان کے زوال کے بعد نازل ہوئی، اس سے اس کے مدنی ہونے کو ترجیح ہوتی ہے، اگرچہ اس صورت میں پیشین گوئی نہ ہوگی، بلکہ ﴿كَانَ تَقْبُ﴾ اسم فاعل فعل ماضی کے معنی میں ہوگا، اور اگر اس آیت کو پیشین گوئی ہی مانا جائے تو دخان کے بعد نازل ہونے کی روایت کی یہ توجیہ ہوگی کہ آپ نے دخان کے زوال کے بعد تلاوت فرمادی ہو، اور روایت کرنے والے کو

اس وقت نازل ہونے کا گمان کیا ہو، جیسا کہ اوپر ﴿فَارْتَقِبْ﴾ میں ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ۝ أَنْ أَذْهَبَ إِلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الْمَیْمَنَ ۝ لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۝ إِنَّمَا آتَيْنَاكُمْ بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ۝ وَلَئِنْ عُدْتُمْ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُون ۝ وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ فَاغْتُزِلُوا ۝ قَدْ عَارَ لَبَّائِهِ أَنْ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ مُجْرِمُونَ ۝ فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ ۝ وَاتْرِكِ الْبَحْرَ رَهْوًا إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُغْرَقُونَ ۝ كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۝ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ۝ كَذَلِكَ نَذَرْنَا قَوْمَ الْآخِرِينَ ۝ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ۝ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ مِنْ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَأَتَيْنَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُبِينٌ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا تھا اور ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے کہ ان اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو۔ میں تمہاری طرف فرستادہ ہوں، دیا نندار ہوں۔ اور یہ کہ تم خدا سے سرکشی مت کرو، میں تمہارے سامنے ایک واضح دلیل پیش کرتا ہوں اور میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تم لوگ مجھ کو پتھر سے قتل کرو۔ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہی رہو۔ تب موسیٰ نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں۔ تو اب میرے بندوں کو تم رات ہی رات میں لے کر چلے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب ہوگا اور تم اس دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑ دینا ان کا سارا لشکر ڈبویا جاوے گا۔ وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جن میں وہ خوش رہا کرتے تھے، چھوڑ گئے۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا مالک بنا دیا۔ سو نہ تو ان پر آسمان وزمین کو رونایا اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب یعنی فرعون سے نجات دی۔ واقعی وہ بڑا سرکش حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے دنیا جہان والوں پر فوقیت دی۔ اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا۔

رابط: اوپر انکار کرنے والوں کے لئے وعید تھی۔ اب فرعون کے عذاب و سزا کے قصہ سے اس وعید کی تاکید ہے۔

شامت زدہ فرعون کا واقعہ وعید مذکورہ کی تاکید کے لئے:

اور ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا تھا، اور (وہ آزمائش یہ تھی کہ) ان کے پاس ایک عزت و شرافت والے

رسول (یعنی موسیٰ علیہ السلام) آئے تھے (رسول کے آنے سے آزمائش یہ ہوتی ہے کہ کون ایمان لاتا ہے اور کون ایمان نہیں لاتا، اور انھوں نے آکر فرعون سے اور فرعون کی قوم سے فرمایا) کہ اللہ کے ان بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو (جن کو تم نے طرح طرح کی تکلیفوں میں پھنسا رکھا ہے) میرے حوالہ کر دو (اور ان سے اپنا تعلق ختم کر لو کہ میں جہاں اور جس طرح مناسب ہوں ان کو آزاد کر کے رکھوں) میں تمہاری طرف (اللہ کا) بھیجا ہوا رسول (ہو کر آیا) ہوں (اور) دیانت دار ہوں (وحی کی کسی بات میں کمی زیادتی نہیں کرتا ہوں، جو حکم ہوتا ہے اسے پورا پورا پہنچاتا ہوں، لہذا تمہیں ماننا چاہئے) اور یہ (بھی فرمایا) کہ تم اللہ کے مقابلہ میں گھمنڈ مت کرو (اور پر بندوں کے حق کا حکم تھا اور یہاں اللہ کے حق کا) میں تمہارے سامنے (اپنی نبوت کی) ایک واضح دلیل پیش کرتا ہوں (اس سے عصا اور ید بیضا کا معجزہ مراد ہے) اور (جب فرعون نے اور فرعونوں نے نہ مانا، بلکہ آپس میں آپ کے قتل کا مشورہ کر لیا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ذُرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ﴾ الخ اور جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿ذُرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ﴾ الخ ان کے یہ مشورے سن کر آپ نے فرمایا کہ) میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لیتا ہوں۔ اس سے کہ تم مجھے پتھروں سے مار کر یا پتھر کے علاوہ کسی اور چیز سے) قتل کرو، اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہی رہو (یعنی مجھے ایذا اور نقصان پہنچانے کے پیچھے مت پڑو، کیونکہ مجھے تو کوئی نقصان نہیں ہوگا، مجھ سے وعدہ ہے ﴿فَلَا يَصِلُونَ﴾ (لَئِنْ كُنْتُمْ إِلَّا رِجْشًا) الخ لیکن تمہارا جرم اور زیادہ شدید ہو جائے گا، اس لئے تمہاری بھلائی چاہتے ہوئے کہتا ہوں کہ تم ایسا مت کرو، مگر وہ کہاں باز آتے تھے) تب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں (کہ جرموں اور گناہوں سے باز نہیں آتے، اب ان کا فیصلہ کر دیجئے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے دعا قبول کی اور ان کے فیصلہ کا وقت آگیا) تو اب تم میرے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو رات ہی رات میں لے کر چلے جاؤ (کیونکہ) تم لوگوں کا (فرعون کی طرف سے) پیچھا (بھی) کیا جائے گا (اس لئے رات میں نکل جانے سے اتنی دور نکل جاؤ گے کہ یہ تمہیں پیچھا کر کے پکڑ نہ سکیں) اور (سفر کے دوران جو دریا حائل ہوگا) تم اس دریا کو (پہلے عصا مارنا کہ وہ خشک ہو کر راستہ دیدے، پھر پار ہونے کے بعد جب اس کو اس حالت پر دیکھو تو فکر نہ کرنا کہ شاید اس طرح فرعون بھی پار ہو جائے گا، بلکہ تم اسے اسی) سکون کی حالت میں (یعنی اس کی اسی ہیئت پر جو کہ پانی کے ہٹ جانے سے اور راستہ کے خشک ہو جانے سے حاصل ہوئی ہے، اس پر) چھوڑ دینا (اور بے فکر رہنا کیونکہ اس کے اس حالت پر رہنے کی یہ حکمت ہے کہ) ان (فرعونوں) کا سارا لشکر (اس دریا میں) ڈبو دیا جائے گا (اس طرح کہ وہ اس میں گھسیں گے اور جب اس میں آجائیں گے تو پانی ہر طرف سے آکر ٹل جائے گا، اور مذکورہ حالت کو سکون کہنے کی وجہ ظاہر ہے کہ جو ہیئت حاصل ہوگئی تھی اس میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، جو کہ کیفیت میں ایک قسم کی حرکت ہے اور پانی بھی جہاں کا تھاں رہ گیا۔ وہ بھی اس راستہ کی سطح پر نہ آئے گا جو کہ جگہ و مکان میں حرکت ہے، اس کو روح میں: مَسْكَنًا عَلَىٰ هَيْئَتِهِ قَارَأَ عَلَىٰ

حاله من التصاب الماء وكون الطريق يساً: کہا ہے یعنی ”پانی کے بہنے سے اپنی ہیئت پر ساکن اور اپنی حالت پر قائم رہنا اور راستہ کا خشک رہنا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ والے بنی اسرائیل دریا کے پار ہو گئے اور فرعون غرق ہو گئے، اور وہ لوگ کتنے ہی باغ اور (کتنے ہی) چشمے (یعنی نہریں) اور (کتنی ہی) کھیتیاں اور (کتنے ہی) شاندار مکان اور (کتنے ہی) عیش و آرام کے سامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے، چھوڑ گئے (یہ قصہ) اسی طرح ہوا (اس سے ملامت اور ڈراوے و دھمکی کو دہرانا مقصود ہے) اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا مالک بنا دیا (اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾) تو (ان سے انتہائی ناراض ہونے اور ان پر انتہائی غضب ناک ہونے کی وجہ سے) نہ تو ان پر آسمان وزمین کو روٹنا آیا (یہ ان سے انتہائی ناراض ہونے کے سبب سے ہوا) اور نہ انہیں (عذاب سے کچھ اور) مہلت دی گئی (یعنی اگر کچھ اور زندہ رہتے تو جہنم کے عذاب سے اور بچے رہتے اور یہ مہلت نہ ملنا ان پر انتہائی غضب ہونے کا نتیجہ ہے) اور ہم نے (اس طرح) بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب یعنی فرعون (کے ظلم و ستم) سے نجات دی۔ واقعی وہ (فرعون) بڑا نافرمان (اور بندگی کی) حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا (بنی اسرائیل پر ایک نعمت تو یہ ہوئی) اور (اس کے علاوہ) ہم نے بنی اسرائیل کو (اور بھی نعمتیں دے کر) اپنے علم (اور حکمت) سے (بعض امور میں تمام) دنیا جہان والوں پر (یا تمام امور میں مخلوق کے ایک بڑے حصہ پر مثال کے طور پر اس زمانہ کے لوگوں پر) فوقیت دی اور (ان نعمتوں میں معنی کے لحاظ سے انعام ہونے کے علاوہ قدرت پر دلالت بھی تھی، جس کا حاصل یہ ہے کہ) ہم نے انہیں (اپنی قدرت کی) ایسی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں جن میں کھلا انعام (پایا جاتا) تھا (یعنی وہ امور دونوں صفتوں نعمت اور قدرت کی دلیل ہونے میں جامع تھے، پھر ان میں بعض نعمتیں حسی تھیں، جیسے فرعون سے نجات دینا جس کو انتہائی ظاہر ہونے کی وجہ سے سب سے پہلے بیان فرمایا اور ان میں بعض معنوی نعمتیں تھیں جیسے علم اور کتاب اور معجزوں کا دیکھنا)

فائدہ: ﴿وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ﴾ سے متعلق ضروری تحقیق سورہ اعراف آیت ۱۳۷ میں اور سورہ الشعراء آیت ۵۹ میں گزر چکی ہے، اس تحقیق کے بعض احتمالوں کی ترجیح کے لئے یہاں روح المعانی کا اتنا مضمون اور لکھتا ہوں کہ حسن بصریؒ، بنی اسرائیل کے مصر میں واپس آنے کے قائل ہوئے ہیں اور قتادہ اس کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ مشہور تاریخیں اس کے خلاف ہیں، ان کے لحاظ سے ﴿وَأَوْرَثْنَاهَا﴾ کے معنی تصرف پر قدرت حاصل ہونے کے ہوں گے، جو واپس آنے پر موقوف نہیں، اور بعض نے اللہ کی کتاب سے ظاہری موافقت کی وجہ سے حسن کے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا کہ تاریخوں اور یہودی کتابوں کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور مؤمن کے لئے آسمان اور زمین کے رونے کا حدیث میں ذکر آیا ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے کہ رسول مقبول

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مؤمن مرجاتا ہے تو آسمان کا وہ دروازہ جس میں سے گذر کر اس کے اعمال اوپر جاتے تھے اور ایک وہ دروازہ جس سے گذر کر اس کا رزق نازل ہوتا تھا، اس پر روتے ہیں اور آپ نے یہ آیت پڑھی، اور روح میں پہنچتی سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مؤمن کے مرنے پر زمین چالیس دن تک روتی ہے اور ابن المذہر سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب مؤمن مرتا ہے تو زمین میں اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں وہ جگہ جہاں سے گذر کر اس کے اعمال اوپر چڑھتے تھے، اس پر روتی ہیں۔ اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی اس مضمون کو کئی سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے، لہذا آیت میں اس کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ ان کے وجود کے قائل ذکر نہ ہونے سے مجاز ہے۔ اور یہ کہ رونا مثال کے لئے استعارہ ہے کہ کسی کی موت کی شدت اور عظمت کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی جائے جس پر آسمان اور زمین کا رونا فرض کر لیا جائے۔ وجہ یہ کہ جب حقیقی معنی بن سکتے ہوں تو مجاز مراد نہیں لینا چاہئے اور حقیقی معنی کے لئے کوئی امر رکاوٹ نہیں، اور روایات ترجیح دینے والی ہیں اور ان چیزوں میں ضرورت کے مطابق شعور ثابت ہے، جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴۲ ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهَا﴾ الخ میں لکھا گیا ہے اور ﴿عَلَىٰ عِلْمِهِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، لہذا چونکہ ہمارے (اللہ کے) علم میں ان کو فو قیت دینا مصلحتوں اور حکمتوں میں شامل تھا، اس لئے ہم نے انہیں فو قیت دیدی۔

﴿إِنَّ هَؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ ۚ فَأْتُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۚ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۚ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۚ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ ۚ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۚ إِنَّ يَوْمَ الْقِيَامِ لَمِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ۚ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ عَنْ مَوْتِهِمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۚ إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۚ﴾

۴۹۹

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ خیر حالت بس یہی ہمارا دنیا کا مرنا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے۔ سو اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لا موجود کرو۔ یہ لوگ زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع کی قوم اور جو تو میں اُن سے پہلے ہو گزری ہیں؟ ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا، وہ نافرمان تھے۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے اُس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔ ہم نے ان دونوں کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ بیشک فیصلہ کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے، جس دن کوئی علاقہ والا کسی علاقہ والے کے ذرا کام نہ آوے گا اور نہ اُن کی کچھ حمایت کی جاوے گی مگر جس پر اللہ رحم فرماوے۔ وہ زبردست مہربان ہے۔

رابط: اوپر فرعون کے قصہ سے پہلے مکہ کے کافروں کو قیامت کے انتقام یعنی بدلے کی وعید سنائی تھی اور اس کی تاکید کے لئے مذکورہ قصہ آگیا تھا۔ وہ لوگ قیامت کے انتقام کا مضمون سن کر قیامت کا انکار کیا کرتے تھے، اس لئے اب پہلے ان کا انکار، دوسرے حق کے انکار کا جرم اور عذاب کے مستحق ہونے کا سبب ہونا، اور تیج قوم کے بادشاہ کے قصہ کی نظیر بیان فرماتے ہیں۔ اور تیسرے قیامت کے صحیح ہونے اور واقع ہونے کے امکان، چوتھے اس کے واقع ہونے کی حکمت ورجحان کا بیان فرماتے ہیں اور پانچویں خود اس کا تحقق اور واقعات کے مختصر ذکر کے ساتھ اس کا واقع ہونا بیان فرماتے ہیں۔

بعث اور اس سے متعلق امور کی تحقیق:

یہ لوگ (قیامت کی وعیدیں سن کر قیامت کا انکار کرتے ہیں اور) کہتے ہیں کہ بس ہماری اس دنیاوی موت کے سوا کچھ نہیں، اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جاویں گے (جس کو آخری حالت اس لئے بتایا جاتا ہے کہ اس کے بعد موت نہیں، مطلب یہ کہ آخری حالت وہ آخرت کی زندگی نہیں، بلکہ یہ دنیاوی موت ہی آخری حالت ہے) تو (اے مسلمانو!) اگر تم (بعث کے دعویٰ میں) سچے ہو تو (کون انتظار کرے؟ ابھی) ہمارے باپ دادا کو (زندہ کرا کے) لے آؤ، (یہ پہلا مضمون ہے اور اس کا جواب اس سے ظاہر ہے کہ مقید یعنی کسی خاص امر کا واقع نہ ہونا، مطلق کے واقع نہ ہونے کو لازم نہیں اور نہ ہی اس کے ناممکن ہونے کو لازم کرتا ہے۔ آگے ان کی ایسی کفر والی بات پر ملامت اور ڈانٹ دھمکی ہے کہ انہیں ذرا سوچنا چاہئے کہ قوت و شوکت میں) یہ لوگ زیادہ بہتر ہیں یا (یعن کے بادشاہ) تیج کی قوم؟ اور جو قومیں ان سے پہلے گزر چکی ہیں (جیسے عاد و ثمود وغیرہ؟ یعنی قوت و شوکت میں یہ قومیں زیادہ بہتر اور بڑی ہوئی تھیں۔ مطلب یہ کہ وہ لوگ ان سے زیادہ شدید سخت اور زیادہ مدت تک رہنے والے تھے، مگر) ہم نے انہیں (بھی) ہلاک کر ڈالا (صرف اس لئے کہ) وہ نافرمان تھے تو اگر یہ لوگ نافرمانی سے باز نہیں آئیں گے تو یہ کس طرح اپنے آپ کو بچالیں گے؟ یہ دوسرا مضمون ہے اور یہ حکمی جواب حکمت کے جواب سے پہلے ہے کیونکہ ان کی حالت عناد کا یہی تقاضا ہے) اور (آگے قیامت کے صحیح ہونے اور حکمت کا بیان ہے کہ) ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، ان سب کو بے کار نہیں بنایا (بلکہ) ہم نے ان دونوں کو (ان کے درمیان والی تمام چیزوں سمیت) کسی حکمت ہی سے بنایا ہے (ان حکمتوں میں سے عقل کے لحاظ سے کامل قدرت پر دلالت اور نقل کے لحاظ سے جزا و مزہا پر دلالت ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے) (یہ تیسرا اور چوتھا مضمون ہے یعنی اکثر لوگ بڑے بڑے جسموں کے پیدا کرنے کی قدرت سے انہیں دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت پر استدلال نہیں کرتے اور یہ قیامت کا صحیح اور ممکن ہونا ہے اور اسی طرح عقلی دلیلوں کے ملانے سے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جسم اور ان کے بڑے بڑے نفع اس لئے بنائے ہیں کہ ہم ان سے نفع و فائدہ اٹھائیں،

اور نفع اٹھا کر نعمت کا شکر ادا کریں اور اس شکر میں طاعت بجالائیں، اور اس شکر و طاعت پر وعدہ کے مطابق پھر آخرت میں باقی رہنے پر وہ نتیجہ و پھل ملے۔ اور جو ناشکری کرے، وہ وہاں خسارہ میں پڑے اور یہ قیامت کی حکمت اور رجحان ہے، کیونکہ حکمت وجود کے رجحان کا تقاضا کرتی ہے، چاہے وہ عقلی طور پر واجب ہونے کے درجہ میں نہ ہو، کیونکہ اگر اللہ کی مشیت میں واقع نہ ہونا ہوتا تو اسی میں حکمت ہوتی، لہذا جزا و سزا کے واجب ہونے کا شبہ ختم ہو گیا۔

آگے مختصر انداز میں واقعات کے بیان کے ساتھ اس کے واقع ہونے کا ذکر ہے، یعنی (بے شک ان سب کے دوبارہ زندہ ہونے اور جزا و سزا ملنے) کے فیصلہ (یعنی قیامت) کا دن مقرر ہے (جو اپنے موقع پر ضرور واقع ہوگا، یہ واقع ہونے کا مضمون ہو گیا، آگے مختصر انداز میں واقعات ہیں یعنی) جس دن کوئی تعلق رکھنے والا کسی تعلق رکھنے والے کے ذرا کام نہ آئے گا۔ اور نہ (کسی اور ہی کی طرف سے جیسے خیالی طور پر گمڑے ہوئے معبودوں کی طرف سے) ان کی کچھ حمایت کی جائے گی، سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے (کہ رحمت کی وجہ سے اس کے حق میں اجازت سے کی ہوئی شفاعت کام آئے گی۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ﴾ اور اللہ اس کا حامی و مدگار ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْحَشْدُ﴾) وہ (اللہ) زبردست ہے (کافروں سے انتقام لے گا) مہربان ہے (مسلمانوں پر رحمت فرمائے گا) اس میں غضب اور رحمت کے سب واقعات آگئے۔ یہ پانچواں مضمون ہے جن کی آگے تفصیل ہے)

فائدہ: تبع اس زمانہ میں یمن کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا اور اس لقب کے بہت سے بادشاہ گزرے ہیں۔ جس تبع کا یہاں ذکر ہے۔ اس کا نام اسعد لکھا ہے اور حدیث میں ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا، اور اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی، وہ لوگ بتوں کی پوجا کرنے والے تھے، انھوں نے تبع کی بات نہیں مانی، تب ایک آگ آئی جس سے بت اور بت خانہ کے خادم جل گئے، پھر بعض مسلمان ہو گئے اور بعض نے ذمی کے طور پر طاعت قبول کر لی، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ پہلا تبع تھا، اس کا اتباع کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے اس کا یہ لقب ہوا تھا۔ اس کے بعد یمن کے ہر بادشاہ کا یہ لقب ہونے لگا، اور اس تبع کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھا، یہ سب روح المعانی میں ہے اور ان سب میں سے بعض باتوں پر کچھ کچھ اختلاف بھی ہے، مگر چونکہ قرآن نے اثبات یا نفی کو تفصیل سے بیان نہیں کیا اس لئے قرآن کے کسی قول پر اشکال نہیں۔

﴿إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ طَعَامُ الْإِثْمِ كَالْهَلِیْ یَغْنَىٰ فِي الْبُطُونِ ۖ كَعَلٰی الْحَمِیْمِ ۚ خُدُوهُ فَاعْتَلُوهُ ۚ إِنَّ سَوَاءَ الْجَحِیْمِ ثُمَّ صَبُّوا فَوْقَ رَاسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ۚ ذُقْ ۖ إِنَّكَ

أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۝ إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۝ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ
 أَمِينٍ ۝ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُوتٍ ۝ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ۝ كَذَلِكَ
 وَرَوَّجْنَاهُمْ بِخُورٍ عَيْنٍ ۝ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ۝ لَا يَذُقُونَ فِيهَا
 الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۝ وَوَقَّعَهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ فَضْلًا مِّن تَرَبُّكٍ ۚ ذَٰلِكَ
 هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ ﴿

ترجمہ: بیشک زقوم کا درخت بڑے مجرم کا کھانا ہوگا جو تیل کی تلچٹ جیسا ہوگا، وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے۔ اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے پھوں بیچ تک لے جاؤ۔ پھر اس کے سر کے اوپر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑو، لے چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے، یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے، بیشک خدا سے ڈرنے والے امن کی جگہ میں ہوں گے یعنی باغوں میں اور نہروں میں۔ وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا، آمنے سامنے بیٹھے ہونگے۔ یہ بات اسی طرح ہے اور ہم ان کا اُن گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کر دیں گے۔ اور وہاں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہونگے۔ وہ وہاں بجز اُس موت کے جو دنیا میں آپکلی تھی اور موت کا ذائقہ بھی نہ چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کو دوزخ سے بچالے گا۔ یہ سب کچھ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا۔ بڑی کامیابی یہی ہے۔
 رابطہ: اوپر ﴿يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْتُ﴾ الخ میں قیامت کے واقعات کا مختصر انداز میں بیان تھا۔ اب ان کی کسی قدر تفصیل ہے۔

بھاری دن کے واقعات کی کچھ تفصیل:

بے شک زقوم کا درخت (جس کی تحقیق سورۃ الصافات آیت ۶۲ سے ۶۷ تک میں گذری ہے) بڑے مجرم (یعنی کافر کا کھانا ہوگا جو) صورت کی کراہت میں (تیل کی تلچٹ جیسا ہوگا) اور (وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے) اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو، پھر گھسیٹتے ہوئے جہنم کے پھوں بیچ تک لے جاؤ، پھر اس کے سر پر عذاب دینے والا گرم پانی انڈیلو (اور اس کا مذاق اڑایا جائے گا کہ) لے چکھ تو زبردست بڑا عزت والا آدمی ہے (یہ تیری تعظیم ہو رہی ہے جیسے تو دنیا میں اپنے آپ کو بڑا زبردست عزت والا سمجھ کر ہمارے احکام سے عار کیا کرتا تھا، اور جہنم والوں سے کہا جائے گا کہ) یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک (و انکار) کیا کرتے تھے (یہ تو جہنم والے کافروں کا حال ہوا۔

آگے ایمان والوں کا ذکر ہے کہ) بے شک اللہ سے ڈرنے والے امن (چین) کی جگہ میں ہوں گے، یعنی باغوں میں اور نہروں میں (اور) باریک اور موٹے ریشم کے لباس پہنیں گے۔ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (اور) یہ بات اسی

طرح ہے (اس سے مضمون کی تحقیق اور تقریر مقصود ہے) اور ہم ان کا بڑی بڑی روشن آنکھوں والیوں سے بیاہ کر دیں گے (اور) وہاں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہوں گے (اور) وہاں اس موت کے سوا جو دنیا میں آچکی تھی کسی اور موت کا مزا بھی نہ چکھیں گے (یعنی مریں گے نہیں) اور اللہ تعالیٰ انہیں جہنم سے (بھی) بچالے گا (اور) یہ سب کچھ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا۔ یہی بڑی کامیابی ہے (جس کا ذکر ہوا، یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں)

فائدہ: یہ زقوم کا کھانا یا تو جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا جیسا کہ بعض نے سورۃ واقعہ کی آیت ۵۶ ﴿هَذَا نُزْلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ﴾ میں لفظ نزل مہمان کو اصل کھانے سے پہلے جو کچھ پیش کیا جاتا ہے، اس کے معنی میں سمجھا ہے۔ اور ﴿قَاعِ لَوْءُ﴾ میں کلمہ فاسے بھی ظاہر میں یہی سمجھ میں آتا ہے اور جہنم میں داخلہ کے بعد ہو تو آگے بڑھنا ﴿سَوَاءِ الْجَحِيمِ﴾ یعنی جہنم کے پتھوں بچ کے اعتبار سے ہوگا، یعنی اس زقوم کے کھانے کے وقت چاہے جحیم یعنی جہنم میں ہو، مگر جہنم کے پتھوں بچ نہ ہوگا، کھانے کے بعد پھر ﴿سَوَاءِ الْجَحِيمِ﴾ یعنی جہنم کے پتھوں بچ میں ڈال دیا جائے گا اور سورۃ الصافات کی آیت ۶۸ میں جو ﴿ثُمَّ لَإِنْ مَرَّجَعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ﴾ آیا ہے اس میں بھی جحیم کو ﴿سَوَاءِ الْجَحِيمِ﴾ یعنی جہنم کے پتھوں بچ پر محمول کر سکتے ہیں تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی کہ زقوم کھلانے کے وقت جہنم سے باہر لائے جائیں گے اور اس کی کچھ تفصیل سورۃ المؤمن آیت ۷۲ میں گزر چکی ہے۔

مفید حکمت: ایک مجلس میں احقر اور دو صاحب جو اصل میں ہندوستانی تھے، لیکن مکہ میں رہتے تھے، ایک بڑے مجمع کے ساتھ موجود تھے، دونوں اصحاب میں سے ایک نے کہا کہ مکہ میں زقوم کا پھل کھایا جاتا ہے جس کو برشوی کہتے ہیں اور قرآن سے وہ جہنم والوں کا کھانا معلوم ہوتا ہے تو ایسی لذیذ چیز سے وعید کیا ہوئی؟ میں نے کہا کہ قرآن شریف میں ﴿شَجَرَةُ الزَّقُّومِ﴾ یعنی زقوم کا درخت آیا ہے زقوم کا پھل نہیں آیا اور درخت نہیں کھایا جاتا۔ ان دونوں صاحب نے بھی اور مجلس میں موجود دوسرے لوگوں نے بھی اس کو بہت پسند کیا۔ لیکن اس جواب کی ضرورت اس وقت ہے جب برشوی اسی زقوم کا پھل ہو اور اگر کوئی دوسری قسم ہے تو سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور حوروں سے بیاہ ہونا کسی معروف طریقہ سے ہو یا لغت کے اعتبار سے ہو، یعنی قیدیوں کے بہرہ کے طور پر جوڑا ملا دینا ہو، پہلی صورت میں مکلف ہونے کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو طبیعت کی رغبت، اسی کی طرف ہو جائے گی، لہذا اس میں ابتلا و مکلف کے معنی نہ ہوں گے۔

﴿فَإِنَّمَا يَسْتَرْزَنُ بِلسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُرْتَقِبُونَ ۝﴾

ترجمہ: سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ نصیحت قبول کریں، تو آپ منتظر رہئے یہ لوگ

بھی منتظر ہیں۔

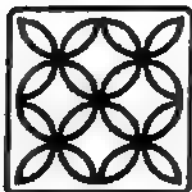
رابطہ: اوپر سورت میں اہم مضمون بیان فرما کر سورت کے ختم پر مختصر انداز میں خلاصہ کے طور پر انہی کو دہرایا گیا ہے اور چونکہ کافروں کا ان مضمونوں کو نہ ماننا نبی ﷺ کے حزن و ملال کا سبب تھا، اس لئے اس کے ساتھ تسلی کا بھی فائدہ ہے۔

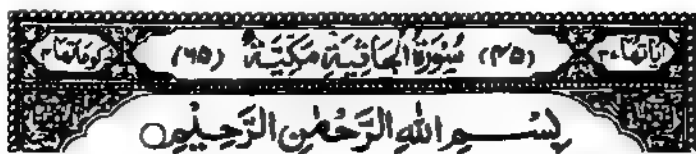
کتاب نصیحت کی آسانی کی خبر اور خوش خبری دینے اور ڈرانے والے کو دلاسا:

(آپ کا کام اتنا ہے کہ آپ ان سے کہتے رہئے) تو (اسی غرض سے) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ (اس کو سمجھ کر اس سے نصیحت قبول کریں تو) اگر یہ لوگ نہ مانیں تو) آپ (ان پر ضرر کے نازل ہونے کا) انتظار کیجئے، یہ لوگ بھی (آپ پر ضرر کے نازل ہونے کے) انتظار میں ہیں (لہذا آپ تبلیغ سے زیادہ فکر میں نہ پڑیں، نہ مخالفت پر رنج کریں، ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیجئے اور صبر کیجئے وہ خود سمجھ لے گا)

﴿بسم اللہ! ۱۵ ربیع الثانی بروز منگل سورۃ دخان کی تفسیر پوری ہوئی و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر

خلقه محمد وآلہ و أصحابہ أجمعین﴾





شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رابط: اس سورت کا خلاصہ تین مضمون ہیں: (۱) توحید (۲) نبوت (۳) آخرت کا انجام۔ اور دوسرے بعض مضمون انہی کی مناسبت سے آگئے ہیں۔ اور گذشتہ سورت کے ختم میں نتیجہ کے طور پر اور اس سورت کے شروع میں تمہید کے طور پر قرآن کے ذکر ہونے کی آپس میں مناسبت بھی حاصل ہے۔

﴿حَمَّ ۖ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝﴾

ترجمہ ﴿حَمَّ﴾ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے۔
سورت کے مضامین کی تاکید کے لئے تمہید:

﴿حَمَّ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) یہ حکمت والے زبردست اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے (اور جب یہ ایسی کتاب ہے تو اس کے مضمون کو خوب توجہ سے سنا جائے)

﴿إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا یَبْدُوْا مِنْ دَآءِبٍ اٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّوقِنُوْنَ ۝ وَاٰخِرَآءِ الْیَلِّ وَالنَّهَارِ ۝ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَۢ بَعْدَ مَوْتِہَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیْحِ اٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے لئے بہت سے دلائل ہیں، اور خود تمہارے اور اُن حیوانات کے پیدا کرنے میں جن کو پھیلا رکھا ہے، دلائل ہیں اُن لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔ اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں اور اُس رزق میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا پھر اُس نے زمین کو تروتازہ کیا اُس کے خشک ہوئے پیچھے اور ہواؤں کے بدلنے میں دلائل ہیں، اُن لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

توحید:

چنانچہ اس مقام میں ایک مضمون تو توحید کا ہے جس کا بیان یہ ہے کہ (آسمانوں اور زمین میں آسمان والوں کے

(استدلال کے) لئے (قدرت اور توحید کی) دلیلیں ہیں اور (اسی طرح خود تمہیں اور ان حیوانوں کو پیدا کرنے میں جن کو (زمین پر) پھیلا رکھا ہے (قدرت اور توحید کی) دلیلیں ہیں ان لوگوں کے (سمجھنے کے) لئے جو یقین رکھتے ہیں اور (اسی طرح) رات اور دن کے ایک کے بعد ایک کے آنے جانے میں اور (اسی طرح) رزق کے اس (مادہ) سے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا (اس سے بارش مراد ہے) پھر اس (بارش) سے زمین کو تر و تازہ کیا، اس کے خشک ہو جانے کے بعد اور (اسی طرح) ہواؤں کے بدلنے میں (سمت اور کیفیت کے اعتبار سے، کہ کبھی پروا ہے، کبھی بچھوا، کبھی گرم ہے، کبھی ٹھنڈی۔ غرض ان سب چیزوں میں، قدرت اور توحید کی) دلیلیں (موجود) ہیں، ان لوگوں کے لئے جو (صحیح و سالم) عقل رکھتے ہیں (اور استدلال کا بیان سورۃ البقرہ آیت ۱۶۲ ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّمَن يَعْقِلُ﴾)۔

﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ، قَبْلَ آيَةِ حَدِيثِهِمْ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ﴾

ترجمہ: یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اور اُس کی آیتوں کے بعد اور کوئی بات پر یہ لوگ ایمان لاویں گے۔

نبوت:

(یہاں دوسرا مضمون نبوت کا ہے، جس کا بیان یہ ہے کہ) یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو صحیح پڑھ کر سناتے ہیں (جس سے نبوت ثابت ہوتی ہے لیکن عاجز کرنے والی اتنی بڑی دلیل ہونے کے باوجود بھی اگر یہ لوگ نہیں مانتے) تو پھر اللہ اور اس کی (ایسی) آیتوں کے بعد اور کوئی بات (اس سے بڑھ کر ہوگی جس پر) یہ لوگ ایمان لائیں گے۔

﴿وَنِيلُ لِّكُلِّ آفَاكٍ أَتَيْنَهُمْ ۖ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۚ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۚ مِنْ وَرَائِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۚ هَٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْزٍ أَلِيمٍ ۚ﴾

ترجمہ: بڑی خرابی ہوگی ہر ایسے شخص کے لئے جو جھوٹا ہو، نافرمان ہو، خدا کی آیتوں کو سنتا ہے جبکہ وہ اُس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں، پھر بھی وہ تکبر کرتا ہو، اس طرح اڑا رہتا ہے جیسے اُن کو سنا ہی نہیں، سو ایسے شخص کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اُس کی ہنسی اڑاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا

عذاب ہے۔ ان کے آگے جہنم ہے۔ اور نہ تو ان کے وہ چیزیں ذرا کام آویں گی جو کما گئے تھے اور نہ وہ جن کو انھوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔ یہ قرآن سر تا سر ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں کو نہیں مانتے اُن کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہوگا۔

ضدی لوگوں کا آخرت میں انجام:

(اور تیسرا مضمون آخرت میں انجام کا ہے جس میں حق کے ان مخالفوں کو سزا بھی ہوگی، جس کا بیان یہ ہے کہ) ہر ایسے شخص کے لئے بڑی خرابی ہوگی جو (عقائد سے متعلق باتوں میں) جھوٹا ہو اور (اعمال میں) نافرمان ہو، جو (اس کے باوجود کہ) اللہ کی آیتوں کو سنتا (بھی) ہے جب کہ وہ اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں (اور) پھر بھی وہ تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) اس طرح اڑا رہتا ہے جیسے اس نے ان (آیتوں) کو سنا ہی نہیں تو ایسے شخص کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے اور (اس شخص کی شرارت کا یہ حال ہے کہ) جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے، ایسے لوگوں کے لئے (آخرت میں) ذلت کا عذاب (ہونے والا) ہے (مطلب یہ کہ جن آیتوں کو تلاوت میں سنتا ہے، انہیں بھی جھٹلاتا ہے اور جن آیتوں کے بارے میں ویسے ہی کسی سے خبر سن لیتا ہے انہیں بھی جھٹلاتا ہے، غرض آیتوں کو جھٹلانے میں بہت بڑھا ہوا ہے۔

آگے اس عذاب کی تعیین ہے یعنی ان کے آگے جہنم (آ رہی ہے) اور (اس وقت) نہ تو وہ چیزیں ان کے ذرا کام آئیں گی جو (دنیا میں) کما گئے تھے (اس میں مال و دولت اور اعمال سب آگئے) اور نہ وہ (کام آئیں گے جن کو انھوں نے اللہ کے سوا سرپرست اور معبود) بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا (اور اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ) یہ قرآن سر تا سر ہدایت ہے (جس کا قبول و تسلیم کرنا فرض ہے) اور (اس کا تقاضا یہی ہے کہ) جو لوگ اپنے رب کی (ان) آیتوں کو نہیں مانتے ان کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہوگا (علف اور حکم کا یہ دہرانا برا ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ آیتوں کے جھٹلانے اور عذاب و سزا کی ترہیب کو دوبارہ لائے)

فائدہ: ایمان والوں اور یقین والوں کے لئے جو ان دلیلوں کا نافع ہونا فرمایا اس کے باوجود کہ یہ عقلی دلیلیں ہیں جیسا کہ ﴿لَقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے تو ایمان اور یقین سے مراد عام ہے چاہے بالقوۃ ہو اور طلب کے ساتھ ہو یا بالفعل یعنی درست اور حصول کے طور پر ہو، اور عقلی دلیل میں بھی نظر اور طلب ضروری ہے اور آیتوں کے فاصلوں کا اختلاف ﴿يُؤْمِنُونَ﴾ اور ﴿يُوقِنُونَ﴾ اور ﴿يَعْقِلُونَ﴾ سے کلام میں لطف پیدا ہوا ہے۔

﴿اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَسَبِّحُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا تاکہ اُس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اُس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ اور جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں، اُن سب کو اپنی طرف سے مسخر بنایا۔ بیشک ان باتوں میں اُن لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں۔ آپ ایمان والوں سے فرمادیجئے کہ اُن لوگوں سے درگزر کریں جو خدا تعالیٰ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے تاکہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو اُن کے عمل کا صلہ دے۔ جو شخص نیک کام کرتا ہے، سو اپنے ذاتی نفع کے لئے اور جو شخص بُرا کام کرتا ہے، اُس کا وبال اُسی پر پڑتا ہے پھر تم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

رابطہ: اوپر آیت ﴿وَيُنَزِّلُ لِكُلِّ اُمَّةٍ مِّنْهُنَّ اٰیٰتًا﴾ میں کافروں کے جھوٹے، نافرمان، گھمنڈ کرنے اور اڑے رہنے اور مذاق اڑانے کا ذکر تھا اور ان کی ان شرارتوں پر مسلمانوں کو غصہ آجایا کرتا تھا۔ اب انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینے کا امر ہے، اور ان کی تسلی کے لئے قیامت کے دن ان سے انتقام لینے کا ذکر ہے۔

مشرکوں کی اذیت برداشت کرنے کا حکم اور ترغیب اور

مؤمنوں کی تسلی کے لئے ان کے عذاب کی طرف اشارہ

آپ ایمان والوں سے فرمادیجئے کہ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے جو اللہ تعالیٰ کے معاملات (آخرت میں دوستوں کو نعمت اور دشمنوں کو سزا) کا یقین نہیں رکھتے (یعنی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں) تاکہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو (یعنی مسلمانوں کو) ان کے (اس نیک) عمل کا (اچھا) بدلہ دے (کیونکہ وہاں کا کلی قاعدہ ہے کہ) جو شخص نیک کام کرتا ہے تو اپنے ذاتی نفع (دُوباب) کے لئے (کرتا ہے) اور جو شخص بُرا کام کرتا ہے، اس کا وبال اُسی پر پڑتا ہے، پھر (سب نیک و بد اچھے اور برے کام کرنے کے بعد) تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے (لہذا وہاں تمہیں اچھے اخلاق اور نیک عملوں کا نعم البدل یعنی اچھا و بہترین بدلہ اور تمہارے ان مخالفوں کو ان کے کفر و نافرمانیوں پر برابر بدلہ دیا جائے گا تو تمہارے لئے یہاں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا ہی مناسب ہے)

فائدہ: اور اس سے جہاد کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ یہاں اس انتقام سے روکا ہے جس سے اعلاء کلمۃ اللہ یعنی اللہ کے بول کو بالا کرنا، بات اونچی کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ محض اپنے غصہ اور غضب کی تسکین مقصود ہو۔ اور جہاد میں اصل مقصود اللہ کی بات اونچی کرنا ہے، چاہے اس کے ذیل میں غصہ کی تسکین بھی ہو جائے۔

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَآءَ بِلَ الْكِتَآبِ وَالْحُكْمِ وَالتَّوْبَةِ وَرَزَقْنَهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَآتَيْنَهُم بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعْغِيًّا بَيْنَهُمْ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ إِنَّهُمْ كَنُ يُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَلَا تِلْ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۝ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ۝ هَٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت دی تھی اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں کھانے کو دی تھیں اور ہم نے ان کو دنیا جہان والوں پر فوقیت دی۔ اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دیں۔ سو انھوں نے علم ہی کے آنے کے بعد باہم اختلاف کیا بوجہ آپس کی ضد اضدی کے۔ آپ کا رب ان کے آپس میں قیامت کے روز ان امور میں فیصلہ کر دے گا جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے۔ پھر ہم نے ان کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے جائیے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے۔ یہ لوگ خدا کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے۔ اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ دوست ہے اہل تقویٰ کا۔ یہ قرآن عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین لانے والوں کے لئے بڑی رحمت ہے۔

رابطہ: اوپر کے تینوں مضمونوں میں نبوت کا بھی مضمون تھا۔ اب پھر اس سے متعلق مناسب امور کے ضمن میں اسی کا ذکر ہے۔

نبوت اور اس سے متعلق امور کا پھر سے تذکرہ:

اور (نبوت کوئی انوکھی چیز نہیں جس کی وجہ سے اس کا انکار کیا جائے، چنانچہ اس سے پہلے) ہم نے بنی اسرائیل کو (آسمانی) کتاب اور حکمت (یعنی احکام کا علم) اور نبوت دی تھی (انہیں نبوت دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں نبی پیدا کئے) اور ہم نے انہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دی تھیں (اس طرح کہ تہیہ کے میدان میں من و سلوی دیا پھر انہیں ملک شام کا مالک بنایا جہاں زمینی برکتوں کی کانیں ہیں) اور ہم نے (بعض امور جیسے دریا کو پھاڑ کر اس میں راستہ دینا اور بادلوں کے

ذریعہ ان پر سایہ کرنا وغیرہ میں) انہیں دنیا جہان والوں پر فوقیت دی تھی اور ہم نے انہیں دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دیں (یعنی انہیں بڑے کھلے معجزے دکھائے۔ غرض حسی اور معنوی اور علمی جس کے دو شعبے ہیں: (۱) مسئلے اور (۲) دلیلیں۔ انہیں سبھی طرح کی نعمتیں دیں) تو چاہئے تو یہ تھا کہ خوب اطاعت کرتے، مگر انہوں نے علم کے آنے کے بعد ہی آپس میں اختلاف کیا۔ آپس کی ضد کی وجہ سے (جس کا بیان سورۃ البقرہ آیت ۲۱۲ میں ہوا ہے یعنی جو چیز اختلاف کو دور کرنے والی تھی اسے اپنی مرضی اور ضد کی وجہ سے اختلاف کا سبب بنا لیا۔ اس کی وجہ نہ دلیلیں تھیں اور نہ ہی یہ تھی کہ حکموں میں کچھ شک و شبہ تھے۔ تو) آپ کا رب قیامت کے دن ان کے آپس کے ان امور میں (عملی) فیصلہ کر دے گا، جن میں یہ آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے (اس مضمون سے دو باتیں واضح ہو گئیں: ایک بنی اسرائیل کو کتاب اور احکام اور نبوت ملنے سے آپ ﷺ کی نبوت کی تائید ہو گئی۔ دوسرے آپ کی تسلی کہ اختلاف کی جو وجہ بنی اسرائیل کو پیش آئی تھی، وہی آپ کی قوم کو آپ کے ساتھ اختلاف کرنے میں پیش آئی ہے یعنی دنیا کی محبت اور حسد اور نفسانیت یہ نہیں کہ آپ کی دلیلوں یا احکام کے واضح ہونے میں کچھ کمی ہو، لہذا آپ غم نہ کریں، جس قصہ کا یہاں ذکر کیا گیا، اس کو یاد کر لیا کریں کہ بنی اسرائیل کے لئے کیا کیا معاملے ہوئے تھے) پھر (بنی اسرائیل میں نبوت کا دور ختم ہونے کے بعد) ہم نے آپ کو (نبوت دی، اور آپ کو) دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا۔ تو آپ اسی طریقہ پر چلتے رہئے (یعنی عمل میں بھی اور تبلیغ میں بھی) اور ان جاہلوں کی خواہشوں پر مت چلئے (یعنی ان کی خواہش تو یہ ہے کہ آپ تبلیغ کرنا چھوڑ دیں اور اسی لئے یہ طرح طرح سے پریشان کرتے ہیں تاکہ آپ تنگ اور پریشان ہو کر تبلیغ کرنا بند کر دیں، حالانکہ آپ سے یہ احتمال نہیں مگر امر کی تقویت اور اہتمام کے لئے آپ کو پھر اس کا حکم ہوتا ہے۔ آگے اسی طریقہ پر اس حکم کی صلت بیان فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آ سکتے (لہذا ان کا اتباع نہ ہونے پائے) اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں (اور ایک دوسرے کا کہنا مانتے ہیں) اور اللہ تقویٰ والوں کا دوست ہے (اور تقویٰ والے اس کا کہنا مانا کرتے ہیں، تو جب آپ ظالم نہیں ہیں بلکہ تقویٰ کے راستہ پر چلنے والوں کے امام ہیں تو آپ کو ان کے اتباع سے کیا تعلق؟ ہاں اللہ کے حکم کی پیروی کرنے سے خاص تعلق ہے، غرض آپ نبوت والے اور حق و صحیح شریعت والے ہیں اور) یہ قرآن (جو آپ کو ملا ہے یہ) عام لوگوں کے لئے دانش مند یوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین (یعنی ایمان) لانے والوں کے لئے بڑی رحمت (کا سبب) ہے (اور ظاہر ہے کہ علم اور ہدایت، راستہ بتانے کے معنی میں تو عام ہے اور رحمت یعنی ثمرہ عمل صرف ایمان والوں کے ساتھ خاص ہے)

﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الصَّالِحَاتِ ۚ سَوَاءٌ مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: یہ لوگ جو بُرے کام کرتے ہیں، کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اُن کو اُن لوگوں کی برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جاوے۔ یہ نہ احکم لگاتے ہیں۔

رابطہ: اوپر تینوں مضمونوں میں آخرت اور اس کے انجام کا بھی مضمون تھا اور اوپر ﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا﴾ الخ کی حکمت میں اور ﴿يَقْضَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ میں بھی اس سے متعلق مضمون تھا اب پھر اسی کا ذکر ہے۔

اس میں پہلے ﴿أَمْ حَسِبَ﴾ میں آخرت کی حکمت، پھر ﴿خَلَقَ اللَّهُ﴾ میں اس کا صحیح ہونا اور دوسری حکمت کا بیان ہے، پھر ﴿أَفَرَأَيْتَ﴾ میں حق کے مطلق انکار پر جس میں آخرت بھی داخل ہے، اس کا انکار کرنے والوں کی برائی، پھر ﴿قَالُوا﴾ میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے، پھر ﴿قَالَ اللَّهُ﴾ میں اس کا جواب اور پھر ﴿وَلِلَّهِ الْمُلْكُ السَّمُوتِ﴾ میں اس جواب کی تائید اور ﴿يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ﴾ سے ﴿يُسْتَعْتَبُونَ﴾ تک ترتیب سے اس کے کچھ واقعوں کا ذکر ہے۔

آخرت کی حکمت:

کیا یہ (قیامت کا انکار کرنے والے) لوگ جو بُرے کام (کفر و شرک اور ظلم و نا فرمانی) کرتے (رہتے) ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی برابر رکھیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل اختیار کئے کہ ان سب کا جینا اور مرنا ایک جیسا ہو جائے (یعنی مومنوں کا مرنا جینا اس معنی میں آپس میں ایک جیسا ہو جائے کہ جس طرح انہوں نے زندگی میں لذتوں سے فائدہ نہ اٹھایا، اسی طرح مرنے کے بعد وہ بھی محروم رہیں، اور اسی طرح کافروں کا مرنا جینا بھی اس معنی میں آپس میں ایک جیسا ہو جائے کہ جیسے زندگی میں عذاب اور سزاؤں سے بچے رہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس سے محفوظ رہیں۔ مطلب یہ کہ آخرت کے انکار سے یہ لازم آتا ہے کہ اطاعت کرنے والوں کو کہیں طاعت کا پھل نہ ملے، اور مخالفوں پر کبھی مخالفت کا وبال نہ پڑے۔ اور اگرچہ یہ امر اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن تھا مگر چونکہ صحیح شرعی دلیلوں سے ہر ایک کو عملوں کے پھلوں اور نتیجوں کا ملنا حکمت کے مطابق ہونا ثابت ہے، لہذا اس حکمت کا واقع ہونا ظاہر ہو گیا اور دنیا میں یہ واقع نہیں ہوا، لہذا لازمی طور پر آخرت کا وجود ضروری ہو گیا۔ لہذا یہ لوگ جو قیامت کے انکار سے مذکورہ برابری کا حکم لگاتے ہیں تو) یہ برا حکم لگاتے ہیں (کیونکہ صحیح دلیلوں سے اس کا باطل ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ لہذا آخرت کے وجود کی یہ حکمت ہوئی کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ لال جائے)

فائدہ: یہ تفسیر اللہ کی طرف سے دل میں ڈالی ہوئی باتوں کا نتیجہ ہے۔ واللہ الحمد۔ اور اگلی آیت کی تفسیر کے فائدے کو اس سے تعلق ہے، دیکھ لیا جائے۔

﴿وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلَيُخْرِجَنَّ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جاوے اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جاوے گا۔

آخرت کا امکان اور صحت اور ایک دوسری حکمت:

اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا (ان میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ انہیں پیدا کرنے پر قدرت ہونے سے قیامت میں اٹھائے جانے پر استدلال کیا جائے) اور (دوسری حکمت یہ ہے کہ) تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے (جس کی وضاحت سورة الدخان آیت ۳۸ ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ الخ کے ترجمہ میں گذر چکی ہے۔ اور دنیا میں پورا بدلہ نہیں ہے، لہذا ضرور آخرت ہونے والی ہے، وہاں بدلہ ملے گا) اور (اس بدلے میں) ان پر ذرا (بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ: جس حکمت کا ذکر اوپر والی آیت میں کیا گیا ہے اور جس حکمت کا اس آیت میں ذکر ہے، دونوں کا اصل حاصل ایک ہی ہے یعنی اطاعت کرنے والوں کو اطاعت کی جزا ملنا۔ اور مخالفت کرنے والوں کو مخالفت کی سزا ملنا، لیکن اس دوسری آیت میں تو خود عمل کا اپنے آپ میں جزا کا تقاضا کرنا اور دونوں عملوں کا برابر نہ ہونا مقصود ہے، اور اس پہلی آیت میں خود عمل کی جزا کا تقاضا ہونے کے علاوہ اس کا خاص اس اعتبار سے بھی جزا کا تقاضا ہونا مقصود ہے کہ جزا نہ ملنے میں نیک عمل کرنے والے اور برے عمل کرنے والے کی بھی برابری لازم آتی ہے اور طبعی طور پر یہ ایک مستقل بچنے کی چیز ہے، چنانچہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک ہی نوکر ہو اور وہ ہر طرح سے اطاعت کرتا ہو مگر اسے کوئی انعام و اکرام نہ دیا جائے تو اسے اس قدر شکایت نہیں ہوتی جیسا کہ اس صورت میں ہوتی ہے کہ ایک دوسرا شریو نوکر آجائے، اور وہ طرح طرح کی شرارتیں کرتا ہو اور اس کی شرارت پر بھی کوئی سزا نہ دی جائے، اس وقت اس فرماں بردار اور اطاعت کرنے والے نوکر کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہوگا کہ میرے اطاعت کرنے سے کیا فائدہ ہوا، کہ میرے اطاعت کرنے کی کوئی قدر ہی نہیں ہوئی کہ اگر اس شریو کو سزا ملتی تو میں یہی سمجھ لیتا کہ چلو خیر اگر اطاعت میں انعام نہیں ہے تو یہی فائدہ سہی کہ سزا سے حفاظت رہتی ہے اور جب کہ اسے سزا بھی نہیں ملی تو میری اطاعت بے کاری ہو گئی۔ خوب سمجھ لو۔

اور گذشتہ آیت کی ایک مشہور تفسیر اور ہے یعنی کیا ہم دونوں کی زندگی اور دونوں کی موت برابر کر دیں گے؟ اور مراد دونوں کے مجموعہ پر انکار فرمانا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح زندگی میں مومن اور کافر اکثر امور جیسے صحت و تندرستی، رزق اور

عافیت وغیرہ میں خود مذکورہ امور کے اعتبار سے برابر رہتے ہیں چاہے مقدار و تعداد اور کیفیت میں فرق ہو اور دونوں فریقوں میں امیر و غریب اور آزمائش میں جتلا اور بیمار بھی ہوتے ہیں، چاہے کسی وزیادتی کا فرق ہو تو کیا موت کے بعد بھی ان کو برابر رکھیں گے اور ایک کی اطاعت اور دوسرے کی معصیت و نافرمانی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ اب پڑھنے والے اپنے مزاج اور ذوق و پسند کے مطابق جس کو چاہیں اختیار کر لیں، اور بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ بعض کافروں نے کہا تھا کہ اگر آخرت کوئی چیز ہے تب بھی ہم آخرت میں مسلمانوں سے افضل رہیں گے۔ یہ آیت ان کے جواب میں آئی ہے جیسا کہ خازن میں بغیر سند و حوالہ کے لکھا ہے، تو اس صورت میں پہلی بات اس طرح ہوگی کہ کیا ہم مسلمانوں کی زندگی اور موت کو برابر کر دیں گے؟ کہ یہاں بھی اکثر کے اعتبار سے دنیاوی سامان میں کافروں سے کم رہے اور وہ وہاں بھی کم رہیں، اور اسی طرح کیا کافروں کی زندگی اور موت کو برابر کر دیں گے کہ یہاں بھی اکثر کے اعتبار سے مسلمانوں سے بڑھے رہے اور وہاں بھی بڑھے رہیں گے۔ اور دوسری بات اس طرح ہوگی کہ بڑھا ہوا تو کیا معنی عزت و کرامت یا نہ پکڑنے میں بھی برابری نہیں ہوگی بلکہ دونوں کی موت کے بعد کی حالت میں عذاب و سزا کے ملنے اور نہ ملنے کا فرق ہوگا۔ چاہے دنیا میں عذاب و سزا نہ ملنے کے اعتبار سے برابری رہے۔

﴿ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمِهِ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ فَمَنْ يَضِلُّ ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝﴾

ترجمہ: سو آپ نے اُس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے اور خدا تعالیٰ نے اُس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اُن کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اُس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔ سو ایسے شخص کو بعد خدا کے کون ہدایت کرے۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

آخرت کا انکار کرنے والوں کی برائی:

تو کیا (توحید اور آخرت کے ان مبلغ بیانیوں کے بعد) آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی ہے جس نے اپنا معبود اپنی نفسانی خواہش کو بنا رکھا ہے؟ (کہ جو جی میں آتا ہے علم کے اور عمل کے اعتبار سے اس کا اتباع کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا ہے (کہ حق کو سنا اور سمجھا بھی مگر اپنی خواہش کے اتباع کی وجہ سے گمراہ ہو گیا) اور (اللہ تعالیٰ نے) اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے (یعنی خواہش کے اتباع کی بدولت حق کو قبول کرنے کی استعداد نہایت کمزور ہو گئی) تو ایسے شخص کو اللہ کے (گمراہ کر دینے کے) بعد کون ہدایت کرے (اس میں تسلی بھی ہے۔ آگے ان منکروں کو ملامت اور ڈانٹ و دھمکی کے طور پر خطاب ہے کہ) کیا تم (ان بیانیوں کو سن کر) پھر بھی

نہیں سمجھتے؟ (یعنی وہ سمجھنا شروع دینے والا ہو، چاہے وہ عام معنی میں سمجھتے تھے)

فائدہ: یوں تو خواہش کی پیروی کرنے پر برائی ظاہر کرنا آخرت کے انکار کے ساتھ خاص نہیں، لیکن بندہ نے اس پر اس لئے محمول کیا ہے کہ آگے پیچھے آخرت ہی کا ذکر ہے اور خود کلمہ فابھی اس سے زیادہ متعلق ہے اور ممکن ہے کہ عام کہا جائے، اور آخرت کو اس عام کا خاص پہلا فرد کہا جائے، اور اگر یہ توحید کے باب میں ہو تو چونکہ توحید کا انکار اور آخرت کا انکار ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں، اس لحاظ سے یہ برائی آخرت کے انکار پر متوجہ ہو سکتی ہے۔

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْدِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اسْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُعَذِّبُكُمْ ثُمَّ يُبَيِّنُكُمْ ثُمَّ يُجْمَعُ كُفْرُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ سے موت آ جاتی ہے، اور ان لوگوں کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں۔ اور جس وقت اُن کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو اُن کا بجز اس کے اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادوں کو سامنے لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھتا ہے پھر تم کو موت دے گا، پھر قیامت کے دن جس میں ذرا شک نہیں تم کو جمع کرے گا، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

آخرت کا انکار کرنے والوں کی باتوں کا جواب:

اور یہ (بعثت کا انکار کرنے والے) لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیاوی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی (آخرت میں) نہیں ہے، ہم (یہی ایک مرنا) مرتے ہیں، اور (یہی ایک جینا) جیتے ہیں (مقصود تو زندگی کا دنیاوی زندگی میں حصر کرنا ہے اور موت کا حصر تابع کی حیثیت سے نظیر کے طور پر بیان کر دیا کہ دیکھو موت کے بارے میں تو سب کا اتفاق ہے کہ ایک ہی ہے، اسی طرح زندگی بھی ایک ہی ہے) اور ہمیں صرف زمانہ (کی گردش کی وجہ سے) موت آ جاتی ہے (مطلب یہ ہے کہ زمانہ کے گزرنے کی وجہ سے بدن کی قوتیں تحلیل ہو جاتی ہیں اور ان طبعی اسباب سے موت آ جاتی ہے اور اسی طرح زندگی کا سبب بھی طبعی امور ہیں، لہذا جب موت اور زندگی طبعی اسباب کا تقاضا ہیں اور دوسری زندگی طبعی اسباب کا تقاضا نہیں ہے تو دوسری زندگی نہیں ہوگی، تو یہ قول ﴿مَا يُهْدِكُنَا﴾ الخ قول ﴿مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا﴾

پر دلیل کے درجہ میں ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اللہ کے منکر ہوں، لیکن یونانی فلسفیوں کی طرح واجب الوجود کو ماننے کے باوجود نوعی صورتوں کو فاعل اور حیولی صورتوں کا قبول کرنے والا مانتے تھے) اور (آگے انہیں جاہل یعنی علم سے خالی اور محروم قرار دینا ہے) ان لوگوں کے پاس اس سلسلہ میں کوئی دلیل نہیں ہے صرف خیالی باتیں کر رہے ہیں (یعنی آخرت کی زندگی کے انکار اور نفی پر کوئی دلیل نہیں ہے اور جو دلیل بیان کی ہے خود اس پر کوئی دلیل نہیں۔ اور پوری طرح واضح نہ ہونا ظاہر ہے بلکہ یہ بات دلیل کے خلاف ہے جیسا کہ علم کلام میں ثابت ہوا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل مختار یعنی ہر کام اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے کرنے والا ہے اور یہ بات کسی مسبب کے طبعی اسباب پر موقوف ہونے کی نفی کرنے والی ہے، لہذا نہ تو ان کے پاس کوئی دلیل ہے) اور (نہ حق والوں کی دلیل کا وہ کچھ جواب دے سکتے ہیں، چنانچہ) جس وقت (اس بارے میں) ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں (جن کے صحیح اور قطعی ہونے پر خود ان کی ذاتی صفت اعجاز یعنی معجزہ ہونے کی دلیل ہے) پڑھی جاتی ہیں (جو مطلوب بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں) تو (اس پر) ان کا اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے (ہمارے سامنے لے آؤ اگر تم (اس دعوے میں) سچے ہو) اور اس جواب کے سوا کوئی اور جواب نہیں دے سکتے۔ مثال کے طور پر کسی عقلی دلیل سے عقلی طور پر اس کا ناممکن ہونا ثابت کر دیتے تاکہ بحث اور مقابلہ کے وقت نفی دلیل کو صحیح ماننے کی صورت میں اس کی تاویل کر لی جائے اور صحیح نہ ماننے کی صورت میں اس کو چھوڑ دیا جائے یا قرآن جیسی کوئی اور کتاب یا اس جیسی ایک سورت ہی لے آتے جیسا کہ قرآن میں بار بار چیلنج کیا گیا ہے تاکہ اس کے معجزہ ہونے کے دعویٰ کا جواب ہو جاتا مگر ان سے اس طرح کا کوئی جواب نہیں بن سکا اور جو جواب دیا وہ بالکل نامعقول ہے یعنی عقل اور سمجھ میں آنے کے لائق نہیں، کیونکہ کسی خاص کو زندہ کرنے کی نفی سے مطلق زندہ کرنے کی نفی لازم نہیں آتی۔ چنانچہ اسی جواب کے لئے ارشاد ہے کہ) آپ یوں کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں (جب تک چاہتا ہے) زندہ رکھتا ہے پھر (جب چاہے گا) تمہیں موت دے گا، پھر قیامت کے دن جس (کے واقع ہونے) میں ذرا شک نہیں تمہیں (زندہ کر کے) جمع کرے گا (لہذا دعویٰ اس دن زندہ کرنے کا ہے اور دنیا میں مردوں کو زندہ نہ کرنے سے اس زندہ کرنے کی نفی لازم نہیں آتی) لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے (اور اپنی دلیل کے بغیر اور مخالف دلیل کا صحیح جواب دے کر اس کو رد کئے بغیر حق کا انکار کرتے ہیں)

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُحْضَرُ الْمُبْطِلُونَ ۝ كُلُّ اُمَّةٍ جَاثِيَةٌۭ بِحُدُودِهَا ۚ ثُمَّ يُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ هٰذَا كِتٰبُنَا يُنْطَقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۖ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنۡسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوۡفِيۡهِمُ رَہِمُہُمۡ فِي رَحْمَتِہٖ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيۡنُ ۝﴾

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا أَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تَعْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَانْكَبِرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝
وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ ۖ
إِنْ نَظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُتَّقِينَ ۝ وَبَدَأَ الْهُمُ سَيِّئَاتٍ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا
كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنفُسُكُمْ كَمَا لَيْسْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَا أَنتُمْ بِالنَّارِ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ تُصْرِيْنَ ۝ ذَلِكُمْ بِأَنكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَعَظَمْتُمْ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
فَالْيَوْمَ لَا يُخْرِجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ ﴿

ترجمہ: اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اُس روز اہل باطل خسارہ میں پڑیں گے۔ اور آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ زانوں کے بل گر پڑیں گے ہر فرقہ اپنے نادمہ اعمال کی طرف بلایا جاوے گا۔ آج تم کو تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا۔ یہ ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے۔ ہم تمہارے اعمال کو لکھواتے جاتے تھے۔ سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے تو اُن کو اُن کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، اور یہ صریح کامیابی ہے۔ اور جو لوگ کافر تھے، کیا میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں، سو تم نے تکبر کیا تھا اور تم بڑے مجرم تھے۔ اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو یقین نہیں۔ اور اُن کو اپنے تمام بُرے اعمال ظاہر ہو جاویں گے اور جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ اُن کو آگھیرے گا۔ اور کہا جاوے گا کہ آج تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا، اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے خدا تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، سو آج نہ تو یہ دوزخ سے نکالے جاویں گے اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جاوے گا۔

مذکورہ جواب کی تائید اور قیامت کے بعض واقعات:

اور (اوپر جو کہا گیا ہے ﴿يَجْمَعُكُمْ﴾) الخ تو اسے کچھ مشکل یا ناممکن نہ سمجھا جائے، کیونکہ) آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی سلطنت ہے (وہ جو چاہے تصرف کرے، لہذا یہ تصرف بھی جو کہ اپنے آپ میں اور اس کی قدرت کے اعتبار سے ممکن ہے ناممکن نہیں۔ یہ جواب کی تائید ہوگئی) اور (آگے واقعات کا ذکر ہے کہ) جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن باطل والے گھاٹے میں رہیں گے۔ اور آپ (اس دن) ہر گروہ کو (خوف کے مارے) گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھیں گے ہر گروہ اپنے اعمال نامہ میں (لکھے ہوئے اعمال کے حساب) کی طرف بلایا جائے گا (اعمال نامہ کی طرف بلانے کا

مطلب یہی ہے کہ اعمال نامہ میں لکھے ہوئے اعمال کے حساب اور ان کے بارے جزا و سزا کے فیصلہ کے لئے بلایا جائے گا ورنہ اعمال نامے تو خود ان کے پاس ہوں گے اور انہیں اعمال نامہ سمیت بلایا جانا ثابت ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ الْكِتَابُ وَنُفَخُ الْفُتُوحُ﴾ اور ان سے کہا جائے گا کہ (آج تمہیں تمہارے لئے کا بدلہ ملے گا) اور کہا جائے گا کہ (یہ اعمال نامہ) ہمارا (لکھایا ہوا) دفتر ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے (یعنی تمہارے اعمال کو ظاہر کر رہا ہے اور) ہم (دنیا میں) تمہارے (سب) اعمال کو (فرشتوں کے ذریعہ) لکھاتے رہتے تھے (اور یہ انہی کا لکھا ہوا ہے) تو (حساب کے بعد فیصلہ یہ ہوگا کہ) جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے تو انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، اور یہ کھلی کامیابی ہے اور جو لوگ کافر تھے (ان سے کہا جائے گا کہ) کیا تمہیں میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں؟ تو تم نے (انہیں قبول کرنے) سے تکبر کیا تھا اور (اس وجہ سے) تم بڑے مجرم تھے اور (تمہارا یہ حال تھا کہ) جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ (مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور جزا و سزا سے متعلق) اللہ کا وعدہ سچ ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم (نہایت بے پروائی سے) کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے (صرف سننے سنانے سے) بس ایک خیال سا تو ہمیں بھی آتا ہے (جیسے جموئے قصبیوں کو آپس میں ملانے سے بھی منطق کی اصطلاح میں تصور ہوا کرتا ہے) اور (یقینی یا ظنی باتوں کو ملانے کی منطقی اصطلاح تصدیق کی طرح) ہمیں (اس کا) یقین (حاصل) نہیں (بلکہ ان کے دوسرے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس کا احتمال بھی نہیں۔ یا یہ قول ان عوام کا ہو جنہیں اس کا شک و شبہ تھا اور لفظ ﴿مَّا نَذَرْنِي﴾ سے بھی یقین کی نفی ہو اور نفی کا یقین نہ ہو) اور (اس وقت) ان پر ان کے اپنے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ انہیں آگھیرے گا اور (ان سے) کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں (یعنی رحمت سے محروم کئے دیتے ہیں، جس کو مجاز کے طور پر بھلانا کہہ دیا) جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور (آج) تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے، یہ (سزا) اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا مذاق اڑایا تھا اور تمہیں دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا (کہ اس میں مشغول ہو کر آخرت سے بالکل غافل بلکہ منکر ہو گئے تھے) تو آج نہ تو یہ لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ کی ناراضی کا تذکرہ چاہا جائے گا (یعنی اس کا موقع نہ دیا جائے گا کہ توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لیں)

فائدہ: ﴿كُلُّ أُمَّةٍ جَاثِيَةٍ﴾ میں اگر لفظ ”کل“ عام ہو تو ظاہر میں مقبول لوگوں کے لئے بھی ہونا کی کا ثبوت لازم آتا ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ بہت تھوڑی دیر کے لئے ہونے کی وجہ سے ذکر کے قابل نہ ہو، اس لئے خوف و گھبراہٹ کی نفی والی نصوص سے اس کا کٹراؤ نہ ہوگا۔ اور اگر اس عام میں سے بعض کو مخصوص کر لیا گیا ہو تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر جاثیہ کے معنی جیسا کہ دوسرے مفسروں نے قرار دیئے ہیں یہ کئے جائیں کہ حساب کے وقت ادب کی

وجہ سے کھٹنے موڑ کر دوڑا نو بیٹھے ہوں گے تو پھر کچھ اشکال ہی نہیں اور ظن اور استیقان کے ترجمہ میں تصور و تصدیق سے علم منطق والوں کے نزدیک معتبر تصور و تصدیق مراد ہے۔

﴿فَبِثَّةِ الْحَمْدِ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَهُ الْكِبَرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

ترجمہ: سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا، پروردگار ہے تمام عالم کا۔ اور اسی کو بڑائی ہے آسمان و زمین میں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

رابطہ: اوپر سورت کی بحثوں سے حق تعالیٰ کی رحمت و حکمت اور عظمت و عزت اور نرمی و مہربانی اور ہیبت پر ولایت ہوتی ہے چنانچہ نبوت کے سلسلہ سے رحمت اور حکمت اور توحید کے مسئلہ سے عزت اور عظمت اور آخرت کے مسئلہ سے نرمی و مہربانی اور ہیبت کا ہونا ظاہر ہے۔ آگے خاتمہ میں اس لازمی دلالت کی مقصود کے طور پر تصریح ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتوں کے کمال کا بیان:

(جب یہ سارے مضمون سن لئے) تو (ان سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ) تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے (ثابت) ہیں جو آسمانوں کا رب (یعنی ایجاد کرنے والا اور باقی رکھنے والا) ہے اور زمین کا رب ہے (اور آسمان اور زمین ہی کی کیا خاص بات ہے وہ تو) سارے عالموں کا رب ہے (اس سے رحمت معلوم ہوئی کیونکہ ایجاد کرنا اور باقی رکھنا اصل رحمت ہے) اور آسمانوں اور زمین میں اسی کو بڑائی ہے (جو آثار و علامتوں سے ظاہر ہو رہی ہے) اور وہی زبردست ہے، حکمت والا ہے (اس کی دلالت مذکورہ باقی صفتوں پر ظاہر ہے)

﴿الحمد للہ سورۃ الجاثیہ کی تفسیر پوری ہوئی، اور یہاں تفسیر (کامل بیان القرآن) کی دسویں جلد پوری ہوئی

اور اس پر قرآن کریم کی ۳۵ سورتیں پوری ہوئیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ میری زندگی کے ۳۵ سال

پورے ہوئے، نہ جیسے اضافہ کے ساتھ جو چھ ماہ سے زیادہ نہیں اور یہ اختتام بروز جمعرات ۱۷ ربیع الثانی

سنہ ۱۳۲۵ھ کو ہوا اور اب جو سورتیں باقی ہیں وہ چھوٹی ہیں، میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ شروع سے تمہید

اور آخر سے تاریخ حذف کروں مگر کسی لائق مارض کی وجہ سے اور دعا گو ہوں کہ باقی تفسیر کی تکمیل کی توفیق

عطا فرمائے۔ وہو علی کل شیء قدير ﴿

رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ

﴿ایک عظیم تحفہ، ایک محیر العقول کارنامہ﴾

رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ — حضرت الامام المجدد والشاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ عالم اسلام کی ان برگزیدہ علمی شخصیتوں میں سے ہیں جن کی شہرت زمان و مکان کی قیود میں محدود نہیں، وہ اگرچہ ہندوستان میں پیدا ہوئے مگر ان کی شخصیت تمام عالم اسلام کا سرمایہ ہے۔ ان کی کتابیں اور ان کے علوم و معارف اسلامی تاریخ کا اصول خزانہ ہیں۔ حضرت الامام کی بہت سی کتابیں مختلف موضوعات پر ہیں لیکن حکمت شرعیہ اور فلسفہ اسلام پر ان کی کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ اپنی نظیر آپ ہے۔ شرح سے علماء، طلباء اور پڑھے لکھے لوگ بھی خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ شرح پانچ جلدوں میں اور تین ہزار چھ سو صفحات میں مکمل ہوئی ہے۔ اور قیمت اتنی کم ہے کہ اس ضخامت کی کتاب بازار میں اس قیمت پر دستیاب نہیں۔ نیز حضرت مفتی صاحب نے ایک احسان امت پر یہ بھی کیا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ پر عربی حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ جو دو جلدوں میں طبع ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں رحمۃ اللہ الواسعہ کا خلاصہ نکالا ہے جو کامل برہان الہی کے نام سے چار جلدوں میں مطبوع ہے۔

تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری

تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری: یہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کے دروس بخاری کا مجموعہ ہے، بارہ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے، جو مکمل بخاری شریف پر مشتمل ہے، مقدمہ: نایاب اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اور شرح کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مدارک اجتہاد بیان کئے گئے ہیں، نیز بخاری شریف کی عبارت صحیح اعراب کے ساتھ دی گئی ہے اور کتاب کا ہر لفظ حل کیا گیا ہے، غرض یہ شرح ہر مدرس کی ضرورت اور حدیث کے ہر طالب علم کی حاجت ہے۔

تحفۃ اللمعی شرح سنن الترمذی

تحفۃ اللمعی شرح سنن الترمذی: یہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کے دروس ترمذی کا مجموعہ ہے، آٹھ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے، جو ترمذی شریف جلد ثانی مع شمائل ترمذی پر مشتمل ہے، مقدمہ: نایاب اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اور شرح کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مدارک اجتہاد بیان کئے گئے ہیں، نیز ترمذی شریف کی عبارت صحیح اعراب کے ساتھ دی گئی ہے اور کتاب کا ہر لفظ حل کیا گیا ہے، شروع میں کتاب العلل کی شرح بھی ہے، جو ایک قیمتی سوغات ہے۔ غرض یہ شرح ہر مدرس کی ضرورت اور حدیث کے ہر طالب علم کی حاجت ہے۔

اہم تصانیف: حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

① ہادیہ شرح کافیہ: کافیہ: علم نحو کا مشہور و مقبول متن متین ہے، اس کی عبارت سلیس اور آسان ہے، مگر اس آسان کتاب کو طریقہ تدریس نے مشکل بنا دیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے اس پر ایک کام یہ کیا ہے کہ کافیہ کو مفصل و مرقم کیا ہے۔ اس کے ہر مسئلہ اور ہر قاعدہ کو علاحدہ کیا ہے، پھر اس کی نہایت آسان شرح لکھی ہے اور شروع میں کافیہ پڑھانے کا طریقہ بیان کیا ہے، اور قدیم طرز سے ہٹ کر کافیہ کس طرح طلبہ کے ذہن نشین کی جائے اس کے لئے ”مشقی سوالات“ دیئے گئے ہیں..... پھر دوسری شرح الوافیۃ عربی میں لکھی ہے اور اس پر وہی مفصل و مرقم متن ہے تاکہ طلبہ درس میں اس کو سامنے رکھ کر پڑھ سکیں۔

② آسان نحو (دو حصے) نحو کی ابتدائی عربی کتابوں میں تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔ یہ دو حصے پڑھا کر علم نحو کی کوئی بھی عربی کتاب شروع کرائی جاسکتی ہے۔ زبان آسان اور انداز بیان سلیحھا ہوا ہے۔

③ آسان صرف (تین حصے) آسان نحو کے انداز پر تدریج کا لحاظ کر کے یہ رسالے مرتب کئے گئے ہیں۔ پہلے حصہ میں گردانیں ہیں قواعد برائے نام ہیں اور دوسرے حصہ میں قواعد مع گردان دیئے گئے ہیں۔ اور ابواب کی صرف صغیر دی گئی ہے۔ اور تیسرے حصہ میں تعلیلات اور وقت اقسام کی گردانیں ہیں، بہت آسان اور مفید نصاب ہے۔

④ آسان منطق: ترتیب تیسیر المنطق۔ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس میں تیسیر المنطق کی جگہ اب یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ اس میں تیسیر المنطق ہی کو سہل کر کے مرتب کیا گیا ہے، کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔

⑤ فیض المنعم: مقدمہ مسلم شریف کی اردو شرح ہے۔ اس میں ضروری ترکیب اور حل لغات بھی ہیں، غرض کتاب حل کرنے کے لئے ہر ضروری بات اس کتاب میں موجود ہے اور کوئی غیر ضروری بات نہیں لی گئی۔

⑥ تحفۃ الدرر: یہ منتخبہ الفکر کی بہترین اردو شرح ہے، کتب حدیث پڑھنے والوں خصوصاً مشکوٰۃ شریف پڑھنے والوں کے لئے نہایت قیمتی سوغات ہے۔

⑦ مبادی الفلفہ: اس میں فلسفہ کی تمام اصطلاحات کی عربی زبان میں مختصر اور عمدہ وضاحت کی گئی ہے۔ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے۔

⑧ معین الفلفہ: یہ مبادی الفلفہ کی بہترین اردو شرح ہے، اور حکمت و فلسفہ کے پیچیدہ مسائل کی عمدہ وضاحت پر مشتمل اور معلومات افزا کتاب ہے۔

⑨ مفتاح التہذیب: یہ علامہ افتخار زانی کی ”تہذیب المنطق“ کی ایسی عمدہ شرح ہے کہ اس سے ”شرح تہذیب“ جو مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے، خوب حل ہو جاتی ہے۔





تفسیر حدایت القرآن منظر عام پر آگئی ہے

اللہ کی توفیق سے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہم شیخ الحدیث و صدر الدرسین دارالعلوم دیوبند کی مایہ ناز تصنیف "تفسیر حدایت القرآن" ۸ جلدوں میں منظر عام پر آگئی ہے، ہندوستان میں مکتبہ حجاز دیوبند اور پاکستان میں مکتبہ غزنوی کراچی نے اسے شائع کر دیا ہے۔ واضح رہے! حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے تدریس و تصنیف اور تحقیق و مطالعہ کے میدان میں تقریباً پچیس سالہ تجربہ کے بعد تفسیر حدایت القرآن تحریر فرمائی ہے، اس تفسیر میں ہر سورت کے شروع میں اس کا تعارف و خلاصہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ آیات و سورتوں کے درمیان ربط اور ہر لفظ کے سامنے اس کا لفظی واضح ترجمہ، پھر تفسیر اور آخر میں با محاورہ ترجمہ کا اہتمام کیا گیا ہے، حواشی میں مشکل الفاظ کی لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق بھی اختصار کے ساتھ شامل کی گئی ہے۔

امید قوی ہے کہ اس تفسیر سے اساتذہ کرام، ائمہ مساجد، عزیز طلبہ اور عام مسلمان بھائی سب استفادہ کر سکیں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

عبدالرؤف غزنوی عفا اللہ عنہ

خادم حدیث نبوی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

۱۴۳۰/۷/۲۲

۲۰۱۹/۳/۳۰



مکتبہ بنوری کراچی

سلام کتب مارکیٹ دکان نمبر 13 علامہ بنوری ٹاؤن کراچی